سیرت نبوی پر ایک جامع، مدلل اور اب تک کی واقعاتی
سیرت النبی پر دنیا بھر میں سب سے بڑی کتاب

نورِ اُمُّ النُّور
نورِ رحمۃ للعالمین

ڈاکٹر محمد عمر خان لیفٹیننٹ کرنل (ر)

سیرتِ نبوی پر ایک جامع، مُدلّل اور اب تک کی واقعاتی
سیرت النبی پر دُنیا بھر میں سب سے بڑی کتاب

نورِ مُسلم النور
نورِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد اول

تالیف:
ڈاکٹر محمد عمر خان لیفٹننٹ کرنل (ر)

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر نزد مسلم ماڈل ہائی سکول ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-7246006

نام کتاب	——	نورِاُم النورنورِرحمۃ للعالمین (جلداوّل)
موضوع	——	سیرت النبی ﷺ
تالیف	——	ڈاکٹر محمد عمر خان لیفٹیننٹ کرنل (ر)
باراوّل	——	شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ/اگست 2007ء
کمپوزنگ	——	ورڈز میکر
تعداد	——	500
ناشر	——	ملک شبیر حسین
مطبع	——	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
قیمت	——	[illegible]/= روپے کامل سیٹ

ملنے کے پتے

شبیر برادرز

40 اُردو بازار، لاہور 7246006

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

گنج بخش روڈ لاہور 7313885

انتساب

پیغمبر اوّل و آخر واعظم' ہادئ دو جہاں' رحمت للعالمین' شفیع المذنبین' حضور پُر نور نبی کریم' رؤف ورحیم' فخرِ کائنات' اصل الموجودات' حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شانِ رحمت للعالمینی کے واسطے سے

اور ان تمام صحابہ کرام' آلِ رسول رضی اللہ عنہم اجمعین جن کے طفیل یہ دینِ متین اور اسوۂ حسنہ ہم تک خوبصورت شکل و انداز میں پہنچا

اور ان صدیقین و صالحینِ اُمت جو اس دینِ متین اور اسوۂ حسنہ پر صدقِ دل اور خوش اسلوبی سے ہر حال میں عمل پیرا رہے اور اس عالم میں ظلمت وظلالت کو نور نبی نور اللہ سے منور کرتے رہے' دور کرتے رہے۔

کہ اِن سب کے طفیل اِس کتاب کا ثواب وخیر اوّل تا آخر ساری اُمتِ مسلمہ کے لیے ہو اور ان کے ساتھ اِس پُرتقصیر کے لیے بھی شفاعت' رحمت اور بخشش کا ذریعہ بنے۔

ڈاکٹر محمد عمر خان

215-اے فیز ا ڈی-ایچ-اے لاہور کینٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صلی اللہ علی النبی الامی و آلہٖ

صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ وسلاماً علیک یا رسول اللہ

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان کی کہانی' قرآن کی زبانی

حمد وثناء دعا ومناجات

شروع کرتا ہوں اس کتاب ''نورِ ام النور' نورِ رحمت للعالمین'' کا لکھنا اللہ تبارک وتعالیٰ کے بابرکت نام اور اس دعا کے ساتھ۔

ترجمہ:-''اور یوں عرض کر' اے میرے رب مجھے سچی طرح داخل کر اور سچی طرح باہر لے جا اور مجھے اپنی طرف سے مددگار غلبہ دے۔'' (سورہ بنی اسرائیل- آیت 80)

اے اللہ تبارک وتعالیٰ خالق و مالک کائنات تو بنی نوع انس و جان کو اپنے حبیب پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم رحمت للعالمین خاتم النبیین ﷺ کی شانیں' رفعتیں' عظمتیں کتنے خوبصورت انداز میں بیان فرماتا ہے' شان عظمت و رفعت کو بنی نوع انس و جان پر کس طرح آشکارا کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو ان پر خوب درود و سلام بھیجو۔'' (سورہ احزاب۔ آیت 56)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ○ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ○ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ○

''اے رب العالمین! میری تمام حسوں میں' شعور و لاشعور میں' میرے جسم میں' جسم کے خلیہ خلیہ میں صالحین امت' آل رسول' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین' قرآن و سنت کی محبت و عظمت کوٹ کوٹ کر بھر دے اور ان سب کی محبت کے واسطہ سے مجھے پیغمبر اول و آخر و اعظم خاتم النبیین' سید المرسلین' محبوب خاص' ہادی دوجہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت عطا فرما۔ میں ان سب سے ہمہ وقت بے لوث' پرخلوص' لگن اور پوری دیانتداری سے محبت کروں' اطاعت کروں۔ اور اے سارے جہانوں کے رب' نبی کریم ﷺ ' قرآن و سنت کی محبت و اطاعت ہی تیری ذات باری کی اطاعت و محبت ہے' بس اسی واسطہ سے مجھے اپنی محبت عطا فرما۔''

یہ حرماں نصیب جو تیرے کوچہ سے نابلد اور ایمان وایقان سے محض ناآشنا ہے کیونکر تیری حمد وثناء میں لب کھولنے کی جرأت کرسکتا ہے۔ میں تو بس اتنا ہی جانتا ہوں کہ تو ساری کائنات کا موجد اور کل موجودات کا خالق ومالک ہے اور تیرے بعد' تیرے نزدیک ترین' ان سب جہانوں میں تیرے رسول مقبول' پیغمبر اول وآخر واعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا مقام ہے۔ مجھے تو ہر جگہ' ہر شے میں' ہر کام ہر آغاز وانجام میں تو ہی کارفرما نظر آتا ہے' تیرے ہی وجود کا جلوہ نظر آتا ہے۔

قادر مطلق علیم وخبیر! میں 55 سال کی عمر رائیگاں گزارنے کے بعد اس راہ پر لایا گیا ہوں' آیا ہوں۔ جب اپنی گزشتہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو ہر گام پر تیری رحمت ہی رحمت نظر آتی ہے۔ تو سراسر رحمت ہے تو ہی حقیقت میں اللہ ہے' رحمٰن ورحیم ہے۔ واہ رے تیرے خدائی' تیرے رحم وکرم کہ تو ہمیشہ ہی درگزر فرماتا ہے اور میرے جیسے گنہگاروں کو مہلت پہ مہلت دیئے جاتا ہے اور رحم وکرم فرمانے سے نہ رکتا ہے اور نہ اکتاتا ہے۔ تیرا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے' کم ہے۔

رب العالمین! صدقہ اپنے راز ونیاز' اپنے عاشقان جانباز' اپنے محبوبان دل نواز اور عارفان پاکباز کا' اس عقل ونظر کے اندھے' بہرے گونگے اور دیگر تمام کند جتنوں والے نے آپ کی جناب سے مستقل مدد ورہنمائی کے لیے پورے یقین' اعتماد وعاجزی سے ہاتھ پھیلایا ہوا ہے۔ اپنے حبیب کے واسطے سے اس کی دستگیری فرما اور اس کور باطن کو دل بینا' چشم بصیرت ونور معرفت عطا فرما اور اپنا پاک ومقدس نام لینے اور اپنی حمد وثناء کرنے کے قابل بنا۔

رب العالمین! مجھے میری تمام جتنوں میں' شعور ولاشعور میں' سارے جسم میں' جسم کے خلیہ خلیہ میں نبی کریم ﷺ' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین' آل رسول اور صالحین امت کا ادب واحترام' عزت وعظمت' اطاعت ونور ہدایت کوٹ کوٹ کر بھردے کہ اب میں جو دیکھوں' سنوں یا کہوں (لکھوں) تو مجھے ہر حال ہر سو انہی کی کرشمہ سازیاں' رفعتیں' عظمتیں ملیں۔ میرے رب! مجھے اس راہ سے بھٹکنے نہ دینا۔ میں اس راہ سے بھٹکی ہوئی ایک دن کی زندگی کا بھی طلبگار نہیں ہوں اور تو سب کچھ جانتا ہے۔ میرے ان ارادوں' اس نفس کو جانتا ہے جس نے ابھی میرے اندر ظہور پذیر ہونا ہے اور میں ان سے بے خبر ہوں۔

قرآن حکیم سورۂ ق آیت 16 میں ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ○

''اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم دل کی شہ رگ سے بھی اس کے زیادہ نزدیک ہیں۔'' (سورۂ ق۔ آیت 16)

میرے رب' سب جہانوں کے رب' میرے دل میں اپنا' اپنے محبوب خاص ﷺ کا نور' نور بصیرت ومعرفت وعرفان بھردے اور تاحیات مجھے اسی عطا کی ہوئی راہ راست پر رکھنا' میری اس محبت' چاہت' لگن میں

اضافہ ہی کرتے جانا۔ میرے شر سے عالمین کو محفوظ فرمانا اور میرے لکھے ہوئے کو اپنی حکمت و رحمت سے امت مسلمہ کے لیے باعث رحمت و ہدایت' باہمی اخوت' محبت' اتحاد و احترام ہی بنانا۔ آمین ثم آمین۔

اللہ تبارک وتعالیٰ' خالق و مالک کائنات' قادر مطلق' پروردگار عالم میں نے یہ کتاب اپنی آخرت کے لیے لکھی ہے اور اسے اپنے آقا کریم ﷺ کی بارگاہ میں تحفے کی شکل میں پیش کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ ﷺ اسے قبول فرمالیں گے کیونکہ میرے آقا اتنے کریم ہیں کہ آپ ﷺ کسی غلام کے تحفہ کو رد نہیں فرماتے۔ آپ رحمۃ للعالمین جو ہوئے۔

واہ کیا جود و کرم ہے شاہِ بطحا تیرا
''نہیں'' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

یارسول اللہ ﷺ آپ کے اس حقیر غلام نے زندگی کا ہر رنگ دیکھ لیا ہے۔ خون کی سرخی بھی خوب دیکھی اور خون کو اپنی آنکھوں سے سفید ہوتے ہوئے بھی خوب دیکھا ہے۔ سفید جھوٹ کی کالی چادر کو سچ پر مکمل چھا جاتے دیکھا ہے۔ پردے اٹھے تو کئی چہرے بدلے ملے ہیں۔ آج حساب کرنے بیٹھا ہے تو میرے دامن میں زیاں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ آپ سے معافی کا طلبگار ہوں اور کرم و رحمتوں کی آس لگائے بیٹھا ہوں۔

ایک میں کیا میرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

یارسول اللہ ﷺ' اللہ تبارک وتعالیٰ مالک حقیقی نے آپ ﷺ کو کائنات کا مالک بنایا ہے۔ آپ ﷺ اس کائنات کے مالک ہیں۔ آپ ﷺ میری جان کے بھی مالک ہیں۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

یارسول اللہ ﷺ اب میری آخری خواہش ہے کہ میں آپ ﷺ کو راضی کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ! آپ ﷺ کے وسیلے سے مجھے اس کی توفیق بخشے۔ میں آپ کے دین کا کچھ کام کرنا چاہتا ہوں' مجھے للہ ہمت' حوصلہ' صبر' شکر' علم و حکمت' طریقہ' عقل' سمجھ' دانائی غرضیکہ سب کچھ ہی دیں۔ میں آپ کے در کا' پنجتن پاک کے در کا مسٹنڈا گدا ہوں یعنی کہ ایسا گدا ہوں جس کی نہ شکل' نہ حلیہ' نہ لباس' نہ رہن سہن' نہ ادب آداب' نہ مانگنے کا ڈھنگ انداز و طریقہ' نہ حوصلہ غرضیکہ کچھ بھی تو فقیروں والا نہیں اور نہ میں نے اپنے آپ کو آپ کی جناب سے اتنی قربت' اتنے لگاؤ اور سب کچھ ہی مانگنے کا مستحق بنایا ہے۔ میں ایسے فقیر کو اپنی سمجھ و دانست میں ''مسٹنڈا فقیر'' کہتا آیا ہوں' سمجھتا آیا ہوں۔ اور آپ ﷺ کا یہ مسٹنڈا فقیر دنیا پرست ہے جو اسی حال میں بلکہ اس سے بھی بہت بہتر حال و حالت میں فقیری گزارنے کا خواہش مند ہے۔ آپ ﷺ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے قاسم ہیں' دینے والے' بانٹنے والے ہیں' رؤف و رحیم' کریم اور سب کچھ ہی ہیں یا تو میرا ظرف بڑھائیں یا یونہی قبول

کرلیں۔ بس آپ مجھے میری تمام خامیوں کے ساتھ قبول کرلیں اور ہر طرح ہر حال میں ہر جگہ ہر وقت اور ہر صورت میری مدد و رہنمائی فرمائیں۔

خوار و بیمار و خطاوار و گنہگار ہوں میں
رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا

یارسول اللہ ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کے وسیلہ سے اسلام دیا' مال دیا' تندرستی دی' اب آپ ﷺ سے حسن توفیق کا طالب ہوں۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت کے لیے بھی کرم و رحمت کی آس لگائے بیٹھا ہوں۔ مستحق نہ ہوتے ہوئے بھی آپ ﷺ کا دامن رحمت پکڑ رہا ہوں۔ مجھے اب اپنے در سے دور نہ ہونے دیں اور روز محشر اپنی شفاعت کے دامن رحمت میں لے لینا۔ گنہگاروں کو تو آپ ہی کا آسرا ہے' آپ رحمۃ للعالمین جو ہیں' ہم کیوں نہ آس لگائیں۔

تیرے صدقے مجھے ایک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا
تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا
تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو میرا غوث ہے لاڈلہ بیٹا تیرا

میں کیا تھا؟

اس سوال کا جواب پڑھنے سے پہلے درج ذیل کو پڑھیے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے ان کے زور بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمتیں مصلحتیں کہ وہ ان مردانِ حق' رجال غیب' مرد مومن' اولیاء اللہ کو عوام الناس سے بہت حد تک چھپا کر رکھتا ہے۔ اور ان کو چھپانے میں' ان کی اصلیت کو ایسے ایسے پردوں میں اور ایسے ایسے انداز و طریقوں سے چھپا دیتا ہے کہ بہت قریبی لوگوں کو بھی پتہ نہیں چلتا۔ یہاں یہ موضوع تو زیر بحث نہیں ہے ہاں ان کے بارے میں یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کے چھپے ہونے کے ساتھ ساتھ دنیاوی لحاظ سے ان کی تعداد بھی بہت کم ہوتی ہے یعنی کہ اس وقت سن 2005 عیسوی میں اندازاً سولہ لاکھ کی آبادی میں' افراد میں صرف ایک مردانِ حق' رجال غیب' مرد مومن یا ولی اللہ ہوتا ہے۔

ان میں سے بھی ان کی کافی بڑی تعداد شام' عراق' فلسطین اور سعودی عرب کے اریا میں ہے۔ اس کا

مطلب یہ نہ لیں کہ پھر غیر مسلم ممالک میں یا غیر مسلم آبادی کے لئے کوئی مردانِ حق، رجال غیب یا ولی اللہ نہیں ہوتا ہوگا۔ یہ بات نہیں ہے جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ سب کا ہے اسی طرح پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ بھی سب کے ہیں اور اولیاء اللہ، رجال غیب تو سب کے سب حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ رحمت للعالمین کا سایہ ہیں، اس کا پرتو ہیں، اس کا عکس ہیں۔ یہ مسلم اور غیر مسلم، اللہ کے ماننے والوں اور اس کے نہ ماننے والوں کے لئے، سب کے لئے یکساں ہیں۔ جیسے آپ حضور پُرنور ﷺ تمام انس و جاں کے لیے ہیں اسی طرح یہ بھی تمام انس و جاں کے لئے ہیں اور ہم انسانوں کی طرح جنات میں بھی اولیاء اللہ ہیں۔

انبیاء کرام کا خطہ زمین اولیاء اللہ کی بہتات کا خطہ زمین ہے۔ اولیاء اللہ کے خاص خطہ زمین میں زیادہ ہونے یا ان کا مسلم ممالک میں ہی زیادہ ہونے کا یہ مطلب نہ لیں کہ پھر غیر مسلم ممالک یا غیر مسلم آبادی تو ان سے خالی ہوں گے۔ نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ ان کا اپنے مقام سے بہت بہت دور موجود ہونا اور بہ یک وقت کئی کئی ممالک جگہوں پر موجود ہونا قطعاً بعید نہیں ہے بلکہ ان کا معمول ہے۔ ایسا ہونا ہمیں تو بعید لگتا ہے کیونکہ ہم میں وہ سمجھ نہیں ہے، ایمان نہیں ہے، ایمان بالغیب نہیں ہے۔ ہم اپنے ربّ کو قادر مطلق نہیں سمجھتے۔ اس لئے ہمیں یہ حقیقتیں سمجھ نہیں آ سکتیں۔

لیکن سچ یہی ہے کہ ان کا اپنے مقام سے دنیا کے کسی کونے میں بھی فوری پہنچ جانا قطعاً مشکل نہیں ہے۔ ان کا ایک مادی جسم اپنے ہی جیسے کئی اجسام میں بٹ جاتا ہے اور ہر جسم، مادی روحانی، حسی، عقل و شعور میں مکمل ہوتا ہے یعنی کہ ایک ہی رجال غیب، ولی اللہ بہ یک وقت کتنے ہی ممالک میں اور کتنی ہی جگہوں پر موجود ہوتا ہے اور ایسا کرنا ایسا ہونا تفریحاً نہیں بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اُس کے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے خاص حکم و اذن و ہدایات کے تحت با مقصد ہوتا ہے اور موجود اولیاء اللہ کی مدد و رہنمائی وہ اولیاء اللہ بھی کرتے ہیں جو پردہ فرما چکے ہیں چاہے انہیں پردہ فرمائے ہزاروں سال گزر چکے ہوں۔

مندرجہ بالا صفات کو مدنظر رکھ کر اُن ہی مردانِ حق، رجال غیب، اولیاء ار کے بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

یعنی کہ ان کے لئے دوری فاصلے، وقت، سردی، گرمی اور رکاوٹ یہ کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ باالفاظِ دیگر قدرت کے یہ خفیہ کارندے لمحوں میں دور سے دور، مشکل سے مشکل اور انسانی پہنچ کے لئے بالکل بند جگہوں پر پہنچے ہوتے ہیں۔

اسی موضوع کی وضاحت کے لئے فارسی زبان میں ایک شعر حاضر خدمت ہے

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ
تیرِ جستہ باز گرداند زے راہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اولیاء کو (اولیاء اللہ کو) یہ طاقت وصلاحیت بھی عطا کی ہوئی ہوتی ہے کہ وہ کمان سے داغے ہوئے' چھوڑے ہوئے تیر کو بھی راستے سے ہی پلٹا لاتے ہیں۔ یعنی وہ صادر شدہ تقدیر کو بھی بدل دیتے ہیں۔ وہ ایک نگاہ میں کسی کی بھی شخصیت بدل دیتے ہیں۔ وہ ایک ارادے سے کسی کی بھی حالت و طبیعت کو بدل دیتے ہیں۔ یعنی وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا سے قضا وقدر کے درمیان آ جاتے ہیں۔

وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاص کارندے ہوتے ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دوست (اولیاء اللہ) ہونے کے سبب' ان کے اللہ اور پیغمبر اوّل و آخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا صحیح معنوں میں بندہ ہونے کے سبب' وہ نظامِ قدرت میں دخل دینے والے خاص کارندے بن جاتے ہیں۔ اور یہ نظامِ قدرت میں دخل اندازی' کرامات دراصل تکوینی نظام کا حصہ ہوتی ہیں جنہیں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے حبیب پیغمبر اوّل و آخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی عنایت ورضا کے سبب وہ جانتے ہیں اور کرامات کرتے ہیں۔

کسی پر کب اور کیوں ان کی نگاہِ کرم پڑ جاتی ہے یہ تکوینی نظام کا حصہ ہے۔ علم غیب کا حصہ ہے اسے وہ کسی کو نہیں بتاتے اور دیگر لوگ مخلوقِ خدا' عام لوگ اسے سمجھ بھی نہیں سکتے۔

میں کیا تھا یہ ان درج ذیل دو واقعات سے بہت اچھی طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ مجھ پر کس رجال غیب' مرد مومن' اولیاء اللہ کی نگاہِ کرم پڑی' کب پڑی' کیوں پڑی یہ میں نہیں جانتا اور اگر مجھے اب تک اس سے متعلق کچھ اشارہ مل بھی گیا ہوگا تو میں اپنی زبان نہیں کھولوں گا کیونکہ اس کی بنیاد تو بچپن میں ہی ڈال دی جاتی ہے اور پھر جنہیں اس راہ پر لایا جاتا ہے انہیں ہر کچھ پر مکمل ایمان بالغیب کی خاطر عین الیقین کرایا جاتا ہے۔

یعنی کہ انہیں بچپن سے ہی ایسے واقعات' حالات' خواب وخیالات سے گزارا جاتا ہے اور ان کو یادداشت میں محفوظ کر دیا جاتا ہے کہ جب وہ مقام آئے تو اُسے وہ بچپن کے' ماضی کے واقعات یاد آئیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر یقین ہو اور وہ جان جائے کہ ہاں اس وقت یہ جذبات ہوئی تھی وہ تو اس لئے ہوئی تھی اور اس وقت جو یہ ہوا تھا وہ اس لئے ہوا تھا۔ اس طرح ان سب کی کڑیاں ملتی جاتی ہیں اور وہ ان کا یقین بالغیب پر یقین بالعین ہوتا ہے۔

جب آدمی کی عمر بیس سال سے تیس سال کے درمیان ہوتی ہے تو عموماً اس دوران اس کی جو شخصیت بنتی ہے وہی اس کا حاصل زندگی ہوتا ہے۔ اس دوران وہ اپنی کارگزاریوں کے لئے آزاد ہوتا ہے' نوجوان ہوتا ہے اور والدین کے سائے میں میدان عمل میں آگے بڑھ رہا ہوتا ہے اور پھر تعلیم وغیرہ ختم کرنے کے بعد شادی خانہ آبادی' نوکری اور دیگر ذمہ داریاں آلیتی ہیں۔

اس لئے آدمی کی اصل شخصیت کالج میں یا بیس پچیس سال کی عمر میں بنتی ہے اور ظاہر ہوتی ہے۔ اور پھر میں نے تو میڈیکل کالج میں ایم بی بی ایس کی تعلیم حاصل کی ہے جس میں کلاس فیلو رہنے کا دورانیہ پانچ سال کا ہے اس لئے ہم ڈاکٹروں کو تو ایک دوسرے کو زیادہ عرصہ تک جاننے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ اتنے عرصہ میں ہر کسی کی شخصیت اُبھر کر کلاس فیلوز کے سامنے آ جاتی ہے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے (سن 2000 عیسوی) جب میں نے اپنی کتابیں

1- نور قرآن کی روشنی میں

2- پیارے رسول کا پیار

چھپ جانے کے بعد لوگوں میں تقسیم کیں یا بذریعہ ڈاک مستحق لوگوں کو ملک کے دور دراز علاقوں میں پہنچائیں۔ اسی طرح میں نے یہ کتابیں اپنے چند گہرے دوست کلاس فیلوز کو بھی پہنچا دیں۔ ان ڈاکٹروں میں میرے ایک دوست ڈاکٹر زمرد بیگ مرزا جہلم والے بھی تھے۔ اس نے شوق میں میری دونوں کتابیں بہت جلدی پڑھ لیں اور وہ بہت متاثر ہوا۔

حسن اتفاق سے جب وہ میری دونوں کتابیں پڑھ چکا تھا اور اپنے شوق وخوشی میں چند اور دوست احباب کو بھی پڑھائی تھیں۔ وہ کتابیں انہیں بھی وہ بہت معیاری لگیں تھیں' تو ان ہی دنوں جہلم میں ایک سیمینار کے سلسلے میں پاک آرمی اور سول سے ڈاکٹروں کا اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں نشتر میڈیکل کالج کے بہت سارے ڈاکٹر تھے۔ ان میں سے کچھ ہمارے سینئر تھے کچھ جونیئر اور کچھ کلاس فیلو تھے اور ڈاکٹر زمرد بیگ مرزا اس سیمینار کے منتظمین میں سے تھا۔

اس نے نشتر کے ڈاکٹروں کو اپنے گھر پر مدعو کیا' اکٹھا کیا اور انہیں کہا کہ یار ایک بہت بڑی اور حیران کن خبر ہے۔ انہوں نے تجسس میں پوچھا کہ کیا خبر ہے؟ ڈاکٹر زمرد بیگ مرزا نے کہا کہ یار تم میرے کلاس فیلو ڈاکٹر عمر (اس کے ساتھ ہی اس نے میرے دو نِک نیم یا عرف لئے) کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں بھئی خوب جانتے ہیں وہی عمر مچھ' عمر بانسری والا' بتائیں اس کے بارے میں کیا خبر ہے؟

ڈاکٹر زمرد بیگ مرزا نے کہا:

یار وہ عمر مسلمان ہو گیا ہے۔ اس نے دین اسلام پر بہت عمدہ کامیاب کتابیں لکھی ہیں۔ یار وہ تو بالکل مسلمان ہو گیا ہے۔ پھر ڈاکٹر زمرد بیگ مرزا نے میری لکھی ہوئی وہ دونوں کتابیں انہیں دکھلائیں۔

اسی سے متعلق ایک دوسرا واقعہ سنیئے: اس واقعہ میں بھی میرے ایک کلاس فیلو ڈاکٹر بابر (سرجن نشتر ہسپتال) کا تعلق ہے۔ سن 2002ء عیسوی میں ایک زمانے کے بعد مجھے ملتان جانے کا اتفاق ہوا اور وہ اس طرح کہ میرا چھوٹا بیٹا فاروق عمر خان ڈسٹرک مظفر گڑھ کے ایک پاور پلانٹ میں آئی ٹی کا مینیجر یا آفسر انچارج تھا۔ ایک دن میں بغیر پیشگی اطلاع دیئے اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر اپنے کلاس فیلو ڈاکٹر بابر سے ملنے چلا گیا۔

اتفاق سے وہ گھر پر موجود تھے۔ ہم تقریباً 38 سال بعد ملے تھے۔ میں نے اسے بتایا کہ میں تمہارا کلاس فیلو ڈاکٹر ہوں‘ مجھے پہچانو۔ کچھ دیر بعد اس نے مجھے پہچان لیا۔ ہم گلے ملے اور میں نے اپنے بیٹے فاروق عمر خان کا جو میرے ساتھ تھا اس سے تعارف کرایا۔ پھر ہم حسب معمول کچھ دیر کے لئے چائے‘ پانی پینے بیٹھ گئے اور باتیں شروع کر دیں۔

ہم تینوں ابھی مشروب ہی پی رہے تھے کہ ڈاکٹر بابر نے مجھ سے پوچھا یار عمر آجکل کیا کر رہے ہو؟ اس وقت میرے ساتھ ہی ایک طرف میرا بیٹا بیٹھا ہوا تھا۔ اور ان دنوں اب تک میں اپنی اس کتاب نورام النور‘ نور رحمت للعالمین کے انداز اً اڑھائی تین ہزار صفحات لکھ چکا تھا۔ میں نے اسے کہہ دیا کہ یار آجکل میں دین اسلام پر لکھ رہا ہوں۔

میرا اتنا کہنا تھا کہ ڈاکٹر بابر کو تعجب میں پانی‘ مشروب کا پھندا پڑ گیا اور باوجود اس کے کہ میرے ساتھ میرا بیٹا بیٹھا ہوا تھا وہ اپنے ان الفاظ کو اپنی زبان پر آنے سے نہ روک سکا۔ اس نے کہا:
یار ”ڈاکٹر عمر اور اسلام“ یہ تو نا قابل یقین بات ہے اور اسی لئے تو اس انہونی کا سن کر مجھے مشروب کا پھندا پڑ گیا ہے۔ شاید وہ اس سے آگے اور بھی بہت کچھ کہتا لیکن میرے بیٹے کی موجودگی میں وہ مجبوراً چپ رہا۔
قارئین کرام! مندرجہ بالا دو واقعات سے آپ پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ میں کالج لائف میں کس طرح کا آدمی تھا۔ میں صحیح معنوں میں بہت ہی لچا لفنگا اور بدمعاش قسم کا آدمی تھا۔ اسی لئے میرے ان دونوں کلاس فیلو ڈاکٹرز نے جو میرے بارے میں کہا وہ سچ کہا تھا۔ بس یہ شان رب العالمین قادر مطلق ہے کہ اس کے کسی مرد مومن کی نگاہ مجھ پر پڑی اور اُس نے اللہ اور اس کے رسول مقبول و محبوب ﷺ کے حکم و اذن سے مجھے میرے ماضی سے 180 ڈگری گھما دیا اور میں بھی دین کی باتیں کرنے لگا۔

قارئین کرام سے گزارش

انسان خطا کا پتلا ہے اور میں تو ہوں ہی پر تقصیر۔ میں ہر اس شخص سے معافی کا طلبگار ہوں جس پر میری تحریر کسی طرح سے بھی گراں گزری ہو۔ میں آپ سب سے مدد و رہنمائی کا طالب ہوں۔ میری تحریر میں اگر کوئی خیال‘ انداز‘ رائے‘ لفظ و الفاظ آپ ﷺ ‘ آلِ رسول‘ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صالحین امت کے شایان شان نہ ہو‘ غیر معیاری ہو اور آپ کے علم و نظر میں اس سے بہتر خیال‘ انداز‘ لفظ و الفاظ موجود ہوں تو آپ لکھ کر مجھے آگاہ کریں۔ میں یقیناً برے کو اچھے سے فوراً بدل دوں گا اور آپ کا شکریہ بھی ادا کروں گا۔
الحمدللہ! حیات طیبہ پر لوگوں نے جی کھول کر لکھا ہے۔ بہت لوگوں نے لکھا ہے اور لکھتے رہیں گے۔ چھوٹی بڑی سینکڑوں کتابیں ہر وقت دستیاب ہیں اور لکھنے والے حضرات میں ہر ایک کا منفرد اندازِ بیان‘ منفرد لکھنے کا مقصد‘ مختلف انداز فکر اور اکثر میں حیات طیبہ کا ایک نیا پہلو اجاگر ہے۔ پیغمبر اول و آخر اعظم اصل الموجودات

حاصل کائنات سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ پر جتنی بھی کتابیں لکھی جائیں، کم ہیں۔

حیات طیبہ پر اتنی کتابوں کی موجودگی میں میرا لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ میری کتاب اول تا آخر آپ ﷺ کی عظمت، شان و رفعت کے مطابق ہو۔ میری کتاب آپ ﷺ کی عظمت، شان و رفعت سے سجی ہو یعنی وہ کتاب آپ ﷺ کی عظمت، شان و رفعت کو اجاگر کرے اور ادب و احترام، توقیر، عزت و حرمت میں اضافہ کرے، اجاگر کرے اور یوں آپ ﷺ کے پرشوق و پرخلوص اتباع ومحبت کے لیے خواہشات و جذبات بیدار کرے۔ یہی میری کتاب کا حاصل ہو اور اس کے سبب مجھے حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی نظر عنایت، محبت و شفاعت نصیب ہو۔ آمین۔

حقیقت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا، اسوۂ حسنہ کا پرشوق، پرخلوص، اعلیٰ ترین اتباع، اطاعت و فرمانبرداری کی جو نادر مثالیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے چھوڑی ہیں، وہ اس قدر ایمان افروز ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ کتاب بلکہ کتابیں لکھی جائیں لیکن چند مجبوریوں کے سبب اور اس کتاب کی ضخامت کی خاطر اس میں چیدہ چیدہ واقعات و حالات ہی لکھے جائیں گے۔ وہ جو بہت ہی زیادہ ایمان افروز، پر حکمت و عظمت اور اتباع، ایثار و قربانی کے اعلیٰ ترین نمونے ہوں۔ ایسے واقعات و حالات کو ہر ممکن جائز تفصیل کے ساتھ لکھا جائے گا۔

اس کتاب میں میری یہ خواہش بھی ہوگی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے تمام واقعات و حالات کو زمانے کی ترتیب سے لکھوں اور ان پر سن فیل، سن نبوی، سن ہجری کے ساتھ ساتھ سن عیسوی کو بھی لکھوں کہ قارئین کرام کو اُسوۂ حسنہ، سیرت و تاریخ کے اوراق کی روگردانی کے دوران گرمی، سردی، خوشگواری و شدت موسم کا احساس بھی رہے۔

میں نے حیات طیبہ کو تاریخی پہلو سے یا تاریخی انداز سے لکھنا ہے اور میں اسے اس خوش اسلوبی و انداز سے لکھنا چاہتا ہوں کہ یہ کتاب مسلم، غیر مسلم ہر کسی کے لیے ہدایت کا باعث بنے۔ اپنے اس شوق و خواہش کی تکمیل کی خاطر میں اس کتاب میں پہلے چند ایسے موضوعات پر لکھ رہا ہوں جو پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کی عظمت، شان و رفعت کو صحیح اور اچھے طریقے سے سمجھنے، ذہن نشین کرنے میں مدو معاون ثابت ہوں یعنی جن کے پڑھنے کے بعد قارئین کرام کو آپ ﷺ کی عظمت، شان و رفعت نہ صرف یہ کہ سمجھ آ جائے بلکہ وہ نظر بھی آنے لگے۔

اس کتاب کے پہلے باب میں، میں عظمت، شان و رفعت پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بیان کرنا چاہتا ہوں، وہ میں کلیتہً قرآن حکیم کے حوالے سے کرنا چاہتا ہوں۔ اس خیال سے جب کام شروع کیا تو قرآن حکیم کی دوسری آیات مبارکہ کے الفاظ ''ھدیً للمتقین'' ''ترجمہ'' ہدایت متقیوں کے لیے'' نے ہی سوچ میں ڈال دیا کہ یہ ترجمہ تو آسانی سے سمجھ آنے والا نہیں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان کہ اسی سوچ و بچار کے دوران مجھے سورہ بقرآیت 2 کے الفاظ ھدیً للمتقین سے متعلق ایسے خیالات وفقرے پڑھنے سننے کو ملے کہ ''ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس میں متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔ اب ''متقیوں کے لیے ہدایت'' کے کیا معنی ہیں؟ کیونکہ متقین تو کہا ہی ان کو جاتا ہے جو نیک اور پرہیزگار ہوں' لہٰذا قرآن پاک اس غرض سے نازل نہیں ہوا کہ وہ لوگوں کو نیکی کے ابتدائی سبق پڑھائے بلکہ اب قدرت یہ فرض کر چکی ہے کہ اخلاقی قوانین پر عمل پیرا ہو کر دنیا کے لوگ اب متقی ہو چکے ہیں''۔ یہ خیال' یہ فقرہ' یہ الفاظ ''کتاب دنیا کی کہانی'' کے صفحہ 39 پر درج ہیں۔

اور اسی نوعیت کے خیالات کبھی کبھار سننے کو بھی ضرور مل جاتے ہیں۔ ایک نوجوانوں کی محفل میں دین کے بارے میں آزادانہ خیالات کا اظہار ہو رہا تھا۔ میرا بھی ادھر سے گزر ہوا تو جوانوں کی محفل میں ''دین کی باتیں'' سن کر بہت اچھا لگا اور جی چاہا کہ ایک طرف ہو کر اس محفل کو کچھ دیر سنا جائے۔ حسن اتفاق کہ ان میں جو زیادہ پڑھا لکھا اور پختہ عمر کا تھا وہ جلد ہی اس نقطہ کہ ''قرآن تو متقی لوگوں کے لیے ہدایت ہے'' پر آ گیا اور پوری محفل (جوانوں کی ٹولی' گروپ) کچھ دیر بعد اس خیال یا رائے یا نتیجہ پر متفق ہو گئی کہ قرآن حکیم کے پڑھنے سے پہلے ہی ہم سب متقی ہیں۔ قرآن حکیم بھی متقی لوگوں کو مزید ہدایت دکھاتی ہے۔ اس کی ہمیں ضرورت نہیں ہے اور اگر ہم متقی نہیں ہیں تو پھر قرآن کا پڑھنا نہ پڑھنا برابر ہے کیونکہ ہمیں تو اس سے ہدایت ملنی نہیں۔ یہ خیالات سن کر میرا دل دکھی ہوا اور میں خاموشی سے اپنی راہ پر چل پڑا۔

مندرجہ بالا کی سبب میں نے مناسب جانا کہ پہلے قرآن حکیم کے ترجمے کے بارے میں لکھا جائے' مثال کے طور پر ''ھُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ'' کے خوبصورت' صحیح اور افضل ترین ترجمے کے بارے میں لکھا جائے تاکہ ترجمہ میں مناسب' اچھے اور بہت ہی اچھے الفاظ کے چناؤ کی اہمیت وافادیت کو واضح کیا جا سکے۔

ایک آرزو ہے' ایک شدید خواہش ہے کہ قرآن حکیم کا اردو زبان میں ایک ایسا ترجمہ دستیاب ہو جو بہت ہی معیاری' جامع' زود فہم (آسانی سے سمجھ آنے والا) ہو۔ ایسے ترجمہ کے لیے مندرجہ ذیل حقائق کو ہمہ وقت مدنظر رکھنا ہوگا۔

1- قرآن حکیم اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام' فرمان ہے۔
2- قرآن حکیم اللہ تبارک وتعالیٰ کی الوہیت (خدائی) کا مظہر ہے۔
3- قرآن حکیم اللہ تبارک وتعالیٰ کے آخری نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔
4- آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر اول اور آخر و اعظم اور خاص الخاص محبوب خدا ہیں۔
5- قرآن حکیم اور اس کا عملی نمونہ ''اُسوۂ حسنہ'' کو پڑھنے' سمجھنے اور ان سے ہدایت پانے کا ہر عمر کے انسان و جن کا برابر حق ہے۔

کیونکہ قرآن حکیم اللہ کا نور ہے۔ اس کا ترجمہ کرتے ہوئے بھی نورانی الفاظ' خیالات و انداز کا ہونا

ضروری ہے۔ ترجمہ میں ایسے الفاظ' فقرے' باتیں' خیالات یا ترجمانی نہ ہوں' جو صفات رب اللعالمین' تعلیم قرآن حکیم کا قیامت تک کے لیے ہونا اور تمام اسمائے مبارک وصفات' تعظیم' تکریم' احترام وادب پیغمبر اول و آخر واعظم رسول کریم ﷺ کے مطابق نہ ہو۔

علمائے حق' علمائے دین کی محنت اور قرآن حکیم اور خاتم النبیین ﷺ سے ان کی محبت' لگاؤ قابل تعریف ہے لیکن جو ترجمہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ ''کنز الایمان'' وہ مندرجہ بالا حقائق کو مدنظر رکھ کر کیا جانے والا سب سے افضل اردو ترجمہ ہے۔ بس اب اس کی اردو زبان میں تبدیلی لانے اور اسے زیادہ رواں بنانے کی اشد ضرورت ہے۔

''ھدًی للمتقین''

کا ترجمہ ''ہدایت متقیوں کے لیے'' برا نہیں ہے بلکہ مناسب ہے اور صحیح بھی ہے۔ بس جلدی سے سمجھ آنے والا نہیں ہے یعنی زود فہم نہیں ہے بلکہ ناسمجھ لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے والا ہے۔ متقی کا مطلب نیک اور پرہیز گار ہی ہے اور قرآن حکیم نے اس آیت مبارک کے فوراً بعد متقی' نیک' پرہیز گار لوگوں کی چند بڑی بڑی خوبیاں بھی بتلا دی ہیں۔ مختصری تشریح بھی کر دی ہے اور ان کا انجام خیر بھی بتلا دیا ہے اور پھر برے لوگوں کے بارے میں فرما دیا کہ انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ' وہ ایمان لانے کے نہیں اور ان کا انجام بد بھی بتلا دیا ہے۔ اس لیے اس میں مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن پھر بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو جب قرآن حکیم پڑھنا سمجھنا چاہتے ہیں تو ''ھدًی للمتقین'' کے الفاظ پر پہنچ کر ان کی سوئی رک جاتی ہے۔ ''الٓمّٓ' تو ویسے حروف مقطعات میں سے ہے جس کی حقیقت کا علم اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے نبی کریم ﷺ کو ہی ہے اور یہ پہلی آیت ہے اور دوسری آیت مبارک کے ھدًی للمتقین کے ترجمہ ''ہدایت ہے متقیوں کے لیے'' پر پہنچ کر یعنی کہ بسم اللہ کے بعد ہی' کتاب اللہ کو شروع کرتے ہی ناسمجھ لوگوں کو اس طرح کے خیالات آنا شروع ہو جاتے ہیں جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔

آپ کی سہولت کے لیے وہ خیالات یا مغالطہ والے خیالات دوبارہ مختصر لکھ رہا ہوں کہ قرآن حکیم کو شروع کرتے ہی ناسمجھ قاری یہ سوچنا شروع کر دیتا ہے کہ یا تو ہم پہلے ہی متقی ہیں کہ اس سے کچھ اور ہدایات ملے یا ہم ان میں سے ہیں جنہیں اس سے ہدایت نہیں ملنی یعنی متقی نہیں ہیں اور ہمیں قرآن حکیم سے کوئی فائدہ نہیں پہنچنا۔ پھر ایسے لوگ یا تو قرآن حکیم پڑھنا چھوڑ دیتے یا پھر پڑھتے ہیں اور تذبذب میں رہتے ہیں۔ یہ نقصان ہے جو امت مسلمہ کو صرف اس لیے پہنچ رہا ہے کہ ''متقی'' کی جگہ ہم نے کوئی اور آسان اور صحیح ترجمانی کرنے والا لفظ استعمال نہیں کیا۔

قرآن حکیم روزِ اول سے قیام تک کے لیے ہر عمر کے انس و جان کے لیے ہدایت کا واحد سرچشمہ ہے اور اس سے ہدایت پانے کا ہر ایک کو برابر کا حق ہے۔ اس کا ترجمہ اتنے آسان' نورانی الفاظ و رواں زبان میں ہونا چاہیے کہ آٹھ دس سال کا بچہ جب اسے پڑھنے بیٹھے تو اس دوران جو سوال اس کے دل و دماغ میں اٹھیں وہ ان کی اکثریت کو اسی ترجمہ سے حل کر سکے' سمجھ سکے۔

ترجمہ کرنے والے جن حضرت نے ''ھدًی للمتقین'' کا ترجمہ ''ہدایت ہے (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے'' کیا ہے انہوں نے بہت خوبصورت' صحیح اور افضل ترین ترجمہ کیا ہے۔ وہ ہر طرح سے بہت داد کے مستحق ہیں۔ اللہ انہیں اجرِ عظیم دے۔ آمین

میں اس کی وضاحت کے لیے ایک مثال دے رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ میری بات' میری رائے سے اتفاق کریں گے اور قرآن حکیم کو سمجھانے' سمجھنے میں دوسروں کے لیے مدد و معاون ثابت ہوں گے اور اس کے بعد میں اسی نقطہ' لفظ ''متقی'' کی قرآن حکیم کی آیات مبارکہ سے مزید وضاحت کروں گا کہ انشاء اللہ قاری کی مکمل تسلی ہو جائے گی۔

آپ اپنے بچے سے جس کی عمر ابھی پانچ سال ہے' یہ سوال کریں۔ بیٹا کیا آپ اپنی چھوٹی بہن (جس کی عمر ابھی تین سال ہے) سے ڈرتے ہیں؟ وہ فوراً کہے گا کہ نہیں ڈرتا۔ پھر اس سے یہی سوال اس کے بڑے بھائی (جو ابھی سات سال کا ہے) کے بارے میں پوچھیں۔ کیا آپ اپنے بڑے بھائی سے ڈرتے ہیں؟ وہ اس کا بھی جواب فوراً ہاں یا نہیں میں دے دے گا یعنی کہ پانچ سال کا بچہ ڈر اور ڈر کے مفہوم کو خوب سمجھتا ہے۔ یعنی کہ وہ جانتا ہے ڈرنا کیا ہے اور کس سے ڈرآتا ہے۔

اب آپ یہی سوال ''ھدًی للمتقین'' ترجمہ میں ''ڈرنے والوں'' کے بجائے جو لفظ ''متقی'' استعمال کیا گیا ہے اس کے حوالہ سے کریں اور بچوں سے پوچھنے کے بجائے اس سوال کو بڑی یا پختہ عمر کے لوگوں سے پوچھیں یعنی کہ آپ پوچھیں' کیا آپ متقی ہیں؟ اور کیا آپ مزید متقی ہونا چاہتے ہیں؟ یقیناً 70 فیصد لوگوں کا یا اکثریت کا جواب تو الٹا آپ سے سوال ہوگا کہ یہ متقی کیا ہوتا ہے؟ 20 فیصد لوگ سوچ کر' سوچ میں پڑ کر' تامل کے بعد ہاں یا ناں میں جواب دیں گے اور باقی 10 فیصد جواب دینے سے پہلے یا تو اس کی وضاحت کریں گے یا آپ سے وضاحت طلب کریں گے اور پھر بھی ہاں یا نہیں میں بمشکل جواب دیں گے۔

مندرجہ بالا کے لکھنے کا میرا مقصد صرف یہی ہے کہ جب ایک آسان' آسانی سے قابلِ فہم لفظ' الفاظ یا فقرہ بنایا جا سکتا ہے تو وہی ترجمہ کیا جائے اور مشکل لفظ' الفاظ سے بچا جائے۔ جیسے ''ڈر'' یا ''ڈرنے والوں'' کو پانچ سال کی عمر کا بچہ بھی بآسانی سمجھ جاتا ہے جب کہ ''متقی'' کو پختہ عمر والے پڑھے لکھے بھی صحیح نہیں سمجھ پاتے۔

الحمد للہ' جن حضرات نے اس کا ترجمہ ''ہدایت ہے ڈرنے والوں کے لیے'' کیا ہے۔ انہوں نے کمال کا ترجمہ کیا ہے۔ بہت خوبصورت اور افضل ترین ترجمہ کیا ہے اور اب میں اس کا بہترین ہونا قرآن سے ثابت کرتا

ہوں۔ قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے جس میں تضاد نہیں ہے بلکہ اس کی مختلف آیات ایک دوسری کی مدد و معاون و مثال ہیں یعنی ایک دوسری کے معنی ومفہوم سمجھانے میں خوب مدد دیتی ہیں۔

درج ذیل میں میں پوری آیات مبارکہ کا ترجمہ نہیں لکھوں گا تا کہ میں اپنے نقطہ نظر کو اچھی طرح سمجھا دوں اور بے جا طوالت سے بھی بچ جائیں اور اکثر ان مذکورہ آیات مبارک میں لفظ ''متقین'' مختلف اشکال صیغوں میں ضرور آئے گا۔

سورۂ بقرہ آیت 197:

ترجمہ ''مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل والو۔''

سورۂ فاطر آیت 28:

ترجمہ ''اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔''

سورۂ یٰسین آیت 11

ترجمہ ''تم اسی کو ڈر سنا سکتے ہو جو نصیحت پر چلے اور رحمٰن سے بے دیکھے ڈرے۔''

سورۂ انفال آیت 2

ترجمہ ''ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ یاد کیا جائے تو ان کے دل ڈر جائیں۔''

سورۂ طلاق آیت 10

ترجمہ ''تو اللہ سے ڈرو اے عقل والو۔''

سورۂ آیت 48

ترجمہ ''بے شک یہ قرآن ڈرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ رب العالمین کس خوبصورتی سے ہمیں ڈرنے کی ڈرتے رہنے کی تلقین فرمارہے ہیں۔ مندرجہ بالا کے مطابق (اللہ سے) ڈرنے والوں کی صفات یہ ہیں کہ وہ نصیحت (قرآن) کو مانتے ہیں وہی لوگ عقلمند ہیں۔ وہ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ وہی ایمان والے ہیں اور وہی صاحب علم بھی ہیں یعنی ڈرنے والے عقلمند بھی ہیں۔ ایمان والے بھی اور صاحب علم بھی۔

سورۂ حج آیت 1

ترجمہ ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔''

سورۂ زمر آیت 10

ترجمہ ''تم فرماؤ اے مرے بندو جو ایمان لائے اپنے رب سے ڈرو۔''

سورۂ حجرات آیت 1

ترجمہ ''اے ایمان والو اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔''

سورۂ حشر آیت 18

ترجمہ ''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو۔''

غور کریں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنے کی کتنی تلقین کی گئی ہے اور عام لوگوں کے ساتھ ساتھ اہل ایمان والوں کو بھی مزید ڈرنے کا کہا گیا ہے تاکہ وہ اور بھی زیادہ ''متقی'' ہو جائیں۔ ان کے علم' تقویٰ اور ایمان میں مزید اضافہ ہو۔

اللہ سے ڈرنے کا کیا مطلب ہے؟

یہی کہ ہم انس و جان ہمہ وقت یہ جانیں کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے' ہمارے اعمال لکھ رہا ہے۔ وہ ہم سے ذرہ ذرہ کا حساب لے گا۔ وہی دینے والا ہے اور وہی حقیقی مالک ہے۔ وہ باخبر ہے' ہر جگہ ہے اور ہمارے ساتھ ہے۔ اس سے ہمارا کچھ بھی چھپا نہیں ہے۔

سورۂ بقرہ آیت 164

ترجمہ ''ان سب میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

سورۂ بقرہ آیت 269

ترجمہ ''اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔''

سورۂ رعد آیت 4

ترجمہ ''بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے۔''

سورۂ طٰہٰ آیت 128

ترجمہ ''بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔''

سورۂ تکویر آت 27

ترجمہ ''وہ (قرآن) تو نصیحت ہی ہے سارے جہانوں کے لیے۔''

قرآن حکیم نور ہے' دلیل ہے' نصیحت ہے سارے جہانوں کے لیے اور اس نصیحت کو وہی مانتے ہیں' وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ اس نصیحت میں بیان کردہ نشانیوں سے عقل والے ہی اپنے رب کو پہچانتے ہیں۔ اس سے پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جو ایمان والے ہیں' صاحب عقل ہیں یا بالفاظ دیگر ایمان والے' عقل والے' علم والے اور اللہ سے ڈرنے والے لوگ ہی ''متقی'' ہوتے ہیں۔

لیکن لفظ ''متقی'' کو ہر شخص اتنا بہتر اور آسانی سے نہیں سمجھ سکتا جتنی آسانی اور کاملیت سے ''ھدًی للمتقین'' کے ترجمہ ''ہدایت ہے (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے'' کو سمجھا جاتا ہے' کہ جس کو بچہ بھی سمجھ جاتا ہے اور یہی آسان' صحیح اور افضل ترین ترجمہ ہے۔

کتاب کی اسی جلد میں "عقل" کے بارے میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ ویسے تو ہر انس و جان میں عقل ہے لیکن وہ کون سی عقل ہے جس کی وجہ سے انسان میں وہ صفات آ جاتی ہیں جن کی وجہ سے قرآن حکیم میں اسے عقلمند ڈرنے والا' ایمان والا کہا گیا ہے۔ اسی باب میں اس کی تفصیل پڑھیے گا۔

سورہ بقرہ آیات 1 تا 5-

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ "یہ وہ بلند رتبہ (کلام اللہ) ہے جس کی (عظمت و صداقت میں) کوئی شک نہیں۔ اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کے لیے۔ جو بے دیکھے ایمان لائیں اور نماز قائم رکھیں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں خرچ کریں اور وہ جو ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا اور آخرت پر یقین رکھیں۔ وہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور وہی لوگ مراد (فلاح) کو پانے والے ہیں۔"

ان آیات مبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنیادی نکات کے بارے میں بڑے دوٹوک الفاظ میں بتا دیا ہے کہ اس میں ہدایت ہے' نصیحت ہے' یہ نیک راہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ان کو ان کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ جو غیب پر یقین رکھتے ہوں' جنہیں اللہ' فرشتوں' وحی' قیامت' جنت' دوزخ' تقدیر وغیرہم پر یقین بن دیکھے یقین بالغیب ہے۔ جو نماز ٹھیک وقت پر پابندی کے ساتھ خشوع وخضوع سے ادا کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مفسدات ومکروہات سے بچاتے ہیں۔ جو راہ خدا میں فراخدلی اور شوق سے خرچ کرتے ہیں۔ جو قرآن حکیم پر اور اس سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں' صحائف پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی ہے اور یہ قرآن حکیم قیامت تک کے لیے ہدایت ورہنما ہے اور اس میں قیامت تک کوئی تبدیلی نہیں آ سکے گی۔

مندرجہ بالا خصوصیات کے حامل لوگ ہی ہدایت پر' راہ راست پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

"ھدًی للمتقین' ہدایت ہے متقیوں کے لیے" کی وضاحت کر دینے کے بعد آیئے اب اس موضوع "انسان کی کہانی' قرآن کی زبانی" کو آگے بڑھائیں۔ ہم دیکھیں کہ ہمارے جدِامجد (حضرت آدم وحوا علیہ السلام) پہلے کہاں مکین تھے۔ ان سے جنت کو کس نے اور کس طرح چھڑوایا۔ عارضی ٹھکانے (زمین) پر آنے کے بعد بنی نوع انسان کی رہنمائی وہدایت کے لیے خالق ومالک کائنات اللہ رب العالمین نے کتنے ہی رسول و پیغمبر علیہ السلام بھیجے' انسانوں میں پیدا فرمائے اور ہم نے عالم ارواح میں رب کائنات' اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی عبادت وبندگی کا وعدہ کیا اور دنیا میں آ کر اسے فراموش کر دیا۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک وقت مقررہ پر قیامت تک کے لیے آخری ہدایات' احکام ورہنمائی کی

کتاب قرآن حکیم فرقان عظیم دے کر اپنے حبیب خاص پیغمبر اول و آخر و اعظم ہادی انس و جاں رہبر کائنات رسول بحر و بر اصل الموجودات' حاصل کائنات' فخر اولاد آدم سید المرسلین خاتم النبیین حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم انسانِ کامل ﷺ کو بھیجا جس نے دنیا کو ظلمت و گمراہی سے باہر نور کی طرف نکالا' بنی نوع انسان و جن کی کامل رہنمائی کی اور اپنے جدِ امجد کی میراث کو پالینے کا راستہ دکھایا۔

سورۂ بقرہ آیت 30

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ ''اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا' میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں کئی جگہ ''جنت'' کو ''زمین'' فرمایا ہے اور جنت دراصل صالحین کے لیے زمین ہے' انبیاء کرام' صالحین کے لیے جنت ہی زمین ہے۔

سورۂ انبیاء آیت 105

وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ ۝

ترجمہ ''اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ اس زمین (جنت) کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔''

جنت حضرت آدم علیہ السلام کی وراثت ہے اولادِ آدم کے لیے' لیکن اس وراثت کو صرف وہی لوگ پا سکیں گے جن کے روز حساب اچھائی' بھلائی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے اور ذرّہ ذرّہ کے حساب کے بعد انہیں جنتی قرار دے دیا جائے گا۔ وہ اس زمین (جنت) کے حسبِ جزا وارث ہوں گے۔

سورۂ انعام آیت 165

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ ''اور وہی ہے جس نے زمین میں تمہیں نائب بنایا اور تم میں ایک کو دوسرے پر درجوں میں بلندی دی کہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں عطا کی۔''

اس کی ایک تشریح یوں بھی ہے کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ کی امت آخر الامم ہے یعنی کہ آخری امت ہے' اسی لیے ان کو زمین میں پہلوں کا خلیفہ کیا کہ اس کے مالک ہوں اور اس میں تصرف کریں۔

پہلی والی آیت مبارکہ میں ''خلیفہ بنانے والا ہوں'' سے مراد ہے کہ میں آدم (علیہ السلام) کو پیدا کرنے والا ہوں۔

حضرت آدم علیہ السلام ہی بنی نوع انسان کے جدِ امجد ہیں' سب کے باپ ہیں۔ ابتداء میں تو خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں اور اس کے بعد تمام انبیاء کرام بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔ خلیفہ کون ہوتا ہے؟ ہمارے دنیاوی نظام کے مطابق بھی خلیفہ احکام و اوامر کے اجزاء و دیگر تصرفات میں اصل کا نائب ہوتا ہے۔

جیسا کہ اوپر پہلے بیان کر دیا گیا ہے کہ ہمارے نبی' حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد نبی نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی امت بھی آخری امت ہے اور آپ ﷺ سے نسبت کے سبب سب سے اچھی امت قرار پائی ہے کہ اس میں اچھے لوگ دوسروں کو برائی سے بچنے کے لیے ضرور کہیں گے اور نیکی بھلائی کرنے کے لیے' اس کی تلقین کرنے کے لیے بھی ہمیشہ کوشاں رہیں (اللہ کے ارشاد کے مطابق اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی' رضا کے لیے)

سورہ حجر آیات 32-35

قَالَ يٰۤاِبۡلِيۡسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِيۡنَ ۝ قَالَ لَمۡ اَكُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۝ قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِيۡمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَيۡكَ اللَّعۡنَةَ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ ۝

ترجمہ "فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں سے الگ رہا۔ بولا مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتی مٹی سے بنایا جو سیاہ بدبودار گارے سے تھی۔ فرمایا تو جنت سے نکل جا کہ تو مردود ہے۔ اور بے شک قیامت تک تجھ پر لعنت ہے۔"

دنیا پر انسان کی کہانی شروع ہو چکی ہے اور ابلیس اپنے غرور و تکبر کے سبب اللہ کے حکم بجالانے والوں میں شامل نہ ہوا اور بارگاہ ایزدی میں مردود ہوا' دھتکارا گیا اور لعنت کا مستحق ہوا۔

اس کے خیال میں اس سلوک (اس کا لعنتی مردود قرار دیا جانا) کا سبب اس کا غرور تکبر نہیں بلکہ آدم کی پیدائش ہے جس کی وجہ سے وہ مردود ہوا' لعنتی ہوا اور اسی وجہ سے وہ انسان کا کھلا دشمن بن گیا۔ اس نے خالق و مالک کائنات سے روز قیامت (دوبارہ اٹھائے جانے والے دن) تک کی مہلت مانگی تاکہ وہ باشعور مخلوق انسان و جن کو بھٹکانے کے لیے اپنی سکیموں' تدبیروں پر عمل پیرا ہو سکے اور اسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک معلوم وقت کے دن تک (پہلے نفخہ تک) مہلت عطا فرما دی۔

سورۃ حجر آیات 37 تا 40

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ۝ اِلٰى يَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغۡوَيۡتَنِىۡ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَلَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ۝

ترجمہ "فرمایا تو ان میں سے ہے جن کو اس معلوم وقت کے دن تک مہلت ہے۔ (شیطان) بولا

اے رب میرے' قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا۔ میں انہیں (اولادِ آدم) زمین میں بھلاوے (چکر' فریب) دوں گا اور ضرور میں ان سب کو بے راہ کروں گا۔ مگر (میں انہیں چکر فریب نہ دے سکوں گا) جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔"

ابلیس بہت چالاک ہے کہ یوم حساب تک زندہ رہنا چاہتا تھا یعنی کہ قیامت کے دن موت سے بچنا چاہتا تھا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے پہلے نفخہ تک مہلت تو دے دی لیکن روز قیامت تک کے لیے نہیں۔ ہمارے کھلے دشمن (وہ دشمن جو بتا کر وار کرے' بے خبری میں نہیں) نے بھی ڈنکے کی چوٹ پر اولادِ آدم کے ساتھ دشمنی کرنے اور اسے نبھانے کا اعلان کر دیا تاکہ روزِ حشر' روزِ حساب کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے تو شیطان کی دشمنی کا پتہ ہی نہ تھا۔

سورۃ طٰہٰ آیات 117 تا 120

فَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ○ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ○ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ○ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○

ترجمہ "تو ہم (اللہ) نے فرمایا' اے آدم بے شک یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے۔ تو ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے' پھر تو مشقت میں پڑے۔ بے شک تیرے لیے جنت میں یہ ہے کہ نہ تو بھوکا ہو اور نہ ننگا ہو۔ اور یہ کہ تجھے نہ اس میں پیاس لگے نہ دھوپ۔ تو شیطان نے اسے وسوسہ دیا' بولا اے آدم کیا میں تمہیں بتا دوں ہمیشہ جینے کا درخت' پھر وہ بادشاہی کہ جو لازوال ہے۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی آدم' اولادِ آدم بنی نوع انسان کو فرما دیا کہ یہ تمہارا دشمن ہے۔ تمہیں تمہارے ابدی سکھ چین سے کہیں محروم نہ کر دے۔ اس سے محتاط رہنا ورنہ پھر مشقت میں پڑ جاؤ گے۔

سورۃ بقرہ آیت 36

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○

ترجمہ "تو شیطان نے اس (جنت) سے انہیں لغزش دی اور جہاں (جنت) رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا اور ہم (اللہ) نے فرمایا نیچے اترو' آپس میں تم ایک دوسرے کے دشمن اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا ہے اور برتنا ہے۔"

اور شیطان ظاہری ہمدرد بن کر لغزش دینے میں کامیاب ہو گیا اور اپنی اصل مستقل' ابدی زمین جنت سے آدم (اولادِ آدم' بنی نوع انسان) کو اس عارضی ٹھکانے پر لے آیا۔

جس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ ''آپس میں تم ایک دوسرے کے دشمن ہو'' اس دشمنی کو شیطان نے تو خوب یاد رکھا اور خوب نبھایا' نبھا رہا ہے لیکن انسان اپنے دشمن کو بالکل بھول گیا۔ شاید اسی لیے آدم کو انسان کہا گیا ہے کہ یہ تو اپنے کھلے' اعلانیہ دشمن کو بھی بھول جانے والا ہے۔ (انسان کا لفظی مطلب بھول جانے والا ہے)۔ واہ رے انسان کہ تیرا دشمن تو تجھے ایک لمحہ کے لیے نہیں بھولا اور تو اسے بالکل ہی بھول گیا۔

سورۃ ذاریات آیت 56

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ○

ترجمہ ''اور میں نے جن اور انسان اس لیے بنائے کہ میری بندگی کریں۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت مبارک میں انسان کو پیدا فرما دینے کا مقصد بیان فرما دیا ہے کہ انسان مجھے پہچانے۔ میری نشانیاں زمین وآسمانوں میں بکھری ہوئی ہیں۔ وہ مجھے ان سے پہچانے۔ میرے انبیاء کرام اور ان پر نازل کیے گئے اوامر ونہی پر عمل کرے۔ میری مرضی کے مطابق' میرے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق زندگی گزارے۔ یہی اس کا عبادت کرنا ہے۔

اللہ کی عبادت کرنے کا مطلب صرف یہی نہیں کہ صرف نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج وغیرہم ادا کریں (اور ان کے علاوہ کچھ نہ کرو' اور بس) اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب رسول کریم' رؤف ورحیم ﷺ صحیح معنوں میں کریم ورحیم ہیں۔ بجا طور پر جو فرض عبادات ہیں' وہ بہت اہم ہیں اور توفیق حاصل ہو تو وہ بروقت ادا کرنا بہت ضروری ہے اور توفیق حاصل نہ ہو تو ان کے ادا کرنے میں خوب نرمی دی گئی ہے۔

ویسے بھی اللہ کا کرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے ہر اس عمل کو عبادت میں شامل کیا ہے جو ہمیں بتائے گئے اوامر ونہی اور اتباع حضور پُرنور رسول کریم ﷺ کے مطابق ہو۔ نیز ہر وہ کام' شغل' روزمرہ کے کام کاج' معمولات جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے بابرکت نام کے ساتھ شروع کریں اور ان کے دوران خوف اللہ رہے۔ ایسے سب کام جو اتباع رسول کریم ﷺ میں کیے جائیں' اُسوۂ حسنہ کے مطابق کیے جائیں وہ سب اللہ کی عبادت ہیں۔ چاہے وہ آپ کا اٹھنا بیٹھنا ہے' کھانا پینا ہے' چلنا پھرنا ہے یا کوئی معمولی سے معمولی کام' یہاں تک کہ چھینکنا' سونا بھی عبادت ہے۔

سورۃ جاثیہ آیات 12-13

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ○

ترجمہ ''اللہ ہے جس نے تمہارے بس میں دریا' سمندر' پانی کر دیا کہ اس میں اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور اس لیے کہ اس کا فضل تلاش کرو اور اس کا شکر ادا کرو اور تمہارے کام میں لگائے

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اپنے حکم سے' بے شک اس میں نشانیاں ہیں غور و غوض کرنے والوں کے لیے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان مبارک آیات میں یہ اعلانیہ فرما دیا ہے کہ یہ پانی (دریا' سمندر وغیرہم) فضا میں چاند' سورج' ستارے' ہوائیں' بادل اور زمین پر حیوانات' جمادات' حشرات الارض' نباتات اور زمین کے اندر معدنیات' تیل' پانی' ہیرے' جواہرات غرضیکہ تمہارے اردگرد سب کچھ ہی میرا بنایا ہوا ہے۔ یہ میرے ہی تابع ہے۔ یہ سب کچھ مجھے ہی اللہ وحدہ لاشریک مانتا ہے اور میرے ہی حکم و اذن سے اے اشرف المخلوقات' اے انسان یہ سب کچھ تمہارے لیے ہے۔ تمہارے فائدے کے لیے' تمہارے استعمال کے لیے ہے۔

اے انسان میری ان کرم نوازیوں' نوازشوں' عنایات و رحمتوں سے خوب مستفید ہو اور مجھے نہ بھول' میری قدرت و حاکمیت کو نہ بھول۔ دیکھ کتنی بڑی بڑی چیزیں (زمین' آسمان' چاند' سورج' ستارے) میرے حکم سے ذرا سرتابی نہیں کرتیں۔ اس سب کچھ میں' زمین و آسمان کی ہر شے میں میری نشانیاں ہیں۔ اے انسان ان نشانیوں پر سوچ' غور و خوض کر اور مجھے پالے' مجھے تلاش کرلے' مجھے دیکھ لے اور پھر صرف میرا ہی بندہ بن کر رہ۔ میرا ہی شکر ادا کر اور میری ہی عبادت کر کہ کائنات کا سب کچھ میرے حکم میں ہے اور وہ بھی میری ہی حمد و ثناء کرتے ہیں۔ انسان کی کہانی' قرآن کی زبانی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہے اور اسے قرآنی آیات اور ان کی تشریح سے آگے بڑھایا جا رہا ہے۔

میثاق عام

سورۃ اعراف آیت 172

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا ۛ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ۝

ترجمہ ''اور اے محبوب یاد کرو جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں خود ان پر گواہ کیا' کیا میں تمہارا رب نہیں' سب بولے کیوں نہیں' ہم گواہ ہوئے' کہ کہیں تم قیامت کے دن کہو' ہمیں اس کی خبر نہ تھی۔''

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ذریت نکالی اور ان سے عہد لیا۔ آیات و احادیث مبارک پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذریت نکالنا اس سلسلہ کے ساتھ تھا کہ جس طرح دنیا میں ایک دوسرے سے پیدا ہوں گے اور ان کے لیے ربوبیت کی شہادت طلب فرمائی اور انہیں خود پر گواہ کیا یہ پوچھ کر کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب بولے کیوں نہیں تو ہی ہمارا رب ہے۔ ہمیں تیری ربوبیت و وحدانیت کا اعتراف ہے۔ ہم نے اقرار کیا اور گواہ ہوئے اور ہم روز حساب یہ نہیں کہیں

گے کہ ہمیں تیری ربوبیت و وحدانیت کا علم نہ تھا۔

اس اقرار و عہد کو میثاق عام بھی کہتے ہیں۔ ہم انسان ہیں اور ہم سب عقل و سمجھ کا معیار ایک جیسا نہیں ہے اور پھر شیطان نے بھی راہ سے بھٹکانا ہے۔ اس لیے میثاق عام کے بارے میں کچھ وضاحت کر دوں تو اس کا سمجھ میں آنا آسان ہو جائے گا جو کہ بھلائی کا سبب ہوگا۔

اس آیت مبارک کو پڑھ کر کمزور ایمان والوں کے جی میں یہ خیال ضرور آتا ہے کہ یہ کیا اقرار، عہد و پیمان ہے کہ جس کی ہمیں قطعاً (بالکل) خبر نہیں ہے؟ ہم نے آیت مبارک پڑھنے کے بعد بھی اس اقرار پر خوب سوچا ہے۔ پھر بھی کچھ پتہ نہ چلا؟ یہ کیا اقرار ہے؟

ایسا کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ کیوں کیا؟ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ جانیں۔ یہ قطعاً ضروری نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ وہ کچھ ہی کرے جو ہمارے (عام انسانوں) ادراک، سمجھ و عقل میں آ جائے۔ وہ بے پرواہ ہے اور کسی طرح سے بھی اس کا پابند نہیں ہے کہ اگر یہ بات انسان کی سمجھ میں نہ آئی تو وہ کیا کرے گا۔ آخر اس نے ہماری زمین کے علاوہ چھ زمینیں اور ہمارے آسمان کے علاوہ چھ آسمان بنائے۔ فرشتے اور جن پیدا کیے ہیں۔ یہ سب کچھ بھی ہماری عقل و فہم ادراک و سمجھ سے باہر ہیں۔ جن تو ہمارے ساتھ زمین وفضا کے رہائشی بھی ہیں اور ان کا رہنا سہنا، مرنا پیدا ہونا تقریباً ہمارے جیسا ہی ہے۔ پھر بھی وہ مکمل ہم سے اوجھل ہیں۔ اللہ کی حکمتیں اللہ ہی جانے۔ وہ ہماری عبادت وغیرہ سے بھی بے نیاز ہے۔ اگر ہم یقین بالغیب کریں گے تو اپنے ہی فائدے کے لیے اور اگر انکار کریں گے تو اللہ بے نیاز ہے۔

اس بارے میں میں نے یہی گزارش کرنی ہے۔ اگر ہم عام آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ باتیں، حکمتیں سمجھ جائیں تو پھر ہم عام انسان، عام آدمی تو نہ ہوئے۔ ہم انسانوں میں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی آیات مبارک، حکمتوں کو سب سے کہیں زیادہ سمجھ سکتے ہیں وہ انبیاء کرام ہیں۔ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت خاص کے سبب اس کے رشد و ہدایت، احکامات و حکمت کو اتنا سمجھ لیتے ہیں جتنا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے لیے ضروری چاہا کہ وہ انہیں دین الٰہی کے پھیلانے میں مدد و معاون ہو اور ان کی نبوت کی دلیل ہو۔ ہم عام انسانوں کے لیے تو ایمان بالغیب ہے کہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وہ بجا ہے، سچ ہے، حق ہے اور بنی نوع انسان یعنی کہ ہماری بہتری کے لیے ہے۔

ویسے بھی ہمیں اس زندگی سے پہلے کا کچھ بھی پتہ نہیں کہ ہم کیا تھے، کہاں تھے اور کیسے اس دنیا میں آ گئے اور نہ ہی ہمیں یہ پتہ ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا، کیا شکل ہوگی، کہاں جانا ہے، کہاں رہنا ہے جب کہ اس حقیقت کا سب کو اعتراف ہے کہ اس زندگی سے پہلے بھی ہمارا وجود تھا اور موت کے بعد بھی وجود ہوگا۔

پیدا ہونے کے کافی عرصہ بعد تک ہمیں کسی بھی چیز کا علم نہیں ہوتا، نہ اپنے بارے میں، نہ اردگرد کے بارے میں، نہ باقی دنیا کا، ماں باپ بہن بھائیوں کا۔ اب اس مطلب یہ تو نہیں کہ اگر بچے کو ادراک نہیں ہے تو کائنات

میں کچھ بھی نہیں ہے۔

مکمل عاقل، خردمند ہونے کے باوجود اگر دماغ کے خاص حصہ پر ضرب لگ جائے یا تجرباتی طور پر دماغ کے اس حصہ کو کھرچ دیا جائے تو آدمی ایک دم سب کچھ بھول جاتا ہے۔ ضرب یا کھرچ دیئے جانے کے عمل کے بعد اب کیوں کہ اسے کچھ بھی یاد نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ اس نے اس سے پہلے زندگی نہیں گزاری؟ یا وہ پہلے بھی اپنے اردگرد اور ماحول سے ناآشنا تھا؟

اسی طرح موت کا پتہ نہیں ہے کہ یہ کیا ہے، کیوں آتی ہے، کہاں سے آتی ہے۔ جس چیز کی وجہ سے یہ جسم زندہ تھا وہ کہاں چلی گئی۔ نظر بھی نہیں آئی کہ کہاں سے کدھر کو نکل گئی۔ اس کی شکل کیا ہے۔ اب اس کا مقام کہاں ہے؟ موت سے تو انسان حتی الامکان بچنا چاہتا ہے لیکن کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ اسے تو یہ بھی خبر نہیں کہ یہ جسم اب مردہ کیوں ہو گیا ہے؟ جو چیز زندہ جسم میں تھی، ہم اس کے آنے، رہنے، جانے سے بھی بالکل بے خبر ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم میں وہ چیز ڈالی ہی نہیں گئی تھی، ہمارے جسم میں وہ رہی نہیں اور نہ وہ جسم خاکی سے نکالی گئی ہے؟

ہمیں تو یہ بھی خبر نہیں کہ انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی کیوں اور کس طرح سانس لینا شروع کر دیتا ہے، آنکھیں کھولتا ہے، منہ کھولتا ہے، ہاتھ پاؤں کی معمولی حرکت کرتا ہے۔ وہ تو ابھی پیدا ہوا ہے۔ والدین یا کسی اور انسان کا سکھانا تو اس وقت ناممکن ہے اور بچہ اس سب کچھ کے بارے میں خود بھی نہیں جانتا۔ جس نے یہ سب کچھ اسے پیدا ہونے سے پہلے سکھایا ہے، اسی نے اسی طرح اس آیت مبارک کے مصداق اس بچہ سے، ہم سب سے اقرار، عہد و پیمان بھی لیا تھا اور اس کی بھی ہمیں اسی طرح خبر یا ادراک نہیں جیسے مندرجہ بالا نوازشات کی ہمیں خبر نہیں ہے۔

عموماً پیدا ہونے کے بعد بچہ روتا ہے۔ اس نے یہ رونا بھی آپ سے نہیں سیکھا اور وہ چند مہینوں بعد اپنے چہرے پر بڑے دلآویز، خوبصورت، پرمسرت ہنسی یا ہنسی کے آثار لاتا ہے اور بچے کو اپنے رونے ہنسنے کا قطعاً پتہ نہیں ہے۔ خبر نہیں ہے۔ بس اسی طرح ہمیں اپنے اقرار کا پتہ نہیں ہے، خبر نہیں ہے ورنہ تو وہ اسی طرح سے ایک حقیقت ہے۔

ہم نے امانت پیش کی

سورۃ احزاب آیت 72

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝

ترجمہ ''بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر۔ تو انہوں نے

اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے (وہ امانت) اٹھالی' بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔''

قارئین کرام! اس آیت مبارک کی مختصراً تشریح کرنے سے پہلے میں مختصراً یہ بتا دوں کہ اس آیت مبارک میں بین السطور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس امانت کے بارے میں فرمایا کہ وہ امانت کیا ہے؟ اور تم میں سے جس نے بھی وہ امانت اٹھانا قبول کرنا ہے' ذمہ داری' خوش اسلوبی سے نبھانے کے لیے ہاں کرنی ہے۔ میں (اللہ) اسے وہ تمام چیزیں' خصوصیات بالضرور مکمل اور وافر دوں گا جو اس ذمہ داری کو میری (اللہ) ہدایت و خواہش کے مطابق نبھانے کے لیے ضروری ہوں گی یا ضروری ہیں۔ مثلاً

1- میں عقل سے نواز کر اسے اشرف المخلوقات بناؤں گا۔
2- عقل برائے تمیز اچھے اور برے میں۔
3- عقل کے سبب علم و سمجھ امر و نہی' اطاعت و اتباع۔
4- عقل سے انبیاء کرام کو سننا' سمجھنا اور اتباع کرنا۔
5- عقل سے میری وحدانیت' ربوبیت' حاکمیت کو پہچاننا۔
6- عقل و زبان کے ذریعے اپنی بات سمجھانا۔
7- اس کی شکل و صورت و جسامت ذمہ داری کی مناسبت سے بناؤں گا۔
8- ایسی بناوٹ' قوت ارادی' طاقت دوں گا کہ ذمہ داری نبھانے کی خاطر جہاں چاہے چلے جانا' آنا۔
9- خود بھی عبادت' اطاعت اتباع کرنا اور دوسروں کو کہنا۔
10- اعمال بد سے بچنا اور بھلائی' نیکی کرنا' اسی کا پرچار کرنا۔
11- میرے وحدانیت' ربوبیت' حاکمیت کو کبھی نہ بھولنا' اگر شیطان بہکا دے تو۔
12- کائنات میں ہر طرف سب کچھ میں میری نشانیاں ہیں' مجھے پہچان لینا۔
13- نادانی سے گناہ کر بیٹھو تو سچی توبہ کر لینا' میں بخش دوں گا۔
14- اپنے اعمال کی سزا پانا لازمی اور یقینی ہے۔
15- میں حق ہوں' انبیاء کرام برحق ہیں' سارے نظام' ساری کائناتیں حق پر بنی ہے اور میں ہر صورت میں حق کروں گا' انصاف کامل کروں گا۔ کسی کے ساتھ بھی زیادتی یا نرمی نہ ہوگی۔ وغیر ہم۔

اللہ تبارک و تعالیٰ قادر مطلق ہے یعنی جو چاہے' جب چاہے' جیسے چاہے وہ فوراً کرتا ہے اور سچ' حق و انصاف ہی اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ اس نے آسمانوں' زمین' پہاڑوں پر مندرجہ بالا کو اچھی طرح واضح کرنے کے بعد وہ امانت پیش فرمائی تھی اور انہیں اس وقت یہ معاملہ' اس کی اہمیت اور اس کی نوعیت سمجھنے کا اہل بنایا تھا کہ وہ اس کو سنیں' سمجھیں' سوچیں اور اپنے میں ہمت' قوت' حوصلہ' طاقت پائیں تو وہ امانت اٹھانے کے لیے ہاں کریں

ورنہ معذرت کرلیں۔

آسمانوں، زمین پہاڑوں نے اپنے رب کو غور سے سنا، خوب سوچا اور اپنے کو اس ذمہ داری اٹھانے کی غرض سے اپنے طور پر جانچا، پرکھا، اندازے کیے کہ کیا وہ اپنے رب کی وحدانیت، ربوبیت، حاکمیت کو بھول تو نہیں جائیں گے۔ کیا وہ حق کو پہچانتے رہیں گے اور حق پرنی لرسیں گے۔ کیا وہ شیطان کے بہکاوے سے بچ سکیں گے؟ کیا وہ اگر بھٹک بھی گئے تو اپنے رب کی کائنات میں بکھری ہوئی نشانیاں دیکھ کر اسے پہچان لیں گے اور اسے اپنالیں گے؟ کیا اللہ کی ہدایت پر صحیح عمل پیرا ہوسکیں گے؟ کیا دنیاداری کے ساتھ اپنے رب کی عبادت بھی کرسکیں گے اور پھر قیامت میں کیا ہوگا؟ روزِ حساب میں کیسے بچت ہوگی؟ اور پھر جزا یا سزا تو لازمی ہے (اپنے اعمال کے مطابق) اور سزا بھی ایسی کہ عذاب دوزخ دائمی، ہمیشہ کے لیے موت بھی نہیں کہ اس (عذاب دوزخ) سے نجات مل جائے۔

وہ (آسمان، زمین اور پہاڑ) عذاب الٰہی سے ڈر گئے اور اپنے رب سے عرض کی کہ اے رب للعالمین یہ ہم سے نہ ہو سکے گا۔ ہم اس امانت کا بوجھ برداشت نہیں کرسکیں گے۔ ہمیں ڈر ہے کہ ہم یہ ذمہ داری خوش اسلوبی سے نہ نبھا سکیں گے۔ ہمیں عذاب دوزخ سے ڈر لگتا ہے، ہمیں جزا و سزا نہیں چاہیے، ہمیں یونہی رہنے دے۔ ہم اسی حالت میں اسی طرح تیرے تابع فرمان ہیں، فرمانبردار ہیں۔ تیری پاکی بولنے والے اور تسبیح گزار ہیں۔

انسان سے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہی کچھ فرمایا جو آسمانوں، زمین، پہاڑوں سے فرمایا تھا اور انسان نے بھی یہ سننے کے بعد سوچ بچار کیا تھا لیکن تھوڑا اور اس نے اپنی عقل، ہمت، طاقت، حوصلہ اور دیگر صلاحیتوں کو پرکھا، جانچا۔ حوصلہ بڑھا تو انسان نے وہ امانت اٹھالی، وہ ذمہ داری خوش اسلوبی سے نبھانے کی ہاں کر دی۔ اعمال کے مطابق جزا یا سزا پانے کے لیے تیار ہوگیا اور پھر اللہ نے اسے بہترین ساخت پر بنایا اور اشرف المخلوقات بنا دیا۔

سورۃ تین آیت 4

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○

ترجمہ "بے شک آدمی کو ہم نے بہترین ساخت (اچھی صورت) پر بنایا۔"

جیسا کہ میں پہلے گزارش کر چکا ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ حق ہے، سچ، انصاف ہے۔ اس نے جن پر بھی یہ امانت پیش کی۔ ان سب سے فرداً فرداً یا اجتماعی طور پر ایک ہی جیسی بات فرمائی کہ یہ امانت ہے۔ اس کو پورا کرنے کی نوعیت یہ ہے یہ ذمہ داری پورا کرنے کے لیے میں نے عقل، شکل، بناوٹ وغیرہ کے ساتھ یہ یہ تمہیں عنایت کروں گا۔ انسان نے بڑی ہمت کی، حوصلہ دکھایا کہ وہ ذمہ داری قبول کرلی، وہ امانت اٹھالی۔ امانت کا بوجھ اٹھالیا۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کا خلوص دل سے اتباع کرنے والے انسان بہت حوصلہ اور ہمت و

عقل کا صحیح استعمال دکھاتے ہیں۔ وہ دنیا' اس کی خواہشات وترغیبات سے اس عزم' حوصلہ' ہمت کے ساتھ دور رہتے ہیں کہ ان کے ان اعمال سے اللہ تبارک وتعالیٰ خوش ہو کر اُمت محمدیہ کے بے شمار گنہگاروں کے گناہوں سے بھی چشم پوشی کر کے انہیں بھی اپنے رحم وکرم ورحمتوں میں رکھتا ہے۔ انسان کا لفظی مطلب ہے بھولنے والا اور قرآن حکیم کے مطابق یہ نادان بھی ہے' کمزور' ناسمجھ اور جلد باز بھی۔

میثاق عام کو تو ہم میں سے اکثر بھول گئے ہیں اور یاد بھی کرایا جائے تو تب بھی ماننے کے لیے تیار نہیں۔ بہرحال اللہ غفور الرحیم ہے۔ اس نے اس بھولنے والے' کمزور' نادان انسان کے لیے ان کمزوریوں' خامیوں کے بدلہ میں ایک بہت بڑی سہولت یا نرمی اپنے حبیب پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ کے صدقے عطا کی ہوئی ہے اور وہ ہے ''سچی توبہ'' کہ اے انسان' اے اولادِ آدم اگر تو بہت زیادہ بھی گنہگار ہو اور اچھی عمر میں یعنی کہ بروقت اپنے اعمال بد پر پشیمان ہو' ان سے صدق دل سے تائب ہو اور میرے حبیب پیغمبر اول وآخر واعظم حضرت محمد ﷺ کی معرفت توبہ کرے گا' مغفرت طلب کرے گا تو میں تیرے سارے گناہ معاف کر دوں گا۔ عذاب دوزخ سے بچا لوں گا اور تجھے جنت بخش دوں گا اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

قارئین کرام کے لئے آسانی سے سمجھ آ جانے والی تشریح اوپر بیان کر دی گئی ہے۔ علماء کرام کے لئے اس آیت مبارک (سورہ احزاب آیت 72) کی مختصر تفسیر درج ذیل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ امانت سے مراد طاعت وفرائض ہیں جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پیش کیا' انہیں کو آسمانوں' زمینوں' پہاڑوں پر پیش کیا تھا کہ اگر وہ انہیں ادا کریں گے تو ثواب دیئے جائیں گے' نہ ادا کریں گے تو عذاب کیے جائیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امانت نمازیں ادا کرنا' زکوٰۃ دینا' رمضان کے روزے رکھنا' خانہ کعبہ کا حج کرنا' سچ بولنا' ناپ اور تول میں اور لوگوں کی ودیعتوں میں عدل کرنا ہے۔ بعضوں نے کہا کہ امانت سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن کا حکم دیا گیا اور جن کی ممانعت کی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے فرمایا کہ تمام اعضاء کان' ہاتھ' پاؤں وغیرہ سب امانت ہیں۔ اس کا ایمان ہی کیا جو امانت دار نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ امانت سے مراد لوگوں کی ودیعتیں اور عہدوں کا پورا کرنا ہے تو ہر مومن پر فرض ہے کہ نہ کسی مومن کی خیانت کرے نہ کافر معاہد کی' نہ قلیل میں نہ کثیر میں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ امانت سموات وارض وجبال پر پیش فرمائی۔ پھر ان سے فرمایا' کیا تم ان امانتوں کو مع اس کی تمام ذمہ داری کے اٹھاؤ گے؟ انہوں نے عرض کیا ہے کہ ذمہ داری کیا ہے؟ فرمایا کہ اگر تم انہیں اچھی طرح ادا کرو تو تمہیں جزا دی جائے گی اور اگر یہ نافرمانی کرو تو تمہیں عذاب کیا جائے گا۔ انہوں نے عرض کیا نہیں اے رب ہم تیرے حکم کے مطیع ہیں نہ ثواب چاہیں نہ عذاب اور ان کا یہ عرض کرنا براہ خوف وخشیت تھا اور

امانت بطور تخییر (انتخاب) پیش کی گئی تھی یعنی انہیں اختیار دیا گیا تھا کہ اپنے میں قوت و ہمت پائیں تو اٹھائیں ورنہ معذرت کر دیں۔ اس کا اٹھانا لازم نہیں کیا گیا تھا اور اگر لازم کیا جاتا تو وہ انکار نہ کرتے۔

خالق و مالک کائنات' اللہ تبارک وتعالیٰ اللہ عزوجل نے وہ امانت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کی اور فرمایا کہ میں نے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کی تھی' وہ نہ اٹھا سکے۔ کیا تو مع اس کی تمام ذمہ داری کے اٹھا سکے گا؟ حضرت آدم نے اقرار کیا۔ کہا گیا ہے کہ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ ہم نے امانت پیش کی تاکہ منافقین کا نفاق اور مشرکین کا شرک ظاہر ہو اور اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں عذاب فرمائے اور مومنین جو امانت کے ادا کرنے والے ہیں ان کے ایمان کا اظہار ہو اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے اور ان پر رحمت و مغفرت کرے۔ اگرچہ ان سے بعض طاعت میں کچھ تقصیر بھی ہوئی ہو۔

سورۃ بقرہ آیت 29

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ق

ترجمہ'' وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔''

یہ آیت مبارک تشریح طلب نہیں ہے۔ اس میں پوری وضاحت کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ جو کچھ بھی زمین پہ ہے' زمین میں ہے وہ سب کا سب ہی اے انسان' بنی نوع انسان' اے اشرف المخلوقات تمہارے لیے ہے۔

سورۃ حج آیات 63 تا 65:

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصۡبِحُ الۡاَرۡضُ مُخۡضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیۡفٌ خَبِیۡرٌ ۚ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ۚ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ وَ الۡفُلۡکَ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَ یُمۡسِکُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَی الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ۚ

ترجمہ'' کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تو صبح کو زمین ہری بھری ہوگئی' بے شک اللہ پاک خبردار ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہی بے نیاز خوبیوں سراہا ہے۔ کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے بس میں کر دیا جو کچھ زمین میں' زمین پہ ہے اور کشتی کہ دریا سمندر میں اس کے حکم سے چلتی ہے اور وہ روکے ہوئے ہے آسمان کو کہ زمین پر نہ گر پڑے مگر اس کے حکم سے' بے شک اللہ بنی نوع انسان پر بڑی مہر والا مہربان ہے۔''

اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اور وضاحت سے فرما دیا ہے کہ اے انسان' بنی نوع انسان' اشرف المخلوقات میری قدرت اور مہربانیاں دیکھ کہ زمین' دریا' سمندر (پانی) آسمانوں میں ہلال' چاند' ستارے سورج (فضا' عالم باد) میں جو کچھ تمہیں نظر آتا ہے اور جو نظر نہیں آتا ان سب کا خالق و مالک حقیقی میں ہوں اور یہ سب

کچھ میں نے تمہیں دے دیا ہے تمہاری سہولت کے لیے' آرام وسکون کے لیے' ان سے خوب فائدہ اٹھاؤ اور میرا ہی شکر ادا کرو اور میری ہی عبادت کرو۔ اور مجھے ان کے ذریعہ پہچانو کہ میں ہی سب کا ایک اللہ ہوں' میں ہی عبادت کے لائق ہوں اور میں نے یہ سب کچھ تمہارے لیے مسخر کیا ہے یعنی کہ میں ہی دینے والا ہوں' قادر ہوں۔ ہر کچھ پر اور طاقت وقدرت والا ہوں۔ اس سب کچھ میں میری حکمتیں' رحمتیں' عنایتیں دیکھو اور میرے اوامر و نہی کے مطابق زندگی گزارو۔ یہ جو کچھ تمہیں نصیب ہے' جس پر تم قادر ہو' جس کے تم مالک ہو۔ یہ سب کچھ تو میں نے تمہیں دیا ہے۔ اس کا مالک حقیقی یعنی کہ اصل مالک تو میں ہوں اور میں ہی تمہارا رب ہوں' اس لیے میرا ہی شکر کرو' ذکر کرو اور میری ہی عبادت کرو۔

سورۃ بقرہ آیت 38

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

ترجمہ ''ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ' پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا' اسے نہ کوئی اندیشہ ہوگا نہ کوئی غم۔''

اس آیت مبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح طور پر فرمادیا ہے کہ جو بھی میری ہدایت پر عمل کرے گا اوامر نہی مانے گا' میرے رسول خاتم النبیین ﷺ کا اتباع کرے گا' اسوہ حسنہ کو اپنائے گا وہ اس جنت کو حاصل کر لے گا جس سے شیطان نے حسد کے مارے تمہارے جدِ امجد کو نکلوایا اور پھر یہ زمین تم سب کا عارضی ٹھکانہ بنی۔

سورۃ بقرہ آیت 256

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ ۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○

ترجمہ ''کوئی زبردستی نہیں ہے دین میں' بے شک خوب جدا ہوگئی ہے نیک راہ گمراہی سے تو جو شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے' اس نے بڑی مضبوط گرہ تھامی جسے کبھی کھلنا نہیں اور اللہ سنتا جانتا ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ اس آیت مبارک میں فرماتے ہیں کہ بذریعہ قرآن حکیم اور نبی کریم ﷺ میں نے نیکی' نیک راہ اور بدی' گمراہی میں خوب خوب تمیز کرادی ہے۔ اسوہ حسنہ نیک راہی کی روشن درخشاں مثال ہے اور ہم (اللہ) نے کفر وضلالت اور ایمان و ہدایت کو ایک دوسرے سے ایسا علیحدہ اور نمایاں کر دیا ہے کہ جیسے ایک اندھیرا اور دوسرا روشنی۔ اب کسی بھی صاحب عقل کے لیے' عقل مند کے لیے قبول حق میں تامل کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی' کوئی گنجائش نہیں رہی۔

سورہ بقرہ آیت 257:

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَوۡلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوۡتُ ۙ یُخۡرِجُوۡنَهُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝

ترجمہ ''اللہ والی ہے مسلمانوں کا' انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا' لاتا ہے اور کافروں کے حمایتی شیطان ہیں' وہ انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکالتے' لے جاتے ہیں' یہی لوگ دوزخ والے ہیں' انہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ اس آیت مبارک میں فرماتے ہیں کہ میں' قرآن حکیم اور رسول کریم ﷺ سب جہانوں کا' دنیا کا نور ہیں' روشنی ہیں' اجالا ہیں' ہدایت ہیں۔ اچھائی' بھلائی' نیکی ہیں اور سب کو اچھائی' بھلائی' نیکی کا ہی راستہ دکھاتے ہیں۔ یہی میرا نور ہے' یہی زمین وآسمان کا نور ہے۔

جب کہ شیطان تمہیں برائی' بدی' بدکاری اور دیگر خرابیوں یعنی کہ اندھیروں کی طرف لے جاتا ہے۔ پھر جس نے شیطان کو مانا وہ عذاب دوزخ میں ہوگا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کو مانا' اتباع کیا وہ جنت میں ہوگا اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

سورۃ نحل آیت 9

وَعَلَی اللّٰهِ قَصۡدُ السَّبِیۡلِ وَمِنۡهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوۡ شَآءَ لَهَدٰىکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۝

ترجمہ ''اور بیچ کی راہ ٹھیک اللہ تک ہے اور کوئی راہ ٹیڑھی ہے اور اللہ چاہتا تو تم سب کو راہ پر لاتا۔''

سورۃ مائدہ آیت 48

وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَکُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰکِنۡ لِّیَبۡلُوَکُمۡ فِیۡ مَاۤ اٰتٰىکُمۡ فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ ؕ اِلَی اللّٰهِ مَرۡجِعُکُمۡ جَمِیۡعًا فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ فِیۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ۝

ترجمہ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا مگر منظور یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا اس میں تمہیں آزمائے' تو بھلائیوں کی طرف بڑھو۔''

ان آیات مبارک سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے (انسان کو) عقل واختیار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اچھے اور برے میں خوب تمیز کرا دی' راہ ہدایت اور راہ گمراہی یا گمراہی خوب واضح کر دی ہیں۔ روز حساب' قیامت کی ہولناکی اور یقینی ذرہ ذرہ کا حساب اور مکمل انصاف کے بعد جزا یا سزا کا وضاحت کے ساتھ بار بار بتلا دیا ہے۔ اب آدمی (انسان) اپنی عقل سے کام لے اور اس کے مطابق خود اپنا مقام بنائے۔

میں (اللہ) سب کو راہ ہدایت پر اپنے امر سے نہیں لاؤں گا۔ اے بنی نوع انسان میں نے تمہیں عقل و اختیار اسی لیے دیا کہ تم خود راہ ہدایت تلاش کرو اور اس پر اپنی مرضی سے چلو۔ اور اسی لئے جزا و سزا ہے۔

سورۃ یونس آیات 5-6:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ ''وہی ہے جس نے سورج کو جگمگایا (نہایت چمکدار) بنایا اور چاند کو چمکتا ہوا اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں (سالوں) کی گنتی اور حساب جانو' اللہ نے انہیں نہ بنایا مگر حق کے ساتھ۔ نشانیاں مفصل بیان فرماتا ہے علم والوں کے لیے۔ بے شک رات اور دن کا بدلتے آنا اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے اس میں نشانیاں ہیں ڈرنے والوں کے لیے۔''

یعنی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی نشانیوں سے صاحب علم ہی مستفید ہوتے ہیں یا بالالفاظ دیگر جو اللہ کی نشانیوں سے عبرت حاصل کرتے ہیں' اللہ و رسول کی راہ پاتے ہیں وہی علم والے ہیں۔ وہی اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ وہی لوگ صاحب عقل ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں' متقی ہیں' پرہیزگار ہیں اور اسوہ حسنہ پر چلنے والے ہیں۔

سورۃ انفال آیت 2

ترجمہ ''ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر ہو (یاد کیا جائے) تو ان کے دل ڈر جائیں۔''

سورۃ رعد آیات 19

ترجمہ ''تو کیا جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا وہ حق ہے۔ وہ جس جیسا ہوگا جو اندھا ہے (جو اسے حق نہیں مانتا) اور نصیحت تو وہی مانتے ہیں جنہیں عقل ہے۔''

سورۃ فاطر آیت 28

ترجمہ ''اور اللہ سے' اس کے بندوں (لوگوں) میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔''

مندرجہ بالا آیات مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو فرمایا ہے وہ میں اس سے پہلی والی آیات مبارک کے تحت لکھ چکا ہوں اور یہ آیات مبارک بالکل وضاحت طلب نہیں ہیں۔

سورۃ فتح آیت 5

لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَیُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝

ترجمہ ''تا کہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغ میں لے جائے جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں اور ان کی برائیاں ان سے دور کر دے' اتار دے اور یہ اللہ کے یہاں بڑی کامیابی ہے۔''

اس آیت مبارک میں اللہ تبارک و تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ جن مردوں اور عورتوں نے اپنی عقل و سمجھ سے

کام لیا اور خلوص دل سے حسب توفیق نیکی کی راہ اختیار کی اتباع رسول کریم ﷺ کیا' اللہ سے ڈرے اور کوئی گناہ یا غلطی کی تو اللہ کے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی معرفت اللہ سے مغفرت کے لیے توبہ کر لی تو آخرت میں ان کے لیے جنت ہے اور حصول جنت یا عذاب دوزخ سے نجات ہی بڑی کامیابی ہے۔

انسان کی کہانی قرآن کی زبانی قدم بہ قدم آگے بڑھتی ہوئی اب بڑی کامیابی تک پہنچ چکی ہے جس کا حصول بہت مشکل ہے۔

• سورۃ بقرہ آیت 214

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝

ترجمہ ''(انسان) کیا تم اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے جب کہ ابھی تک تم پر اگلوں کی سی حالت نہ آئی' پہنچی انہیں سختی اور تکالیف کی شدت اور ہلا ہلا ڈالے گئے۔ یہاں تک کہ کہہ اٹھا رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے کب آئے گی اللہ کی مدد' سن لو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔''

یہ آیت مبارک آپ ﷺ سے پہلے کسی اور رسول اور اس کے اصحاب کے بارے میں ہے اور میرا یہاں اس آیت مبارک کا حوالہ دینے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ جنت میں جانے کے لیے عبادت اللہ اور پر خلوص اتباع رسول کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ بے شمار جان لیوا مشکلات' تکالیف' دکھ درد اور پریشانیوں سے صبر و شکر' ہمت و حوصلہ سے گزرنا پڑتا ہے جو ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ کوئی کوئی' خال خال ایسے حالات میں ثابت قدم رہتے ہیں اور کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

سورۃ آل عمران آیات 135-136

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ص وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝

ترجمہ ''اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں۔ اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور کون گناہ بخشے سوا اللہ کے اور اپنے کیے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں۔ ایسوں کو بدلہ ان کے رب کی بخشش اور جنتیں ہیں۔ جن کے نیچے نہریں رواں' ہمیشہ ان میں رہیں۔ اچھا اجر ان کے اچھے اعمال کا۔''

سورۃ نحل آیت 119:

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

ترجمہ "پھر بے شک تمہارا رب ان کے لیے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں' پھر اس کے بعد توبہ کریں اور سدھر جائیں' بے شک تمہارا رب اس کے بعد ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔"

اپنے کیے پر شرمندہ ہونا' صدق دل سے توبہ کرنا اور آئندہ کے لیے گناہوں سے باز رہنے کا پختہ عزم کرنا یہ تینوں قبول ہونے والی توبہ کے لیے ضروری شرائط ہیں۔ مندرجہ بالا آیات مبارک اس قدر واضح ہیں کہ ان کی مزید وضاحت وتشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ صدق دل سے کی گئی توبہ یا سچی توبہ کو تو رحمٰن ورحیم اللہ جل شان ہو انسان کی زبان سے ادا ہونے سے پہلے ہی یعنی کہ ارادے (ارادہ کر لینے) پر ہی قبول کر فرما لیتا ہے۔ سچی توبہ' صحیح' بامعانی توبہ کا مطلب ہے کہ انسان ہر طرح کے تمام گناہوں سے اس وقت تائب ہو جائے جب اس میں گناہ کرنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہو۔ مثال کے طور پر ایک رشوت خور کے لیے صحیح' بامعانی توبہ' سچی توبہ اس کا ایسے وقت پر تائب ہونا ہے جب وہ نوکری میں ہے اور اسے اپنی نوکری' پوزیشن کے سبب اکثر رشوت پیش ہوتی ہو' نہ کہ اس وقت جب وہ اس پوزیشن میں نہیں (وہ نوکری سے باہر ہے' ریٹائرڈ ہے) اور اسے رشوت بھی پیش نہیں کی جاتی یا ایسی زندگی گزار رہا ہو جہاں اب رشوت کا گزر نہیں۔

فارسی زبان کا ایک شعر ہے

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری
وقت پیری' گرگ ظالم می شود پرہیزگار

اس کے معنی ہیں کہ جوانی میں سب برے کاموں' اعمال سے تائب ہو جانا' ان سب گناہوں سے جو عموماً انسان جوانی میں کرتا ہے ان سے باز آ جانا' یہ اللہ کے پیاروں کی خصلت ہے' یہ اولیا اللہ اور صالحین کی خصلت و علامت ہے اور بڑھاپے میں جب قوت. ولولہ' جوانی جاتی رہی تو وہ بھیڑیا بھی جو جوانی میں بہت خونخوار (بدکردار) تھا وہ بھی مجبوراً (ضعیفی کے' بڑھاپے کے سبب) پرہیزگار بن جاتا ہے۔

توبہ تو رب ذوالجلال کا' رحمۃ للعالمین ﷺ کی معرفت ہمارے لیے ایک تحفہ عظیم ہے۔ اللہ جس کو توفیق دے اور بھلے وقت' اچھی عمر میں تائب ہو جائے' سچی توبہ کر لے تو یہ دنیا بھی دیکھ لی' مکمل دنیاداری بھی کر لی اور پھر اگلے جہاں میں بھی کامیاب ہو گیا۔ اللہ جس کو سچی توبہ کی توفیق دے دے وہ کتنا خوش نصیب ہے۔ کروڑہا درود وسلام حبیب اللہ' رسول کریم رؤف ورحیم' ہادیٔ دو جہاں ﷺ پر (اور کروڑوں سلام ودرود آل رسول وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر) جس کے طفیل اللہ تبارک وتعالیٰ ہم پر اپنی رحمتیں کرتا ہے اور جس کے طفیل' جس کی اطاعت ومحبت کے سبب امت محمدیہ کے لیے توبہ کا دروازہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کھلا رکھا۔

سورۃ مومن آیت 7:

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○

ترجمہ ''تو انہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔''

سورۃ مومن آیت 9

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

ترجمہ ''اور جسے تو اس دن گناہوں کی شامت سے بچائے تو بے شک تو نے اس پر رحم فرمایا اور یہی (عذاب دوزخ سے بچ جانا ہی) بڑی کامیابی ہے۔''

قارئین کرام! انسان کی کہانی قرآن کی زبانی ابھی جاری ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀❀

شیطان کیا ہے؟

درج ذیل میں اس لیے لکھ رہا ہوں کہ اکثر اوقات پڑھے لکھے حضرات سے بھی یہ تاثر ملتا ہے کہ فلاں برا فعل تو مجھ سے شیطان مردود نے کرا دیا ہے۔ اتنا کہہ دینے کے بعد وہ اس طرح مطمئن ہو جاتا ہے کہ جیسے انہیں اس فعل بد پر کوئی تاسف نہیں، انہیں سنبھلنے کی سدھرنے کی ضرورت نہیں۔ یا باالفاظ دیگر یوں کہہ لیں کہ اکثر اوقات ہر برے کام کے لیے ہم شیطان کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ کام ہم خود کرتے ہیں۔ ہماری عقل سلیم اپنے شیطان کے سبب، اپنے نفس کے سبب، نفس امارہ کے سبب عقل سقیم سے دب جاتی ہے۔ اس طرح کی سوچ سے، اپنا گناہ شیطان کے کھاتے میں ڈال دینے سے برے لوگوں کو جھوٹا سہارا مل جاتا ہے اور سدھرنے کے بجائے ان میں گناہ کے لیے رغبت بڑھتی ہے۔ اس لیے میں نے اس موضوع پر لکھنا مناسب سمجھا کہ خلق خدا کے لئے حقائق جان لینے کے بعد سدھر جانے کے امکانات بہت زیادہ ہو جاتے ہیں۔

1- شیطان کے بارے میں یہ کبھی نہ بھولیں کہ وہ بھی اللہ ہی کی مخلوق ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہر مخلوق بامقصد ہے جب کہ جن و انسان کو عقل و اختیار بھی ملا ہے۔
2- تمام مخلوقات کی طرح وہ اللہ کے بس سے باہر نہیں ہے۔
3- اس کا کوئی بھی داؤ پیچ، سکیم ترکیب اللہ کے علم و بس سے باہر نہیں ہے۔
4- وہ بہت بڑا عالم و عابد تھا۔
5- وہ اپنے تکبر کی وجہ سے راندھا گیا، دھتکارا گیا، مردود قرار پایا۔

قرآن حکیم کے مطابق بنی نوع انسان اور ابلیس قیامت تک کے لیے ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور شیطان تو کھلا، آشکارا دشمن ہے کہ اس نے روز اول ہی یہ واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ میں اولاد آدم کو ہر طرح کے فریب دوں گا اور انہیں بھٹکانے، بہکانے کی سرتوڑ کوشش کروں گا۔

6- وہ عالم ہونے کے ساتھ بہت چالاک بھی ہے۔ اب اس کا علم بھی منفی ہے۔ اس کی چالاکی اور علم کا یہ عالم ہے کہ اس نے بنی نوع انسان کو بہکانے کے لیے دوبارہ اٹھائے جانے کے وقت تک کی مہلت مانگی تھی یعنی کہ وہ موت سے بچنا چاہتا تھا۔

7- اس نے بنی نوع انسان کو بہکانے کی اجازت رب العالمین سے اپنے رب سے لی ہوئی ہے۔
8- وہ نیکی اور بدی کی خوب پہچان رکھتا ہے جس کے سبب اس کی اولاد میں سے دو فرد مسلمان ہو چکے ہیں۔
9- وہ اپنے طور پر کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا' کوئی فتنہ اپنے طور پر برپا نہیں کر سکتا ہاں اس وقت نقصان پہنچاتا ہے جب اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا اذن ہو یا کوئی فرد' گروہ' جماعت یا قوم اپنے اعمال بد سے اس نقصان کے لیے اپنے آپ کو رب کی بارگاہ میں مستحق بنا دے۔(سورۃ بقرہ آیت 102)
10- وہ برائی کے لیے ماحول مہیا کر دیتا ہے اور باقی برے کام' برے فعل' انسان کے اندر والے شیطان یعنی کہ ہر کسی کے ساتھ اپنے شیطان' نفس امارہ' عقل سقیم سے کرواتا ہے۔
11- بے شک باہر کا شیطان سب سے بڑا ہے اور برائی میں ڈالنے کا ہنرمند ہے لیکن انسان کے اپنے اندر کا شیطان بھی کم نہیں ہے۔ اس کی کامیابیوں میں اندر کے شیطان کا بہت زیادہ دخل ہے۔ اپنی تمام مکاریوں اور ہنرمندی کے باوجود یہ اس وقت تک کارگر نہیں ہوتا جب تک انسان کے اپنے اندر کا شیطان' نفس' نفس امارہ اس کا ساتھ نہیں دیتا۔

اگر یہ محاورہ ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے'' اس معاملہ میں کہا جائے تو یہ اس کا صحیح استعمال ہوگا' بلکہ بہت ہی صحیح استعمال ہوگا۔

درج ذیل بمع حوالہ جات آپ کے علم اور موضوع کو اچھی طرح سمجھانے کی خاطر لکھ رہا ہوں ورنہ میں جو بات کہنا چاہ رہا تھا وہ میں کہہ چکا ہوں۔ بہرحال درج ذیل بھی علم و دلچسپی سے خالی نہیں ہے بلکہ بھرپور ہے۔

سورۃ ذریت آیت 56

ترجمہ ''اور میں نے جن اور انسان اسی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں۔''

سورۃ بقرہ آیت 102

ترجمہ ''اور اس سے (اپنے کیے گئے جادو سے) ضرر نہیں پہنچا سکتے کسی کو بھی مگر (خدا) اللہ کے حکم و اذن سے۔''

سورۃ بقرہ آیت 34

ترجمہ ''اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو' تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ وہ منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔''

سورۃ حجر آیات 36 تا 40

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ○ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ○ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ○

ترجمہ ''(ابلیس) بولا اے میرے رب تو مجھے مہلت دے اس دن تک کہ وہ اٹھائے جائیں۔ فرمایا تو ان میں سے ہے جن کو اس معلوم وقت کے دن (روز قیامت روز حشر پہلے صور کے پھونکے جانے تک) مہلت ہے۔ بولا اے رب میرے قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا' میں انہیں زمین میں بھلاوے دوں گا اور ضرور میں ان سب کو بے راہ کروں گا مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں (جنہیں تو نے اپنی توحید و عبادت کے لیے برگزیدہ فرما لیا ان پر شیطان کا وسوسہ اور داؤ' فریب نہ چلے گا)''

جن کو جن کہنے کی وجہ

حضرت ابن عقیل حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (محمد بن عقیل بغدادی ظاہری ابوالوفاء عالم العراق شیخ الحنابلہ) فرماتے ہیں ''جن کو جن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ چھپ کر رہتے ہیں اور آنکھوں سے اوجھل رہتے ہیں۔''

(کتاب الفنون۔ مترجم)

شیطان کون ہیں؟

یہی علامہ ابن عقیل حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''شیاطین جنات کی وہ قسم ہے جو خدا کے نافرمان ہیں اور یہ ابلیس (ملعون) کی اولاد میں سے ہیں۔''

علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عربی زبان میں جن و انسان اور چوپایوں میں سے ہر سرکش کو شیطان کہا جاتا ہے۔ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

سورۃ انعام آیت 112

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۝

ترجمہ ''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے جن وانس کے شیطان کو دشمن بنایا۔''

نیز انہوں نے کہا کہ ہر سرکش کو شیطان اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے تمام ہم جنسوں سے اخلاق باختہ ہوتا ہے اور بھلائی سے انتہائی دور ہوتا ہے۔ (جامع البیان۔ جلد 1 صفحہ 49)

وسوسہ شیطان کے عاجز ہونے کی دلیل ہے

شیطان کافر و منافق کو اپنی مرضی سے فسق و فجور میں مبتلا رکھتا ہے۔ جب وہ یہی کام مومن سے کروانا چاہتا ہے تو بے بس ہو جاتا ہے۔ سوائے وسوسے کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ اسی لیے جب رسول اللہ ﷺ سے وسوسے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہی خالص ایمان ہے۔

(مسلم' کتاب الایمان' باب بیان الوسوسہ۔ مع نووی جلد 2 صفحہ 153)

وسوسہ ایمان کی دلیل ہے

حدیث' ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی ایک اپنے دل میں کچھ کھٹکا پاتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

الحمد لله الذی رد کیده الی الوسوسه

ترجمہ ''سب تعریفیں اللہ کی ذات کے لیے ہیں جس نے شیطان کے فریب کو وسوسہ کی طرف دھکیل دیا۔ (ابوداؤد' نسائی' ابوداؤد کتاب الادب باب 109 مسند احمد جلد 1 صفحہ 235 مشکل الاثار جلد 2 صفحہ 352)

حضور ﷺ کے ساتھ رہنے والا شیطان مسلمان ہوگیا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات حضور پُرنور رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے باہر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مجھے فکر ہوئی (کہ شاید آپ کسی اور بی بی کے ہاں گئے ہیں) جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے اور مجھے دیکھا تو فرمایا' تجھے تیرے شیطان نے (وسوسہ میں) ڈال دیا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ! کیا میرے ساتھ شیطان ہے؟ فرمایا ہاں شیطان تو ہر انسان کے ساتھ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا ہاں لیکن میرے رب نے میری دستگیری فرمائی' حتیٰ کہ وہ مسلمان ہوگیا۔ (مسلم (منہ) مسلم فضائل صحابہ حدیث 88 صفات المنافقین باب تحریش الشیطان حدیث 70 بیہقی دلائل النبوت باب ماجاء فی ان مع کل احد قرینہ من الجن جلد 7 صفحہ 102)

شیطان کے پڑپوتے کا عجیب قصہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کے پاس تہامہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر بیٹھے تھے کہ ایک بوڑھا اپنے ہاتھ میں عصا لے کر سامنے آیا اور سرکار دو عالم حضور انور ﷺ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے سلام کا جواب دے کر اس کی زبان میں پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں ہامہ بن ہیم بن لاقیس بن ابلیس ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے اور شیطان کے درمیان صرف دو باپوں کا فاصلہ ہے' تو نے کتنا زمانہ طے کیا ہے؟ کہا میں نے دنیا کی عمر پوری کی ہے بس تھوڑی سی باقی ہے۔ جن راتوں کو قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا اس وقت میں چند سال کا بچہ تھا' بات سمجھ لیتا تھا' ٹیلوں کو پھلانگتا تھا' کھانا خراب کرنے کا اور قطع رحمی کا حکم کرتا تھا۔ تو حضور انور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جدائی ڈالنے والے بوڑھے اور سستی (لاحق) کرنے والے جوان کا کام بہت برا ہے۔''

اس نے کہا۔ آپ ﷺ مجھے اس بارے میں معاف فرمائیں۔ میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے توبہ کر چکا ہوں۔ میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی مسجد میں ان لوگوں کے ساتھ تھا جو ان کی قوم میں سے ان پر ایمان لائے تھے۔ میں ہمیشہ ان کو ان کی اپنی قوم کی دعوت پر سخت سست کہا کرتا تھا حتیٰ کہ وہ خود بھی رو پڑے اور

مجھے بھی رُلا دیا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ (اگر میں تمہاری بات مان لوں تو) میں ضرور شرمندگی اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں اور میں پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلین میں سے بن جاؤں۔

میں نے عرض کیا تھا اے نوح! میں ان لوگوں میں سے ہوں جو قابیل بن آدم کے سعادت مند شہید کے خون کرنے میں شریک تھے۔ کیا آپ رب تعالیٰ کے ہاں میری توبہ کی قبولیت پاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا' اے ہامہ! خیر کی نیت کر اور حسرت اور ندامت سے پہلے بھلائی پر لگ جا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو مجھ پر نازل فرمایا ہے' میں نے اس میں پڑھا ہے کہ جو شخص اپنی پوری دیانتداری کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے توبہ تائب ہوتا ہے' اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں۔

اٹھ وضو کر اور دو رکعات پڑھ۔ تو میں نے اسی وقت عمل شروع کر دیا جس کا انہوں نے مجھے حکم فرمایا تھا۔ پھر انہوں نے مجھے پکارا کہ اپنا سر اٹھا لو۔ تمہاری توبہ آسمان سے نازل ہو چکی ہے۔ تو میں اللہ کے لیے ایک سال تک سجدہ میں پڑا رہا اور میں حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ سجدہ میں شریک تھا۔ جب انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ سجدہ کیا تھا۔ میں ان کو ان کی (جاہل) قوم کو (بار بار) دعوت دینے پر عتاب کرتا تھا حتیٰ کہ وہ بھی اپنی قوم پر روئے اور مجھے بھی رُلایا۔

اور میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی زیارت بھی کرتا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس امانت داری کے عہدہ پر فائز تھا اور میں حضرت الیاس کو وادیوں میں ملا کرتا تھا اور اب بھی ان کو ملا کرتا ہوں۔ (حضرت الیاس اور حضرت خضر دونوں کی ارواح کو اللہ نے حسب منشاء خداوندی اشکال بدلنے کی طاقت دی ہے۔ اب بھی ان کی ارواح کسی نہ کسی اولیاء کرام وغیرہ سے ملاقات کرتی ہے۔

(تفسیر مظہری ماخوذ از حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مترجم)

میری حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے تورات سکھائی تھی اور فرمایا تھا کہ اگر تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کرو تو ان کو میرا سلام کہنا اور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملا ہوں اور ان کو ان کا سلام بھی پہنچایا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مجھے فرمایا تھا کہ اگر تم حضرت محمد ﷺ سے ملو تو ان کو میری طرف سے سلام پیش کرنا' تو حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے آنسو اتر آئے اور رونے لگے۔ پھر فرمایا "اور عیسیٰ علیہ السلام پر بھی رہتی دنیا تک سلام ہو اور اے ہامہ! امانت پہنچانے کی وجہ سے تم پر بھی سلام ہو۔"

ہامہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ بھی میرے ساتھ وہی کریں جو موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے کیا تھا۔ انہوں نے مجھے تورات سکھائی تھی تو آپ ﷺ نے اس کو سورۂ واقعہ اور سورۂ مرسلات' سورۂ نباء' سورۂ کورت یا تکویر اور معوذتین اور قل ھو اللہ احد (سورہ اخلاص) سکھلائیں اور فرمایا اے ہامہ! اپنی ضرورت ہمارے سامنے پیش کرو اور ہماری زیارت کرنا نہ چھوڑو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر حضور انور نبی کریم رسول اللہ ﷺ کی وفات حسرت آیات ہوگئی اور اس کی (ہامہ) کی ہمیں خبر نہ ہوئی۔ نہ معلوم وہ زندہ ہے یا فوت ہو

گیا ہے۔(کتاب الضعفا عقیلی' ابونعیم' بیہقی (منہ) دلائل النبوت ابونعیم اصبہانی 131)

(فائدہ) یہ مذکورہ حدیث ''زوائد زہد'' میں حضرت عبداللہ بن امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور عقیلی نے (ضعفاء میں) اور شیرازی نے کتاب الالتعاب میں اور ابونعیم نے (دلائل میں) اور ابن مردویہ نے بھی ذکر کی ہے۔ نیز یہ روایت علامہ فاکہی نے کتاب مکہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔ اس حدیث کے کئی طرق ہیں جن کی وجہ سے یہ حدیث درجہ حسن کو پہنچتی ہے۔(علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ)

انسان کو گمراہ کرنے کے شیطانی پھندے

اگر کوئی انسان پچاس برس تک ایک ہی کام کرتا رہے تو وہ اس کام کی تمام باریکیوں کو سمجھ لے گا۔ رہا یہ شیطان مردود! تو جب سے آسمان سے دھتکارا گیا' اس دن سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی تدبیریں کر رہا ہے اور قیامت تک نئی نئی چالیں اور ہتھکنڈے آزماتا جائے گا۔ انسان اور شیطان ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ انسان اپنے دشمن کو بھول گیا لیکن شیطان ایک لمحے کے لیے بھی دشمنی کرنے سے غافل نہیں ہوا ہے۔ اس کے جو پھندے' فریب' جال زیادہ مشہور ہیں وہ یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

باطل کو مزین کرنا

ہر ناحق اور غلط فعل نہایت قبیح' بدصورت اور برا ہوتا ہے۔ طبع انسانی اس سے نفرت کرتی ہے۔ واہ رے شیطان! تو شیطان کیسا' اگر سب لوگ برے اعمال کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں' لہٰذا شیطان نے اپنے رب سے کہا تھا۔

سورۃ حجر آیات 39

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○

ترجمہ ''میں زمین میں ضرور بر ضرور ان کے لیے مزین کروں گا اور ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا''

اور حقیقت میں شیطان برے فعل کو آسان اور دلفریب بنا دیتا ہے۔ وہ دلکشی دلفریبی کے ایسے ایسے جال بنتا ہے کہ اس میں اکثر کو پھنسا لیتا ہے۔

گناہوں کے خوبصورت نام رکھنا

گناہوں کو مزین کر کے پیش کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ برائی اور بے حیائی کے کاموں کے نام تبدیل کر کے اچھے نام رکھ دیئے جائیں مثلاً شراب کا نام وہسکی' جوئے کا نام قسمت آزمائی یا پرائز بانڈ' زنا اور لواطت کا دوسرا نام ڈیٹنگ (Dating) یا آزمائشی ملاقاتیں' سود کا نام منافع' کنجری کا نام گلوکارہ اور رنڈی کو اداکارہ کہہ کر پکارا جائے۔ بے پردگی' کھلے گریبان' چست قمیض اور شلواروں کو فیشن' اختلاط مرد و زن کو محفل دوستاں' سکول و کالجز میں مینا بازار کے نام پر اسراف و بناؤ سنگار کا ترقی یافتہ نام ہے کلچر' جدید کلچر۔ یہ دراصل

سب شیطانی چالیں ہیں جن میں کئی دیندار گھرانے بھی غیر محسوس طریقے سے ملوث ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان شیطان کی حکایت بیان کرتے ہوئے اسی کی طرف واضح اشارہ کر رہا ہے۔

سورۃ طٰہٰ آیت 120

فَوَسْوَسَ اِلَیْہِ الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰٓاٰدَمُ ھَلْ اَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَۃِ الْخُلْدِ وَمُلْکٍ لَّا یَبْلٰی ○

ترجمہ "(شیطان نے آدم کو کہا) کیا میں تیری رہنمائی دائمی درخت کی طرف کروں اور ایسی بادشاہی کی طرف جو کبھی ختم نہ ہونے والی ہو"۔

بس اسی دن سے شیطان بنی نوع انسان کو اپنی پسند کی راہوں کی طرف رہنمائی کر رہا ہے اور اپنی دشمنی میں انسان کو گمراہ کر رہا ہے۔

نیکی کے کاموں کو برے القاب دینا

اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول کو برے القاب دے کر لوگوں کو متنفر کرنا بھی شیطان کا محبوب مشغلہ ہے۔ مثلاً برقعہ کو شٹل کاک کہہ کر لوگوں کو متنفر کرنا' داڑھی کو جھاڑی اور ہر داڑھی والے کو مولانا' مولوی تحقیر سے کہنا یا بلانا۔ ٹخنے سے اوپر تہبند رکھنے والے کو سنڈا' عورتوں کی طرف نہ دیکھنے والے کو کمپیوٹر اور جہاز کہنا' نماز کی پابندی کرنے والے کو مسجدو یا مسجدی مینڈک' مسواک کرنے والے کو چوپایا چوسا کہنا۔

شیطان کے بہکانے' گمراہ کرنے کے معیار وشدت کا اس سے اندازہ کریں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قوم ہود علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

سورۃ اعراف آیت 66

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖٓ اِنَّا لَنَرٰىکَ فِیْ سَفَاھَۃٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّکَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ ○

ترجمہ "اس قوم کے سردار بولے بے شک ہم تجھے بے وقوف سمجھتے ہیں اور ہمارے گمان کے مطابق تو ضرور جھوٹوں میں سے ہے۔"

یعنی شیطان نے ان ظالموں کو یہ کہنے پر اکسایا کہ تم اپنے نبی کو احمق اور جھوٹا کہو اور ان سے کہلوا بھی دیا۔

تاہم اچھے لوگوں کو برے لوگوں کے مندرجہ بالا انداز سے گھبرانا نہیں چاہیے اور ان کا ہمنوا بننے کے بجائے ان سے تحمل و پیار سے کہا جائے کہ ہم پر خلاف فطرت ہونے کی تہمت مت لگاؤ۔ ہم تو اللہ تبارک تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے طریقے پر چلتے ہیں۔ ہم نے اسی پر چلنا ہے اور اسی اتباع میں فلاح دارین ہے۔ ہم ہر بات کی دلیل آیت قرآنی یا مرفوع متصل حدیث نبوی کو بناتے ہیں اور جب ہمیں کسی حدیث کے بارے میں شک ہو یا ابہام ہو تو ہم اپنے آئمہ حدیث کے وضع کردہ اصولوں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

بتدریج گمراہی پھیلانا

شیطان انسان کے پاس آ کر یہ نہیں کہتا کہ تو یہ گناہ کر لے یا اس بے حیائی کا مرتکب ہو جا بلکہ وہ انسان کو بتدریج گمراہی اور گناہ تک لے جاتا ہے۔ عربی مقولہ ہے ''نظرۃ فابتسامتہ فلکام فموعد فلقاء ''یعنی سب سے پہلے نظریں ملتی ہیں، پھر مسکراہٹوں کے تبادلے ہوتے ہیں۔ پھر کہیں بات کرنے، سننے کا موقع ملتا ہے۔ پھر وعدے وعید ہوتے ہیں ہیں۔ اس کے بعد خفیہ ملاقات کی جگہ طے ہوتی ہے۔ پھر ملاقات کے بعد حرام کاری شروع ہو جاتی ہے جس کا انجام بڑا دردناک اور اذیت ناک ہوتا ہے۔ اسی لیے عزوجل نے ہمیں شیطان کی پیروی سے ڈرایا ہے۔

سورۃ نور آیت 21

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ

ترجمہ ''اے ایمان والو! شیطان کی چالوں کی پیروی مت کرو۔ جو کوئی بھی شیطانی چالوں کی پیروی کرے گا۔ پس بے شک شیطان اسے بے حیائی اور برائی کا حکم ہی دے گا۔''

وہب بن منبہ سے ایک حکایت منسوب کی جاتی ہے کہ ایک گاؤں میں تین بھائی اپنی اکلوتی بہن کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ سفر پر جانے لگے تو اپنی بہن کو راہب کے پاس امانتاً چھوڑ گئے کیونکہ بستی میں صرف اسی پر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ ابتداء میں راہب نے اس لڑکی کو اپنے معبد سے باہر ایک علیحدہ کمرہ دیا۔ جب کھانا تیار ہوتا تو راہب کھانا لے کر لڑکی کے دروازے سے اندر رکھ کر لڑکی کو آواز دیتا اور خود واپس چلا جاتا۔ پھر لڑکی کھانا اٹھا کر کھا لیتی۔ شیطان نے اسے نیکی کی ترغیب دلاتے ہوئے کہا کہ اگر لڑکی کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاؤ تو اس کا دل بھی لگا رہے گا اور تجھے ثواب بھی ملتا رہے گا۔ راہب نے ایسا کرنا شروع کر دیا۔

پھر کئی مراحل کے بعد شیطان نے راہب کو ناصحانہ انداز میں بتایا کہ اگر عبادت سے کچھ وقت نکال کر لڑکی کے پاس بیٹھے تو اور زیادہ ثواب ملے گا کیونکہ اس طرح وہ دین کی طرف مائل ہوگی۔ راہب نے چند روز ایسا کرنے کے بعد عبادت سے غفلت برتنی شروع کر دی اور سارا دن اور رات گئے تک لڑکی کے پاس بیٹھ کر اسے دین سمجھانے لگ گیا۔ ایک دن گفتگو کے دوران اچانک راہب نے لڑکی کی ران پر چٹکی لی۔ شیطان نے لڑکی کو بھی ورغلایا۔ اس نے اپنی ذات کو راہب کی سپردگی میں دے دیا۔ شیطان نے راہب کو ہوس کا بھوکا بنا کر شیطان ہی کے روپ میں لڑکی کے سامنے لا کھڑا کیا اور آخرکار راہب نے بدکاری کی ابتداء کر دی۔ اب شیطان نے راہب کو مزید بدکار بنانے کے لیے نظریہ ضرورت کے تحت لڑکی کی خدمت کرنے پر آمادہ کر لیا۔ راہب دن رات کئی بار اس سے زنا کا مرتکب ہوتا اور وہ یہ بھول گیا کہ وہ راہب ہے اور لڑکی اس کے پاس کسی کی امانت ہے۔

لڑکی کا حمل جب ظاہر ہوا تو راہب بڑا پریشان ہوا۔ شیطان نے اسے مزید خوفزدہ کیا۔ اسے کہنے لگا کہ اگر اسی اثناء میں لڑکی کے بھائی آ گئے تو وہ مفت میں بدنام ہو جائے گا۔ جب بچہ پیدا ہو گیا تو راہب مزید پریشان رہنے لگا۔ شیطان نے اسے سمجھایا کہ پریشان مت ہو' بچے کو قتل کر دے اور لڑکی کو مطمئن کر دے۔ اس نے ایسے ہی کیا کہ بچے کو ذبح کر کے گھر کے پچھواڑے میں دفن کر دیا۔ اس کی ماں کو بہلا پھسلا کر خوش کر دیا۔ شیطان پھر راہب کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کیا اس طرح یہ لڑکی صبر کرے گی اور جب اس کے بھائی آئیں گے تو کیا یہ ان کو کچھ نہیں بتائے گی۔ آخر کار راہب نے لڑکی کا گلا گھونٹ کر اس کو بھی بچے کے ساتھ دبا دیا۔ اوپر کیاری بنا کر پھول اُگا لیے۔

یہ کام کروانے کے لیے شیطان نے بلاواسطہ اس کو قطعاً نہیں کہا کہ تم زنا کرو اور پھر دو معصوم جانوں کو قتل کر دو۔ اگر وہ ایسا کرتا تو راہب ہرگز اس کے مشورہ کو نہ مانتا۔

جب لڑکی کے بھائی سفر سے واپس آئے تو انہوں نے فوراً راہب سے رابطہ کیا اور اپنی بہن کے متعلق استفسار کیا تو راہب نے اس لڑکی کی شرافت اور ذہانت کی تعریف مبالغہ کی حد تک کی اور آخر انہیں بتایا کہ تمہاری بہن شدت بخار کی وجہ سے مر گئی ہے۔ میں نے اسے اسی عبادت خانہ میں دفن کر دیا۔ ان کی قبر دکھائی اور پھول بھی دکھائے اور بتایا کہ میں ہر روز یہاں آ کر اس کے درجات کی بلندی کی دعا کرتا ہوں۔

لڑکی کے بھائی راہب کے شکر گزار ہوئے اور اجازت لے کر اپنے گھر چلے گئے۔ جب رات کو سو گئے تو شیطان تینوں بھائیوں کے پاس گیا اور ہر ایک کو قبر کی صحیح نشاندہی کی اور بتایا کہ تمہاری بہن بخار سے نہیں مری بلکہ ناجائز حمل کے بعد بچہ پیدا ہوا تو راہب نے رسوائی کے ڈر سے ان دونوں کو قتل کر کے عبادت خانہ کے پچھواڑے میں دفن کر دیا ہے اور قبر کی اصل جگہ کی نشانی بھی بتلا دی' نشاندہی بھی کر دی۔

جب صبح ہوئی تینوں بھائی اکٹھے ہوئے۔ ایک دوسرے کو اپنا اپنا خواب سنایا تو بڑے بھائی نے کہا کہ یہ شیطانی دھوکہ ہے۔ وہ ہمیں فتنہ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ مجھے راہب کی شرافت اور بزرگی پر پورا اعتماد ہے۔ دوسرے بھائی نے اس کی حمایت کی لیکن سب سے چھوٹے نے راہب کے پاس جانا ضروری سمجھا۔ اس نے وہاں جا کر قبر کھودی تو اس پر حقیقت آشکارا ہوئی۔

جب بادشاہ کو پتہ چلا تو اس نے راہب پر مقدمہ قتل کر دیا اور اسے پھانسی کی سزا ہو گئی۔ جب اسے تختہ دار پر لایا گیا تو شیطان اس کے پاس اپنے اصلی روپ میں آیا اور کہا کہ تو میری باتیں نہیں مانتا تھا یعنی کہ تو مرے عام پھندوں میں نہیں پھنسا۔ میں نے خوب سوچ بچار کر کے تمہیں یہاں تک پہنچایا۔ اب اگر تو مجھ پر بھروسہ کرے اور پھانسی سے بچنا چاہتا ہے تو مجھے سجدہ کر' میں تجھے بچا لوں گا۔ جونہی راہب سجدے میں گرا جلاد نے اس کے گلے میں پھندا ڈالا اور تختے سے نیچے کھینچ لیا۔ شیطان ایک طرف کھڑا ہو کر قہقہے لگانے لگا۔

(تلبیس ابلیس ابن الجوزی صفحہ 26)

بقول مفسرین درج ذیل آیات ایسے واقعات پر دلالت کرتی ہیں۔

سورۃ حشر آیات 16-17

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّي بَرِيْءٌ مِّنْكَ اِنِّي اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خٰلِدَيْنِ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓاءُ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ترجمہ ''شیطان کی مثال کہ جب اس نے کہا انسان کو کہ کفر کر' جب اس نے کفر کیا تو (شیطان) نے کہا میں تجھ سے بری ذمہ ہوں۔ میں رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ پس ان دونوں کا انجام دائمی جہنم ہے اور ظالموں کے لیے یہی سزا ہے۔''

مذکورہ بالا راہب اپنی جہالت کی وجہ سے شیطان کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گیا اور گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھا۔ شیطان کی دلکشی' دلفریبی کے جال میں آ جانے کے سبب اس نے کیسے بھیانک' خوفناک اور بڑے بڑے گناہ کر ڈالے۔ اللہ شیطان کے فریب سے بچائے۔ آمین۔

ابن جوزی نے وہب بن منبہ کے حوالے سے ایک اور حکایت کی نقل کی ہے جس کا موضوع ہے کہ عابد اگر عالم بھی ہو تو کوئی طاقت اسے راہ راست سے ہٹا نہیں سکتی۔

ایک راہب اپنے معبد خانے میں رہتا تھا اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کا ہی زمانہ تھا۔ ابلیس نے اس شخص کو گمراہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس میں اتنی طاقت نہیں تھی۔ شیطان نے ہر حربہ استعمال کیا لیکن ناکام رہا۔ تب شیطان مسیح ابن مریم کی مشابہت کر کے اس کے پاس گیا اور کہا' اے راہب میرے پاس آ' میں تجھ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ راہب نے کہا چل دفعہ ہو جا' اپنا کام کر۔ میں اپنی گزشتہ عمر کی نیکیاں ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ پھر دوبارہ شیطان اسے کہنے لگا' میں مسیح ہوں۔ کیا تو مجھ سے فیض حاصل نہیں کر سکتا؟ راہب نے کہا اگر تو مسیح ہے تو مجھے تیری ضرورت نہیں کیونکہ تو نے ہی ہمیں اللہ کی عبادت کا حکم دیا تھا۔ تب شیطان نے مایوس ہو کر اس کا پیچھا چھوڑا۔

مندرجہ بالا دونوں عابدوں کے قصوں پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا عابد اپنی کم علمی اور شیطانی حیلوں سے ناواقفیت کی بنا پر ہلاک ہو گیا جب کہ دوسرا عابد اپنے علم اور اللہ کی توفیق کے ذریعے شیطان کے مکر سے بچ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''عالم عابد سے اس طرح افضل ہے جیسا کہ میں اپنے کسی صحابی سے افضل ہوں'' (رواہ الترمذی عن ابی امامہ)

اب آپ درج ذیل آیات مبارک اور اس کی تھوڑی سی تشریح یا وضاحت پڑھیے۔

درج ذیل آیت میں مذکور ناصحانہ فقرے' بات چیت اور شریک ٹھہرایا جانے پر سخت بیزاری کا اظہار ابلیس' شیطان اس وقت کرے گا یا اس وقت کہے گا جب دوزخی حساب سے فراغت پانے کے بعد دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے اور اس دوران دوزخی شیطان پر ملامت کریں گے' اس کو برا کہیں گے تو وہ جواب دے گا۔

سورۃ ابراہیم آیت 22

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

ترجمہ ''اور شیطان کہے گا جب فیصلہ ہو چکے گا' بے شک اللہ نے تم کو سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے تم کو جو وعدہ دیا تھا وہ میں نے تم سے جھوٹ کیا اور میرا تم پر قابو نہ تھا مگر یہی کہ میں نے تم کو بلایا' تم نے میری مان لی تو اب مجھ پر الزام نہ رکھو۔ خود اپنے پر الزام رکھو' نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکوں' نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکو۔ وہ جو پہلے تم نے مجھے شریک ٹھہرایا تھا میں اس سے سخت بیزار ہوں' بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

اس آیت مبارک کی کچھ تفصیل اس غرض سے لکھ رہا ہوں کہ شیطان کے منہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حقیقت بیان کرا دی ہے اور یہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔ ہم اس دنیا میں اپنے آپ کو سنبھال لیں' سدھار لیں ورنہ شیطان کی طرح ہم روزِ حساب ہاتھ نہ ملتے رہیں جس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ عقلمندوں کے لیے' خوش نصیبوں کو سدھارنے کے لیے مندرجہ بالا آیت مبارک ہی کافی ہے۔

تشریح یوں ہے کہ جب روزِ جزا حساب کتاب سے فراغت ہو جائے گی۔ جنتی جنت کا اور دوزخی دوزخ کا حکم پا کر جنت و دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اور دوزخی شیطان پر ملامت کریں گے اور اس کو برا کہیں گے تو شیطان دوزخیوں کو جواب دے گا' میں نے جو وعدے کیے تھے' تمہیں دیئے تھے وہ سب جھوٹے تھے اور اللہ نے جو تم وعدہ دیا تھا' وہ سچا تھا کہ مرنے کے بعد پھر اٹھنا ہے اور آخرت میں نیکیوں اور بدیوں کا بدلہ ملے گا۔ اللہ کا وعدہ سچا تھا اور سچا ہو گیا اور میرا تمہیں وسوسوں میں ڈال کر یعنی کہ نہ مرنے کے بعد پھر اٹھنا ہے' نہ جزا و سزا اور نہ جنت دوزخ یہ سب جھوٹ تھا۔

میں نے تمہیں بلایا' تم ایک اشارے سے چلے آئے۔ میں نے تمہیں اپنے اتباع پر مجبور نہیں کیا تھا یا یہ کہ میں نے اپنے وعدے پر تمہارے سامنے کوئی حجت و برہان پیش نہیں کی تھی۔ بس میں نے تمہیں بلایا اور راہ دکھائی تم چلے آئے اور میری دکھائی راہ پر چل پڑے۔ بغیر حجت و برہان کے تم میرے بہکاوے میں آ گئے۔ باوجود اس کے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم سے فرما دیا تھا کہ شیطان کے فریب میں نہ آنا اور اللہ کے رسول اس کی طرف سے دلائل لے کر تمہارے پاس آئے اور انہوں نے حجتیں پیش کیں اور برہان قائم کیں تو تم پر خود لازم تھا کہ ان کا اتباع کرتے اور ان کے روشن دلائل اور ظاہر' کھلے معجزات سے منہ نہ پھیرتے اور میری بات نہ مانتے اور میری طرف رجوع نہ کرتے لیکن تم نے ایسا نہ کیا۔

اب مجھ پر الزام نہ رکھو' مجھے اپنے کیے پر موردِ الزام نہ ٹھہراؤ بلکہ خود اپنے اوپر الزام رکھو۔ اللہ اور اس کے

رسولوں نے تمہیں یہ واضح طور پر بتلا دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے کیونکہ میں دشمن ہوں اور میری دشمنی ظاہر ہے اور دشمن سے خیر خواہی کی امید رکھنا حماقت ہے۔ تم احمق تھے تو تمہیں میری باتیں (فریب، دھوکا، پھندا) اچھی لگیں، آسان لگیں، دلکش لگیں۔ تم آسانی سے میرے دام میں آ گئے اور اللہ کے وعدوں کو تم نے خود پس پشت ڈال دیا اور اب مجھے موردِ الزام ٹھہراتے ہو۔ یہ الزام یہ سب کیا دھرا تو تمہارا ہی ہے۔ تمہارے ہی سر رہے گا اور تمہارا اپنا کیا ہے۔ اس کی سزا بھی تمہیں ہی ملے گی۔ اب اپنے کیے کی سزا بھگتو۔

بس یہی انسان کی کہانی ہے جو قرآن حکیم کی زبانی بیان کر دی گئی۔ مختصر یہ کہ ہمارے جدِ امجد جنت میں تھے۔ ابلیس نے اپنے حسد، بغض، عناد دشمنی کی بنا پر وہاں سے نکلوا دیا اور بنی نوع انس و جان کو بہکانے کے لیے کمر بستہ ہو گیا اور ہمہ وقت کمر بستہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے رسولوں نے، حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق اچھے اور برے میں خوب تمیز پیدا کرا دی اور امت کے لیے اسوہ حسنہ کا نمونہ پیش کر دیا۔ اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر اپنی اطاعت، اتباع و فرمانبرداری سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر لی اور اپنے جدِ امجد کی میراث پا لی اور یہی انسان کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اب جو بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اطاعت اتباع، و فرمانبرداری سید المرسلین خاتم النبیین، پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کرے گا وہی اپنے جدِ امجد کی میراث پا سکے گا اور باقی کا دوزخ میں ٹھکانہ ہوگا۔

❀❀❀❀❀❀❀❀❀

سوچتے کیوں نہیں؟ غور و خوض کیوں نہیں کرتے؟

سورۃ آل عمران آیات 191-190

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

ترجمہ ''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے جو اللہ کی یاد کرتے کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں۔

سورۃ یوسف آیت 105

وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝

ترجمہ ''اور کتنی ہی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں کہ اکثر لوگ ان پر گزرتے ہیں اور ان سے بے خبر رہتے ہیں۔''

یعنی کہ انہیں دیکھتے نہیں، دیکھتے ہیں تو ان کے بارے میں غور و خوض نہیں کرتے۔ سوچتے نہیں کہ اپنے اللہ کی حاکمیت و عظمت کو سمجھ سکیں۔

سورۃ انبیاء آیت 16

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ۝

ترجمہ ''اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عبث نہ بنائے۔''

یعنی کہ بے فائدہ، بے مقصد نہیں بنائے کہ ان سے کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ اس میں ہماری حکمتیں ہیں کہ ہمارے بندے ان سے ہماری قدرت و حکمت پر استدلال کریں اور یوں انہیں ہمارے اوصاف و کمال کی معرفت حاصل ہو کہ رب العالمین کی، قادر مطلق کی ربوبیت، حاکمیت و عظمت کو سمجھیں اور اپنی اس پہچان کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مزید یوں فرمایا ہے۔

سورۃ یونس: آیت 6

اِنَّ فِی اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَّقُوۡنَ ۝

ترجمہ ”بے شک رات اور دن کا بدلتے آنا اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے‘ ان میں نشانیاں ہیں (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے۔“

مختصر یہ ہے کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے‘ عقلمندوں کے لیے‘ غور وخوض کرنے والوں کے لیے سب کچھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔

سورۃ ذاریات آیت 20-21

وَفِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ۝ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ۝

ترجمہ ”اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کو اور خود تم میں‘ تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں (نظر نہیں آتا)“

یہاں بھی یہی فرمایا گیا ہے اہل یقین کو‘ اہل نظر کو‘ اہل عقل کو کہ زمین میں بکھری نشانیوں کو دیکھو جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت وحکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر آگے فرمایا ہے کہ تمہاری پیدائش میں اور تمہارے تغیرات میں اور تمہارے ظاہر و باطن میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کے ایسے بے شمار عجائب و غرائب ہیں جن سے بندے کو اس کی شان کبریائی‘ شان خدائی معلوم ہوتی ہے۔

سوچنا کسی بھی چیز کے بارے میں‘ شے کے بارے میں‘ اس کا علم حاصل کرنے کے مترادف ہے‘ علم حاصل کرنے کے برابر ہے اور علم حاصل کرنا عبادت ہے۔ اس لیے اللہ کی کائنات کے بارے میں‘ اس میں کسی شے کے بارے میں‘ غور وخوض کرنا سوچنا سمجھنا عین عبادت ہے‘ قابل ستائش عمل ہے۔

حدیث مبارک ہے:

”زر بن جیش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سرخ چادر سے ٹیک لگائے مسجد میں تشریف فرما تھے کہ قبیلہ مراد کا ایک شخص صفوان بن عالی حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ یارسول اللہ ﷺ! تلاش علم میں حاضر ہوا ہوں۔ حضور پُرنور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے فرمایا ”مرحبا اے طالب علم! فرشتے طالب علم کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ اپنے پروں کے سائے میں اسے لے لیتے ہیں۔ ایک پر ایک جمع ہوتے رہتے ہیں یہاں تک علم کی محبت میں سب سے نچلے آسمان تک چلے آتے ہیں۔“

ایک اور حدیث مبارک یوں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ یارسول اللہ ﷺ! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ فرمایا معرفت الٰہی (اللہ کے بارے میں علم)۔

اس نے یہ تین بار عرض کیا۔ یارسول اللہ میں عمل کے بارے میں سوال کرتا ہوں اور حضور پُرنور نبی کریم روف و رحیم ﷺ علم کے بارے میں جواب دیتے ہیں۔ اس پر حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''علم کے ساتھ تھوڑا عمل بھی نفع پہنچاتا ہے لیکن جہل کے ساتھ بہت عمل بھی نفع نہیں پہنچاتا۔''

درج ذیل میں ایک مثال دے رہا ہوں۔ اس غرض سے کہ آپ کو اپنے رب العالمین کی بے شمار آیات' نشانیوں پر غور کرنے' سوچنے کی افادیت اور حقیقت و انداز کی سمجھ آ جائے ورنہ حقیقت سے اس مثال کا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

اپنی طفل تسلیوں کی خاطر ہم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نشانیوں پر طرح طرح کے پردے ڈال لیے ہیں کہ اپنے عقل و ضمیر کو مستقل سلا سکیں۔ جو نشانیاں تاریخی نوعیت کی ہیں یا بہت پرانی ہیں وہ امتداد زمانہ کے پردوں میں چھپی ہیں جو ہم سے بہت دور ہیں' جیسے مدائن صالح اور سدوم' وہ دوری کے پردوں میں ہیں' جو ہم سے بہت دور بھی ہیں اور نظر بھی آتی ہیں جیسے سورج' چاند' ستارے' وہ معمولات کائنات (کہ انہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کی تکمیل کے لیے بنانا ہی تھا اور یہ نہ جانے انسان کی پیدائش سے کتنا عرصہ پہلے کے بنے ہوئے ہیں) کے پردوں میں ہیں اور جو نشانیاں ہمارے آس پاس اردگرد ہیں (وہی زیادہ نشانیاں ہیں) وہ ہماری عدم توجہ' غفلت یا عدم دلچسپی کے پردوں میں چھپی ہوئی ہیں۔

یہ سب نشانیاں' رحمتیں' نعمتیں ہمیں بن مانگے' بن چاہے مل گئی ہیں اور ہماری آنکھیں کھولنے سے پہلے یہ موجود تھیں۔ اس لیے ہمیں یوں لگتا ہے کہ سب کچھ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنانا ہی تھا' کائنات کی تکمیل و نظام کا حصہ ہیں۔ اس لیے یہ خاص طور پر ہمارے لیے تو نہیں بنائی گئی ہیں' جب کہ خالق و مالک کائنات' رب اللعالمین یہ فرماتا ہے کہ اے اولاد آدم یہ سب کچھ میں نے تمہارے لیے بنایا ہے اور سچ و حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب' پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کے صدقے (کے اعزاز میں) ہمارے لیے ہی بنائی ہے۔ حدیث مبارک ہے کہ اے میرے محبوب اگر میں نے تجھے پیدا نہ کرنا ہوتا تو یہ کائنات' جہاں' زمین و آسمان فضا وغیرہ کچھ بھی نہ بناتا۔

کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نشانیوں پر مندرجہ بالا اقسام کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے ہم عام آدمیوں کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نشانیاں کائنات میں کچھ اس طرح کی ہیں کہ جیسے آپ لاہور میں ہیں اور کراچی سے آپ کا ایک جاننے والا آپ کو چند الفاظ میں پیغام دیتا ہے۔ ''میں ایکسپریس کے ذریعے لاہور سے گزر رہا ہوں' مجھے ضرور ملیں۔ منجانب فہیم ٹیلی فون نمبر 12345''۔ کتنا ناکافی ہے اور مبہم پیغام ہے یہ۔ اب اگر آپ نے اس سے ملنا ہے تو دی گئی معلومات بہت ہی ناکافی ہیں۔ اب آپ کو سوچنا پڑے گا کہ

1- یہ فہیم صاحب کون ہیں' کون سے ہیں؟

2- ایکسپریس ریل کا نام ہے یا کسی بس سروس کا نام ہے' ایئر سروس کا نام ہے یا یہ کسی سڑک کا نام ہے؟

3- کس دن اور کس وقت لاہور پہنچنا ہے؟

4- آنے والے سے شناسائی زیادہ ہے تو آپ اس سے یہ بھی پوچھیں گے کہ آپ کس رنگ کے اور کس طرح کے لباس میں ہوں گے؟

جب آپ اس طرح کی تمام معلومات حاصل کرلیں گے تو آپ اپنے اس جاننے والے کو مل سکیں گے' پا سکیں گے' ڈھونڈ سکیں گے' تلاش کرسکیں گے ورنہ نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کو بھی ڈھونڈ لینے کے لیے ہم جیسے لوگوں کو اسی انداز سے غور وخوض' سوچ و بچار و تفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیغام ونشانیوں میں نہ کوئی ابہام ہے' نہ وہ کم ہیں اور نہ وہ ہم سے ڈھکی چھپی ہیں۔

نظام کائنات میں تفکر' غور وفکر' غور وخوض کا سائنسی اور جدید نام ریسرچ ہے اور ریسرچ کی کنجی' بصیرت کا آغاز' حصول علم کا جال' آئینہ عبرت اور قلب نور معرفت کے دخول کا سبب بنتا ہے۔ جمال فطرت' حسن کی نمائش' تماشا گاہ ہستی کی جلوہ آرائیاں اور حسن آفرینیاں خالق حقیقی کا پتہ دیتی ہیں۔ صوفی اور ولی کشف الجدید' کشف الورید' کشف القلوب' کشف القبور اور کشف الاحیا سے قدرت کے رازوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے مگر عام انسان مطالعہ کائنات سے ہی خداوند کریم کی ہستی کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔

قطبین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے لیکن پھر بھی ایک مچھلی قطب شمالی سے سفر کرکے قطب جنوبی پہنچتی ہے۔ قطب جنوبی میں زیر سمندر انڈے دیتی ہے' پھر مر جاتی ہے۔ ان انڈوں سے نکلے ہوئے بچے انہی اندھیری راہوں پر چل کر قطب شمالی تک پہنچ جاتے ہیں۔ انہیں راہ کون بتلاتا ہے؟ زیر سمندر فولادی گولا بھی پانی کے بوجھ اور پریشر سے چپٹا ہو جاتا ہے' پچک جاتا ہے لیکن مچھلی اور دیگر آبی مخلوق کے انڈے نہیں ٹوٹتے۔ ان کی زندگی کی حفاظت کون کرتا ہے؟ یہ تمام سوال کائنات کے وسیع تر نظام کو سمجھنے اور غور وفکر کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں چھ سو سے زائد آیات مطالعہ کائنات کا درس دیتی ہیں۔

اللہ کریم جل شانہ نے مختلف عوالم میں غور وفکر کرنے کی تلقین کی ہے۔ لوگوں کو تفکر وتدبر کے ذریعے شعائر اللہ کو دیکھنے اور سمجھنے کی طرف راغب فرمایا ہے اور اس طرح عقل سے کام لینے کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو شے تخلیق کی ہے' اس کو کسی اصول پر چلایا ہے' ایک تنظیم کے ماتحت کر رکھا ہے۔ یہ اس کا نظام رحمت ہے۔ انسان اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر کائناتوں میں پھیلی ہوئی اشیاء کی ماہیت پر غور کرتا ہے' تجربے کرتا ہے اور کچھ نتائج حاصل کرتا ہے۔ بعض اوقات وہ نتائج درست ہوتے ہیں۔ بعض صورتوں میں بعد کے تجربات یا مشاہدات ان نتائج کو غلط ثابت کر دیتے ہیں۔ اگر کسی شے کی ماہیت اور اصلیت معلوم کرنے کی کوشش کامیاب نہ بھی ہو تب بھی بہت کچھ معلوم ہو جائے اور اگر بعد میں وہ غلط ثابت ہو تب بھی' غور وفکر کی ضرورت باقی رہتی ہے' مشاہدات وتجربات کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور جاری رہنا چاہیے۔

اس طرح انسان جلد یا بدیر بہر حال اس نتیجے پر ضرور پہنچتا ہے یا پہنچے گا کہ یہ سب کچھ پہلے سے کسی طے شدہ سسٹم کے تحت کسی نظام کے تحت ہو رہا ہے اور اس نظام کو چلانے والی کوئی ہستی موجود ہے اور اسے اللہ کہتے ہیں اور جو نظامِ رحمت عالمین میں کارفرما رکھا گیا ہے جس کے تحت ہر سیارہ اپنے مدار میں گھومتا ہے۔ ہر جاندار اپنی فطرت کے مطابق چلتا ہے اور ہر کائنات ہر کہکشاں اپنے طے شدہ راستے پر گامزن ہے اسے رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمۃ العالمینی کہتے ہیں۔

ہمارے محدود اور جزئی مشاہدات و تجربات جہاں ناکام ہو جاتے ہیں جہاں سے وہ پوری معلومات حاصل نہیں کر پاتے۔ جہاں سے نگاہ آخر کار ہاری ہوئی ذلیل اور درماندہ ہو کر لوٹ آتی ہے۔" (سورہ ملک آیت 4) وہاں ہمیں قرآن کریم یہ احساس دلاتا ہے کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی رحمۃ للعالمینی یہاں بھی کارفرما ہے اور جس جس کی اصلیت تک تم پہنچنے میں ناکام ہو گئے ہو یا اس کا باعث نہیں جان سکے وہاں اللہ تبارک و تعالیٰ کا نظام رحمت چل رہا ہے اور پوری خوش اسلوبی سے ہر شے کو چلا رہا ہے۔

اگر آپ کو باغبانی کا شوق ہے تو آپ کے اپنے گھر میں کتنے مختلف اقسام کے خوبصورت و دلکش رنگ کے یا رنگ برنگے دیدہ زیب مختلف خوشبوؤں اور مختلف سائز کے پھول خاص طور پر موسم بہار میں تو کھلتے ہوں گے۔ یہ آپ کے لیے کس نے بنائے ہیں؟ یہ اتنے دلکش رنگ رنگوں اور دلفریب خوشبوؤں سے آراستہ کیوں ہیں؟ یہ خوبصورتی دلکشی اور مسرور و مسحور کن خوشبوئیں ان میں کس نے بھر دی ہیں؟

اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان قدرت حکمت دیکھیں کہ ہارسنگھار کا پودا رات کو پھولوں سے بھر جاتا ہے۔ نزدیک کا ایریا ایک خاص بہت تیز بہت اچھی معلوم دینے والی راحت بخش خوشبو سے مہک جاتا ہے۔ اردگرد کی پوری فضا خوشبو سے مہک جاتی ہے اور جیسے ہی سورج طلوع ہونے لگتا ہے۔ اس پودے پر سے سارے کھلے ہوئے پھول گر جاتے ہیں اور دن کے وقت ایک بھی پھول پودے پر نہیں رہتا اور رات آنے پر پھر سارا پودا پھولوں سے بھر جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ کون ایسا کرتا ہے؟

رات کی رانی اور دن کا راجہ تو عام پودے ہیں آپ نے ضرور دیکھے ہوں گے۔ دونوں سال میں چھ سات بار تو پھول لاتے ہیں۔ رات کی رانی کے پھول رات ہی کو کھلتے اور خوشبو دیتے ہیں اور دن کے راجہ کے پھول دن کو بھی کھلے رہتے ہیں۔ اللہ کی شان کہ ان کی خوشبو کتنی پیاری مسحور کن اور راحت بخش ہوتی ہے۔ یہ بھی اپنے اردگرد کی فضا کو مہکا دیتے ہیں۔ ان کی بھی منفرد خوشبو ہے اور ان کی خوشبو کی دلکشی کی انتہا نہیں۔ یہ کس نے ہمارے لیے بنائے ہیں؟ ان میں کس نے ایسی خوشبوئیں بھر دی ہیں؟

عشق پیچاں ایک بیل ہے جس کے پھول صبح کے وقت بہت دلکش نیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ دوپہر ایک بجے کے بعد یہ پھول اپنا رنگ بدلنا شروع کر دیتے ہیں اور مغرب سے پہلے (سورج غروب ہونے سے پہلے) سب پھول نمایاں گلابی رنگ رنگت کے ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کے رنگ کون بدلتا ہے؟ کیوں بدلتا ہے؟ کس کے

لیے بدلتا ہے؟ (ہمارے لیے)

انسان کے بچہ کے پھیپھڑے پیدا ہوتے ہی کھل جاتے ہیں اور پھر پھیپھڑے ہوا اندر لیتے اور باہر پھینکتے ہیں۔ انہیں کون بروقت کھول دیتا ہے؟ کون عمل تنفس فوراً شروع کرا دیتا ہے؟ اللہ کی شان دیکھیں' اس کی قدرت وحکمت دیکھیں کہ وہ ماں کے دودھ کے قریب آتے ہی اسے تلاش کر لیتا ہے اور خود دودھ پی لیتا ہے یا ماں کی چھاتی سے چوس (سک کر لینا) لیتا ہے۔ پیدا ہونے سے پہلے ہی اسے یہ تلاش کرنا اور پھر چوس لینا کس نے سکھا دیا؟

کینگرو کا بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ آدمی کی انگلی سے نہ زیادہ لمبا ہوتا ہے اور نہ موٹا اور اس کے اگلے بازو اور پچھلی ٹانگیں بھی جسم کے ساتھ باہر (اس وقت تک) نہیں بنے ہوتے کہ ان کی مدد سے وہ کچھ آگے پیچھے ہونے یا چلنے کی حرکت کر سکے۔ وہ بالکل ایک سونڈی کے مثل ہوتا ہے۔ شان رب العالمین کہ وہ پھر بھی رینگ کر اپنی ماں کی اس محفوظ جھولی جو کہ اس کے پیٹ کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تھیلے یا جیب کی طرح لگائی ہوئی ہے' اپنے پیدا ہونے کے کچھ گھنٹے بعد اس میں پہنچ جاتا ہے' چلا جاتا ہے۔ اسے یہ راستہ کون بتاتا ہے؟ اور کون اس میں اتنی طاقت وہمت دے دیتا ہے کہ وہ وہاں پہنچ جاتا ہے؟ اور پھر وہیں رہ کر بڑا ہوتا ہے۔ پیدا ہونے سے پہلے ہی اسے یہ کس نے سکھا دیا؟ اس کی رہنمائی کون کرتا ہے؟ یہ طریقہ اور جانے کی سمت اس کو کس نے بتا دی؟

لجالو یا چھوئی موئی ایک چھوٹے سے پودے کا نام ہے۔ چھوئی موئی یعنی کہ کسی کے چھوتے ہی ایسے ہو جانے والی جیسے مرگئی ہو۔ اس میں پھول بھی کھلتے ہیں اور بیج بھی بنتے ہیں۔ یہ ایک پودا ہے لیکن خالق کائنات کی شان کہ اس قدر حساس کہ آپ اس کے کسی پتے یا شاخ کو ہاتھ لگائیں تو یہ سارا پودا ہی فوراً مرجھا جاتا ہے' کملا جاتا ہے۔ آپ اسے دیکھتے رہیں اور چھوئیں نہ' پانچ منٹ میں پودا پھر پہلے کی طرح تروتازہ کھڑا ہو جائے گا۔ اس سے کون ایسا کراتا ہے اور کس لیے کراتا ہے؟

سمندر میں زیر آب ایک جہان آباد ہے۔ آبی جانوروں کی بڑی بڑی آبادیاں ہیں۔ پھولدار پھلدار پودے ہیں۔ جنگلات ہیں۔ ان گنت یا بے شمار طرح کی مخلوق پانی میں' سمندر میں نظر آتی ہے۔ بڑی بڑی خوفناک ڈراؤنی مچھلیاں اور دیگر مخلوق۔ پہاڑ جیسی وہیل مچھلی اور اس کے ساتھ ہی بہت نازک نازک' شوخ رنگوں سے مزین چھوٹی چھوٹی رنگ برنگی مخلوق خدا۔ مچھلیاں' کیکڑے' کیڑے اور طرح طرح کی ہزارہا مخلوقات۔ پھولوں سے مشابہ' پودوں سے مشابہ' نرم نرم' نازک نازک جیلی کی بنی ہوئی بے شمار مخلوق۔ سوچئے ان کی حفاظت کون کرتا ہے؟ افزائش نسل کون کرتا ہے؟ زیر آب انہیں کون خوراک مہیا کرتا ہے؟ ان کا کون رازق ہے؟ اور یہ جہان' خوبصورت آبی جہان کس کے لئے ہے؟

مادہ کچھوے انڈے دینے کے لیے سمندر یا پانی سے باہر آتی ہے اور خشکی پر' ریت میں کھدائی کر کے فٹ دو فٹ کی گہرائی میں انڈے دیتی ہے اور جاتے وقت انہیں ریت سے یا مٹی سے مکمل ڈھانپ دیتی ہے۔ انڈوں

سے جب بچے نکل آتے ہیں تو فوراً سطح زمین پر یا ہوا میں آتے جاتے ہیں اور کچھ ہی دیر بعد وہ پانی کی سمت کا تعین کر کے ادھر دوڑ پڑتے ہیں اور ان میں سے کافی بڑی تعداد اکثر پانی میں پہنچ جاتی ہے۔ انہیں کون سی طاقت گہرائی سے باہر لے آتی ہے؟ گڑھے سے باہر آتے ہی وہ کون سی طاقت ہے جو انہیں پانی کی سمت کا تعین کراتی ہے؟ کس کے کہنے پر، کس کے بتانے پر وہ مٹی کی گہرائی سے باہر آتے ہیں اور کون انہیں راہ بتاتا ہے، دکھاتا ہے؟

دنیا بھر کے پودوں میں لاکھوں اقسام ہیں۔ نت نئے انداز کے پودے اور درخت قدرت کی نیرنگیوں کا اظہار کرتے ہیں۔ کچھ پودے ایسے ہیں جن کی جڑیں زمین کے اندر نہیں ہوتیں بلکہ یہ ہوا سے نمی جذب کر لیتے ہیں۔ بعض پودوں میں عام ڈگر سے ہٹ کر غذا حاصل کرنے کا رواج پایا جاتا ہے۔ کچھ پودے دوسرے پودوں کی تیار شدہ غذا کو چوس لیتے ہیں۔ کچھ پودے اپنی غذا نامیاتی مادوں سے حاصل کرتے ہیں۔ کچھ گوشت خور پودے اپنے پتوں کے ذریعے ننھے منے کیڑوں کو شکار کر کے چٹ کر جاتے ہیں۔

کچھ پودے تنہا زندگی گزارنا پسند نہیں کرتے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ پھولدار درختوں کی ایک لاکھ تیس ہزار قسمیں زمین پر موجود ہیں اور اسی قدر تعداد دوسری انواع کی ہوگی جو افزائش نسل کے لیے پھل، پھول پر انحصار نہیں کرتیں۔ ان کا خالق کون ہے؟ اور کس کے لیے اتنی زیادہ اقسام پیدا کی ہیں؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مختلف حیوانات کی ساخت میں اپنی رحمت کے سبب اس بات کا اہتمام رکھا ہے کہ انہیں ماحول کے مطابق اعضاء و آلات دیئے جائیں۔ جیسے پرندوں کی چند ہڈیاں صرف گیس سے پُر ہوتی ہیں تاکہ ہوا میں اپنا بوجھ آسانی سے اٹھا سکیں۔ مینڈک کی وہ تھیلی جو پانی میں تیرنے کے کام آتی ہے، خشکی پر پھیپھڑے کے فرائض سرانجام دیتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حیوانات کی لاکھوں انواع بنائیں، ہر نوع کے افراد لامتناہی تعداد میں پیدا کیے اور ہر نوع کا رنگ، شکل، ہیئت وغیرہ دوسری نوع سے مختلف رکھی۔ مثلاً بعض حیوانات چلتے نہیں لوٹتے ہیں، بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں، بعض دوڑتے ہیں۔ بعض دو پروں سے اور بعض چار پروں سے اڑتے ہیں۔ بعض کے دو پاؤں ہوتے ہیں، بعض کے چار، بعض کے چھ اور بعض کے اس سے بھی زیادہ۔

جب کوئی جانور ایک طرز حیات کو چھوڑ کر دوسرا طرز حیات اختیار کرتا ہے تو ماحول سے نباہ کا انداز بھی بدل لیتا ہے۔ مینڈک کا بچہ جب تک پانی میں رہتا ہے۔ مچھلی کی طرح گلپھڑوں سے سانس لیتا ہے اور جب وہ خشکی پر آتا ہے تو اس کا وہ بلیڈر جس سے وہ تیرنے میں مدد لیتا ہے، پھیپھڑا بن جاتا ہے۔ ایسا کون کرتا ہے؟

ہم سب یہ تو جانتے ہیں کہ مرغی کا بچہ انڈے کے اندر پرورش پاتا ہے اور اس کے ٹوٹنے سے باہر آ جاتا ہے لیکن ہم میں سے اکثریت یہ نہیں جانتی کہ 21 روز کی مدت پوری ہونے والی ہوتی ہے تو مرغی کا بچہ جو اس مدت تک گوشت کے لوتھڑے سے زیادہ نہیں ہوتا، انڈے کے مضبوط خول سے باہر کیسے آ جاتا ہے؟ صورت یہ ہے کہ اس وقت قدرت بچے کی چونچ پر ایک چھوٹا سا سینگ ظاہر کرتی ہے۔ اس کی مدد سے وہ اپنے خول کو توڑ کر باہر آ جاتا ہے۔ کون سی طاقت یہ سب کچھ کرتی ہے؟

جانوروں کی جبلتوں کے بارے میں چند دلچسپ مثالیں دیکھیں اور محسوس کریں کہ یہ سب قانون فطرت کا تقاضا نہ ہوتا یا دوسرے لفظوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق کا مرتب کردہ نظام رحمت جانوروں کو یہ سب کچھ نہ سکھاتا' تو کیا ہوتا؟

مرغابیاں ہر موسم سرما میں شمالی برفستانوں (برفانی علاقوں) سے پرواز کرتی ہیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے اڑتی ہوئی ہمارے میدانوں میں پہنچ جاتی ہیں اور ہماری جھیلوں' بڑے آبی ذخیروں' تالابوں میں سردیاں بسر کر کے بہار آتے ہی پھر اپنے وطنوں کا رخ کر لیتی ہیں۔ کچھ یہی کیفیت پیغام رساں کبوتروں کی ہے۔ آپ ایسے کبوتر کو پنجرے یا کابک میں بند کر کے موٹر یا ریل کے ذریعے سینکڑوں میل دور لے جائیں۔ جب آپ اسے چھوڑیں گے تو وہ فضا میں دو چکر لگائے گا۔ گویا اندازہ کر رہا ہے کہ میں کہاں ہوں اور پھر تیر کی طرح اپنے گھر کا رخ کرے گا اور سیدھا وہاں پہنچ جائے گا۔ یہی جبلت شہد کی مکھی کو قدرت نے بخشی ہے کہ اپنے چھتے سے نکل کر دور دور تک پھولوں کی تلاش میں جاتی ہے اور پھر اپنے ٹھکانے پر لوٹ آتی ہے۔ سوچیں! کون ان کی رہنمائی کرتا ہے؟

ایک بھڑ اپنے سے موٹے' وزنی پتنگے کو بے بس کر لیتی ہے۔ اسے گھسیٹ کر مطلوبہ جگہ تک لے جاتی ہے۔ پھر زمین میں ایک سوراخ کھودتی ہے۔ پتنگے کو ٹھیک جگہ پر ڈنگ مارتی ہے تاکہ وہ مر نہ جائے' صرف بے ہوش ہو اور محفوظ گوشت کی صورت میں زندہ رہے۔ پھر بھڑ سلیقے کے ساتھ انڈے دیتی ہے تاکہ اس کے بچے جب انڈوں سے نکل آئیں تو پتنگے کو مارے بغیر اسے کھا سکیں۔ ان کے واسطے مرے ہوئے پتنگے کا گوشت مہلک ہوتا ہے۔ یہ سلیقہ' یہ سمجھ کس نے عطا کی ہے؟

خلاق العلیم...... اللہ تبارک و تعالیٰ کے نظام رحمت نے کچھ چیزیں طیور کی جبلتوں میں رکھ دی ہیں۔ گھونسلوں میں سے چرائے ہوئے پرندوں کے بچے جب بڑے ہوتے ہیں تو حالت اسیری میں بھی اپنے گھونسلے اسی انداز میں بناتے ہیں جو ان کے آباءاجداد سے خاص ہوتا ہے۔ گدھ بازوؤں کو ہلائے بغیر پہروں ہوا میں تیرتا رہتا ہے۔ کبوتر' چڑیا' فاختہ وغیرہ نر اور مادہ مل کر بچوں کو پالتے ہیں حالانکہ ان کے بچے صرف دو ہوتے ہیں۔ مرغی کے بچے بہت ہوتے ہیں لیکن مرغا کوئی مدد نہیں کرتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان وحکمت کہ کوئل اپنا گھونسلا برائے افزائش نسل نہیں بناتی ہے اور وہ اپنے انڈے کوے کے گھونسلے میں (کوے کے انڈوں میں اپنے انڈے ملا آتی ہے) چپکے سے دے آتی ہے۔ کوا کہنے کو کتنا چالاک پرندہ ہے لیکن وہ اپنے انڈوں میں کوئل کے انڈوں کے اضافہ کو محسوس نہیں کر پاتا اور یوں کوے کے بچوں کے ساتھ کوئل کے بچے بھی اسی گھونسلے میں پروان چڑھتے ہیں اور جب بچے اڑنے کے قابل ہوتے ہیں تو کوئل کے بچے اپنے جعلی ماں باپ کو خدا حافظ کہے بغیر ہمیشہ کے لیے گھونسلے سے اڑ جاتے ہیں۔ اللہ کی شان کہ وہ بچے کوے کی صحبت کا کوئی اثر نہیں لیتے' نہ وہ چالاکی سیکھتے ہیں' نہ کائیں کائیں۔ ان کی تو وہی کوئل والی کوک

ہوتی ہے جو موسم بہار کی آمد کا اعلان اور اس کے سماں کو دوبالا کرتی ہے۔ ایسا کرنے پر کون قادر ہے؟

آج سے ڈو تین صدی پہلے تک تمام علوم میں مسلمان سب سے آگے تھے۔ اس سے پہلے کے دور کی تمام ایجادات و تحقیقات کا سہرا مسلمانوں ہی کے سر تھا۔ یقیناً اس کی وجہ ان کا قرآن حکیم سے رابطہ، اس پر عمل، غور و خوض اور اس کے مطابق تحقیقات تھا۔ پھر نہ جانے کیوں مسلمان اس آسمانی رہنمائی سے کچھ دور ہو گئے اور غیر مسلم قوتوں نے وہ اصول، اخلاق و تعلیم اپنا لی جو کبھی مسلمانوں کا خاصہ تھی اور پھر وہ ہر میدان میں آگے نکل گئے۔

غرضیکہ تحقیق کریں تو معلوم ہوگا کہ ساری دنیا نے دیگر علوم و فنون کی طرح سائنس کے تمام پہلو بھی حکمت کے اس منبع و مصدر، قرآن پاک سے لیے ہیں۔ انسان کی پیدائش اور اس کی پیدائش کی حکمت کی بات ہو یا حیوانات کی، آثار قدیمہ کا ذکر یا طبیعات اور دیگر علوم سائنس کا، ان کی طرف توجہ قرآن ہی نے دلائی ہے۔

چھ سو سے زائد آیات مبارک میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے کائنات پر غور و خوض کے لئے فرمایا ہے۔ ہم مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہے تاکہ ہم اپنے ربّ کو پہچان سکیں اور اس مقدس عمل کے دوران ہمیں ایک اور بڑا فائدہ حاصل ہوگا وہ یہ کہ اس پر عمل پیرا ہونے والا خود اپنے آپ کو پہچان جائے گا جو کہ اس دنیا کی نعمتوں میں سے بہت بڑی بہت بھاری بہت قیمتی نعمت خداوندی ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀❀

اپنے آپ کو پہچانیے

حدیث مبارک ہے:

حضور پرنور نبی کریم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے اپنے آپ کو پہچانا' اس نے اپنے رب کو پہچانا۔''

آیئے اس حدیث مبارک کے مطابق ہم اپنے آپ کو جاننے پہچاننے کی پرخلوص کوشش کریں کہ انشاء اللہ اس کے طفیل' اس کی مدد سے ہم اپنے خالق و مالک' سب جہانوں کے پروردگار' سب کے رب' رب العالمین کو پہچان جائیں گے اور پھر ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے شاہکار پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضرت محمد ﷺ کی نرالی' سب سے اعلیٰ و ارفع عظیم شان اور آپ ﷺ کے پیاروں (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین' آل رسول اور صالحین امت) کی رفعت' سرفرازی' توقیر و احترام و حرمت کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی' بہت آسانی ہوگی اور یوں ہم اپنی دنیا اور آخرت کے کامیاب ہونے کے لیے پرامید ہوں گے اور انشاء اللہ کامیاب بھی ہو جائیں گے۔

یہ زمین اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارا عارضی ٹھکانا بنائی ہے۔ اِس دنیاوی زندگی کے بعد یوم حساب کے بعد ہم سب نے اپنے اپنے اعمال کے مطابق ابدی زندگی کے لیے اپنے حاصل کردہ مقام پر چلنے جانا ہے۔

قرآن حکیم سورۃ بقرہ آیت 36

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِيْنٍ ○

ترجمہ ''اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا ہے اور برتنا ہے۔''

خالق و مالک کائنات نے اسی زمین پر عارضی زندگی گزارنے کے لیے ساز و سامان پیدا کیا ہے اور کائنات کی دیگر مخلوقات' جمادات' حیوانات' نباتات' ہوا' پانی' اجرام فلکی اور یہ ماحول غرضیکہ سب کچھ ہی ہمارے لیے بنائے ہیں کہ ہم ان سے مستفید ہوں اور اپنے رب کو پہچانیں اور اس کے شکرگزار' عبادت گزار' تابعدار بندے بنیں تاکہ ہم اپنے جدِامجد کی کھوئی ہوئی میراث پالیں اور جنت کا پالینا ہی سب سے بڑی کامیابی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے پیغمبر اول و آخر و اعظم ہادی انس و جاں رہبر کائنات ﷺ بھی یہی چاہتے ہیں کہ اولاد آدم اپنی عقل سے مجھے پہچان کر میرے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا خوشدلی سے' دل و جاں سے'

شوق سے، پُرخلوص اتباع کریں۔ شیطان کے جال میں، دھوکہ میں نہ آئیں اور اس کے فریب سے بچ کر اپنے رب کی دائمی رحمتوں، راحتوں اور خوشیوں کی جگہ جنت میں پہنچ جائیں۔ اپنے اعمال کی بنا پر جنت میں اپنا مقام پا لیں۔

اپنی پہچان کرانے کے لیے قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

سورۃ یونس آیت 6

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ ''بے شک رات اور دن کا بدلتا آنا اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا' ان میں نشانیاں ہیں ڈر والوں کے لیے۔''

کتنے کھلے الفاظ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ جو کچھ بھی زمین وآسمان میں ہے' ان میں ہے' ان کے درمیان ہے۔ وہ سب کچھ ہی یہ نشاندہی کرتا ہے (اپنی بناوٹ' موجودگی' خوبصورتی' رنگ' شکل و جسامت' باریکی ونزاکت' زبانی و بے زبانی' حرکت و جامد وساکت اور ہر خصوصیت سے) کہ ان کا خالق و مالک تو صرف اور صرف ایک ہی ہے۔ وہی بنانے والا ہے' وہی فنا کرنے والا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ہر کمال وخوبی میں یکتا ہے اور یہ وہی اللہ ہے جس کے بارے میں اس کے پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ نے فرمایا ہے۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ (مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ)

ابد سے ازل تک یہی اللہ تھا' یہی اللہ ہے اور یہی ایک لاشریک اللہ رہے گا۔

عقل کے بارے میں اسی باب کے بعد اسی جلد میں آگے تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ مختصراً یہاں صرف یہ عرض کررہا ہوں کہ عقل عطا ہونے کی بنا پر ہی ہم اشرف المخلوقات ہیں۔

عقل کے عطا ہونے پر ہی انسان (ہم) نے وہ ذمہ داری اٹھائی ہے جو پہاڑوں' زمین و دیگر پر پیش کی گئی تو انہوں نے اپنے رب سے معذرت کرلی۔

قرآن حکیم سورۃ احزاب آیت 72

ترجمہ ''اور آدمی نے امانت اٹھالی' بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔''

اسی عقل عطا ہونے کی بنا پر ہمارا ہر پل' ہر لفظ' عمل' نیت باقاعدگی سے ریکارڈ ہورہا ہے' درج کیا جارہا ہے۔ (سورۃ ق آیت 18:17)

''عقل عطا ہونے کی بنا پر ہی جزا وسزا ہے۔''

عقل کے بارے میں' میں یہ بتاتا چلوں کہ عقل حلیمی' بردباری' عاجزی وانکساری اور قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق کائنات پر غور وخوض سے پروان چڑھتی ہے' بڑھتی ہے' رفعت حاصل کرتی ہے۔

جب کہ تکبر، غرور، احساس کاملیت و بڑا پن، جھوٹی انا یا ضد اور اکڑ یہ سب ہی عقل کے دشمن ہیں۔ یہ رفتہ رفتہ عقلمندی کو کم عقلی اور آخرکار بے وقوفی وحماقت کی طرف لے آتے ہیں۔

جن خوش بختوں نے اپنے رب کو اپنی عقل سے پہچانا، انہوں نے اسے صحیح پہچانا اور پھر وہ راہ راست سے متزلزل نہیں ہوتے بلکہ دوسروں کے لئے نشان راہ ہدایت یا رہنما بن جاتے ہیں۔

جنوں نے اپنے رب کو رسماً نقلاً پہچانا یعنی مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے وہیں سے اللہ، رسول کا معمول سے رسماً نقلاً پتہ چلا اور اسی پر نقلاً (عقلاً نہیں) کاربند ہو گئے تو ایسے لوگوں پر شیطان کے داؤ پیچ خوب چلتے ہیں اور وہ انہیں بہکانے میں، بھٹکانے میں، دھوکہ میں ڈالنے میں، اپنے دام فریب میں لانے میں، ہر کوشش میں اکثر کامیاب ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں کتنی ہی آیات مبارک ہیں جن میں یہ واضح طور پر بیان ہے کہ جو کچھ بھی زمین وآسمانوں میں ہے، ان کے درمیان ہے وہ سب کچھ اپنے اپنے طریقے سے اپنے رب کی پاکی بول رہا ہے۔ اس کی حمد وثناء کر رہا ہے اور ہمہ وقت کر رہا ہے۔ سورۃ حشر کی آیت 1 اور 24 یعنی کہ پہلی اور آخری آیت دونوں میں یہی کہا گیا ہے، فرمایا گیا ہے، بتلایا گیا ہے۔

ترجمہ ''اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور وہی عزت وحکمت والا ہے۔''

جب سب کچھ ہی ہمہ وقت اپنے رب کی پاکی بول رہا ہے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیا کمی محسوس کی کہ جن وانس کو بھی اپنی عبادت کے لیے پیدا کر ڈالا؟ یا اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو کیوں عبادت کے لیے پیدا کیا؟ جب کہ تمام کائنات سب کچھ ہی ہمہ وقت اس کی تسبیح کر رہا ہے، حمد وثناء کر رہا ہے، پاکی بول رہا ہے۔

سورۃ حشر آیت 24

يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

ترجمہ ''اس کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور وہی عزت وحکمت والا ہے۔''

یقینی طور پر انسان کی عبادت میں کوئی نمایاں بلکہ بہت ہی نمایاں فرق ہے ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس خاص مقصد کے لیے پیدا نہ فرماتا بلکہ پہلے ہی دیگر مخلوقات کی طرح ان کے ساتھ انسان کو بھی پیدا فرما دیتا اور انسان بھی نباتات، جمادات حیوانات کی طرح ودیعت کی گئی صفات کے مطابق ہر وقت اللہ کی پاکی بولتا۔

اس سوال یا سوچ کا جواب یہ ہے:

کہ انسان (جن وانس) کی عبادت کا، پاکی بولنے کا، حمد وثناء کرنے کا اور ہی مزا ہے اور ہی سرور ہے اور ہی انداز ہے اور ہی مقام ہے اور وہ مقام سب سے اعلیٰ مقام ہے۔

کیونکہ اللہ تبارک تعالیٰ نے انسان میں عقل کے ساتھ حواس خمسہ دیئے ہیں اور ان کی بے شمار اور شدید

حاوی ہو جانے والی لذات وشہوات دی ہیں۔

سورۃ آل عمران آیت 14

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝

ترجمہ"لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت' عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشاں کیے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی' یہ جیتی دنیا (اس دنیا) کی پونجی ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانا ہے"۔

اسے ان لذات وشہوات میں پھنسانے کے لیے یا ان سے مرغوب ہو جانے کے لیے' میں (اللہ) نے اسے بھوک پیاس' جنسی خواہش' محبت' چاہت' ہوس' احساس تنہائی' ڈر خوف' خوشی غمی' کفالت کی ذمہ داری اور دیگر خواہشات وجذبات دیے ہیں جو میں (اللہ) نے اپنی اور مخلوقات کو نہیں دیے۔

جب یہی انسان اپنی عقل کے ذریعہ ان لذات' شہوات' خواہشات' ہوس' احساس بھوک پیاس سے بالاتر ہو کر مجھے پکارتا ہے' میرا نام لیتا ہے' میری پاکی بولتا ہے' میری حمد وثناء کرتا ہے' میری عبادت کرتا ہے تو اس کی یہ عبادت اور عبدیت مجھے کئی کائناتوں کی پاکی بولنے سے زیادہ پسند ہے۔ اس کا مقام میرے نزدیک بہت بلند ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنی عبدیت وعبادت سے خوش کر دینا ہی انسان کی معراج ہے۔ موقع کی مناسبت سے حقیقت پسندی پر ایک شعر درج ہے۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

قرآن حکیم میں کتنی ہی آیات مبارک ہیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ میری نشانیاں ہیں یعنی کہ مجھے پہچاننے کے لیے نشان ہیں' نشانیاں ہیں بلکہ درج ذیل آیات مبارک میں تو فرمایا ہے زمین و آسمان میں' اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے میری نشانیاں ہیں' یہ سب کچھ اپنے خالق رب العالمین کا پتہ دیتی ہیں۔ ان کی مدد سے اپنے رب کو' سارے جہانوں کے رب کو پہچانو۔

سورۃ یونس آیت 6

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ"بے شک رات اور دن کا بدلتا آنا اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا' ان میں نشانیاں ہیں ڈر والوں کے لیے۔"

میں (اللہ) نے تمہیں عقل دی ہے۔ اے اہل عقل' اے میری ذی شعور مخلوق تمہارے ہر طرف ہماری

نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں' بکھری ہوئی ہیں۔ میں ہی سب کا خالق مالک رازق ہوں اور میں قادر مطلق ہوں۔ بس تم میری نشانیوں کو دیکھو' ان پہ غور کرو اور مجھے پہچان لو۔

بنی نوع انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان اپنے اپنے دور میں ہر نبی و رسول علیہم السلام نے کرائی ہے۔ سب سے آخر میں پیغمبر اول و آخر و اعظم' خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حد درجہ پہچان کرا دی اور اس پہچان کو دوام دینے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن وسنت کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے لی۔

سورۃ قیامت آیت 17

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ ○

ترجمہ ''بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔''

اس ''محفوظ کرنا'' سے مراد ہے کہ یہ قرآن آپ ﷺ کے سینہ پاک میں بشکل ''لوح محفوظ'' محفوظ کر دیا گیا ہے اور اس سے یہ بھی مراد ہے کہ ہم (اللہ) اس کے محافظ ہیں قیامت تک کے لیے۔ اس میں کبھی کوئی تغیر و تبدیل نہ آسکے گا۔

الحمدللہ قرآن حکیم' اس کی ترتیب والفاظ' وہ سب اب تک محفوظ ہیں' قیامت تک محفوظ رہیں گے۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم زمین کے باسی مندرجہ بالا ہدایات' رشد و رہنمائی کے باوجود اپنے اردگرد' اپنے ماحول نظارات' مشاہدات سے بھی رہنمائی حاصل نہیں کرتے اور اپنے آپ کو بہت بڑا مفکر' مدبر' عالم' عاقل' عقلمند بنا بیٹھتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر سو اپنی نشانیاں پھیلائی ہوئی ہیں۔ کاش کہ انہیں دیکھ کر انسان یہ جان جائے' مان جائے کہ اس کا علم و عقل جس پر وہ بے جا ناز کرتا ہے' وہ بہت ناقص اور بہت کم ہیں اور جو کچھ عقل انسان میں موجود ہے یہ بھی ہماری (اللہ) خاص عنایت ہے' عطا ہے' دین ہے۔

عقل کی عاجزی

انسان کو معلوم ہے کہ وہ عقل وعلم کے علاوہ دوسری کئی اور صلاحیتوں میں دیگر مخلوقات سے کہیں پیچھے ہے۔ افسوس کہ ہماری (اللہ کی) اس عقل کی عنایت کو وہ کائنات میں دوسری مخلوق پر حاوی ہونے کے لیے تو خوب استعمال کرتا ہے لیکن اس سے ہمیں (اللہ تبارک وتعالیٰ) ہی پہچاننے میں تجاہل کا شکار ہے۔ اے انسان! اگر تو عقل وعلم کے معاملہ میں حلیمی' بردباری' تحمل و برداشت کے ساتھ عاجزی وانکساری کو نہیں اپنائے گا تو یہ تیرا علم و عقل ترقی کرنے کے بجائے بہت تیزی سے تنزل پذیر ہو جائے گا۔

آیئے ہم اپنے اسی غفلت وتجاہل کے پہلو پر اور غور وخوض کرتے ہیں تا کہ ہم انسان اپنے رب کو پہچانیں اور اپنی عاقبت سنوار لیں۔

غلط فہمی کا سبب

انسان اپنے دنیاوی علوم' جسمانی توانائی شعور و عقل کے سبب اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھ لیتا ہے۔ جو کچھ اس کے حواس خمسہ اسے دکھاتے ہیں وہ ان ہی کو حرف آخر سمجھ لیتا ہے۔ وہ اپنی پیدائش' حسن و جوانی' عقل و خرد کو اپنا حق ہی سمجھتا ہے اور اسی بھول و خیام خیالی میں زندگی گزار دیتا ہے۔ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس حقیقت کو بھی پس پشت ڈال دیتا ہے کہ وہ پیدا کرنے والا ہے۔ قرآن حکیم سورۃ بقرہ آیت 36 میں ارشاد رب العالمین ''اور یہ سب کچھ تو ایک وقت مقررہ تک کے لیے اس کی عطا ہے۔''

ہم اتنے عقلمند نہیں ہیں جتنا اپنے آپ کو سمجھتے ہیں

ہم اتنے عقل والے نہیں جتنا اپنے آپ کو سمجھ بیٹھتے ہیں۔ کم از کم مجھے اپنی بے عقلی کا اعتراف ہے یا اپنی عقل کا بھی باقی حواس خمسہ کی طرح بہت محدود ہونے کا اعتراف ہے۔ میں اپنی کم عقلی یا عقل کے محدود ہونے کی مثال دیتا ہوں۔ آپ بھی غور کریں گے تو شاید میرے ہم خیال بن جائیں۔

پہلی مثال سلائی مشین کی ہے جو کہ تقریباً اس دور میں ہر گھر میں موجود ہے۔ بنانے والے نے اسے بنا دیا اور استعمال کرنے والے صدیوں سے اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ میں نے سلائی مشین کو بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک دھاگہ اوپر سے جاتا ہے اور ایک دھاگہ پھرکی کے ذریعے نیچے سلائی میں شامل ہوتا ہے اور ان میں سے ایک دھاگہ دوسرے کے لوپ یا چھلے میں سے گزرتا ہے اور پھر گانٹھ لگ جاتی ہے۔

میں نے بہت سوچا' مشین کو الٹ پلٹ کر دیکھا لیکن میں اب تک یہ نہ جان سکا کہ ان دونوں دھاگوں میں گانٹھ کیسے لگ جاتی ہے؟ یہ کیسے ایک دوسرے میں الجھ جاتے ہیں' لپٹ جاتے ہیں کہ مضبوط گانٹھ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں؟ جب کہ یہ کہیں نہ تو ٹوٹتے ہیں اور نہ اپنی شکل یا جگہ بدلتے ہیں۔ میری عقل کا تو یہ معیار ہے کہ عرصہ دراز سے یہ سمجھنا چاہتا ہوں لیکن اب تک نہیں سمجھ پایا۔ یاد رہے کہ دونوں دھاگے نہ کہیں ٹوٹے ہیں اور ہر بار اوپر والا دھاگہ اپنی اصل شکل میں موجود رہتا ہے۔

دوسری مثال میں بجلی کی دیتا ہوں۔ بجلی بنانے والے نے اسے کیسے اور کہاں دیکھ لیا؟ یہ تو نظر بھی نہیں آتی ہے۔ برقی تاروں میں بھی اس کے ہونے' نہ ہونے کا پتہ نہیں چلتا۔ اس کی رو یا طاقت کم زیادہ بھی کی جاتی ہے۔ یہ ایک سیکنڈ میں ان تاروں میں سے ہزاروں میل طے کر جاتی ہے۔ میں تو سمجھ نہیں پایا کہ یہ کیا ہے؟ میری سمجھ میں تو تاروں میں اس کی یہ رفتار نہیں آتی۔ ''برق رفتار'' ہونا شاید اسی رفتار سے ہے۔ کیا آپ کو یہ نظر آتی ہے؟ کیا آپ کو سمجھ آتی ہے کہ یہ کیسے پیدا کی جاتی ہے اور اسے تاروں میں کیسے لایا جاتا ہے؟ یہ اتنی تیز رفتار کیوں ہے' اس کی طاقت کیسے کم یا زیادہ کی جاتی ہے؟ میں تو مندرجہ بالا کے بارے میں اب تک نہیں سمجھ سکا ہوں باوجود اس کے کہ اس سے ہر روز فائدہ اٹھا رہا ہوں اور ہر روز اس سب کے بارے میں سوچتا بھی ہوں۔

''میں''

اسی عقل، جسمانی توانائی اور حواس خمسہ کے سبب ہم میں ''میں'' آ جاتی ہے۔ حالانکہ نہ یہ عقل و توانائی بروقت ہمارا ساتھ دیتی ہے اور نہ یہ حواس خمسہ۔ حواس خمسہ، خدا کی پناہ، یہ تو سب بہت زیادہ محدود ہیں اور ہم ہیں کہ ان کے سبب اپنے مشاہدات کو حرف آخر سمجھتے ہیں۔ ہم میں ان کے سبب ایک بہت بڑی ''میں'' آ جاتی ہے جو کہ انا، تکبر، گھمنڈ اور بہت ساری برائیوں کی جڑ ہے۔

یہ ''جھوٹی انا'' عقل کی دشمن ہے۔ بدقسمتی سے یہ ''جھوٹی انا'' ہمارے مذہبی معاملات میں بہت زیادہ ہے۔ اس قدر زیادہ کہ دوسرے کی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔

ان محدود حواس خمسہ اور ان کے سبب پیدا شدہ ''میں'' کے سبب ہمیں جو حقیقت ہے، وہ حقیقت نہیں لگتی اور جو غیر حقیقت ہے، وہ ہمیں مکمل حقیقت لگتی ہے۔ اور ان کی بنا پر حاصل شدہ علم یا مشاہدات ہی ہمارے ایمان کی کمزوری کا سبب ہیں۔ یہی سب سے بڑی وجہ ہے کہ اس کائنات میں جو حقائق ہیں، جو سچ ہے، جو صحیح ہے اسے ہم سمجھنے سے اکثر قاصر رہتے ہیں۔ سمجھنے کے قابل نہیں رہتے یا حقیقت پر اعتبار کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ یہی وہ سب سے بڑی وجہ ہے جس کے سبب ہمارے ایمان کمزور ہیں اور ہمیں بانیان دین کا وہ احترام، عزت، عقیدت و تعظیم نہیں جو کہ ہونی چاہیے۔

حواس خمسہ، عقل کی حقیقت

اب میں مختصراً اس کی وضاحت کروں گا کہ ہمارے حواس خمسہ بہت محدود ہیں اور یہ ہماری عقل کو بھی اپنی طرح محدود کرتے ہیں۔ ان کے سبب ہم اپنے علوم، مشاہدات کو حرف آخر مانتے ہیں یعنی کہ بالکل صحیح مان لیتے ہیں لیکن وہ حرف آخر نہیں ہوتا۔

ہماری بدنصیبی، غفلت کہ ہم اپنے روزمرہ کے تجربات، مشاہدات، معمول اور واضح قرآنی آیات اور ان میں حقائق کے بیان سے بھی کچھ نہیں سیکھتے جیسا کہ:

1- ہیلی کاپٹر یا بڑے ہوائی جہاز کے تیس تیس فٹ لمبے اور تین چار فٹ چوڑے پر جب بہت تیزی سے گھمائے جائیں تو ہماری نظر سے ایسے غائب ہو جاتے ہیں جیسے کہ وہ تھے ہی نہیں اور ہم ہیں کہ اپنی اس نظر کو بہت کامل سمجھتے ہیں۔

2- گھڑی کی سب سوئیاں ہی مسلسل حرکت کر رہی ہوتی ہیں لیکن ہماری نظر صرف سیکنڈوں والی سوئی کی حرکت کو دیکھ سکتی ہیں، معلوم کرتی ہے باقی کی نہیں۔

3- آسمان ہمیں لگتا ہے کہ نیلی چادر کی گولائی ہمیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور اس کی حد ہم سے صرف پانچ دس کلومیٹر دور ہے۔ جب کہ جو نیلی چادر ہمیں نظر آتی ہے وہ حقیقت میں ایک لامحدود خلاء

ہے' فضا ہے۔ اس میں دن کو سورج اور رات کو جو چاند ستارے نظر آتے ہیں وہ ہم سے کروڑوں کلومیٹر کی دوری پر ہیں۔

4- مصنوعی سیارے' جو انسان نے خلا میں راکٹ مشین کی شکل میں چھوڑے ہوئے ہیں' رات کے وقت' ہمیں وہ بالکل آسمان کے ستارے لگتے ہیں اور بعض رواں' چلتے ہوئے سیارے لگتے ہیں۔

5- ہم ریل گاڑی میں بیٹھے ہوں اور ہماری ریل کھڑی ہو اور دوسری ریل گاڑی ساتھ سے گزر رہی ہو تو اکثر اوقات' ہمیں اپنی ریل گاڑی چلتی معلوم دیتی ہے۔ حالانکہ وہ ساکن ہوتی ہے۔

6- جب آپ تیز رفتار ریل میں سفر کر رہے ہوں اور آپ کھڑکی سے باہر نظارہ کریں تو آپ کو خاص طور پر دور والے درخت' عمارت وغیرہ پیچھے کی طرف جاتی' دوڑتے گھومتے معلوم دیں گے' دکھائی دیں گے جب کہ آپ کو علم ہے کہ درخت' عمارت وغیرہ ساکن ہوتے ہیں۔

7- چلچلاتی دھوپ میں ریت کا میدان یا صحرا بھی' ہمیں پانی' پانی کی جھیل یا سمندر کا حصہ معلوم دیتا ہے اور ایسا صاف اور اتنی بہتات میں نظر آتا ہے کہ کبھی کبھی پیاسا آدمی مجبوری میں اس پر پانی ہونے کا یقین کر لیتا ہے اور یوں اس کی نذر ہو جاتا ہے۔

8- تقریباً تمام اجرام فلکی ہماری زمین سمیت گول ہیں لیکن زمین' ہمیں گول نہیں لگتی بلکہ غیر پہاڑی علاقہ میں تو یہ ہزاروں کلومیٹر تک چپٹی اور ہموار لگتی ہے۔ یہ چاند' ستارے' سیارے' مصنوعی سیارے یا اوپر زمین کے مدار میں گھومنے والے راکٹ سب' ہمیں رات کو روشن نظر آتے ہیں جب کہ ان میں کسی میں بھی روشنی نہیں ہے۔ ان میں سے اکثر ہمارے آسمان کے سورج کی روشنی کو منعکس کرتے ہیں اور جو ہم سے بہت زیادہ دور ہیں وہ کسی دوسرے آسمانوں کے سورج کی روشنی منعکس کرتے ہوں گے۔ دیکھیں ہماری نظر کتنا بڑا دھوکا کھاتی ہے کہ' ہمیں وہ اجرام فلکی بھی روشن نظر آتے ہیں جن میں اپنی روشنی نہیں ہے یعنی وہ ہماری زمین کی طرح سورج کی روشنی ان پر پڑنے سے وہ' ہمیں روشن لگتے ہیں۔

9- تمام اجرام فلکی سورج' چاند' ستارے زمین اپنے اپنے دائروں میں تیر رہے ہیں' گھوم رہے ہیں۔ سورۃ یٰسین آیت 40 ترجمہ "اور ہر کوئی اپنے اپنے دائرے میں تیر رہا ہے۔" اور یہ ہماری زمین تو بیک وقت سورج کے گرد بھی گھوم رہی ہے۔ اپنے محور پر بھی گھوم رہی اور اس کائنات' کہکشاں کے ساتھ محو حرکت ہے لیکن قادر مطلق' رب العالمین کی صناعی خلاقی و حکمت دیکھیے کہ زمین اپنی ان تینوں حرکتوں کے باوجود' ہمیں جامد و ساکت لگتی ہے۔

10- چاند بھی گول ہے اور چودھویں کا چاند تو ہم سب کو بھی گول نظر آتا ہے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر زمین کا سایہ ڈال کر اسے اس طرح گھٹاتا ہے' بڑھاتا ہے کہ شروع کی تاریخوں میں تو وہ گول نظر آنے کے بجائے کھجور کی سوکھی ٹہنی جو گولائی میں مڑ گئی ہو اس کی مانند ہو جاتا ہے۔ سورۃ یٰسین آیت 39 میں فرمان رب العالمین ہے۔

ترجمہ ''اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کیں، یہاں تک کہ پھر ہو گیا جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی۔''

11- حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز بہت دور سے سن لی۔ سورۃ نحل آیت 18 ترجمہ ''ایک چیونٹی بولی، اے چیونٹیو اپنے گھروں میں چلی جاؤ۔ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کے لشکر، بے خبری میں۔''
اور انہوں نے پرندوں، جانوروں سے بات چیت کی۔

جب کہ چیونٹی کی آواز سننا تو بہت دور کی بات چھوٹی چیونٹیاں تو ہمیں نظر بھی نہیں آتیں اور ہم بنی نوع انسان کی ہزاروں بولیوں میں سے بھی صرف ایک دو کو بولتے اور سمجھتے ہیں۔

12- ہماری نظر و سمجھ کی کم ظرفی یا محدود و ناقص ہونے کی حد کہ اگر ایک سیکنڈ میں دس ساکن تصویریں ہماری نظر کے سامنے سے گزار دی جائیں تو وہ ہمیں چلتی پھرتی حرکت کرتی معلوم دیں گی، نظر آئیں گی یا یوں کہہ لیں کہ ان میں جان پڑ جائے گی۔ فلموں میں یہی ہوتا ہے اور مزے کی بات کہ ہم اس پر یقین بھی کرتے ہیں اور احساسات و جذبات میں بہہ بھی جاتے ہیں۔

13- شاید کبھی آپ کے ساتھ بھی ایسا ہو کہ آپ اپنے خیالات میں گم اپنی کار میں، سواری میں کہیں جا رہے ہوں اور اس دوران ایک دم آپ کو احساس ہو کہ اس وقت آپ کس جگہ اور کس سڑک پر ہیں۔ ایسی حالت کو انگریزی زبان میں ڈس اوری این ٹیٹ (DISORIANTATE) ہونا کہتے ہیں اور اردو میں اس کا ترجمہ اپنے ارد گرد کے ماحول سے بے خبر ہو جانا ہے۔ ایسی حالت میں آدمی ایک عجیب و غریب صورت حال سے دوچار ہو جاتا ہے، چکرا جاتا ہے، حواس باختہ ہو جاتا ہے اور کچھ دیر کے لیے عقل و حواس ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور جب حواس قائم ہوتے ہیں تو آدمی اپنی حالت کو اور بہتر ہو جانے کے لیے اور اپنی حفاظت کی خاطر سڑک سے ہٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

14- بچپن میں اپنے ہم عمر دوستوں کے ساتھ کھیل کود کے دوران بچے کبھی کبھی اپنے ہی گرد گھومنا شروع کر دیتے ہیں۔ شاید بچپن میں آپ بھی اس تجربے سے گزرے ہوں۔ اگر آپ اس تجربے سے نہیں گزرے ہیں تو اب اسے کر کے دیکھ لیں۔ اس میں خطرے کی کوئی بات نہیں ہے اور اس تجربے سے آپ کو اپنے حواس خمسہ کے بہت محدود و ناقص ہونے کا یقین آ جائے گا۔

عموماً دس بارہ چکر کھانے، لگانے کے بعد ہی آدمی کا توازن بالکل بگڑ جاتا ہے اور وہ زمین پر گر جاتا ہے۔ اسے ارد گرد کا سارا ماحول ڈولتا ہوا لگتا ہے۔ زمین بھی اسے اوپر نیچے ہوتی لگتی ہے۔ حتیٰ کہ افق بھی کبھی نیچے جاتا لگتا ہے اور کبھی اوپر آتا لگتا ہے۔ اگر کچھ زیادہ چکر کھا لیے ہوں تو زمین پر بیٹھے ہوئے کو بھی یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ زمین سے نیچے لڑھک جائے گا اور اس لیے یا تو وہ آنکھیں بند کر کے زمین پر لیٹ جاتا ہے یا اپنے دونوں ہاتھ بھی سہارے کی خاطر زمین پر ٹکا دیتا ہے۔

اپنے حواس خمسہ کی پختگی دیکھ لیں کہ آپ کی ساری حسیں، سارے نظام ٹھیک تھے لیکن چند چکروں نے ان

سب کو الٹا دیا' ناکارہ کر دیا کہ اتنی بڑی زمین بھی آپ کو ڈگمگاتی لگی۔

مندرجہ بالا سے آپ نے حواس خمسہ اور عقل کا معیار تو دیکھ ہی لیا ہے۔ اب آیئے اس سے قدرے مختلف پہلو پر غور کریں اور دیکھیں کہ جبلتیں' حسیں' احساسات حسن و جوانی جسمانی صلاحیتیں اور طاقت جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں دیئے ہیں اور جن کی وجہ سے ہم بسا اوقات اپنے جامے میں نہیں سماتے وہ جبلتیں' احساسات' حسیں طاقت و صلاحیت تو قادر مطلق نے اپنی کئی دوسری مخلوقات کو ہم سے کہیں زیادہ دی ہیں اور وہ مخلوقات یہ کچھ زیادہ پانے کے باوجود اپنے رب کی تابعدار ہی ہیں۔ ہماری طرح آپے سے باہر نہیں ہوتیں۔ درج ذیل میں اسی حقیقت کو دیکھئے اور عقل و دانش حاصل کیجئے۔

1- کہیں کھانے کے ذرات' ٹکڑے گرا دیں۔ کچھ ہی دیر بعد چیونٹیاں وہاں پہنچ جائیں گی۔ انہوں نے سونگھ لیا یا دیکھ لیا یا جو کچھ بھی ہو' یہ واضح ہے کہ یہ حسیں ان میں ہماری نسبت بہت زیادہ ہیں اور مقابلتاً کامل ہیں۔

2- مکڑی اتنی محنتی ہے کہ وہ ایک دن میں کئی بار اپنا مکمل گھر بنا سکتی ہے اور جن مکڑیوں کے جالے (گھر) گزرگاہوں پر موجود ہوں وہ کئی بار بناتی بھی ہیں۔

3- اپنے بچوں کی محبت' پیار و کفالت میں بچھو کا یہ حال ہے کہ مادہ بچھو اپنے نوزائیدہ بچوں کے اوپر (حفاظت کے لیے) بیٹھی بیٹھی ہی اپنی جان دے دیتی ہے اور اس کے بچوں کی ابتدائی خوراک بھی اس کا نیم مردہ اور مردہ جسم ہوتا ہے۔

4- سدھائے ہوئے بُو پا لینے والے کتے کی صلاحیت کا یہ عالم ہے کہ مہینوں بعد اسے جائے واردات سے بُو سنگھا دیں۔ وہاں سے بُو سونگھنے کے بعد وہ اس بُو کا پیچھا کرتے کرتے میلوں دور تک ملزم کے اختیار کردہ راستے پر چلتا رہتا ہے اور ملزم کی نشاندہی کر دیتا ہے۔ ہے نا کمال کی صلاحیت۔

5- گوشت کا ٹکڑا کہیں پھینک دیں۔ چند منٹوں بعد میلوں دور سے آ کر اسے کوئی چیل یا کوا لے جائے گا۔ اس نے اس چھوٹے سے ٹکڑے کو اتنی دور سے دیکھ لیا یا اس کی بو پالی اور اسے ڈھونڈ لے گیا۔ ہے ناں اللہ تبارک و تعالیٰ کی کمال کی عطا۔

6- آپ کے قریب میں کوئی جانور مر جاتا ہے۔ آپ کو اس کے مرنے کا اس وقت پتہ چلے گا جب وہ دو تین دنوں بعد بدبو چھوڑے گا لیکن گدھ' چیل' کوؤں اور کیڑے مکوڑوں کو اس کے مرتے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ وہ دیکھ لیتے ہیں' بو پا لیتے ہیں یا کوئی پیغام رسانی ہے۔ بہرحال جو بھی ہماری نظر و حس سے بہت تیز ہے۔

7- آپ کے نزدیک کھیت میں ایک چوہا بل بنا رہا ہے۔ وہ بل کی مٹی بل کے منہ سے باہر دھکیل رہا ہے' دور کر رہا ہے۔ شکرا یا باز اسے آدھا کلومیٹر کی بلندی سے دیکھتا ہے۔ اس پر تیر کی طرح گرتا (جھپٹتا) ہے اور آن واحد میں اپنے پنجوں میں دبوچ لیتا ہے۔ دیکھیں اس کی نظر' رفتار' پھرتی کس غضب کی ہے۔

8- ایک عام بینائی رکھنے والا آدمی کسی اندھیری رات کے وقت' کھلے آسمان پر اندازاً ایک ہزار ستارے دیکھ سکتا ہے جب کہ بڑی دوربین کی مدد سے وہی آنکھ اس وقت کروڑوں ستارے دیکھ سکتی ہے۔اس سے اپنی نظر کے محدود ہونے کا اندازہ لگائیں۔

9- آپ کسی بھی بڑی اور بلند عمارت کو آٹھ دس کلومیٹر کی دوری سے بمشکل دیکھ سکتے ہیں لیکن مخصوص جدید آلات کے ساتھ آپ اتنے ہی فاصلے سے اس عمارت کے مکینوں کو صاف دیکھ سکتے ہیں' ان کی گفتگو بھی سن سکتے ہیں' ریکارڈ کر سکتے ہیں اور یہ آلات وہ ہیں جو کہ بہت دور سے باریک چیزوں کو صاف دیکھنے والی اور ہلکی سے ہلکی آواز کو سن لینے والی دیگر مخلوقات پر تحقیق کے بعد ان کی نقل پر بنائے گئے ہیں۔

جیسے بہت طاقتور دوربین ہمارے دیکھنے کے لیے فاصلے سمیٹ دیتی ہے۔بس اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ خاص طور پر اپنے انبیاء کرام اور عام طور پر صالحین کے لیے نظر وسماعت وغیرہ کے لیے فاصلہ سمیٹ دیتا ہے۔

10- آج کل ٹی وی پر جانوروں اور پرندوں کے بارے میں جو فلمیں دکھائی جاتی ہیں ان میں سمندر سے اپنا شکار کرنے والے بڑے عقاب کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے شکار (سمندر میں رہنے' تیرنے والے بڑے بڑے آبی سانپ) پر کس طرح جھپٹتا ہے۔میلوں دور سے وہ اپنے شکار کو دیکھتا ہے۔شکار کی رفتار اور اس کی پانی میں گہرائی کا اندازہ لگاتا ہے اور پھر اسے آن واحد میں اپنے آہنی پنجوں میں دبوچ لے جاتا ہے۔کیا کمال کی نظر ہے اس پرندے کی اور کیا خوب اس کے اندازے ہیں کہ اس کا وار عموماً خالی نہیں جاتا۔

11- چھوئی موئی یا لجالو ایک پودے کا نام ہے اور جیسا اس کے نام سے ظاہر ہے۔اس پودے کے کسی حصے کو آپ چھولیں تو یہ سارا پودا اتنا حساس ہے کہ چھوتے ہی ایسے مرجھا جاتا ہے کہ جیسے مر ہی گیا ہو اور پھر کچھ دیر بعد اپنی اصل شکل وتروتازگی پر آجاتا ہے۔دیکھیں اس پودے کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کس درجہ حساس بنایا ہے۔

12- شیر اور چیتے کی تیز رفتاری اور پھرتی کے کیا کہنے' یہ تو ضرب المثل ہیں۔

13- ہاتھی اور وہیل مچھلی کو جسامت کے اعتبار سے پہاڑ کہا جاسکتا ہے' ان میں طاقت بھی بے پناہ ہوگی۔

14- چیونٹی اپنی نازک نازک باریک سی چھوٹی جسامت کے باوجود اپنے وزن سے 120 گنا زیادہ وزن اٹھا سکتی ہے' اٹھاتی ہے۔

15- چمگادڑ اپنے پیروں کے رڈار کے سبب اندھیری رات میں پتنگوں' مچھروں' کیڑوں کو دیکھتی ہے اور انہیں اپنی خوراک بناتی ہے۔وہ اپنی آنکھوں کی نسبت پروں سے زیادہ دیکھتی ہے۔ہے ناں کمال کی صفت' اور مزید کمال کہ جب وہ آرام کرتی ہے تو اپنے پنجوں کے بل ٹہنی سے الٹی لٹک جاتی ہے اور سو جاتی ہے اور گرتی بھی نہیں ہے۔

16- مینڈک سردیوں میں زیرِ زمین چلے جاتے ہیں، مٹی میں اپنے آپ کو دفن کر لیتے ہیں اور کچھ کھائے پیئے بغیر چھ ماہ گزار دیتے ہیں اور ساون کی برسات میں خود بخود باہر نکل آتے ہیں۔ دیکھیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں کیسی صفات سے نوازا ہے۔

17- کھٹمل ایک دفعہ پیٹ بھر کر خون چوس لینے کے بعد چھ ماہ تک زندہ رہ سکتا ہے یعنی کہ اس کے لئے ایک سال میں دو دفعہ کھانا کافی ہے۔ ہے ناں کمال کی بات، اور کمال کی صفت۔

18- کتا اپنے مالک کی وفاداری میں، چوکیداری میں ساری ساری رات جاگتا ہے اور دن کو کچھ آرام و نیند کر لیتا ہے۔

ان کی یہ صفات، خاصیت وصلاحیت دیکھ کر بلکہ انہیں ہی دیکھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان نظر آجاتی ہے۔

مندرجہ بالا سے آپ نے جان لیا کہ انسان سے کچھ پرندے، جانور، پودے اور دیگر مخلوقات ربّ العالمین کی عطا کردہ کئی صفات میں کہیں زیادہ ہیں، جیسے دیکھنے، سننے، چکھنے، چھونے کی صلاحیتوں میں، طاقت، رفتار، پھرتی، جسامت وغیرہ میں۔ یہ سب ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ انسان کو فوقیت عقل کے سبب حاصل ہے ورنہ وہ کتنی ہی خوبیوں، صلاحیتوں میں دوسری مخلوق سے کہیں پیچھے ہے۔

میرا یہاں یہ سب کچھ بیان کرنے، کہنے، لکھنے کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ ہمیں اس کائنات میں برتری عقل کی بنا پر حاصل ہے۔ عطائے عقل کی وجہ سے ہی ہم اشرف المخلوقات ہیں اور عقل (عقل سلیم) کی ہی بدولت ہم اپنے رب کو پہچانتے ہیں اور اس کے بھیجے ہوئے انبیاء کرام کا اتباع کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہمیں ابدی کامیابی نصیب ہوتی ہے اور ہم سے اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہی مقصود ہے کہ اس دنیا میں ہم اس طرح رہیں یا زندگی گزاریں کہ آخرت کمالیں، کامیاب بنالیں۔

اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت دیتا

سورۃ مائدہ آیت 48

ترجمہ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا مگر منظور یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا اللہ اس میں تمہیں آزمائے۔''

سورۃ یونس آیت 99

ترجمہ ''اور اگر تمہارا رب چاہتا تو زمین میں جتنے ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔''

سورۃ ھود آیت 118

ترجمہ ''اور اگر تمہارا رب چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی امت کر دیتا (سب ایک دین پر ہوتے لیکن نہیں) وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے۔''

کس لیے دی تھی؟ اسی لیے ناں کہ تم اچھے برے میں تمیز کر کے، میرے (اللہ) راستہ کو اپناؤ گے اور فلاح دارین پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

بس اس کا لب لباب یہ ہے کہ میں (اللہ، رب العزت، رب العالمین) نے

1- تمہیں عقل و اختیار دیا ہے۔
2- اس کی بنا پر میں نے تمہیں اشرف المخلوقات بنایا ہے۔
3- اچھے، برے میں خوب تمیز کرا دی، میرے احکام، امر و نہی بڑے واضح ہیں۔
4- رہنمائی کے لیے قرآن حکیم اور اسوہ حسنہ موجود ہیں اور رہیں گے۔
5- شیطان نے بھی تمہیں بھٹکانا ہے۔ تمہاری دنیا پرستی اور خواہشات کی رغبت بھٹکانے میں آسانی دیں گی۔
6- جنت کا حصول ہی اصل اور بڑی کامیابی ہے۔ اس کے لیے تمہاری سخت آزمائش ہوگی۔
7- جو بھی اپنی عقل کے ذریعہ نیکی، اچھائی، بھلائی، فرمانبرداری و اتباع رسول کریم (ﷺ) کا راستہ اختیار کرے گا وہی بڑی کامیابی سے ہمکنار ہوگا اور یہی انسان سے مطلوب و مقصود ہے۔ انہی خوش نصیبوں کو میری تجلی اور دیدار پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نصیب ہوگا۔

❀❀❀❀❀❀❀❀

عقل

یہ موضوع کافی ثقیل ہے۔ میں نے اسے آسان پیرائے میں بیان کرنے کی بہت کوشش کی ہے تا کہ عوام الناس کے لیے زود فہم ہو جائے اور ہر کوئی اس سے مستفید ہو سکے۔ پھر بھی اگر کسی کو اس میں تشنہ لبی رہے تو اسے چاہیے کہ وہ صرف ان ابتدائی فقروں کو یاد رکھے اور ان کے مطابق عمل پیرا ہو یا ان کی روشنی میں یہ دیکھے کہ صاحب عقل' صاحب عقل سلیم یا عقلمند کون ہے؟ اور کم عقل' بے وقوف یا صاحب عقل سقیم کون ہے؟

عقل کے بارے میں یہ یاد رکھیں کہ عقل حلیمی' تحمل' برداشت' بردباری' اچھی مثبت سوچ عاجزی وانکساری اور قرآن حکیم کے ارشادات کے مطابق کائنات پر مثبت غور وخوض کرنے اور سچ بولنے سے پروان چڑھتی ہے' بڑھتی ہے' رفعت و وسعت حاصل کرتی ہے۔

جب کہ تکبر' غرور' جھوٹ' احساس کاملیت و بڑا پن' جھوٹی انا' ضد' اکڑ' غصہ' دوسروں کو کمتر سمجھنا' نخوت و نفرت وغیرہم یہ سب ہی عقل' عقل سلیم کے دشمن ہیں۔ یہ رفتہ رفتہ عقلمندی کو کم عقلی اور آخر کار بے وقوفی اور حماقت کی طرف لے آتے ہیں۔

جن خوش بختوں نے اپنے رب کو اپنی عقل سے پہچانا انہوں نے اسے صحیح پہچانا اور پھر وہ راہ راست سے کسی صورت متزلزل نہیں ہوتے بلکہ وہ دوسروں کے لیے نشان راہ ہدایت یا رہنما بن جاتے ہیں۔

عقل کی تعریف

عقل سے مراد وہ صفت ہے جس کے باعث انسان سب چوپایوں سے ممتاز ہے یعنی جس کے باعث علوم نظری کے قبول کرنے اور خفیہ صناعات فکری کے سوچنے کی اس کو استعداد ہوتی ہے اور یہ وہی معنی ہیں جو حارث بن اسعد محاسی نے مراد لیے ہیں۔ چنانچہ عقل کی تعریف میں انہوں نے کہا ہے کہ وہ ایک قوت ہے کہ جس سے آدمی علوم نظری کے ادراک کے لیے مستعد ہوتا ہے اور گویا کہ وہ ایک نور ہے جو دل میں ڈالا جاتا ہے جس کے باعث آدمی ادراک کے قابل ہو جاتا ہے اور جس شخص نے کہ اس تعریف کا انکار کیا اور عقل کو صرف بدیہی علم کے جاننے پر منحصر رکھا اس نے انصاف نہیں کیا۔ اس لیے کہ جو شخص علوم سے غافل ہو یا سوتا ہو ان دونوں کو

عاقل کہتے ہیں باوجود یہ کہ علوم اس کو اس وقت نہیں ہوتے مگر صرف اس قوت کے موجود ہونے سے عاقل کہتے ہیں اور جس طرح کہ زندگی ایک قوت ہے کہ جس سے جسم حرکات اختیاری اور ارادی پر مستعد ہو جاتا ہے اور جیسی چیزیں ادراک کرتا ہے' اسی طرح قوت عقل بھی ایسی ہے کہ جس سے بعض حیوانات علوم نظری کے قابل ہو جاتے ہیں۔

عقل کی قسمیں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے مطابق عقل کی دو قسمیں ہیں۔

1- طبعی یا سرشتی۔ جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے دل و دماغ میں رکھ دی ہے' ودیعت کر دی ہے۔

2- سمعی یا کسبی۔ جو پڑھنے' سیکھنے تجربہ سے حاصل ہوتی ہے۔

آپ نے جو اس بارے میں قطعہ فرمایا' وہ حسب ذیل ہے۔

دو ہیں عقلیں میرے اے پسر ایک طبعی ایک سمعی یاد کر
فائدہ سمعی سے کچھ ہوتا نہیں جب نہ ہو طبعی کا دل میں کوئی اثر
جیسے سورج سے نہیں کچھ منفعت گر نہ ہو آنکھ میں نور نظر

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے عقل کی چار اقسام بیان کی ہیں۔ پھر ان چاروں کو دو قسموں میں سمویا ہے۔ ان کا انداز فلسفی ہے اور عام آدمی کے لئے سمجھنا بہت مشکل ہے۔

یہاں معاملہ فہم دین' قرآن وسنت اور بیانِ شان' عظمت و رفعت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے اور میرا مقصد عقل کی اقسام بیان کرنے یا عقل کی اقسام سمجھانے کے بجائے فہم دین اور عظمت' شان و رفعت پیغمبر اول و آخر اعظم ﷺ کو بیان کرنا یا آسان الفاظ میں سمجھانا ہے ورنہ تو عقل کی وہی دو قسم ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہیں یا آپ نے بتلائی ہیں۔ اس لیے میں علماء کرام سے ہٹ کر اس (عقل) کی اقسام بیان کروں گا کہ میرے قاری کو اسے سمجھنا آسان ہو اور اسے یاد بھی رہ سکے۔

میرے نزدیک عقل کی دو قسمیں ہیں۔

1- عقل سلیم

2- عقل سقیم

عقل سلیم: وہ عقل جس کے ذریعہ' جس کی وجہ سے وہ اعمال یا کام کیے جائیں جن کے کرنے سے آخرت کامیاب ہوتی ہے یعنی جزا کے طور پر عذاب دوزخ سے نجات مل جاتی ہے اور آخری ٹھکانہ جنت ہوتا ہے۔

عقل سقیم وہ عقل جس کے ذریعے' جس کی وجہ سے وہ اعمال یا کام کیے جاتے ہیں جن کے کرنے سے آخرت ناکام ہوتی ہے یا سزا کے لیے عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے اور دوزخ میں داخل کر دیا جاتا ہے یعنی آخری

ٹھکانہ دوزخ ہوتا ہے۔

میرے نزدیک' میرے خیال میں عقل وہ جوہر خاص ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اچھے' برے میں تمیز کی صلاحیت رکھ دی ہے' ودیعت کر دی ہے اور اس کا کچھ حصہ یا عنصر ایسا ہے کہ اگر انسان کو کسی بھی ذریعہ سے راہ ہدایت نہ ملی تو تب بھی اس میں یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے کہ یہ فلاں کام' عمل برا ہے اور یہ فلاں عمل' کام اچھا ہے۔ میں اس بارے میں دلیل کے طور پر ایسے قبائل کا حوالہ دوں گا جن کا رہنا سہنا غاروں یا جنگلوں میں ہی رہا اور ان کی کتنی ہی پشتوں نے وہیں جنم لیا' پروان چڑھے اور مر مٹ گئے۔ وہ تمام ترقی یافتہ دنیا سے بالکل اوجھل رہے' جن کے پاس کسی بھی ذریعہ سے راہ ہدایت نہیں پہنچی اور نہ ہی اس دور کی ترقی یافتہ' اور اس وقت کے خدائی مذہب سے ان کا کسی طرح رابطہ ہوا۔

اس کے باوجود ان میں بھی ایک نظام حیات تھا۔ عموماً عمر میں سب سے بڑا آدمی سردار ہوتا تھا۔ اس کی نصیحت' رائے' حکم اور فیصلے مانے جاتے تھے۔ ماں باپ کا ایک مقام واحترام تھا۔ ملکیت کے لیے کچھ اصول تھے۔ ماں' بہن سے جنسی تعلقات معیوب تھے۔ میاں بیوی کا رشتہ تھا یا وجود میں آیا' اس کا احترام و ذمہ داری بھی پائی جاتی تھی۔ حصول خوراک و رہائش کے لیے اجتماعی کوشش بھی ہوتی تھی۔ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں کے لیے شفقت اور درگزر کیا جاتا تھا۔ خوراک حسب ضرورت بانٹ بھی لیا کرتے تھے۔ حالات کے مطابق غم وغصہ کا اظہار بھی ہوتا تھا اور خوشی وندامت بھی ان میں پائی جاتی تھی۔ ان میں یہ اچھائی' ایک دوسرے کا خیال' احترام' انصاف وحکم ماننا' رشتوں کا خیال واصول پرستی گو کہ کئی نسلوں بعد آئے لیکن اچھائیوں کا ان میں آنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ انسان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اچھے برے کی تمیز رکھ دی ہے یعنی فطری طور پر انسان اچھے' برے کو پہچانتا ہے۔

یہاں مندرجہ بالا کے بیان کرنے کا میرا مقصد یہ ہے کہ عقل کے بارے میں مزید وضاحت کر دوں کہ اس جوہر خاص میں ایک صفت اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بھی رکھ دی ہے کہ یہ بیرونی ذرائع کی خبرداری کے بغیر بھی کسی حد تک اچھے برے میں ضرور تمیز کرتی ہے۔ عقل سلیم کی اس اعلیٰ خاصیت کو آپ روشن ضمیر کا نام بھی دے سکتے ہیں۔

عقل کی فضیلت

واضح ہو کہ عقل کا شرف ان اشیاء میں سے ہے جن کے بیان کرنے کے لیے حاجت تکلف کی نہیں' خصوص ایسے حال میں کہ اول علم کا شرف معلوم ہو گیا اور یہ جانتے ہیں کہ عقل علم کا منبع اور مطلع اور اصل ہے۔ علم عقل کی بہ نسبت ایسا ہے جیسے پھل کی نسب درخت سے یا نور کی نسبت آفتاب سے یا جیسے آنکھ کی نسبت نگاہ سے تو جو چیز دنیا اور آخرت کا سعادت کا وسیلہ ہو وہ اشرف کیسے نہ ہو گی؟

اور اس میں کیسے شک ہوگا کہ چوپایہ باوجود اپنی تمیز کے کم ہونے کے عقل سے دبتا ہے' یہاں تک کہ چوپایوں میں جو بدن میں سب سے بڑا ہو اور ضرر میں اور رعب میں زیادہ' وہ بھی جب انسان کی صورت دیکھتا ہے تو اس سے دبتا ہے اور خوف کھاتا ہے' اس لیے اس کو اتنا شعور ہے کہ انسان مجھ پر غالب ہو جائے گا کیونکہ عقل کے سبب انسان تدابیر اور حیلوں کے معلوم کرنے میں مخصوص ہے۔

اور اسی لیے حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا ہے کہ بوڑھا اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی امت میں اور یہ بات اس کے مال کی کثرت اور جثہ کے بڑے ہونے اور طاقت میں زیادہ ہونے سے نہیں ہوتی بلکہ تجربہ کے زیادہ ہونے سے ہے جو عقل کا ثمرہ ہے۔

(ابن صبان بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما ابو منصور دیلمی بروایت ابی رافع' سند ضعیف)

عقل کی فضیلت واہمیت احادیث کی روشنی میں

مشکوٰۃ میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

''جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے عقل' پیدا کیا تو اس کو حکم دیا کھڑی ہو' وہ کھڑی ہوگئی۔ پھر کہا کہ پیچھے ہٹ' وہ پیچھے ہٹ گئی۔ پھر فرمایا بیٹھ' وہ بیٹھ گئی۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے تجھ سے بہتر' افضل اور عمدہ کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ تیرے ہی سبب سے مواخذہ کرتا ہوں' تیرے ہی سبب سے پہچانا جاتا ہوں' تیرے ہی سبب سے غصہ کرتا ہوں' تیری ہی وجہ سے ثواب ہے اور تجھ پر ہی (تیرے سبب ہی) عذاب ہے۔''

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہر آدمی کو مرنے کے بعد جو عذاب یا ثواب ہوگا وہ اسے اپنی عقل و سمجھ کے مطابق محسوس کرے گا۔ اگر آپ کو اس بارے میں کچھ شک ہے تو حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیے جو زیادہ واضح ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

''آدمی نمازی بھی ہوتا ہے' روزہ دار بھی' زکوٰۃ بھی دیتا ہے' حج عمرہ بھی کرتا ہے لیکن قیامت کے روز عقل کے مطابق اس کو جزا وسزا دی جائے گی۔'' (یعنی کہ آدمی نے زندگی میں عقل سلیم سے کام لیا یا وہ عقل سقیم کے تابع ہی رہا)

مذکورہ عقل سے متعلق آیات کو ان حدیثوں کے ساتھ ملا کر سوچنے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجانی چاہیے کہ ہر شخص کو جس طرح دنیا میں تکلیف و راحت کا احساس اپنے علم و عقل کے مطابق کم یا زیادہ ہوتا ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی دنیا میں وقت گزارنے کا اندازہ' قبر میں (عالم برزخ) میں گزرے وقت کا اندازہ اور تکالیف و راحت کا احساس و اندازہ بھی اپنے اپنے علم و عقل کے تناسب سے ہوگا۔

اسی حدیث مبارک کو طبرانی نے مختصراً یوں روایت کیا ہے۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا

اور اس کو فرمایا کہ سامنے ہو وہ سامنے ہوئی۔ پھر فرمایا کہ پشت پھیر اس نے پشت پھیری۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے اپنی ذات اور بزرگی کی میں نے کوئی مخلوق تجھ سے زیادہ اپنے نزدیک اکرم نہیں پیدا کی۔ میں تجھی سے لوں گا اور تجھی سے دوں گا اور تیرے ہی سبب سے ثواب دوں گا اور تیرے ہی سبب سے عذاب کروں گا۔''

اب اگر کوئی یوں کہے کہ عقل اگر غرض ہے تو اجسام سے پہلے کیسے پیدا ہوئی؟ اور اگر جوہر ہے تو جوہر کیسے ہوسکتا ہے کہ اپنی ذات سے قائم ہو اور کسی مکان میں نہ ہو؟ تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ عقل کی پیدائش علم مکاشفہ میں سے ہے۔ اس کا ذکر کرنا علم معاملہ میں مناسب نہیں اور ہماری غرض علوم معاملہ کے ذکر سے ہے۔ (طبرانی)

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''اے لوگو! اپنے خدا کو سمجھو اور آپس میں ایک دوسرے سے نصیحت عقل کی کرو' اس جہت سے جس بات کا تم کو حکم ہوا ہے اور جس سے منع کیے گئے ہو۔ جان لو گے اور جان لو کہ عقل تم کو تمہارے رب کے پاس بزرگی دے گی اور جان لو کہ عاقل وہ ہے جو اطاعت اللہ تبارک وتعالیٰ کی کرے۔ اگرچہ صورت میں برا اور قدر میں حقیر اور مرتبہ میں کم اور شکستہ حال ہو اور جاہل وہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کرے گو صورت کا اچھا اور قدر کا بڑا' مرتبہ کا زیادہ اور خوش ہیبت اور فصیح وگویا ہو۔ جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کرے تو اس کی نسبت سور اور بندر زیادہ عاقل ہیں اور دنیادار اگر تمہاری تعظیم کریں تو اس سے مغالطہ میں مت آؤ ورنہ خسارہ والوں میں سے ہو جاؤ گے۔'''

(داؤد بن المحبر بروایت ابوالحارث)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور پُرنور خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ لوگوں کی فضیلت دنیا میں کون سی چیز سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عقل سے۔ میں نے عرض کیا کہ آخرت میں (فضیلت) کس چیز سے ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! انہوں نے عمل بھی اتنا کیا ہوگا جتنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو عقل دی ہوگی تو جتنی عقل ملی اتنے ہی عمل ہوں گے اور جس قدر عمل کیا ہوگا' اس کی جزا ہوگی۔ (حارث عن ابن المحبر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور پُرنور رحمت العالمین ﷺ نے فرمایا کہ ''ہر فرشتے کا ایک لازمہ اور سامان ہے اور ایماندار کا سامان اور آلہ عقل ہے اور ہر ایک چیز کی ایک سواری ہے اور مرد کی سواری عقل ہے اور ہر چیز کا رکن ہے اور دین کا رکن عقل ہے اور ہر ایک قوم کی ایک غایت ہے اور بندوں کی غایت عقل ہے اور ہر ایک قوم کا ایک نگہبان ہے اور عابدین کا نگہبان عقل ہے اور ہر سوداگر کی ایک بضاعت (پونجی' سرمایہ) ہوتی ہے اور اجتہاد کرنے والوں کی بضاعت عقل ہے اور ہر اہل بیت کے لیے ایک منتظم ہے اور صدیقین کے گھر کا منتظم عقل ہے اور ہر اجاڑ کی ایک آبادی ہے اور آخرت کی آبادی عقل ہے اور ہر آدمی کے

لیے ایک پیچھے رہنے والا ہوتا ہے جس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اس کے باعث ذکر کیا جاتا ہے اور صدیقوں (سچوں کا) پیچھے رہنے والا جس کی طرف کہ وہ منسوب ہوں اور جس کے باعث ذکر کیے جاویں، عقل ہے اور ہر سفر کے لیے ایک بڑا خیمہ ہوتا ہے اور ایمانداروں کا خیمہ عقل ہے۔''

(ابن المحبر بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ دیلمی در مسند فردوس بسند ضعیف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم رؤف و رحیم ﷺ کے سامنے ایک شخص کی تعریف بیان کی گئی، یہاں تک کہ لوگوں نے مبالغہ کیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی عقل کیسی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم عبادت اور اقسام خیرات میں اس شخص کی محنت آپ (ﷺ) کی خدمت میں ذکر کرتے ہیں اور آپ (ﷺ) اس کی عقل کا حال دریافت فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ احمق آدمی اپنی جہالت کے باعث بدکار کی بدکاری سے زیادہ (گناہ، برے کام) کر لیتا ہے اور روزِ قیامت میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے قریب ہونے کے درجات موافق عقلوں ہی کے بلند دیئے جائیں گے۔ (طبرانی نے مختصراً روایت کیا ہے۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی کمائی میں عقل کی زیادتی کے برابر کوئی چیز نہیں۔ یہ عقل کی زیادتی اس کو ہدایت کی طرف رہنما ہوتی ہے اور ہلاکت و گمراہی سے باز رکھتی ہے اور آدمی کا نہ ایمان پورا ہو نہ دین راست و درست ہو جب تک اس کی عقل پوری نہ ہو۔ (داؤد بن المحبر وحکیم ترمذی)

ایک اور حدیث مبارک یوں ہے کہ آدمی اپنی خوش خلقی سے درجہ روزہ دار، شب بیدار پاتا ہے اور کبھی کسی شخص کا خوش خلق ہونا پورا نہیں ہوتا جب تک اس کی عقل کامل نہ ہو۔ پس اس وقت اس کا ایمان کامل ہوتا ہے اور اپنے رب کا فرمانبردار اور اس کے دشمن شیطان کا نافرمان ہوتا ہے۔ (ترمذی مختصراً بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے تمیم داری سے پوچھا کہ تم میں سرداری کیا چیز ہے؟ کہا کہ عقل۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے درست کہا۔ میں نے نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے بھی یہی سوال کیا تھا۔ جیسا تم سے کیا اور آپ ﷺ نے بھی یہی جواب دیا جو تم نے دیا اور پھر ارشاد فرمایا کہ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے سوال کیا کہ سرداری کیا چیز ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا عقل ہے۔ (ابن المحبر)

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز حضور پُر نور پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ سے لوگوں نے کثرت سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، اے لوگو! ہر چیز کی ایک سواری ہے اور مرد کی سواری عقل ہے اور تم میں دلیل و حجت میں بہتر وہ ہے جو عقل میں بڑھ کر ہو۔ (حارث حسن ابن المحبر)

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حبیب خدا ﷺ نے فرمایا کہ فرشتوں نے خدائے پاک کی اطاعت میں کوشش اجتہاد عقل سے کی اور ایمانداروں نے (آدمیوں میں

سے) کوشش اپنی عقلوں کے موافق کی تو جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے' وہی عقل میں زیادہ ہوتا ہے۔ (حکیم ترمذی در نوادر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہادی دو جہاں رہبر کائنات رحمت العالمین ﷺ نے غزوہ احد سے مراجعت فرمائی۔ لوگوں کو کہتے سنا کہ فلاں شخص فلاں سے زیادہ بہادر ہے اور فلاں شخص سفر آموزدہ تر ہے۔ جب کہ فلاں سفر آزمودہ اور تجربہ کار ہے اور دوسری اسی طرح کی باتیں کہتے سنا۔ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان باتوں کا علم تم کو نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کس طرح ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے قتال اس قدر کیا جس قدر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو عقل عنایت کی تھی اور ان کی جیت اور نیت بھی ان کی عقلوں کے بموجب ہوئی' ان میں سے جو کوئی پہنچا وہ مقامات مختلف پر پہنچا۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اپنی نیتوں اور عقلوں کے بموجب مراتب پاؤ گے۔ (ابن المحبر)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک تکیہ ہے اور ایماندار کا سہارا عقل ہے تو اس کی عبادت اس کی عقل ہی کے بموجب ہوگی۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ بدکار دوزخ میں یوں کہیں گے۔

"اور کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے (عقل و بصیرت والے ہوتے) تو ہم دوزخ والوں میں نہ ہوتے۔ اب اپنے گناہ کا اقرار کیا تو پھٹکار ہو دوزخیوں کو۔" (سورۃ ملک آیات 10-11)

پیغمبر اول و آخر واعظم حضور انور نبی کریم' محبوب خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والوں میں سب سے زیادہ محبوب اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت میں قائم ہو اور اس کے بندوں کی خیر خواہی کرے اور اس کی عقل پوری ہو اور اپنے نفس کو نصیحت کرے اور بینا ہو کر بموجب عقل کے زندگی بھر عمل کرے اور فلاح ونجات کو پہنچے۔ اور فرمایا کہ تم میں سے کامل تر وہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے زیادہ خوف رکھتا ہو اور جس چیز کا اس کو حکم ہو اور جس چیز سے منع کیا گیا ہو اس میں اس کی نظر سب سے اچھی ہو۔ (یعنی کہ اوامر و نہی پر اچھی طرح عمل پیرا ہوتا ہے) اگرچہ وہ جسمانی طاقت' شکل وصورت' جاہ ووجاہت میں تم سے کمتر ہو۔

(ترمذی مختصراً بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا)

ہادی دو جہاں' پیغمبر انس وجاں تاجدارِ کائنات ﷺ نے فرمایا "اللہ تبارک وتعالیٰ نے کوئی بھی مخلوق اپنے نزدیک عقل سے بزرگ (برتر) پیدا نہیں کی۔" (حکیم ترمذی بروایت حسن)

رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ کو فرمایا کہ تو عقل میں زیادہ رہ تاکہ اپنے رب سے قرب میں زیادہ ہو جائے۔ انہوں نے عرض کیا کہ فدا ہوں آپ پر میرے ماں اور باپ' مجھ سے یہ کیسے بن آئے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے محارم سے اجتناب کر اور اس کے فرائض ادا کر' تو عاقل ہو جائے گا اور اعمال میں سے نیک کو کیا کر' تو اس دنیا میں تیری بڑائی اور کرامت بڑھے گی اور ان کی وجہ سے اپنے

رب کریم کا قرب اور عزت تجھ کو حاصل ہوگی۔ (ابن المحبر وحکیم ترمذی)

عقلمند کی تعریف

حضرت سعید بن میںب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نبی کریم رحمت العالمین ہادیٔ دو جہاں ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ سب لوگوں میں سے زیادہ عالم کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عاقل۔ عرض کیا کہ سب سے زیادہ عابد کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عاقل۔ پھر عرض کیا کہ سب میں افضل کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عاقل۔ انہوں نے عرض کیا کہ عاقل وہی نہیں جو مروت کامل رکھتا ہو اور ظاہر میں فصیح ہو اور ہاتھ کا سخی ہو اور منزلت میں بڑا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سب باتیں تو دنیا کی چیزیں ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک متقیوں کے لیے آخرت بہتر ہے۔ عاقل وہ ہے جو متقی ہو، اگرچہ دنیا میں (دنیا والوں کی نظر میں) خسیس اور ذلیل ہو۔ (ابن المحبر)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ عاقل وہی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرے اور اس کی اطاعت بجالائے اور ٹھیک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لفظ عقل اصل لغت ہے اور استعمال میں اسی وقت جبلی کے لیے موضوع تھا اور علوم پر جو استعمال ہوا تو صرف اسی وجہ سے کہ علوم اس قوت کے اثرات ہیں جیسے چیز کی تعریف اس کے ثمرہ (حاصل) سے کردیا کرتے ہیں۔ مثلاً کہہ دیتے ہیں کہ علم خوف خدا ہے اور عالم وہی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرے، اس لیے کہ خوف خدا علم کا ثمرہ ہے۔ اسی طرح لفظ عقل کو اگر اس کے کسی ثمرہ پر بول دیں تو یہ بھی مجاز کی طرح پر ہوگا۔ (ابن المحبر بروایت سعید ابن اطیب)

عقل والے

قرآن حکیم کی مختلف سورتوں میں عقلمندوں، عقل والوں کے لیے "اولی الالباب" "اولی الابصار" "یعقلون" کے الفاظ کوئی دو درجن بار سے زائد آئے ہیں۔ میں یہاں صرف چند ایک آیات مبارک کا ذکر کروں گا اور مقصد یہ ہے کہ ہم جان جائیں کہ عقلمند، صاحب عقل، عقل والے، عاقل کون ہیں۔ ان کی کیا کیا صفات ہیں، خوبیاں ہیں جن کی بناء پر وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں زبان قرآن میں عقلمند ہیں۔

سورۃ بقرہ آیت 164

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ص وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○

ترجمہ ''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو پھر اس سے جلایا (زندہ) کیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان وزمین کے بیچ میں حکم کا پابند ہے ان سب میں عقلمندوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔''

مختصر یہ کہ جو بھی مندرجہ بالا کو دیکھ کر ان کے خالق، مالک و حاکم کو پہچان جاتا ہے وہ اپنے رب کو پہچان جاتا ہے۔ وہ رب العالمین، خالق، مالک، رازق، حاکم اور قادر مطلق وحدہ لاشریک کو پہچانتا ہے اور یہی عقلمندی ہے اور اس کے پہچاننے، جاننے، ماننے کے سبب ہی وہ عقلمند ہے۔

سورۃ بقرہ آیت 268 اور 269

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

ترجمہ ''شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے بخشش اور فضل کا اور اللہ وسعت والا ہے، علم والا ہے۔ اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے وضاحت سے بتلا دیا ہے کہ صدقہ وخیرات کرنے پر شیطان تمہیں محتاجی وغربت کا اندیشہ لاحق کرتا ہے جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ صدقہ وخیرات سے دنیا اور آخرت میں اضافہ کرتا ہے، خیر میں اضافے کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ جو فرماتا ہے وہی سچ ہے اور اللہ قادر مطلق ہے جسے چاہتا ہے قرآن، دین، کائنات، نظام کائنات کی کچھ گہری سمجھ اور علم دے دیتا ہے لیکن اللہ کی حاکمیت کو، ربانیت کو، واحدانیت کو، قرآن ورسول کی صداقت، حقانیت، ہدایت ورہنمائی، اس کی نصیحت امر ونہی کو صرف وہی لوگ مانتے، جانتے ہیں جو عقل والے ہیں، جو عقلمند ہیں۔

سورۃ رعد آیت 19

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

ترجمہ ''تو کیا وہ جو جانتا ہے کہ تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا وہ حق ہے، وہ اس جیسا ہوگا جو اندھا (نہیں جانتا) ہے۔ نصیحت وہی مانتے ہیں جنہیں عقل ہے۔''

حق، حقیقت، سچائی، اچھے برے میں تمیز وہی کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔ قدرت کے کارخانے میں حق کو جاننے کے لیے مالک حقیقی کو پہچاننے کے لیے، نبی کریم ﷺ کی عظمت وشان سمجھنے کے لیے اور قرآن حکیم سے مستفید ہونے کے لیے وہی لوگ غور وخوض کرتے ہیں جو صاحب عقل ہیں۔

سورۃ مائدہ آیت 100

قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ج فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

ترجمہ ''تم فرمادو کہ گندہ اور ستھرا برابر نہیں۔ اگرچہ کہ تجھے گندے کی کثرت بھائے (پسند آئے، اچھا لگے) تو اللہ سے ڈرتے رہو اے عقل والو کہ تم فلاح پاؤ۔''

یعنی کہ اے عقل والو اپنی عقل کے سبب میرے جبروت، قہار و رحمانیت، رحم و کرم کو دیکھو اور مجھ سے ڈرتے رہو کہ اس سے تمہاری فلاح ہوگی۔ تمہارے علم و حکمت عقل و سمجھ میں اضافہ ہوگا، جس کے سبب تم فلاح پا جاؤ گے یعنی کہ عقل والا اللہ سے ڈرتا ہے یا بالفاظ دیگر جو اپنے رب سے ڈرتا ہے، وہ عقلمند ہے۔

سورۃ ص آیت 29

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

ترجمہ ''یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری، برکت والی تاکہ اس کی آیتوں پر سوچیں اور عقلمند نصیحت مانیں۔''

یعنی اس کو پڑھیں، مختلف آیات پر غور و خوض کریں۔ ان پر سوچیں یہ سب ہی ہدایت و نصیحت ہے۔ اس کے ذریعہ اپنے ربّ کو پہچانیں اس کی قدرت کاملہ کے معترف ہوں۔ اس کے ثواب و عذاب پر یقین لائیں۔ اس کے رسول مقبول و محبوب ﷺ کی عظمت و حقانیت کو سمجھیں اور مانیں اور جو نصیحت مانتے ہیں انہوں نے گویا اپنی عقل کا استعمال کیا کہ وہی عقلمند لوگ ہیں۔

سورۃ زمر آیت 18

اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

ترجمہ ''جو کان لگا کر بات سنیں، پھر اس کے بہتر پر چلیں، یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی اور یہ ہیں جن کو عقل ہے۔''

اس سے پہلے والی آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم خالص میری ہی عبادت کرو، بندگی کرو، جنہوں نے شرک کیا وہ روز قیامت ہار گئے ان کے اوپر نیچے جہنم کی آگ ہوگی۔ اس سے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں اور جو لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے، یا اللہ سے ڈرے، اللہ کے احکام امر و نہی پر صدق و دل سے عمل پیرا ہوئے، بتوں کے پوجنے سے بچے، اللہ کی طرف رجوع کر لیا اور بہتر راستہ اختیار کیا تو ان کے لیے خوشخبری ہے اور یہی لوگ عقلمند ہیں۔

سورۃ طلاق آیات 8 تا 10

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝

ترجمہ ''اور کتنے ہی شہر تھے جنہوں نے اپنے رب کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی' تو ہم نے ان سے سخت حساب لیا اور انہیں بری مار دی تو انہوں نے اپنے کیے کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام گھاٹا ہوا۔ اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے تو اللہ سے ڈرو اے عقل والو۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری ابدی بھلائی کے لیے فرما رہے ہیں کہ اے اولاد آدم میرے بھیجے ہوئے نبی' خاتم النبیین سید المرسلین ﷺ کا اتباع کرو۔ قرآن واسوہ حسنہ سے ہدایت ورہنمائی ونصیحت حاصل کرو۔ ان کا کہا مانو اور یقین کرو کہ جو کچھ فرمایا جا رہا ہے' جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ سب سچ ہے' حق ہے۔ تمہیں سمجھانے کی خاطر' تمہاری بہتر دنیا اور آخرت کی خاطر قرآن حکیم میں کتنے ہی عبرتناک حقائق بیان کیے گئے ہیں جیسے قوم فرعون' قوم عاد' قوم ثمود وغیرہم' ان کے انبیاء کرام نے انہیں بہت سمجھایا' بہت تبلیغ حق کی اور ان کو راہ راست پر لانے کے لیے ہر ممکن تبلیغ فرمائی اور نہ سدھرنے کی صورت میں ان کے عبرتناک انجام سے آگاہ کیا لیکن انہوں نے سرکشی کی اور انبیاء کرام کی باتوں کا' کہنے کا یقین نہ کیا اور پھر آن واحد میں وقت مقررہ پر اللہ کے عذاب نے انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور ان میں سے کچھ کی بربادی کے آثار اب تک موجود ہیں جنہیں دیکھ کر یا جن کے بارے میں سن کر' جان کر لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ ڈرنا ہی عقل کا آنا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی دو جہانوں میں رحمتیں پانا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنے والے ہی عقلمند لوگ ہیں۔

اگر مذکورہ بالا قومیں اللہ سے ڈر گئی ہوتیں یا انہوں نے اپنی عقل سے کام لیا ہوتا اور ''سرکشوں کے لیے اللہ کی سنت' اللہ کی نہ بدلنے والی باتوں کو'' سمجھ گئے ہوتے تو ان پہ عذاب الٰہی نہ آتا اور وہ باعزت زندگی گزار کر اس دنیا سے جاتے۔ افسوس کہ اپنی کم عقلی' سرکشی کے سبب نشان عبرت بن گئے ہیں۔

عقلمند ہی اپنے اللہ کو پہچانتے ہیں اور جو اپنے اللہ کو پہچان جاتا ہے وہ اس سے ڈر جاتا ہے۔ وہ یوم حساب سے اس قدر ڈرتا ہے کہ وہ یوم حساب کے تصور میں ہی کہتا ہے کہ میرے مولا میں تو بہت کاہل' جاہل' گنہگار ہوں۔ تیرے سامنے جوابدہی کے لیے اکیلے حاضر ہونا ہے اور کھڑے ہو کر اپنے گناہوں' کوتاہیوں' غفلتوں کا سامنا کرنا ہے۔ میرے مولا میں تو کھڑا بھی نہیں ہو سکوں گا۔ بس تو کرم کرے گا تو بات بنے گی۔ میرا اعمال نامہ جو کہہ رہا ہے' وہ بالکل سچ کہہ رہا ہے۔ یہ جو مجھے گنہگار ومجرم گردانتے ہیں۔ یہ بھی سچ ہی کہہ رہے ہیں' مجھے اس بات کا اعتراف ہے۔ میں نے جیتے جی ان حقائق کو مان لیا تھا اور اپنے آپ کو سدھارنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ میرے پلے کچھ نہیں بس تیرے رحم وکرم کی آس ہے۔

اور جو اپنے رب کے سامنے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا۔

قرآن حکیم کی سورۃ رحمٰن آیت 46

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ ۝

ترجمہ ''اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے، اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔''

یعنی کہ جو اپنے رب کے احکام کو مانے، حضور انور نبی کریم ﷺ کا اتباع کرے۔ قرآن و اسوہ حسنہ سے ہدایت و نصیحت پائے اور دنیا میں زندگی حتی الامکان اسوہ حسنہ کے نقش قدم پر گزارے (جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے) اس کے لیے دو جنتوں کی خوشخبری ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے تو ذرہ ذرہ کا انصاف کرنا ہے۔ جب گنہگار اپنی ساری عمر کے گناہوں کا اعتراف کرلے گا تو تب ہی اسے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ جنہیں جہاں جہاں اپنے اعمال کے بارے میں اختلاف ہوگا، انہیں ان کے اعمال کی ریکارڈنگ، فلمیں بار بار دکھائی جائیں گی اور اگر وہ پھر بھی اقرار نہیں کریں گے تو آخر میں ان کے کان، آنکھیں، دل، جلد، پاؤں، ہاتھ وغیرہ کو کہا جائے گا کہ اس بارے گواہی دیں اور حقیقت حال بتا دیں۔ ان کی گواہی کے بعد تو گنہگار کو ماننا ہی پڑے گا کہ اور پھر اسے مطمئن کر کے یعنی یہ بتا کے کہ جو تمہارے اعمال نامہ میں ہے وہ سب صحیح و سچ ہے اور اب تم اپنے گناہوں کے سبب جہنم میں داخل ہو جاؤ اور پھر وہ جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے۔

روز حشر اسی لیے طویل ہے (گنہگاروں کے لیے 50 ہزار سال کا ایک دن) کہ جب تک وہ اپنے کیے کا اقرار نہ کرلیں گے اس وقت تک جن گناہوں، اعمال کے بارے میں انہیں اعتراض ہوگا ان کی ریکارڈنگ فلمیں وغیرہم بطور ثبوت بار بار انہیں دکھائی جائیں گی۔ جب ذرہ ذرہ کا حساب ہو جائے گا تو انہیں جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سورۃ یٰسین کی آیت 54 میں ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''تو آج کسی جان پر ظلم نہ ہوگا، اور تمہیں بدلا نہ ملے گا مگر اپنے کیے کا''۔

اور ظاہر ہے کہ ناسمجھ، ضدی، خودسر، ایمان اور ایمان بالغیب سے عاری اور ہر معاملے میں اپنے آپ کو حق پر سمجھنے والے لوگ تو نہ جانے کتنا عرصہ لگا تار اور بار بار زندگی بھر کی غلطیوں اور گناہوں کے ثبوت دیکھ کر اقرار جرم کریں گے۔ ایسے لوگوں کی تو کئی کئی عمریں لگ جائیں گی کہ وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں اور پھر دوزخ میں دھکیل دیئے جائیں۔

قارئین کرام! اس سے کسی ایسے مغالطے میں مبتلا نہ ہوں کہ اتنا عرصہ تو گنہگار کم از کم اچھے ماحول میں گزار لیں گے۔ ایسی بات نہیں ہے۔ روز حشر سوال جواب، حساب کتاب کے دوران مقام و ماحول ہر کسی کو اس کی دنیا پر کمائی کے تناسب سے اچھا یا برا دیا جائے گا۔ پھر بھی بدفطرت، ناسمجھ، بے ایمان، خودسر اور اپنی تمام خرابیوں، خباثتوں، ناانصافیوں کے باوجود اپنے آپ کو حق پر سمجھنے والے لوگ اتنی طویل مدت اپنی حماقت، بدفطرت، ناسمجھی

کے سبب لگائیں گے جس کا کہ انہیں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ عالم برزخ ہو روزِ محشر' ہر ایک کو مقام و ماحول' راحت و تکلیف اپنے اپنے اعمال کے تناسب سے ملے گا۔

لیجئے درج ذیل آیات مبارک میں عقلمندوں کی کچھ علامات' خوبیاں بھی بیان کر دی گئی ہیں' اسے پڑھ کر آپ کو خوب پتہ لگ جائے گا' معلوم ہو جائے گا کہ عقلمند لوگ کون ہیں۔ یہ آیات واضح ہیں اس لیے ان آیات مبارک کی تشریح یا مزید وضاحت کی بھی ضرورت نہیں۔

سورۃ آل عمران آیات 190-191

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ○ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

ترجمہ "بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلی میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے جو اللہ کو یاد کرتے ہیں' کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں' (اور عرض کرتے ہیں) اے رب تو نے یہ بیکار نہ بنایا' پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔"

❀❀❀❀❀❀❀❀

عالم، علم والے

سورۃ آل عمران آیت 18

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لا وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًام بِالْقِسْطِ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

ترجمہ ''اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں۔ عزت والا حکمت والا۔''

یہاں عالموں سے مراد انبیاء کرام اور اولیاء اللہ ہیں۔

سورۃ انبیاء آیت 7

وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

ترجمہ ''اور ہم نے تم سے پہلے نہ بھیجے مگر مرد جنہیں ہم وحی کرتے' تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔''

کیونکہ ناواقف کو اس کے سوا چارہ ہی نہیں کہ واقف سے معلوم کرے اور مرض جہل یا نہ جاننے کا علاج یہی ہے کہ جاننے والے (عالم) سے پوچھے' سوال کرے اور اس کے حکم پر عمل کرے یا بتلائے گئے پر یقین و عمل کرے۔

سورۃ اعراف آیت 32

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

ترجمہ ''ہم یونہی مفصل آیتیں بیان کرتے ہیں علم والوں کے لیے۔''

یعنی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ آیات بیان کر دی ہیں اور انہیں وہی سمجھتے ہیں جو علم والے ہیں' سمجھ والے ہیں' اپنی عقل سے انہیں جو سمجھنا چاہتے ہیں اور جو خوب سمجھ لیتے ہیں' اچھی سمجھ کے ساتھ وہی علم والے ہیں۔

سورۃ قصص آیت 80

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ○

ترجمہ ''اور بولے وہ جنہیں علم دیا گیا' خرابی ہو تمہاری اللہ کا ثواب بہتر ہے۔ اس کے لیے جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے اور یہ انہیں کو ملتا ہے جو صبر والے ہیں۔''

یعنی کہ علم صالح صابرین ہی کا خاصہ ہے' حصہ ہیں اور ان کا ثواب بھی وہی پاتے ہیں اور باتوں کو صحیح وہی سمجھتے ہیں' جانتے ہیں جو علم والے ہیں۔

سورۃ عنکبوت آیت 43

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ○

ترجمہ ''اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔''

یعنی یہ مثالیں جو قرآن حکیم میں ہمیں حکمت و عظمت' برائی و بھلائی ظلمت و نور کو سمجھانے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں ان کے حسن و خوبی اور ان کے نفع و فائدہ اور ان کی حکمت کو علم والے ہی سمجھتے ہیں جن کو سمجھ ہے' عقل ہے اور سمجھنا جانتے ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے والی آیات میں شرک اور موحد کا حال خوب اچھی طرح بیان کر دیا ہے اور فرق واضح فرما دیا ہے۔ کفار مکہ نے طنز کے طور پر کہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مکھی اور مکڑی کی مثالیں بیان کرتا ہے اور اس پر وہ ہنستے تھے' مذاق اڑاتے تھے۔ اس آیت میں ان کو رد کر دیا گیا کہ وہ جاہل ہیں' تمثیل کی حکمت کو نہیں جانتے۔ مثال کا مقصد سمجھانا ہوتا ہے اور جیسی چیز ہو اس کی شان ظاہر کرنے کے لیے ویسی مثال دینا حکمت کا تقاضا ہے تو باطل اور کمزور دین' دینی خیالات کے ضعف و بطلان کے اظہار کے لیے یہ مثال نہایت ہی نافع' مناسب اور برمحل ہے جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عقل و علم' سمجھنے کا شوق وصلاحیت عطا فرمائی ہے' وہ اسے خوب سمجھتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ فاطر آیت 28 میں عالم یا علم والے کی تعریف یوں فرمائی ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ○

ترجمہ ''اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا عزت والا ہے۔''

کتنے واضح و صاف الفاظ میں رب العالمین نے فرما دیا ہے کہ عالم وہ ہے جو مجھ سے ڈرتا ہے۔ علم والا وہ ہے جسے ہر حال میں خوف خدا ہے اور خوف خدا میں ہی رہنے والا عالم ہے اور عالم قادر مطلق حاکم الحاکمین کی صفات کو جانتے اور اس کی عظمت کو پہچانتے ہیں یعنی کہ جتنا علم زیادہ اتنا ہی خوف زیادہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ مخلوق میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا خوف اس کو

ہے جو اس کے جبروت اور اس کی ربانیت' عظمت عزت وشان سے باخبر ہے اور وہی عالم ہے۔

بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ پیغمبر اول وآخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا قسم عزوجل کی (رب العالمین کی) کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور سب سے زیادہ اس کا خوف رکھنے والا ہوں۔

عالم یا علم والے کی تعریف کی تشریح یا وضاحت اس مذکورہ بالا حدیث مبارک سے زیادہ اور ممکن نہیں ہے یعنی کہ یہی عالم یا علم والے کی تعریف ہے۔

مذکورہ بالا اور درج ذیل آیات مبارک میں بھی بلواسطہ یا بلاواسطہ بین السطور یہی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنے والا ہی عالم ہے' عقل والا ہے اور ان لوگوں کے آخرت میں درجات بلند ہوں گے' بلند کیے جائیں گے۔

سورۃ ص آیت 45

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ۝

ترجمہ "اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب' قدرا ور علم والوں کو۔"

یعنی کہ جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکمت علمیہ وعملیہ عطا فرمائیں اور اپنی معرفت اور طاعات پر قوت و قدرت عطا فرمائی۔

اس آیت مبارک میں ذکر تو انبیاء کرام کا ہے لیکن ہم نے بھی انبیاء کرام کی سنت پر ہی چلنا ہے جو کہ ہمارے لیے پیغمبر اول وآخر واعظم نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ ہی کی سنت ہے۔

سورۃ مجادلہ آیت 11

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

ترجمہ "اللہ بلند کرے گا ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجات اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔"

یعنی جنہیں علم دیا گیا انہیں خوف خدا تھا اور انہوں نے اللہ کے ڈر سے' خوف خدا سے' خوف خدا میں مبتلا رہ کر اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول محبوب پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ کی پر خلوص اطاعت کے باعث ان کے درجات بلند کیے جائیں گے۔

عالم وعاقل کی تعریف

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر' حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم محبوب خدا' رحمت العالمین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ سب

لوگوں میں سے زیادہ عالم کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عاقل۔ عرض کیا کہ سب میں زیادہ عابد کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عاقل۔ پھر عرض کیا کہ سب میں افضل کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عاقل۔ انہوں نے عرض کیا کہ عاقل وہی نہیں جو مروت کامل رکھتا ہو اور ظاہر میں فصیح ہو اور ہاتھ کا سخی ہو اور منزلت میں بڑا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سب باتیں تو دنیا کی چیزیں ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک متقیوں کے لیے آخرت بہتر ہے۔ عاقل وہ ہے جو متقی ہو' اگرچہ دنیا میں (دنیا والوں کی نظر میں) خسیس اور ذلیل ہو۔ (ابن المحبر)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ عاقل وہی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرے اور اس کی اطاعت بجالائے اور ٹھیک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لفظ عقل اصل لغت میں اور استعمال میں طبعی' ودیعت کردہ یا جبلی کے لیے موضوع تھا اور علوم پر جو استعمال ہوا تو صرف وہ اسی جہت (وجہ) سے ہے کہ علوم اس قوت کے اثرات ہیں۔ جیسے چیز کی تعریف اس کے ثمرہ سے کر دیا کرتے ہیں۔ مثلاً کہہ دیتے ہیں کہ علم خوف خدا ہے اور عالم وہی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرے۔ اس لیے کہ خوف خدا علم کا ثمرہ ہے۔ اسی طرح لفظ عقل کو اگر اس کے کسی ثمرہ پر بول دیں تو یہ بھی مجاز کی طرح پر ہوگا۔ (ابن المحبر بروایت سعید ابن میسّب)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس علم و ہدایت کے ساتھ خدا نے مجھے بھیجا ہے' اس کی مثال تیز بارش کی سی ہے جو برسی ایک قطعہ زمین پر جو اس کے پانی سے سیراب ہوئی اور اس میں بہت سا ہرا بھرا سبزہ اُگا اس نے پانی جمع کر لیا جس سے خدا نے آدمیوں کا بھلا کیا۔ انہوں نے پیا' اس سے کھیتی کی' آب پاشی کی لیکن دوسری قطعہ زمین ایسی نکلی کہ نہ اس نے اپنے اندر پانی روکا اور نہ اس نے سبزہ پیدا کیا۔

پہلے قطعہ زمین کی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے دین الٰہی میں مہارت حاصل کی اور میری لائی ہوئی ہدایت سے فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے خود علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا۔ اور دوسری قطعہ زمین ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے نہ میری ہدایت قبول کی نہ اس سے کوئی فائدہ اٹھایا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پُرنور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ' جواہر اور دھات کی کانوں کی طرح ہیں جو جاہلیت میں اچھے تھے وہی اسلام میں اچھے ہیں اگر علم سے آراستہ ہو جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا' اس امت کے عالم دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جسے خدا نے علم بخشا اور اس نے بے دریغ لوگوں کو سکھایا۔ اس پر نہ سونا چاندی لیا نہ کوئی اور بدلہ چاہا۔ ایسے عالموں کے لیے آسمان کے پرند' زمین کے چرند' پانی کی مچھلیاں اور کراماً کاتبین سبھی دعا کرتے ہیں۔ اور دوسرا وہ گروہ ہے جسے خدا نے دولت علم عطا فرمائی مگر اس نے خدا کے بندوں سے بخل کیا۔ اس پر سونا' چاندی لیا اور دنیاوی نفع کا خواہش مند ہوا تو ایسا عالم قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے منہ میں آتشیں لگام پڑی ہوں گی۔

اسلام میں پاپائیت نہیں

اس کا مطلب سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ دین اسلام کے بارے میں' قرآن وسنت کے بارے میں' بانیان دین کے بارے میں کہنے' لکھنے' پرچار وتبلیغ کرنے کا حق یا ذمہ داری صرف اور صرف کسی ایک مخصوص گروہ' طبقہ یا تعلیمی معیار (مثلاً دینی جامعیات یا مدارس کے پڑھے لوگ یا مساجد کے خطیب) کو ہی حاصل نہیں ہے۔ یہ سب بنی نوع انس و جاں کا دین ہے۔ یہ کائنات کا دین ہے۔ یہ قیامت تک کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ اس پر لکھنے کہنے' بولنے پر چار وتبلیغ کرنے کا حق وذمہ داری ہر اس شخص پر ہے جس میں خوف خدا رچا بسا ہو جو اس سے پہلے بیان کردہ قرآنی آیات کے مطابق عالم ہو' عقلمند ہو۔ جسے لکھتے وقت بھی یہ فکر دامن گیر رہے کہ میں نے اس کے (لکھے ہوئے' کہے ہوئے) لیے علیم وخبیر قادر مطلق حاکم الحاکمین کے سامنے اکیلے جوابدہ ہونا ہے۔ جو دنیاداری نام ونمود کے لیے نہ لکھ رہا ہو' کہہ رہا ہو اور اسے ہر وقت یہ احساس ہو کہ اگر میں غلط لکھوں گا' کہوں گا تو میرا انجام جہنم ہے۔

میں اب اس کی وضاحت قرآنی آیات' اسوہ حسنہ' احادیث اور چند اولیا اللہ کی مثالوں سے کروں گا اور امید ہے کہ انشاء اللہ میری بات آپ کے دل میں اتر جائے گی۔

اللہ چاہے تو تمہاری جگہ اور لے آئے

سورۃ نساء آیت 133 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے۔

ترجمہ "اے لوگو وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور اوروں کو لے آئے اور اللہ کو اس کی قدرت ہے۔"

سورۃ توبہ آیت 39 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد یوں ہے۔

ترجمہ "اگر کوچ نہ کرو گے تو تمہیں سخت سزا دے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔"

سورۃ انعام آیت 133 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد یوں ہے۔

ترجمہ "اور اے محبوب تمہارا رب بے پرواہ ہے' رحمت والا۔ اے لوگو! وہ چاہے تو تمہیں لے جائے

اور جسے چاہے تمہاری جگہ لے آئے۔''

سورۃ ھود آیت 57 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد پاک یوں ہے۔

ترجمہ''اور میرا رب تمہاری جگہ اوروں کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔''

سورۃ ابراہیم آیت 19 میں فرمان حاکم الحاکمین یوں ہے۔

ترجمہ''کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان اور زمین حق کے ساتھ بنائے۔ اگر چاہے تو تمہیں لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے۔''

سورۃ محمد آیت 38 میں رب العالمین کا فرمان یوں ہے۔

ترجمہ''اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج اور اگر تم منہ پھیرو تو وہ تمہارے سوا اور لوگوں کو بدل دے گا' پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔''

سورۃ فاطر آیت 16

ترجمہ''وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے۔''

مندرجہ بالا تمام آیات مبارک کا مطلب ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ' خالق و مالک' کائنات' قادر مطلق کسی خاص گروہ یا شخص سے کوئی خاص یا اہم کام لینے کے لیے مجبور نہیں ہے۔ وہ تو خالق و مالک کائنات ہے۔ اگر ہم وہ کام نہیں کریں گے جس کا اس نے ہمیں اہل بنایا ہے تو وہ ہمیں ایسے لوگوں سے بدل سکتا ہے' ہماری جگہ ایسے لوگ' ایسی مخلوق لا سکتا ہے جو وہ کام پورے شوق اور دیانتداری سے کریں گے۔ وہ تو قادر مطلق ہے یعنی کہ ہر کچھ کر دینے پر ہمہ وقت قادر ہے۔ (وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر) وہ تو ''کلمہ کن'' کا مالک ہے۔ بھلا ناکارہ لوگوں کو کارآمد لوگوں سے بدل دینا اس کے لیے کوئی کام ہے؟

ان آیات مبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں یہی سمجھا رہے ہیں کہ میرے بندو میں تم سب کا' تمام کائناتوں کا رب ہوں' خالق و مالک و پروردگار ہوں۔ تم اپنی اپنی ذمہ داری' اخلاقی ذمہ داری میرے محبوب کے اتباع کے مطابق نبھاؤ اور میرے محبوب (رسول کریم ﷺ) کو اپنے اتباع' محبت اور محبت بھرے نیک اعمال سے خوش کرو' میری بھی خوشی اسی میں ہے۔ اپنے نبی (ﷺ) کی خوشنودی حاصل کرو' میری خوشنودی تمہیں خود بخود حاصل ہو جائے گی۔

اور اگر تم میں سے کوئی فرد' گروہ' قوم وہ کام نہ کرے جس کے لیے میں نے انہیں علم' دولت' صحت' سہولت وذرائع وغیرہ دیئے ہیں اور اس کام کا ہونا میری مشیت میں ہے تو میں تو ''کلمہ کن'' کا مالک ہوں' ہر وقت ہر کچھ کرنے پر قادر ہوں۔ میں وہ کام ایسے لوگوں سے لوں گا جو بظاہر تمہیں اس کام کے اہل' اس کام کے قابل نہیں لگیں گے اور میں تو سب کا خالق و مالک ہوں۔ میرے پاس تو ہر کچھ کے خزانے ہیں اور وہ خزانے ہمیشہ بھرے پڑے رہتے ہیں۔ میں نے جس سے کام لینا ہوگا میں اسے عقل' سمجھ' دانائی' حکمت' عزم و ہمت صحت وذرائع

بھی دے دوں گا۔ اسے میری خوشنودی بھی حاصل ہوگی اور میں دنیا اور آخرت میں اسے سرفراز کروں گا' عزت دوں گا۔

مذکورہ بالا تمام آیات مبارک پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہے کہ دین اسلام میں پاپائیت نہیں ہے۔ ان سب آیات مبارک کا مفہوم یہی ہے کہ جب کوئی جماعت' گروہ' قوم یا شخص وہ کام نہیں کرے گا جس کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے اہل بنایا ہے اور اس کام کا ہونا مشیت ایزدی میں ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ وہ کام کسی ایسی جماعت' گروہ' قوم یا شخص سے لے لے گا جو بظاہر اس کا اہل نہیں ہوگا۔

اب اس سے متعلق کچھ جگ بیتی اور آپ بیتی پیش خدمت ہے۔ امید ہے کہ ان سے آپ میرے نقطہ نظر کو بہت اچھی طرح سمجھ جائیں گے اور آپ میرے ہم خیال بن جائیں گے۔

جناب سید ریاض حسین شاہ صاحب اپنی کتاب ''تبصرہ سورۃ یٰسین'' کے حرف ''اعتراف'' میں رقمطراز ہیں:

''یہ بھی ٹھیک ہے کہ تبصرہ لکھنے والے نے خاصا زمانہ مشاہیر علماء کے جوتے اٹھائے لیکن سند لے کر جب بازار علم میں قدم رکھا تو حاملان علم و دانش کی خودساختہ رسوم نبھانا خاصی دشوار محسوس ہوئیں۔ تو فیصلہ یہی کیا کہ انجان ہونے کی منزل تلاش کی جائے۔ اب تو بس متاع آخرت' ہیچ نمی دانم' ہی قرار دے دی گئی ہے۔ سیاست میں اترا تو دنیا پرستی سے وفا ممکن نظر نہ آئی۔ لکھنا شروع کیا تو مروجہ صحافت کی زرنگاریوں تک رسائی بال ہما ثابت ہوئی۔''

یہ تو جناب سید ریاض حسین شاہ صاحب کی کسر نفسی ہے ورنہ وہ تو ہر لحاظ سے ایک جید عالم ہے۔ اچھے خاصے تعلیم یافتہ اور خوف خدا میں مبتلا کر دینے والے ہیں اور وہ تو سامعین کو بھی خوف الٰہی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ ان کا اس طرح کے تلخ تجربہ سے دوچار ہونا مجھے بہت برا لگا۔ شاید ان کا یہ فقرہ یا الفاظ ''سند لے کر جب بازار علم میں قدم رکھا تو حاملان علم و دانش کی خودساختہ رسوم نبھانا خاصی دشوار محسوس ہوئیں۔'' کو پڑھ کر میں بھول جاتا اور میرے دل و دماغ میں یہ فقرہ پیوست نہ ہوتا لیکن اس کے پڑھنے سے چند ماہ پہلے میں خود بھی ایسے حوصلہ شکن رویئے کی ایک مختصر سی جھلک دیکھ چکا تھا۔ اس لیے محترم شاہ صاحب کے یہ الفاظ مجھے دکھی کر گئے اور میرے دل و دماغ میں چپک کر رہ گئے۔

جناب کرنل محمد انور مدنی صاحب بھی ایک پڑھے لکھے شائستہ مہذب انسان ہیں۔ وہ ایم اے عربی ہیں اور فوج میں مختلف علوم و قیادت کا انہیں خوب تجربہ ہے۔ وہ ایک عرصہ سے دین اور بانیان دین کی محبت میں تبلیغ دین متین و اصلاح معاشرہ کے لیے لکھ رہے ہیں اور اب تک وہ بیسیوں چھوٹی بڑی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ وہ جو کتابیں لکھتے ہیں' انہیں اپنے ذرائع و محنت سے چھپواتے ہیں اور مستحق لوگوں کو دور دراز تک کے علاقوں میں پہنچاتے ہیں۔

پچھلے دنوں ''علماءِ حق'' نے ان کی ایک کتاب میں چند ایک غلطیوں یا غلط اندازِ تخاطب کی نشاندہی کی تھی اور ماہنامہ ''رضائے مصطفیٰ'' میں اصلاح کے لیے ایک قسم کی وارننگ بھی درج تھی جس کے ردعمل میں کرنل صاحب نے اپنی خامی وکوتاہیوں کے بارے میں اقرار کرلیا اور انہیں دور کرنے کا وعدہ بھی کرلیا اور پہلی فرصت میں وہ غلطیاں دور کردیں اور بذریعہ ماہنامہ ''رضائے مصطفیٰ'' اپنے قابلِ اعتراض نامناسب الفاظ و انداز کی معافی بھی مانگ لی۔

''علماءِ حق'' کی طرف سے غیر معیاری لکھے جانے پر پکڑ' گرفت بالکل درست ہے اور ''رضائے مصطفیٰ'' کی جھاڑ ونصیحت بالکل بجا ہے۔ دین ومذہب میں احتیاط واصلاح کے لیے یہ بہت ضروری ہے لیکن غیر معیاری علماء کا اپنے مفاد کی خاطر ایسی باتوں کو ایشو بنالینا اچھی بات نہیں ہے۔

جناب محمد انور مدنی کے معافی مانگ لینے کے باوجود ''پیر قسم کے علماء'' نے بات کا بتنگڑ بنا دیا اور کرنل صاحب کی تعلیم پر بھی اعتراض کیا بلکہ دینی درسگاہوں کے فارغ التحصیل علماء کے مقابلہ میں اسے ان پڑھ تک کہہ دیا اور قرآن وسنت اور بانیانِ دین کے احترام سے عاری قرار دے دیا۔ صد افسوس کہ یہ باتیں ان لوگوں نے کیں جو دنیا پرست ہونے کے باوجود اپنے آپ کو عالم کہلواتے ہیں۔ مریدوں سے ہدایہ ورقوم اپنے عیش و آرام کے لیے وصول کرتے ہیں اور دین اور بانیانِ دین کی عزت وناموس کی بات ہو یا ضرورت پڑ جائے (جیسا کہ ان دنوں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک کو مسمار کرنے کی مذموم جسارت کی گئی۔) تو یہ خاموش ہو جاتے ہیں' لاتعلق ہو جاتے ہیں جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہیں یا بانیانِ دین کی عزت و ناموس ہی نہیں ہے کہ اس کی بارے میں متفکر ہوا جائے۔

اس بارے میں میرا اپنا تجربہ بھی کوئی خوشگوار نہیں ہے لیکن میری خوش قسمتی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان کہ میں تنہائی پسند ہو گیا ہوں اور گمنامی کی زندگی گزارنا چاہتا ہوں (میں صرف محمود ساقی اور کرنل محمد انور سے ملتا ہوں اور وہ بھی سال میں ایک دو دفعہ) ایک تو میں خود ہی بہت کم ملتا ہوں اور دوسرے مجھے اس موصوف عالم کے علاوہ جو علماء بھی ملے وہ اچھے ہی ملے ہیں۔ سب مدد ومعاون ثابت ہوئے اور خوشدلی سے میری رہنمائی فرمائی۔ ہوا یوں کہ میں اپنے مخصوص حالات وخواہش کے سبب اپنی دونوں کتابیں ''نورِ قرآن کی روشنی میں'' اور ''پیارے رسول ﷺ کا پیار'' کسی مخیّر ادارہ یا مخیّر حضرات سے چھپوانا چاہتا تھا۔ اس غرض سے میں ایک نوجوان عالمِ دین کے پاس ریلوے روڈ پر ملنے' گزارش کرنے گیا۔ ان کا ریلوے روڈ لاہور پر اپنا چھاپہ خانہ اور دفتر تھا یا وہ ان دنوں کسی مخیّر ادارے کی طرف سے چھاپہ خانہ کے انچارج تھے' ذمہ دار تھے۔ اس سے پہلے وہ میری دونوں کتابوں کو نظر سے گزار چکے تھے۔ جب میں نے ان سے خواہش کا اظہار کیا تو وہ حضرت یوں گویا ہوئے۔

''لکھا تو بہت اچھا اور معیاری ہے لیکن آپ تو ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں اور کسی دینی مدرسہ یا درسگاہ سے تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ اس لیے میں آپ کی کتابیں نہیں چھاپ سکتا۔''

اس سے پہلے کبھی بھی میرا ''مولانا حضرات'' سے کوئی قابل ذکر رابطہ نہیں رہا تھا یا ان سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ میں تو انہیں اپنے خیال و تصور میں ہمدرد و رہنما ہی سمجھتا تھا' دیکھتا تھا اور اپنی اس خوش فہمی کے سبب اس مولانا کے ہاتھوں اپنی کتابوں کے چھپ جانے کے لیے بہت پرامید تھا۔ اسی لیے میں خوش خوشی مولانا صاحب کے پاس ریلوے روڈ پر پہنچا۔

لیکن ریلوے روڈ والے مولانا جناب م ش مجددی صاحب نے مندرجہ بالا الفاظ کہہ کر حتمی فیصلہ سنا دیا کہ تم تو ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہو' تمہارا لکھا ہوا تو مستند نہیں ہے' قابل اشاعت نہیں ہے یعنی بالفاظ دیگر اس نے مجھے یہ کہہ دیا کہ تمہیں تو دین متین اور بانیان دین کے بارے میں لکھنے' کہنے تبلیغ کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔

ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ دنیا کے تمام علوم قرآن حکیم سے نکلتے ہیں۔ قرآن حکیم کی سورۃ حج آیت 70' سورۃ قمر آیت 53' سورۃ رعد آیت 39 اور کئی دوسری آیات مبارک کے مطابق اس میں (قرآن حکیم میں) کائنات کی ہر شے کا علم ہے۔ قرآن حکیم میں جمادات' حیوانات' نباتات' ارضیات' نفسیات' جن وانس' زمین و آسمان' سورج چاند ستاروں وغیرہم کا ذکر ہے اور بار بار ذکر ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کسی کو ہدایت دے تو جس کا دنیا کے دیگر علوم' کیمسٹری' فزکس' بیالوجی' باٹنی' زوالوجی' علم نباتات' حیوانات' جمادات ارضیات' علم الابدن' انسانی فزیالوجی' نفسیات' آسٹرولوجی' فضاء' زمین و آسمان' سورج چاند ستاروں کے علوم وغیرہم میں جتنا علم زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ بہتر طریقے سے' انداز سے' گہرائی سے اور مقابلتاً کاملیت کے ساتھ قرآن حکیم کی آیات مبارک کو' قرآن حکیم کو سمجھے گا' سمجھ سکے گا۔ یعنی کہ دیگر علوم قرآن حکیم کی حقانیت کو حکمت کو سمجھنے میں بہت مدد و معاون ہیں۔ یقینی طور پر ان کے لیے جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ ہدایت دے۔

اور اب میں قارئین کرام کے علم و فائدہ کے لیے اپنے بارے میں کہتا ہوں۔ خالق و مالک' کائنات اللہ تبارک و تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے مجھے علم نباتات' علم حیوانات' کیمسٹری' فزکس بی ایس سی تک پڑھنے کی توفیق دی اور اس کے بعد ایم بی بی ایس میں علم الابدان' فزیالوجی' علم شرعی' نفسیات' علم ادویات یا فارماکالوجی اور دیگر متعلقہ مضامین بہت تفصیل سے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اور پھر اس کے بعد مجھے ایوی ایشن میڈیسن (طب' فضا) پڑھنے کا موقع عطا فرمایا جو کہ زمین سے اوپر فضا کا علم ہے۔ یہی نہیں اللہ بارک تعالیٰ نے مجھے مِگ اور میراج (لڑاکا ہوائی جہاز) میں بھی اڑنے کا موقع دیا کہ میں بہت بلندی سے زمین کو گول دیکھوں اور کائنات میں موجود غیر مرئی طاقتوں (جی۔ فورسز G. FORCES) اور ہوا کے دباؤ میں کمی و زیادتی کے اثرات' بیرومیٹرک پریشر پرابلمز (BAROMETRIC PRESSOR PROBLEMS.) دیکھ سکوں' محسوس کر سکوں۔

میں اپنے اللہ اور رسول کو حاضر ناظر جان کر بصد شوق و خوشی سچ کہہ رہا ہوں کہ میرے قرآن حکیم کو سمجھنے

میں‘ اللہ تبارک وتعالیٰ کو پہچاننے میں‘ پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ آل رسول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شانوں‘ عظمتوں‘ رفعتوں کو دیکھنے‘ سمجھنے میں نوے فیصد ان ہی مضامین‘ درس و تدریس و تعلیم کا ہاتھ ہے۔

مجھے یہ لکھ دینے میں کوئی عار نہیں ہے کہ اگر میں نے مندرجہ بالا مضامین نہ پڑھے ہوتے‘ مندرجہ بالا تعلیم حاصل نہ کی ہوتی اور میں نے کسی دینی مدرسہ یا جامعہ سے صرف دینی تعلیم ہی حاصل کی ہوتی تو یقیناً میں کنویں کا مینڈک ہوتا کہ جس کی ساری دنیا ہی صرف وہی ایک کنواں ہوتا ہے اور کنویں سے بڑی کوئی چیز تالاب‘ نہر‘ جھیل‘ دریا‘ اور سمندر نہ ان کے علم میں ہوتا ہے اور نہ وہاں کی وسعت و زندگی ان کے تصور میں آ سکتی ہے۔

علم سے اللہ کی پہچان ہوتی ہے‘ علم عقل کو پرواز دیتا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ علم حاصل کرو چاہے اس کے کے حصول کے سلسلہ میں تمہیں بہت دور جانا پڑے۔

لغات کی رو سے یا زبان دانی کی رو سے ہر علم میں مہارت یا اعلیٰ درجہ حاصل کرنے والے کو اس کا عالم کہا جاتا ہے چاہے وہ کوئی بھی علم ہو۔ ہماری نافہمی یا بدقسمتی کہ ہم نے اس لفظ کو دینی تعلیم کے لیے مخصوص کر دیا ہے یا بے علمی میں مخصوص کرتے جا رہے ہیں جب کہ ان کے لیے عالم کے بجائے ”عالم دین“ کے الفاظ کا استعمال ہونا چاہیے۔

ہمیں دینی درسگاہوں سے فارغ التحصیل لوگوں کا بہت احترام ہونا چاہیے اور قوم کو احترام ہے بھی لیکن نہ تو ہر دینی درسگاہ معیاری ہے اور نہ ہی ہر فارغ التحصیل شخص عالم دین بن سکتا ہے۔

قرآن حکیم کی رو سے عالم کی تعریف آپ گزشتہ باب میں پڑھ آئے ہیں۔

عالم تو وہی ہوتا ہے یا ہوگا جو قرآن حکیم میں بتائی ہوئی خاصیت یا خصوصیات کا حامل ہوگا جو خدا سے ڈرے اور خدا سے ڈرنے والا۔

1- کسی سے نہیں ڈرتا۔

2- سب کا احترام و عزت کرتا ہے۔

3- اپنے آپ کو سب سے کم تر جانتا ہے۔

4- دنیا داری سے بچتا ہے‘ دنیا کے جھگڑوں سے چھپتا ہے۔

5- حاکم و نوکر‘ غریب و امیر سے یکساں حق کہتا ہے اور برملا کہتا ہے۔

6- افسروں‘ حاکموں کی خوشامد نہیں کرتا نہ ان کے پاس غیر ضروری جاتا ہے۔

7- اللہ کے سوا کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔

8- ہر ایک کی مدد کا خواہاں ہوتا ہے‘ کسی سے مدد نہیں لیتا۔

9- قرآن و سنت کی بالادستی اور احترام و عظمت بانیان دین کے بارے میں لکھنے والے انہیں سب سے زیادہ پیارے اور محترم ہوتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کی فراخدلی‘ خوشدلی سے مدد و حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

10- تلاوت ونماز کے دوران ان کی آنکھیں اکثر نم ہوتی ہیں۔

11- قیامت کے ڈر سے روز حساب کے ڈر سے (اللہ کے ڈر سے) وہ شب و روز چھپ چھپ کر روتے ہیں۔ اپنے رب کے سامنے گریہ وزاری کرتے ہیں۔

ویسے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی دین ہے عطا ہے جسے چاہے دے دے اور جتنا چاہے دے دے اور جس طرح چاہے دے دے۔ دینی درسگاہوں کی معرفت دے دے بغیر کسی خاص دینی تعلیم کے دے دے۔ پڑھا کے دے دے بغیر پڑھے دے دے۔ یہ رب کائنات رب العالمین سب کے خالق و مالک قادر مطلق کی حکمت ہے شان ہے اور وہ ہر آن ایک نئی شان میں ہوتا ہے۔

وہ بالکل ان پڑھ کو دے دے دھوبی کو دے دے موچی کو دے دے ریڑھی بان کو دے دے۔ رب کی شان ہے کہ جب وہ دیتا ہے تو پانے والا ان پڑھ آدمی بھی جب بات کرتا ہے تو سننے والوں کے اور خاص طور پر اہل معرفت کے چودہ طبق روشن کر دیتا ہے۔

آیئے اب چند ایسی معزز ومحترم ہستیوں کے بارے میں بہت مختصر سا پڑھیں جن میں سے دو شخصیات نے کسی دینی یا دنیاوی مدرسہ یا درسگاہ سے تعلیم حاصل نہ کی تھی اور تیسرے نے باوجود اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کسی دینی درسگاہ یا مدرسہ کی زیارت تک نہ کی تھی لیکن پھر بھی یہ مقدس ہستیاں شخصیات ایسی ہیں جو صدیوں میں بلکہ کئی صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور ہزاروں سالوں کے لئے ظلمت و گمراہی کے اندھیرے راستوں کو نور ہدایت قرآن وسنت کے نور سے منور کر دیتے ہیں کہ دکھی انسانیت کی بھلائی و رہنمائی ہوتی رہے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی 1102ھ

سلطان العارفین کے روئیں روئیں سے عرفان الٰہی کے انوار پھوٹتے تھے آپ نبی اُمی ﷺ کے اُمی ولی ہیں۔ آپ ولی اللہ ہیں آپ جس منزل پر تھے وہاں جو تعلیم و تربیت حاصل ہوتی ہے وہ مدرسوں کالجوں یونیورسٹیوں سے نہیں ملتی۔ آپ نے کوئی ظاہری علم حاصل نہیں کیا۔ علم لدنی جو حاصل ہوا وہ فرش و عرش کے ادراک سے مالا مال تھا۔ اسی علم کی روشنی میں آپ نے فارسی زبان میں ایک سو چالیس کتابیں لکھیں۔ ابیات باہو کا ایک ایک بند ایک ایک لفظ ''ھو'' کی گونج میں اس لیے ڈوبا ہوا ہے کہ آپ ''ھو'' بن چکے تھے یعنی کہ ذات واحد میں اپنی ذات کو ضم کر چکے تھے۔

حضرت وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1323ھ

آپ فرمایا کرتے تھے کہ سب سے بڑی فقیری یہ ہے کہ مر جائے مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے۔ فقیر وہ ہے جس کے پاس سوائے خدا کے کچھ نہ ہو۔ ایمان خدا کی محبت کا نام ہے۔ خدا تم میں ہے مگر اسے دیکھ نہیں سکتے۔ (حدیث مبارک ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے اللہ کو پہچانا) آپ نے بھی مدرسوں

سکولوں سے تعلیم حاصل نہیں کی لیکن علم لدنی سے وہ کلام لکھا کہ نہ جانے وہ کب تک ایم اے پنجابی یا اس میں پی ایچ ڈی کے لیے نصاب آخر رہے گا۔

حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ متوفی 1357ھ

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سچے عاشق اور ساری ملت اسلامیہ کے بہی خواہ' پوری ملت کا درد اپنے دل میں رکھنے والے علامہ محمد اقبال پیدائشی ولی تھے مگر جب تک روحانی موڑ نہ آیا (جب تک مشیت ایزدی نے چاہا) بے خبری کے عالم میں رہے اور آپ کی اس دور کی شاعری دنیا سے ہی مربوط ہے اور جب آپ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوئے تو ساری دنیا کو پس پشت ڈال دیا۔ آپ کا کلام الہامی کلام ہے جو قرآن وسنت و عظمت و احترام بانیان دین کی گہرائیوں سے پھوٹتا ہے۔ آقائے دوجہاں کا نام آتا تو آپ پر ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے۔ الحمد للہ کہ آپ کا نام وشہرت ساری دنیا میں منور ہے۔ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کی خصوصی نصرت اور بانیان دین کی توجہ کے بغیر ایسا خوبصورت جامع کلام ممکن ہے؟

ان تینوں معزز ومحترم ہستیوں کے کلام میں جو مٹھاس' روانی' صداقت و گہرائی اور عروج فنِ کلام ہے اس کا مقابلہ دینی درسگاہوں کے فارغ التحصیل عالم کبھی بھی نہیں کر سکتے۔ اب تک تو کوئی ظاہر نہیں ہوا ہے شاید کئی صدیوں بعد ہو۔

حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے جس انداز' خوبصورتی اور قوم کے لیے امت مسلمہ کے لیے درد ولگاؤ سے جامع کلام لکھا وہ سورج کی طرح عیاں ہے اور اندھیرے دلوں میں سورج کی طرح ہی روشنی ڈالتا ہے' بجھے دل منور کرتا ہے۔ آپ اپنی تاریخ' اسلام کی تاریخ کو کھنگال ڈالیں اور دیکھیں کہ اس طرح کا دین اور بانیان دین سے محبت کرنے والا شاعر کب پیدا ہوا تھا اور پھر یہ خود اندازہ لگا لیں کہ اس معیار کا شاعر اب کب پیدا ہوگا؟

شاید ان تینوں کے اپنے اپنے میدان میں کئی صدیوں بعد کوئی ہم پلہ پیدا ہو سکے' شاید ہی!

یہ میں نے مندرجہ بالا جو چند صفحات لکھے ہیں اس کے لکھنے یا کہنے میں میرا صرف یہ مقصد ہے کہ میں بتلا دوں اور اچھی طرح سمجھا دوں کہ ہمارے دین میں' دین و مذہب میں پاپائیت کی گنجائش نہیں ہے۔ ہمارے دین میں پاپائیت نہیں ہے یا ہمیں پوپ والا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں پاپائیت کی طرف قدم نہیں بڑھانا چاہیے۔ یہ ہمارے دین کے لیے نہیں ہے۔

اس دین نے' سنت وشریعت نے' قرآن حکیم نے اسوہ حسنہ نے قیامت سے کچھ عرصہ پہلے تک یعنی کہ عرف عام میں قیامت تک بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے رہنا ہے۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی کھوٹے کھرے کو جدا کرتے رہنا ہے تاکہ ایک نیک راہ کا تعین رہے اور حق سے حق پرستی سے رابطہ نہ

ٹوٹے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا معزز و محترم شخصیات کا عالم اور عالم دین ہونا ظاہر ہے اور مزید ظاہر ہوتا جائے گا۔ ان کے عقیدت مندوں میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا اور اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے پردہ فرما جانے کے بعد بھی ان کا اقبال بلند کرتا رہے گا۔

حضرت سلطان باہو' حضرت وارث اور حضرت علامہ اقبال جیسے اولیاء اللہ کا ظاہر ہونا (یعنی کہ جو اولیاء اللہ اپنی زندگی میں کتابیں وغیرہ لکھ دیتے ہیں اور پھر ان کا کلام پڑھ کر ہر سننے والے کو یہ معلوم دے کہ یہ کلام کسی عام آدمی کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ کلام خاص عطیہ خداوندی ہے اور عام آدمی کی سوچ' انداز' فکر و غور' سمجھ سے بہت بہت بالاتر ہے) اس بات کی دلیل ہے کہ پاپائیت ہمارے دین میں اپنے پاؤں نہیں جما سکتی۔

ستم ظریفی کہ ایسے علماء قدغن (پابندی' روک) بھی انہیں ہی پر لگاتے ہیں جو کسی وجہ سے ان کی رائے لیتے ہیں یا انہیں پوچھ لیتے ہیں ورنہ غیر معیاری لکھنے والے کتنے زیادہ ہیں اور خاص طور پر قرآن و اُسوۂ حسنہ اور بانیانِ دین کے بارے میں غیر معیاری لکھنے والوں کی بھرمار ہے۔ میں یہاں کس کس کا نام لوں۔

1- مولانا ابوالکلام آزاد	کتاب	شہید اعظم
2- محمد ادریس فاروقی	کتاب	سیرت حسین رضی اللہ عنہ
3- محمود عباسی	کتاب	خلافت معاویہ
4- مولوی سلیمان	کتاب	عادات بنو امیہ
5- ابن تیمیہ	کتاب	حسین و یزید

یہ کتابیں نئی تو نہیں ہیں۔ صد افسوس کہ پورے ملک میں ان کا ردّ لکھنے والا کوئی نہیں ہے اور جو لکھنے والے ہیں ہمارے علماء ان کے راستہ میں روڑے اٹکاتے ہیں' حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ نہ خود کام کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔

یہ جو میں نے ایک سے پانچ تک نام لکھے ہیں۔ یہ بھی بڑے بڑے القاب رکھتے ہیں اور عالم دین کہلاتے ہیں۔ کہیں آپ بھی اسی طرح کے عالم دین تو نہیں؟

جیسا کہ میں نے گزارش کی ہے کہ یہ لکھنے والے نئے نہیں ہیں لیکن ہمارے علماء دین خاموش تماشائی بن کر بیٹھے ہیں۔ ان کتابوں میں ایسے ایسے اہانت آمیز' غیر معیاری الفاظ' فقرے' خیالات ہیں کہ اُن کو پڑھ کر عالم دین تو کیا عام محب اسلام و بانیانِ دین کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے لیکن ہمارے عالموں میں ان کا رد لکھنے کی' حق لکھنے کی توفیق ہمت و علم نہیں ہے یا شاید اس لیے کہ وہ عالم دین نہیں ہیں یا وہ اس سے بھی بہت اہم کسی اور اصلاح میں مصروف کار ہیں۔ ہمارے عالم جو صحیح معنوں میں عالم یا عالم دین ہوتے ہیں وہ تو محبانِ قرآن و سنت و بانیانِ دین قسم کے لوگوں کی خوب مدد کرتے ہیں' بڑی فراخدلی سے معاونت کرتے ہیں اور الحمدللہ ان کی بھی کمی نہیں ہے۔

علماء دین کو چاہیے کہ محبانِ قرآن وسنت و بانیانِ دین کی غلطیوں' کوتاہیوں سے درگزر تو نہ کریں۔ ہاں (البتہ) جب آگاہ کریں تو شفقت ومحبت سے کوتاہیوں کی نشاندہی کریں اور ان کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھائیں۔ آخر تو وہ دین' بانیانِ دین کی عظمت' رفعت وحرمت کے لیے ہی لکھتے ہیں۔ اپنے اس عظیم ورثہ کی حفاظت کس نے کرنی ہے؟ یہ لوگ اپنے آپ کو دین' بانیان کی عظمت' حرمت کو اجاگر کرنے کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں اور اس کے لیے دن رات محنت کرتے ہیں۔ اگر آپ یہ کام نہیں کر سکتے تو انہیں کرنے دیں اور ان کی اصلاح ومدد کریں۔

ایسے لکھنے والے تو کسی خطاب' تنخواہ یا اجرت شہرت کے طلبگار نہیں ہوتے کہ آپ ان سے جلیں یا حسد کریں۔ وہ تو دنیاداری کی دوڑ میں شامل نہیں ہیں۔ ان کا صلہ تو ان کے رب کے ذمہ ہوتا ہے۔ یہ تو کسی تقریب' فنکشن' دعوت وغیرہ میں بلانے پر بھی نہیں جاتے نہ ہی ان کے کوئی سیاسی عزائم ہوتے ہیں۔ راقم الحروف نے تو ماضی کی بھرپور زندگی گزاری ہے اور زندگی کے ہر پہلو سے بہت ہی زیادہ خوش ومطمئن ہے اور اپنے رب کا ہمہ وقت شکر گزار ہے کہ اس نے اتنی مزیدار' خوشگوار مکمل مسرور کن' مطمئن' باصحت' باعزت وپروقار زندگی دی۔ اب مجھے کوئی چاہت وحاجت نہیں ہے۔ نہ دولت کی' نہ شہرت کی' نہ اولاد وجنس کی' نہ پیٹ بھرنے کی حتیٰ کہ غیر ضروری طویل زندگی کی بھی خواہش نہیں ہے۔ راقم الحروف تو اب تنہائی اور فقر کو پسند کرتا ہے جو کہ گمنامی کی راہ ہے یعنی کہ گمنام ہو جانا چاہتا ہے اور علماء حق کی رائے' اصلاح ومدد کا ہر وقت طالب ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀❀

نور و ظلمت

سورۃ بقرہ آیت 257

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُھُمُ الطَّاغُوْتُ لا یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ○

ترجمہ "اللہ والی ہے مسلمانوں کا' انہیں اندھیروں سے نور (اجالے) کی طرف نکالتا ہے اور کافروں کے حمایتی شیطان ہیں وہ انہیں نور (اجالوں) سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں۔"

سورۃ حدید آیت 9

ھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖٓ اٰیٰتٍ م بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَاِنَّ اللّٰہَ بِکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○

ترجمہ "وہی ہے کہ اپنے بندہ پر روشن آیات اتارتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے اجالے کی طرف لے جائے۔"

سورۃ حدید آیت 28

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ وَیَغْفِرْ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

ترجمہ "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو' اس کے رسول پر ایمان لاؤ' وہ اپنی رحمت کے دو حصے (دوگنا اجر) تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے نور کر دے گا جس میں چلو اور تمہیں بخش دے گا۔"

سورۃ طلاق آیت 11

رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا قَدْ اَحْسَنَ اللّٰہُ لَہٗ رِزْقًا ○

ترجمہ ”وہ رسول کہ تم پر اللہ کی روشن آیتیں پڑھتا ہے تاکہ انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے انہیں اندھیروں میں سے اجالے کی طرف لے جائے۔“

آپ ﷺ بشر، نور، حجت، دلیل، برہان، ہدایت، نصیحت و رحمت ہیں

سورۃ مائدہ آیت 15

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَـكُمۡ كَثِيۡرًا مِّمَّا كُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ الۡكِتٰبِ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ؕ قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ ۙ

ترجمہ ”اے اہل کتاب، بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی وہ باتیں، چیزیں جو تم نے کتاب میں چھپا ڈالی تھیں اور بہت سی معاف فرماتے ہیں۔ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا ہے اور روشن کتاب۔“

سورۃ توبہ آیت 32

يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّطۡفِــئُوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَيَاۡبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنۡ يُّتِمَّ نُوۡرَهٗ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ ۙ

ترجمہ ”چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ نہ مانے گا مگر اپنے نور کا پورا کرنا، چاہے برا مانیں کافر۔“

سورۃ نور آیت 35

اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ؕ مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ فِيۡهَا مِصۡبَاحٌ‌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِىۡ زُجَاجَةٍ‌ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوۡكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَةٍ مُّبٰـرَكَةٍ زَيۡتُوۡنَةٍ لَّا شَرۡقِيَّةٍ وَّلَا غَرۡبِيَّةٍ ۙ يَّـكَادُ زَيۡتُهَا يُضِىۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ‌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰى نُوۡرٍ‌ ؕ يَهۡدِى اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ وَيَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ‌ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۙ

ترجمہ ”اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے، وہ چراغ ایک فانوس میں ہے، وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے، موتی سا چمکتا۔“

سورۃ احزاب آیت 46

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيۡرًا ۙ

ترجمہ ”اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور (آپ ہیں) چمکا دینے والا آفتاب۔“

سورۃ صف آیت 8

يُرِيۡدُوۡنَ لِيُطۡفِئُوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوۡرِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ ۙ

ترجمہ ”چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں (منہ) سے بجھا دیں اور اللہ کو اپنا نور پورا کرنا ہے،

چاہے برا مانیں کافر۔"

قرآن نور، برہان، حجت، دلیل، نصیحت و ہدایت رحمت ہے

سورۃ نساء آیت 174

ترجمہ"اے لوگو بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن، واضح نور اتارا۔"

سورۃ انعام آیت 157

ترجمہ"تو تمہارے پاس تمہارے رب کی روشن دلیل اور ہدایت اور رحمت آئی۔"

سورۃ اعراف آیت 157

ترجمہ"تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا، تو وہی لوگ بامراد فلاح پانے والے ہوئے۔"

سورۃ یونس آیت 57

ترجمہ"اے لوگو تمہارے پاس رب کی طرف سے نصیحت آئی اور دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لیے (ماننے والوں کے لیے)"

سورۃ شوریٰ آیت 52

ترجمہ"اور یونہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی اپنے حکم سے، ایک جاں فزا چیز، اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل۔ ہاں ہم نے اسے نور کیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں سے جسے چاہتے ہیں۔"

دنیا کا نور، روشنی، اجالا، ہدایت

سورۃ رعد آیت 16

ترجمہ"تم فرماؤ کیا برابر ہو جائیں گے اندھا اور وہ جو بینا (دیکھتا) ہے یا کیا برابر ہو جائیں گے اندھیرے اور اجالا۔"

سورۃ ابراہیم آیت 1

ترجمہ"کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری کہ (آپ) تم لوگوں کو اندھیروں سے اجالے میں لاؤ، ان کے رب کے حکم سے اس کی راہ کی طرف جو عزت والا، سب خوبیوں والا ہے۔"

سورۃ نور آیت 40

ترجمہ"اندھیرے ہیں ایک پر ایک، جب آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو وہ دکھائی دیتا معلوم نہ ہو اور جسے

اللہ نور نہ دے اس کے لیے کہیں نور نہیں۔''

سورۃ زمر آیت 22

ترجمہ ''تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے' وہ اس جیسا ہو جائے گا جو سنگدل (پتھر دل) ہے' تو خرابی ہے ان کی جن کے دل یاد خدا کی طرف سے سخت ہو گئے ہیں۔''

سورۃ زمر آیت 69

ترجمہ ''اور زمین جگمگا اٹھے گی اپنے رب کے نور سے اور رکھی جائے گی کتاب (اعمال نامہ) اور لائے جائیں گے انبیاء اور یہ نبی گواہ ہوں گے' لوگوں میں سچا' صحیح فیصلہ فرما دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔''

سورۃ حدید آیت 13

ترجمہ ''جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں' ایمان والوں (جنتی لوگوں) سے کہیں گے کہ ہمیں ایک نظر دیکھو کہ ہم تمہارے نور سے کچھ حصہ لیں' کہا جائے گا پیچھے لوٹو' وہاں نور ڈھونڈو۔''

سورۃ حدید آیت 19

ترجمہ ''وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائیں' وہی ہیں کامل' سچے اور دوسروں پر گواہ اپنے رب کے یہاں' ان کے لیے ان کا ثواب اور ان کا نور ہے۔''

دنیا میں اللہ اور رسول کریم ﷺ کے نور کا مطلب ہے

دنیا پہ نور

دنیا میں بنی نوع انسان کی انفرادی' اجتماعی' گھریلو' خاندانی' دینی' مذہبی' معاشی' معاشرتی' سماجی زندگی میں نور لانے کے لیے یعنی کہ دنیا پہ نور کے لئے مختصراً درج ذیل احکام' نصیحتیں و ہدایات برائے عمل ہیں اور یہ سب ہی قرآن حکیم سے ماخذ ہیں۔ مجھے یہاں نور کے بارے میں سمجھانا مقصود ہے نہ کہ بنیادی عقائد کی تعلیم دینا' اس لیے میں تفصیل یا باریکیوں میں نہیں جاؤں گا اور آپ بھی درج ذیل کو یہی مدنظر رکھ کر پڑھیں۔

1- اللہ کو وحدہ لاشریک' سب کا خالق' مالک' پروردگار' قادر مطلق ماننا۔

2- خاتم النبیین ﷺ کا اتباع کرنا۔

3- قرآن حکیم کے ہر لفظ کو حق و منجانب اللہ جاننا اور ماننا۔

4- تمام رسولوں' انبیاء کرام اور آسمانی کتابوں کا حق جاننا۔

5- آخرت' یوم حساب' قیامت' جنت دوزخ' جزا و سزا پر یقین رکھنا۔

6- اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا' تکبر نہ کرنا۔

7- سچ بولنا اور جھوٹ سے بچنا۔

8- نیکی کی ترغیب دینا اور برائی سے منع کرنا۔

9- حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھنا۔

10- عبادت گاہوں سے نہ روکنا' عبادت گاہوں کا احترام کرنا۔

11- سچی گواہی دینا' گواہی نہ چھپانا۔

12- حدود اللہ کی پابندی کرنا' اللہ کا شکر گزار ہونا۔

13- پرہیز گاری اختیار کرنا اور بے حیائی سے بچنا۔

14- انصاف اور حق کی بات کرنا۔

15- فضول خرچی سے بچنا اور خیر' خیرات کرنا۔

16- اللہ اور رسول کا حکم ماننا۔

17- اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا۔

18- معاف کر دینا بہتر ہے' بدلہ لینا ہو تو انصاف سے لے۔

19- دنگا فساد نہ کرنا' حق تلفی سے بچنا۔

20- سب کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آنا۔

21- سب کے ساتھ بھلائی کرنا اور خصوصاً والدین کے ساتھ۔

22- یتیموں' ناداروں' مسافروں' مسکینوں کا خیال رکھنا۔

23- ہمہ وقت اللہ کا احسان ماننا اور شکر گزار ہونا۔

24- ناپ تول پوری کرنا اور حق نہ مارنا۔

25- راہ خدا میں شوق سے خرچ کرنا۔

26- عورتوں' بچوں' بوڑھوں کا احترام کرنا۔

27- رشتوں کا احترام کرنا' قرابت داری کا خیال رکھنا۔

28- دکھاوا نہ کرنا' شیخی' تکبر' غرور' اترانے سے گریز کرنا۔

29- معاہدہ' وعدہ' قول کو نبھانا۔

30- نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' روزے رکھنا۔

31- کھلے اور چھپے اللہ کی عبادت کرنا۔

32- اللہ کی طرف رجوع کرنا' اللہ کو بہت یاد کرنا۔

33- عاجزی وانکساری کو اپنانا۔

34- مسکین کو کھانا کھلانا' دینا' گردن چھڑانا۔

35- انبیاءِ کرام کے نام ادب واحترام سے لینا۔

36- سید المرسلین' خاتم النبیین پر درود وسلام بھیجنا۔

37- خوف یوم حساب' روز قیامت' دوزخ کا جاں گزین ہونا۔

38- احترام انسانیت ہونا اور اللہ سے مستقل ڈرنا۔

اور اسی طرح کی تمام نیک وصالح عادات' اچھی باتیں اور اعمال وغیرہم۔

مندرجہ بالا کا کرنا دنیا پہ نور لانا ہے' اللہ کی رحمتیں اور اس کے نور سے دنیا کو' دنیاوی زندگی کو روشن کرنا ہے اور ان کا نہ کرنا' دنیا کو' دنیاوی زندگی کو اندھیروں میں گھرے رہنے دینا ہے۔

یعنی کہ مندرجہ بالا کے تحت کا طرز زندگی نور ہے' روشنی ہے اور اس کے برخلاف جو زندگی گزرتی ہے وہ بذات خود گمراہی (ضلالت) اندھیروں (ظلمت) اور اندھیر نگری کی زندگی ہے۔

سورۃ زمر آیت 69

ترجمہ ''اور زمین جگمگا اٹھے گی اپنے رب کے نور سے۔''

اس آیت مبارک میں بات تو اس زمین کی ہو رہی ہے جس پر روز حساب ہمیں جمع ہونا ہے اور اپنے رب کے حضور اکیلے اکیلے حاضر ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہے لیکن جہاں تک اللہ اور اس کے نبی کریم' سراجِ منیر ﷺ کے نور کا تعلق ہے اس نور نے ہماری زمین کو بھی اسی طرح جگمگایا ہوا ہے۔ (آپ ﷺ اور خلفائے راشدین' خلیفۃ الرسول کریم کے دور میں ہر سو نور ہی نور بکھرا ہوا تھا) اور جگمگا تا رہے گا' منور کیے رہے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے مطابق فخر انسانیت' پیغمبر اول وآخر واعظم حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی مبارک میں معاشرے کو قرآنی ہدایات رہنمائی وتعلیم دی اور آپ ﷺ نے خود ان احکام وہدایات پر عمل کر کے عوام کو دکھایا۔ نتیجتاً 23 سال کی قلیل مدت میں سماجی' سیاسی' معاشرتی' انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بے شمار خوشگوار' مسرور کن' راحت بخش' رحمتوں بھری تبدیلیاں لے آئے اور پھر یہ تبدیلیاں' خوشگوار تبدیلیاں ترقی پذیر رہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے کافی بڑے حصہ پر نور پھیلا دیا۔ تحفظ آرام وسکون وراحت کی روشنی کر دی۔

دنیا پر اندھیر کا مطلب

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اعلان نبوت فرمانے سے پہلے ہر سو معاشرے میں کیا کیا تھا؟ انفرادی' اجتماعی زندگی میں کیا تھا؟ کیسی تھی؟ ان سب ہی برائیوں کا قرآن حکیم میں ذکر ہے یعنی کہ یہ سب ہی قرآن سے ماخذ ہیں۔

1- حق ناحق میں تمیز نہ تھی، حق تلفی عام تھی۔
2- چوری، ڈاکہ، زنا، معیوب نہ تھا، اس لیے
3- پیٹ بھرنے کے لیے بے انتہا مشقت، بردہ فروشی، جسم فروشی عام تھی۔
4- کمزور اور غریبوں کے گھر بار بیوی بچے محفوظ نہ تھے۔
5- شراب نوشی اور جوا معیوب نہ تھا۔ اس میں لوگ بیوی بچے تک ہار جاتے تھے۔
6- رشتوں کا احترام نہ تھا، ماں بہن پھوپھی سے جنسی تعلقات معیوب نہ تھے۔
7- پہلے مذاہب اپنی خوبیاں و اثر کھو چکے تھے، اس لیے معاشرہ بے لگام تھا۔
8- ایک اللہ کو بھول کر، چھوڑ کر بے شمار خدا بنا لیے تھے۔ شرک عام تھا۔
9- بتوں کی پوجا اور شرک میں بے شمار قبیح رسم و رواج تھے، قربانیاں دی جاتی تھیں۔ بچیوں کو کہیں کہیں زندہ بھی درگور کر دیا جاتا تھا۔
10- غریب اور کمزور کا کوئی پرسان حال نہ تھا، نہ ٹھکانہ نہ کھانا۔ وہ مال داروں، جتھے والوں یعنی طاقتوروں کی خدمت میں ہی زندگی گزار دیتے تھے۔
11- عورت کا احترام تھا نہ مقام، وہ صرف جنس کے لیے تھی۔
12- طاقتور، مال دار کسی بھی غریب عورت پر ہاتھ ڈال دیتے تھے۔
13- باہمی لڑائی جھگڑا عام تھا اور قبیلوں یا مختلف خاندانوں میں لڑائی، دشمنی، پشت در پشت چلتی تھی۔ قتل و غارت گری عام تھی۔
14- اچھی زمین جائیداد مال مویشی طاقتور، جتھے دار کا حق تھا۔
15- طاقتور، جتھے دار غریبوں کو قتل کر کے ان کے مال مویشی، عورتوں کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیتے تھے۔
16- بتوں کی پوجا پات اور شرک اور قبیح رسم و رواج عام تھے۔
17- بہت کم لوگ دین ابراہیمی پر بھی کاربند تھے۔ ان کا تناسب آٹے میں نمک کے برابر تھا۔
18- قبائل عصبیت نے حق کو مٹا دیا تھا، دبا دیا تھا۔
19- جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا دور دورہ تھا۔

قصہ مختصر معاشرہ کیا تھا؟ ہر طرف ناانصافی، حق تلفی، بے راہ روی، ظلم وستم کا دور دورہ تھا۔ سارا معاشرہ ہی اندھیر نگری تھا۔ اس معاشرہ و ماحول پر یہ مثل صادق آتی تھی کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔

قرآن حکیم کی رو سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان کے مطابق مندرجہ بالا صفات (بری صفات) کا حامل معاشرہ ضلالت وظلمت والا معاشرہ تھا۔ ظلمت، اندھیروں، اندھیر، اندھیرے کا نام ہے۔ ضلالت، گمراہی، بے راہ روی کو کہتے ہیں۔ انہی ہی بری صفات میں ملوث معاشرہ کو اندھیروں میں گھرا ہوا کہا گیا ہے اور یہی اندھیروں

میں گھرنا ہے۔

آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت، کوشش، محنت و محبت نے دیکھتے ہی دیکھتے ہر سو دور دور تک نور پھیلا دیا، روشنی کر دی۔ آیئے دیکھتے ہیں وہ نور یا روشنی کیا تھی؟ کیا ہے؟

آپ ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد امت مسلمہ کی باگ ڈور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنبھالی اور آپ رضی اللہ عنہ کے انتقال فرما جانے کے بعد مملکت اسلامیہ کی باگ ڈور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنبھالی۔ مسلمانوں کے وہ خلیفہ ہوئے، امیر المومنین ہوئے، خلیفۃ الرسول ہوئے۔ یوں تو خلفائے راشدین کا دور عروج کا ہی دور تھا بلکہ اسلامی مملکت کی حدیں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے آخری دنوں تک وسعت پذیر ہی رہیں۔

اور ایسا دور اور خاصا طویل دور جس میں زندگی کے ہر پہلو میں انسانی قدریں عروج پر رہیں، معاشی، سیاسی، معاشرتی، سماجی، انفرادی اور اجتماعی زندگی اس قدر باعزت، پرسکون، خوبصورت و خوشحال و مسرور کن رہی کہ نہ اس دور کی اس زمین پر، ہماری اس پوری کائنات میں، اس سے پہلے اتنی بڑی آبادی اور اتنی بڑی مملکت (جس کی ہر طرف ہزاروں میل تک سرحدیں پھیلی ہوئی تھیں) کی کوئی مثال ملتی ہے اور نہ اس کے بعد اس کا مقابلہ ممکن ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلامی تعلیم کے مطابق جو مملکت قائم ہوگی اس کا معاشرہ ایسا ہوگا کہ "اکیلی عورت ملک شام کے مقام حمیر سے چل کر باحفاظت، بے خوف و خطر ملک یمن کے شہر صنعا پہنچ جائے گی"

اس حدیث مبارک میں مختلف راویوں نے شہروں یا مقامات کے نام مختلف لکھ دیئے ہیں اس لئے میں اس کی کچھ وضاحت کردوں تو بہت مناسب ہوگا۔ اس حدیث مبارک کا مفہوم یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے تحت جو مملکت قائم ہوگی اس میں انسانی نظام زندگی و معاشرت وغیرہ میں امن و سکون کا یہ عالم ہوگا کہ ہزاروں میل کے طویل و پرخطر راستوں کو ایک تنہا عورت بھی بے خوف و خطر بحفاظت طے کر سکے گی، اس کے مال و جان کے لئے کوئی انسانی خطرہ نہیں ہوگا۔

الحمد للہ کہ اعلان نبوت کے ربع صدی بعد ہی معاشرہ سے تمام برائیاں ختم ہو گئیں، بالکل غائب ہو گئیں۔ برائیوں کی جگہ اچھائی اور بھلائیوں نے لے لی۔ معاشی، معاشرتی، سماجی اور سیاسی خوشحالی سب کو ملی اور اس قدر ملیں کہ پوری امت میں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ رہا۔ زکوٰۃ کے لیے لوگوں کو ڈھونڈنا پڑتا تھا اور کہنا پڑتا تھا کہ آپ زکوٰۃ لے لیں تو اچھا ہے اور جو اتفاق کر لیتے، ان تک زکوٰۃ پہنچا دی جاتی تھی۔ خوشحالی و پرسکون زندگی کے سبب لوگوں کو زکوٰۃ لینے کی طلب نہ رہی۔

خبر گیری، خیر خواہی، عزت و احترام و حفاظت اور باہمی بھائی چارہ کا یہ حال تھا کہ مہینوں خواتین اور بچے تنہا اپنے گھروں میں رہتے تھے (کیونکہ صحابہ کرام اور ان کے اٹھارہ سال سے زائد عمر کے لڑکے تو آپ ﷺ کی

زیر قیادت اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے لیے ہمیشہ ہی جہاد کے لیے تیار رہتے تھے اور اکثر جہاد پر ہوتے بھی تھے) اور انہیں کوئی پریشانی' شکوہ شکایت نہ ہوتا تھا۔

امن' سکون' خوشحالی اور امیر المومنین کی طرف سے ہر ایک کی دیکھ بھال خور ونوش کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر میرے دور خلافت میں دریائے نیل کے کنارے (یعنی کہ مجھ سے بہت دور بھی اسلامی مملکت میں کہیں بھی) ایک کتا بھی بھوک سے مر گیا تو میں اپنے اللہ کو' رب العالمین کو روز حشر کیا جواب دوں گا۔ الحمد للہ وہ مملکت کیا ہی فلاحی مملکت تھی کہ ہر کسی کو امن' سکون' خوشحالی اور عزت حاصل تھی۔ کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ تھا۔

جن آیات مبارک کا ذکر اس کتاب کے اسی باب میں چند صفحے پہلے ''دنیا کا نور' روشنی' اجالا' ہدایت'' کے تحت کر چکا ہوں اور ان کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ بھی بنی نوع انسان کے لیے اس دنیا پہ یہی نور' یہی روشنی پھیلی ہوئی دیکھنا چاہتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی یہی نور یہی روشنی پھیلانے کا ارشاد فرمایا' جس کو آپ ﷺ نے سو فیصد پورا کر دیا۔

بشر و نور

نور و بشر کے معاملہ میں کچھ لوگ اپنی نادانی کے سبب حدود اللہ سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ اس لیے میں اس معاملہ کو حقیقت کے مطابق کچھ تفصیل سے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں' سمجھانا چاہتا ہوں۔ ویسے میں بتا دوں کہ ایسے مسائل یا معاملات کا تعلق ہمارے جیسے عام لوگوں کے لیے ایمان بالغیب سے ہے' اعمال سے نہیں ہے اور یہ سچ ہے کہ آپ سے اس زندگی کے بعد عالم برزخ میں یا روز حساب یہ نہ پوچھا جائے گا کہ نبی انور ﷺ نور تھے یا بشر تھے؟

ہاں! آپ سے یہ پوچھا جائے گا کہ کس نبی کی امت ہو؟ نبی کا نام پاک کیا ہے؟ اس کے دین کا نام کیا ہے؟ اور سب سے اہم سوال جو ہم جیسے ایمان والوں سے' مسلمانوں سے پوچھا جائے گا وہ یہ کہ تمہارے نبی نے تمہیں جو عبادت' اطاعت اور اس دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے جو طریقے بتائے' جو ہدایت' حکم ونصیحت کی کیا تم نے اسی طرح سے کیا یا اس سے ہٹ کر عمل کیا؟ یعنی کیا آپ نے خوشی وشوق سے پرخلوص اتباع نبی کریم ﷺ کیا یا نہیں؟ اس لیے آپ اس بحث میں نہ پڑیں کہ نبی ﷺ نور تھے یا بشر تھے۔ بس آپ پرخلوص اتباع کریں۔ اسی نے آپ کو فائدہ دینا ہے۔ سمجھانے کی خاطر میں درج ذیل تفصیل یا تشریح بیان کر رہا ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ خالق و مالک کائنات' علیم وخبیر نے جہاں قرآن حکیم میں (سورہ کہف آیت 115' سورہ حم سجدہ آیت 6) آپ ﷺ کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ

بظاہر تمہیں نظر آنے میں' تمہارے دیکھنے میں' بشری شکل وصورت میں'' تو میں (حضرت محمد رسول اللہ

ﷺ) تمہیں جیسا ہوں۔'' اس کے فوراً بعد بلکہ اس کے ساتھ ہی اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ' انبیاء کرام اور باقی بنی نوع انسان کے درمیان ایک بہت ہی نمایاں فرق' ذمہ داری' رابطہ خاص یعنی کہ ''وحی'' کا ذکر فرما دیا ہے۔

فوراً بعد یا اس کے ساتھ ہی دونوں آیات مبارک میں ایک نمایاں فرق کو بیان کر دینے کا' ہمیں بتا دینے کا یا ہمیں یہ فرما دینے میں رب کائنات' علیم وخبیر کا مقصد یہی ہے کہ وہ اپنے بندوں پر' باقی بنی نوع انسان پر یہ واضح کر دے کہ یہ بظاہر تو تم ہی جیسا بشر یا آدمی ہے لیکن حقیقت میں یہ تم جیسا نہیں ہے۔

اسی لیے اس بارے میں علماء حق سے گزارش گزار ہوں کہ ان آیات مبارک کے ترجمہ میں ان الفاظ ''بظاہر تمہارے دیکھنے میں' بظاہر تمہیں لگتا ہے' بظاہر تمہیں نظر آتا ہے'' کا استعمال کریں اور ایسا کرنا یہ بالکل صحیح ہوگا۔ اس آیت مبارک کا ترجمہ درج ذیل کے مطابق ہونا چاہیے کہ ہر کوئی رب العالمین کے فرمان کو آسانی سے سمجھ سکے اور عوام الناس گمراہ کن خیالات وبات سے بچ سکیں جو کہ کامیاب آخرت کے لیے ضروری ہے۔

لیجئے اس بارے میں قرآن حکیم کی جو آیات مبارک ہیں' انہیں پڑھیے۔

سمجھانے کی خاطر دونوں آیات کے ترجمہ میں الفاظ فرق کر دیئے ہیں جب کہ مفہوم ایک ہی ہے۔

سورۃ کہف آیت 110

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

ترجمہ ''آپ فرمائیں کہ بظاہر صورت بشری میں تو میں تم ہی جیسا ہوں' مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔''

سورۃ حٰم سجدہ آیت 6

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

ترجمہ ''تم فرماؤ بظاہر آدمی ہونے میں تو میں تمہارے جیسا ہوں' مجھے وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔''

کہ مجھ پر بشری اعراض وامراض طاری ہوتے ہیں اور صورت خاصہ میں کوئی بھی آپ ﷺ کا مثل نہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو حسن وصورت میں بھی سب سے اعلیٰ وبالا کیا اور حقیقت وروح وباطن کے اعتبار سے تمام انبیاء اوصاف بشر سے اعلیٰ ہیں۔ جیسا کہ شفاء قاضی عیاض میں ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ انبیاء علیہ السلام کے اجسام وظواہر تو حد بشریت پر بنائے گئے اور ان کے ارواح وبواطن بشریت سے بالا اور ملاء اعلیٰ سے متعلق ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے سورۃ والضحیٰ کی تفسیر میں فرمایا کہ آپ کی بشریت کا وجود اصلاً نہ رہے اور غلبہ انوار حق آپ پر علی الدوام حاصل ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات وکمالات میں آپ ﷺ کا کوئی بھی

مثل نہیں۔اس آیت کریمہ میں آپ کو اپنی ظاہری صورت بشریہ کے بیان کا اظہار تواضع کے لیے حکم فرمایا۔
کسی کو جائز نہیں کہ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کو اپنے مثل بشر کہے کیونکہ جو کلمات اصحاب عزت وعظمت بہ طریق تواضع فرماتے ہیں۔ان کا کہنا دوسروں کے لیے روا نہیں ہوتا۔دوئم یہ کہ جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فضائل جلیلہ ومراتب رفیعہ عطا فرمائے ہوں اس کے ان فضائل ومراتب کا ذکر چھوڑ کر ایسے وصف عام سے ذکر کرنا جو ہر کہہ ومہہ میں پایا جائے ان کمالات کے نہ ماننے کا مشعر ہے' نہ ماننے کے برابر ہے۔سوئم یہ کہ قرآن کریم میں جا بجا کفار کا طریقہ کار بتایا گیا ہے کہ وہ انبیاء کو اپنے مثل کہتے تھے اور اسی سے گمراہی میں مبتلاء ہوئے۔پھر اس کے بعد آیت مبارک کے الفاظ یُوْحٰی اِلَیَّ (مجھے وحی کی جاتی ہے) میں حضور پُرنور سید المرسلین ﷺ کے مخصوص بالعلم اور مکرم عند اللہ ہونے کا بیان ہے۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے دوران تبلیغ دین متین مشرکین وکفار کو یوں سمجھایا۔
اے قوم مشرکین مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس لیے بشری صورت میں جلوہ نما فرمایا ہے کہ ظاہر میں میں دیکھا بھی جاتا ہوں' میری بات بھی سنی جاتی ہے اور میرے درمیان بظاہر کوئی جنسی مغایرت (بظاہر فرق) بھی نہیں ہے تو تمہارا یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ میری بات نہ تمہارے دل تک پہنچے نہ تمہارے سننے میں آئے اور تمہارے درمیان کوئی روک ہو۔بجائے میرے کوئی غیر جنس جن یا فرشتہ آتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ نہ وہ ہمارے دیکھنے میں آئیں' نہ ان کی بات سننے میں آئے نہ ہم ان کے کلام کو سمجھ سکیں۔ہمارے ان کے درمیان تو جنسی مخالفت ہی بڑی روک ہے لیکن یہاں تو ایسا نہیں کیونکہ میں بشری صورت میں جلوہ نما ہوا ہوں تو تمہیں مجھ سے مانوس ہونا چاہیے اور میرے کلام کے سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی بہت کوشش کرنا چاہیے کیونکہ میرا مرتبہ بہت بلند ہے اور میرا کلام بہت عالی ہے۔اس لیے میں وہی کہتا ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے۔اور میرا فرمانا خالصتاً اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحی ہے۔

فائدہ: حضور انور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کا بلحاظ ظاہر اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ فرمانا حکمت ہدایت وارشاد کے بطریق تواضع ہے اور جو کلمات تواضع کے لیے کہے جائیں وہ تواضع کرنے والے کے علو منصب ہونے کی دلیل ہوتے ہیں۔چھوٹوں کا ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا اس سے برابری ڈھونڈنا ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے تو کسی امتی کو روا نہیں کہ وہ اپنے جیسا بشر کہے' جانے یا سمجھے۔

یہاں میں نے واضح تو یہ کرنا ہے کہ انبیاء کرام پر جو وحی کا نزول ہوتا ہے یا وحی آتی ہے' ہوتی ہے۔وہ کوئی آسان کام یا پیغام وتعلیم لینا نہیں ہے۔احادیث میں بیان کے مطابق وحی کا نزول یا آنا یہ بہت بھاری اور توانائی نچوڑ دینے والا ہوتا ہے۔یہ وضاحت چند ایک احادیث مبارک سے ہو جاتی ہے لیکن قارئین کرام کے علم کی خاطر یہاں پہلے وحی کی اقسام بھی لکھ دی ہیں تاکہ وحی کے بارے میں تشنہ لبی نہ رہے۔
وحی کا مشکل' بھاری یا توانائیاں نچوڑ لینے والی ہونے کے بارے میں ایک ہی مثال میرے ذہن میں

آ رہی ہے لیکن اس مثال کو جہاں بیان کرنا آسان ہے وہیں اس میں یہ مشکل ہے کہ اسے قارئین کرام کو سمجھانا اتنا ہی مشکل ہے کیونکہ بہت کم لوگ اس تجربے سے گزرتے ہیں اور اس سے گزرے بغیر اس کام کا بھاری، مشکل اور توانائیاں نچوڑ لینے والا سمجھ میں نہیں آئے گا۔ وہ مثال ہے فائٹر پائلٹ کا فائٹر جہاز کا اڑانا۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ آپ کو سمجھ نہیں آئے گا لیکن مجبوری ہے اور کوئی مثال نہیں ملتی کہ میں آسانی سے سمجھا سکوں۔ میں یہ بتا دوں کہ ہوائی جہاز (P.I.A وغیرہ) کے سفر اور فائٹر پائلٹ کا فائٹر جہاز کے اڑانے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ فائٹر پائلٹ کی آدھے گھنٹے کی اڑان میں اڑانے والے پائلٹ یا ساتھی پائلٹ کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ جیسے اس نے لگاتار دو تین گھنٹے بہت مشقت کا کام کیا ہو۔ اڑان کے دوران جی فورسز (G.Forces) کے سبب اس پر اتنا بوجھ، دباؤ یا زور پڑتا ہے کہ خدا کی پناہ۔ وہ تو جی سوٹ (G-Suit) اور مخصوص تربیت کی وجہ سے کامیاب اڑان کرتا ہے ورنہ عام آدمی 4G لگنے سے ہی فوری بے ہوش جاتا ہے (دماغ تک خون ہی نہیں پہنچ پاتا) اور اڑان کے بعد دو تین دن تک اس کے جسم کا درد اور تھکان ختم نہیں ہوتے۔ یہ غیر مرئی طاقتیں انسان کی قوت برداشت سے کہیں زیادہ ہوتی ہیں۔ ان کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے خصوصی کرم کے بغیر برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

وحی کی اقسام

اب میں سلسلہ بیان سے ذرا ہٹ کر پہلے وحی کی اقسام ذکر کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ رسالت کا مصدر اور دعوت حق کی کمک ہے۔ اور ساری بنی نوع انسان سے انبیاء کرام، حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا یہ خصوصی امتیاز ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے وحی کے حسب ذیل مراتب ذکر کیے ہیں:

1- سچا خواب: اسی سے نبی ﷺ کے پاس وحی کی ابتدا ہوئی۔

2- فرشتہ آپ ﷺ کو دکھائی دیئے بغیر آپ کے دل میں بات ڈال دیتا تھا۔ مثلاً نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''روح قدس نے میرے دل میں یہ بات پھونکی کہ کوئی نفس مر نہیں سکتا یہاں تک کہ اپنا رزق پورا پورا حاصل کرلے۔ پس اللہ سے ڈرو اور طلب رزق میں اچھائی اختیار کرو اور رزق کی تاخیر تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اسے اللہ کی معصیت (نافرمانی) کے ذریعے تلاش کرو کیونکہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی اطاعت کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔''

3- فرشتے حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے لئے آدمی کی شکل اختیار کرکے آپ ﷺ کو مخاطب کرتا ہے۔ پھر جو کچھ کہتا ہے اسے آپ ﷺ یاد کر لیتے۔ وحی مبارک کی اس صورت میں کبھی کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی فرشتے کو دیکھتے تھے۔

4- آپ ﷺ کے پاس وحی گھنٹی کے ٹن ٹنانے کی طرح آتی تھی' وحی کی یہ سب سے سخت صورت ہوتی۔ اس صورت میں فرشتہ آپ ﷺ سے ملتا تھا اور وحی آتی تھی تو سخت جاڑے کے زمانے میں بھی آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ پڑتا تھا اور آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوتے تو وہ وحی کے سبب زمین پر بیٹھ جاتی۔ ایک بار اس طرح وحی آئی کہ آپ ﷺ کی ران حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ران پر تھی' تو ان پر اس قدر گراں بار ہوئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ ران کچل جائے گی۔

5- آپ ﷺ فرشتے کو اس کی اصلی اور پیدائشی شکل میں دیکھتے تھے اور اسی حالت میں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حسب مشیت آپ ﷺ کی طرف وحی کرتا تھا۔ یہ صورت آپ ﷺ کے ساتھ دو مرتبہ پیش آئی جس کا ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ النجم میں فرمایا ہے۔

6- وہ وحی جو آپ ﷺ پر معراج کی رات نماز کی فرضیت وغیرہ کے سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس وقت فرمائی' جب آپ ﷺ آسمانوں کے اوپر تھے۔

7- فرشتے کے واسطے کے بغیر اللہ تبارک وتعالیٰ کی آپ ﷺ سے حجاب میں رہ کر براہ راست گفتگو جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تھی۔

نزول وحی کی کیفیت

امام احمد ترمذی' نسائی وغیرہ نے بہ سند جید حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور پُرنور رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو ہم شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی مانند آواز سنا کرتے۔

(سیرت ابن کثیر جلد 1 صفحہ 422)

شیخین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس وحی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور وحی کا یہ انداز میرے اوپر سب سے زیادہ گراں گزرتا ہے اور جب یہ کیفیت ختم ہوجاتی ہے تو میں اسے یاد کر چکا ہوتا ہوں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ انسانی شکل میں آکر مجھ سے کلام کرتا ہے تو میں اس کے کلمات کو یاد کر لیتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کو سخت سردی کے دن اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی اور جب یہ کیفیت ختم ہوتی تھی تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک سے پسینہ اس طرح بہتا تھا جیسے فصد لگائی گئی ہو۔ (بخاری جلد 1 صفحہ 6۔ مسلم کتاب الفضائل' مسند احمد جلد 7 صفحہ 366)

ابن عساکر نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وحی کے نزول کے وقت کچھ دیر کے لیے آپ ﷺ پر غنودگی سی طاری ہوجاتی تھی۔ (ابن ہشام جلد 2 صفحہ 258)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نزول وحی کے وقت بے چین ہو جاتے اور چہرہ متغیر ہو جاتا تھا۔ یہ کیفیت ایک دو مرتبہ پیش نہیں آئی بلکہ جب بھی وحی آتی تھی آپ ﷺ کی یہی کیفیت ہوتی تھی اور بدن اطہر پسینے سے تر ہو جاتا تھا۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو ہم میں سے کسی کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ آپ ﷺ پر نظر ڈال سکے۔

(سیرت ابن کثیر جلد 1 صفحہ 423-424۔ ابن ہشام جلد 2 صفحہ 257)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری ران پر آپ ﷺ کا سر مبارک تھا۔ اسی حالت میں ایک چھوٹی سی آیت غیر اولی الضرر (سورہ نساء آیت 95) نازل ہوئی۔ اس وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میری ران ٹوٹ رہی ہو۔

(بخاری جلد 3 صفحہ 87' مدارج النبوۃ جلد 1 صفحہ 56)

امام احمد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نزول وحی کے وقت حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اگر اونٹنی پر سوار ہوتے تو وحی کے بوجھ سے اونٹنی اپنی گردن ڈال دیتی تھی۔

(مسند احمد جلد 7 صفحہ 170)

❀❀❀❀❀❀❀❀

نور و بشر

اللہ تبارک وتعالیٰ کے سب پیغمبر انسان تھے اور حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ افضل ترین انسان کامل ہیں۔ انبیاء کرام دیکھنے، رہنے سہنے میں ہماری ہی طرح کے انسان ہوتے ہیں لیکن جس طرح ان کا منصب وفرائض ہم سے بہت مختلف، ان کا اللہ تبارک وتعالیٰ اور مخلوق خدا خاص طور پر انس و جاں کے درمیان رابطہ کی کڑی ہونا، ان کے فرائض، ذمہ داریاں، فرائض کی ادائیگی اور تکمیل باقی سب سے بہت مختلف اور شکر وصبر، ہمت و توکل اللہ، مصائب و اذیت برداشت کرنے کا حوصلہ اور عزم وغیرہ جس طرح انہیں ہم سے بہت زیادہ اور مختلف دیئے جاتے ہیں اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ ان کا ظاہری جسم، روح، انوار، صلاحیت، سب کچھ ہی اسی تناسب سے بناتا ہے، دیتا ہے۔

یعنی کہ انبیاء کرام ہماری طرح کے نظر آتے ہوئے بھی ہماری طرح کے نہیں ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ بے پناہ جسمانی روحانی خصوصیات دیتا ہے جن کا ہمیں ادراک نہیں ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس میں شک نہیں ہونا چاہیے کہ انبیاء کرام ہماری طرح کے ہوتے ہوئے بھی ہماری طرح کے نہیں ہوتے ہیں۔ وہ ہماری طرح کے لگتے ہیں، ہماری طرح کے ہوتے نہیں۔

اپنی اس بات کو واضح کرنے کے لیے میں یہاں ایک مثال دے رہا ہوں۔ ایک بہت ماہر مجسمہ ساز نے ایک ہی فرمہ سے ایک بالشت کی لمبائی یا اونچائی کے متناسب، متوازن، خوبصورت بہت سارے ایک جیسے انسانی مجسمے بنائے۔ مجسمے بنانے میں اس نے لکڑی، پلاسٹک، شیشہ، لوہا اور پیتل کا علیحدہ علیحدہ استعمال کیا اور ہر ایک سے سو سو مجسمے بنائے یعنی کہ اس طرح کل پانچ سو مجسمے بنائے۔

اس نے سب مجسموں کی اونچائی، موٹائی، چوڑائی اور ساری بناوٹ یعنی کہ جسامت، ناک، آنکھ وغیرہ ایک جیسے بنائے اور کمال، مہارت سے سارے مجسموں پر ایک ہی جیسا رنگ کر دیا۔ آپ سمجھ لیں کہ ہمارے گندمی نکھرے ہوئے رنگ کی طرح بالکل انسانی جلد جیسا رنگ کر دیا اور اس مجسمہ ساز نے ان سب کو بڑے شوکیس میں سجا دیا کہ دیکھنے والے انہیں صرف دیکھ سکیں۔ دیکھنے والوں کو نمائش کے دلدادہ لوگوں کو مجسموں کو چھونے اور باہر نکال کر دیکھنے کی اجازت نہ تھی بلکہ صرف شوکیس میں رکھے ہوؤں کو دیکھنا تھا اور مجسمہ ساز کے ایک سوال کا

جواب دینا تھا۔

مجسمہ ساز نے نہ جانے کیوں صریحاً غلط بیانی کی اور وہ اس طرح کہ اس نے شوکیس کے اوپر ہی موٹا موٹا' نمایاں لکھ کر لگا دیا "یہ سارے مجسمے مٹی کے بنے ہیں۔ ان پانچ سو مجسموں میں سے صرف ایک مجسمہ مٹی کا نہیں ہے۔ سارے شہر کے نمائش دیکھنے والو! کوئی ہے جوان مجسموں کو صرف دیکھ کر یہ بتا دے کہ ان میں وہ فلاں ایک مجسمہ مٹی کا نہیں ہے اور اس کے بدلے میں ایک کروڑ روپے انعام پائے۔ جو بھی صحیح بتا دے گا اس کے لیے ایک کروڑ روپے انعام ہے۔" عرصہ تک کوئی بھی جواب نہ دے سکا' عرصہ تک وہ نمائش لگی رہی۔ پھر بھی کوئی نہ بتا سکا بلکہ مجسمہ ساز کی سو فیصد اس غلط بیانی کو "کہ سب مجسمے مٹی کے بنے ہوئے ہیں" سب نے سچ مان لیا۔

آپ میری بات سمجھ گئے ہیں ناں؟ کوئی انسانی آنکھ ایسی نہیں جو پردے کے پیچھے' رنگ کے نیچے مجسموں کی اصلیت کو جان سکے' میرے بھائی! یہ تو انسانی پردہ کا کمال ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جو پردہ ڈالے تو اس کے کمال کیا ہوں گے؟ یہ تو صرف اس پردہ (رنگ) کا کمال ہے۔ جو ہمارے ہی جیسے انسان نے ان پر چڑھا دیا' ڈال دیا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جو پردے ڈالے تو ان کا کیا کمال ہوگا؟ خوب سوچئے کہ انسان بہتر پردہ ڈال سکتا ہے یا وہ جس نے انسان کو بنایا ہے۔ مالک کائنات خلاق العظیم وخلاق العلیم جو پردے ڈالے گا ان کے نیچے یا پیچھے کی حقیقت کوئی بھی اور کبھی بھی نہ جان سکے گا۔

اس ضمن میں کہ ہماری آنکھ کیا دیکھ سکتی ہے اور کیا نہیں' درج ذیل مثال حاضر ہے۔ امید ہے یہ بھی ہماری سمجھ میں اضافہ کرے گی۔

سونے (وہ دھات جس سے زیور بنتے ہیں) کی درج ذیل اقسام ہیں۔

24 قیراط بالکل خالص سونا ہوتا ہے۔

22 قیراط اس میں اندازاً دس فیصد ملاوٹ ہوتی ہے۔

21 قیراط اس میں اندازاً بیس فیصد ملاوٹ ہوتی ہے۔

18 قیراط اس میں اندازاً تیس فیصد ملاوٹ ہوتی ہے۔

یہ سب سونا ہی کہلاتا ہے اور آپ اسے سونا ہی کر کے خریدتے ہیں۔ عمل کیمیا سے دیکھا جائے تو سوائے 24 قیراط والے سونے کے باقی کسی بھی قسم کی کیمیائی صفات یا صفت خالص سونے والی نہیں ہوتیں بلکہ اس میں ملاوٹ والی دھات کے اثرات زیادہ ظاہر ہوتے ہیں۔

کیونکہ سونے کا زیادہ استعمال زیورات بنانے کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے میں زیورات کے حوالہ سے بات کروں گا۔ اس کے علاوہ ایک اور سونا ہوتا ہے۔ یعنی کہ چاندی اور تانبے کے زیورات' کٹلری وغیرہ پر سونے کا پانی چڑھا دینا جس کو کہ زبان عام میں "رولڈ گولڈ" کہتے ہیں۔ آپ نے بھی رولڈ گولڈ زیورات ضرور دیکھے ہوں گے۔ کیا آپ کی آنکھ 24 قیراط کے زیور اور رولڈ گولڈ والے زیور میں (دیکھ کر) تمیز کر سکتی ہے؟

ایمانداری سے اس کا جواب ''نہیں'' میں ہوگا۔

اسی طرح آپ عام شیشے یا اچھی پلاسٹک کے بنائے ہوئے نگوں کی مثال لیجئے۔ آپ شیشے کے ایک سو نگوں میں ایک نگ اسی رنگ' اسی شکل و سائز کا' لیکن ہیرے کا بنا ہوا نگ ان میں ملا دیں اور پھر کسی انجان (عام آدمی) کو کہیں کہ ان میں سے وہ ہیرے کے نگ کو دیکھ کر علیحدہ کر دے۔ وہ صرف انہیں دیکھ کر علیحدہ نہیں کر سکتا۔ کبھی بھی نہیں کر سکتا۔ اس بارے میں ایک ہلکی سی حقیقت سنئے۔

اب سے بیس پچیس سال پہلے کا ذکر ہے کہ میرے جاننے والوں کے گھر چوری ہوئی' جن کے گھر چوری ہوئی وہ خاصے امیر تھے اور اس گھر کی خواتین کے پاس ہیرے جواہرات کے زیورات کافی تھے۔ چور آئے اور جلدی جلدی جو زیورات ہاتھ لگے یعنی کہ جو ڈریسنگ ٹیبل وغیرہ پر تھے یا سیف سے باہر الماریوں وغیرہ میں تھے انہیں ان میں سے اپنی سمجھ یا دانست کے مطابق جو ہیرے کے لگے یا لگیں وہ چور انہیں چن کر لے گئے۔ اس گھر کی ایک خاتون کو جب معلوم ہوا کہ گھر میں چوری ہوگئی تو وہ بہت پریشان ہوئی اور کہا کہ میری تو بڑے بڑے اور نہایت قیمتی ہیروں کی دو عدد انگوٹھیاں سامنے ہی ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی تھیں۔ وہ تو یقیناً چور لے گئے ہوں گے۔ ہائے میں تو لٹ گئی' میں تو برباد ہوگئی۔

اس چوری کا مزیدار پہلو یہ ہے کہ چور ہیرے اور شیشے کے نگوں میں امتیاز نہ کر سکے۔ چور دیگر زیور چرا لے گئے' اٹھا لے گئے اور ان دونوں انگوٹھیوں کو بھدی اور شیشے کے نگوں والی سمجھ کر چھوڑ گئے۔ وہ میرے جاننے والی خاتون اب تک حیات ہے' کسی کو اس میں شک ہو تو میں بات کروا سکتا ہوں۔

دیکھ لیا آپ نے کہ حاجت مند (چور بھی) ہیرے اور شیشے میں امتیاز نہ کر سکے۔ یہی بات میں آپ کے گوش گزار کر رہا ہوں اور سمجھانا چاہتا ہوں کہ ہماری آنکھ ایک حد تک دیکھ سکتی ہے اور اسی طرح ہماری تمام حسیں محدود ہیں' ہمیں غلط اطلاعات بھی دیتی ہیں اور غیر حقیقت کو حقیقت بنا کر دکھا دیتی ہیں۔ اس لیے آپ نظر کو' حسوں کو اور عقل کو اتنا زیادہ صحیح و کامل نہ سمجھیں' جتنی آپ کو لگتی ہیں۔

کمزور ایمان والے لوگ' اسلام کے بدخواہ کچھ اور مسائل میں بھی الجھاؤ پیدا کرتے ہیں جیسے بشر اور نور کا مسئلہ جس کی میں گزشتہ اوراق میں خوب وضاحت کر چکا ہوں۔ قرآن حکیم میں حضور انور نبی کریم ﷺ بشر بھی ہیں اور آپ ﷺ کو قرآن کی طرح نور بھی کہا گیا ہے۔ آپ ﷺ کو صرف بشر کہنے والے سمجھنے والے' آپ ﷺ کے صرف بشری فضائل سے فیض یاب ہوتے ہیں اور بشر اور نور جاننے والے آپ ﷺ کے بشری اور نوری فضائل سے فیضیاب ہوتے ہیں جو کہ بہت زیادہ افضل و سودمند ہے۔ آپ بھی زیادہ فیض چاہتے ہیں تو حقیقت قرآن حکیم میں بیان ہے اس پر عمل کریں۔

آپ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ انسان کامل' افضل البشر ہونے کے ساتھ قرآن حکیم کی طرح' قرآن حکیم میں' کلام اللہ میں ذکر بھی نور بھی اور برہان بھی ہیں۔ آپ ان مسلوں'

باتوں میں نہ پڑیں۔ ان کا آپ کے تقویٰ سے‘ عبادت سے تعلق نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق ایمان بالغیب سے ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم میں شروع ہی میں کہہ دیا ہے کہ یہ قرآن حکیم ان کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے جو اللہ سے یوم حساب سے‘ ڈرنے والے ہیں‘ وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں اور نماز قائم رکھیں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں خرچ کریں اور جو آپ پر نازل فرمایا اور آپ سے پہلوں پر نازل فرمایا‘ اس پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (سورۃ بقرہ آیات 2-3)

لگے ہاتھوں میں یہاں ایک اور نقطہ کی وضاحت کر دوں گا اور میری اس وضاحت کا آپ (قاری صاحب‘ کتاب کے پڑھنے والے صاحب) ایک کردار ہیں۔ فرض کر لیجئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے آپ مردانہ حسن کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ آپ اپنے ملک کے بہترین مایہ ناز کھلاڑی‘ ایتھلیٹ بھی ہیں۔ الحمد للہ آپ نے تعلیمی میدان میں بھی ریکارڈ قائم کیے ہیں۔ اللہ کی عطا سے آپ حافظ قرآن بھی ہیں اور قاری بھی بہت اچھے ہیں اور آپ کا اخلاق بھی سب سے نمایاں بہتر ہے۔ اب آپ کا کوئی بھی جاننے والا آپ کا نام لے کر آپ کی تعریف کرے یا کسی کے سامنے آپ کے بارے میں یوں کہہ دے کہ وہ فلاں خوبصورت آدمی‘ وہ بہترین کھلاڑی‘ وہ تعلیم میں ریکارڈ ہولڈر‘ وہ حافظ قرآن وہ خوش الحان‘ خوش بیان‘ وہ بہت ہی خوش اخلاق آدمی وغیرہ۔ اب جو کوئی بھی آپ کا نام لینے کے بجائے آپ کو مندرجہ بالا خوبیوں کے ساتھ پکارے یا بات کرے تو یقیناً آپ کو اس کے اس طرح کے ذکر سے بے انتہا خوشی ہوگی اور کم از کم آپ ایسے آدمی کو عزت اور دعائیں تو دیں گے ہی۔ اور اس کے اس اچھے طرز کلام سے آپ خوشی‘ راحت واطمینان ضرور محسوس کریں گے کیوں جناب! میں نے یہ سچ کہا ہے ناں؟

بس اسی طرح سے آپ پیغمبر اول وآخر واعظم حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم رحمت العالمین ﷺ کے بارے میں سمجھ لیں۔ آپ ﷺ کے ننانوے نام صفات اللہ ہیں۔ ان ناموں کے ساتھ یاد کرنے سے‘ پکارنے سے‘ تعریف کرنے سے‘ چاہنے سے‘ رابطہ کرنے سے اللہ کے محبوب خاص‘ سید المرسلین ﷺ بھی بہت خوش ہوتے ہیں‘ پسند کرتے ہیں‘ اس کو سراہتے ہیں اور آپ کو اس خوبی کے لیے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ روز حشر‘ آپ کو اس کا صلہ بشکل شفاعت دیں گے۔

یہاں ایک نمایاں اور بہت بڑا فرق یہ ہے کہ آپ تو صرف اخلاق سے بلانے والے کو اپنے طور پر عزت اور دعائیں دے سکتے ہیں جب کہ خاتم النبیین رحمت العالمین فخر کائنات حبیب خدا ﷺ تو قاسم ہیں‘ کائنات کے واحد بانٹنے والے ہیں۔ اپنے رب کے حکم واذن سے آپ کو ہر وقت ایمان‘ عزت‘ دنیا‘ دین وآخرت یعنی کہ سب کچھ ہی دے سکتے ہیں۔ اس دنیا میں ہی نہیں بلکہ دوسری دنیا میں بھی آپ کو ہر انعام واکرام سے نواز سکتے ہیں۔ اور اس کے بدلے روز حشر‘ روز جزا شفیع المذنبین ﷺ آپ کو اپنی شفاعت میں لے لیں گے۔

آپ حقیقت پسندی سے دیکھیں تو ہم انسانوں میں بھی موجود جسمانی‘ دماغی‘ علمی صلاحیتوں میں بہت

فرق ہے۔ یہ فرق بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ ہم اگر اپنے رب کی شان دیکھنا چاہیں' اسے پہچاننا چاہیں' اسے دیکھنا چاہیں تو ہر طرف ہر کچھ میں اس کی نشانیاں ہیں۔ بس انہیں دیکھنے کے لیے دیکھنے والی آنکھ چاہیے جسے چشمِ بینا کہتے ہیں' زندہ دل چاہیے جسے بصیرت والا دل کہتے ہیں۔ وہ اندھی آنکھ اور اندھے دل سے نظر نہیں آتا۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ

سورۃ حج آیت 46

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ○

ترجمہ ''تو کیا زمین میں نہ چلے پھرے' کہ ان کے دل ہوں جن سے سمجھیں یا کان ہوں جن سے سنیں۔ تو یہ کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔''

دنیا میں چھ ارب سے زائد انسان بستے ہیں۔ سب کی وہی ایک ناک' وہی دو آنکھیں' دو ابرو' ایک پیشانی' وہی دو کان' ہونٹ' دانت' ٹھوڑی لیکن شان رب العالمین' مصور خلاق العلیم کی شان' صورت بنانے والے کی شان کہ پھر بھی ہر ایک' دوسرے سے جدا ہے کہ پہچانا جاتا ہے۔

حج میں پچیس لاکھ کے قریب انسانوں کا اجتماع ہوتا ہے لیکن اتنے بڑے مجمع میں بھی لوگ ایک دوسرے کو چہروں سے پہچان لیتے ہیں۔ یہ شان رب العالمین ہی تو ہے۔ یہ اس کی نشانیاں ہی تو ہیں' وہ ہمیں بتاتا ہے کہ میں بنانے والا ہوں۔ میں وہ مصور ہوں کہ جس کی صناعی کا یہ کمال ہے کہ ہر انسان کے چہرے پر وہی آنکھیں' وہی ناک' وہی کان' وہی دانت وہی ہونٹ اور ٹھوڑی لیکن پھر بھی سب دیکھنے میں ایک دوسرے سے جدا' فرق۔ کہ پہچانے جاتے ہیں۔

حج جیسے کسی بڑے مجمع میں اگر آپ کی ساتھی بیوی بچھڑ جائے اور اس نے نقاب اس طرح سے ڈالا ہو کہ صرف اس کی آنکھیں ہی نظر آئیں اس کے ساتھ ہاتھ اور پاؤں بھی نظر آئیں تو تب بھی آپ شاید اسے نہیں پہچان سکیں گے یعنی کہ انسان صرف پورے چہرے سے آسانی سے پہچانا جاتا ہے۔ اللہ کی شان کہ اس نے اندازاً ایک فٹ سے بھی کم ایریا یا حصہ جسم میں وہ خوبی رکھ دی ہے کہ ہر انسان ایک دوسرے سے اس قدر جدا ہے کہ وہ لاکھوں کے مجمع میں پہچانا جاتا ہے۔

افسوس کہ ہمیں ایسی نشانیوں سے بھی جو ہمارے ہر اطراف کائنات میں بکھری پڑی ہیں اپنے رب کی صناعیت' ربوبیت' حاکمیت' وحدانیت یعنی کہ اس کا وحدہ لاشریک ہونا' خلاق العلیم و خلاق العظیم ہونا' اسی کا صرف عبادت کے قابل ہونا' اس کا برحق ہونا وغیرہم نظر نہیں آتے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کے بارے میں قرآن شریف میں فرمایا ہے' جو فرمان ہیں ان پر ہمیں مکمل یقین نہیں ہے۔

ہاں تو میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان اور انسان کی صلاحیتوں میں نمایاں فرق کے حوالہ سے بیان کر رہا تھا۔ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نشانیوں پر غور نہیں کرتے' دھیان نہیں دیتے ورنہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا وجود اور نرالی شان وعظمت رسول کریم ﷺ تو ہر کچھ سے عیاں ہے۔

دنیا میں چھ ارب سے زیادہ انسان بستے ہیں۔ جیسے ہمارے چہروں میں' رنگ میں فرق ہے اسی طرح ہماری جسمانی' دماغی' روحانی صلاحیتوں میں بھی بہت فرق ہے لیکن صد افسوس کہ ہم اس بارے میں سوچتے ہی نہیں اور کبھی سوچتے بھی ہیں تو ہمیں یہ اعتراف نہیں ہوتا کہ یہ اللہ کی دین ہے' عطا ہے کہ ہم اس کے ذریعہ اپنے رب کو پہچانیں۔ مثالیں ہزاروں ہیں یہاں زیر بحث موضوع کو سمجھانا اور اسے ذہن نشین کرنا مقصود ہے نہ کہ اسے بے جا طول دینا۔ اس لیے میں صرف ایک مثال دوں گا اللہ کرے کہ آپ اسے سمجھ جائیں اور ہدایات پائیں۔ آمین۔

دنیا میں اس وقت جو سب سے زیادہ لونگ جمپ یا لمبی چھلانگ کا ریکارڈ ہے وہ ستائیس (27) فٹ سے زیادہ اور اٹھائیس (28) فٹ کے قریب ہے۔ عام آدمی بیس فٹ سے زیادہ لمبی چھلانگ نہیں لگا سکتا یعنی 99.8 فیصد نوجوان' جوان آدمی چودہ فٹ سے بیس فٹ کے درمیان ہی رہتے ہیں۔

میری بات کو بہتر طریقے سے سمجھنے کے لیے ذرا آپ اپنے سامنے جہاں کھڑے یا بیٹھے ہیں' اس سے آگے اٹھائیس فٹ کے فاصلہ پر کوئی نمایاں نشان رکھ دیں اور پھر اسے اپنی جگہ پر آ کر دیکھیں کہ وہ کتنے فاصلہ پر ہے۔ آپ اپنی چھلانگ کا بھی اندازہ لگالیں۔ اب آپ اس فاصلہ (اٹھائیس فٹ والے) کو دوبارہ دیکھیں تو حیرت کے مارے آپ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی (کھلی کی کھلی) رہ جائیں گی۔ آپ کہیں گے کہ اللہ کی شان! اف اللہ کتنی لمبی چھلانگ ہے' اللہ نے اس (ریکارڈ ہولڈر) کو کتنی زیادہ صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ یہ آدمی تو اڑتا ہے یا فضا میں تیرتا ہے ورنہ تو یہ ناممکن ہے۔

یہ اتنی لمبی چھلانگ لگانے والا آدمی بھی تو بالکل میری طرح' آپ کی طرح کا ہے۔ اس کی ظاہری بناوٹ میں' ہم سے کچھ بھی تو فرق نہیں ہے؟ کچھ بھی تو زائد نہیں ہے؟ آپ سچ بتائیں کہ وہ آپ کو دیکھنے میں اپنے جیسا ہی لگتا ہے ناں؟ اس کے بھی وہی دو ہاتھ' دھڑ' پیٹ اور دوڑنے' اچھلنے' جمپ لگانے کے لیے دو ٹانگیں اور پاؤں۔ پھر بھی آپ سے وہ تقریباً دوگنا زیادہ فاصلہ کا ایک جمپ کر جاتا ہے۔ اس کا قد' بت' ٹانگوں کی لمبائی بھی عام آدمیوں کے جتنی ہے۔ پھر یہ فرق کیوں؟

ہے ناں رب العالمین کی شان کہ اس نے آپ ہی جیسے آدمی میں کہیں زیادہ صلاحیت رکھ دی۔ اسی طرح' اس انداز سے آپ ہر طرح کی صلاحیتوں کا سوچ لیں' دماغی صلاحیت کا سوچ لیں' روحانی صلاحیتوں کا سوچ لیں انبیاء کرام کا سوچ لیں' پیغمبر اوّل وآخر واعظم ﷺ کا سوچ لیں اور پھر اس حقیقت پر آجائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر کچھ پر قادر ہے۔ وہ جو چاہے کرتا ہے' جس کو چاہے' جو دے دے۔ وہ کسی کے تابع نہیں' کسی کو جوابدہ

نہیں۔ وہ تو خود قادر مطلق ہے۔

ہماری عقل' سمجھ بہت کم ہے۔ حسیں بھی بہت کم اور ناقص ہیں۔ ہم عاجزی کو اپنائیں' عقل مند ہونے پر ناز نہ کریں اور اس عقل سے اپنے رب کو پہچانیں تا کہ ہماری آخرت' ابدی زندگی کامیاب ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام انبیاء کرام جو بنی نوع انسان کی طرف مبعوث کیے گئے وہ سب بشر ہی تھے۔ دیکھنے میں بظاہر وہ ہماری ہی طرح کے انسان تھے۔ مصلحت خداوندی بھی یہی تھی کہ انسانوں کے نبی بھی انسان ہی ہوں۔ وہ اپنے جیسوں کو اپنے ہم جنسوں کو نبی نہیں مانتے تو اگر نبی فرشتے ہوتے تو انہیں پہلے دن سے معقول اعتراض مل جاتا تھا کہ اے رب ہم انسان ہیں اور یہ فرشتہ' ہم اس کے بارے میں' اس کی صلاحیتوں کے بارے میں نہ جانتے نہ اندازہ کر سکتے ہیں' ہم اسے نہیں مانتے۔

ہاں بظاہر انبیاء کرام ہم جیسے ہی انسان ہوتے ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ جو انہیں فرائض عطا فرماتا ہے تو وہ ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جسمانی' دماغی' روحانی اور اپنی خاص مدد بھی عام لوگوں سے کہیں زیادہ عطا فرماتا ہے۔ بس ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے' اپنی کم عقلی کی وجہ سے' اس وجہ سے کہ عام طور پر ہماری عقل سلیم پر عقل سقیم حاوی ہو چکی ہوتی ہے۔

الحمد للہ کہ آپ (کمزور ایمان والے لوگ) قرآن حکیم کو اس لیے نور مانتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے قرآن حکیم کی آیات میں اسے نور کہا ہے اور غالباً آپ قرآن حکیم کو اس لیے بھی نور کہتے' جانتے' مانتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ مائدہ آیت 44 میں توریت شریف کو ہدایت اور نور کہا ہے اور سورۃ مائدہ آیت 46 میں انجیل مبارک کو ہدایت اور نور کہا ہے۔

سورۃ مائدہ آیت 44

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ

ترجمہ "بے شک ہم نے توریت اتاری۔ اس میں ہدایت ونور ہے۔"

سورہ مائدہ آیت 46

وَاٰتَيۡنٰهُ الۡاِنۡجِيۡلَ فِيۡهِ هُدًى وَّ نُوۡرٌ ۙ

ترجمہ: "اور ہم نے اسے انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے۔"

اور اب آپ کے پاس قرآن حکیم کو بھی نور ماننے کے سوا چارہ نہیں ہے ورنہ آپ کو اس میں سے وہ روشنی پھوٹتی تو نظر نہیں آتی جس کی بنا پر آپ اسے نور کہیں۔ کمزور ایمان والے' منکرین نور کو صرف بجلی کے بلب یا ٹیوب کی روشنی ہی نور لگتی ہے۔ یہ قرآن حکیم کو بھی مجبوری میں نور مانتے ہیں اور آپ حضور پُرنور حضور انور ﷺ کو تو یہ نور کہنا' سمجھنا' جاننا اور سننا تک گوارا نہیں کرتے۔ میں اس موضوع میں ایسے لوگوں سے ہی مخاطب ہوں۔ آپ ﷺ کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم کی مختلف آیات میں نور بھی کہا ہے اور قرآن حکیم کی

طرح حجت بھی، دلیل بھی، برہان بھی، نصیحت بھی مختلف آیات مبارکہ میں فرمایا گیا ہے یعنی کہ حضور انور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ پر نازل فرمائی جانے والی آسمانی کتاب قرآن حکیم دونوں ہی نور ہیں، ہدایت ہیں، نصیحت ہیں۔ حجت، دلیل و برہان رب العالمین ہیں۔ پھر آپ ﷺ کو نور، نور رب العالمین، نور کائنات ماننے سے کیوں انکار ہے؟ پھر کیا یہ لوگ آپ ﷺ کو نور ماننے، نور کہنے سے پہلے آپ ﷺ میں سے روشنی پھوٹتی ہوئی دیکھنا چاہتے ہیں؟ عجب معیار ہے آپ کا کہ قرآن حکیم سے تو وہ روشنی پھوٹتی آپ کو نظر نہ آئی اور قرآن حکیم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نور فرماتا ہے، اس لیے آپ نے مان لیا، لیکن قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسی فرمان کو حضور پُرنور نبی کریم روف ورحیم ﷺ کے لیے نہیں ماننا۔ کیا عجیب منطق اور سمجھ ہے آپ کی۔

آپ ﷺ کا نور ہونا، تو قرآن حکیم سے ثابت ہے۔ رہا نور مجسم کی دید کا نصیب ہونا تو یہ دنیا میں بہت کم خوش نصیبوں کا نصیب ہے۔ وثوق سے کہا جا سکتا ہے اس زمانہ میں ایسا خوش نصیب، دو تین لاکھ میں صرف ایک ہوگا۔ آپ ﷺ کے نور کی تجلی انہیں ہی نصیب ہوتی ہے جنہوں نے اللہ کے عنایت کردہ نور نبی میں اپنی محبت ومحنت سے اس قدر اضافہ کر لیا کہ تجلی نور مجسم ﷺ کے حق دار ہوگئے، مستحق ہوگئے۔ آپ ﷺ پر بشری شکل میں بھی اس قدر نور ہوتا تھا کہ سوائے چند صحابہ کبار رضوان علیہم اجمعین کے کسی اور میں یہ تاب نہ تھی کہ آپ ﷺ کے رخ زیبا، رخ ماہتاب کی طرف چند سیکنڈ نظر ڈال سکے۔ لیجیے اس بارے میں اب چند ایک احادیث یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مشاہدات وارشادات ملاحظہ فرمائیے۔

آپ کو یہ معلوم ہو کہ پیغمبر اول وآخر واعظم، حبیب خدا ﷺ کے محاسن عالیہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاص ودیعت کردہ ہیں جن میں کسب کو قطعاً دخل نہیں بلکہ وہ آپ ﷺ کی جبلت میں پیدائشی طور پر پائے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات مقدس میں تمام فطری محاسن خوبیاں، حسن، کمالات اسی طرح قدرت نے سمو دیئے ہیں، ودیعت کر دیئے ہیں کہ کوئی کمال، محاسن وخوبی آپ ﷺ کی ذات مقدس سے باہر نہیں رہا۔ بے شمار احادیث ہیں جن میں آپ ﷺ کے حسن وجمال، نور کا چرچا ہے۔ پرشوق وسچا ذکر ہے، جن کی صحت میں شک نہیں کیا جا سکتا بلکہ بعض مشاہدات، اخبار وآثار تو صحت سے قطعیت اور وہاں سے حق الیقین کے درجے تک پہنچے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ کے حسن جمال اور تناسب اعضاء کے بیان آثار صحیحہ، کثیرہ، مشہور وارد ہیں۔

ایسی احادیث حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا رنگ اجلا تھا، آنکھیں سیاہ گہری اور قدرے سرخی مائل تھیں۔ رنگ ایسا سفید جو سرخی کی جانب مائل ہو۔ ناک لمبی اور منور تھی۔ سامنے والے دانت ایک دوسرے سے جدا تھے۔ جب تبسم فرماتے تو بجلی کی سی روشنی یا بادلوں کی بجلی کی سی چمک نمودار ہوتی اور جب کلام فرماتے تو سامنے والے، اوپر اور نیچے کے دانتوں سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کانوں کی لو تک بال رکھنے والے کسی شخص کو سرخ لکیروں

والی چادر میں حضور پُر نور رسول اللہ ﷺ جیسا خوبصورت نہیں دیکھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے کسی کو حضور پُر نور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ سے حسین نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ کی جانب دیکھنے سے یوں محسوس ہوتا جیسے سورج کی شعاعیں اس چہرہ پُر نور میں تیر رہی ہیں اور آپ ﷺ جب مسکراتے، تبسم فرماتے تو سامنے کے درو دیوار منور ہو جاتے تھے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان سے ایک آدمی نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور تلوار کی مانند چمکدار تھا، تو آپ نے نفی میں جواب دیا اور فرمایا کہ شمس و قمر جیسا نورانی اور گولائی کی جانب مائل تھا۔

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کے اوصاف عالیہ کا کیا کہنا۔ آپ ﷺ قریب و دور سے ہر حالت میں حسین و جمیل ہی نظر آتے تھے۔

حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول انور ﷺ کا چہرہ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پُر نور رسول انور ﷺ کے اوصاف بیان کرنے والا یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میں نے سرورِ کونین، تاجدارِ کائنات حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ جیسا حسین و جمیل نہ آپ ﷺ سے پہلے دیکھا اور نہ بعد میں ہی ایسا کوئی نظر آیا۔

اولیاء اللہ صالحین امت میں سے بھی آپ ﷺ کو نور مجسم دیکھنے کا پتہ چلتا ہے لیکن آپ ﷺ کی تجلی کو کوئی بھی چند سیکنڈوں سے زیادہ برداشت نہیں کر سکا۔

میں اس دور کے دو بزرگوں کو جانتا ہوں جو اب بھی موجود ہیں اور جنہیں آپ ﷺ کی تجلی یا تجلی کی جھلک نصیب ہوئی ہے۔ ان دونوں کا یہ کہنا ہے کہ آپ ﷺ کے نور مجسم پر نظر پڑی اور بے ہوش ہو گئے۔ ان میں سے ایک بزرگ کو میں مسجد نبوی ﷺ میں 13 دسمبر 1990ء بروز جمعہ بوقت نماز تہجد دیکھ چکا ہوں جب کہ وہ آج تک پاکستان سے (بذریعہ پاسپورٹ) باہر نہیں گئے۔ یہ بزرگ ایک وقت میں دو سے زائد جگہوں پر دیکھے جا چکے ہیں۔ اللہ کی حاکمیت و قدرت میں شک والے اسے نہیں مانیں گے لیکن ماننے والوں کے لیے تو اللہ کی حاکمیت قدرت کا یہ یقین بالغیب ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم (اللہ کا نور) نبی کریم ﷺ کے قلب مبارک پہ نازل فرمایا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا نور جہاں نازل کرنا تھا وہ جگہ، مقام بھی قادر مطلق نے ایسا بنایا ہوگا کہ اس کے نور کو سنبھال سکے، اس نور کو اور دوبالا کر سکے۔ ایسی جگہ، مقام و شخصیت تو خود بھی نور ہی ہو سکتا ہے۔ پھر ہوا بھی یہی کہ نور پر نور نازل فرمایا اور قرآن حکیم کی سورۃ نور کی آیت 35 کے مطابق پھر ''نورٌ علیٰ نور'' ہو گیا۔

اگر آپ کسی شے کے وجود کو دیکھ کر ہی ماننے کے قائل ہیں تو آپ نے اپنے ملک پاکستان کے علاوہ شاید

چند ایک اور ممالک دیکھے ہوں گے۔ پھر آپ اس دنیا پہ اور ملکوں کا وجود اور قوموں کا وجود کیوں مانتے ہیں؟ کس بنا پر مانتے ہیں؟ اگر آپ باقی ممالک واقوام کا وجود نہیں مانتے تو آپ صحیح معنوں میں کنویں کا مینڈک ہیں اور آپ کو سمجھانا بے سود ہے۔ اگر آپ باقی ممالک واقوام کا وجود اس لیے مانتے ہیں کہ آپ نے ان کے بارے میں پڑھا ہے' دنیا کے نقشہ میں انہیں دیکھا ہے اور بہت سے لوگوں سے ان کے بارے میں سنا ہے' تو اس بارے میں کہ آپ ﷺ نور ہیں' اس کو ماننے کے لیے اسی سمجھ کا مظاہرہ کریں' اسی سمجھ کا فارمولا اختیار کریں اور حقیقت کو مان جائیں۔ قرآن حکیم اور آپ ﷺ کے فرمان کے مقابلہ میں دنیاوی اطلاعات ومعلومات کا کیا مقابلہ؟

اگر اب بھی آپ کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نور ہونا سمجھ میں نہیں آتا تو آپ سورۃ بقرہ کی پہلی پانچ آیات مبارک کو بار بار پڑھیں۔ آپ کو تو اللہ' فرشتوں' روز حساب' قیامت' جزا وسزا' وحی' عرش پاک' سات آسمان اور باقی چھ زمینیں (سورطلاق آیت 12) وغیرہم کا بھی ادراک نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ یہ کائنات میں نہیں ہیں۔ یہ تو یقین بالغیب ہے اور اس میں عقل ونظر کو دخل نہیں ہے۔ آپ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی معمولی سے بھی معمولی تخلیق کا بھی ہم عقل سے احاطہ نہیں کر سکتے۔ اللہ آپ کو راہ ہدایت نصیب کرے۔ آمین۔

ایسے مسئلہ' مسائل میں مت الجھو

شاید آپ مجھ سے متفق نہ ہوں لیکن مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ ان چکروں میں 98 فیصد عوام کو تو پڑنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ نہ ان کا اتنا علم ہے نہ ذرائع ہیں۔ روزمرہ کا کاروبار اور دینی واجبات وفرائض بہت حد تک خوف خدا وقرآن وسنت کی روشنی میں ہی انجام پاتے ہیں۔ ہمارا معاشرہ اسلامی ہے اور اس کی قدریں بھی اسلامی ہیں' رسم ورواج جو توجہ طلب ہیں ان کے لیے بھی عوام میں بیداری ہے۔ شرپسند عناصر ہی ایسے مسائل و معاملات اچھالتے ہیں کہ فلاں حدیث تو اچھی نہیں' فلاں میں جنسی جذبات کو ابھارا گیا ہے۔ نبی نور ہے' نبی بشر ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسی باتوں سے وہ سادہ عوام کو بگاڑتے ہیں' خراب کرتے ہیں۔ ان کے معصوم ذہنوں کو پراگندہ کرتے ہیں۔ دین میں الجھنیں پیدا کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں میں مذہب' قرآن اور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے دوری ہو۔

اگر آپ حضور انور ﷺ کو انسان کامل' افضل البشر ہی جانتے ہیں تو الحمدللہ آپ اتباع کریں اور اگر آپ نبی اکرم ﷺ کو بشر' نور' ذکر اور برہان رب العالمین جانتے ہیں تو آپ الحمدللہ اور بھی اچھے طریقے سے اتباع رسول ﷺ کریں' اس میں جھگڑا کرنے کی کون سی بات ہے۔ ہم سب نے روز حشر اپنے رب کے سامنے اپنے اعمال کی جوابدہی کے واسطے اکیلے اکیلے ہی حاضر ہونا ہے۔

قرآن حکیم کی سورۃ مریم آیت 95 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝

ترجمہ: ''اور ہر ایک نے روز قیامت اللہ کے حضور اکیلے حاضر ہونا ہے۔''

سورۃ مومنون آیت 101 میں حاکم الحاکمین کا ارشاد ہے:

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اور جب صور پھونکا جائے گا تو نہ تم میں رشتے رہیں گے اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھ سکو گے۔''

سورۃ عنکبوت آیت 13 میں قادر مطلق کا ارشاد ہے:

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اور بے شک ضرور ہر کوئی اپنا بوجھ خود اٹھائے گا اور اپنے بوجھ کے ساتھ اور بھی بوجھ اٹھائے گا (ان کا جنہیں گمراہ کیا' برائیوں پر لگایا)''

سورۃ فاطر آیت 18 میں فرمان رب العالمین ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ط وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَاقُرْبٰى ط

ترجمہ: ''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اگر کوئی اپنا بوجھ بٹانے کے لیے کسی کو بلائے' تو کوئی بھی بوجھ نہیں بٹائے گا۔ چاہے وہ بہت قریبی رشتہ دار ہو۔''

سورۃ عبس آیات 34 تا 37 میں اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝

ترجمہ: ''اس دن (روز قیامت' روز جزا) آدمی دور بھاگے گا اپنے بھائی' ماں' باپ' بیوی اور بیٹوں سے۔ ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک ہی فکر (اپنے کیے کی سزا ملنے کی فکر' کہ اب کیا ہوگا) گھیرے ہوئے ہوگی اور بس۔''

یعنی کہ جب قیامت برپا ہو جائے گی تو وہ لوگ جن کو قیامت کے ہونے اور اپنے کیے کا بدلہ پانے کا یقین نہ تھا' قیامت کے برپا ہو جانے پر انہیں ایک دم یہ یقین بھی آ جائے گا کہ اب تو پائی پائی کا حساب دینا ہوگا۔ اس لیے انہیں تو یہی فکر دامن گیر ہوگی کہ اب پکڑے گئے اور جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہنا ہے' ہائے اب کیا کریں۔

ہاں تو میرے بھائی بات یہ ہو رہی تھی کہ اس روز اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور ہر ایک نے اکیلے اکیلے ہی حاضر ہونا ہے۔ اکیلے دنیا میں آئے' اکیلے دنیا سے جائیں گے اور اکیلے ہی اپنی جزا وسزا کے لیے رب العالمین' حاکم الحاکمین کے حضور حاضر ہوں گے۔ وہاں اور کوئی آپ کے ساتھ نہ ہوگا۔ اس دن تو سب کو اپنی اپنی پڑی

ہوگی۔ جو اس دنیا میں آپ کو بھٹکاتے ہیں' بہکاتے ہیں وہ تو اس وقت خود دوہرے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ دوہرا عذاب' ڈبل عذاب اس لیے کہ ایک تو وہ خود بھٹکے ہوئے تھے اور دوسرے انہوں نے اوروں کو بھی بھٹکایا۔

میں پھر بھی گزارش کروں گا کہ یہ معاملے ہمارے سمجھنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ یہ ہمارے ایمان بالغیب کا حصہ ہیں اور وہ ہمارے عمل کرنے کے لیے ہیں۔ ہم سے تو صرف اتباع رسول کریم ﷺ وتعلیمات قرآن پر عمل پیرا ہونے نہ ہونے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ ان مسئلوں میں نہ الجھیں' یہ آخرت میں فائدہ نہیں دیں گے۔

روز محشر وہاں یہ دنیا والے جو آپ کو بھٹکاتے ہیں' غلط راہ دکھاتے ہیں۔ آپ کا ساتھ نہ دے سکیں گے۔ اس لیے اس روز کی بہتری کے لیے بھلائی کے لیے اس جہان میں نیک کمائی کر لیں اور کسی کی باتوں میں نہ آئیں۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے ویسے بھی مسلمانوں کے لیے نور کا مطلب روشنی ہے۔ روشنی اور نور میں فرق یہ ہے کہ روشنی کو پہلے ہماری آنکھ محسوس کرتی ہے۔ دیکھتی ہے اور پھر باقی جسم یا اجزا جسم' جب کہ نور کو پہلے دل و دماغ محسوس کرتے ہیں' دیکھتے ہیں اور بعد میں باقی جسم یا اجزاء جسم دیکھتے ہیں۔ مذہب کی زبان میں نور کا مطلب ہے وہ کچھ' وہ چیز جو اندھیر نگری کا اندھیرا دور کر دے یا اندھیر نگری میں اجالا کر دے۔ اندھیر نگری میں ہر طرح کی اور ہر وقت کی برائیاں شامل ہیں۔ اس وقت کی برائیاں (جب نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے) ہمارے وقت کی برائیاں یا بعد میں آنے والے وقت کی برائیاں۔

اس وقت مکہ میں' سارے عرب وعجم میں' ساری دنیا میں' جہالت' شرک' بتوں کی عبادت' زنا' ڈاکہ زنی' چوری' سینہ زوری' رشتوں کی پامالی' باہمی عزت واحترام کا فقدان' خود غرضی' انسانی حقوق کی پامالی' تکبر' خودنمائی' غریب اور کمزور کا کوئی پرسان حال نہیں۔ عزت' دولت' چودھراہٹ' امیر اور طاقتور کے ہاتھ یعنی کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ مختصراً یہ کہ ہر طرف ناانصافی' لاقانونیت اور ہر طرح کی برائیوں کا دور دورہ تھا۔ اسی مذکورہ بالا حالت معاشرہ' گراوٹ انسانیت کا نام ظلمت یعنی اندھیر اور گمراہی یعنی ضلالت ہے اور جو ان برائیوں کو معاشرہ سے' دنیا سے دور کرے وہ نور ہے' ہدایت ہے' اللہ کی روشنی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نور کے ذریعے یعنی کہ قرآن حکیم اور نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ معاشرہ سے' دنیا سے جہالت' ظلم' ناانصافی' شرک اندھیر وگمراہی کو دور کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی زندگی قرآن حکیم کی تعلیم پر مکمل عمل ہے۔ اس نور نے 50 سال سے کم مدت کے عرصہ میں ایشیا' یورپ' افریقہ' یعنی کہ تقریباً آدھی دنیا سے برائیوں کا مکمل خاتمہ کر دیا۔ جس طرح برائیوں کا نام اندھیر یا ظلمت ہے اسی طرح اچھائی' خوبی' باعزت زندگی' حقوق کا ملنا' عزت مال و دولت کی حفاظت ایک اللہ کی عبادت بطریق نبی اکرم ﷺ وغیرہم کا نام نور یا روشنی ہے۔ قرآن حکیم اب بھی پہلے کی طرح نور ہے' ذکر ہے'

برہان ہے اور حضور پُرنور نبی اکرم ﷺ شریعت وسنت بھی اسی طرح نور ہے' ذکر ہے' برہان ہے۔ دنیا سے اب ہم اس طرح سے اندھیر دور نہیں کر پا رہے جیسا کہ کرنا چاہیے' جیسا کہ ہونا چاہیے تھا تو یہ ہمارا قصور ہے۔ اس کے ہم ذمہ دار ہیں نہ کہ قرآن وسنت۔

اور اگر مسائل کھڑے کرنے والوں' شکوک وشبہات پیدا کرنے والوں' بے چینی پیدا کرنے والوں کا مقصد یہ ہے کہ حضور انور نبی اکرم ﷺ کی جسمانی بناوٹ کس چیز کی تھی تو میں جواباً کہوں گا کہ ایسے لوگ بلکہ اس دنیا کے 99.9 فیصد لوگ تو اپنے بارے میں بھی نہیں جانتے کہ ان کا جسم کس کس چیز یا عناصر کا مرکب ہے؟ بنا کیسے ہے؟ اور بناوٹ کیا ہے؟ پھر وہ کسی دوسرے کے بارے میں کیا جانیں گے۔ میں ڈاکٹر ہوں اور اس شعبہ سے پچھلے 39 سال سے وابستہ ہوں۔ اس کے باوجود میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے جسم میں 90 فیصد پانی ہے اور باقی معدنیات، دھاتیں اور نمکیات ہیں اور میرا یہ علم بھی انتہائی ناقص ونا کافی ہے۔

ایسی سوچ والے اپنے بارے میں یہ حقیقت کہاں سے جانتے ہیں کہ وہ مٹی سے بنے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن حکیم سے ''اور ہم نے اس آدمی کو بنایا ایسی (خشک) بجتی مٹی سے جیسے ٹھیکری اور جن کو پیدا فرمایا آگ کی لپیٹ سے۔ (شعلہ کے بہترین حصہ سے)۔'' (قرآن حکیم سورۃ رحمٰن آیات 15-14)

جب آپ یہ حقیقت کہ ہم انسان مٹی سے بنے ہیں، قرآن حکیم کے سبب، قرآن حکیم سے جانتے اور مانتے ہیں تو قرآن مجید میں متعدد بار شانِ رسول کریم' انسان کامل ﷺ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ ذکر بھی ہیں، نور بھی ہیں، برہان رب العالمین بھی، پھر اس حقیقت کو ماننے میں آپ کیوں دقت محسوس کرتے ہیں۔

آپ مجھے بتلائیں کہ کیا مٹی کا ڈھیلا، پتھر یا مٹی کا تودہ آپ کی، میری یا اعتراض کرنے والوں کی طرح ہیں؟ مذکورہ بالا مٹی کا ڈھیلا یعنی مٹی، پتھر میں اور آپ میں ہم میں، اس وقت جب ہم زندہ ہیں، کون کون سی صفت مشترک ہے؟ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ کوئی بھی صفت مشترک نہیں ہے۔ جب آپ، ہم مٹی سے بنے ہیں اور جب تک ہم زندہ ہیں تو ہم میں اور مٹی پتھر میں کوئی قدر اور صفت مشترک نہیں ہے اور ساتھ ہی اس حقیقت کو کہ ہم مٹی سے بنے ہیں، آپ قرآن حکیم کی معرفت جانتے ہیں تو انبیاء کرام، حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے بارے میں بھی قرآن پر غور کریں اور اس پر یقین کریں۔

مختصراً میں یہ کہوں گا کہ یہ معاملے ہمارے سمجھنے کے لیے نہیں بلکہ یقین اور عمل کرنے کے لیے ہیں۔ ہم تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی معمولی سے معمولی مخلوق کے بارے میں (مکھی، مچھر وغیرہ) بھی کچھ نہیں جانتے اور مکمل طور پر بھی نہیں جان سکتے ہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کے خلاق العظیم وعلیم کے، بڑے شاہکاروں کے بارے میں ایسا سوچنے کا کیا فائدہ؟ آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک ظاہری طور پر بھی اس قدر پُرنور تھا کہ سوائے چند اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم (خلفائے راشدین) کے کسی اور کو چہرہ مبارک پر دو پل نظر ڈالنے کی تاب نہ تھی۔

جنہیں اتباع نبی اکرم ﷺ کرنا ہے انہیں ان مسائل سے کیا واسطہ؟ ان کو کیا فائدہ؟ شرپسند عناصر ایسے مسائل جان بوجھ کر تعلیم یافتہ، غیر تعلیم یافتہ طبقے میں پھیلاتے ہیں تاکہ ان کے ایمان کو کمزور کیا جائے۔ اس لیے کہ مسلمانوں میں جو جذبہ محبت و اطاعت نبی اکرم ﷺ امہات المومنین، آلِ رسول اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے ہے، اس کو کمزور کیا جائے۔ مسلمانوں کو اسلام اور حضور انور نبی کریم ﷺ سے دور کیا جائے، نفاق کے سبب مسلمانوں کی وحدت پر کاری ضرب لگائی جائے تاکہ مسلمانوں کو اجتماعی طور پر محکوم بنالیا جا سکے۔

نبی اکرم ﷺ، امہات المومنین، آل رسول اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت، تعظیم و توقیر، اطاعت و اتباع ہی تو ہر مسلمان فرد، ہر مسلمان قوم و ملک کا قیمتی اثاثہ ہے۔ یہی اسلام کی بقاء، خوبصورتی، نشوونما و ترقی کا سبب ہیں اور یہی انسانیت کا روپ اور خوبصورتی ہے۔ شرپسند عناصر مسلمانوں کو اس متاع عزیز سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ امت محمد (رسول اللہ ﷺ) کو اس طرح کے برے عزائم، سازشوں، فتنوں سے ہمیشہ باخبر و محتاط رہنا چاہیے اور جو خوش نصیب، راہ راست یافتہ لوگ ان خرافات کا سدباب کرنے کے اہل ہیں، انہیں ان کا سدباب کرنا چاہیے اور مسلم امہ کو ان سے بچانا چاہیے۔

❀❀❀❀❀❀❀❀

عالمین، رحمت العالمین

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے لیے قرآن حکیم کی پہلی سورۃ، سورۃ فاتحہ، ام الکتاب، فاتحۃ القرآن، سورۃ الدعا، سبع مثانی کی پہلی آیات مبارک میں ''رب العالمین'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ کو سورۃ انبیاء آیت 107 میں ''رحمت العالمین'' فرمایا ہے۔

سورۃ انبیاء آیت 107

وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ٥

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت تمام جہانوں کے لیے۔''

لفظ ''عالمین'' کے بارے میں علماء کرام نے بہت کچھ لکھا ہے۔ کسی نے معیار سے کم لکھا ہے، کسی نے اوسط معیار کا اور کسی نے الحمدللہ بہت معیار کا لکھا ہے۔ ہر ایک کی اپنی اپنی سوچ اور اپنا اپنا انداز ہے۔

میرے نزدیک اس کا یوں بیان بہتر ہے کہ:

جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ سب جہانوں کے لیے رب العالمین ہیں اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ، پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ ماسوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے سب جہانوں کے لیے رحمت العالمین ہیں۔ یقیناً یہ ہماری سمجھ، علم، تصور سے بہت بہت ماورا ہیں لیکن رب العالمین نے سب عالمین اپنے حبیب ﷺ کے علم و رحمت میں دیئے ہوئے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تمام جہانوں کے لیے رب العالمین ہیں اور تمام جہانوں کو، تمام مخلوقات کو صرف وہی جانتے ہیں۔ ہم انسانوں کا، اشرف المخلوقات کا علم تو بہت محدود ہے۔ عام آدمی کا علم تمام جہانوں کے بارے میں، عالمین کے بارے میں عملی عقلی طور پر اتنا ہی ہے کہ وہ جو اپنی زندگی میں دیکھ چکے ہیں۔

یعنی کہ (1) زمین پر انسان، جمادات، حیوانات، نباتات، پانی، طیور، یاباد، آتش وغیرہم (2) پانی میں، سمندروں میں پھر اور طرح کے جمادات، حیوانات، نباتات، حشرات (3) فضا میں طیور، حشرات الارض،

سحاب، بجلی کی چمک اور نزدیک کا آسمان جس میں چاند، سورج، ستارے اور ان کا نور یا روشنی۔ انسان نے کائنات کے بارے میں جاننے کے لیے اپنے اردگرد کو جاننے کے لیے، چاند ستاروں کو جاننے کے لیے، بیماریوں سے نجات کے لیے، تہذیب وتمدن وزندگی کے لیے، بہت تحقیق کی ہے اور جاری ہے جس کے سبب زمین کے اندر، زمین پر، زمین کے اردگرد پانی کی اتھاہ گہرائیوں میں فضا میں بھی ''عالمین'' دیکھنے کے لیے اس نے بہت دور دور تک اپنی نظر دوڑائی ہے۔

اب تو اتنی دور کی کہکشاؤں کی بات بھی ہوتی ہے (یعنی عام آدمیوں کو کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں) کہ جن کا زمین سے نوری فاصلہ ہزاروں، لاکھوں سالوں کا ہے۔ بہت لمبے فاصلے ماپنے کے لیے ہماری گنتی یا اعداد وشمار ناکافی ہیں اور یہ چاند، سورج، ستارے ہم سے بہت دوری پر ہیں۔ زمین کے سب سے زیادہ نزدیک چاند ہے اور اس کا فاصلہ بھی لاکھوں کلومیٹرز ہے جب کہ سورج اور ستارے کروڑوں اربوں کلومیٹرز سے کم دور نہیں۔ اس لیے ستاروں کے فاصلے ماپنے کے لیے ''نوری سال'' کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ نور یعنی روشنی ایک سیکنڈ میں تین لاکھ کلومیٹر کا سفر طے کرتی ہے۔ اس طرح ایک سال میں اس کا سفر تقریباً 95 کھرب کلومیٹر ہوا اور یہ فاصلہ ایک نوری سال کہلاتا ہے۔ الحمد للہ تحقیق کے سبب عام آدمی کا علم کائنات کے بارے میں ''عالمین'' کے بارے میں بہت وسعت پا گیا ہے لیکن یہ علم پھر بھی بہت کم ہے۔ ہماری زمین کے علاوہ اور چھ زمینیں ہیں۔

سورۃ طلاق آیت 12

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ

ترجمہ ''اللہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہیں کے برابر زمینیں۔''

ہمیں اپنی زمین کے علاوہ کسی اور زمین کا قطعاً علم نہیں ہے۔ ہماری کہکشاں ہم سے اربوں کلومیٹر دور ہے اور اسے بھی ہم صرف دیکھتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہمارا علم نہیں ہے۔ ہم نے جو دیکھا ہے جہاں تک زمین پر چلے پھرے ہیں، اس کے علاوہ تو اس کائنات کے بارے میں ہمارا تصوراتی علم ہے۔

یہ جو ہماری زمین، فضا، پانی، چاند، سورج، ستارے اور اس سے آگے اگر ہم اپنے تصور کو بڑھائیں، ہر طرف خوب تصور کریں جتنی دور تک کا ممکن ہو تصور کریں تو پھر یہ جو کائنات کا حصہ، عالمین کا حصہ ہمارے تصور میں آ گیا ہے، اس کا مقابلہ رب العالمین کے ''عالمین'' سے یا رحمت العالمین ﷺ کے ''عالمین'' سے یہی تناسب بمشکل کیا جا سکتا ہے جو کہ ایک ذرہ کو زمین سے یا ایک بجلی کے بلب کو جسامت و روشنی کے لحاظ سے سورج سے ہے۔ (سورج کا حجم ہماری زمین سے 2 لاکھ تیس ہزار گنا زیادہ ہے۔)

ہمارا تو تصور بھی بہت کم ہے۔ میں آپ کے بارے میں نہیں کہہ سکتا لیکن اپنے بارے میں تو میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں نے جب بھی دوسری زمینوں، آسمانوں یا اپنی زمین کی وسعت وحجم کے بارے میں تصور کیا ہے تو میرے تصور میں جو وسعت کائنات، وسعت زمین ابھرتی ہے، آتی ہے، اس کی دوری اور گولائی ایک دو کلومیٹر

سے زیادہ نہیں ہوتی۔

آپ بھی سات آسمان اور سات زمینوں کا تصور کریں۔ یقیناً آپ کے اس تصور کی وسعت میرے تصور کی طرح بہت کم ہوگی بلکہ میں تو اکثر جب زمین کا تصور کرتا ہوں یا کسی عزیز کا تصور کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے کتنے فاصلے اور کس سمت میں ہے تو میرے تصور کی زمین سکڑ کر گلوب بن جاتی ہے۔ ایک عام گلوب بڑا یا چھوٹا، جو بھی زندگی میں دیکھا ہے۔ عموماً وہی گلوب جو جغرافیہ کے لیے یا جنرل نالج کے لیے لیا جاتا ہے، دیکھا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر میرا تصور دور جانے کے بجائے، تصور کیے جانے والے کو بہت قریب لے آتا ہے اور میرے تصور کی دنیا چھوٹی سی ہو جاتی ہے۔

ہاں تو میں اب عالمین کی تعریف کی طرف دوبارہ آتا ہوں۔ چاہے کوئی چیز، کوئی اور دنیا، زمین، آسمان، کائنات، چاند، سورج اور ستارے وغیرہم جن کے بارے میں نہ ہم نے سنا ہو، نہ پڑھا، نہ سوچا ہو نہ تصور کیا ہو، چاہے وہ ہمیں نظر نہ آئے، چاہے سمجھ نہ آئے، چاہے ہم اس کا یقین نہ کریں، وہ سب کچھ جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی تمام کائناتوں میں جہانوں میں پیدا فرمایا ہے، تخلیق کیا ہے وہ ہمارے رب کا، رب العالمین کا ''عالمین'' ہے اور رب العالمین کے ''عالمین'' ہی رحمت العالمین پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کے ''عالمین'' ہیں۔

آپ ﷺ ان سب ''عالمین'' کے لیے رحمت ہیں۔ اللہ کے حکم و اذن سے یہ سب عالمین ہمہ وقت آپ ﷺ کے علم، دسترس اور رحمت میں ہیں اور یہ معاملہ ہمارے سمجھنے کا نہیں، ہمارے تصور میں آنے کا نہیں۔ ہمارے علم میں آنے کا نہیں ہے۔ یہ معاملہ یقین بالغیب کا ہے۔ میں نے یہ اوپر اسی لیے بیان کیا ہے کہ ہم تو جب زمین کے بڑے ہونے کا تصور بھی کریں تو اکثر اپنے تصور میں لاتے وقت زمین کو کروڑوں گنا کم کر دیتے ہیں، سکیڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح کے انسان کے لیے یا میرے لیے تو یقین بالغیب بہت کامل اور تسکین دہ ہے اور یہی ایک طریقہ کا اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول مقبول و مکرم ﷺ کی قربت اور فلاح دارین کا ہے۔

لیجیے اب لفظ عالم اور عالمین کے بارے میں درج ذیل حاضر ہے۔ لفظ عالم اور عالمین عربی اور اردو زبان میں ہم معنی ہیں یعنی کہ دونوں زبانوں میں اسی مقصد و معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

''عالمین'' عالم کی جمع ہے اور اس سے تمام عالموں یا جہانوں کا ذکر مطلوب و مقصود ہے۔ عالم کے معنی ہیں دنیا، جہان (جہاں) دنیا کے لوگ۔ دنیا پہ تمام طرح کی مخلوق (مخلوقات) قسم، جنس، دور، حالت، صورت، انداز، طریقہ، ڈھنگ، چال، طور، کیفیت، ایک حد یا اندازہ۔ چند عالم جن کا ہم ذکر کرتے ہیں، حسب ذیل ہیں۔

1- عالم انسانیت

2- عالم جنات

3- عالم نباتات

4- عالم حیوانات
5- عالم جمادات
6- عالم حشرات
7- عالم طیور
8- عالم باد یا فضا
9- عالم آب
10- عالم ارض
11- عالم سماء
12- عالم علوی، بالا
13- عالم سفلی
14- عالم صغرا
15- عالم کبرا
16- عالم ذوق
17- عالم تصور
18- عالم عام
19- عالم عقل
20- عالم نفس
21- عالم ملائکہ
22- عالم شمس
23- عالم آتش
24- عالم اجرام فلکی
25- عالم قمر
26- عالم نجوم وکواکب
27- عالم شہود
28- عالم غیب
29- عالم خواب
30- عالم بیداری

31- عالم رویا
32- عالم ارواح
33- عالم امر
34- عالم ھو
35- عالم ھاھوت
36- عالم لاھوت
37- عالم جبروت
38- عالم ملکوت
39- عالم ناسوت
40- عالم برزخ

اب آپ دیکھئے کہ یہ لفظ بنی نوع انسان کے لیے ہی کتنے مختلف انداز، طریقے، دور، ڈھنگ، حالت، کیفیت وغیرہم کو ظاہر کرتا ہے اور بنی نوع انسان کے ہی کتنے عالم ہیں۔

1- عالم انسانیت
2- عالم مرداں
3- عالم نسواں
4- عالم بیداری
5- عالم خواب
6- عالم نیم بیداری
7- عالم بچپن
8- عالم شباب
9- عالم ضعیفی
10- عالم مرگ
11- عالم پیری
12- عالم جوش
13- عالم غصب
14- عالم شفقت ومحبت
15- عالم پیدائش

16- عالم فانی وغیرہم

یہاں بنی نوع انسان کے یعنی ہمارے ہی اتنے سارے عالم، عالمین کا بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری پیدائش سے ہماری موت تک ہر صورت، ہر دور، ہر حالت، ہر عمر میں ہمارا رب العالمین ہے (یہ میں نے سمجھانے کی خاطر لکھ دیا ہے ورنہ اللہ تو پیدائش سے پہلے عالم ارواح میں موت کے بعد عالم برزخ میں اور اس کے بعد مقام جزا وسزا میں بھی ہم سب کا رب العالمین ہے) اور جس طرح وہ ہمارے ساتھ ہے، اپنی ربوبیت ہمارے پر برسا رہا ہے، ہمیں دے رہا ہے، عطا کر رہا ہے۔ بالکل اسی طرح آپ ﷺ بھی ہمہ وقت، ہر حال، ہر جگہ، ہر طرح سے ہمیں اپنی رحمتوں کے سائے میں لیے ہوئے ہیں اور اسی طرح سے نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ رحمت العالمین ہیں۔ تمام عالموں کے لیے، تمام جہانوں کے لیے (ماسوائے اللہ، رب العزت کے) بالکل ایسے ہی جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ تمام عالموں کے لیے، تمام جہانوں کے لیے رب العالمین ہیں، آپ ﷺ سب کے لئے رحمت للعالمین ہیں۔

لفظ عالمین، عالم کی جمع ہے لیکن لفظ عالم جتنے وسیع معنوں میں بولا جاتا ہے اور ہماری زندگی میں، روزمرہ میں اس لفظ کا جتنا عام استعمال ہے اس کے لحاظ سے لفظ عالم واحد نہیں بلکہ جمع ہے لیکن لفظ عالمین سب سے زیادہ بہتر ترجمانی کرتا ہے۔ اس لفظ کی صفت یہ ہے کہ یہ جن حالت، کیفیت، دور وغیرہم کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس میں یہ مناسب ہی نہیں بلکہ نہایت موزوں لگتا ہے اور مفہوم کے اظہار کو دوبالا کر دیتا ہے۔

یہ زمانہ ماضی سے ہی جمع کے صیغہ میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ مثلاً اللہ نے عالم بنائے ہیں، عالم پیدا کیے ہیں، اللہ نے کتنے ہی عالم پیدا کیے ہیں۔ ان سب میں جمع کے صیغہ کا اظہار ہے۔ اس کے مقابلہ میں لفظ ''عالمین'' کا استعمال بہت کم ہے۔

عالمین جمع ہے عالم کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا تمام مخلوق کو عالم کہتے ہیں۔ لفظ عالم بھی جمع ہے اور اس کا واحد لفظاً ہے ہی نہیں۔ آسمان کی مخلوق، خشکی اور تری کی مخلوقات کو بھی عوالم یعنی کئی عالم کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس سے مراد کل مخلوق ہے۔ خواہ آسمانوں کی ہو یا زمینوں کی ہو یا ان کے درمیان کی۔ خواہ اس کا ہمیں علم ہو یا نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کیے ہیں۔ آسمانوں والے چھ ہزار زمینوں والے چھ ہزار اور پانی کے چھ ہزار۔ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، چالیس ہزار عالم ہیں۔ زجاج کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا وآخرت میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ سب عالم ہے۔

اور سچ بھی یہی لگتا ہے کیونکہ انسان کے بارے میں یا انسان سے متعلق سینکڑوں عالم تو ہمیں بھی معلوم ہیں یا ہم ان کا اظہار کرتے ہیں اور کائنات اور اس میں مخلوقات کے بارے میں ہمارا علم ہی کیا ہے؟

درج ذیل میں، میں چند علماء دین کی کتابوں سے زیرِ بحث موضوع سے متعلق ان کی قیمتی رائے، خیالات، انداز فکر کا حوالہ دوں گا جن خیالات و انداز فکر کے بارے میں مجھے یقین واثق ہے کہ یہ ایمان، یقین، خیالات، رائے، انداز فکر ہی حق ہے۔ حقیقت ہے، حقیقت پسندانہ ہے اور اس حسن ظن کے پیش نظر میں یہ خیالات یا سوچ و انداز فکر پیش خدمت کر رہا ہوں کہ ہدایت کی طرف رہنمائی ہو سکے اور اس نیک کوشش کے سبب اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں بھی بخش دے، اپنے حبیب، رسول کریم نبی انور ﷺ کی شفاعت عطا فرما دے۔

مولانا قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے وہ تمام آیات کریمہ نقل کی ہیں جن میں ''للعالمین'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ پھر وہ ''ذکر للعالمین'' ''مبارک للعالمین'' اور ''آیات للعالمین'' کا مفہوم بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ''اور لفظ رحمت ایسا لفظ ہے جس کا استعمال نبی ﷺ کے لیے ہوا ہے۔ حضور پُرنور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کے سوا کسی دوسرے کے لیے نہیں ہوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ورحمتی وسعت کل شیء ''میری رحمت ہر ایک شے سے زیادہ وسیع ہے۔'' (سورہ اعراف) پس جب نبی ﷺ کو جملہ عالمین کے لیے رحمت بنایا گیا تو ثابت ہو گیا کہ حضور پُرنور نبی کریم روف ورحیم ﷺ کی نبوت بھی جملہ عالمین کے لیے ہے۔'' (رحمۃ للعالمین جلد 2 صفحہ 314 اور 315)

پیر محمد کرم شاہ الازہری ''رب للعالمین'' کا ترجمہ کرتے ہیں۔ ''جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کا'' اور اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ''عالمین عالم کی جمع ہے اور یہ ماخوذ ہے علم یعنی علامت و نشانی سے کیونکہ ہر چیز اپنے پیدا کرنے والے کا پتہ دیتی ہے۔ نیز اس میں لطیف نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا خدا کسی خاص قوم، نسل اور وطن کا خدا نہیں کہ اس کی نوازشات کسی خاص قوم و نسل کے ساتھ ہی مخصوص ہوں بلکہ اس کی ربوبیت کا رشتہ کائنات کی ہر شے کے ساتھ یکساں ہے۔'' سورۃ انبیاء کی آیت 107 کے ترجمے میں تحریر کرتے ہیں۔ ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے۔'' تفسیر میں ہے۔ ''غرض و غایت یہ ہے کہ آپ سارے جہانوں کے لیے، سارے جہان والوں کے لیے، اپنوں اور بیگانوں کے لیے، دوستوں اور دشمنوں کے لیے سراپا رحمت بن کر ظہور فرما ہیں۔'' اس کے بعد پیر محمد کرم شاہ مومنوں اور کافروں پر رحمت کا ذکر کرتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں: ''یہ تو عالم ناسوت میں حضور (ﷺ) کی گونا گوں رحمتوں کا ظہور ہے لیکن صرف یہاں ہی نہیں بلکہ عالم ملکوت میں بھی حضور پُرنور نبی کریم روف ورحیم ﷺ کی رحمت کا پرچم لہرا رہا ہے اور حضور پُرنور نبی کریم روف ورحیم ﷺ کا دست شفقت گل افشانی کر رہا ہے۔

(ضیاء القرآن جلد 3 صفحہ 191-190)

سورۃ بقرہ آیت 154

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○

ترجمہ ''اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، ہاں تمہیں خبر نہیں۔''

(تمہیں اس کا ادراک نہیں ہے، سمجھ نہیں ہے۔)

اس آیت مبارک میں ''اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں۔'' بہت توجہ طلب ہے۔

سورۃ حجرات آیت 13

اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ○

ترجمہ ''بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔''

اللہ کی راہ میں وہی مارا جاتا ہے جو موت سے پہلے اللہ کی راہ پر چل رہا ہوتا ہے یعنی نبی کریم ﷺ کے حکم، فرمانبرداری، اطاعت واتباع میں جان دینا اللہ کی راہ میں مرنا ہے اور دوسری آیت مبارک سے یہ ثابت ہے کہ اللہ کی راہ میں کون مرا ہے، کون نہیں اور عزت والا کون ہے، کون نہیں۔ یہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول کریم، محبوب ورحیم ﷺ ہی جانتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا جاننا اللہ کے اذن وعنایت سے ہے اور اللہ کے نبی حضور پُرنور، عالم خفا وغیوب مخبر صادق ﷺ نے اس صفت کا غزوہ احد کے دن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں مظاہرہ بھی فرمایا تھا۔

انبیاء کرام تو نبوت کے دن سے ظاہری زندگی کے آخری دن تک ہمہ وقت اللہ کی راہ پر ہی چل رہے ہوتے ہیں اور نبی کریم، پیغمبر اول وآخر واعظم خاتم النبیین ﷺ تو نبوت سے پہلے ہی اللہ کی راہ پر چل رہے تھے اور اسی راہ کو روشن اور واضح کر کے مخلوق خدا کو اس پر چلتا دیکھنا چاہتے تھے اور اس حقیقت کے گواہ تو مشرکین مکہ بھی تھے۔ اس لیے خاتم النبیین (جس کی شریعت ونبوت نے قیامت تک رہنمائی کرنی ہے) ﷺ کے تصرف بعد از ظاہری حیات میں کس بدنصیب' کم عقل کو شک ہو سکتا ہے۔

اولیاء اللہ یا صالحین امت بھی جب اللہ کی راہ کو اختیار کرتے ہیں تو مرتے دم تک وہ بھی اللہ کی راہ سے ہی چمٹے رہتے ہیں اور شہید کی طرح یہ بھی اللہ کی راہ میں ہی اس جہان سے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ بھی شہیدوں کی طرح اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور خوب تصرف کرتے ہیں۔

جس نبی ﷺ کے امتی، پیروکار شہید کا درجہ پائیں اور زندہ ہوں، جس نبی ﷺ کے پیروکار، امتی اولیاء اللہ بنیں اور دنیا کی زندگی میں بھی بیک وقت کئی کئی جگہ مصروف کار ہوں اس نبی ﷺ کی کتنی بڑی شان ہوگی۔ ظاہر حیات کے بعد کس قدر زیادہ (وقت رفتہ کے ساتھ ساتھ امتیوں کی تعداد اور دیگر مسائل بھی بڑھ رہے ہیں) تصرف ہوگا ہم قطعاً اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس بارے میں جو جناب علامہ احمد سعید شاہ کاظمی نے لکھا ہے، وہ بہت خوبصورت، مطمئن کن اور اعلیٰ معیار کا ہے۔ اس بارے میں میرے اپنے خیالات بھی وہی ہیں اور جس طرح سے انہوں نے اسے لکھا ہے، میں نے بھی تقریباً اسی انداز سے لکھنا تھا۔ یوں کہہ لیں کہ میں جناب علامہ احمد سعید شاہ کاظمی کا ہمنوا ہوں، اتفاق کرتا ہوں۔

تصرف نبی کریم رؤف الرحیم (انبیاء کرام) ﷺ اور اولیاء اللہ، صالحین پر یقین رکھنے والوں کے لیے تو یہ نئی بات نہیں لیکن جس خوش اسلوبی سے جناب علامہ نے آپ ﷺ کے تصرف کے بارے میں وضاحت کی ہے وہ بہت پسند آئی۔ یہ صرف جناب کاظمی صاحب کا ہی خاصہ ہے اور اس کا سہرا ان کے سر ہے اور وہ داد و تحسین کے مستحق ہیں۔ اللہ انہیں خوب خوب جزائے خیر دے۔ آمین۔

یہی بات میں کہنا، لکھنا چاہتا تھا۔ میں شاید اور آسان زبان میں لکھتا لیکن ماسوائے گرامر کے (جو عربی دانوں کے علاوہ سب کے لیے بہت مشکل ہے) جناب کاظمی صاحب نے مدعا (نقطہ) کو قابل فہم بنا کر پیش کیا ہے۔

علامہ احمد سعید کاظمی نے **وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین** کی تفسیر وتشریح میں لکھا ہے۔ ''العالمین سے مراد صرف انسان یا جن و بشر و ملائکہ ہی نہیں بلکہ کل ماسوی اللہ ہے۔ اس لیے کہ حضورِ پُر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کا رحمتہ اللعالمین ہونا جہت رسالت ہے اور رسالت کل مخلوق کے لیے عام ہے۔ جب رسالت کل مخلوق کے لیے عام ہے تو رحمت بھی سارے جہانوں کے لیے عام اور اللہ کے سوا ہر ذرے کو شامل قرار پائی۔ **وللہ الحمد۔**

اس کے بعد انہوں نے لفظ رحمت کی توجیہات کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''اگر مستثنیٰ منہ اعم علل ہو تو رحمہ ارسلنا فعل کا مفعول لہ، قرار پائے گا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی **وما ارسلنک لعلہ من العلل الا لا جل الرحمٰن للعالمین** (ہم نے آپ کو کسی لیے نہیں بھیجا، صرف عالمین کے واسطے ''رحمت'' کے لیے بھیجا ہے) اور اگر اعم احوال کو مستثنیٰ منہ بنایا جائے تو رحمت ضمیر خطاب سے حال ہوگا اور لفظ رحمت مصدر مبنی للفاعل ہو کر بمعنی راحم قرار پائے گا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی کہ **وما ارسلناك فی حال من الاحوال الا حال کونك راحما للعالمین** (اے محبوب ﷺ نہیں بھیجا ہم نے آپ کو کسی حال میں مگر صرف اس حال میں کہ آپ تمام جہانوں کے لیے رحم کرنے والے ہیں) لفظ رحمت مفعول لہ، ہو یا حال، بہر صورت حضورِ پُر نور نبی کریم روف ورحیم ﷺ راحم قرار پاتے ہیں کیونکہ مفعول لہ، سبب فعل ہوتا ہے اور فاعل بھی سبب فعل ہے۔ اسی لیے حضورِ پُر نور نبی کریم روف ورحیم ﷺ کا راحم ہونا حال اور مفعول لہ، دونوں کے مطابق ہے۔

خلاصتہ الکلام یہ کہ حضور نبی کریم ﷺ تمام کائنات، کل مخلوقات، ایک ایک ذرہ، ایک ایک قطرہ، غرض اللہ کے سوا ہر شے کے لیے رحم فرمانے والے ہیں۔ پھر علامہ کاظمی کہتے ہیں کہ اس کی روشنی میں حضورِ پُر نور نبی کریم روف ورحیم ﷺ کا تمام عالمین کے لیے راحم ہونا ثابت ہو گیا۔ تو راحماً للعالمین ہونے کے لوازمات ومناسبات بھی ثابت ہو گئے کیونکہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ **اذا ثبت بجمیع لوازمہ** جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔

کسی پر رحم کرنے والے کے لیے چار باتیں لازم ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ امر لازم ہے کہ رحم کرنے والا

زندہ ہو، مردہ نہ ہو کیونکہ مردہ رحم نہیں کرسکتا، وہ خود رحم کا طالب و مستحق ہوتا ہے، لہٰذا اگر حضور پُر نور نبی کریم روف ورحیم ﷺ معاذ اللہ زندہ نہ ہوں تو راحماً للعالمین نہیں ہو سکتے۔ جب آیت قرآنیہ سے حضور پُر نور نبی کریم روف ورحیم ﷺ کا زندہ ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

دوسری بات یہ کہ صرف زندہ ہونے سے کسی پر رحم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ رحم کرنے والا مرحوم کے حال وحوال کا عالم نہ ہو کیونکہ بے خبر کسی پر کیا رحم کرے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ فرض کیجیے، زید انتہائی مظلوم ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی شخص اس پر رحم کر کے ظالم کے ظلم سے بچائے۔ اسی خواہش کو دل میں لے کر وہ عمرو کے پاس جاتا ہے اور اس سے رحم کی درخواست کرتا ہے۔ عمرو اس کی درخواست سن لیتا ہے مگر اسے کچھ معلوم نہیں کہ اس کا کیا حال ہے؟ وہ نہیں جانتا کہ یہ کس مصیبت میں مبتلا ہے اور کس نوعیت کے رحم کا طالب ہے، اس لیے وہ اس سے دریافت کرتا ہے کہ تمہیں کیا تکلیف ہے اور تم کس طرح کی مہربانی چاہتے ہو؟ اب اگر زید اسے اپنا حال نہ بتائے اور یہی کہتا رہے کہ آپ میرا حال نہ پوچھیے، بس مجھ پر رحم کر دیجیے تو کیا عمرو اس پر رحم کر سکتا ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ جب تک وہ اپنا حال نہ بتائے، عمرو اس پر قطعاً رحم نہیں کر سکتا۔

آیات قرآنیہ کی روشنی میں حضور پُر نور نبی کریم روف ورحیم ﷺ راحماً للعالمین ہیں تو جب تک حضور پُر نور نبی کریم روف ورحیم ﷺ ماسوی اللہ جمیع و کائنات و مخلوقات کے حالات کو نہ جانیں اور جمیع ما کان و ما یکون کا عالم حضور پُر نور نبی کریم روف ورحیم ﷺ کو نہ ہو، اس وقت تک حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ راحماً للعالمین نہیں ہو سکتے۔ جب حضور انور نبی کریم ﷺ کا رحماً للعالمین ہونا ثابت ہے تو تمام کائنات کے احوال کا عالم ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

تیسری بات یہ ہے کہ صرف عالم ہونے سے بھی کسی پر رحم نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک کہ ''رحم کرنے والا مرحوم تک اپنی رحمت ونعمت پہنچانے کی قدرت واختیار نہ رکھتا ہو۔ مثال کے طور پر ایک شخص شب و روز ہمارے پاس مقیم ہے۔ وہ دن رات اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت و طاعت میں مشغول رہتا ہے اور عبادت و ریاضت کرتے کرتے وہ اس قدر ضعیف و ناتواں ہو گیا ہے کہ اس کے لیے چلنا پھرنا اور اٹھنا بیٹھنا تک دشوار ہو گیا ہے۔ اگر ایسے شخص کو ڈاکہ زنی اور قتل و غارت کے الزام میں پکڑ کر تختہ دار پر لٹکا دیا جائے اور وہ بے گناہ اس وقت ہم سے رحم کی درخواست کرتے ہوئے کہے کہ آپ خوب جانتے ہیں کہ میں بے گناہ ہوں، آپ مجھ پر رحم کیوں نہیں کرتے؟ تو ہم اسے یہی جواب دیں گے کہ واقعی ہم آپ کے حال سے اچھی طرح باخبر ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ آپ بے گناہ ہیں مگر فقط جاننے سے کیا ہوتا ہے۔ ہمارے پاس وہ قدرت و اختیار نہیں کہ آپ کو تختہ دار سے بچالیں۔

اپنی رحمت آپ تک پہنچانے کا جب تک ہمیں اختیار نہ ہو اور قدرت نہ پائی جائے اس وقت تک ہم آپ پر رحم نہیں کر سکتے۔

معلوم ہوا، قدرت و اختیار کا ہونا بھی رحم کے لیے ضروری ہے۔ جب حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ تمام مخلوقات اور کل کائنات کے لیے علی الاطلاق راحم ہیں تو ہر ذرّہ کائنات تک رحمت و نعمت پہنچانے کی قدرت و اختیار بھی حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے لیے حاصل ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ صرف قدرت و اختیار سے بھی کام نہیں چلتا۔ کسی پر رحم کرنے کے لیے یہ بات بھی ضروری ہے کہ رحم کرنے والا مرحوم کے قریب ہو اور مرحوم راحم کے قریب ہو۔

اس بات کو ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھ لیں کہ مثلاً آپ اپنے ایک مخلص دوست سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر کھڑے ہیں۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خونخوار دشمن نے آپ کے مخلص دوست پر حملہ کر دیا۔ وہ چلا کر آپ سے رحم کی درخواست کرنے لگا۔ آپ اس کی مدد کے لیے دوڑے اور خلوص قلوب (دل) سے اس پر رحم کرنے کے لیے آگے بڑھے مگر آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی دشمن نے اسے ہلاک کر دیا۔ اب غور کریں، آپ زندہ بھی ہیں اور اس دوست کو بچشم خود ملاحظہ بھی فرما رہے ہیں اور اس کے حال کے عالم بھی ہیں۔ رحم کرنے کی قدرت اور طاقت بھی آپ کے اندر پائی جاتی ہے۔ آپ اپنے اختیار سے رحم کر سکتے ہیں لیکن اس وجہ سے کہ وہ مخلص دوست آپ سے دور ہے اور آپ اس سے دور ہیں۔ آپ اپنی حیات، قدرت و اختیار کے باوجود بھی اس پر رحم نہیں کر سکتے۔

معلوم ہوا کہ رحم کرنے کے لیے راحم کا مرحوم سے قریب ہونا بھی ضروری ہے۔ کاظمی صاحب اس کے بعد ثابت کرتے ہیں کہ اگر کوئی ذات لطیف نہ ہو تو تمام جہانوں کے قریب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ تمام عالموں کے لیے رحمت فرمانے والے ہیں، لہٰذا زندہ ہیں اور تمام کائنات کے حالات و کیفیات کے عالم بھی ہیں اور ساتھ ہی عالم (عالمین) کے ہر ذرے تک اپنی رحمت اور نعمت پہنچانے کی قدرت اور اختیار بھی رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ تمام عالم (عالمین) کو محیط اور تمام کائنات کی ہر شے سے قریب بھی ہیں۔ نیز ایسے روحانی، نورانی اور لطیف ہیں کہ جس کی بناء پر آپ کا کسی ایک چیز سے قریب ہونا دوسری چیز کے بعید ہونے کو مستلزم نہیں۔

(مقالات کاظمی جلد 1 صفحہ 99-104)

❀❀❀❀❀❀❀❀

نورِ نبی ﷺ سے تخلیق کائنات

تمہید

اس موضوع کا سمجھ و بیان کے لحاظ سے ثقیل ہونے کے سبب اس کی تمہید بھی مقابلتاً لمبی ہے۔ یہ تمہید دراصل اس موضوع کا ابتدائی بیان ہے۔ اس تمہید کا یہ فائدہ ہے کہ یہ تمہید قارئین کرام کے لیے اس موضوع کو آسانی سے سمجھ آ جانے والا یعنی کہ زود فہم بنا دے گی اور یادداشت میں وہی بات اچھی طرح دیر تک محفوظ رہتی ہے جو پہلے اچھی طرح سمجھ آ چکی ہو۔ اس لیے آپ اس موضوع کے لیے اتنی لمبی تمہید سے نہ گھبرائیں اور اسے دھیان سے پڑھیں۔ آپ کے علم کو اس سے بہت وسعت ملے گی۔ اصل میں یہ اس موضوع کا حصہ ہی ہے۔

سورۃ یونس آیات 62 تا 64 میں ارشاد حاکم الحاکمین، رب العالمین ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ○ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

ترجمہ ''سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں، انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔''

اس آیت سے پہلے والی آیت مبارک میں ''کتاب مبین'' سے مراد ''لوح محفوظ'' ہے یعنی کہ لوح محفوظ کو کتاب مبین (روشن کتاب، ہر کچھ کا مفصل، واضح، آنکھیں کھول دینے والا بیان) فرمایا گیا ہے۔

اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں

اس آیت مبارک کا مطلب بہت واضح ہے کہ قرآن حکیم میں (جو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنے حبیب رسول کریم ﷺ کی معرفت اپنی مخلوق خاص طور پر انس و جاں سے برائے احکام و ہدایات و رہنمائی رابطہ ہے) جو کچھ فرما دیا گیا ہے وہ بالکل سچ ہے، اٹل حقیقت ہے۔ قرآن حکیم میں جو فرما دیا گیا ہے نظام قدرت نے اسی

کے مطابق چلنا ہے، اسی کے مطابق سب کچھ ہونا ہے۔ انس و جاں کو کوئی اس میں سے بات سمجھ آئے یا نہ آئے، انہیں اس پر یقین آئے یا نہ آئے، اسے پسند کریں یا نہ کریں لیکن کسی بھی صورت قرآن حکیم کی صداقت، حق، حقیقت سے فرار ممکن نہیں ہے۔ قیامت، روز حساب، جزا و سزا، جنت و دوزخ وغیرہم کو کوئی انس و جان مانے یا نہ مانے لیکن یہ اٹل حقیقتیں ہیں، یہ ٹلنے والی نہیں ہیں۔

ولی کی اصل اولاء سے ہے جو قرب و نصرت کے معنی میں ہیں۔ ولی اللہ وہ ہے جو فرائض سے قرب الٰہی حاصل کرے اور اطاعت الٰہی میں مشغول رہے اور اس کا دل نور جلال الٰہی کی معرفت میں مستغرق ہو۔ جب دیکھے دلائل قدرت الٰہی کو دیکھے اور جب سنے اللہ کی آیتیں ہی سنے اور جب بولے تو اپنے رب کی ثناہی کے ساتھ بولے اور جب حرکت کرے تو طاعت الٰہی میں ہی حرکت کرے اور جب کوشش کرے اسی امر میں کوشش کرے جو ذریعہ قرب الٰہی ہو۔ اللہ کے ذکر سے نہ تھکے اور چشم دل سے خدا کے سوا غیر کو نہ دیکھے۔

یہ صفت اولیاء اللہ کی ہے، بندہ جب اس حال پر پہنچا ہے تو اللہ اس کا ولی و ناصر اور معین و مددگار ہوتا ہے۔ متکلمین کہتے ہیں ولی وہ ہے جو اعتقاد صحیح مبنی بر دلیل رکھتا ہے اور اعمال صالحہ شریعت کے مطابق بجالاتا ہو۔ بعض عارفین نے فرمایا کہ ولایت نام ہے قرب الٰہی اور ہمیشہ اللہ کے ساتھ مشغول رہنے کا جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو کسی چیز کا خوف نہیں رہتا اور نہ کسی شے کے فوت ہونے کا غم ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ولی وہ ہے جس کو دیکھنے سے اللہ یاد آئے۔ یہی طبری کی حدیث میں بھی ہے۔ ابن زید نے کہا کہ ولی وہی ہے جس میں وہ صفت ہو جو اس آیت مذکور ہے۔ الذین امنو وکانو یتقون یعنی ایمان و تقویٰ دونوں کا جامع ہو۔ بعض علماء نے فرمایا کہ ولی وہ ہیں جو خالص اللہ کے لیے محبت کریں۔ اولیاء کی یہ صفت احادیث کثیرہ میں وارد ہوئی ہے۔

بعض اکابر نے فرمایا، ولی وہ ہے جو طاعت سے قرب الٰہی کی طلب کرتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کرامت سے ان کی کارسازی فرماتا ہے یا وہ جن کی ہدایت کا برہان کے ساتھ اللہ کفیل ہو اور وہ اس کا حق بندگی ادا کرنے اور اس کی خلق پر رحم کرنے کے لیے وقف ہو گئے۔ یہ معانی اور مذکورہ بالا عبارات اگرچہ جداگانہ ہیں لیکن ان میں اختلاف کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ ہر ایک عبارت میں ولی کی ایک ایک صفت بیان کر دی گئی ہے جسے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے یہ تمام صفات اس میں ہوتی ہیں۔ ولایت کے درجے اور مراتب میں ہر ایک بقدر اپنے درجے کے فضل و شرف رکھتا ہے۔

اس خوشخبری سے یا تو وہ مراد ہے جو پرہیزگار ایمانداروں کو قرآن کریم میں جا بجا دی گئی ہے یا بہترین خواب مراد ہے جو مومن دیکھتا ہے یا اس کے لیے دکھایا جاتا ہے جیسا کہ کثیر احادیث میں وارد ہوا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ولی کا قلب اور اس کی روح دونوں ذکر الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں تو وقت خواب اس کے دل میں سوائے ذکر و معرفت الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس لیے جب ولی خواب دیکھتا ہے تو اس کی خواب حق اور اللہ

تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے حق میں بشارت ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے اس بشارت سے دنیا کی نیک نامی بھی مراد لی ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے عرض کیا گیا۔ اس شخص کے لیے کیا ارشاد فرماتے ہیں جو نیک عمل کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریفیں کرتے ہیں۔ فرمایا یہ مومن کے لیے بشارت عاجلہ ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ بشارت عاجلہ رضائے الٰہی اور اللہ کے محبت فرمانے اور خلق کے دل میں محبت ڈال دینے کی دلیل ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس کو زمین میں مقبول کر دیا جاتا ہے۔ قتادہ نے کہا کہ ملائکہ وقت موت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بشارت دیتے ہیں۔ عطا کا قول ہے کہ دنیا کی بشارت تو وہ ہے جو ملائکہ وقت موت سناتے ہیں اور آخرت کی بشارت وہ ہے جو مومن کو جان نکلنے کے بعد سنائی جاتی ہے کہ اس سے اللہ راضی ہے۔

حدیث مبارک ہے:

ہادیٔ دو جہاں، پیغمبر اول وآخر واعظم نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

''اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے دوست کے' اپنے ولی (اللہ کا ولی یا دوست وہ ہوتا ہے جو اللہ کو ہر وقت، ہر حال اپنے ساتھ رکھتا ہو، پاتا ہو اور اس کا ہر فعل ہر قدم ہر سانس اللہ کے لیے ہو اور اتباع ومحبت رسول کریم ﷺ سے لبریز ہو) کے ہاتھ، آنکھ اور کان بن جاتا ہوں۔

(بخاری بحوالہ الدلائل القاطعہ صفحہ 216)

صحیح بخاری، 6021 کے مطابق یہ حدیث مبارک یوں ہے:۔

''امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ جس شخص نے میرے ولی سے دشمنی رکھی، میرا اس کے لیے اعلان جنگ ہے۔ میرے بندے نے فرائض سے بڑھ کر کسی چیز کے ذریعے میرا قرب حاصل نہیں کیا۔ (فرائض ادا کرنے کے بعد) میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں (یعنی میرے نور کا جلال) اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور اسے عطا کرتا ہوں اور اگر میری پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا۔''

قارئین کرام! اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنے ولی کے ہاتھ، کان، آنکھ بن جانا، پاؤں ہو جانا معمولی بات نہیں ہے۔ اسے توجہ سے پڑھیں، سرسری نظر سے نہ گزاریں۔ اولیاء اللہ کے اسرار ورموز کو جاننے، سمجھنے میں اس سے بہت مدد ملے گی۔

اولیاء اللہ کے اسرار و رموز، کائنات کے اسرار و رموز ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسرار و رموز ہیں، انہیں اگر آپ یقین کے ساتھ پڑھیں گے، سمجھیں گے تو آپ کو ہر مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان نظر آئے گی۔ بلواسطہ اللہ تبارک وتعالیٰ نظر آئیں گے اور اس سے زیادہ کسی کی کیا خوش نصیبی ہوگی کہ اسے قرآن حکیم، نبی کریم ﷺ اور اللہ تبارک وتعالیٰ پر یقین کامل ہو، اسے یقین کامل نصیب ہو جائے اور وہ فلاح دارین پا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرما دیا کہ ''اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں'' ہمارے لیے فلاح دارین، نجات کا راستہ پرخلوص، پریقین، پرشوق اتباع رسول کریم ﷺ میں ہی ہے اور یہ اسے ہی نصیب ہوگا جسے قرآن حکیم پر، اللہ کی باتوں پر، اللہ پر کہ وہی یکتا خالق و مالک وقادر مطلق ہے (یعنی کہ وہ ہر وقت ہر کچھ کرنے پر قادر ہے اور اسے کسی بھی چیز کے وجود میں لانے کے لیے، ظہور پذیر کرنے کے لیے، ہو جانے کے لیے صرف ''کن'' کا ارادہ فرمانا ہوتا ہے۔) کا یقین کامل ہے۔

اب آپ اس اپنے جیسے (ظاہریت میں) آدمی کی صلاحیتوں کا اندازہ لگائیں۔ اس کے کمالات کا سوچیں جو اللہ کا دوست بن گیا۔ اس کا ولی بن گیا ہے اور بدلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے پرشوق، پرخلوص اتباع پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ سے خوش ہو کر اس کے ہاتھ، کان، آنکھ بن جاتا ہے اور پاؤں ہو جاتا ہے۔

ہم اپنے ہاتھوں کا کیا استعمال کرتے ہیں؟ آپ بھی سوچیے اور اس کا جواب اپنے آپ کو دیں۔ ہاتھوں سے ہم ہر کام کرتے ہیں، عمل کرتے ہیں، کام کی نوعیت کے مطابق مختلف چیزوں کو آگے پیچھے، اوپر نیچے کرتے ہیں، کسی کو ہٹاتے ہیں، کسی کو لاتے ہیں۔ کسی کو ضائع کرتے ہیں، کسی کو محفوظ کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہم اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں۔

آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں، کانوں سے سنتے ہیں۔ اب آپ سوچیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کہاں نہیں ہیں؟ وہ تو ہر جگہ موجود ہے، زمین پر، زمین میں، پانی میں، اجرام فلکی میں، اس فضائے بسیط میں جس میں سب اجرام فلکی تیر رہے ہیں، ساری کہکشاؤں میں سات آسمانوں میں باقی اور چھ زمینوں میں غرضیکہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو ہر جگہ موجود ہیں۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ولی کے ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ بن گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ولی کی، اس کارندے کی، اس بندے کی پہنچ بھی، کام کرنے کی صلاحیت بھی، سننے اور دیکھنے کی صلاحیت بھی ہر جگہ ہی اللہ کی مرضی، اذن سے پہنچ گئی یعنی کہ ولی اللہ کائنات میں کہیں بھی، زمین پر کہیں بھی، کسی ملک، کسی خطہ میں بھی وہ اللہ کے حکم و اذن سے کارفرما ہوتے ہیں۔ وہ ایک وقت میں کئی جگہ مصروف کار ہوتے ہیں۔

ولی نے یہ مقام پرخلوص، پرشوق اتباع رسول کریم، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے کمایا ہے، پایا ہے۔ بس اس سے ہی آپ حبیب خدا، پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کی عظمت، رفعت و شان اور آپ ﷺ کی عبدیت، عبادت و قربت کا سوچ لیں کہ ان کا کیا عالم ہوگا اور یہ کہ آپ ﷺ کی پہنچ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے اذن، حکم سے ساری کائناتوں پر ہر آن ہر لحہ ہر جہت سے ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

دین اسلام میں سلامتی اور امان ہے اور امت مسلمہ کو قرآن پاک میں امت وسطیٰ جو کہا گیا ہے علمائے دین، شارحین کرام نے امت اوسط یا امت وسط کو معانی کا جو لباس پہنایا ہے، وہ اسے روحانی حوالے سے اس طرح پیش کرتے ہیں۔

انہوں نے انسانوں کو اس سلسلے میں تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک گروہ تو رہبانیت کو اللہ کی محبت میں فنا ہونے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ یہ سراسر زندگی سے فرار ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو یہ جو خوبصورت زندگی عطا کی ہے، اس کو بھرپور طریقے سے گزارنے کے لیۓ خوبصورت انداز میں گزارنے کے لیے صرف جنگلوں، غاروں، اور ویرانوں میں میلے کچیلے جسم اور کپڑوں یا بے لباس رہنا، یا دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے محروم رہنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ کفران نعمت ہے۔

اس کے علاوہ انسانوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو دنیا کے ساز وسامان میں ترقی کرنے کے لیے اپنی ذہانتوں اور توانائیوں کو صرف کرتا ہے، تسخیر کائنات کی دوڑ میں بے تحاشا سرگرم ہے۔ اس کی منزل صرف دنیا کی محبت، دنیا پر حکومت، دنیا میں فوقیت اور انسانوں پر برتری حاصل کرنا اور دنیا کے خزانے جمع کرنا ہی اس گروہ کا منتہائے مقصد ہے۔ یہ مادہ پرست گروہ ہے' خدا کے معاملے میں اس گروہ کو کوئی دلچسپی نہیں۔

ان دونوں کے درمیان۔ ان دونوں کے وسط میں امت مسلمہ کا گروہ آتا ہے جو سراسر عدل وانصاف، خوف وخدا، اس کی نعمتوں کا اعتراف اس کی عبادت، ریاضت میں مشغول رہتے ہوئے حقوق العباد اور حقوق اللہ کو بطریق احسن ادا کرتا ہے اور دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے بیزاری اور لاتعلقی کے ساتھ دل کو دنیا کی محبت سے خالی رکھتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام پیروی کرتے ہوئے، اس دنیا میں رہتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ مسلمان وہ ہے جو نہ دنیا کی محبت میں اتنا ڈوب جائے کہ خدا کو بھول جائے اور نہ سب کچھ چھوڑ کر جنگلوں اور غاروں میں چلا جائے۔ یہی امت وسطیٰ ہے، یہی روحانیت ہے۔

مومن کی پہچان یہ ہے کہ اس کو نہ ماضی کی محرومیوں کا غم ہوتا ہے، نہ مستقبل کا خوف ہوتا ہے۔ روحانیت کے بھی درجات ہیں جن میں سب سے کم درجہ ولایت ہے اور سب سے بلند درجہ نبوت ہے۔ ولایت کسی نبی کی شریعت پر عمل پیرا ہو کر حاصل ہوتی ہے مگر ولی، مردان حق وہ ہے جو خود کو فنا کر کے حق کے ساتھ باقی ہو جائے۔

حضرت ذوالقون مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ولی کوئی ایسی بات نہیں کہتا جو خود اس میں موجود نہ ہو۔ جب وہ بولتا ہے تو اس کی ہر بات حق ہوتی ہے۔ جب خاموش ہوتا ہے تو اس کا ہر فعل دائرہ فقر میں ہوتا ہے۔ حضرت ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ کا دوست (ولی) وہ ہے جس کے قبضے میں کچھ نہ ہو اور نہ وہ کسی کے قبضے میں ہو یعنی وہ دنیاوی ساز وسامان اور زیب وزینت سے بے نیاز ہوتا ہے کیونکہ وہ ان میں کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔

روحانی ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جو اپنی صفت فنا کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت کے ساتھ باقی ہو جاتی

ہیں۔ جب بقاء کے درجے کو پہنچ گئے اور جب آفتاب اور مہتاب کے نور مل جاتے ہیں۔ یہی محبت اور عشق کی صفائی ہے معراج ہے ان دونوں انوار کے ملاپ کے غلبہ سے معرفت وتوحید اور عشق کے نور سے عرش الٰہی دیکھ لیا جاتا ہے۔ جب یہ درجہ یہ منزل آجائے تو یہ (ولی اللہ) مقام دنیا وعقبیٰ میں فنا ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے مٹی اور سونا برابر ہو جاتے ہیں اور جن احکام الٰہی کی حفاظت خلق پر بھاری ہوتی ہے' دشوار ہوتی ہے، وہ ان پر آسان ہو جاتی ہے۔

حضرت حارث رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے تو حضور پرنور ﷺ نے دریافت فرمایا۔ ''اے حارث تم نے صبح کیسے کی؟'' عرض کی میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حقانیت پر ایمان رکھتے ہوئے صبح کی۔ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا، اے حارث غور کرو تم کیا کہہ رہے ہو؟ ہر شے کی بنیاد کسی حقیقت پر' کسی دلیل پر ہوتی ہے۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ آقا میں نے دنیا سے اپنی جان نکال کر اپنے رب کو پہچانا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ پتھر، سونا، چاندی اور مٹی میرے لیے برابر ہیں۔ میں نے دنیا سے بیزار ہو کر عقبیٰ سے رشتہ جوڑ لیا ہے۔ اب رات کو بیدار رہتا ہوں اور دن کو پیاسا رہتا ہوں۔ میری حالت یہ ہو چکی ہے کہ اپنے رب کے عرش کو دیکھ رہا ہوں۔ جنتیوں کو آپس میں ملاقاتیں کرتا دیکھ رہا ہوں۔ دوزخ کی آگ میں جہنمیوں کو ایک دوسرے سے دست وگریباں دیکھ رہا ہوں۔ ایک دوسرے سے نادم ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا، تم نے جو کچھ جان لیا، پہچان لیا، اس پر قائم رہنا۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے تین مرتبہ یہی فرمایا۔

حضرت ابوالحسن نوری قدس سرہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اولیاء کرام وہ ہیں جن کے نفس کدورت بشریہ سے آزاد ہیں، پاک ہیں۔

نفسانی آلائشوں، کثافتوں اور خواہشوں سے پاک ہو کر، ہر آرزو اور تمنا سے بے نیاز ہو کر اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں بلند درجے حاصل کرتے ہیں اور وہاں آرام میں ہیں کیونکہ انسانی آنکھ صرف کثیف اور مادی اجسام کو ہی دیکھ سکتی ہے۔ غیر مادی اور لطیف اشیاء کو نہیں مگر وہ عرفاء کاملین، ولی اللہ جنہوں نے تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے ذریعے اپنی آنکھ روشن کر لی ہوتی ہے اور ان کی چشم بصیرت سے مادی حجابات اٹھ چکے ہوتے ہیں، وہ نہ صرف ملائکہ کو دیکھ سکتے ہیں بلکہ انہیں ان سے ملاقات اور اکتساب فیض کا شرف بھی حاصل ہوتا ہے۔ (اجزائے ایمان جلد 2 صفحہ 152)

اولیاء اور صوفیائے کرام بھی عشق الٰہی میں اپنے آپ کو فنا کر لیتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے ساتھ باقی ہو جاتے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء میں فرق یہ ہے کہ انبیاء کرام اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات میں گم ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ اس کی صفات میں گم ہوتے ہیں۔ انبیاء کا علم فطری ہے اور اولیاء اللہ ریاضت اور مجاہدے کے محتاج ہوتے ہیں۔ اولیاء اور صوفیاء کسی پیغمبر یا نبی کے احکام پر چل کر درجات کی منزلیں طے کرتے ہیں مگر نبوت

کو اللہ تبارک و تعالیٰ کمال و تمام کر کے بھیجتا ہے۔ نبی کسی قوم کو ہدایت یافتہ بنانے میں مشقت اور مصائب برداشت کرتا ہے۔ وہ اس کی اپنی ذات کے لیے نہیں ہوتے بلکہ وہ یہ سب کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے اور اس کی مخلوق کی بھلائی کے لیے کرتا ہے۔ اولیاء اللہ تبارک و تعالیٰ کے عشق میں فنا ہوتا ہے تو یہ اس کا اپنا عشق ہے۔ اگر وہ خلوق خدا کی بھلائی کے لیے بھی کچھ کرتا ہے تو یہ بھی نبوت کی پیروی ہے، نبوت نہیں۔

عظمتیں یونہی حاصل نہیں ہو جاتیں۔ حضرت ابو محمد مرتعش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ صوفی وہ ہے جس کا اندیشہ اپنے قدم کے ساتھ برابر ہو۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دل مکمل طور پر حاضر رہے یعنی دل وہاں ہو جہاں دماغ ہو اور دماغ وہاں ہو جہاں دل ہو۔ یہ حضوری کی علامت ہے۔ حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ صوفی وہ ہے جو دونوں جہان میں بجز ذات باری کے اور کچھ نہ دیکھے۔ بندہ کی پوری ہستی غیر ہے۔ جب وہ غیر کو نہ دیکھے گا تو خود کو بھی نہ دیکھنے پائے گا اور اپنی نفی اور ثبات کی حالت میں وہ اپنے آپ سے مکمل طور پر بیگانہ ہوگا۔ اس سے فارغ ہوگا۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ روحانیت اور اہل صفاء کی بنیاد آٹھ خصلوں پر ہے۔ سخاوت، رضا، صبر، اشارہ، غیرت، صوف کے کپڑے پہننا، سیاحت اور فقر۔ یہ آٹھ صفات نبیوں کی اقتداء میں ہے۔ یہاں درج ذیل علم کی خاطر بیان کر رہا ہوں۔ حقیقت میں تو سب کچھ کا اول و آخر آپ ﷺ ہی ہیں یعنی کہ پس پردہ تمام خوبیوں، خصائص انبیاء کرام کی ابتداء بھی آپ ﷺ سے ہے اور انتہا بھی سب خصائص و خوبیوں کی آپ ﷺ میں ہے۔

سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کی خاطر بیٹا قربان کرنا چاہا۔ گلے پر چھری پھیر دی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں امتحان میں کامیاب قرار دیا۔ رضا حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہ رضا جوئی کے لیے اپنے گلے پر چھری چلوانے کے لیے تیار ہو گئے اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ صبر حضرت ایوب علیہ السلام کی شان ہے۔ بے پناہ مصائب اور آفات کا سامنا کرتے ہوئے صبر کا دامن نہ چھوڑا اور ہر آزمائش میں پورے اترے۔ اشارہ حضرت زکریا علیہ السلام کی شان ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: آپ تین دن تک لوگوں سے بات نہیں کریں گے۔ وہ اس آزمائش میں ثابت قدم رہے۔

غیرت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شان ہے کہ وہ زندگی بھر اپنے وطن میں مسافروں کی طرح رہے۔ اپنے خاندان میں رہتے ہوئے ان سے بیگانہ رہے۔ سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے، یہ ان کی شان ہے۔ وہ سیاحت میں ہمیشہ اکیلے اور مجرد رہے۔ سوائے ایک پیالہ اور کنگھی کے کچھ ساتھ نہ رکھا۔ آپ نے کسی کو دیکھا کہ کوئی دونوں ہاتھوں کو ملا کر پانی پی رہا ہے تو پیالہ بھی توڑ دیا اور جب کسی کو دیکھا کہ انگلیوں سے بالوں کو کنگھی کر رہا ہے تو کنگھی بھی پھینک دی۔

صوف کا لباس حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنتے تھے۔ ہمیشہ موٹے اور معمولی کپڑا پہنتے تھے اور فقر سردار انبیاء

امام المرسلین خاتم النبیین حضور پُرنور حضرت محمد ﷺ کی شان مبارک ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں آپ کو مرحمت فرما دیں اور فرمایا خود کو مشقت میں نہ ڈالیں۔ آپ ﷺ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا۔ اے پروردگار عالم مجھے ان خزانوں کی حاجت نہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھا لوں تو دو دن فاقہ میں گزاروں۔ یہ اہل صفا کے لیے رہنما اصول اور نمونے ہیں۔

حضرت عثمان علی ہجویری عرف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ولی وہی ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی طاقت (مندرجہ بالا صفات کی طاقت) عطا فرمائی۔ ایسا ولی صاحب حال ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا اسے اور کچھ خبر نہیں ہوتی۔ ولی کا لفظ تو عام ہے مگر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اولیاء وہ ہیں جن پر نہ خوف طاری ہوتا ہے نہ وہ غم زدہ ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اولیاء کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ ہم تمہاری دنیا اور آخرت کی زندگی میں تمہارے مددگار ہیں۔

(سورہ حم سجدہ آیت 31)

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ بندگانِ خدا میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن پر انبیاء اور شہداء رشک کرتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا جو دنیا کو چھوڑ کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ ان کے چہرے نور کے میناروں پر سورج کی طرح چمک رہے ہیں۔ جب لوگوں پر خوف طاری ہوتا ہے، وہ بے خوف ہوتے ہیں۔ جب لوگوں پر غم طاری ہوتا ہے، انہیں کوئی غم نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کا حال ایسا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اپنی دوستی اور ولایت کے لیے مخصوص کر دیا ہوتا ہے۔ ان کو آفتوں سے بچا لیا ہوتا ہے اور حرص وہوس کی پیروی سے پاک ہوتے ہیں۔ ان کا ہر ارادہ خدا کا ارادہ ہوتا ہے۔

یہ ایسے لوگ ہیں جو ماضی میں بھی تھے، اب بھی ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ نبوت تو حضور اکرم ﷺ پر ختم ہوگئی۔ کیونکہ یہ نبوت اور دین متین قیامت تک کے لیے ہیں اس لیے اس نبوت کی صداقت کے لیے اولیاء اللہ دلائل حق کے ساتھ اس جہان کے والی بنا دیئے گئے اور اس فرض کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے نفس کی پیروی کے رستوں کو چھوڑ دیا۔

یہ وہ لوگ ہیں کہ آسمان سے رحمت کی بارش ان کے قدموں کی برکت سے برستی ہے۔ زمین سے جو کچھ اگلتا ہے، ان کے احوال کی صفائی کی بدولت پیدا ہوتا ہے۔ کافروں پر فتح یابی اور کامرانی انہیں کے ارادے سے ہوتی ہے۔ ان اولیاء اللہ میں سے چار ہزار ہر وقت دنیا میں موجود رہتے ہیں۔ وہ دنیا کی نظروں سے چھپے رہتے ہیں۔ وہ خود ایک دوسرے کو نہیں جانتے اور نہ پہچانتے ہیں۔ وہ اپنی ولایت کو بھی نہیں جانتے۔ ان سب کی اپنی ہر حالت اپنے آپ سے اور تمام لوگوں سے پوشیدہ رہتی ہے۔

ان اولیاء میں مشکلات کو حل کرنے والے اور حل شدہ کو بند کرنے والے بارگاہ حق کے لشکری ہیں۔ یہ تین

سو افراد ہوتے ہیں۔ ان کو اخیار کہتے ہیں۔ چالیس اور ہیں جن کو ابدال کہتے ہیں اور تین اور ہوتے ہیں جن کو نقباء کہتے ہیں۔ پھر ان کے بعد (ان سب کے اوپر) ایک وہ ہستی ہوتی ہے جس کو قطب اور غوث بھی کہتے ہیں۔ یہ تمام مقدس ہستیاں ایک دوسرے کو جانتی اور پہچانتی ہیں۔ معاملات اور امور میں ایک دوسرے سے اجازت لیتے ہیں، مشاورت بھی ہوتی ہے مگر حکم غوث اور قطب کا چلتا ہے۔

اولیاء اللہ جو پردہ فرما گئے اور جو اس وقت موجود ہیں یہ سب ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے کارندے ہیں، اس کے باطنی نظام کا حصہ ہیں۔

آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ ﷺ کے دین نے قیامت تک رہنا ہے یعنی کہ یہ دین اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ آخری دین ہے اور آپ ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔

اس دین کو، دین کی تازگی کو، دین کی روح کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے لیے، انس وجاں کے لیے اچھی شکل میں قیامت تک کے لیے قائم رکھنا ہے اور اولیاء اللہ اپنی دنیاوی زندگی میں اپنے عمل سے اور اپنے خداداد علم سے اسلام میں در آئی، لائی گئی خامیوں کو دور کرتے ہیں۔ بھولی ہوئی سنتوں کو پھر سے اجاگر کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں بانیان دین اور دین کی محبت پیدا کرتے ہیں۔

یہ اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں۔ ولی کامل اللہ کی راہ میں ہی زندگی گزارتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جان دیتے ہیں۔ اس لیے ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ شہیدوں کی طرح اپنی قبروں میں زندہ رکھتا ہے۔ موت ان کے لیے ہم سے پردہ ہوتی ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے نظام میں باطنی نظام میں وہ زندہ ہوتے ہیں، کارفرما ہوتے ہیں اور موجود اولیاء سے ملتے ہیں، ان کی مدد و رہنمائی کرتے ہیں اور یہ ان سے اس طرح ملتے ہیں جیسے ہم دو دوست، ہم خیال ملتے ہیں اور یہ سب کچھ اتباع رسول کریم ﷺ میں ہوتا ہے۔ اللہ کے حکم و اذن سے ہوتا ہے۔

حضرت حق باہو، سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ (جو اُمی نبی ﷺ کے اُمی ولی ہیں) نے اپنے کلام میں کئی بار فرمایا ہے کہ ولی کامل اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں یا ولی کامل وہ ہے جس کی قبر زندہ ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے ہاتھ، کان، آنکھ بن جاتا ہے، پاؤں ہو جاتا ہے۔ اس کی پہنچ، اس کے کام کرنے کی پہنچ، اس کے سننے کی صلاحیت، اس کے دیکھنے کی صلاحیت سے دنیا کا کوئی گوشہ باہر نہیں ہوتا اور وہ بیک وقت کئی کئی مقامات، ملکوں، جگہوں پر کارفرما ہوتے ہیں۔ میں نے ایک ولی کو متعدد بار ایک سے زیادہ مقامات پر دیکھا ہے اور مجھے یہ معلوم ہے یقین ہے ان کا اس طرح سے مجھ پر ظاہر کرنا میری تعلیم کے لیے ہے اور اس معاملہ میں یقین بالعین کے لیے ہے تاکہ میں ان کی عظمتوں کو دیکھ کر ہادی دو جہاں، پیغمبر اول و آخر و اعظم کی حقیقی عظمت، رفعت، شان و قربت کا کچھ تو سوچ سکوں، اندازہ کرسکوں اور ان کو اجاگر کرنے کی ہمیہ

کوشش کرسکوں۔

نیکی و بھلائی کی توفیق و ہدایت اللہ تبارک وتعالیٰ ہی دیتا ہے اور اسے ضرور دیتا ہے جو اس سے ہدایت چاہے، مانگے، جو حق کا متلاشی ہو، جو اللہ سے غائبانہ ڈرے، جس کو ایمان بالغیب نصیب ہو، یہ یقین ہو کہ یہ زندگی عارضی ہے اور آخرت کی کمائی کے لیے ہے۔ روز حساب اپنے رب کے حضور اکیلے اکیلے ہر کچھ کا حساب دینا ہوگا۔

یہ زندگی، زندگی میں ہر کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا ہے، دین ہے۔ وہ بے نیاز ہے جس کو چاہے جو دے دے، جتنا چاہے دے دے۔ یہ دنیا دے دے، آخرت دے دے یا دونوں دے دے۔ وہ حکیم و دانا ہے۔ اس کی حکمت وہی جانے اس کے دینے لینے کے انداز و طریقے بھی بڑے ہی عجیب و غریب ہیں۔ کہیں وہ سب کچھ لے کر سکون آخرت دے دیتا ہے اور کہیں سب کچھ دے کر بھی انسان کو عاجزی، انکسار و فکر آخرت عطا کر دیتا ہے اور کہیں اس کے بالکل برعکس اور کہیں یہ عالم کہ

بن مانگے موتی ملیں مانگے ملے نہ موت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ تمام جہان تمام کائناتیں اپنی پسند، مرضی و خوشی سے بنائیں ہیں۔ وہی انہیں اپنی حکمت سے ایک معین وقت تک کے لیے چلا رہا ہے اور یہ سب کچھ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ تمام جہان و تمام کائناتیں کس خوشی میں، کس وجہ، کس سبب وجود میں لائی گئیں اس کا ذکر خیر بعد میں ہوگا۔ فی الحال مندرجہ بالا و مندرجہ ذیل کو ہی ایک دوبار اور پڑھیے تاکہ سمجھنے میں آسانی رہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ، اس کا نظام رشد و ہدایت، اس کی کائنات، نظام کائنات، ارض و سماء کے بارے میں سوچنا، اس پر غور و خوض کرنا عبادت ہے۔ اچھی یا مثبت سوچ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا ہے، رحمت ہے، نعمت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں جا بجا فرمایا ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان سب کچھ میں (سورۃ یونس آیت 6 ترجمہ "اور جو کچھ اللہ نے، آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا، ان میں نشانیاں ہیں ڈر والوں (پہچاننے والوں) کے لیے۔") میری نشانیاں موجود ہیں۔ غور و خوض کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگائیں کہ عبادت کے متعلق تقریباً ایک سو پچاس آیات مبارک ہیں لیکن مطالعہ کائنات (سوچنے، غور و غوض کرنے کی ترغیب) سے متعلق چھ سو سے زائد آیات مبارک ہیں۔ آپ غور و خوض تو کریں تفکر و، تدبر و پر مثبت انداز سے عمل پیرا تو ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے ساتھ ساتھ ہے۔

سورۃ ق آیت 16 میں خلاق العلیم، غفور الرحیم کا ارشاد پاک ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ○

ترجمہ "اور بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم دل کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے نزدیک ہیں۔"

طلب کے بعد ہی اللہ تبارک وتعالیٰ حسب شوق، محنت وخواہش، عقل وفہم، دانش ودانائی وحکمت بھی دے دیتا ہے اور جو کچھ وہ دے دے اس کا احسان ہے، غنیمت ہے۔ اس کے شکر گزار رہوں اور جو وہ نہ دے اس پر بھی صابر وشاکر رہیں کہ نہ دینے کی مصلحتیں وہی جانتا ہے اور یوں شاید وہ شکر گزاری، قناعت وعاجزی کو منظور کر لے اور دونوں جہانوں میں کامیاب وکامران کر دے اور سچ تو یہ ہے کہ اس کے بغیر چارہ بھی نہیں۔ اس لیے رضائے الٰہی میں ہی خوش رہنا چاہیے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کی اس کیفیت کو بہت پسند فرماتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی مصلحتیں، حکمتیں اللہ ہی جانے یہ ہمارے فہم کی بات نہیں ہے۔ ہمیں یہ باتیں سمجھ نہیں آ سکتیں۔ وہ تو کیڑے کو پتھر کے اندر بھی پیدا کرتا ہے، پالتا ہے۔ ایسی بے شمار مخلوق خدا ہے جو ہمیں طاقتور خورد بین سے بھی نظر نہیں آتیں۔ وہ انہیں بھی بناتا ہے، پیدا فرماتا ہے۔ وہ بھی خدائے واحد، خالق و مالک کے بنائے ہوئے نظام کے تحت پرورش، نشوونما، افزائش نسل اور زندگی اور موت کے درمیان کے مختلف ادوار و مراحل سے گزرتی ہیں۔

سورۃ انعام آیت 59 میں تمام کائناتوں، جہانوں کے خالق و مالک کا ارشاد ہے۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا

ترجمہ ''اور (اللہ) جانتا ہے جو کچھ بھی خشکی اور تری میں ہے اور جو پتا گرتا ہے وہ اس کے علم میں ہے (وہ اسے جانتا ہے)''

وہ خالق، مالک ورازق ہے نہ جانے اور کتنی بے شمار مخلوق رب العالمین ایسی ہے جن کے جوڑے ہیں لیکن ہم انہیں نہیں جان سکے، نہیں جان سکے۔

سورۃ یٰسین آیت 36 میں خالق کائنات کا ارشاد ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ ''پاکی ہے اسے جس نے سب جوڑے بنائے۔ ان چیزوں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان سے اور ان چیزوں کے جن کی تمہیں خبر نہیں۔''

کوئی پتہ بھی اس کے حکم واذن وعلم کے بغیر نہیں گرتا۔ اس نے سب کچھ اپنی حکمت سے اور بامقصد پیدا کیا ہے۔ اس کے علم ونظر میں سب کچھ ہے، ذرہ ذرہ اور اس سے چھوٹا ایٹم، پروٹون، نیوٹرون سب ہی اس کے علم ونظر حکم واطاعت حاکمیت وربوبیت میں ہیں۔

سورۃ یونس آیت 61 میں علیم الخبیر، خالق و مالک کا ارشاد ہے۔

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

ترجمہ ''اور تمہارے رب سے ذرہ بھر کوئی چیز چھپی نہیں۔ زمین میں نہ آسمانوں میں اور نہ اس سے

چھوٹی اور نہ اس سے بڑی، کوئی چیز نہیں ہے جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔"

کیونکہ وہ سب کچھ کا ہی خالق، مالک، رازق، حاکم و رب ہے۔ اس لیے اس کا علم وقدرت حاکیت و ربوبیت بھی سب کچھ پر چھائی ہوئی ہے۔ رب العالمین، خالق و مالک کائنات، ان تمام جہانوں میں، تمام کائناتوں میں جو کچھ بھی ہے اس کو اپنے علم وقدرت حاکیت و ربوبیت کے احاطہ میں لیے ہوئے ہے۔

سورۃ جن آیت 28 میں ارشاد رب العالمین ہے:

لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝

ترجمہ "تاکہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے ربّ کے پیام پہنچادیئے اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس کے علم میں ہے، اور اس نے ہر چیز کی گنتی شمار کر رکھی ہے۔"

اس معاملہ میں اگر میں یہ کہوں کہ پہلے دو اور جمع دو کا پانچ ہونا ضروری ہے تو وہ بالکل صحیح ہوگا یعنی کہ دو اور جمع دو تو گنتی کے حساب سے چار ہوئے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ تو ہر وقت، ہر جگہ، ہر کچھ میں موجود ہے یعنی وہ پانچواں اس گنتی میں بھی موجود ہے اور ہر کچھ میں، ہر جگہ، ہر وقت موجود ہے۔ جب یہ کیفیت حاصل ہو (کہ اللہ کو ہر معاملہ میں ساتھ سمجھے، موجود جانے) تو اس کے بعد اگر صاحب عقل دو اور دو کو چار کرے تو پھر وہ راہ راست پر گامزن رہ کر آگے بڑھتا ہے۔ عقل بھی اس کا ساتھ دیتی ہے اور نصیب بھی۔ بصورت دیگر یہ عقل دھوکا کھا جاتی ہے، دھوکا دے دیتی ہے اور آدمی بھٹک جاتا ہے۔

ایک مثال دے رہا ہوں۔ میں نے مثال دینے سے پہلے بہت سوچا ہے لیکن جو بات میں واضح کرنا چاہتا ہوں، اسے واضح کرنے کا اور بہتر طریقہ سمجھ نہیں آتا۔ میں نے بار بار یہ سوچا ہے کہ یہ بات جو میں اپنے پڑھنے والے کے دماغ میں ہمیشہ کے لیے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں، کیا اس کے کرنے، کہنے کا کوئی اور بھی بہتر طریقہ ہے؟ مجھے تو یہی مثال اپنے ماحول کے قریب تر لگی اور یہ طریقہ ایسا لگا جو کم پڑھنے لکھے حضرات کی سمجھ میں زیادہ آسانی سے آسکتا ہے اور اسے پڑھنے والے کے دماغ میں نبی اکرم ﷺ کی عظمت و رفعت اجاگر ہوگی۔ آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا، کائنات میں منفرد مقام کا حامل ہونا، حبیب خدا ہونا، افضل الانبیاء یعنی کہ سید المرسلین ہونا وغیرہ آسانی سے سمجھ آجائے گا اور یادداشت میں محفوظ بھی ہو جائے گا یعنی کہ اس مثال سے عرصہ دراز کے لیے پڑھنے والے کو (قاری کو) اچھی طرح سمجھنا اور سمجھ جانے کے بعد آگے بیان کرنا بھی بہت آسان ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں سورۃ بقرہ آیت 285 میں ارشاد ربانی ہے "اور ایمان والے فرق نہیں کرتے انبیاء کرام کے درمیان" (دراصل یہود و نصاریٰ نے یہ بری بات اپنالی تھی کہ نعوذ باللہ فلاں نبی اچھا نہیں تھا، فلاح میں یہ نقص تھا یا فلاں تو خود ساختہ نبی تھا) ہمارے لیے تو رب العالمین، علیم وخبیر کا حکم ہے کہ انبیاء کرام کو برحق جانو اور سب کا احترام کرو۔ وہ سب ہی اللہ کے برگزیدہ، منتخب، چنے ہوئے اور پیارے تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو پہلا نبی کہنا، حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہے کا موم کرنے والا کہنا، حضرت سلیمان علیہ السلام کو تخت شاہی والا کہنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ کہنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ، معجزوں والا نبی کہنا، پیدا ہوتے ہی کلام کرنے والا کہنا اور نبی آخر الزمان ﷺ کو خاتم النبیین، سید المرسلین، حبیب رب العالمین، رحمت العالمین پیغمبر اول و آخر و اعظم (ﷺ) کہنا نبیوں میں تفریق کرنا یا فرق کرنا نہیں ہے۔ یہ تو ان نبیوں کی خاص اور اہم خصوصیت تھیں جن کے حوالہ سے بہ صد عزت و احترام کے انہیں یاد کیا جاتا ہے، ان کی خدائی تعلیم سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

اس بات کو کہ انبیاء کرام میں بھی درجات ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم سورۃ بنی اسرائیل آیت 55 میں یوں بیان کیا ہے:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝

ترجمہ ”اور ہم نے افضل کیا ہے بعض پیغمبروں کو بعضوں سے اور دی ہم نے داؤد کو زبور۔“

یعنی کہ کسی پر صرف وحی نازل ہوئی، کسی کو ساتھ کتاب (توریت) لکھ کر دی، کسی کو پیدا ہوتے ہی نبوت سے نوازا اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی بنایا اور قرآن حکیم آپ کے دل مبارک پہ، سینہ پر نازل کیا اور محفوظ فرمایا۔

تمثیل یوں ہے۔ ایک سب سے زیادہ علم، حکمت و ذرائع وغیرہ کا مالک ہے۔ ایسا مالک ہے جس کی ہر صفت و خوبی لامحدود ہے اور بے شمار صفات کا واحد مالک ہے، سمجھ لیں کہ وہ آپ کے استادوں کی طرح استاد بھی ہے۔ اس کے شاگرد بھی بے شمار ہیں۔ اس نے سب کا امتحان بھی ایک ہی لینا ہے یعنی کہ ایک ہی دفعہ کے امتحان میں وہ اپنے سب شاگردوں کو جانچ لے گا اور یہی امتحان آخری ہوگا اور حتمی ہوگا کیونکہ وہ مالک یا استاد تو بہت ہی کامل ہے۔ وہ اپنے علم و حکمت میں، قوت و ذرائع میں ہر طرح سے مکمل ہے، کامل ہے اور ہر طرح سے قادر ہے یعنی کہ اپنے تمام شاگردوں کا بیک وقت معیاری امتحان لینے پر قادر ہے۔

اس نے اپنے شاگردوں، غلاموں کو، بندوں کو پرچہ حل کرنے کے لیے دیا۔ اس امتحان اور پرچہ کے لیے مضامین رکھے توحید، پرچار توحید، معاشرے کی اجتماعی بھلائی، صبر و شکر، انصاف و عدل، حق و حق پرستی، مالک کی حکم برداری، ہر حال میں تابعداری، مالک کا کام اس کی مرضی اور پسند کے مطابق کرنا۔ مالک کا پیغام مالک کی تسلی و مرضی کے مطابق پورا پورا پہنچانا، اسی ایک کا کہنا ماننا، اسی ایک کے آگے جھکنا، دنیاوی نمود و نمائش سے بچنا، خوشحالی کے مقابلے میں فقر کو پسند کرنا، سربلندی و سرفرازی کے بجائے عجز و انکساری اپنانا، فقر کو اپنانا، آخرت کو اس دنیا پر ترجیح دینا وغیرہ وغیرہ۔

جس روح پاک نے اپنی تمام اضافی ذمہ داریوں، سخت مخالفت اور کٹھن حالات کے باوجود اپنے امتحان لینے والے رب العالمین کو سب سے زیادہ خوش کیا' رب العالمین نے اسے عالم ارواح میں ہی سید المرسلین'

افضل الانبیاء، خاتم النبیین، شمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ، وقار دو جہاں، سرور کون و مکاں، ہدایت کے نور مبین، رحمت العالمین اکرم الاولین اکرم الآخرین، شفیع المذنبین، فخر کائنات، فخر اولاد آدم، اصل الموجودات، خلق اول، پیغمبر بحر و بر، رسول کائنات، ہادی دو جہاں، شافع محشر، رہنمائے انس و جاں، حبیب خاص تاجدار کائنات، پیغمبر اوّل و آخر و اعظم اور سب سے اعلیٰ ارفع و افضل کو سب کچھ ہی بنا دیا۔ اپنی صفات و ناموں کی طرح اسے بھی 99 ناموں اور صفات سے نواز دیا اور بھی بہت کچھ انعام و اکرام کیا جیسے کہ عرش پر معراج النبی ﷺ اور زمین پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عطا فرمائے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے علم سے یہ جانتے ہیں کہ میری زمینی مخلوقات اور دیگر ارض و سماء کے درمیان میں یعنی کہ کل کائنات میں ایک روح پاک کو جب میں اشرف المخلوقات میں مجسم کروں گا تو وہ میرے احکام بجالانے میں سراپا میرا تابعدار ہوگا۔ میری پہچان وہ میری مخلوقات، انس و جاں کو اس احسن و مکمل طریقے سے کرائے گا کہ کہیں بھی ذرہ برابر خامی نہ رہے گی۔

اس کو میں جو دین دوں گا، اسے وہ میرے بندوں، میری مخلوق تک میرے چاہے ہوئے معیار و طریقے کے مطابق پہنچائے گا۔ وہ اپنی طرف سے اس میں کمی بیشی نہیں کرے گا اور وہ لگاتار میری خاطر ہر مشکل، تکلیف، رکاوٹ، مخالفت کا مردانہ وار مقابلہ صبر و شکر اور میرے اوپر توکل کرکے محبت و شفقت سے کرے گا۔ ہر حالت میں دشمن، دوست اپنے پرائے کے ساتھ انصاف ہی کرے گا اور کسی بھی حال و حالت میں مجھے نہیں بھولے گا۔ وہ مکمل طور پر مجھے ہی چاہے گا اور میری ہی رضا و کرم کا طلبگار رہے گا۔

اچھے، برے حالات اسے مجھ سے غافل نہ کرسکیں گے اور میری رضا، توکل کے سہارے کے سبب، بڑی سے بڑی رکاوٹ و پریشانی اسے متاثر نہ کرسکیں گی۔ میری اطاعت کی چاہت، میری حاکمیت و خدائی کا خوف ہر حالت میں بڑھتا ہی جائے گا۔ اسے میں ساری دنیا کے خزانے بھی دے دوں گا، قوموں کو اس کے تابع فرماں کر دوں گا، تب بھی وہ فقر، عجز و انکساری کو اپنائے گا۔ مجھے اور بھی زیادہ یاد کرے گا اور زیادہ عبادت کرے گا، شکر گزار ہوگا۔ ساری دنیا کی بادشاہت بھی اسے دے دوں تب بھی غرور، تمکنت و دنیا پرستی اس میں قطعاً نہ ہوگی اور وہ بادشاہت میں بھی عاجزی و فقر کو اپنائے گا۔ میری مخلوق کے ساتھ ہمیشہ، ہر حال میں رحم و کرم، محبت و شفقت سے ہی پیش آئے گا یعنی کہ وہ میری مکمل پہچان ہوگا اور وہی میری، میرے معیار و حقیقت کے مطابق انس و جاں، جمادات، حیوانات، غرضیکہ پوری کائنات میں پہچان کرائے گا اور پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی روح پاک کو محبوب خدا، نبی اول و آخر و اعظم، سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمت العالمین، ہادی انس و جاں ﷺ کے طور، مجسم کرکے مکہ معظمہ میں نبوت سے سرفراز کیا۔

یہ ان عالموں کی پیدائش سے پہلے کی بات ہے یعنی کہ جب خلاق العظیم نے زمین و آسمان بھی نہ بنائے تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس انسان کامل کا نور پیدا کیا۔ طویل عرصہ تک نور نے اپنے رب کی عبادت کی۔

ہزاروں لاکھوں سال صرف اللہ تبارک وتعالیٰ تھے اور اس کا محبوب نور نبی (ﷺ) تھا۔ محب ومحبوب صرف دونوں ہی تھے پھر ''کن'' کے مالک نے خلاق العظیم نے یہ زمین وآسمان اور کل کائنات بنائی اور اس زمین کے لیے اپنے خلیفہ، حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔

انسان اشرف المخلوقات ہے لیکن ظاہر ہے کہ صرف وہ انسان جو اپنے مقصد تخلیق سے پوری طرح واقف ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام وارشادات پر پوری طرح عامل ہے، تقویٰ کے ساتھ ساتھ علم وفضل اور دانش و حکمت کی نعمتوں سے بھی بہرہ ور ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے مطابق مخلوق خدا کے ساتھ حسن سلوک پر دل وجان سے عمل پیرا ہے۔ اگر انسان انسانیت کے درجے سے گرا ہوا ہے تو وہ فرشتوں سے کیا افضل واشرف ہوگا، وہ تو حیوانات کی طرح ہے بلکہ ان سے بھی بدتر ہے۔

''معارج النبوت فی مدارج النبوت'' میں ہے کہ جب فرشتوں میں سب سے افضل، حضرت جبرائیل علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا اپنے وجود میں مشاہدہ کر کے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ ان دو رکعتوں میں تیس ہزار سال کی مدت صرف ہوئی۔ نماز کے بعد انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ الہ العالمین (اے رب العالمین) کیا کسی بندے کو ایسی عبادت میسر ہوگی جیسی میں نے کی ہے۔ خطاب باری ہوا کہ نبی آخری الزمان ﷺ کے دور میں' میں اپنی خالقیت سے ایسے گروہ کی تخلیق کروں گا جو دو رکعت نماز بہت کم وقت میں، بہت سی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے ساتھ ادا کریں گے اور ان دو رکعت کا ثواب تمہاری دو رکعت پر فوقیت حاصل کرلے گا کیونکہ فراغت اور عافیت تمہارا اشعار اور طرہ امتیاز ہے اور کوئی ایسا امر مانع نہیں ہے جو تمہیں تمہاری عبادت سے باز رکھے لیکن انسانوں کی کیفیت تم جیسی نہیں ہے۔ وہ میری عبادت اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود کرتے ہیں اور شیطان سے سخت جنگ کر کے مجھے ایک سجدہ کرتے ہیں۔

(معارج النبوت فی مدارج النبوت جلد 1 صفحہ 380 اردو ترجمہ)

اگر بعض اہل ایمان کی ایسی نماز حضرت جبرائیل علیہ السلام کی نماز سے فوقیت حاصل کرلے گی جو بہت سی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے ساتھ ادا ہوگی تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اہل اللہ اور عرفاء کی نماز کا مقام کیا ہوگا اور حضور پُرنور، رہبر کائنات، ہادی انس وجاں، رحمت دو عالم ﷺ کی شان' عظمت' عزت وتکریم کا کیا معیار ہوگا جن کے ادنیٰ نام لیواؤں کی نماز حضرت جبرائیل علیہ السلام کی نماز سے افضل تسلیم ہوتی ہے۔

قرآن حکیم کی ابتداء ہی کی آیت مبارک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی میں ہمارے لیے کتنی بڑی خوشخبری ہے کہ ہمارا رب، رب العالمین تو رحمٰن اور رحیم ہے۔ وہ تمام مخلوق، مخلوقات کے لیے رحمٰن اور رحیم ہے اور قرآن حکیم ہم انس وجاں کے لیے خاص ہے۔ اس لیے قرآن حکیم میں شروع میں ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان صفات کا ذکر ہونا ہمارے لیے خاص اہمیت کا حامل ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے رحمٰن ورحیم ہونے کی صفت کی اہمیت اور بھی دو چند ہو جاتی ہے کہ فوراً بعد سورۃ فاتحہ

کی آیت 2 میں ہم انس و جاں گنہگاروں کو پھر یہ خوشخبری سنائی کہ تمہارا رب، تمہارا پیدا کرنے والا، پالنے والا، روز حشر کو حساب لینے والا تو بہت مہربان اور رحمت والا ہے۔ وہ اس قدر مہربان و رحمت والا ہے کہ ہمارے لیے آسمان سے نور بشکل قرآن حکیم اپنے پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ پر نازل فرمایا اور اپنے حبیب خاص ﷺ کو تمام کائناتوں کے لیے سارے جہانوں کے لیے انس و جاں کے لیے مجسم رحمت و نور بنایا۔

قرآن حکیم سورۃ انبیاء آیت 107 میں ارشاد خالق و مالک کائنات ہے:

وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○

ترجمہ "اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے۔"

درج ذیل میں، میں نے یہی گزارش کرنی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جبار بھی ہیں، قہار بھی ہیں، علیم و خبیر بھی۔ ہماری سب کوتاہیوں، خامیوں، غفلتوں، سستیوں، بے ایمانیوں، خباثتوں، بدیوں، گناہوں سے خوب خبردار ہیں لیکن اس سب کچھ کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ پھر بھی اپنی تمام مخلوقات پر سب سے زیادہ مہربان اور رحمت کرنے والے ہیں۔

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی تمام صفات برحق و بجا ہیں اور اس نے اپنے رحمٰن و رحیم ہونے کی صفت کا ذکر سب سے پہلے کیا ہے اور بار بار کیا ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ صفات ہمارے لیے، ہم ذی شعور مخلوق انس و جاں کے لیے جن سے اس نے حساب لینا ہے اپنے معنی وسعت وغیرہ میں اور بھی کہیں زیادہ ہیں۔ اس کا ثبوت یہی کافی ہے کہ اس نے اپنے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، محبوب خاص، حضور پُر نور خاتم النبیین ﷺ کو بھی اپنی طرح رحمت العالمین بنایا ہے اور دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان صفات کا اپنی مخلوق پر جاری و ساری ہونا ہی حضور انور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سبب سے ہے اور آپ ﷺ کے ذریعہ ہی ہے۔

آیئے اب احادیث مبارک کی روشنی میں دیکھیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو اپنی مخلوق، ذی شعور مخلوق پر اس قدر رحمٰن و رحیم ہے کہ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ ہم دنیاوی ماحول میں ماں باپ کو اپنے بچوں کے لئے محبت، رحمت، شفقت، درگزر، معاف کرنا دیکھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ماں باپ اپنے بچوں کے لیے سب سے زیادہ شفیق و محافظ ہوتے ہیں۔ بس اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنی مخلوق کے لیے مہربان ہونا، رحمت والا ہونا، رحمٰن ہونا، رحیم ہونا بھی آپ اسی طرح سمجھ لیجئے اور یہ جان لیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات رحمٰن و رحیم تو اپنی وسعت و کاملیت میں کہیں زیادہ ہیں جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

یہ سب کرم و رحمتیں ہم پر آپ ﷺ کے سبب سے ہیں اور آپ ﷺ کے ذریعہ ہی تمام مخلوقات پر ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کی انتہا کی پرخلوص، پرشوق اور خود رفتہ عبدیت و عبادت، محبت و فلاح کائنات، فلاح انس و جاں کی شدید خواہش اور رب کائنات کی پہچان کرانے کے لیے انتھک محنت سے خوش ہو کر آپ ﷺ کو یہ انعام دیا ہے۔

خالق و مالک کائنات نے آپ ﷺ کی شان، عظمت، رفعت کو اس قدر بلند کیا ہے کہ آپ ﷺ کی امت سے، آپ ﷺ کی آل سے، آپ ﷺ کے صحابہ کرام سے، آپ ﷺ کے صدقے، ان پرخلوص، پرشوق اتباع رسول کریم ﷺ سے بھی اس قدر خوش ہوا ہے کہ کئی ایک کے بارے میں تو ہمیں بذریعہ احادیث پاک بتلا دیا ہے کہ میں (اللہ) ان سے بھی اتنا خوش ہوں کہ یہ میرے حضور گنہگاروں کی بخشش کے لیے کہہ سکیں گے اور میں ان گنہگاروں کو بخش بھی دوں گا۔

حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔

حدیث پاک ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

''کہ میں (اللہ) اپنے محبوب کی آدھی امت کو فاطمہ الزہرا کے لیے بخش دوں گا یعنی کہ وہ اتنے گنہگاروں کے لیے شفاعت کر سکیں گی کہ وہ تعداد آپ ﷺ کی آدھی امت کے برابر ہو گی۔''

اسی طرح کی حدیث مبارک حافظ قرآن اور اس کے والدین کے لیے بھی ہے کہ وہ بھی چند ایک اشخاص کے لیے سفارش کر سکیں گے۔

ویسے تو حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ بس اتفاق سے آپ کے بارے میں کچھ تفصیل مل گئی ہے' اس لیے حاضر ہے۔ اس تفصیل سے یہ تاثر بھی نہ لیا جائے کہ فلاں صحابہ فلاں سے افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ کا تو ہر صحابی کسی نہ کسی میدان میں افضل ہے اور سب ہی امت کی رہنمائی کے لیے روشن درخشاں، خوبصورت چمکدار ستارے ہیں۔ یہ تو ان کا ذکر ہے جن کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ، اللہ کے حبیب خاص حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتلانا مناسب جانا اور ان کے بارے میں ارشاد فرما دیا۔ خدا جانے اس بارے میں اور کس کس صحابی کی کیا کیا شان ہے۔ زیادہ کے بارے میں نہ فرمانے کی مصلحت صاف نظر آتی ہے کہ پھر امت میں اپنے اعمال سے جنت کمانے کا شوق نہ رہ جاتا کہ سب ہی شفاعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تکیہ کرتے اور خود اس کے حصول کے لیے محنت نہ کرتے۔

اللہ کی مصلحتیں اللہ اور اس کے رسول کریم ﷺ ہی جانیں۔ اب آپ اس موضوع سے متعلق کچھ تفصیل حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پڑھیے۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکرِ خیر قدرے تفصیل سے اس لیے بھی کر دیا ہے کہ آپ ﷺ سے غائبانہ محبت، پرشوق اتباع اور آپ ﷺ کے سچے عاشقوں میں ان کا نام بہت اوپر آتا ہے اور ان کا عشق محبت و اتباع امت کے لیے مشعل راہ ہے۔

خلافت عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ تشریف لے گئے اور اپنے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کے ارشاد کے مطابق اہل نجد سے دریافت کیا کہ کسی کو حضرت اویس قرنی کا علم ہے؟ کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔ کسی نے بھی نہ بتایا اور لاعلمی کا اظہار کیا۔ البتہ ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ اس نام کا ایک دیوانہ سا شتربان (اونٹ چرانے والا) ہے جو اکثر آبادی سے دور رہتا ہے۔ حضرت عمر

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس شخص کے بتائے ہوئے پتہ پر تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نماز میں مصروف تھے۔ پاؤں کی آہٹ سنی تو نماز کو مختصر کر لیا اور فارغ ہو کر فرمایا۔ السلام علیکم! دونوں حضرات نے سلام کا جواب دیا اور آپ کا نام پوچھا۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، میرا نام "عبداللہ" ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ کے بندے، اللہ کے غلام تو ہم سب ہیں، لوگ آپ کو کس نام سے یاد کرتے ہیں؟

حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے کہا، مجھے اویس کے نام سے پکارتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنا دایاں ہاتھ دکھائیں۔

حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے اپنا دایاں ہاتھ دکھایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ نشان دیکھا جو رسول مقبول ﷺ نے بتایا تھا۔ وہ نشان دیکھ کر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم (ﷺ) میرے آقا و مولا نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور یہ مرقع یعنی لباس مبارک آپ کے لیے ارسال فرمایا ہے اور یہ وصیت فرمائی ہے کہ اویس (رضی اللہ عنہ) سے کہنا میری امت کے لیے دعا کرے۔ حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اے خلیفۃ الرسول، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تم مجھ سے بہتر دعا کر سکتے ہو۔ آپ نے فرمایا، میں بھی یہی کام کرتا ہوں۔ آپ حضور پُرنور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی وصیت بجا لائیں۔

حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے کہا شاید یہ وصیت کسی اور کے لیے فرمائی گئی ہو، اچھی طرح سمجھ لیں۔ حضرت عمر رضی اللہ نے کہا، نہیں وصیت آپ کے لیے ہی کی گئی ہے اور حضور پُرنور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے جو فرمایا تھا اس کا بتایا۔ حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا آپ میرے آقا و مولا کا لباس مراحمت فرمائیں تاکہ میں وصیت مبارکہ پر عمل کرو۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے وہ لباس مقدس مرحمت فرمایا۔ حضرت اویس رضی اللہ عنہ لباس لے کر کچھ فاصلے پر چلے گئے اور سر سجدے میں رکھ دیا اور گڑگڑا کر بارگاہ رب العزت میں دعا کی۔ اے اللہ! اے رب العالمین عالم میں اس وقت تک تیرے حبیب ﷺ کا بھیجا ہوا مرقع نہیں پہنوں گا جب تک تو ساری امت محمد (ﷺ) کو نہ بخش دے کیونکہ رسالت مآب ﷺ نے اپنی امت کو میرے حوالے کیا ہے۔ ندا آئی، اویس تیری خاطر کچھ لوگوں کو بخش دیا۔ آپ نے فرمایا، اے رب العزت میں نے ساری امت محمد ﷺ کو بخشنے کا سوال کیا ہے؟ پھر رب العزت نے کچھ اور امت محمد ﷺ کو بخش دیا۔ یہ تکرار جاری تھی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آگے بڑھ کر آپ کے پاس تشریف لے آئے۔ حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے سجدے سے سر اٹھا کر فرمایا، کاش آپ کچھ اور تحمل کرتے تو میں ساری امت بخشوا لیتا۔ میں اپنے اللہ تبارک و تعالیٰ سے ضد کر رہا تھا کہ جب تک ساری امت کو بخشش کی عطا نہ ہو جائے گی میں یہ مرقع نہیں پہنوں گا۔

حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے وہ لباس مطہر پہن کر فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس لباس مقدس کے طفیل قبیلہ بنی ربیعہ اور بنی حضر (مضر) کی بھیڑوں کے بالوں کے برابر امت محمد عربی (ﷺ) کو بخش دیا ہے۔
جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کی جانب غور سے دیکھا تو خلافت سے دل اچاٹ ہو گیا۔ جی بھر گیا اور فرمایا کوئی ہے جو خلافت کو روٹی کے عوض مجھ سے خریدے۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو عقل مند ہو گا وہی خریدے گا' خرید وفروخت کا آپ کا کیا ذکر کرے ہیں، پھینک دیں جس کا جی چاہے اٹھا لے۔ اس پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا۔ آپ نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کیوں نہ فرمائی؟ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے پوچھا، آپ نے زیارت فرمائی؟ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، ہاں میں نے زیارت کی ہے تو پھر حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے پوچھا، تو بتائیں میرے آقا و مولا ﷺ کے ابرو مبارک پیوستہ تھے یا نہیں؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور اس کا جواب نہ دے سکے۔ پھر حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ آپ پیغمبر اسلام اور حبیب کبریا ﷺ کے دوست ہیں۔ آپ بتائیں کہ جنگ اُحد میں حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کے کون سے دانت شہید ہوئے تھے؟ اس کا جواب بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نہ دے سکے تو حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے اپنا منہ کھول کر دکھایا اور فرمایا، مجھے بھی معلوم نہیں تھا کہ کون سے دندان مبارک شہید ہوئے۔ اس لیے میں نے اپنے سارے دانت توڑ ڈالے تب کہیں جا کر مجھے چین آیا۔ اس جواب سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہو گئی اور بے خود ہو کر فرمایا، منصب ادب کا کچھ اور ہی مقام ہے اور کہا ہمارے لیے دعا فرمائیں۔

حضرت ربیع رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی تلاش میں روانہ ہوا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا وہ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تھے اور پھر انہوں نے تسبیح شروع کر دی۔ نماز ظہر تک اسی طرح عبادت الٰہی میں مشغول رہے۔ اسی طرح دو نمازوں کے درمیان تسبیح پڑھتے، نماز وقت پر ادا فرماتے۔ اسی طرح تین دن گزر گئے۔ انہوں نے نہ کچھ کھایا نہ پیا نہ آرام کیا۔ چوتھی رات میں نے دیکھا آپ کو ذرا سی اونگھ آ گئی مگر فوراً ہی بیدار ہو کر ذکر خداوندی میں مشغول ہو گئے اور دعا فرمائی، اے خدا ایسی آنکھ سے جو زیادہ سوئے اور ایسے پیٹ سے جو زیادہ سیر ہو جائے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ حضرت ربیع رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ جب میں نے یہ بات سنی اور یہ حال دیکھا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ تیرے لیے اتنی سی بات ہی کافی ہے۔ چنانچہ میں واپس چلا آیا۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ کی ذات تابعین کی سرتاج ہے۔ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا۔

"اویس قرنی احسان اور عطف (مہربانی کرنے والا، ملانے والا) کی رو سے تابعین میں بہت اچھے

ہیں۔"

جس کی تعریف حبیب کبریا رحمت العالمین خود اپنی زبان سے فرمائیں، اس کی تعریف اور کون بیان کر سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ ستر ہزار فرشتے اویس قرنی کی شکل میں پیدا کرے گا۔ ان کے درمیان اویس قرنی کو بہشت میں داخل فرمایا جائے گا تاکہ مخلوق ان کو نہ دیکھ سکے، سوائے اس کے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ چاہے کہ ان کی زیارت کرے کیونکہ اویس رضی اللہ نے دنیا میں صرف اسی لیے چھپ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کی کہ دنیا کا کوئی آدمی ان کو نیک نہ سمجھے۔ اسی لیے قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ رکھے گا اور پھر فرمایا، میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں، میرے سوا ان کو کوئی نہیں پہچان سکتا۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم پیغمبر اوّل وآخر واعظم ﷺ نے فرمایا، میری امت میں ایک شخص ایسا ہے جس کی سفارش سے میری امت کے اتنے گنہگار بخشے جائیں گے جس قدر قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کی بھیڑوں کے بال۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ وہ کون ہیں؟ فرمایا، اویس اس کا نام ہے، قرنی علاقہ یمن کا رہنے والا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا میری باطنی آنکھیں اسے دیکھتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا غلبہ حال اور تعظیم شریعت کے سبب میرے پاس نہیں آتے۔ ان کی والدہ نابینا ہیں، ضعیف ہیں اور مومنہ ہیں۔ وہ شتربانی کر کے ان کی خدمت کرتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا کہ ہم انہیں دیکھ سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں' البتہ عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) اور علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) انہیں دیکھیں گے۔ آپ ﷺ نے ان (حضرت عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) سے فرمایا کہ جب اس سے ملو تو میرا اسلام کہنا اور کہنا میری امت کے لیے دعا کریں۔ وصال کے وقت حبیب رب العالمین سردار انبیاء تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا میرا مرقع (چادر، گدڑی، استعمال شدہ لباس، پرانا پیوند لگا لباس) اویس کو دینا۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے فرمایا۔

اے عمر (رضی اللہ عنہ) یمن کی جانب سے ایک شخص آئے گا جس کا نام اویس (رضی اللہ عنہ) ہوگا۔ اس کے جسم پر برص کے داغ تھے' اب وہ مٹ چکے ہیں' صرف ایک درہم کے برابر ایک داغ رہ گیا ہوگا۔ اس کی والدہ ہے جس کا وہ بے حد خدمت گزار ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قسم کھاتا ہے تو اس کو پورا کرتا ہے۔ اے عمر (رضی اللہ عنہ) اگر وہ تمہیں ملے تو اس سے اپنی مغفرت کے لیے دعا کرانا۔ دیکھو ایسا ضرور کرنا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، مجھے یہ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی حضور انور نبی کریم ﷺ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے متعلق بشارت فرمائی تھی۔ اسی طرح مختلف

روایات میں حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اویس خیر التابعین ہیں۔

اس پر تمام مفسرین، علماء مشائخ اور آئمہ متفق الرائے ہیں کہ آپ تابعین میں سے تھے اور سرور کائنات، سردار انبیاء ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔ سچے عاشق رسول ﷺ تھے بلکہ عشق رسول ﷺ میں فنا تھے اور تابعین میں ان کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ ایک موقع پر حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یمن کی جانب سے بوئے محبت آتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق یہ اشارہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا۔ علماء اور مشائخ نے انہیں سادات التابعین، افضل التابعین، نفس رحمان اور سہیل یمنی جیسے القاب دیئے ہیں۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی زندگی ایک نورانی، پاکیزگی کے مثل ہے۔ اونٹ کے بالوں کا ایک کمبل اوڑھتے اور ایک پاجامہ پہنتے۔ خلق خدا سے دور رہتے۔ ہر وقت استغراق سی کیفیت کے باوجود ہوش مندی کی حالت طاری رہتی۔ دنیاوی امور میں دلچسپی رکھنے سے قطعاً بے نیاز تھے۔ لوگ کبھی کبھی ان پر ایک چادر ڈال دیتے، حالت وارفتگی میں لباس کا ہوش نہ رہتا۔ عام لوگ انہیں دیوانہ سمجھتے۔ بچے دیوانہ سمجھ کر انہیں پتھر مارتے۔ آپ مسکرا کر بچوں سے کہتے۔ دیکھو میرے بچو! چھوٹے چھوٹے پتھر مارو تاکہ میرے جسم سے خون نہ نکلے اور میرا وضو قائم رہے۔

اس مقام شوق، حالت وارفتگی اور جذب و مستی کے باوجود غیرت و خودداری میں پوری پوری ہوش مندی رکھتے تھے۔ گزر اوقات کے لیے لوگوں کے اونٹ چَراتے، کھجوریں بیچتے اور کھانے پینے کا سامان مہیا کرتے۔ رات کھانے کے بعد جو کچھ بچتا راہ خدا میں تقسیم کر دیتے۔ وہ فرماتے وہ کھانا جو میں کھا چکا ہوں اور تن پر جو لباس ہے اس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں۔ ایک نہایت خستہ حالت مکان میں رہتے تھے۔ ساری رات ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ سارا سارا دن ذکر خدا میں گزرتا۔ فرماتے کاش ازل سے ابد تک ایک ہی رات ہوتی اور میں ایک رکعت، ایک رکوع اور ایک ہی سجدے میں یہ طویل رات گزار دیتا۔

تین تین دن کا روزہ رکھتے، شہرت سے نفرت تھی۔ لوگوں سے زیادہ ملتے جلتے ہوئے گھبراتے تھے۔ اپنے آپ کو چھپائے رکھنے میں مطمئن رہتے تھے لیکن زہد و اتقاء، کشف و کرامات اور روحانی کمالات اس قدر ظاہر تھے کہ اہل دل ملاقات کے لیے سرگرداں رہتے۔ آپ ان سے فرماتے میں ایک ضعیف آدمی ہوں۔ آپ میرے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ مجھے معاف کر دو۔ اگر ملنا ہو تو عشاء کی نماز کے بعد مل لیا کرو۔ اس صورت کے باوجود اعلانیہ کلمہ حق کہتے اور لوگوں کو برے کاموں سے روکتے، نیکی کی تلقین کرتے اور ان کی حق گوئی اور بے باکی کے باعث بہت سے لوگ ان کے دشمن بھی تھے۔

ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی زیارت کو آئے لیکن حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ خانہ اقدس میں تشریف فرما نہیں تھے۔ اویس قرآنی

رضی اللہ عنہ کی والدہ نے انہیں کہا تھا کہ اگر حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ گھر پر تشریف فرما نہ ہوئے تو انتظار نہ کرنا، واپس آ جانا۔ والدہ ضعیف تھیں، نابینا تھیں، چلنے پھرنے سے معذور تھیں۔ ہر وقت ان کی خدمت کے لیے حاضر رہتے۔ کبھی کسی دور دراز سفر پر نہ جاتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حقیقت محمدیہ ﷺ کا بہ نظر باطن انہیں مشاہدہ کرا دیا تھا۔ اس لیے ہر وقت سردار انبیاء ﷺ کے احوال سننے کے لیے بے تاب رہتے۔

ہر وقت جستجوئے حق اور خیال وتصور محمد ﷺ میں غرق رہتے اور اتباع رسول اکرم ﷺ کی ایسی مثالیں پیدا کیں جن کی مثال نہیں ملتی۔ حضور انور اشرف انبیاء ﷺ نے نفس کے خلاف جنگ کرنے کو جہاد اکبر قرار دیا۔ حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے ساری زندگی یہ جہاد اکبر کیا۔ آذربائیجان پر جب اسلامی لشکر حملہ آور ہوا تو حضرت اویس رضی اللہ عنہ بھی مجاہدین میں شامل تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں یمن کے مجاہدین کی ایک جماعت جہاد میں شرکت کی اجازت کے لیے مدینہ منورہ گئی۔ حضرت اویس رضی اللہ عنہ بھی ان مجاہدین میں شامل تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات اسی موقع پر ہوئی۔ یہ ملاقات حضرت اویس رضی اللہ عنہ کی زندگی کا اہم واقعہ ہے۔

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے ارشاد کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی جستجو میں رہتے۔ خلیفۃ المسلمین نے ان مجاہدین سے حضرت اویس رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت فرمایا، معلوم ہوا کہ اس جماعت میں شامل ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود ان کے پاس تشریف لے گئے۔ پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو جو نشانیاں بتائی تھیں، وہ تمام حرف بہ حرف ٹھیک تھیں۔ امیر المومنین ان سے دعائے مغفرت کے طالب ہوئے۔ حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے دعائے مغفرت فرمائی۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی خواہش کے مطابق انہیں کوفہ بھیج دیا۔ کوفہ کے عامل کو ان کی عظمت وتقدس سے آگاہ کرنے کو (عزت واحترام کرنے کو) کہا گیا مگر حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسا کرم نہ فرمائیں میں جس حال میں ہوں اس میں خوش ہوں۔

اب درج ذیل آیات قرآن حکیم اور احادیث مبارک کو پڑھیے اور دیکھیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہٗ اپنے حبیب خاص حضور انور نبی کریم ﷺ کے طفیل آپ کی امت پر، ہم سب پر کس قدر مہربان اور رحمتیں کرنے والے ہیں جس نبی کی امت کے گنہگاروں پر اللہ تبارک وتعالیٰ اس قدر مہربان ہو، رحمتیں فرمانے والا ہو اس نبی کی شان، عظمت ورفعت کا بھلا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت کے بارے میں سورۃ اعراف آیت 156 میں فرماتے ہیں:

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ ''اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہے ... (باوجود اس کے کہ ان میں بہت سی مخلوق

سرکش اور معاند ہے جو اس کی مستحق نہیں مگر ان بھی ایک گونہ رحمت ہے گو دنیا ہی میں سہی، پس میری رحمت غیر مستحقین کے لیے بھی عام ہے) میں اس رحمت کو کامل طور پر ان لوگوں کے لیے ضرور لکھوں گا جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ، دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ یہ لکھ دیا تھا کہ میری رحمت میرے غضب سے زیادہ ہے اور ایک روایت میں (یہ اضافہ بھی ہے) کہ (اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا یہ فیصلہ لکھ کر) اپنے پاس عرش پر رکھ دیا ہے۔ (نہایہ فی الفتن والملاحم 251)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تبارک وتعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں۔ ان میں سے مخلوقات کے درمیان صرف ایک رحمت نازل کی ہے۔ اسی ایک رحمت کی وجہ سے یہ مخلوق آپس میں ایک دوسرے پر ترس کھاتی ہے اور اس کی وجہ سے تمام وحشی جانور اپنی اولاد پر شفقت کا معاملہ کرتے ہیں اور ننانوے رحمتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے موخر کر دی ہیں ان کے ساتھ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحمت کا معاملہ کریں گے۔ (یعنی کہ دنیا کی نسبت روزِ قیامت اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں ننانویں گنا زیادہ ہو جائیں گی' یہاں تک کہ ابلیس کو بھی رحمت کی اُمید ہونے لگے گی۔)

(نہایہ فی الفتن 250، ابن ماجہ 4293,35,37، مسلم 4,49، حسن الظن باللہ 5، مسند احمد 2,526، مستدرک 1,248,456، مجمع الزوائد 10,385,214، تفسیر ابن کثیر 3,480، تفسیر معالم التنزیل بغوی 2,151، مشکوٰۃ 2366,2365، زہد ابن مبارک 312، اتحاف السادہ 557,10,183/9، درمسور 130/3)

حضرت حذیفہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، دین کے معاملہ میں گناہ میں ملوث ہونے والا اور احمق حماقت میں مبتلا بھی ضرور جنت میں داخل ہوگا اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ شخص بھی جنت میں ضرور داخل ہوگا جس کے چوتڑوں کو آگ جلا دے گی اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن اتنا وسیع پیمانہ پر رحمت کا معاملہ فرمائیں گے کہ ابلیس کو بھی رحمت کی امید ہونے لگے گی کہ شاید اس کو بھی رحمت حاصل ہو جائے۔"

(نہایہ ابن کثیر 253/2 بحوالہ طبرانی)

حدیث مبارک ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن گنہگار بندے کو اپنے قریب بلائیں گے اور اس پر اپنے بازو کا پردہ

ڈالیں گے اور تمام مخلوقات سے اس کو چھپالیں گے اور پردے ہی میں اس کا اعمالنامہ عطا کریں گے اور فرمائیں گے (اے آدم زاد اپنے) اعمال نامہ کو پڑھو تو وہ (اپنے اعمال نامہ کو پڑھتے ہوئے) نیکی کو پڑھے گا تو اس کی وجہ سے اس کا چہرہ روشن ہو جائے گا اور دل خوش ہو جائے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے اے میرے بندے کیا کیا تمہیں (اس نیکی کا علم ہے تو وہ عرض کرے گا ہاں اے پروردگار میں (اس کو) جانتا ہوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے میں نے تم سے اس نیکی کو قبول کیا تو وہ سجدے میں گر پڑے گا۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے اپنا سر اٹھاؤ، اس نیکی کو اپنے اعمال نامہ میں رہنے دو۔ پھر وہ شخص (اعمال نامہ پڑھتے ہوئے اپنے) گناہ کے پاس سے گزرے گا تو اس کی وجہ سے شرم کے مارے خود ہی اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا اور اس سے اس کا دل گھبرا جائے گا۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ پوچھیں گے، اے میرے بندے اس (گناہ) کو پہچانتے ہو؟ تو وہ عرض کرے گا ہاں یارب پہچانتا ہوں۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے، میں اس گناہ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے اس کو تمہاری خوشی کے لیے معاف کیا۔ چنانچہ وہ بندہ نیکی کے پاس سے گزرتا رہے گا۔ اس کا گناہ معاف کیا جاتا رہے گا اور وہ (اس کے شکرانہ میں) سجدہ میں گرتا رہے گا۔ پس مخلوقات اس کی کسی حالت (شرمندگی اور خوشی) کو نہیں دیکھیں گے سوائے سجدوں کے، حتیٰ کہ مخلوقات ایک دوسرے کو ندا کریں گی خوشخبری ہو اس بندے کے لیے جس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی کبھی نافرمانی نہیں کی کیونکہ ان کو اس صورتحال کا پتہ نہ چلے گا کہ اس مومن کا اس کے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے درمیان کیا معاملہ گزرا اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے اتنی دیر کیوں رکا رہا ہے۔

(البدور السافرہ حدیث 850 بحوالہ زوائد زہد عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ 51، نہایہ ابن کثیر 247/2 بحوالہ ابن ابی الدنیا)

فائدہ:- علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ جنت میں مسلمانوں کا داخلہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ہوگا۔ جیسا کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا ارشاد ہے **لن یدخل احد کم الجنة بعمله** کہ تم میں سے کوئی شخص جنت میں اپنے اعمال کی بناء پر داخل نہیں ہوگا۔

(اتحاف السادہ 197/2 بخاری 157/7 مسلم ب 17، حدیث 75، فتح الباری 127/10، مجمع الزوائد 356/10 طبرانی 369/7)

لیکن جنت کے اعلیٰ درجات نیک اعمال کی کثرت کے مطابق عطا کیے جائیں گے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے کہ

ترجمہ ''یعنی جب جنت والے جنت میں داخل ہوں گے تو اس میں اپنے اعمال صالحہ کے مراتب کے مطابق فائز ہوں گے۔''

(ترمذی 2549، ابن ماجہ 4336، مشکوٰۃ 5647، کنز العمال 39283، ترغیب 539/4)

حکایت:- حضرت ابوغالب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ملک شام میں آتا جاتا رہتا تھا۔ ایک دن میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے پڑوسی جوان کے پاس گیا، جو بیمار ہو رہا تھا۔ اس کے پاس اس کا چچا بھی موجود تھا وہ اس جوان سے کہہ رہا تھا، اے خدا کے دشمن! میں نے تمہیں یہ

کام کرنے کو نہیں کہا تھا، میں نے تجھے اس کام سے نہیں روکا تھا۔ تو اس نوجوان لڑکے نے کہا اے چچا جان! اگر اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے میری ماں کے سپرد کر دیں تو وہ میرے ساتھ کیا معاملہ کرے گی؟ چچا نے کہا، وہ تجھے جنت میں داخل کر دے گی تو لڑکے نے کہا میرا پروردگار اللہ تبارک وتعالیٰ میری ماں سے شفیق اور اس سے زیادہ مجھ پر مہربان ہے۔ بس یہی بات کہتے ہی اس کی جان نکل گئی۔ جب اس کے چچا نے اس کے کفن دفن کا انتظام کیا اور اس پر نماز جنازہ پڑھ لی اور ارادہ کیا کہ اس کو قبر میں اتارے تو میں بھی اس کے چچا کے ساتھ قبر میں اترا۔ جب میں نے لحد کو درست کیا تو اس کی چیخ نکل گئی اور گھبرا گیا۔ میں نے اس سے پوچھا تمہیں کیا ہوا، اس نے بتایا کہ اس کی قبر بہت وسیع ہوگئی ہے اور نور سے بھر گئی ہے۔ میں اسی سے دہشت زدہ ہو گیا تھا۔ (تذکرہ القرطبی جلد 2 صفحہ 357)

حدیث مبارک ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پُرنور رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔

ترجمہ ”میری امت میں سے ایک جماعت جنت میں داخل ہوگی۔ یہ (تعداد میں) ستر ہزار ہوں گے، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنے اوپر دھاریدار چادر لے رکھی تھی۔ عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے ان حضرات میں شامل کر دیں تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو ان حضرات میں شامل کر دے۔ پھر انصار صحابہ میں سے ایک شخص کھڑا ہوا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کر دے تو آپ نے ارشاد فرمایا، عکاشہ بن محصن تم سے سبقت کر گیا۔

(بخاری 6542، مسلم 216، فی الایمان، احمد 321/1، 351/1، ابوعوانہ 140/1، طبری 38/16، زہد ابن المبارک 550)

حدیث مبارک ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پُرنور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”میرے عزوجل اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری امت میں سے ستر ہزار حضرات ایسے عطا فرمائے ہیں جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا (یارسول اللہ!) آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس سے زائد کا مطالبہ نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں نے زائد کا مطالبہ کیا تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے (ستر ہزار میں سے) ہر آدمی کے ساتھ ہزار عطا فرمائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس سے بھی زائد کا مطالبہ نہیں فرمایا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، مجھے اتنا عطا فرمایا ہے، پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے۔ پھر فرمایا، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہوگا (ابن ہشام کہتے ہیں) ہم نہیں جانتے کہ اس کی تعداد کتنی ہوگی۔

(العاقبہ 454، المطالب العالیہ 408/4، مجمع الزوائد 414/10 بزار (کشف الاستار حدیث 3547)

حدیث مبارک ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور انور نبی کریم رؤف رحیم رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ ''سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا وہ شخص ہوگا جو کبھی چلتا ہوگا، کبھی سرین کے بل گھسٹتا ہوگا اور کبھی دوزخ کی آگ اس کو جھلس دیتی ہوگی۔ جب وہ دوزخ سے نکل جائے گا تو اس کو دیکھ کر عرض کرے گا، اے باری تعالیٰ آپ نے مجھے اس سے نجات عطا فرمادی ہے اور وہ عنایت عطا فرمائی ہے جو نہ تو اگلوں کو نصیب ہوئی نہ پچھلوں کو۔ پھر اس آدمی کے سامنے ایک درخت کو ظاہر کیا جائے گا تو یہ اس کو دیکھ کر عرض کرے گا یارب! آپ مجھے اس درخت کے قریب کر دیں، میں اس کے سایہ میں بیٹھنا چاہتا ہوں اور اس کا پانی پینا چاہتا ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ پوچھیں گے، اے ابن آدم اگر میں تمہیں یہ دے دوں گا تو (اس کے علاوہ) کسی اور چیز کی طلب بھی کرے گا؟ وہ عرض کرے گا نہیں یارب اور اللہ سے معاہدہ کرے گا کہ میں اس کے علاوہ کوئی چیز نہیں مانگوں گا اور اس کا رب اس کے عذر کو قبول کرتا رہے گا کیونکہ وہ شخص ایسی چیزوں کو دیکھے گا۔ جن پر وہ صبر نہیں کرسکتا۔ پھر پہلے درخت سے بھی زیادہ حسین درخت اس کو سامنے سے دکھایا جائے گا تو وہ شخص کہے گا یارب! مجھے اس کے درخت کے قریب کر دیں تاکہ میں اس کا پانی پی سکوں اور اس کے سائے میں بیٹھ سکوں۔ میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگوں گا، اللہ تبارک وتعالیٰ پوچھیں گے اے ابن آدم! تو نے میرے ساتھ معاہدہ نہیں کیا تھا کہ تو مجھ سے اس کے علاوہ کچھ نہیں مانگے گا؟ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اس درخت کے قریب کر دیں گے۔ جب وہ اس کے قریب پہنچ جائے گا تو جنت والوں کی آوازیں سنے گا اور عرض کرے گا اے رب مجھے آپ جنت میں داخل کر دیں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے، میں تم سے مذاق نہیں کر رہا بلکہ میں جو چاہوں اس کے کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔''

(مسند احمد 410/1، مسلم الایمان 310/1، البدور السافرہ 1643، حادی الارواح ص 474، وصف الفردوس بزیادۃ ص 134,47، تذکرہ القرطبی 426/20:

حدیث مبارک ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آپ سے ایک طویل روایت میں نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ ''جب مسلمان جہنم سے پار ہو جائیں گے تو مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم میں سے ہر ایک سے زیادہ حق کی ادائیگی میں مومنوں کے لیے روز قیامت اللہ تبارک وتعالیٰ کو قسم دلانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کی سفارش کرتے ہوئے عرض کریں گے، اے ہمارے رب یہ (جہنم میں موجود مومن حضرات) ہمارے ساتھ روزے رکھا

کرتے تھے، نمازیں پڑھا کرتے تھے اور حج کیا کرتے تھے (اس لیے انہیں معاف فرما کر جہنم سے نکال لیں اور جنت میں داخل فرما دیں) تو انہیں فرمایا جائے گا، جنہیں تم جانتے ہو ان کو نکال لاؤ، ان کے جسم جہنم پر حرام ہیں۔ پس وہ لوگ بہت سی خلقت کو نکال لائیں گے جنہیں جہنم نے آدھی پنڈلیوں تک یا گھٹنوں تک غرق کیا ہوا تھا۔ پس یہ لوگ عرض کریں گے، اے ہمارے پروردگار جن کا آپ نے ہمیں فرمایا تھا، ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو حکم فرمائیں گے تم واپس لوٹ جاؤ اور جس کے دل میں ایک دینار کے برابر بھی خیر پاتے ہو، اسے (بھی جہنم سے) نکال لاؤ۔ پس وہ بہت سی مخلوق کو نکال لائیں گے اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم نے کسی کو اس میں نہیں چھوڑا جس کا بھی آپ نے ہمیں حکم فرمایا (ہم اس کو نکال لائے ہیں) پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے (اب بھی) واپس لوٹ جاؤ اور جس کے دل میں آدھے دینار کے وزن کے برابر بھلائی جانو، اسے بھی نکال لو۔ پس وہ بہت سی مخلوق کو باہر نکال لائیں گے۔ پھر کہیں گے، اے ہمارے پروردگار ہم نے اس میں کسی کو نہیں چھوڑا جس کے نکالنے کا آپ نے ہمیں حکم دیا، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے (اب بھی) واپس لوٹ جاؤ اور جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھلائی (ایمان کا) پلاؤ اسے بھی نکال لاؤ۔ تب بھی وہ بہت سی مخلوق کو باہر نکال لائیں گے اور کہیں گے، اے ہمارے پروردگار ہم نے اس میں بھلائی کرنے والی (ایمان لانے والی) مخلوق بالکل نہیں رہنے دی۔ (سب کو جہنم سے نکال لیا ہے۔)

(بخاری ومسلم واللفاظ لہ التخویف من النار)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کرتے تھے۔ اگر تم میں حدیث کے بارے میں میری تصدیق نہ کرو تو چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔

سورۃ نسا آیت 40

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ ”بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں فرمائیں گے۔ اگر ایک نیکی (بھی) ہوگی تو اسے بھی اجر وثواب میں دوگنا در دوگنا کر دیں گے اور اپنی طرف سے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے فرشتوں نے شفاعت کی، انبیاء علیہم السلام نے بھی شفاعت کی اور مومنین نے بھی شفاعت کی۔ اب سوائے ارحم الراحمین کے کوئی نہیں بچا تو (خود اللہ تبارک وتعالیٰ) آگ سے (مومنین کی) ایک مٹھی بھریں گے اور اس کے ذریعہ ایسی قوم کو باہر نکالیں گے جنہوں نے صرف ایمان لانے کے علاوہ اور کوئی بھلائی نہ کی ہوگی اور وہ کوئلہ بن چکے ہوں گے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو جنت کے سامنے نہر میں ڈال دیں گے۔ اس نہر کا نام نہر حیات ہے تو وہ (اس سے اس حالت میں) نکلیں گے جیسے سیلاب کے خشک

ہونے کے بعد دانہ نکلتا ہے۔

میں نے اب تک جس موضوع کے لیے تمہید باندھی ہے اور جسے اب میں چند صفحوں بعد بیان کرنے والا ہوں، اس کی اصل بنیاد تو احادیث مبارک ہیں جن کا ذکر تفصیل کے ساتھ اس دوران پورے مضمون میں ہوگا لیکن میں انہیں مختصراً یہاں بھی لکھ رہا ہوں اور اس بنیاد و عمارت پر گل کاری کشف اولیاء اللہ نے بھی کی ہے جن کے بارے میں حسب ضرورت میں اسی باب میں لکھ چکا ہوں۔ (اگر کوئی قاری مزید تفصیل جاننا چاہتا ہوتو میری کتاب ''حق حقائق حقیقت سید الشھداء، سانحہ کربلا'' جو ضیاء القرآن نزد داتا دربار سے مل سکتی ہے، کا مطالعہ کر لے۔) اور یہاں صرف ان کے بارے میں چند مختصر اہم، قیمتی فقرے لکھوں گا۔

(1) حضرت محمد اللہ، پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے فرمایا۔

(i) اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا۔

(ii) اے جابر (رضی اللہ عنہ) بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور مطلق سے ہی پیدا کیا۔

(iii) میں اللہ کے نور سے ہوں اور کائنات کی تمام چیزیں میرے نور سے ہی پیدا کی گئی ہیں۔

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور نبی کریم رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو نبوت کب ملی؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں اس وقت بھی نبی تھا جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان میں روح پھونکی۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام کی مٹی کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔

خالق و مالک کائنات، قادر مطلق اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین، آسمان، سورج، چاند ستارے اور ان کے علاوہ بہت سی دنیائیں پیدا کیں' ان میں قسم قسم کی مخلوق پیدا کی۔ جب کچھ بھی نہ تھا، خداوند کریم وعظیم نے چاہا کہ یہ سب کچھ پیدا ہو جائے۔ ہو گیا۔ کن اور فیکون کے درمیان کوئی فاصلہ نہ تھا۔ مگر ''کیوں'' کا سوال اپنی جگہ ہے اور بہت اہم ہے۔ یہ ہنگامہ عالم کس سبب سے ہوا؟ اس تخلیق کا باعث کیا تھا؟ یہ سب کیوں بنایا گیا؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے بھی راز نہیں رکھا۔ ہر عالم کی تخلیق کا سبب اور زمین و آسمان کی تشکیل کا باعث بھی اس نے بتا دیا۔ مشہور حدیث قدسی ہے۔ **لولاک لما خلقت الافلاک** ۔اس نے اپنے محبوب پاک صاحب لولاک ﷺ سے کہا کہ یہ سب کچھ آپ کے لیے پیدا کیا گیا۔

(راجا رشید محمود۔ میرے سرکار ﷺ۔ اختر کتاب گھر، لاہور۔ 1978ء۔ ص 135)

حدیث لولاک کو بعض نے موضوع کہا ہے مگر ساتھ ہی محققین نے وضاحت کر دی ہے کہ وضع کا تعلق الفاظ سے ہے، مفہوم اور معنی بالکل صحیح ہے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث مبارک سے ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً روایت ہے کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے بارگاہ پیغمبر اول و آخر و اعظم تاجدار کائنات سرور دو عالم ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر آپ نہ ہوتے تو جنت پیدا نہ کی جاتی، آپ نہ ہوتے تو ''نار'' پیدا نہ کی جاتی۔ ابن عساکر کی روایت میں **لولاك لما خلقت الدنيا** کے الفاظ ملتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں زمین و آسمان اور دوسری چیزوں کے پیدا نہ کرنے کی بات کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو پیدا نہ کرتا تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آسمانوں اور زمین کی خلقت حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خلقت کی وجہ سے ہے۔ (موضوعات کبیر از ملا علی قاری۔ ص 59، انسان العیون از علامہ برہان الدین حلبی، جلد اول۔ ص 357، مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات از علامہ برہان الدین حلبی، جلد اول۔ ص 357، مطالع المسرات شرح دلائل، الخیرات از علامہ فاسی۔ ص 364، نزہۃ المجالس از علامہ عبدالرحمٰن صفوری شافعی۔ جلد دوم۔ ص 119، بحوالہ ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور۔ جون 1973ء (مضمون ''حدیث لولاک'' از مولانا غلام رسول سعیدی/ تابش قصوری، محمد منشاء۔ محمد نور۔ س ن۔ ص 41 (مضمون ''حدیث لولاک'' از ابوالضیاء محمد باقر ضیا نوری) و مضمون محولہ بالا از غلام رسول سعید۔ ص 49 تا 52)

(3) حدیث پاک ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے پوچھا کہ یہ دنیا کیوں بنائی؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میں گنجینہ مستور (چھپا ہوا خزانہ) تھا۔ میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں، پس میں نے دنیا بنا دی۔

(4) اب اسی طرح سے مختصر ترین اولیاء اللہ کے بارے میں۔

(i) یہ دین، شریعت و قرآن قیامت تک کے لیے ہیں، اس لیے حکمت ربُ العالمین کے تحت پوری دنیا میں، ہر معاشرہ اور ہر دور میں اولیاء اللہ کا صفحۂ ہستی پر موجود ہونا اللہ کی رضا اور اللہ کا امر ہے۔

(ii) ان کا وجود اتنا ہی ٹھوس حقیقت ہے جتنی کہ یہ حقیقت کہ میں اور آپ اپنے ماں باپ کے ملاپ کے بعد اپنی ماں کے بطن سے اس دنیا میں آئے ہیں۔

(iii) ان کی پہنچ میں جیسے ساری زمین ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ آسمانوں میں بھی پرواز کرتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں اپنے محبوب ﷺ کے صدقے کے سبب حقائق و رازوں سے آگاہ کرتا ہے۔

(iv) اور یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ روحانیت کے عملدار (پنجتن پاک صحابہ کرام اولیاء اللہ) جس کو علم سے نوازنا چاہیں اسے وہ چند سیکنڈوں کے دورانیہ کے مبہم سے خواب میں کئی سالوں کے حاصل کردہ علم سے کہیں زیادہ علم دے جاتے ہیں بلکہ لب ہلائے بغیر ایک نظر کرم سے علم عطا فرما دیتے ہیں۔

میں آپ کو ایسے کامل ولی اللہ کا پتہ دے سکتا ہوں، ملا سکتا ہوں جس کو بیک وقت تین مختلف مقاموں پر دیکھا جا چکا ہے۔ مجھ پر وہ بہت مہربان ہیں، اس لیے میرے بیکار سوالوں کا بھی جواب دے دیتے ہیں۔ (وہ

اپنے کشف سے میرے بیکار سوال کے پیچھے جو میری نیت وجہ یا جو مقصد ہوتا ہے، اسے وہ معقول اور مفید جانتے ہیں ورنہ وہ کبھی بھی جواب نہ دیں یا مجھے سوال کرنے کی ہمت ہی نہ ہو۔) لیکن جن کو ایمان نہیں ہے، ان کو دکھانے یا ملانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بچپن سے ہی کھلے معجزوں والے نبی تھے۔ پھر بھی آپ کی زندگی میں گنتی کے لوگ ایمان لائے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے مشرکین مکہ کی طلب و خواہش پر چاند کو انگلی مبارک سے دو ٹکڑے کر دیا اور ٹکڑوں کو بھی اتنا دور کر دیا کہ ایک مشرق کی طرف اور دوسرا نمایاں مغرب کی طرف ہو گیا۔ پھر بھی وہ ایمان نہیں لائے۔ جنہوں نے ایمان لانا ہوتا ہے وہ معجزے دیکھے بغیر ہی ایمان لے آتے ہیں اور جن کو ایمان نصیب نہیں وہ معجزے دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔

یہ مردان حق، مردان غیب، اولیاء اللہ تو صاف دل، پاک روح، نیک صفت و فطرت آدمی کو (جس کا انہیں پتہ چل جاتا ہے) جسے ان راہوں کا پتہ نہ ہو، لیکن اس میں یقین و شوق و تابعداری ہو، تو یہ مردان خدا، مردان حق اسے یقینی عالم بالا میں لاھوت تک کی سیر اکرا دیتے ہیں۔ ایسے ہی ایک خوش نصیب کو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس نے جو بتایا ہے اسے سن کر میں یہ ضرور کہوں گا کہ اللہ تبارک اپنے خاص بندوں کو جنہیں پہلے ہی یقین بالغیب ہوتا ہے انہیں اپنی حکمت سے یقین بالعین بھی کرا دیتا ہے۔

اس کا بیان میرے لیے ایسے ہی کہ جیسے ''سنیدہ کے بود مانند دیدہ'' (جیسے سنے ہوئے کو بیان کرنے کے بجائے کسی چیز کو دیکھ کر بیان کیا جائے۔) اشارے کنائے میں یہ گوش گزار ہے کہ لاھوت (جنت کے اعلیٰ ترین طبقوں میں سے ایک) کی کسی بھی ایک دو خوبی، خوبصورتی، منظر، سجاوٹ، وسعت، رنگ، پُرنور جگہ، سرور، دلکشی وغیرہ میں سے ایسا دکھا دیتے ہیں کہ اسے باقی سب کے بارے میں یقین کامل ہو جاتا ہے۔

یہ باتیں بتانے کی نہیں ہوتیں لیکن میں کم ظرف آدمی ہوں۔ اس لیے ان پر لب کشائی کر دیتا ہوں۔ اس دیکھ لینے، جان جانے یا یقین بالعین کی مثال کچھ اس طرح سے ہے کہ جیسے ایک دیگ پکانے والا شخص جب یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ دیگ صحیح پک گئی ہے (تیار ہو گئی ہے) اور اس کا ذائقہ، نمک، مرچ، مصالحوں کا تناسب وغیرہ معیار کے مطابق ہے تو اس دیگ میں سے چند ایک دانے (چاول وغیرہ) اپنی ہتھیلی یا چٹکی میں لے گا اور انہیں ہی دیکھ کر، ہلکا سا مسل کر، سونگھ کر، چکھ کر، چھو کر وہ ساری دیگ کے معیار کا صحیح اور حتمی اندازہ کر لے گا۔

بقول قرآن حکیم انسان ناسمجھ، جلد باز اور ناشکرا ہے ورنہ تو یہ زندگی، دنیا، کائنات سب کچھ ہی اللہ کی رحمت و نعمت ہے۔ یہ زندگی اول تا آخر سب کے لیے سراسر نعمت و رحمت ہے اور یہ مردان حق، اولیاء اللہ اپنے اللہ تبارک و تعالیٰ اور نبی اول و آخر و اعظم ﷺ کے کارندے ہیں، رحمت بانٹنے والے ہیں، اہل زمین و کائنات پر رحمتیں لانے والے ہیں اور یہ مسلمانوں کے لیے خاص نہیں ہیں، یہ تمام مخلوقات، خلق اللہ کے لیے یکساں ہوتے ہیں۔

یہ بندگان خدا، اولیاء اللہ اپنے پرشوق و پرخلوص اتباع رسول کریم ﷺ کے سبب قدرت کے راز دان بن جاتے ہیں، امر ربی میں شامل ہو جاتے ہیں اور پھر ان کی پہنچ علم، پرواز ہمارے تصور سے بھی بہت بہت بالا ہو جاتا ہے۔

میرا یہاں یہ سب کچھ لکھنے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ اولیاء اللہ نے اپنے کشف سے جو بتلایا ہے، وہ مصدقہ علم ہے۔ بس یہ ہے کہ وہ علم عام آدمی کی سمجھ، ہماری سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمیں جو کچھ سمجھ نہ آئے، جو چیز ہمیں نظر نہ آئے اس کا وجود ہی نہیں ہے، وہ ایک ٹھوس حقیقت یا علم ہی نہیں ہے۔

ہماری سمجھ میں تو اللہ کا وجود، فرشتے، ان کی طاقت صلاحیت پہنچ، قیامت، روز حساب، جزا وسزا، دوزخ و جنت وغیرہ کچھ بھی نہیں آتا۔ چلیں یہ تو نہ نظر آنے والی اور نہ محسوس ہونے والے حقائق کا لکھ دیا ہے۔ آپ سورج اور دیگر اجرام فلکی کے بارے میں سوچئے اور دیانتداری سے بتائیے کہ سورج لگاتار ایٹمی ری ایکشن کے سبب، ایٹم کے پھٹنے کے انداز کی طرح سے کروڑ ہا سالوں سے ایک نپی تلی حرارت و روشنی کائنات میں دے رہا ہے۔ ایٹم یا ایٹم بم تو لمحوں میں پھٹ کر ختم ہو جاتا ہے (انرجی میں تبدیل ہو جاتا ہے) پھر یہ سورج کیوں ختم نہیں ہوا؟ یہ تو آج تک ویسے کا ویسا ہی ہے۔

زمین اپنی کشش کے سبب ہر چیز کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور کوئی بھی وزنی چیز فضا میں بغیر مشین یا سہارے کے نہیں رہ سکتی، اس زمین پر گر جاتی ہے۔ کیا آپ کو سمجھ آتا ہے کہ یہ اتنے بڑے بڑے، کھربوں، ٹن سے بھی زیادہ وزنی اجرام فلکی فضا بسیط میں اپنے اپنے دائروں میں کیوں تیر رہے ہیں؟ وہ کشش کے سبب ایک دوسرے کی طرف کیوں نہیں کھنچ جاتے ہیں؟

سورۂ یٰس آیت 40

لَا الشَّمْسُ يَنۢبَغِي لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝

ترجمہ ”سورج کے لیے ممکن نہیں کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے، ہر ایک اپنے دائرے میں تیر رہا ہے۔“

کیا آپ کو سورج کا لگاتار ایٹمی ری ایکشن کے باوجود اسی طرح سے موجود رہنا اور زمین، چاند، سورج، ستاروں کا اس فضائے بسیط میں تیرنا سمجھ آتا ہے؟ بس آپ اسی طرح اس حقیقت کو بھی مان جائیں کہ اولیاء اللہ نے جو اپنے کشف سے بتلایا ہے وہ مصدقہ علم ہے۔

قرآن حکیم میں جا بجا یہ الفاظ، فقرے آپ کی نظر سے گزریں گے کہ اللہ چاہتا ہے، اللہ خوش ہوتا ہے، اللہ پسند فرماتا ہے، اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے، اللہ دوست رکھتا ہے، تم اپنے نبی سے محبت کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔

بس اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب خاص، پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کی پرشوق، پرخلوص عبدیت، عبادت، محبت، اپنی کامل پہچان و کامل انسانیت سے اربوں کھربوں سال پہلے (جب فقط اللہ تبارک و تعالیٰ اور نورِ نبی ہی موجود تھے) بھی خوش ہوئے تھے اور اسی خوشی میں ان تمام جہانوں کی تصوراتی پیدائش کا آغاز ہوا تھا، جس کی پہلی عملی شکل یہ ہوئی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نور سے نورِ محمدی پیدا کر دیا۔

یہ مشیت ایزدی میں اسی طرح تھا لیکن بیان کرتے وقت، سمجھانے کی خاطر یہ طرز بیان اپنانا پڑتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہ لیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو بس ایک دم یہ خیال آیا ورنہ اس سے پہلے اس کا ارادہ یا علم نہ تھا۔

یہ تو ایک طریقہ ہے، انداز ہے آپ کو یہ بتانے، سمجھانے کا کہ یہ تمام کائناتیں، تمام جہان کیوں اور کس طرح وجود میں آئے اور کس سبب وجود میں لائے گئے اور پھر یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ یہ اربوں سال پہلے کی بات ہے یا کھربوں سال پہلے کی۔ اس لیے اس کو اسی انداز سے بیان کرنا بہتر ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ جلہ شانہ بمصداق حدیث پاک ایک چھپا ہوا خزانہ تھے اور جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اپنی تمام صفات کے ساتھ بطور اللہ، وحدہ لاشریک، خالق و مالک، حاکم الحاکمین، رب للعالمین کے پہچانے جائیں تو اس نے اپنی حکمت خوشی و شوق سے اپنے نور سے، اپنی صفات پاک کے نور سے، اپنے محبوب، پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کا نور مبارک پیدا فرما دیا۔

حدیث پاک میں ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے نورِ محمدی ﷺ کو پیدا فرمایا تو اس نور پاک نے سب سے پہلے بے ساختہ فطری طور پر اپنے رب کے نور کو دیکھ کر اپنے رب کی شان میں یہ الفاظ کہے۔ **الحمد لله** ۔ یہ سننے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا، یہی کچھ سننے کے لیے، کہلوانے کے لیے تو آپ کو پیدا کیا گیا ہے اور ان کلمات کا بے ساختہ ادا کرنے کے سبب آپ کا نام محمد ﷺ رکھا گیا ہے اور پھر جب عرصہ دراز کے بعد نورِ محمدی ﷺ نے سجدہ سے سر اٹھایا تو پھر اس کے بعد معبود و عبد میں، نور اللہ اور نورِ محمدی ﷺ میں محبّ و محبوب میں اور سرگوشی ہوئی اور باہمی کلام سے ایک کلمہ ظہور میں آیا کہ **لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ**۔ اس کے بعد نوری محمدی پھر سجدہ ریز ہو گیا اور اپنے خالق کے نور کے حضور ہزاروں سال سجدہ ریز رہا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بے مثال، پرشوق، پرخلوص اور مکمل عبدیت، محبت و انسانیت کے فطری حامل میرے شاہکار، اے میرے برگزیدہ نور میں تیری خاطر تیرے ہی نور سے بہت کچھ پیدا کروں گا اور تیری اعلیٰ ترین عبدیت، محبت و دیگر صفات کے سبب میں تیرا نام تمام جہانوں میں روشن کروں گا۔ اپنے نام کے ساتھ تیرے نام کا بھی چرچا کروں گا، ذکر بلند کروں گا۔ یہ ان تمام عالموں کی پیدائش سے بہت پہلے کی بات ہے۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ اور نورِ محمدی ﷺ ہی تھے اور ان کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ ہزاروں، لاکھوں، اربوں سال صرف معبود و عبد، محبّ و محبوب ہی تھے اور یہ سارا زمانہ، سارا وقت نور صفات خداوندی نے یعنی نورِ محمدی ﷺ نے اپنے معبود کی عبادت و محبت میں ہی گزارا۔

اور پھر ''کن'' کے مالک نے اپنے اس برگزیدہ نور محمدی ﷺ کو بطور محبوب خاص، پیغمبر اول و آخر و اعظم دنیا پہ لانے کی خاطر اور تمام کائناتوں، تمام جہانوں، تمام عالموں کو اپنے شاہکار کی پرخلوص، پرشوق، اعلیٰ ترین انتہا کی عبدیت، عبادت، محبت، اپنے رب کی مکمل پہچان اور کامل انسانیت دکھانے کی خاطر اپنے اس محبوب نور محمدی ﷺ سے ہی ''کن'' کے ذریعے زمین و آسمان اور تمام کائناتیں بنا دیں۔ خلاق العظیم و خلاق العلیم نے اسی نور محمدی سے، اپنے کلمہ ''کن'' سے زمین و آسمان میں، فضائے بسیط و آب میں، بے شمار عالم پیدا فرما دیئے اور پھر جب اس نے مناسب جانا اس زمین کے لیے اپنے نائب اپنے خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس میں نور محمدی ﷺ کی اپنی روح پھونک دی' اور ملائکہ سے اسی نور محمدی کو سجدہ کرایا گیا' وہ سجدہ آدم کو نہ تھا۔

کتنی ہی احادیث مبارک اور سیرت طیبہ کی کتابوں میں نور محمدی ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے۔ درج ذیل حجتہ الاسلام حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا موقف ہے۔ حضرت امام غزالی نے نور کا ذکر کرتے ہوئے حضرت محمد بن منکدر کے حوالہ سے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ایک حدیث بیان کی ہے لیکن ڈاکٹر حامد بلگرامی صاحب نے اپنی تالیف ''نور مبین'' میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کردہ جو حدیث پیش کی ہے، اس میں زیادہ تفصیل دی گئی ہے۔ یہ حدیث مبارکہ صوفی برکت علی کی ''مقالات حکمت'' میں درج ہے جسے اس بزرگ نے امام قسطلانی کی کتاب ''الا نوار المحمدیہ من مواھب لدنیہ'' سے نقل کیا ہے کیونکہ یہ حدیث شریف مومنین اور مومنات کے لیے روح اور ایمان کا سرمایہ ہے، اس لیے اسے یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، مجھے خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے جابر! اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی (ﷺ) کا نور اپنے نور میں سے تخلیق فرمایا، پھر وہ نور اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت سے جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کو منظور ہوا سیر اکرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی، نہ قلم تھا، نہ بہشت تھی، نہ دوزخ تھی، نہ فرشتے تھے، نہ آسمان تھا، نہ زمین تھی، نہ سورج تھا، نہ چاند تھا، نہ جن تھے، نہ انسان تھا۔

پھر جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور (نور نبی کریم ﷺ) کے چار حصے کیے، ایک حصے سے قلم، دوسرے حصے سے لوح، تیسرے حصے سے عرش اور چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا۔ اس کے پہلے سے عرش کو اٹھانے والے فرشتوں کو پیدا کیا، دوسرے سے کرسی سے متعلق فرشتے، تیسرے سے باقی سب ملائکہ اور پھر چوتھے کو چار حصے کر کے یوں تقسیم فرمایا۔ پہلے حصے سے آسمانوں کو، دوسرے حصے سے زمینوں کو، تیسرے حصے سے جنت و دوزخ کو، پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ اور اس کے پہلے حصے سے

مومنوں کی آنکھوں کے نور کو پیدا فرمایا، دوسرے حصے سے ان کے دل کے نور کو (جس سے مراد اللہ عزوجل کی معرفت ہے) اور تیسرے حصے سے ان کا نورانس پیدا کیا، وہ توحید ہے۔

امام قسطانی کی بیان کردہ حدیث میں چوتھے حصے کا ذکر نہیں کیا گیا لیکن حضرت امام غزالی نے اپنی کتاب ''امراض الروحانی والعلاج'' میں اسی حدیث کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس آخری چوتھے حصے سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے عرش کا غلاف (اس کے گرد حجابات) کو پیدا فرمایا۔ اس کے بعد اس نور کو آدم میں ودیعت فرمایا گیا۔ اسی لیے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا سبب محمد ﷺ کا نور ہے۔ کسی عاشق رسول ﷺ نے کیا خوب صورت شعر کہا ہے:

ملک در سجدہ آدم زمیں بوسی تو نیت کرو
کہ در حسن نو ﷺ چیزی دید غیر از طور انسانی

یعنی (یارسول اللہ ﷺ) فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرتے ہوئے زمین کو چومتے وقت آپ ﷺ کی نیت کی تھی، اس لیے کہ ملائکہ نے آپ ﷺ کے حسن ورعنائی میں وہ شے دیکھی جو بنی نوع انسان سے مختلف تھی۔

علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی قدس سرہ نے اپنی کتاب ''حجۃ اللہ علی العالمین'' میں صفحہ 38 پر حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی ہوئی دوسری حدیث اس طرح بیان کی ہے جس کی رو سے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''اے جابر! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر شے سے پہلے تیرے نبی (ﷺ) کے نور کو اپنے نور میں سے پیدا کیا اور اس وقت نہ لوح تھی، نہ قلم تھا، نہ جنت تھی، نہ دوزخ تھی، نہ آسمان تھے، نہ فرشتے تھے، نہ زمین تھی، نہ سورج، نہ چاند، نہ جن، نہ انسان۔''

''تفسیر روح البیان'' کی پہلی جلد کے صفحہ 139 پر ایک حدیث تحریر ہے جسے پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نورِمحمدی کے ظہور اور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے درمیان کتنا عرصہ گزرا ہے۔ یہ حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس کی رو سے حضور پرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ''اے جبرئیل! تمہاری عمر کتنی ہے؟'' جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ ''حضور! مجھے خبر نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک ستارہ ستر ہزار سال کے بعد چمکا کرتا تھا اور اب تک میں نے اسے ستر ہزار بار چمکتے دیکھا۔'' یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: **وعزۃ ربی انا ذالک الکوکب** یعنی ''مجھے میرے رب کی قسم میں وہی تارا ہوں۔'' علمائے کرام نے حساب لگا کر بتایا ہے کہ اس طرح جبرئیل علیہ السلام کی عمر پانچ ارب، چار کروڑ سال بنتی ہے جو خود حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے نور میں سے پیدا ہوئے۔

اس بارے میں حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمتہ اللہ علیہ جن کا روحانی کلام سندھی زبان میں اور زیادہ تر

اشعار کی شکل میں ہے، اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

یعنی ابھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس جہان کی تخلیق کا امر بھی نہیں کیا تھا اور چاند کی تصویر بھی نہیں بنی تھی اور نہ ہی کسی کو نیکی اور بدی کا شعور تھا، جب صرف اللہ عزوجل کی وحدانیت تھی، تب حبیب نے یہ پوشیدہ گتھی سلجھائی۔ اے حبیب! نتیجتاً میری آنکھوں اور میرے دل کو یہ علم تھا۔

جبرئیل کی پیدائش سے پہلے والے زمانے کا اندازہ کون لگا سکتا ہے کہ جب نہ زمان تھا نہ مکان تھا، وہاں تو محض نورِ محمدی ﷺ صرف اللہ جل شانہ کی ذات پاک کی شان کبریائی اور اس کی قدرت کی سیر اور معرفت میں گم تھا۔ قرآن حکیم کی سورہ نور کی آیت 35 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ ۙ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

ترجمہ: ''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور (نورِ محمدی ﷺ) کی مثال ایسی..... گویا نور پُر نور ہے۔''

اسی طرح سورۂ مائدہ آیت مبارک 15 میں ارشاد رب العالمین ہے:

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآئَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ؕ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝

ترجمہ ''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا، اور ایک روشن کتاب۔''

اس آیت مبارک میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضور انور نبی کریم ﷺ خود نور ہیں اور قرآن حکیم بھی نور ہے لیکن فرق یہ ہے کہ اللہ عزوجل کا نور، ذاتی نور ہے۔ قرآن حکیم اور دونوں جہانوں کے سردار ﷺ کی ذات کا نور، صفاتی نور ہے۔ قرآن حکیم کا نور، اللہ جل شانہ کے کلام کا نور ہے اور محبوب خدا ﷺ کا نور، اللہ جل شانہ کی صفات کا مظہر ہے۔ اسی لیے ذات اور صفات کے فرق کو دل میں ضرور رکھا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے بالواسطہ اپنے حبیب محمد ﷺ کا نور پیدا کیا۔ پھر اسی نور کو خلق عالم کا واسطہ ٹھہرایا۔ (مصنف عبدالرزاق متوفی 211ھ بروایت حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ)

اور عالم ارواح ہی میں اس روح سراپا نور کو وصف نبوت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے پوچھا کہ آپ کی نبوت کب ثابت ہوئی؟ آپ نے فرمایا ''میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم کی روح نے جسم سے تعلق نہ پکڑا تھا۔ (ترمذی شریف) بعدازاں اسی عالم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی روحوں سے وہ عہد لیا جو سورۂ آل عمران کی آیت

مبارک 81 میں مذکور ہے۔

جس وقت ان پیغمبروں کی روحوں نے عہد مذکور کے مطابق حضور پُرنور ﷺ کی نبوت و امداد کا اقرار کر لیا تو نورِ محمدی کے فیضان سے ان روحوں میں وہ قابلیتیں پیدا ہو گئیں کہ دنیا میں اپنے اپنے وقت میں ان کو منصب نبوت عطا ہوا اور ان سے معجزات ظہور میں آئے۔

جس طرح حضور پُرنور نبی کریم ﷺ (بل جآء بالحق و صدق المرسلین) کا نور از ہر و معطر منبع انوار الانبیاء تھا، اسی طرح آپ کے جسم طہر کا مادہ بھی لطیف ترین اشیاء سے تھا۔ (وفاء الوفاء فی فضائل المصطفیٰ ابن الجوزی)

چنانچہ حضرت کعب احبار سے منقول ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو پیدا کرنا چاہا تو جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ سفید مٹی لاؤ۔ پس جبرائیل بہشت کے فرشتوں کے ساتھ اترے اور حضرت کی قبر شریف کی جگہ سے مٹھی بھر خاک سفید چمکتی دمکتی اٹھا لائے۔ پھر وہ مشت خاک سفید بہشت کے چشمہ تسنیم کے پانی سے گوندھی گئی۔ یہاں تک کہ سفید موتی کی مانند ہو گئی جس کی بڑی شعاع تھی۔ بعد ازاں فرشتے اسے لے کر عرش و کرسی کے گرد اور آسمانوں اور زمین میں پھرے یہاں تک کہ تمام فرشتوں نے آپ (روح انور و مادہ اطہر) کو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے پہچان لیا۔ (خصائص کبریٰ للسیوطی بحوالہ حاکم وطبرانی)

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اپنے حبیب، پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کے نور کو ان کی پشت مبارک میں بطور امانت ودیعت رکھا۔ اس نور کے انوار ان کی پیشانی میں یوں نمایاں تھے جیسے آفتاب آسمان اور چاند اندھیری رات میں اور ان سے عہد لیا گیا (اور قادر مطلق کی طرف سے یہ خاص امر ٹھہرا) کہ یہ نور انوار پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوا کرے۔

تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی مبارک سے باریک (ہلکی سی) آواز آتی تھی۔ ایک دن حضرت آدم علیہ السلام نے خالق و مالک کائنات پروردگار عالم سے دریافت کیا، یہ کیا آواز آتی ہے؟ پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا کہ یہ میرے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور کی تسبیح ہے' جو تمہارا فرزند ارجمند ہو گا۔

صفحہ 75 تاریخ خمیس و مواہب لدنیہ میں ہے کہ پروردگار عالم نے اپنے حبیب کا نور آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں امانت رکھا تھا۔ سورج کی شعاعوں کی طرح چمکتا ہوا یہ نور رحمت العالمین حضرت آدم علیہ السلام کے نور پر غالب آ جاتا تھا۔

دلائل النبوت و بیہقی و مواہب لدینہ میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام گندم کا دانہ کھا کر پشیمان ہوئے تو اللہ تبارک و تعالیٰ سے التجا کرتے رہے اور پھر عرض کی کہ الٰہی میرا گناہ بحرمت محمد مصطفیٰ ﷺ کے معاف فرما۔ خالق و مالک کائنات پروردگار عالم نے فرمایا "میں نے محمد ﷺ کے طفیل معاف کر دیا، لیکن تو بتا کہ تو نے یہ کس طرح معلوم کیا۔ عرض کی آدم علیہ السلام نے،

الٰہی میں نے عرش عظیم کے پایے پر یہ کلمہ لکھا دیکھا ''لا الا اللہ محمد رسول اللہ'' میں نے معلوم کیا کہ اللہ کے نام کے ساتھ یہ جو محمد (ﷺ) کا نام ہے، یہ کوئی خاص اللہ تبارک وتعالیٰ کا پیارا ہوگا۔ اے آدم وہ میرا خاص حبیب ہے، تیرا فرزند ارجمند ہوگا۔ اس کی خاطر تیرا گناہ معاف ہوگیا۔

سبحان اللہ' نزہتہ المجالس میں ہے کہ خالق و مالک کائنات، پروردگار عالم نے نور محمدی ﷺ اور نور یوسف علیہ السلام کو ایک جگہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں جمع کیا تھا۔ پھر عبادت اور شفاعت محمد ﷺ کے حصے میں دی اور ظاہری حسن حضرت یوسف علیہ السلام کے حصے میں دیا تھا۔

تفسیر سورۂ یوسف میں ہے کہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم جناب سرور عالم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ھو اصبح و انا املح یعنی ''یوسف علیہ السلام حسین ہیں اور میں نمکین ہوں''۔ اسی وجہ سے جب مصر میں قحط پڑ گیا، غلہ ختم ہوگیا تو حضرت یوسف علیہ السلام بھوکے لوگوں کو ایک وسیع میدان میں جمع کر کے خود بے نقاب ہوکر لوگوں کے سامنے بیٹھ جاتے تھے۔ سارا دن لوگ آپ کے دیدار میں گزار دیتے تھے۔ کسی کو بھی بھوک پیاس کی پروا نہ رہتی تھی۔ اور دنیا پہ حسن محمدی ﷺ ستر ہزار پردوں میں پوشیدہ ہے، قیامت کے دن ایک پردہ اٹھایا جائے گا، لاکھوں گنہگاروں کی گردنیں دوزخ سے خلاصی پائیں گی۔ سبحان اللہ یہ تاثیر ہے حسن نمکینی کی اس لیے جو کوئی حضور پُر نور سرورِ دو عالم ﷺ کا پورا تابعدار ہوگا وہ ضرور جنتی ہے۔ اس لیے کہ ''ہر در کان نمک رفت، نمک شد'' یعنی جو کوئی نمک کی کان میں رہے، وہ نمک ہی ہو جاتا ہے، اس پر نمک کا حکم ہوتا ہے۔ پروردگار عالم ہم سب کو تاجدار کائنات سرکار دو عالم ﷺ کے پورے تابعدار بنائے۔ آمین!

حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو وہ نور ان کی پشت میں منتقل ہوگیا۔ یہ حضور پُر نور پیغمبر اول و آخر و اعظم اصل الموجودات ﷺ کا معجزہ تھا کہ حضرت شیث علیہ السلام پیدا اکیلے ہوئے۔ آپ کے بعد ایک بطن میں جوڑا (لڑکا اور لڑکی) پیدا ہوتا رہا۔ اس طرح یہ نور پاک، پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا ہوا حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب تک پہنچا اور ان سے بناء پر قول اصح ایام تشریق میں جمعہ کی رات کو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے رحم پاک میں منتقل ہوا۔

اسی نور کو پاک وصاف رکھنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کے تمام آباؤ امہات کو شرک وکفر کی نجاست اور زنا کی آلودگی سے پاک رکھا۔ اسی نور کے ذریعہ سے حضور پُر نور نبی کریم' رؤف ورحیم ﷺ کے تمام آباؤ اجداد نہایت حسین ومرجع خلائق تھے۔ اسی نور کی برکت سے حضرت آدم علیہ السلام ملائک کے مسجود بنے (اسی سبب ملائکہ نے آدم کو بحکم رب العالمین سجدہ کیا) اور اسی نور کے وسیلہ سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان میں غرق ہونے سے بچی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتش نمرود گلزار ہوگئی اور اسی نور کے طفیل سے حضرات انبیائے سابقین علیہم السلام پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عنایات بے غایت' عنایات بے انتہا ہوئیں۔

علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی تصنیف ''مدارج النبوت جلد دوم'' میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک دائمی اور ابدی حقیقت ہے کہ اول مخلوقات اور ساری کائنات کی پیدائش کا ذریعہ اور تخلیق آدم علیہ السلام کا واسطہ نورِ محمدی ﷺ ہے، جس طرح صحیح حدیث میں آیا ہے ''اول ما خلق اللّٰہ نوری'' یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساری مخلوقات سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا۔ اسی طرح آپ ﷺ کی نبوت بھی اس وقت سے ثابت ہے جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور پیغمبر اول و آخر واعظم ﷺ نے فرمایا ''میں تخلیق میں سب نبیوں سے پہلے ہوں اور بعثت میں سب سے آخر میں ہوں۔'' جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تو نورِ محمدی ﷺ کی چمک ان کی پیشانی میں تھی، اس وقت ان کو بتایا گیا کہ یہ نور تیری نسل میں پیدا ہونے والے نبیوں اور رسولوں کے سردار کا نور ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اپنی پیدائش کے وقت ایسے تھے جیسے 33 سال کا جوان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب انسان روزِ قیامت اور ابدی زندگی میں 33 برس کی عمر میں ہوں گے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے حضور پُرنور پیغمبر اول و آخر واعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے صدقے میں اپنی غلطی کی معافی مانگی تو اللہ جل شانہ نے فرمایا ''تجھے محمد (ﷺ) کی خبر کیسے ہوئی؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ ''جب تو نے مجھے پیدا فرمایا تو اس وقت میری نظر عرش اور جنت کے دروازے پر پڑی جہاں میں نے ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا دیکھا اور میں اس سے سمجھ گیا کہ تجھے ساری مخلوق سے زیادہ معزز یہی محبوب اور مقدس ہستی ہوگی جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے۔'' اس وقت غیب سے صدا آئی کہ ''یہ نبی آخر الزماں ہیں جو تیری ذریت یعنی اولاد سے ہیں، ان کا نام آسمان میں احمد اور زمین میں محمد ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں آسمان اور زمین کو پیدا نہ کرتا۔ اے آدم میں نے تمہیں انہیں کے طفیل پیدا فرمایا۔''

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک بار حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بارگاہ رسالت میں آکر عرض کیا کہ یا محمد (ﷺ) آپ کا رب فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراہیم کو خلیل بنایا تو آپ کو حبیب بنایا ہے اور میں نے اپنے نزدیک تم سے زیادہ برگزیدہ کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا اور میں نے دنیا و جہان کو اسی لیے پیدا فرمایا ہے کہ دنیا کو خبر ہو جائے کہ میرے نزدیک آپ کی کتنی قدر و منزلت اور مرتبت ہے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''مدارج النبوت'' میں لکھتے ہیں کہ ''جب نورِ محمدی ﷺ کو آدم کی پشت میں رکھا تو یہ نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ اسی نور کی برکت سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساری مخلوق کے ناموں کی تعلیم دی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو۔''

''مواھب لدنیہ'' میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سب سے پہلے حضرت جبرئیل نے حضرت آدم علیہ اسلام کو سجدہ کیا۔ ان کے بعد میکائیل نے، پھر اسرافیل علیہ السلام نے ان کے بعد عزرائیل علیہ السلام نے اور ان کے بعد ملائکہ مقربین نے سجدہ کیا اور سب سے آخر میں تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔

سورۃ حجر آیت 30

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ۝

ترجمہ ''تو جتنے فرشتے تھے سب کے سب سجدے میں گرے۔''

جب آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل کیا گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے، خلاق العلیم نے اپنی حکمت سے آدم کی تنہائی دور کرنے، عبادت الٰہی کے لیے دلجمعی دینے اور اس کے دل کے سکون وقرار کو برقرار رکھنے کے لیے اس کی ہم جنس مونس وغمخوار ساتھی بنانے کا ارادہ فرمایا تو پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو نیند میں مبتلا کر دیا اور نیند کی اس حالت میں ان کی بائیں پسلی نکال کر اس سے حضرت حوا علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ ان کا نام حوا (علیہ السلام) اس لیے رکھا گیا کہ وہ ''حی'' یعنی زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت حوا کو دیکھا تو اپنے دونوں ہاتھ ان کی طرف بڑھائے۔ اس پر ملائکہ نے ان سے کہا کہ رک جائیں تا کہ نکاح ہو جائے اور آپ ان کا مہر ادا کر دیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ تین دفعہ پیغمبر اول وآخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود شریف پڑھیں تو مہر ادا ہو جائے گا۔ دوسری روایت میں بیس مرتبہ درود شریف پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق نے حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح حضرت حوا سے فرمایا اور اپنے کلام اقدس سے خطبہ پڑھا۔

نکاح کی صورت میں حضرت آدم علیہ اسلام کو ملنے والے اس خدائی اعزاز کی بنا پر، ابلیس ان سے حسد کرنے لگا اور اسی حسد کے نتیجے میں اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو وسوسے میں مبتلا کر کے جنت سے نکلوایا۔ زمین پر آنے کے بعد آدم علیہ السلام بے حد پشیمان ہوئے، دنیا کی تکلیفیں سہیں۔ بعدازاں حضورِ انورؐ سید المرسلین ﷺ کے صدقے آدم کی توبہ قبول ہوئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں معاف فرما کر دیا۔

توبہ قبول ہونے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا، حکمت ومصلحت اور جاری کردہ دستور کے مطابق ہر حمل میں جڑواں بچے پیدا ہوتے تھے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی، لیکن حضرت شیث علیہ السلام جو حضور اکرم ﷺ کے جد امجد ہیں، وہ اکیلے پیدا ہوئے تا کہ نور مصطفوی، نور محمدی ﷺ میں ان کے اور دوسرے کے درمیان اشتراک نہ ہو۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی دفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے شیث علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ اس نور مبارک کو پاک بیویوں میں منتقل کرنا

مدارج النبوت میں ہے کہ حضرت شیث علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد سے حسین اور ماہ جبین تھے اور تمام ظاہری اور باطنی کمالات سے پُر تھے اور نور محمدی ﷺ ان کی پیشانی میں آفتاب کی طرح درخشاں تھا۔ جب وہ بالغ ہو گئے تب ان سے نور محمدی کی حفاظت کے بارے میں آدم علیہ السلام نے ایک عہد نامہ تحریر کرایا تھا کہ نور محمدی ﷺ کو پاک رحموں اور پاک پشتوں میں پہنچایا جائے۔ جائز طریقے سے یکے بعد دیگرے اس عہد نامے پر عمل کیا جائے۔ اس عہد نامہ کو ایک دوسرے تک پہنچایا جائے، چنانچہ اسی طرح کیا گیا۔ پھر آدم علیہ السلام نے حضرت شیث علیہ السلام کو فرمایا کہ خدا کو یاد کرو اور ساتھ ہی محمد ﷺ کا ذکر بھی کیا کرو۔ میں نے ان کا نام ساق عرش پر اس طرح دیکھا ہے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اور جنت میں میں نے کوئی بالا خانہ ایسا نہیں دیکھا اور نہ کوئی محل کہ جس پر محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام مبارک منقوش نہ ہو۔

مواہب لدینہ میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے نور محمدی ﷺ کی تعریف بیان کی اور فضائل سنائے (حضرت شیث علیہ السلام کے سامنے) تو شیث علیہ السلام نے عرض پیش کی کہ ابا جان کیا بیٹے کا درجہ باپ سے زیادہ ہو سکتا ہے۔ آخر نبی زماں تو آپ کی اولاد میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا، اے بیٹے تو اس کی امت کی فضیلت بزرگی ذرا دیکھ۔ اول ایک ادنیٰ خطا پر میں جنت سے نکالا گیا اور اس کی امت باوجود بڑے بڑے گناہوں کے جنت میں داخل کی جائے گی۔ دوسری میں ایک خطا پر زمین و آسمان میں مشہور کر دیا گیا اور اس کی امت لاکھوں گناہ کرے گی، ان کے عجیب چھپائے جائیں گے۔ تیسری ایک بھول پر مجھے برہنہ کیا گیا اور بہشتی لباس اتارا گیا مگر ان کی امت گناہوں کی وجہ سے برہنہ نہ کی جائے گی۔ چوتھی میرے ایک گناہ کو دراز مدت تک باوجود ہزاروں آہ و زاری کے میں نے اسی امت مرحومہ کے نبی کو شفیع بنایا، تب گناہ معاف کیا گیا اور ان کی امت سینکڑوں گناہ کرے گی جب خالص (سچی) توبہ کرے گی تو ان کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ پانچویں مجھے توبہ و استغفار کے واسطے گھر سے باہر جانا پڑا اور مکہ مکرمہ میں جا کر توبہ قبول ہوئی اور ان کی امت گھر بیٹھے خالص (سچی) توبہ کرے گی تو ان کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ چھٹی مجھے ایک نافرمانی کی وجہ سے اپنی بی بی سے جدا کر دیا گیا اور ان کی امت کتنی ہی نافرمانیاں کرے تو ان کو ان کی بیبیوں سے جدا نہ کیا جائے گا۔

پس اے فرزند جن کی امت کا یہ مرتبہ ہو، پھر اس نبی آخر زماں کی شان کیا ہو گی۔ حضرت شیث علیہ السلام ایسی تعریف سن کر حیران ہو گئے۔ اسی دن سے نور محمدی ﷺ کی بڑی تعظیم کرنے لگے۔ بعد میں شیث علیہ السلام نے بھی اپنے فرزند انوش کو ایسی ہی وصیت کی اور پھر وصیت کا یہ سلسلہ ایک صدی سے دوسری صدی تک چلتا گیا پھر وہ نور مبارک حضرت شیث علیہ السلام سے درجہ بدرجہ منتقل ہوتا ہوا حضرت ہاشم تک پہنچا، ہاشم کا اصلی نام عمرو تھا۔ وہ حج کے وقت حجاج کو اور قحط کے زمانے میں بھی ملک شام سے خشک روٹیاں لا کر انٹوں کے شوربے میں ثرید بنا کر دیتے تھے۔ اس لیے ان کو ہاشم کہتے ہیں۔ پھر یہ نور مبارک حضرت عبدالمطلب سے حضرت عبداللہ

رضی اللہ عنہا تک آیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے شریف نسب کو دور جاہلیت کے گناہوں سے پاک اور صاف رکھا۔

جب نور محمدی ﷺ حضرت ہاشم میں جلوہ گر ہوا۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے شرح مواہب میں ہے کہ جب کوئی یہودی عالم حضرت ہاشم کو دیکھتا تو آپ کے ہاتھ پر بوسہ دیتا۔ عرب کے بڑے بڑے لوگ اور اہل کتاب کے عالم اپنی اپنی بیٹیاں نکاح کے واسطے پیش کرتے تھے یہاں تک کہ ایک دن ہرقل شاہ روم نے اپنی بیٹی کے واسطے پیغام دیا اور ساتھ ہی اپنی بیٹی کی تعریف بھی کی کہ میری بیٹی ایسی حسین اور جمیل ہے۔ ہرقل بادشاہ کا بھی یہ قصد تھا (نور محمد ﷺ کی تعریف اس نے انجیل میں دیکھی تھی) کہ محمد ﷺ ہمارے گھرانے میں آجائیں۔ (رحمت العالمین۔ صفحہ 87)

جب نور محمدی ﷺ عبدالمطلب کی طرف درخشاں ہوا۔ مواہب لدینہ اور مدارج النبوت میں ہے کہ عبدالمطلب کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور نور محمدی ﷺ آپ کی پیشانی میں جگمگاتا تھا اور جب قحط سالی آجاتی تو قریش عبدالمطلب کو کوہ شبیر پر لے جاتے تھے اور وہاں دعا کرتے تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نورِ محمدی ﷺ کی برکت سے بارش برسا دیتا تھا۔ سبحان اللہ کیا شان ہے' حضور پُر نور پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کی۔ اس طرح نور مبین پاک پیٹھوں اور پاک ارحام میں منتقل ہوتا رہا تا آنکہ اس نور کا ظہور آپ ﷺ کی ذات اقدس میں ہوا اور آپ اس جہان میں تشریف لائے۔

امام عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الوفا'' میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے بارگاہ حبیب خدا رسول کریم ﷺ میں عرض کیا کہ حضور پُر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ آپ اس وقت کہاں تھے جب حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ان کی پیٹھ میں تھا اور جب انہیں زمین پر اتارا گیا تو اس وقت بھی میں ان کی پشت میں تھا۔ جس وقت نوح علیہ السلام طوفان کے ایام میں کشتی پر سوار تھے، اس وقت میں ان کی پشت اقدس میں جلوہ گر ہو کر کشتی پر سوار تھا۔ جس وقت میرے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو آگ میں پھینکا گیا تو ان کی پشت میں ہونے کی وجہ سے میں بھی آگ میں پھینکا گیا، میرے آباؤ اجداد اور امہات اور جدات کسی بھی بدکاری کے قریب تک نہیں گئے۔ اللہ رب العزت مجھے ہمیشہ پاکیزہ رکھتے ہوئے پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا۔ جب بھی میرا قبیلہ دو نسلوں میں منقسم ہوا تو میں ان میں سے بہتر نسل میں منتقل ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میثاق والے دن میری ہی نبوت کا تمام انبیاء کرام سے وعدہ لیا تھا۔ تورات میں موسیٰ علیہ السلام نے میری ہی بشارت دی اور عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل نے بھی میری بشارت دی۔ یہ فرش زمین میرے رخ انور کی ضیاء اور رعنائی سے ہمیشہ روشن رہے گا اور آسمان میرے دیدار سے چمکتا رہے گا۔

حضرت عرباس بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں بارگاہ الٰہی

میں خاتم النبیین کے اعلیٰ وارفع منصب پر اس وقت فائز ہو چکا تھا جب آدم علیہ السلام زمین پر اپنے خاکی خمیر میں تھے اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں خود آپ کو ابتداء کی خبر دیتا ہوں۔ میں اپنے والد حضرت خلیل علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو میری ولادت سے پہلے انہوں نے دیکھا تھا اور اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی مائیں اپنی ان پاکیزہ اولادوں کے انوار دیکھتی ہیں۔

اس خواب کی وضاحت میں کہا گیا ہے کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی والدہ ماجدہ نے جب آپ ﷺ کو جنم دیا تو ایک عظیم نور دیکھا جس میں انہیں ملک شام کے محلات چمکتے نظر آئے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز ''مدارج النبوت'' جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ احادیث میں مروی ہے کہ جب نور محمدی ﷺ کو پیدا فرمایا گیا اور آپ کے نور سے تمام انبیاء علیہ السلام کے انوار ظاہر کیے گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نور مصطفیٰ محمدی ﷺ سے ارشاد فرمایا کہ ان انوار کی جانب نظر فرمائیے۔ جب حضور پُرنور ﷺ نے یہ انوار اور تجلیاں دیکھیں ان پر نظر فرمائی تو ان تمام کے انوار پر آپ ﷺ کا نور غالب آ گیا اور دوسروں کے نور ماند پڑ گئے۔ وہ ماند پڑ جانے والے عرض کرنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! یہ کس کا نور ہے جس کے آگے ہمارے نور ماند پڑ گئے؟ اللہ جل مجدہ نے فرمایا کہ یہ نور محمد بن عبداللہ (ﷺ) کا ہے۔ اگر تم سب ان پر ایمان لے آؤ گے تو ہم تمہیں نبوت عطا کریں گے۔ سب نے ایک آواز ہو کر عرض کیا ''اے پروردگار! ہم ان پر اور ان کی نبوت پر ایمان لائے۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ ''میں تم پر شاہد ہوں۔''

اس ضمن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم کی سورہ آل عمران آیت 81 میں فرمایا:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ٥

ترجمہ ''اور (اے پیغمبر! انہیں وہ وقت یاد دلاؤ) جس وقت اللہ نے پیغمبروں سے یہ عہد لیا کہ ہم جو آپ کو اپنی کتاب اور دانائی دیں (اور) پھر کوئی پیغمبر آپ کے پاس آئے اور جو (کتاب) آپ کے پاس ہے اس کی تصدیق (بھی) کرے تو پھر دیکھنا ان پر ضرور ایمان لانا اور ضرور ان کی مدد کرنا۔ کیا آپ نے اقرار کیا اور ان پر میرا بھاری ذمہ اٹھایا؟ سب نے عرض کیا (کہ) ہم نے اقرار کیا۔ (اللہ) نے فرمایا کہ شاہد رہنا اور میں بھی آپ کے ساتھ شاہدوں میں ہوں۔''

ہر ایک رسول اللہ تبارک تعالیٰ کا محبوب ہے اور آپ ﷺ رسولوں کے رسول اور محبوبوں کے محبوب ہیں یعنی محبوب خاص ہیں۔ لوگ مانیں یا نہ مانیں، سارا جہان میلاد محمد ﷺ کی خوشی میں سجایا گیا، اس لیے کہ آپ ﷺ سارے عالم کے سرتاج ہیں۔ آپ ﷺ کے ظہور قدسی کا جشن عالم بالا میں اس وقت منایا گیا جب آپ ابھی دنیا میں آئے بھی نہ تھے۔ اس جشن میں اندازاً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اور رسول شریک ہوئے تھے۔

پھر ہر نبی نے اپنی اپنی امت میں ولادت باسعادت کا جشن منایا۔

اور آخری جشن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے منایا اور ساری محفل میں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کا اس طرح بیان کیا۔ سورہ صف آیت 6

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ

ترجمہ ''اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا' اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور اس رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے' ان کا نام احمد ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی بیت اللہ کی تعمیر مکمل کر کے اللہ جل جلالہ سے عرض کیا سورہ بقرہ آیت 129 میں وہ عرض دعا یوں ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

ترجمہ ''اے ہمارے پروردگار! ہم (مکہ کے باشندوں) میں ان سے ایک رسول مبعوث فرما۔''

حضور پُرنور، رحمتِ دوعالم، نورِ مجسم ﷺ کے جدامجد حضرت عبدالمطلب نے ایک بار حطیم کعبہ میں خواب دیکھا کہ ایک درخت ظاہر ہوا ہے جس کی چوٹی آسمان سے باتیں کر رہی ہے اور اس کی شاخیں مشرق اور مغرب میں پھیل گئی ہیں۔ اس درخت میں سے نور کی ایسی تجلیاں نکل رہی ہیں جو سورج کی روشنی سے نوے گنا زیادہ روشن ہے۔ میں نے عرب اور عجم کو ان کے سامنے سجدہ کرتے دیکھا۔ اس درخت کی اونچائی اور مقدار اور نور اور پھیلاؤ میں ہر گھڑی اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ درخت کبھی پوشیدہ ہو جاتا ہے تو کبھی پوری آب و تاب سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ قریش کی ایک جماعت اس کی شاخوں سے چمٹی ہوئی ہے اور دوسرا ٹولہ اسے کاٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔ قریش کا یہ ٹولہ جب کاٹنے کے لیے قریب آتا ہے تو ایک نوجوان کہ جس جیسا حسین و جمیل اور پاکیزہ خوشبو والا شخص میں نے آج تک نہیں دیکھا، وہ ان بدباطن لوگوں کو مار کر بھگا دیتا ہے۔ کسی کی کمر توڑ دی تو کسی کی آنکھیں نکال دیں۔ حضرت عبدالمطلب جب اس خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے کاہنہ سے ملے تو کاہنہ سوچ میں پڑ گئی اور کہنے لگی کہ تیری نسل میں ایک ہستی پیدا ہو گی جو مغرب اور مشرق پر حکمرانی کرے گی اور سب اس کے مطیع و فرمانبردار ہوں گے۔ پھر ابوطالب کی جانب رخ کر کے کاہنہ کہنے لگی، امید ہے کہ تو اس پیدا ہونے والی ہستی کا چاچا ہو گا۔

علامہ محمد نور بخش توکلی اپنی کتاب ''سیرت رسول عربی ﷺ'' میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا نور چمکتا تھا اور اس میں سے مشک اور کستوری کی خوشبو آتی

تھی۔ جب قریش کو کوئی حادثہ پیش آتا تھا تو وہ عبدالمطلب کو شبر نامی ایک پہاڑ پر لے جاتے تھے اور ان کے وسیلے سے بارگاہ رب العزت میں دعا مانگتے تھے۔قحط کے زمانے میں ان کا واسطہ دے کر برسات کی جو دعا مانگی جاتی تھی تو وہ دعا قبول ہو جاتی تھی۔

حضرت عبدالمطلب پہلے شخص ہیں جو ہر سال رمضان کے مہینے میں حرا پہاڑ پر جا کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے دھیان اور یاد میں گوشہ نشین ہو جاتے تھے۔ وہ موحد تھے (اللہ تبارک وتعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانتے تھے) شراب اور زنا کو حرام سمجھتے تھے۔ برہنگی کی حالت میں کعبہ کا طواف کرنے سے منع فرماتے تھے۔ بیٹیوں کو قتل کرنے سے روکتے تھے، چور کے ہاتھ کاٹتے تھے، ان کی دعا قبول ہو جاتی تھی۔ وہ فیاض اور سخی تھے۔ اپنے دستر خوان میں سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر پرندوں کے لئے دانہ ڈالتے تھے۔ اس لیے انہیں مطعم الطیر یعنی پرندوں کو کھانا کھلانے والا کہتے تھے۔ یہ سب کچھ نور محمدی ﷺ کی برکت سے تھا۔

علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیف ''الوفا باحوال مصطفیٰ (ﷺ) میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت عبدالمطلب نے یہ منت مانی تھی کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے دس بیٹے عطا فرمائے اور وہ ایسی عمر تک پہنچیں کہ وہ بیٹے میری مدد کر سکیں تو میں ان میں سے ایک بیٹے کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں کعبہ کے پاس قربان کر دوں گا۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کے دس بیٹے پیدا ہوئے اور وہ جوان ہوئے تو حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں کو اپنی منت سے آگاہ کیا۔ سب نے خدا کی راہ میں قربان ہونے کے لئے آمادگی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد ہر ایک بیٹے نے اپنا اپنا نام تیر پر لکھا اور فال ڈالی۔ قرعہ فال سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نکلا۔ جب حضرت عبدالمطلب نے ان کو قربان کرنے کا ارادہ کیا تو قریش کے کچھ لوگوں نے انہیں سمجھایا کہ کوئی ایسا طریقہ تلاش کریں جس سے تمہارے نوجوان نور نظر فرزند دلبند کی زندگی بھی بچ جائے اور منت پوری کرنے کی کوئی راہ بھی نکل آئے۔

حضرت عبدالمطلب، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر ایک کاہنہ عورت کے پاس گئے اور اسے تفصیل سے صورتحال بتائی۔ کاہنہ نے پوچھا کہ آپ کا خون بہا کیا ہوتا ہے اور ناحق قتل کے بدلے میں کتنا مال دیتے ہو؟ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''دس اونٹ'' کاہنہ نے کہا کہ پھر ایسا کرو کہ ایک طرف دس اونٹ اور دوسری طرف اپنے لخت جگر حضرت عبداللہ کو بٹھا کر قرعہ اندازی کر لینا۔ اسی طرح بڑھاتے بڑھاتے جب بھی اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو سمجھ لو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اونٹوں کی قربانی پر راضی ہو جائے گا اور تیرے بیٹے کی ذبح سے درگزر فرمائے گا۔

کاہنہ کے کہنے پر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دس اونٹوں کو قربانی کے لیے کعبہ کے قریب لایا گیا اور قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نکلا۔ دس اونٹ بڑھا کر پھر قرعہ اندازی کی گئی تو پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نکلا۔ اس طرح اور دس اونٹ بڑھا کر پھر قرعہ اندازی کی گئی تو

اس بار بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نکلا۔ حتیٰ کہ اس طرح دس دس اونٹ کا اضافہ کرتے کرتے سو اونٹوں تک نوبت جا پہنچی۔ اس تعداد پر قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا اور اسی وقت ایک سو اونٹ ذبح کیے گئے اور ان کے گوشت کو کھلے میدان میں رکھا گیا تا کہ انسان تو انسان جانور بھی اس میں سے اپنا حصہ پا سکیں گے۔

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدلے میں ایک سو اونٹ ذبح کیے تو یہ بات دیکھتے ہی دیکھتے سارے عرب میں مشہور ہوگئی۔ ایک دن حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد ماجد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ام قتال بنت نوفل بن اسد بن عبدالعزی کے پاس سے گزرے جو ورقہ بن نوفل کی بہن تھی۔ علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''مدارج النبوت'' (جلد دوم) میں لکھتے ہیں کہ اس عورت کا نام رقیصہ یا قیلہ بنت نوفل ہے لیکن ابن جوزی نے ''الوفا'' میں اس کا نام ام قتال لکھا ہے۔ ام قتال نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ میں اپنے والد کے ساتھ ہوں جدھر وہ جائیں گے، میں بھی ان ہی کے ساتھ ہوں۔ جیسا کہ نور محمدی ﷺ کی وجہ سے سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھے اس لیے قریش کی عورتیں ان کو بہت پسند کرتی تھیں۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی عصمت اور پاکدامنی کو محفوظ رکھا۔

ام قتال نے ان سے کہا کہ ایک سو اونٹ آپ کے لیے قربان کیے گئے ہیں۔ اتنے ہی اونٹ مجھ سے لے لیں اور مجھے اپنی زوجہ یعنی بیوی بنالیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے والد کے ساتھ ہوں اور ان سے جدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت عبدالمطلب اپنے لخت جگر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سیدھے بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ کے پاس پہنچے جنہوں نے اپنی بیٹی سیدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا۔ سیدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ نسب اور شرف کی تمام عورتوں میں افضل تھیں۔ شادی کے بعد نور مصطفیٰ ﷺ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے منتقل ہو کر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا میں جلوہ گر ہو گیا۔

شادی کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ام قتال سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس سے کہا کہ تم نے مجھے نکاح کی جو پیشکش کی تھی، وہ مجھے قبول ہے، لہٰذا مجھ سے نکاح کر لو۔ ام قتال نے جب آمادگی ظاہر نہ کی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کل (یعنی کچھ عرصہ پہلے) تو تم نے خود نکاح کی پیشکش کی تھی۔ آج منہ موڑ رہی ہو۔ اس پر ام قتال نے جواب دیا کہ جو نور کل تمہاری پیشانی میں چمک رہا تھا اور جس کی ماں بننے کی تمنا پر میں اتنے اونٹ دینے کے لیے راضی تھی، وہ نور تم سے جدا ہو گیا ہے۔ اس لیے اب مجھے آپ سے نکاح کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں۔

ابن جوزی ''الوفا'' میں لکھتے ہیں کہ ام قتال کو اس علم و معرفت کی وجہ یہ تھی کہ اس کے بھائی ورقہ بن نوفل نے نصرانی مذہب اختیار کیا تھا اور آسمانی کتب کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ اس مطالعے سے ان کو یہ معلوم ہوا کہ

اس امت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک نبی آخرالزماں کا ظہور ہونے والا ہے۔ ام قتال کو اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے جو معلومات حاصل ہوئیں، اس کے مطابق اسے یہ معلوم ہوا کہ آخرالانبیاء پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کے والد ماجد یہی ہیں اور ان کی پیشانی میں جس نور کا ظہور تھا، وہ اسی نور مجسم، رحمت دو عالم ﷺ کا نور تھا۔

وہب بن ربیعہ کی پھوپھی سے روایت ہے کہ جب حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاملہ ہوئیں تو فرمایا کہ مجھے کچھ بھی خبر نہیں ہوئی کہ میں حاملہ ہوں یا نہیں؟ اس لیے کہ مجھے نہ تو کسی قسم کا بوجھ اور ثقل محسوس ہوا اور نہ متلی وغیرہ جیسا کہ اس دوران عورتوں کو یہ حالتیں پیش آتی ہیں۔ صرف اتنا ہوا کہ حالت حیض منقطع ہوگئی اور مجھے اس پر حیرانی ہوئی۔ اس کے بعد پیر کی ایک رات جب میں نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھی تو ایک آنے والے شخص نے مجھے آکر بتایا کہ تجھے کچھ خبر نہیں ہے کہ تو حاملہ ہوگئی ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے تو کچھ علم نہیں۔ اس نے یہ کہا کہ تو اس امت کے سردار اور نبی کی ماں بننے والی ہے۔ جب ولادت کا وقت قریب آیا تو خوشخبری دینے والی شخصیت نے فرمایا کہ تو اس طرح کہہ اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد یعنی میں اپنے نورنظر، لخت جگر کو اللہ وحدہ لاشریک، الہ کی پناہ میں دیتی ہوں' ہر اس شخص کے شر سے جو کہ حسد کی آگ میں مبتلا ہے۔

جب نور محمدی ﷺ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بطن اقدس میں منتقل ہوا تو کتنے ہی عجائبات ظاہر ہوئے۔ اس سال عرب میں سخت قحط پڑا تھا لیکن اس نور کی برکت سے زمین پر ہر جگہ ہریالی ہی ہریالی چھا گئی۔ درختوں میں بے حد پھل پیدا ہونے لگے اور مکہ کے رہنے والے خوشحالی کی وجہ سے بہت سکھی اور آسودہ حال ہو گئے۔ ایک دوسرے کو مبارکباد دے کر کہنے لگے کہ نبی آخرالزماں کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ سید حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے: ''تیرے پیٹ میں جہان کا سردار ہے۔ جب پیدا ہوں تو ان کا نام محمد رکھنا۔''

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پچیس برس کی عمر میں وصال فرمایا۔ ایوب بن عبدالرحمٰن سے منقول ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ ملک شام گئے تھے۔ جب کاروبار سے فراغت ہوئی تو واپسی میں مدینہ منورہ کے قریب سے گزر ہوا۔ اس وقت ان کی طبیعت ناساز تھی۔ اس لئے سوداگروں کے قافلے کے ساتھ سفر کرنے کی بجائے اپنی ننھیال میں ٹھہر گے۔ آپ وہاں بیماری کی حالت میں ایک مہینہ ٹھہرے اور ان کے دوسرے ساتھی مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ جب حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پردیس سے آئے ہوئے قافلے والوں سے اپنے نورنظر، لخت جگر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ اپنی ننھیال میں ٹھہر گئے اور ہم انہیں بیماری کی حالت میں چھوڑ آئے ہیں۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بڑے بیٹے حارث سے کہا کہ جا کر اسے لے آؤ لیکن

حارث کے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصال کر چکے تھے اور انہیں نابغہ میں دفن کیا گیا۔
جب حارث نے مکہ مکرمہ پہنچ کر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی وفات حسرت کی آیات کی خبر سنائی تو بوڑھا باپ اپنے پیارے نوجوان بیٹے کے وصال سے بہت غمگین ہوا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''مدارج النبوت'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصال فرمایا تو فرشتوں نے مناجات کی کہ اے ہمارے رب! ہمارے سردار محمد مصطفیٰ (ﷺ) جو تیرے نبی اور تیرے حبیب ہیں، یتیم ہو گئے ہیں! اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ میں ان کی حفاظت کرنے والا، مدد کرنے والا اور کفالت کرنے والا ہوں۔ ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجو، ان کے لیے برکتیں مانگو اور ان کے لیے دعا کرو۔

میرے قاری محترم! اب آپ بھی خوب درود شریف پڑھیں اور رب العالمین سے اپنے لیے، ہم سب کے لیے، ساری امت کے لیے، انس و جاں کے لیے اور تمام جہانوں کی تمام مخلوقات کے لیے اس کے حبیب خاص پیغمبر اول و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے ہر وقت، ہر حال ہر جگہ رحم و کرم کے لیے خصوصی طور پر فلاح دارین کے لیے دعائیں کریں' اللہ قبول فرمائے گا۔

❀❀❀❀❀❀❀❀

اللہ کے نزدیک ترین

اس موضوع کے تحت، اس باب میں میں پیغمبر اول و آخر و اعظم، ہادی انس و جاں، رہبر کائنات، رسول بحر و بر، انسان کامل، فخر اولاد آدم اصل الموجودات، تاجدار کائنات، سرکار دو عالم، سید المرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین، حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی شانیں، عظمتیں، رفعتیں، خصوصی امتیاز بیان کرنا مقصود ہے۔

تمام کائنات ہی اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے حبیب خاص حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شان عظمت و رفعت کا مظہر ہے اور کائنات کی ہر شے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کے محبوب رسول ﷺ کی شانیں، عظمتیں، رفعتیں طرح طرح سے بیان کر رہی ہے لیکن یہ ان ہی کو صاف صاف نظر آتی ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یا پھر وہ جو انہیں دیکھنا چاہیں، سمجھنا چاہیں اور قادر مطلق، رب العالمین کا شکر گزار ہونا چاہیں۔

اس باب میں قرآنی آیات مبارک کی جو تفسیر بیان کی گئی ہے، وہ بھی آپ حضور انور نبی کریم ﷺ کی مختلف شانیں، عظمتیں، رفعتیں اور خصوصی امتیاز کو اجاگر کرنے کے لیے ہیں۔

اس موضوع کو سمجھانے کے لیے میں ایک مثال دے رہا ہوں اور ایک چارٹ پیش خدمت کر رہا ہوں۔ امید ہے قارئین کرام کو یہ دونوں ہی پسند آئیں گے اور آپ ﷺ کی شانوں، عظمتوں، رفعتوں کو سمجھنے، جاننے، دیکھنے میں! یہ بہت بہت مدد و معاون ثابت ہوں گے۔

میں نے مثال دینے سے پہلے بہت سوچا ہے لیکن جو بات میں واضح کرنا چاہتا ہوں، اسے واضح کرنے کا اور بہتر طریقہ سمجھ نہیں آتا۔ میں نے بار بار یہ سوچا ہے کہ یہ باتِ جو میں اپنے پڑھنے والے کے دماغ میں ہمیشہ کے لیے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں، کیا اس کے کرنے، کہنے کا کوئی اور بھی بہتر طریقہ ہے؟ مجھے تو یہی مثال اپنے ماحول کے قریب تر لگی اور یہی چارٹ والا طریقہ ایسا لگا جو کم پڑھے لکھے حضرات کی سمجھ میں زیادہ آسانی سے آ سکتا ہے اور اس سے پڑھنے والے کے دماغ میں نبی اکرم ﷺ کی عظمت و رفعت اجاگر ہوگی، آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا، کائنات میں منفرد مقام کا حامل ہونا، حبیب خدا ہونا افضل الانبیاء یعنی کہ سید المرسلین ہونا وغیرہ

آسانی سے سمجھ آ جائے گا اور یادداشت میں محفوظ بھی ہو جائے گا یعنی کہ اس مثال و چارٹ سے عرصہ دراز کے لیے پڑھنے والے کے ذہن میں میرا یہ لکھا، کہا، سمجھایا ہوا نقش ہو جائے گا اور اسے پڑھنے والے کو (قاری کو) اچھی طرح سمجھنا اور سمجھ جانے کے بعد آگے بڑان کرنا بھی بہت آسان ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں سورۂ بقرہ آیت 285 میں ارشاد ربانی ہے ''اور ایمان والے فرق نہیں کرتے انبیاء کرام کے درمیان۔'' (دراصل یہود و نصاریٰ نے یہ بری بات اپنائی تھی کہ نعوذ باللہ فلاں نبی اچھا نہیں تھا، فلاں میں یہ نقص تھا یا فلاں تو خود ساختہ نبی تھا۔) ہمارے لیے تو رب العالمین، علیم و خبیر کا حکم ہے کہ انبیاء کرام کو برحق جانو اور سب کا احترام کرو۔ وہ سب ہی اللہ کے برگزیدہ، منتخب، چنے ہوئے اور پیارے تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو پہلا نبی کہنا، حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہے کا موم کرنے والا کہنا، حضرت سلیمان علیہ السلام کو تخت شاہی والا کہنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ کہنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ، معجزوں والا نبی کہنا، پیدا ہوتے ہی کلام کرنے والا کہنا اور نبی آخر الزمان ﷺ کو خاتم النبیین، سید المرسلین، حبیب خدا پیغمبر اوّل و آخر و اعظم کہنا نبیوں میں تفریق کرنا یا فرق کرنا نہیں ہے۔ یہ تو ان نبیوں کی خاص اور اہم خصوصیات تھیں جن کے حوالہ سے بصد عزت و احترام کے انہیں یاد کیا جاتا ہے، ان کی خدائی تعلیم سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

تمام انبیاء کرام نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنے عمل سے خوش کیا ہے۔ دیگر انبیاء کرام نے بھی اپنے دیئے گئے مشن کو اللہ ہی کی مدد کے ساتھ، اس کی رضا اور اس کے حکم کے مطابق پورا کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ دین کے معاملہ میں جتنی تکالیف مجھے دی گئی ہیں، جتنا میں ستایا گیا ہوں اتنا کوئی اور نبی نہیں ستایا گیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کو صفات حمیدہ ان کے مشن کے مطابق دیں اور ان سب کی، تمام صفات حمیدہ اپنی حبیب خاص نبی آخر زمان ﷺ میں جمع فرما دیں۔

پیغمبر آخر و اعظم، ہادی دو جہاں ﷺ کو اور بھی بہت ساری زائد صفات عطا فرمائیں جو کہ آپ ﷺ کے بہت زیادہ مشکل، تکلیف دہ، کٹھن اور طویل جدوجہد برائے کامیابی مشن، آپ کے مشن و دین کا عالمگیر ہونا اور رہتی دنیا تک کے لیے ہونے کے مطابق تھیں۔

کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا مشن سب سے مشکل، طویل و عالمگیر تھا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے بعد نبوت کا سلسلہ مکمل کرنا تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دین نبی اکرم ﷺ یعنی کہ دین اسلام کو قیامت تک کے لیے پسند فرمایا ہے۔ اس بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد یوں ہے:

''اور دین برحق اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔'' (آل عمران آیت 19)

اس لیے نبی اکرم ﷺ کو مشن کے مطابق زائد صفات بھی دیں۔ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں مختصراً چند ایک کا ذکر کرتا ہوں۔

1- پہلے انبیاء کرام پشت در پشت بھی آئے	نبی کریم رؤف و رحیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 500 سال بعد مبعوث ہوئے
2- پہلے انبیاء کرام کے ساتھ کوئی معاون، نبی ساتھ رہا	نبی کریم رؤف رحیم اکیلے تھے۔
3- پہلے انبیاء کرام کا مذہب علاقائی تھا۔	نبی کریم رؤف ورحیم کا مذہب عالمگیر ہے۔
4- پہلے انبیاء کرام صرف انسانوں کے لئے تھے۔	نبی کریم رؤف ورحیم انس وجاں کے لئے ہیں
5- پہلے انبیاء کرام اس دنیا کے لیے تھے	نبی کریم رؤف ورحیم دو جہانوں کے لئے ہیں۔
6- پہلے انبیاء کرام کی شریعت وقتی تھی	نبی کریم رؤف ورحیم کی شریعت قیامت تک کیلئے ہے۔
7- پہلے انبیاء کرام کی زندگی میں بہت کم لوگ مسلمان ہوئے	نبی کریم رؤف و رحیم کی 23 سال کی محنت کے سبب کروڑوں مسلمان ہوگئے
8- پہلے انبیاء کرام صرف اس جہاں کے لیے رحمت تھے	نبی کریم رؤف ورحیم رحمت العالمین ہیں
9- پہلے انبیاء کرام میں ایک کے بعد دوسرا نبی آتا رہا	نبی اکرم ﷺ خاتم النبیین ہیں

اس حقیقت کو کہ انبیاء کرام میں بھی درجات ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم کی سورہ بنی اسرائیل آیت 55 میں یوں بیان کیا ہے:

"اور ہم نے افضل کیا ہے بعضے پیغمبروں کو بعضوں سے اور دی ہم نے داؤد کو زبور۔"

یعنی کہ کسی پر صرف وحی نازل فرمائی، کسی کو ساتھ کتاب (توریت) لکھ کر دی، کسی کو پیدا ہوتے ہی نبوت سے نوازا اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی بنایا اور قرآن حکیم آپ کے دل مبارک پہ، سینہ مبارک پر نازل کیا اور محفوظ فرمایا۔

تمثیل یوں ہے۔ ایک سب سے زیادہ علم وحکمت و ذرائع وغیرہ کا مالک ہے۔ ایسا مالک ہے جس کی ہر صفت وخوبی لامحدود ہے اور وہ بے شمار صفات کا واحد مالک ہے۔ سمجھ لیں کہ وہ آپ کے استادوں کی طرح استاد بھی ہے۔ اس کے شاگرد بھی بے شمار ہیں۔ اس نے سب کا امتحان بھی ایک ہی لینا ہے یعنی کہ ایک ہی دفعہ کے امتحان میں وہ اپنے سب شاگردوں کو جانچ لے گا اور یہی امتحان آخری ہوگا اور حتمی ہوگا کیونکہ وہ مالک یا استاد تو بہت ہی کامل ہے۔ وہ اپنے علم وحکمت میں، قوت و ذرائع میں ہر طرح سے مکمل ہے، کامل ہے اور ہر طرح سے قادر ہے یعنی کہ اپنے تمام شاگردوں کا بیک وقت معیاری امتحان لینے پر قادر ہے۔

اس نے اپنے شاگردوں کو، غلاموں کو، بندوں کو پرچہ حل کرنے کے لیے دیا۔ اس امتحان اور پرچہ کے لیے مضامین رکھے۔ توحید، پرچار توحید، معاشرے کی اجتماعی بھلائی، صبر وشکر، انصاف وعدل، حق وحق پرستی، مالک کی حکم برداری، ہر حال میں تابعداری، مالک کا کام اس کی مرضی اور پسند کے مطابق کرنا۔ مالک کا پیغام مالک کی تسلی ومرضی کے مطابق پورا پورا پہنچانا، اسی ایک کا کہا ماننا۔ اسی ایک کے آگے جھکنا، دنیاوی نمود ونمائش سے بچنا، خوشحالی کے مقابلے میں فقر کو پسند کرنا، سربلندی وسرفرازی کے بجائے عجز وانکساری کو اپنانا، آخرت کو اس دنیا پر ترجیح دینا وغیرہ وغیرہ۔

جس روح پاک نے اپنی تمام اضافی ذمہ داریوں، سخت مخالفت اور کٹھن حالات کے باوجود اپنے امتحان لینے والے رب العالمین کو سب سے زیادہ خوش کیا، رب العالمین نے اسے عالم ارواح میں ہی سید المرسلین (افضل الانبیاء) خاتم النبیین، شمس الضحیٰ، بدرالدجی، وقار دو جہاں، سرور کون ومکاں، ہدایت کے نور مبین، رحمت العالمین، اکرم الاولین وآخرین، شفیع المذنبین، فخر کائنات، فخر اولاد آدم، اصل الموجودات، خلق اول، پیغمبر بحر وبر، رسول کائنات، ہادی دو جہاں، شافع محشر، رہنماء انس وجاں، حبیب خاص، انسان کامل، پیغمبر اوّل وآخر واعظم، سرکار کائنات، تاجدار دو عالم اور سب سے اعلیٰ ارفع وافضل کو سب کچھ ہی بنا دیا۔ اپنی صفات وناموں کی طرح اسے بھی 99 ناموں اور صفات سے نواز دیا اور بھی بہت کچھ انعام واکرام کیا جیسے کہ عرش ہر معراج النبی ﷺ اور زمین پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عطا فرمائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اس روح پاک کو مکہ معظمہ میں بطور انسان کامل مجسم کیا تو دو انوکھے، نہایت خوبصورت وجامع نام محمد واحمد (ﷺ) آپ کے لیے عطا فرمائے۔ رحمت العالمین ﷺ نے اپنے رب کے حکم ورضا کے مطابق، قرآن حکیم کی تعلیمات، احکام وہدایت کی روشنی میں امت کو، ساری دنیا کو بہترین نمونہ دیا۔

آپ ﷺ کی پاک، صاف خوش کن صفات کے اہل مکہ بعثت سے پہلے بھی معترف تھے۔ وہ آپ کو تمام تر خوبیوں کا حامل جانتے اور مانتے تھے۔ اعلان نبوت کے بعد حضور پُرنور نبی کریم روف ورحیم ﷺ نے سخت مخالفت اور انتہائی مشکل حالات کے باوجود ذاتی نمونہ، تعلیم وتربیت سے پاک صاف، خوشحال وخوش کن معاشرہ کی داغ بیل ڈالی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی اکرم ﷺ کی تعلیم احکامات وہدایات کے مطابق انتہا کے خلوص، محنت ولگن سے معاشرہ کی، انسانیت کی بھلائی کے لیے کام کیا اور اپنے پیارے نبی ﷺ کو خوش کر کے اپنے رب کو راضی کر لیا۔

قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خوش ہونے، راضی ہونے کی خوش خبری یوں فرمائی ہے۔

''اور اللہ خوش ہوا مومنین سے جب وہ بیعت کرنے لگے آپ سے درخت کے نیچے۔''

(سورۂ فتح آیت 18)

اتباع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، نبی اکرم ﷺ کا ہی اتباع ہے اور اس اتباع کی بدولت آپ ﷺ کی امت بھی ممتاز ہوگئی۔ اس بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد رب العالمین ہے۔

''اور تم سب امتوں سے بہتر امت ہو، ان میں سے جو بھیجی گئی ہیں۔ اس دنیا میں کہ بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو، اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' (سورۂ آل عمران آیت 110)

پھر وہ مالک جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ رب العزت ہے، رب کائنات ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہے، وہ مالک ہے جس کے سب خزانے پر ہیں جس کی صفت، حکمت و ذرائع لامحدود ہیں۔ جو ہر کچھ کرنے پر قادر ہے جو مہربان ہے، رحمٰن ہے، رحیم ہے۔ سب کچھ کا بلا شرکت غیر مالک ہے، خالق کائنات ہے۔

قرآن حکیم کی سورۂ حجر آیت 21 میں رب العالمین نے یوں ارشاد فرمایا:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ز وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝

''اور ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں اور اتارے ہیں ہم نے مقرر کیے ہوئے اندازے کے مطابق۔''

یعنی کہ ہم نے اپنی حکمت سے زمین کے لیے جتنی ضرورت محسوس کی وہ زمین پر نازل فرما دی۔ ہمارے تو خزانے ہر کچھ کے لامحدود ہیں۔ ہم جب چاہیں تو اور بھی نازل فرما دیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے سب سے زیادہ تابعدار، کلمہ حق بلند کرنے کی پاداش میں سب سے زیادہ مصائب جھیلنے والے، خوشی غمی میں، خوشحالی، بدحالی، بچپن میں، جوانی میں، مبعوث ہونے سے پہلے بھی، غرضیکہ ہر وقت، ہر حال میں ہر عمر میں اپنے مالک حقیقی کو پکارنے والے اور اسی کی رضا چاہنے والے کو اس مالک نے خوش ہو کر کیا کیا نہ دے دیا ہوگا۔ اس نے اپنے بندے کو بہت کچھ دے دیا بلکہ یہ مبالغہ نہیں ہے کہ اسے سب کچھ دے دیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضور انور ﷺ سے قرآن شریف کی تشریح کرائی اور افضل الانبیاء حبیب خدا ﷺ نے اس کا عملی نمونہ دیا جو کہ اُسوۂ حسنہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کرنے والے، اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے والے مومنین ہیں۔ ان کی پرخلوص اطاعت و محبت رسول اکرم ﷺ کے سبب اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے خوش ہے اور وہ جنت میں جانے والے ہیں۔ اپنی رضا اور کرم خصوصی سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو مختار کل بنایا ہے۔

قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات مبارکہ اور اسی مفہوم کی اور بہت ساری آیات غور طلب ہیں۔ کتنے واضح الفاظ میں اللہ تبارک وتعالیٰ سورہ فتح آیت 10 میں فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی

نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ ''اور جو لوگ بیعت کرتے ہیں آپ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے اور (بیعت کے لیے جو آپ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھ کے اوپر ہے وہ دراصل) اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے۔''

سورہ فتح آیت 18 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان مبارک یوں ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝

ترجمہ: ''اور اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے (مومنین سے) جب وہ بیعت کرنے لگے آپ سے اس درخت کے نیچے۔''

سورہ فتح آیت 17 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان مبارک یوں ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

ترجمہ: ''اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ اس کو داخل کرے گا اللہ باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں (جنت الفردوس میں)''

سورہ نساء آیت 80 میں فرمان ربّ العالمین ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

ترجمہ: ''جس نے رسول کی اطاعت کی، حکم مانا، اس نے میری اطاعت کی۔''

سورہ آل عمران آیت 31 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاں یوں ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

ترجمہ: ''آپ فرمائیں لوگوں سے اگر تمہیں خواہش ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کی تو تم میری راہ پر چلو، میرا اتباع کرو، پھر خود اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔''

(سورہ آل عمران آیت 31)

آپ بھی ان آیات مبارکہ پر غور کریں اور عظمت مصطفیٰ، شان خاتم الانبیاء اور مقام حبیب خدا ﷺ کو پہچانیں۔ یہ بھی عبادت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہی دو جہان میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان کرائی ہے۔ اس لیے اگر ہم عظمت حبیب خدا ﷺ کو پہچانیں گے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کو بھی پہچان جائیں گے اور وہ دو عالم میں ہم پر مہربان ہوگا، رحم وکرم کرے گا۔

اچھے، موثر، مختصر ترین انداز میں یعنی کہ دو تین صفحوں میں حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے

سب سے اعلیٰ وارفع مقام، آپ ﷺ کی شانیں، رفعتیں، عظمتیں اور امتیاز خصوصی کے بارے میں اپنے نکتہ نظر کو آسانی سے سمجھانے کے لیے اور قارئین کرام کے دلوں میں نقش کر دینے کے لیے یہ چارٹ بنایا ہے۔

میں نے لامحدود ذات پاک کو اس شعر کے تحت

ہے اگرچہ وہ منزہ از مکان
دیکھ اس کا اپنے قلب سے نشان

اور اس فرمان مبارک کے تحت کہ اللہ مومن کے دل میں سما جاتا ہے ایک دائرہ مرکز سے ظاہر کیا ہے۔ میری نظر میں تو یہ مرکز بھی لامحدود ہے لیکن جن کو یہ سمجھ نہ آسکے میں ان سے معافی کا طلبگار ہوں کہ میں نے لامحدود ذات پاک کو محدود دائرے سے ظاہر کر دیا۔ اصل میں مجھے اس سے بہتر کوئی اور طریقہ یا اشارہ نظر نہیں آیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان کرانے میں، خود اللہ کی پہچان ہونے میں، اللہ کی عطا کردہ خدائی 99 صفات کا مظہر ہونے میں، ان صفات کا حامل ہونے میں، عقل، سمجھ، دانش، کامیاب حکمت عملی میں، علم، علم غیب، اللہ کی قربت، محبوبیت، عبادات، لگاؤ، عبدیت غرضیکہ ہر خوبی اور ہر عطا میں (عطا پانے میں اور عطا کرنے میں، رحمتیں، برکتیں، نوازشیں، مدد، لطف و کرم پانے میں اور انہیں مخلوق خدا کو عنایت کرنے میں) ہر طرف سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک ترین صرف اور صرف حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔

ہر دائرے کا ایک دوسرے سے فاصلہ ہے۔ بڑھتے فاصلے کے تناسب سے مندرجہ بالا صفات وخوبیاں دور کے دائروں میں کم ہوتی جاتی ہیں۔ یہ جو ایک دائرے سے دوسرے دائرے کا فاصلہ ہے، میرے نزدیک حقیقت میں یہ ایک بہت بڑا خلاء ہے جس کے فاصلے کو لائٹ ایرز (نوری سال) یعنی کہ روشنی کی رفتار کے سالوں میں ہی ماپا جا سکتا ہے لیکن آپ اسے اپنی سمجھ کے مطابق سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں کلومیٹرز یا میلوں کی دوری بھی سمجھ سکتے ہیں۔

آپ اس چارٹ سے اندازہ لگائیں کہ ہمیں عقل و دانش، سمجھ وخوبی سے کیا حصہ ملا ہے؟ ہمارے پاس تو ان کا کروڑواں حصہ بھی نہیں ہے لیکن ہائے رے انسان کی ناسمجھی کہ ہم اس نہ ہونے کے برابر حصہ عقل و سمجھ کو بہت کچھ سمجھ لیتے ہیں اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ، اس کے محبوب رسول کریم، سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہ السلام کے بارے میں غلط خیالات کا اظہار کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

اللہ

حضور انور حضور پرنور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پیغمبر اول و آخر

رحمۃ العالمین
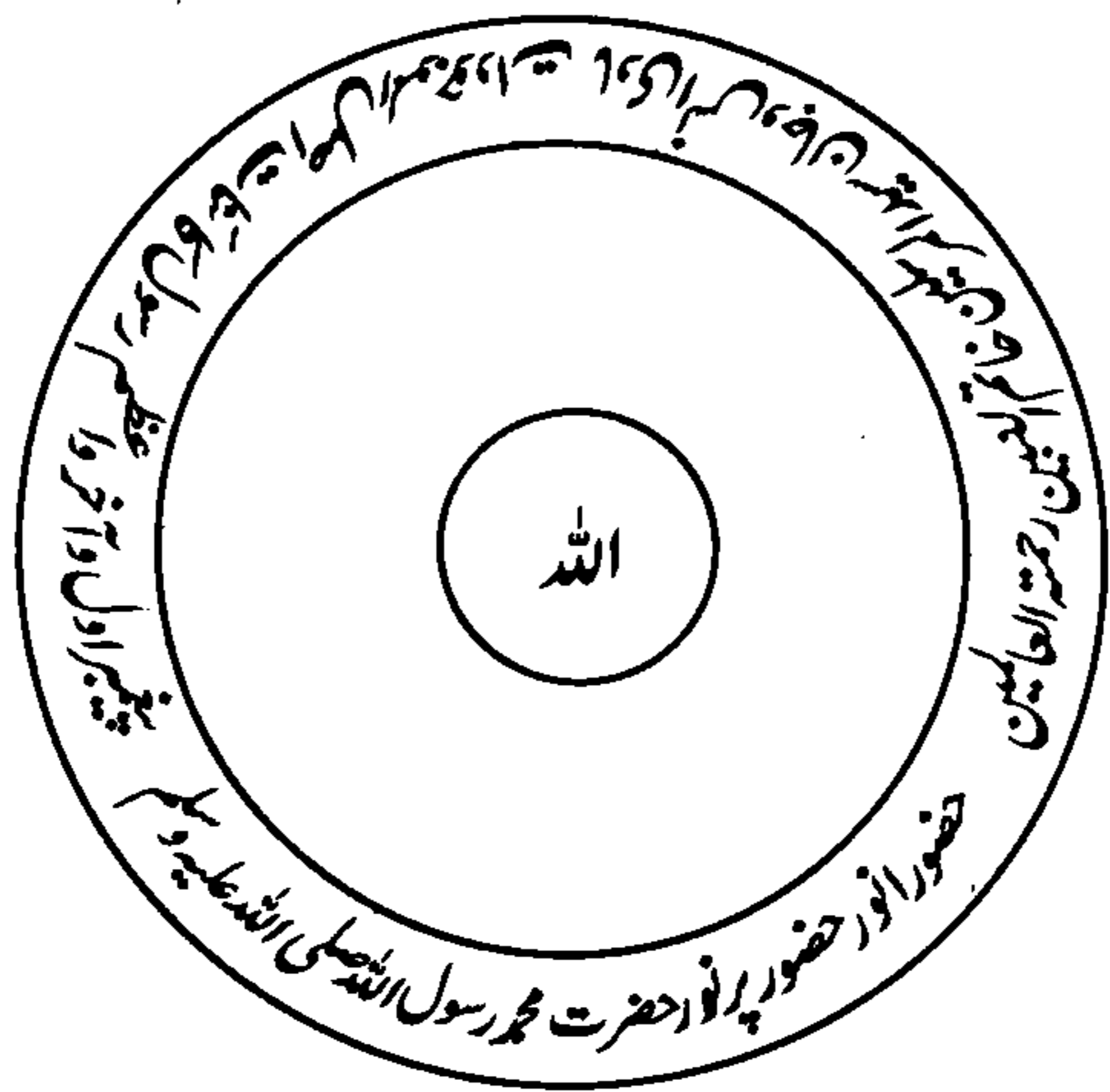
باقی تمام انبیا کرام علیہ اسلام

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اولیاء اللہ رحمتہ اللہ علیہ اجمعین

صالحین امت رحمتہ اللہ علیہ اجمعین

باقی تمام بنی نوع انس وجاں

شانِ نزول اور مغالطے

مغالطوں سے بچانے کے لیے آیات مبارک کی شانِ نزول کے بارے میں کچھ وضاحت کر دوں لیکن اس سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد پاک پڑھ لیں اور اسے یاد رکھیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سورۃ حاقہ کی آیت مبارک 40 میں ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ ''بے شک یہ قرآن ایک کرم والے رسول سے باتیں ہیں۔''

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اپنے محبوب رسول کے ساتھ علم وتعلیم کی باتیں ہیں۔ احکام وہدایات کی باتیں ہیں، مدد ورہنمائی کی باتیں ہیں، دنیا وآخرت کی باتیں ہیں۔ راز ونیاز (حروف مقطعات) کی باتیں ہیں۔

شانِ نزول کے بارے میں پہلی گزارش تو یہی کروں گا کہ آیات مبارک کی شانِ نزول امت کے لیے ہے۔ ہمارے لیے ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب رسول کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے نہیں ہے۔

باالفاظ دیگر اس نکتہ کو یوں سمجھ لیں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی آیت اس وقت ہی نازل فرمائی گئی ہو جب کہ اس سے متعلقہ واقعہ وقوع پذیر ہوا۔ وہ اس واقعہ سے پہلے بھی نازل ہو سکتی ہے، اس سے بہت پہلے بھی، اس وقوع کے دوران بھی اور اس کے بعد بھی۔

میں اس کی اور وضاحت کر دوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے، قادرِ مطلق نے، ہر دم ہر کچھ کر دینے والے قادرِ مطلق نے سارے کے سارے قرآن حکیم کو اس کی لوحِ محفوظ پر ترتیب کے مطابق حضور انور نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک دلِ مبارک، دل مبارک کی ڈسک پر ابتداء میں ہی ثبت فرما دیا تھا۔ لوحِ محفوظ پر قرآن حکیم کی ترتیب وہی ہے جو اس دنیا میں ہمارے پاس موجود قرآن حکیم کی ہے۔

اب آیت یا آیات مبارک کے نزول کو اس طرح سمجھ لیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں سے جن آیات (ہدایات، احکامات، نصیحت) پر اپنے محبوب نبی ﷺ کو چاہا کہ وہ اس وقت، مخصوص حالات میں ان پر اب عمل پیرا ہو، وہ مخصوص آیت، آیات اللہ رب العزت نے قادرِ مطلق نے آپ کے دل مبارک کے کمپیوٹر کی سکرین پر روشن فرما دیں، نمودار کر دیں تاکہ اب اس کا محبوب ان پر عمل پیرا ہو یا موقع کے لحاظ سے اب یوں ان کے مطابق عمل کیا جائے۔

اسے آپ اس طرح سمجھ لیں کہ جیسے آپ کے کمپیوٹر کی ہارڈ ڈسک پر پورا قرآن شریف ازلی ترتیب سے موجود ہے جیسا کہ آج کل حقیقت میں کمپیوٹر کی ہارڈ ڈسک موجود بھی ہے، اب آپ اس میں سے کوئی مخصوص آیت مبارک دیکھنا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ نور کی آیت 35۔ آپ نے سورۃ نور کا کوڈ دبایا (کوڈ کا

بٹن دبایا) پھر آیت 35 کا بٹن دبا دیا اور آپ کے کمپیوٹر کی سکرین پر اللہ نور السمٰوٰت والارض ……… سے شیء علیمo تک پوری آیت روشن ہوگئی، نمودار ہوگئی۔

اسی طرح قرآن حکیم تو آپ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک میں، دل مبارک میں، دل مبارک کی ڈسک مبارک پر پہلے روز ہی سے ثبت تھا، موجود تھا۔ اس دن سے جس دن سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ثبت فرمایا۔ اب اس ثبت شدہ قرآن حکیم میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس آیت یا جن آیات مبارک کے بارے میں چاہا کہ اس کا محبوب نبی، سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ اس پر یا ان پر عمل پیرا ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت وحکمت کاملہ سے ان کو آپ ﷺ کے دل مبارک کی سکرین پر روشن کرتا رہا، نمودار کرتا رہا اور آپ ﷺ ان کے مطابق عمل پیرا ہوتے رہے اور یہی ہمارے لیے قرآن حکیم کا نازل فرمانا ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀❀

سب سے اونچی نرالی شان

جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے، اب قرآنی آیات مبارک میں حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی شانیں، عظمتیں، رفعتیں، اور امتیازی خصوصیات ملاحظہ فرمائیں۔ میں نے حتی الامکان چیدہ چیدہ قرآنی آیات کی تفسیر کو سورہ وآیات مبارک کی ترتیب سے بیان کیا ہے۔ امید ہے کہ میرا یہ انداز قارئین کرام کو پسند بھی آئے گا اور وہ اس سے خوب مستفید ہو سکیں گے۔

سورۃ بقرہ آیت 1

الم

ترجمہ:-الم

قرآن حکیم کی کچھ سورتوں کے شروع میں جو ایسے الفاظ آتے ہیں، انہیں حروف مقطعات کہتے ہیں۔
ان کے بارے میں قول راجح (یعنی کہ جو کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور صالحین امت نے ان کے متعلق فرمایا یا علماء حق نے لکھا ہے) یہی ہے کہ یہ اسرار الٰہی سے ہیں اور قرآن حکیم کی ان آیات مبارک سے ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ متشابہات سے ہیں۔ ان کے معنی کیا ہیں؟ ان سے کیا مراد ہے؟ اس کا سورۃ مبارک کے شروع میں آنے کی کیا حکمت ہے؟ یہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ کے رسول کریم ﷺ ہی جانتے ہیں۔ ان کے بارے میں سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ہی علم دیا ہے اور ان کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہی صحیح ومکمل ہے اور پھر جو آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم آپ ﷺ سے علم پانے کے بعد ان کے بارے میں فرمائیں یا پھر صالحین امت میں سے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے طفیل' کی معرفت' کے واسطہ سے جسے ان کا علم تصرف فرمائیں۔

کیا عظمت ہے، کیا رفعت ہے۔ کیا شان ہے حضرت محمد رسول اللہ، خاتم النبیین ﷺ کی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ آپ ﷺ کی قربت ومحبت کی کہ اپنے راز' ان حروف مقطعات کے راز اسرار ورموز صرف اپنے محبوب پر افشاں کیے ہیں اور پھر یہ آپ ﷺ کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے کہ آپ ﷺ جسے چاہیں ان اسرار

در موز و معنی سے بہرہ مند فرمائیں۔

اس سے ایک بہت اہم نقطہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی تفسیر، تشریح، ترجمہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مطابق ہونا چاہیے اور ان کے بعد اس بارے میں جن کی سوچ و انداز صحیح یا صحیح کے قریب تر ہوگا وہ صالحین امت کو ہوگا، اولیاء اللہ کا ہوگا۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے اور یہ کہ ہر کسی کو ترجمہ کرنے یا اپنی رائے سے تفسیر و تشریح کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے، ہر کسی کو یہ جسارت نہیں کرنی چاہیے۔

قرآن حکیم کی درج ذیل آیت مندرجہ بالا کی خوب دلالت کرتی ہے۔

سورۃ آل عمران آیت 7

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

ترجمہ ''وہی ہے جس نے تم پر کتاب نازل فرمائی۔ اس کی کچھ آیتیں واضح معنی والی ہیں اور وہ کتاب کی اصل ہیں (زیادہ ہیں اور قرآن کو مکمل سمجھا دیتی ہیں) اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی اشتباہ ہے اور جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی (آیات) کے پیچھے پڑے ہیں، گمراہی فتنہ چاہنے کو اور (گمراہی، فتنہ) کا پہلو ہی نکالنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو (معنی) اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے (صحابہ کرام و صالحین امت، علماء حق) کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، یہ سب (محکم و متشابہ یا واضح اور غیر واضح) ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر وہ جو عقل والے ہیں۔''

اللہ تبارک و تعالیٰ نے خوب وضاحت سے یہ سمجھا دیا ہے کہ واضح آیات یا وہ آیات جو کتاب کی اصل ہیں، وہ سمجھنے والے کو قرآن حکیم کی جامع مکمل سمجھ دے دیتی ہیں۔ اسے متشابہات والی آیات مبارک کو اس مقصد کے لیے سمجھنا ضروری نہیں ہے۔ ان کے بغیر بھی قرآن حکیم کی، آیات مبارک کی، سورۃ مبارک کی تسلی بخش فہم آجاتی ہے۔ برے لوگوں کا اشتباہ والی آیات مبارک کو سمجھنے یا سمجھانے کی سعی بے سود کرنا ہے، گمراہ ہونا اور دوسروں کو گمراہ کرنا ہے۔

سورۃ بقرہ آیت 37

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

ترجمہ ''پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی۔''

حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر آجانے کے بعد اپنی لغزش کے سبب خوف خدا سے تین سو برس تک سر آسمان کی طرف نہ اٹھایا اور اس قدر روئے کہ اب تک اولاد آدم میں کوئی نہ رویا۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں کچھ دعائیہ کلمے القاء ہوئے اور آپ کو یاد آیا کہ جب میں پیدا ہوا تھا (مجھ میں روح ڈالی گئی تھی) تب میں نے عرش الٰہی پہ یہ کلمہ لکھا دیکھا ''**لا اله الا الله محمد رسول الله**'' اس سے آپ کو معلوم ہوا کہ یہ نام مقرب بارگاہ الٰہی ہے۔

تب عرض گزار ہوئے، اے اللہ تبارک وتعالیٰ میں اس نام کے ذات گرامی کے طفیل اپنی لغزش کی معافی چاہتا ہوں، اپنی بھول کی معافی چاہتا ہوں۔ اس وقت رحمت الٰہی کا دریا جوش میں آیا اور بھول معاف کر دی گئی۔

احادیث کے مطابق یہ روداد یوں ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے صدقے میں اپنی لغزش (بھول) کی معافی مانگی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ''تجھے محمد (ﷺ) کی خبر کیسے ہوئی؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی جب تو نے مجھے پیدا فرمایا تو اس وقت میری نظر عرش اور جنت کے دروازے پر پڑی جہاں میں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا اور میں اس سے یہ سمجھ گیا کہ تجھے ساری مخلوق سے زیادہ معزز یہی ہستی ہوگی جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے۔'' اس وقت غیب سے یہ ندا آئی کہ ''یہ نبی آخر الزماں ہیں جو تیری ذریت (اولاد) سے ہیں۔ ان کا نام آسمانوں میں احمد اور زمین میں محمد ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے (تمام جہانوں) کو پیدا نہ کرتا۔'' الحمد للہ، آپ ﷺ کی عظمت، شان رفعت سب سے کتنی زیادہ بلند ہے۔

سورۃ بقرہ آیت 119

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا لا وَّلَا تُسۡئَلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ ۝

ترجمہ ''بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا، خوشخبری دیتا اور ڈراتا' تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا'۔''

آپ ﷺ کی عظمت، رفعت، شان خوبیاں، تعریف اس آیت کریمہ میں خوب بیان کی گئی ہیں جن میں ایک جو ظاہراً معلوم نہیں دیتی، وہ یہ ہے کہ آپ خوش خبری اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے دوران یہ آرزو بھی اپنے دل میں کرتے تھے کہ کیا ہی اچھا ہو کہ یہ سب انسان ایمان لے آئیں اور جنتی بن جائیں۔ اپنے محبوب کو اس آرزو، خواہش، دبی ہوئی بات سے بے فکر کرنے کے لیے رب العالمین نے فرمایا کہ آپ کی خواہش بہت اچھی ہے لیکن جن کے لیے مشیت ایزدی میں جہنم ہے وہ وہیں جائیں گے اور ان کے لیے آپ ذمہ دار نہیں ہیں۔

تمام جہانوں کے خالق و مالک حاکم الحاکمین، رب العالمین نے اپنے محبوب خاص پیغمبر اول واعظم و آخر ﷺ کی دلجوئی اور اس حقیقت کے بیان اعتراف سے کہ ''آپ ﷺ پوری انسانیت کے خیر خواہ ہیں۔'' ہمارے

پیارے مکرم ومحترم نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی عظمت، شان ورفعت کوکس خوبصورتی سے نمایاں کیا ہے۔

سورۃ بقرہ آیت 144

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۖ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ

ترجمہ ''ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔''

اس آت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی عظمت، رفعت وشان کواور بلند کیا ہے اور کس قدر محبت وشفقت سے واضح طور پر فرمایا ہے کہ اے میرے محبوب آپ کی خواہش کہ آپ کی امت کا قبلہ کعبہ شریف کو بنا دیا جائے یہ مجھے بہت پسند ہے۔ جب بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے پڑھتے سترہ مہینے گزر گئے تو مدینہ منورہ کی مسجد قبلہ تین میں نماز کے دوران ہی حکم رب العالمین ہوا کہ اسی نماز کے دوران آپ ﷺ اور سب مسلمان اپنا رخ خانہ کعبہ مکہ معظمہ کی طرف کرلیں۔

الحمد للہ! کتنی عظیم عظمت شان ورفعت ہے ہمارے پیارے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ خود آپ ﷺ کی خواہشات کا کس قدر خیال رکھتا ہے اور انہیں محبت وشوق سے پورا کرتا ہے۔

سورۃ بقرہ آیت 253

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ

ترجمہ ''یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں کسی نے اللہ سے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب درجات میں بلند کیا۔''

یہ آیت مبارک بھی اللہ کے حبیب نبی اکرم پیغمبر اوّل وآخر واعظم ﷺ کی شان، رفعت، عظمت بڑائی کو اور واضح اور بلند کر رہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے وقتاً فوقتاً مخلوق کی رہنمائی کے لیے رسول بھیجے تو ان کو ایک دوسرے سے ممتاز کیا۔ لیکن میرا جو آخری نبی ہے وہ تمام صفات میں ہی سب سے ممتاز ہے، وہ جامع خصوصیات کل انبیاء کرام ہیں اور وہ اول بھی اور خاتم النبیین ﷺ بھی ہیں۔

انبیاء کرام میں آپ ﷺ ہی ایسے نبی ہیں جو تمام جہانوں کی طرف نبی بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں۔ غنیمت صرف آپ ﷺ کے لیے حلال قرار دی گئی اور آپ ﷺ کے ہاتھوں بے شمار معجزات کا ظہور ہوا اور تمام جہانوں کی کوئی فضیلت وکرامت ایسی نہیں ہے جو کسی اور نبی کو حاصل ہو مگر وہ آپ ﷺ کو ضرور مرحمت فرمائی گئی اور بدرجہ اتم عطا فرمائی گئی۔ کیا عظمت، شان ورفعت ہے پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ کی۔ الحمد للہ۔

سورۃ آل عمران آیت 31

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ ''اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت مبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب رسول کریم ﷺ کی عظمت شان و رفعت کو خوب اجاگر کیا ہے اور بڑے صاف الفاظ میں یہ بتا دیا ہے کہ جو مجھ (اللہ) سے محبت کا دعویدار ہے، وہ اگر اس میں سچا ہے تو وہ پہلے میرے رسول مقبول پیغمبر اول و آخر و اعظم کی فرمانبرداری کرے، حکم مانے، اتباع کرے، میں پھر اسے اپنا دوست بنالوں گا۔ بغیر اتباع رسول کریم کے مجھ (اللہ) سے دوستی یا محبت نہیں کی جاسکتی یا یوں کہہ لیں میرے رسول کی محبت، اطاعت و اتباع ہی میری محبت اور دوستی ہے۔ جو بھی چاہے مجھ سے دوستی، محبت کرلے لیکن اس پیغمبر اوّل و آخر و اعظم (ﷺ) کے بغیر مجھ سے دوستی، محبت ممکن نہیں ہے۔ ۱

اس کی تشریح یوں ہے۔

اس آیت مبارک سے معلوم ہوا کہ اللہ کی محبت کا دعویدار جب ہی سچا ہو سکتا ہے جب آدمی نبی کریم ﷺ کا متبع ہو اور حضور کی اطاعت اختیار کرے۔ شان نزول اس کی یہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ قریش کے پاس ٹھہرے جنہوں نے خانہ کعبہ میں بت نصب کیے تھے اور انہیں سجا سجا کر ان کو سجدہ کر رہے تھے۔ حضور نے فرمایا، اے گروہ قریش! خدا کی قسم تم اپنے آباء حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے دین کے خلاف ہو گئے ہو۔ قریش نے کہا، ہم ان تینوں کو اللہ کی محبت میں پوجتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کریں۔ اس پر یہ آیت مبارک نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ حب رب العالمین کا دعویٰ نبی کریم ﷺ کے اتباع و فرمانبرداری کے بغیر قطعاً قابل قبول نہیں۔ جو اس دعویٰ کا ثبوت دینا چاہے حضور پُرنور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی غلامی کرے اور حضور انور نبی کریم ﷺ نے بت پرستی سے منع فرمایا ہے تو بت پرستی کرنے والا حضور پُرنور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کا نافرمان ہے اور یوں وہ محبت الٰہی کے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

سورۃ آل عمران آیت 81

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

ترجمہ ''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب و حکمت دوں، پھر تشریف لائے پاس وہ رسول کہ وہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا، سب نے عرض کیا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔''

آپ ﷺ کی یہ آیت کریمہ بہت بڑی تعریف وتوصیف ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ آپ ہی اول ہیں، آپ ہی سید المرسلین و پیغمبر آخر واعظم ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد جس کسی کو نبوت عطا فرمائی ان سے سید المرسلین ﷺ کی نسبت عہد لیا، اور ان انبیاء کرام نے اپنی قوموں سے عہد لیا کہ اگر ان کی حیات میں سید المرسلین مبعوث ہوں تو آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی نصرت کریں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ آپ کی آمد کے لیے تمام انبیاء کرام بصد شوق منتظر رہے اور یہ کہ آپ ﷺ سب سے اوّل وافضل ہیں۔

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک جملہ انبیائے کرام سے یہ عہد لیا کہ اگر وہ اپنی زندگی میں محمد رسول اللہ ﷺ کا مبارک زمانہ پائیں تو انہیں نبی آخر الزماں ﷺ پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور ضرور ان کی مدد کرنی ہوگی، نیز اپنی اپنی امت سے بھی اس بات کا عہد لینا ہوگا۔

امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ تاجدار کائنات، سرور کون و مکاں ﷺ نے دوران گفتگو گریہ فرمایا۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں گریہ وزاری کیسی جب کہ باریٰ تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں آپ کو ایسا مقام رفیع حاصل ہے کہ اس نے آپ کو جملہ انبیاء سے بعد میں مبعوث فرمایا لیکن آپ کا ذکر خیر سب سے پہلے نشر فرمایا جیسا کہ سورۃ احزاب کی آیت 7 میں ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝

ترجمہ ''اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے۔ اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا۔''

میرے ماں باپ آپ پر قربان، اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک آپ کی فضیلت اس درجہ سے ہے کہ جہنم میں عذاب پانے والے دوزخی بھی یہ خواہش کریں گے کہ انہوں نے فخر دو عالم ﷺ کی پیروی کی ہوتی اور یوں پکاریں گے۔

ترجمہ ''اور جس دن (ناعاقبت اندیش) ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا' اور کہے گا کہ اے کاش میں نے پیغمبر کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا۔'' (سورۃ فرقان آیت 27)

ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ فخر دو عالم ﷺ کو جس فضیلت عظمیٰ سے ممتاز فرمایا ہے دیگر انبیاء کرام کو اس سے نہیں نوازا جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام سے عہد لیا تھا کہ جب بھی وہ کسی نبی کے پاس وحی لے کر جائے تو اس کے سامنے نبی آخر

الزمان ﷺ کا ذکر کرے اور آپ کے فضائل و کمالات بیان کرنے کے بعد اس نبی سے عہد لے کہ اگر وہ محمد عربی ﷺ کا زمانہ پائے تو ان پر ایمان لانا ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ انبیائے کرام سے یہ بھی عہد لیا گیا کہ وہ اپنی اپنی قوم کے سامنے نبی آخر الزماں ﷺ کے اوصاف بیان کر کے ان سے اس بات کا عہد لیتے رہا کریں کہ وہ اپنے بعد والوں کو فضائل مصطفیٰ سے آگاہ کرتے اور حبیب پروردگار کے خطبے پڑھتے رہیں گے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''جاننا چاہیے کہ مندرجہ بالا آیات سے ان امور کا ذکر کرنا مقصود ہے جو اہل کتاب میں مشہور و معروف تھے اور فخر دو عالم ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے عذر کی بیخ کنی ہو اور ان کا بغض و عناد صاف ظاہر ہو جائے۔ ان امور سے بعض کا ذکر تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت میں کر دیا ہے یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان انبیائے کرام سے عہد لیا جنہیں کتاب اور حکمت مرحمت فرمائی تھی کہ جب تمہارے پاس ایسا رسول آئے جو تمہاری شریعتوں کی تصدیق کرتا ہو تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ جملہ انبیاء کرام نے اس بات کو قبول کر لیا تھا۔ اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس معصوم گروہ کو یہ تحدید سنا دی تھی کہ جو اس حکم سے پھرے گا وہ نافرمان شمار ہوگا۔

اس آیت کا مقصود یہی ہے۔ گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام پر یہ واجب کیا ہے کہ اس رسول پر ایمان لائیں جو ان کی کتابوں کی تصدیق کرے۔ یہ تنہا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے جب تک اس کے ساتھ دوسرا مقدمہ شامل نہ کیا جائے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تبارک و تعالیٰ کے وہی رسول ہیں جو دیگر انبیائے کرام کی کتابوں کی تصدیق کرنے کے لیے جلوہ آرا ہوئے تھے لیکن ایسا کہنے پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس سے اثبات للشئی بنفسہ لازم آتا ہے کیونکہ اس طرح ایک کی رسالت سے دوسرے کی رسالت ثابت کی جا رہی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی رسالت سے یہاں اظہار معجزہ مراد ہے اور اس صورت میں اعتراض ہی ساقط ہو جاتا ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)

حضرت علی، حضرت ابن عباس، قتادہ اور سدی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے مذکور ہے:

''یہ میثاق پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔''

فخر دو عالم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا میں تمہارے پاس روشن اور صاف شریعت لے کر آیا ہوں۔ خدا کی قسم! اگر آج موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) بھی زندہ (موجود) ہوتے تو انہیں میرا اتباع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کے بعد والے سارے انبیائے کرام علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ اگر محمد رسول اللہ ﷺ ان کی ظاہری حیات میں مبعوث ہوں تو ان پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور ضرور ان کی مدد کرنی پڑے گی اور احتمال ہے کہ آیت سے یہ بھی

مراد ہو کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں سے یہ عہد لیں کہ جب محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوں تو ان پر لازم ہے کہ وہ نبی آخرالزماں ﷺ پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں اور اکثر علمائے کرام یہی کہتے ہیں۔ اور (آیت کے) لفظوں میں اس معنی کا احتمال بھی ہے کیونکہ مقصود اس آیت کا یہی ہے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں موجود ہوں وہ آپ پر ایمان لائیں۔

اور یہ عہد امتوں سے جب لیا گیا تو (اس کا تذکرہ) حصول مقصد کی زیادہ وضاحت کرتا ہے بہ نسبت اس کے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لینے کا ذکر فرمایا گیا تو اس کا جواب ہماری (امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ کی) جانب سے یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے درجات امتوں کے درجات کی نسبت بہت بلند و بالا ہیں لیکن جب یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام کے لیے یہ ضروری ٹھہرایا ہے کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں (خواہ وہ زندہ کیوں نہ موجود ہوں) اگر وہ اس فرض کے تارک ہوئے تو نافرمانوں کے گروہ سے ہو جائیں گے۔ پس نبی آخرالزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا ان حضرات کی امتوں پر تو اور زیادہ ضروری ہوا اور اولیٰ بھی یہی ہے۔ پس صرف انبیائے کرام سے عہد لینے کا ذکر ہی تحصیل مقصد کے لحاظ سے زیادہ قوت رکھتا ہے (یعنی زیادہ مناسب ہے)

حافظ ابونعیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں، رحمت العالمین ﷺ کے فضائل سے یہ امر بھی ہے کہ:

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے سارے انبیاء کرام علیہ السلام سے عہد لیا کہ جب نبی آخرالزماں ﷺ ان کے پاس تشریف لائیں تو ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں۔ اگر کوئی آپ ﷺ کا زمانہ اقدس پاتا تو اس پر یہ واجب تھا کہ آپ پر ایمان لاتا اور آپ کی مدد کرتا۔ اس وعدہ لینے سے اللہ تبارکؒ و تعالیٰ نے سارے انبیائے کرام کو آپ کا تابعدار بنا دیا یعنی اگر وہ زمانے کے لحاظ سے آپ کو پا لیتے تو ان پر آپ کی فرمانبرداری اور اطاعت لازم ہو گئی تھی۔

حافظ ابونعیم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ میرے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جو میں نے کسی اہل کتاب سے لی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے۔ اگر یہاں (میری نبوت کے دوران) موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میرے اتباع کے سوا اور چارہ کار نہ ہوتا۔

حافظ ابونعیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے فضائل میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت کسی شرط اور استثناء کے بغیر فرض ہے اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی اطاعت تمام لوگوں پر کسی شرط اور استثناء کے بغیر فرض فرمائی ہے۔ جیسا کہ سورۃ حشر کی آیت 7 میں اللہ

تبارک وتعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

ترجمہ ''اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔''

یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جب میری اطاعت کا یا میری کتاب سے میرے حکم یا وحی کے مطابق تمہیں فرمائیں تو اس کی تعمیل کرنا بلکہ سرورِ کون ومکاں ﷺ کے امر و نہی کو مطلقاً ساری مخلوق پر فرض ٹھہرا دیا، جس طرح وحی الٰہی کا ماننا اور اس پر عمل کرنا فرض ہے۔ آپ کے حکم کو رد کرنے اور اس میں میکھ نکالنے کا مجاز کوئی نہیں، نہ کوئی مناظرہ کر سکتا ہے نہ دلیل طلب کرنے کا مجاز ہے۔

سورۃ آل عمران کی آیت 144

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

ترجمہ ''اور محمد تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول ہو چکے ہیں۔''

الحمد للہ نام بھی عظمت و رفعت والے، نام والا بھی تمام عظمتوں، رفعتوں، شانوں والا اور نام عنایت کرنے کے انداز بھی عظمتوں سے بھرپور۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کی عظمت شان و رفعت زندگی کے ہر پہلو، ہر قدم، ہر لمحے سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو پیدا ہی سارے جہانوں کی عظمتیں، شان، رفعتیں دے کر کیا تھا۔ آپ ﷺ کی میلاد پاک سے پہلے آپ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کو بشارت دی کہ آپ کے بطن پاک میں تمام جہانوں (دو جہانوں) کا سردار ہے، نبی آخر الزماں ہے اور آپ کو تاکید فرمائی کہ اس کا نام آپ نے محمد رکھنا ہے۔

آپ ﷺ کی عظمت، شان و رفعت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے لیے دو انوکھے، خوبصورت نام عطا فرمائے۔ انوکھے اس لیے کہ باوجود اس حقیقت کے یہ دونوں نام اپنی اصلی شکل میں یا تھوڑی سی مختلف شکل میں آپ ﷺ کی پیش گوئی کے سلسلہ میں پہلی آسمانی کتابوں، صحائف میں آ چکے تھے لیکن پھر بھی آپ ﷺ کی میلاد پاک سے کچھ سال پہلے تک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی حکمت سے یہ دونوں نام کسی اور کو نہ رکھنے نہ دیئے کیونکہ یہ دونوں نام (احمد و محمد) تو ازل سے آپ ﷺ کے لیے رب العالمین نے مخصوص فرمائے ہوئے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام کی جانب بھیجی ہوئی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کی امت مرحومہ کا نام حمادین (بہت حمد و ثناء کرنے والے) رکھا کہ وہ لوگ خدا کی بہت زیادہ حمد و ثناء کرنے والے ہوں گے، لہٰذا فخر دو عالم ﷺ ہی اس بات کے حقدار ہیں کہ آپ کا اسم مبارک ہی محمد اور احمد رکھا جاتا۔ ان دونوں ناموں

میں جہاں عجیب خصائص اور بدیع آیات ہیں وہاں ایک نرالی بات یہ بھی ہے کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ سے پہلے ایک معین وقت تک اللہ تبارک و تعالیٰ، قادرِ مطلق نے جملہ انسانوں کو کسی مولود کا نام محمد یا احمد رکھنے سے روکے رکھا۔

گزشتہ کتب سماویہ میں جو اسم احمد کا ذکر آیا ہے اور انبیائے کرام نے ان کی آمد کی خوشخبری سنائی بایں وجہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کو ان ناموں کے رکھنے سے روکے رکھا تاکہ کسی کا یہ نام نہ رکھا جائے اور نہ کوئی اس نام سے پکارا جائے اور اس طرح کمزور دل والے بھی شک وشبہ کے مرض سے بچے رہیں گے (کیونکہ انہیں یہ شک ہوسکتا تھا کہ جس احمد کی بشارت دی گئی ہے شاید وہ یہی ہو) بایں وجہ آپ سے پہلے کسی عربی یا عجمی کا نام محمد بھی نہیں رکھا گیا۔ حتیٰ کہ آپ کی ولادت سے تھوڑا عرصہ پہلے یہ چرچا عام ہوگیا کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی جلوہ گری ہونے والی ہے جن کا اسم مبارک محمد ہوگا۔

اس شہرت کے پیش نظر آپ کی قوم میں کتنے ہی بچوں کے نام محمد اس امید پر رکھ دیئے گئے کہ شاید ہمارے ہی بچے کو وہ منصب مل جائے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے رسالت کے منصب سے کس کو سرفراز کرنا ہے۔ بہرحال جن بچوں کا نام محمد رکھ دیا گیا تھا، انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبوت کا دعویٰ کرنے سے روکے رکھا حتیٰ کہ دوسرے اشخاص بھی ان کے متعلق دعویٰ نہ کر سکے اور نہ ان سے کوئی ایسی کوئی بات ظاہر ہوسکی جس کے باعث لوگوں کو آپ کی نبوت میں شک کرنے کی گنجائش مل سکتی یہاں تک کہ آپ کی جلوہ گری کے ساتھ آپ کے دونوں اسمائے طیبہ و مبارکہ کی علامتیں اور دلائل سامنے آئے اور اظہر من الشمس ہوگیا کہ وہی محمد اور احمد صرف اور صرف آپ ہی کی ذات بابرکات ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں نبی آخر الزماں ﷺ کے مقدس اور پیارے پیارے نام مع فضائل بیان کیے ہیں۔ وہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کی کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں۔ میرا نام ماحی بھی ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹائے گا ار میرا نام حاشر ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ تمام انسانوں کا حشر میرے قدموں میں کرے گا اور میں عاقب ہوں یعنی سب سے آخری نبی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کا اسم مبارک محمد اور احمد بتایا ہے۔ علاوہ بریں یہ آپ ہی کی خصوصیت ہے کہ آپ کے اسمائے مقدسہ میں مدح و ثناء بھی موجود ہے۔ اس طرح اسماء النبی کے بیان کرنے میں عظیم شکرگزاری رکھ دی گئی ہے۔ آپ کا اسم گرامی احمد، یہ افعل کے وزن پر حمد کا مبالغہ ہے یعنی خدا کی سب سے زیادہ حمد و ثناء کرنے والا اور محمد یہ مفعل کے وزن پر ہے۔ گویا مبالغہ بوجہ کثرت حمد یعنی بہت ہی زیادہ تعریف کیا گیا۔

پس سید الانبیاء ﷺ اللہ تبارک و تعالیٰ کی تعریف کرنے میں سب سے بڑھ کر اور تعریف کیے گئے کے لحاظ

سے سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔ تمام انسانوں کی نسبت کثرت حمد کے باعث آپ سب سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں اور ان سب سے زیادہ تعریف کیے گئے ہیں جن کی تعریف کی جاتی ہے۔ علاوہ بریں لواء الحمد بھی تو بروز قیامت آپ ہی کے دست مبارک میں ہوگا تاکہ سب آپ کے منصب پر مطلع ہوکر شایان شان تعریف کریں اور حشر کے میدان میں چونکہ آپ نے سب کی شفاعت کی ہوگی، لہٰذا سب لوگ آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہوں گے۔ بروز قیامت اس طرح محامد کا دروازہ صرف آپ کے لیے مفتوح ہوگا جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم، فخر دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ میں ماحی ہوں یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ میرے ہاتھوں کفر کو مٹائے گا۔ حدیث نے خود اس کی تفسیر کر دی ہے۔ رہا کفر کا مٹنا تو اس سے مراد یا مکہ معظمہ سے کفر کا مٹنا مراد ہے یا سارے جزیرہ عرب سے یا جتنی زمین آپ کے لیے سمیٹ دی گئی ہے اور جس کا آپ سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ امت محمدیہ وہاں تک غالب ہوگی۔ علاوہ بریں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ محو عام ہو جو ظہور اور غلبہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد پارک ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

ترجمہ ''وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، پڑے برا مانیں مشرک۔'' (سورہ توبہ آیت 33)

قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضور پُرنور نبی کریم سید المرسلین ﷺ نے فرمایا ''میرے پانچ نام ہیں۔ بعض علمائے کرام کا خیال ہے کہ پانچ بایں وجہ فرمایا کہ پہلی آسمانی کتابوں میں آپ کے یہ پانچوں نام مذکورہ ہیں اور علمائے امم سابقہ آپ کے ان ناموں سے متعارف تھے ورنہ آپ سے دس نام بھی منقول ہیں جن میں سے طٰہٰ اور یٰسین بھی ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

میرے دس نام ہیں۔ پانچ تو وہی جو پہلی حدیث میں مذکور ہیں اور دوسرے پانچ کے بارے میں فرمایا کہ میں رسول الرحمہ یعنی پیغمبر رحمت ہوں اور رسول الرحتہ یعنی مخلوق خدا کو راحت پہنچانے والا ہوں اور رسول الملاحم ہوں اور مقفی ہوں کہ میری آمد سے انبیائے کرام کی آمد کا سلسلہ بند ہوگیا اور قیم ہوں۔ یہ وہی ہوتا ہے جو مخلوق کے تمام کمالات کا جامع ہو۔ دیگر انبیائے کرام کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں عرض گزار ہوئے کہ اے پروردگار! محمد رسول اللہ ﷺ کو ہمارے لیے معبوث فرما جو فترت کے بعد سنت کو قائم کریں اور لفظ قیم اس معنی میں بھی مستعمل ہے۔

دوسری حدیث میں مدثر، مزمل اور عبداللہ کا مزید ذکر ہے۔

ایک حدیث میں خاتم، ایک میں نبی التوبه، نبی الملحمه، نبی الرحمه اور نبی الراحته مذکور ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے حبیب ﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کا تزکیہ نفس کرتے ہیں (مزکی) انہیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں (معلم) انہیں سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں (ہادی) اور وہ مسلمانوں پر شفیق ومہربان ہیں (رؤف ورحیم)

پروردگار عالم نے اپنے حبیب ﷺ کی امت کا لقب امت مرحومہ رکھا ہے اور اس کی تعریف یوں بیان فرمائی:

سورۃ بلد آیت 17

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝

ترجمہ ”پھر ان سے جو ایمان لائے اور انہوں نے آپس میں صبر کی وصیتیں کیں اور آپس میں مہربانی کی وصیتیں کیں۔“

نبی آخر الزماں ﷺ کے امتی آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور اللہ رب العزت نے ان کے لیے نبی بھی ایسا مبعوث فرمایا جو اپنی امت کے لیے رحمت ہے اور ساری مخلوق کے لیے بھی رحمت ہے۔ وہ ایسا نبی ہے جو سب کے لیے اپنا دامن رحمت وسیع کیے ہوئے ہے اور بارگاہ خداوندی سے بھی ان کے لیے اپنا دامن رحمت وسیع کیے ہوئے ہے اور بارگاہ خداوندی سے بھی ان کے لیے رحم وکرم اور بخشش کی التجائیں کرتا رہتا ہے اور اس کی امت رحم کرنے کے باعث سراہی گئی۔ انہیں ایک دوسرے پر مہربانی کرنے کا حکم بھی دلایا اور اس خوبی کی وجہ سے ان کی تعریف بھی کی۔

اس لیے سرورِ کون ومکاں ﷺ نے فرمایا:

”بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ان بندوں کو دوست رکھتا ہے جو ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور فرمایا کہ رحم کرنے والوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ بھی باران رحمت نازل کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا“۔

آپ کا اسم مبارک نبی الملحمه اس لیے ہے کہ آپ قتال اور تلوار دے کر بھیجے گئے اور یہی صحیح ہے۔

حربی نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور کہنے لگا کہ آپ قثم ہیں یعنی مجموعہ خیر وبرکت کیونکہ قثوم بھلائی جمع کرنے والے کو کہتے ہیں اور آپ کا یہ اسم گرامی بھی کاشانہ نبوت کے ہر فرد کو معلوم تھا۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم)

نبی کریم ﷺ کے متعدد القاب بھی قرآن کریم میں مذکور ہوئے ہیں جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ شانہ نے

قرآن حکیم میں آپ کی ذات مراد لی ہے اور وہ مذکورہ بالا اسماء النبی (ﷺ) کے علاوہ ہیں جیسے النور، السراج، المنیر، المنذر، النذیر، المبشر، البشر، الشاہد، الحق، المبین، خاتم النبیین، الرؤف الرحیم الامین، قدم الصدق، رحمت العالمین، نعمۃ اللہ، العروۃ الوثقیٰ، الصراط المستقیم، النجم الثاقب، الکریم، النبی الامی اور داعی اللہ وغیرہ۔ جو اور بھی اسمائے جلیلہ متعدد اوصاف کریمہ پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہلی کتابوں میں، انبیائے کرام کے صحیفوں اور احادیث نبوی میں مذکور ہوئے ہیں۔

سورۃ نساء آیت 64

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

ترجمہ ''اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں اور اے محبوب پھر تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی ایک اور شان کو اپنی مخلوق پر آشکارا کیا ہے کہ اے میرے محبوب کے امتیو! جب کوئی غلطی کر بیٹھو تو نادم ہو کر میرے محبوب کا وسیلہ اختیار کرو گے تو تمہارے گناہ معاف کر دوں گا، تمہاری توبہ فوراً قبول کرلوں گا۔

آپ ﷺ کی وفات شریف کے بعد ایک اعرابی روضہ اقدس پر حاضر ہوا۔ روضہ کی خاک پاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا، یارسول اللہ ﷺ جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا اور جو آپ پر نازل ہوا اس میں یہ آیت بھی ہے ''اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں'' میں نے بے شک اپنی جان پر ظلم کیا اور میں آپ کے حضور میں اللہ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہنے کے لیے حاضر ہوا ہوں تو میرے رب سے میرے گناہ کی بخشش کرائیے۔ اس پر قبر مبارک سے آواز آئی کہ تیری بخشش کی گئی۔

قارئین کرام! یہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ ہم بھی اس سے مستفید ہوں اور اس مضبوط ویقینی وسیلہ سے اپنی آخرت بنائیں۔

کیا عظمت ہے، کیا شان ورفعت ہے حضور پُرنور پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ کی کہ تمام جہانوں کے لیے اللہ کی رحمت ہیں۔ ہم گنہگاروں کے لیے اس سے بڑی اور کیا رحمت ونعمت ہوگی کہ یہ دنیا بھی خوب دیکھ لیں، برت لیں اور بروقت آپ ﷺ کے وسیلہ مبارک سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور سچی توبہ کرلیں تو اگلا جہان بھی کامیاب ملے۔ آپ ﷺ پر کروڑوں، اربوں کھربوں درود وسلام کہ آپ ﷺ کے صدقے ہم پر کتنا رحم وکرم دائم وقائم ہے۔

سورۃ نساء آیت 113

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۝

ترجمہ ''اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔''

سورۃ نجم آیت 5

ترجمہ ''انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔''

سورۃ رحمٰن آیت 1-2

ترجمہ ''رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔''

ان تینوں آیات مبارک میں پیغمبر اول و آخر واعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی نرالی اور بے پناہ عظمت و شان کا پیغام پنہاں ہے۔ مختصر یہ کہ میں (اللہ) نے اسے خود اپنے کلمہ کن سے تعلیم دی ہے۔ اس علم کا' تعلیم کا سکھایا جانا اتنا جامع اور وسیع ہے کہ لوگ جتنا بھی چاہیں وہ اس کا ادراک نہیں کر سکتے کیونکہ میں (اللہ) نے اپنے محبوب کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو میں (اللہ) سکھانا چاہتا تھا اور میں ہی تو دینے والا ہوں۔ علم و تعلیم و سمجھ کے سارے خزانے میرے پاس ہی تو ہیں اور میرے سارے خزانے ہمیشہ پُر رہتے ہیں۔ میرے یہ خزانے، ہر طرح کے خزانے علم کے، عقل کے، سمجھ کے، دانائی، دنیا کے مال و دولت و تمام اسباب کے پُر ہیں۔ میں ہی ان کا مالک ہوں، میں ہی دینے والا ہوں۔ جسے چاہے دوں، میں قادر مطلق ہوں۔ میں نے اپنے کلمہ کن سے اپنے پیغمبر اول و آخر واعظم (ﷺ) کو سب کچھ دے دیا ہے۔ اس نبی کے بارے میں کیا کہوں مختصر بھی ہے کہ یہ نبی میرے بعد ہے، کُل کا مالک ہے اور جو کچھ اسے دیا ہے میں نے اسے اس نبی کی محبت، عبادت، ریاضت، پرخلوص محنت کے سبب دیا ہے۔ یہ اس کا حق بنتا تھا اور میرے ہاں ابد تا ازل حق ہی ہے انصاف ہی ہے اور میں بھی حق ہوں اور میرا یہ نبی بھی برحق ہے۔

قرآن حکیم سورۃ حجر آیت 21

ترجمہ ''اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم نے نہیں اتارے مگر ایک معلوم اندازے سے۔''

میرے تو ہر طرح کے خزانے پُر ہیں اور ان میں سے عطا کرنے کے باوجود ان میں سے دینے کے باوجود یہ خزانے ہمیشہ پُر ہی رہتے ہیں۔ ان میں کمی نہیں آتی اور یہی وجہ ہے کہ جو میں نے اپنے محبوب خاتم الانبیاء خاتم النبیین ﷺ کو دے دیا اس علم، عقل، سمجھ، دانائی، حکمت نور، عظمت شان، رفعت و جلال وغیرہم کی میرے خزانوں سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ ہاں میں نے یہ جو کچھ بھی اپنے محبوب پیغمبر اول و آخر واعظم ﷺ کو عنایت کیا ہے وہ تمام کائنات کے علوم، عقل حکمت نور وغیرہم سے کہیں زیادہ ہے بلکہ کائنات کا سب کچھ میرے محبوب

رسول کریم ﷺ کے عطا کردہ کا ایک معمولی سا حصہ ہے۔

میں سب کا رب ہوں، اللہ ہوں، قادر مطلق ہوں اور کلمہ کن کا مالک ہوں۔ میں جو چاہے کروں میری مخلوق کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کہے کہ یہ کیوں کیا؟ کیسے کیا؟ یا میری حکمت و قدرت میں شک کرے۔ ہاں مجھے پہچاننے کے لیے ان پر غور و خوض ضرور کرے کیونکہ کائنات میں سب کچھ ہی میری پہچان ہے اور میری پہچان سے ہی روح و عقل کو پرواز نصیب ہوتی ہے۔

قرآن حکیم سورۃ یونس آیت 6

ترجمہ ''بے شک رات دن کا بدلتے آنا اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا، ان سب میں نشانیاں ہیں ڈر والوں (ڈھونڈنے والوں) کے لیے۔''

اے انسان، اے اشرف المخلوقات! تم یہ تو دیکھو کہ جو زمین تمہیں اپنی کشش ثقل کے سبب فضا میں اڑنے یا تیرنے نہیں (بغیر دوسری قوت مشین کے) دیتی (تم فوراً سطح زمین پر آ جاتے ہو) وہ خود اتنی بڑی اور بھاری ہو کر میرے حکم سے فضا میں تیر رہی ہے اور یہی نہیں اس سے بھی بہت بڑے بڑے لاکھوں گنا زیادہ وزنی اجرام فلکی میرے حکم کے تابع اپنے اپنے دائروں میں تیر رہے ہیں، گردش کر رہے ہیں۔

سورۃ یٰسین آیت 40

ترجمہ ''سورج کے لیے ممکن نہیں کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات دن پر سبقت لے سکتی ہے۔ ہر کوئی اپنے اپنے متعین دائرے میں تیر رہا ہے (گردش کر رہا ہے)

لیجئے اب ان آیات مبارک کی (سورۃ نساء آیت 113، سورۃ نجم آیت 5 اور سورۃ رحمٰن آیات 1-2) اسی ترتیب سے کچھ تفسیر یا تشریح حاضر ہے یعنی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ پر قرآن حکیم نازل فرمایا اور امور دین و احکام شرع و علوم غیب، تمام کائناتوں کے علوم عطا فرمائے اور کتاب و حکمت کے اسرار و رموز و حقائق پر مطلع فرمایا۔

اس آیت مبارک کے بارے میں کچھ مفسرین کے خیال کے مطابق سخت قوتوں والے، طاقتور سے مراد حضرت جبریل امین ہیں اور سکھانے سے مراد تعلیم الٰہی سکھانا ہے، وحی الٰہی کا پہنچانا ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سخت قوتوں والے سے مراد اللہ تبارک و تعالیٰ ہیں اور اس کا مطلب یا معنی یہ ہیں کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بے واسطہ (خود) تعلیم فرمائی۔

ان آیات مبارک میں انسان سے مراد انسان کامل نبی کریم ﷺ ہیں اور بیان سے مراد ما کان وما یکون (جو تمام کائناتوں میں ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے) ہے کیونکہ آپ ﷺ اولین و آخرین کی خبریں دیتے ہیں۔ شان نزول ان آیات مبارک کی یوں ہے کہ جب آیت اسجدوا للرحمٰن (اللہ، رحمٰن کو سجدہ کرو) نازل ہوئی تو مشرکین نے کہا کہ ''رحمٰن'' کیا ہے، ہم نہیں جانتے۔ اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ

رحمٰن نازل فرمائی کہ رحمٰن جس کا تم انکار کرتے ہو، وہی ہے جس نے حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کو نبوت دی اور آپ ﷺ پر قرآن نازل فرمایا۔

ایک قول یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے جب کہا کہ اسے کوئی بشر سکھاتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ رحمٰن نے قرآن اپنے محبوب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو سکھایا۔

سورۃ نساء آیت 174

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝

ترجمہ ''اے لوگو بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا۔''

یہ آیت مبارک آپ ﷺ کے فضائل صفات وعظمت میں اور خوبصورت اضافہ ہے۔ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت ربوبیت، حکمت وحاکمیت کی ایک واضح روشن، خوب نظر آنے والی سمجھ آنے والی دلیل ہیں، حجت ہیں اور آپ ﷺ پر جو قرآن حکیم نازل فرمایا ہے، وہ بھی آپ ہی کی طرح واضح، مدلل، موثر اور دل موہ لینے والی روشنی ہے، نور ہے، مشعل راہ ہے کہ جس کا سب کچھ عیاں ہے، روشن ہے جس میں کہیں کوئی کجی نہیں اور آپ ﷺ اور قرآن حکیم تمام مخلوق کے لیے خاص طور پر انس و جاں کے لیے باعث رحمت ونجات ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ مائدہ آیت 15 میں نبی اکرم ﷺ کو نور اور قرآن حکیم کو روشن کتاب فرمایا ہے۔

سورۃ انعام آیت 33

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝

ترجمہ ''ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں رنج دیتی ہے وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں، تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔''

دیکھیے اس آیت مبارک سے آپ ﷺ کا قرب اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی دلجوئی اپنے حبیب ﷺ کے لیے کس قدر واضح ہے۔ اس سے آپ ﷺ کی شان وعظمت میں اور اضافہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے محبوب خاص ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے دل مبارک کی تسکین محبت وشوق سے فرماتا ہے۔

سورۃ اعراف آیت 157 میں خالق و مالک کائنات، رب العالمین کا ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ز يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ لا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ ''وہ جو غلامی کریں گے، اس رسول بے پڑھے، غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔ وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور صاف ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے، جو ان پر تھے، اتارے گا تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا، وہی بامراد ہوئے۔''

اس آیت کریمہ میں حضور پُرنور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کے بہت سے اوصاف کا ذکر فرمایا گیا ہے رسول نبی، اُمی اس ایک آیت میں آپ ﷺ کو تین القاب سے نوازا گیا ہے۔ رسول اپنے رب سے فیض لے کر مخلوق تک پہنچاتا ہے اور مخلوق کو شرک وکفر سے بچا کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے قریب لاتا ہے، نبی کے دو معنی ہیں اور یہاں دونوں برحق ہیں۔ پہلا معنی تو بڑے درجے والا، بڑی عظمت والا اور دوسرا معنی ہے غیب کی خبریں دینے والا، آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو ازل سے ابد تک کے واقعات بتا دیئے۔

امی کا مطلب ہے جس نے کسی سے پڑھا نہ ہو اور یہ آپ ﷺ کی وہ تعریف ہے جو تمام انس وجاں کے لیے ازل سے ابد تک ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ ایک کھلی صداقت ہے کہ آپ ﷺ پر جو نازل ہوا ہے اور آپ جو فرماتے ہیں وہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے اور حق ہے اور آپ ﷺ اصل (بنیاد، منبع جس سے سب کچھ وجود میں آیا) الموجودات ہیں۔

محترم امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت مبارک کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ خاص طور پر اخروی رحمت خداوندی ان لوگوں کے لیے واجب ہو جاتی ہے جو تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہوں، زکوٰۃ ادا کریں اور آیات الٰہی پر ایمان لائیں۔ اس آیت کے ذریعے یہ بات بھی ساتھ ملا دی گئی کہ اس اُمی نبی (ﷺ) کی پیروی کرنا بھی ضروری ہے جس کا تذکرہ وہ توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ جس حیثیت سے انہوں نے توریت میں آپ کا وصف پایا۔ اسی طرح وہ آپ کی نبوت پر ایمان لا کر پیروی کریں کیونکہ آپ کے مبعوث ہونے کے بعد پہلے کسی کی شریعت (گزشتہ انبیاء کرام) کی پیروی کرنا اب جائز نہیں ہے۔

دوسرا قول والانجیل کے بارے میں یہ ہے کہ انجیل میں یہ کچھ لکھا ہوا پائیں گے کیونکہ انجیل کے نزول سے پہلے اس میں نبی کریم ﷺ کے اوصاف کا پایا جانا محال ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ بنی اسرائیل ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا مبارک زمانہ پایا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اگر وہ اس اُمی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کریں تو دنیا اور آخرت کے اندر رحمت بے پایاں سے نوازے جائیں گے۔ یہی قول زیادہ درست ہے کیونکہ بعثت سے پہلے تو آپ کی پیروی ممکن ہی نہ تھی۔ گویا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ بتایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کا وہی فرد اس رحمت سے حصہ حاصل کر سکا جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرا، زکوٰۃ ادا کی اور عہد موسوی کے دلائل پر ایمان لایا اور زمانہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم میں اس رحمت سے وہی فیض یاب ہوگا جس میں مذکورہ صفت کے ساتھ یہ صفت بھی پائی جائے کہ وہ شریعت محمدیہ کا پیروکار ہو۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت کریمہ میں سرور کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے 9 اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔

1- اللہ تبارک وتعالیٰ نے بتایا کہ آپ رسول ہیں۔ عرف عام کے لحاظ سے اس لفظ کے ساتھ وہی مخصوص ہوتا ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ مخلوق کی طرف احکام کی تبلیغ کے لیے بھیجے۔
2- بتایا کہ آپ نبی بھی ہیں۔ یہ لفظ بھی دلالت کرتا ہے کہ اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں آپ عظیم المرتبت منصب پر فائز ہیں۔
3- آپ کو اُمی بتایا ہے۔ علامہ زجاج رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا معنی یہ لکھا ہے کہ جو شخص اہل عرب کی صفت پر ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں ان پڑھوں کی جماعت میں مبعوث فرمایا گیا ہوں جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ چونکہ اکثر اہل عرب پڑھنے لکھنے سے ناآشنا تھے، لہٰذا فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس حال پر رہے اور اسی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اُمی کا لقب دیا ہے۔ محققین فرماتے ہیں کہ اس تفسیر کے لحاظ سے اُمی ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ ہے۔
4- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات حمیدہ، فضائل وکمالات توریت اور انجیل مبارک میں بھی خوب وضاحت کے ساتھ موجود تھے۔
5- آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھلائی کا حکم کرنے والے اور
6- برائی سے منع فرمانے والے ہیں۔
7- آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاف ستھری چیزیں امت کے لیے حلال فرمانے والے اور
8- بری، ناپسندیدہ چیزوں کے کھانے، کرنے سے منع فرمانے والے ہیں۔
9- آپ تمام امت کے، انسانیت کے بوجھ اور گلے کے پھندے اتارنے والے ہیں۔

ان بھاری بوجھ اور گلے کے پھندوں سے مراد واشارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہے جو بہت سخت تھی اور گلے کے پھندے سے مراد وہ سخت احکام ہیں جو شریعت موسوی میں شامل تھے۔ مثلاً

جس جگہ پیشاب لگ جائے اسے کاٹ ڈالنا
توبہ کی خاطر اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کرنا

جسم کے جس حصہ سے گنا سرزد ہوا سے کاٹ دینا

آپ ﷺ نے، آپ ﷺ کی شریعت نے یہ مذکورہ بالا بوجھ اور پھندے ہٹا دیئے۔ آپ ﷺ کے رحمت العالمین ہونے کی یہ بھی کتنی بڑی دلیل ہے جس پر کبھی ہم نے غور نہیں کیا جس کے لیے ہم اپنے رب کے شکر گزار نہیں ہوئے۔

سورۃ اعراف آیت 198 میں ارشاد رب العالمین ہے۔

وَتَرٰىهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ وَهُمۡ لَا يُبۡصِرُوۡنَ ۝

ترجمہ ''اور تو انہیں دیکھے کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں اور انہیں کچھ بھی نہیں سوجھتا۔''

اس آیت مبارک میں ذکر تو بتوں کا ہے اور یہ ان ہی کے بارے میں ہے کہ انہیں کچھ بھی نظر نہیں آتا لیکن یہ آیت مبارک اسی طرح سے مشرکین مکہ کے رویہ کو بیان کرتی ہے اور اسی طرح یہ ان تمام پر صادق آتی ہے جو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے دین پاک کی تمام خوبیاں دیکھتے ہوئے بھی اسے اپناتے نہیں ہیں۔ قرآن حکیم نے ایسے لوگوں کو تو جانوروں سے بدتر کہا ہے۔

سورۃ حج آیت 46 میں رب العالمین، حکیم و عزیز کا ارشاد ہے:

ترجمہ ''تو یہ کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔''

اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت و راز ہیں کہ کچھ انسان تو جو کچھ آنکھ سے دیکھ رہے ہوتے ہیں (بصارت) وہی وہ اپنے دل کی آنکھ سے بھی دیکھ (بصیرت) رہے ہوتے ہیں یعنی جو کچھ آنکھ دیکھ رہی ہوتی ہے دل اس کی تصدیق کر رہا ہوتا ہے۔ اس سے اسی طرح متاثر ہو رہا ہوتا ہے یا وہ دل پر مثبت انداز سے اثر انداز ہو رہی ہوتی ہیں۔ ایسے مقابلتاً بہت کم لوگ ہوتے ہیں اور ان پر اس کا تعمیری یا مثبت اثر ہی ہوتا ہے۔

لیکن بدنصیب لوگ ایک حقیقت کو، سچ کو (آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے دین متین کو) اپنی آنکھوں سے خوب دیکھ رہے ہوتے ہیں لیکن ان کے دل اندھے ہوتے ہیں کہ وہ حقیقت کو، سچ کو نہیں مانتے، نہیں دیکھ پاتے اور یہی وہ بدنصیب لوگ ہیں جنہیں قرآن حکیم نے جانوروں سے بھی بدتر کہا ہے کہ جانور بھی ڈرانے سے ڈرتا ہے، پیار کرنے والے کو پیار کرتے ہیں لیکن دل کے اندھے لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔

جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کے نور کی جانب ہدایت فرمائی ہو اور اس کی قلبی آنکھیں کھلی ہوں اور ان میں معرفت قرار پکڑ چکی ہو تو اس کے ذریعے وہ آپ ﷺ کی نبوت کے آثار کو واضح طور پر دیکھ لے گا، جو حیات، ذکاوت، بیداری، اطاعت، سرعت، سبقت، چشم پوشی، کرم، وسعت، سخاوت، حیا، مسکنت، وقار اور حلم کے ساتھ مزین دیکھے گا اور اعمال میں مسواک، حجامت، خوشبو اور جماع وغیرہ میں ایسی معرفت رکھنے والا نبوت و رسالت کو بلند دیکھے گا۔ اور یہ خصوصیت ان حضرات کو شان جلال، صاحب حسن و جمال، پاکیزگی، شیریں کلامی، خوب صورتی، ملاحت، ہیبت اور دبدبہ و سلطنت کے باعث حاصل ہے اور ان جملہ صفات عالیہ کی اصل یقین،

محبت اور حیات سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی معرفت سے اہل ایمان صرف اسی قدر حاصل کر سکتے ہیں جتنی انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جس نے حضور پُرنور سرکار دو عالم کی، آپ ﷺ کی مصاحبت میں رہ کر تصدیق کی تو ایسی تصدیق کو محض معرفت کی بنا پر سمجھنا چاہیے اور جس کسی کو آپ ﷺ کی ذات گرامی کا علم ہوتا ہے اسی کے مطابق ظاہری آنکھ کے آئینے میں دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے نور سے وہی شخص زیادہ حصہ لے سکتا ہے جسے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی معرفت زیادہ حاصل ہوتی ہے اور آپ ﷺ کی قدرومنزلت، بزرگی اور ذات مقدس کا علم اسی کو زیادہ میسر آئے گا جو آپ ﷺ کے ارشادات کو ماننے والا اور اپنی جان و مال کو آپ پر قربان کر دینے والا ہو۔

کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا بھید ظاہر کیا کہ آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول ہیں تو انہوں نے فوراً اس بات کی تصدیق کی اور تردد یا تامل ان کے نزدیک بھی نہ پھٹک سکا اور نہ کسی قسم کی بیقراری کا اظہار کیا۔

سورۃ انفال آیت 17

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ

ترجمہ ”اور تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔“

دیکھیے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب کی شان کو کس طرح دوبالا کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے جو مشت بھر خاک مشرکوں کی طرف پھینکی اسے اللہ تبارک وتعالیٰ خدائی پھینکنا یا اپنا پھینکنا فرما رہے ہیں۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کی ظاہری حالت دیکھ کر حضور انور نبی کریم ﷺ نے سجدہ میں سر رکھ کر بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ اے قادر مطلق اس وقت روئے زمین پر تیری سچی عبادت کرنے والی مسلمانوں کی صرف یہ چھوٹی سی جماعت، گروہ ہے۔ اگر آج تو نے ان کی مدد نہ فرمائی کہ اس جگہ شکست کھا کر ہلاک ہوگئی تو دنیا میں تیرا سچا نام لیوا کوئی بھی نہ رہے گا۔ سجدہ میں خوب گریہ زاری کی اور پھر ایک مٹھی خاک لے کر لشکر کفار کی طرف پھینکی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان اس کی کرنی کہ اس مشت خاک کے ذرے موجود سب کافروں کی آنکھوں میں پڑے اور وہ آنکھیں ملتے ہی رہے اور بری شکست سے دوچار ہوئے اور یوں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے خاک مشت کے پھینکنے کو اپنا پھینکنا فرما کر اپنے حبیب ﷺ کی شان کو اور دوبالا کیا ہے۔

اگرچہ بادی النظر میں یہ مجازی کلام معلوم ہوتا ہے لیکن اس لحاظ سے حقیقت پر مبنی ہے کہ فی الحقیقت قاتل ورامی صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے کیونکہ افعال عباد کا خالق بھی تو وہی ہے۔ کنکریاں اور مٹی کا پھینکنا بھی تو اسی کی قدرت ومشیت کے باعث ہوا ورنہ کسی انسان میں یہ ذاتی قدرت وطاقت کہاں کہ کنکریوں اور مٹی کو

اتنی دور پہنچا دے یہاں تک کہ کوئی مقابلے پر آنے والا کافر ایسا نہ بچے جس کی آنکھیں غبار آلود نہ ہوگئی ہوں۔

اللہ جل شانہ نے اپنی کتاب عزیز میں اپنے حبیب ﷺ کے فضائل وکمالات اور منصب وخصائص کو متعدد مقامات پر بیان فرمایا ہے جس سے بارگاہ خداوندی میں آپ کے قرب ومنزلت کا پتہ لگتا ہے۔

سورۃ انفال آیت 33

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

ترجمہ ''اور اللہ کا کام نہیں کہ عذاب کرے جب کہ اے محبوب تم میں تشریف فرما ہو۔''

اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ کا رحمت دو عالم ہونے کا ذکر ہے۔ اس کا نزول اس موقع پر ہوا کہ ایک بار کفار نے دعا کی کہ خداوندا اگر یہ قرآن سچا ہے اور ہم اس پر ایمان نہیں لاتے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی اور عذاب لے آ۔ اس پر یہ آیت مبارک نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ اے محبوب یہ لوگ اپنی موت اپنے منہ سے مانگ رہے ہیں لیکن چونکہ تم ان میں ہو اور تم کو رحمت العالمین بنا کر بھیجا گیا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ رحمت کاملہ اور عذاب اکٹھے ہوں، اس لیے تمہاری موجودگی میں ان پر عذاب نہیں آئے گا۔

آپ ﷺ کی امت پر ایسے عذاب نہیں آئیں گے جیسے اجتماعی عذاب پہلی امتوں پر آ چکے ہیں مثلاً ان کی شکلیں بدل دیں، انسان سے بندر بنا دیئے وغیرہ۔

سورۃ توبہ آیت 128

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ ''بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر بے حد مہربان۔''

اس آیت مبارک میں آپ ﷺ کی کئی صفات حمیدہ کا کتنی خوبصورتی سے ذکر فرمایا ہے۔ محمد مصطفی ﷺ عربی قریشی جن کے حسب نسب کو تم خوب جانتے ہو کہ تم میں سب سے عالی نسب ہیں اور تم ان کے صدق و امانت، زہد وتقویٰ، طہارت اور اخلاق حمیدہ کو بھی خوب جانتے ہو وہ تم سے سب سے نفیس تر اشرف و افضل ہیں۔ اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ کی میلاد مبارک کا بیان ہے۔

اس آیت مبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو دو ناموں سے مشرف فرمایا۔ ''حریص'' تمہاری بھلائی بہت زیادہ چاہنے والا اور ''رؤف ورحیم'' یعنی تم پر بے حد مہربان، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے محبوب ﷺ کی کمال تکریم ہے۔

اس آیۃ کریمہ کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنوں کو بتایا ہے کہ اس نے اپنے اس عظیم الشان رسول کو ان کے نفوس ہی میں مبعوث فرمایا ہے جسے وہ اچھی طرح جانتے اور اس کا مرتبہ پہچانتے ہیں۔ اس کی

صداقت و امانت سے واقف ہیں اور ان صفات حمیدہ کو جانتے ہوئے وہ اسے جھوٹ سے مہتم نہیں کر سکتے۔ علاوہ ازیں عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں جسے رسول اللہ ﷺ سے ولادت یا قرابت کا تعلق نہ ہو۔

انفسکم کی دوسری قرأت یعنی بفتح الفاء کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ ان میں شرف ورحمت وفضیلت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر ہیں۔ بھلا اس سے بڑھ کر خوبی اور کیا ہو سکتی ہے۔اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے اوصاف حمیدہ اور محامد کثیرہ کے ساتھ اپنے محبوب پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ کی تعریف وتوصیف کی جن میں سے ایک وصف یہ ہے کہ سرور کون ومکاں ﷺ کو اس بات کی بڑی حرص تھی کہ لوگ رشد وہدایت سے بہرہ مند ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں اور ہر وہ بات آپ پر گراں گرتی تھی جس میں ان کے لیے دنیا وآخرت میں خسارہ ہو۔ ایسی باتوں سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی اور مسلمانوں پر آپ کی چشم عنایت اور نگاہ مرحمت رہتی تھی۔ بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہ نے اپنے اسمائے حسنٰی میں سے دو اسم یعنی ''رؤف رحیم'' بھی اپنے محبوب ﷺ کو عنایت فرمائے ہیں۔

سورۃ حجر آیت 72

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ○

ترجمہ ''اے محبوب تمہاری جان کی قسم وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔''

یہ آیت کریمہ بھی آپ ﷺ کی عظمت ورفعت کا بیان ہے کیونکہ اس میں محبوب کی جان کی قسم کھائی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کے سوا کسی اور نبی کی قسم نہیں ارشاد فرمائی اور پیغمبر اول وآخر واعظم حضور انور نبی کریم ﷺ کی جان کی قسم، شہر مکہ کی قسم آپ ﷺ کے زمانہ کی قسم ارشاد فرمائی جس سے ظاہر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو محبوب اور محبوب کی ہر چیز ہی پیاری ہے اور تکریم والی ہے کیونکہ ہمیشہ قسم کھائی جاتی ہے بہت ہی پیاری، عزیز چیز کی، جیسے کہ انسان اپنی جان کی، اولاد کی، مال کی قسم کھاتا ہے اور یا قسم کھائی جاتی ہے بہت عظمت والی چیز کی جیسے کہ اللہ کی قسم یا اس کی صفات کی قسم۔

اس فضیلت کے بارے میں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سرور کون ومکاں حضور پُرنور ﷺ کی حیات مبارکہ کی قسم کھائی ہے، حافظ ابونعیم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے معزز اللہ تبارک وتعالیٰ شانہ نے کسی فرد کو پیدا نہیں فرمایا کیونکہ آپ کے علاوہ اور کسی کی حیات کی قسم اللہ تبارک وتعالیٰ نے یاد نہیں فرمائی لیکن آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا:

''اے محبوب! تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں۔

''وحیاتك یا محمد'' یعنی اے محمد! (ﷺ) تمہاری حیات طیبہ کی قسم! حافظ ابونعیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے

ہیں کہ یہ بات عقلاء کے مسلمات سے ہے (عقلمند لوگوں میں تسلیم شدہ ہے) کہ معظم، محترم اور مکرم ہستیوں کی ہی قسم کھائی جاتی ہے۔ اس سے پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم رسول اللہ ﷺ کی جلالت شان اور آپ کے احکام کی عظمت کا سکہ دلوں پر بیٹھ جاتا ہے۔ نیز اللہ رب العزت نے آپ کی زبان حق، ترجمانِ حق سے جو شرعی احکام جاری کروائے، اپنے بندوں کو ان کے ذریعے وحدانیت کا سبق ازبر کروایا اور دولت ایمانی سے مالا مال کرنے کی جانب دعوت دینے کی عظمت روشن، بلند، عیاں ہوتی ہے۔ اس قسم سے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت جلیلہ کا مکمل یقین ہو جاتا ہے اور یہ بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق کے نزدیک نبی آخر الزماں ﷺ ساری مخلوق سے معزز اور دائرہ تخلیق کا مرکز و محور ہیں۔

امام فخر الدین راضی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت مبارک کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اپنے درجہ امامت کے مطابق یوں جواہر ریزی فرمائی ہے۔

یہ خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے اور بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کی حیات مقدسہ کی قسم کھائی ہے، حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی بھی دوسرے کی حیات کی قسم نہیں کھائی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک آپ ساری مخلوق سے بزرگ ترین ہیں۔

سورۃ بنی اسرائیل آیت 1

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ o

ترجمہ ''پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرد گرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں، بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔

شان نزول، جب شب معراج آپ ﷺ درجات عالیہ و مراتب رفیعہ پر فائز ہوئے تو رب عزوجل نے فرمایا اے محمد (ﷺ) یہ فضیلت و شرف میں نے تمہیں کیوں عطا فرمایا، حضور پُر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے عرض کیا اس لیے کہ تو نے مجھے عبدیت کے ساتھ اپنی طرف منسوب فرمایا ہے، اس پر یہ آیت مبارک نازل ہوئی۔

اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ کی اس عظمت کا ذکر ہے جو آپ ﷺ کے سوا کسی پیغمبر کو عطا نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے اور ہر کچھ کے بارے میں علم ملا۔ آپ ﷺ نے جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا اور حضرت آدم، حضرت یحییٰ و عیسیٰ، حضرت یوسف، حضرت ادریس، حضرت ہارون، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر سدرہ سامنے آیا (سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو) وہ جبریل امین کے لیے سدراہ بن گیا اور پھر اس سے آگے محبّ و محبوب صرف دونوں تھے اور وہاں نہ جانے کیا کیا عظمتیں، حلم و علم عطا ہوا جو ہمارے الفاظ و ادراک سے باہر ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل آیت 79

وَمِنَ الَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ۝

ترجمہ ’’قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے گا جہاں سب تمہاری حمد کریں۔‘‘

الحمد للہ! اللہ تبارک و تعالیٰ نے پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُر نور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو کیا کیا شانیں، عظمتیں، رفعتیں عطا فرمائی ہیں۔ اس میدان میں بھی آپ ﷺ یکتا اور منفرد ہیں۔ رب العزت نے جو عظمتیں، شانیں، رفعتیں آپ کو عطا فرمائیں وہ اور کسی کے حصہ میں نہیں آئیں اور پھر ان عظمتوں کے کیا کہنے کہ ایک تو ان کا تعلق ابدی زندگی سے ہے اور دوسرے ان کی وسعت و حدود کا شمار ہی نہیں۔ لیجئے اب شفاعت و مقام محمود کے بارے میں معجز علماء حق کے خیالات اور احادیث مبارک پڑھیے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو شفاعت اور مقام محمود کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو فضیلت مرحمت فرمائی ہے، قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

بخاری شریف میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ روز قیامت تمام لوگ مایوسی کی حالت میں بیٹھے ہوں گے۔ ہر امت اپنے نبی کی بارگاہ میں عرض گزار ہوگی کہ حضور! ہماری شفاعت فرمائیے۔ یا نبی اللہ! ہماری شفاعت کیجئے۔ آخر کار معاملہ ہمارے آقا، تاجدار کائنات آقائے دو جہاں محمد رسول اللہ ﷺ تک جا پہنچے گا۔ اس روز اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب کو مقام محمود عطا فرمائے گا یعنی ایسے مقام پر کھڑا کرے گا جس کو دیکھ کر سب چھوٹے اور بڑے انسان ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو جائیں گے۔

مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مقام محمود کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مقام محمود تو شفاعت کرنے والی جگہ ہے۔

اسی مسند احمد میں کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور انور سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا، قیامت کے روز جب سارے انسان جمع ہوں گے تو میں اپنی امت سمیت ایک بلند ٹیلے پر ہوں گا۔ مجھے سبز رنگ کا جنتی حلہ پہنایا جائے گا۔ پھر مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کرنے کا اذن مل جائے گا اور میں کچھ کہوں گا (یعنی جو اللہ تبارک و تعالیٰ چاہے گا، وہی کہوں گا) اور اسی جگہ کا نام مقام محمود ہے۔

قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں اور بھی کئی روایات نقل کی ہیں۔ منجملہ ان کے امام احمد کی یہ روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ خاتم النبیین، رحمت العالمین، شفیع المذنبین ﷺ عرش معلی کے بائیں جانب تشریف فرما ہوں گے۔ یہ ایسا مقام ہے جہاں کسی دوسرے کو کھڑے ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ سب اگلے اور پچھلے اس کو دیکھیں گے۔ یہی جگہ مقام محمود ہے۔

قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت

ہے کہ حضور پُر نور سرور کون و مکان ﷺ نے فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ چاہو تو تمہاری آدھی امت جنت میں داخل کر دی جائے اور چاہو ان کی شفاعت کر لینا۔ میں نے شفاعت کو اختیار کیا۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں پرہیزگاروں کی شفاعت کروں گا، شفاعت تو گنہگاروں اور خطا کاروں کی ہوگی۔

بیہقی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ نے سوال کیا، یارسول اللہ! آپ کن لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری شفاعت ہر اس آدمی کے لیے ہوگی جس نے سچے دل سے کہا ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور اس کی زبان اس کے دل کی تصدیق کرتی ہوگی۔

بیہقی اور حاکم نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میرے بعد میری امت جو کچھ کرے گی، مجھے اس کا علم دیا گیا ہے۔ وہ آپس میں خونریزی کریں گے اور اس طرح ان کا حال بھی وہی ہو جائے گا جو گزشتہ امتوں کا ہوا تھا لیکن میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنی امت کی شفاعت کا سوال کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق نے میرے سوال کو شرف قبولیت بخشا۔

بیہقی اور نسائی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ساری مخلوق کو ایک صاف میدان میں جمع کرے گا جہاں ایک شخص اپنی آواز سب لوگوں تک پہنچا سکے اور انہیں دیکھ سکے گا۔ وہ اپنی پیدائش کی طرح ننگے ہوں گے۔ سب خاموش ہوں گے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو بولنے کی جرأت نہ ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے پیغمبر اول وآخر واعظم نبی کریم ﷺ کو ندا دی جائے گی تو آپ ﷺ عرض کریں گے، اے پروردگار! میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں، تمام بھلائیاں تیرے دست قدرت میں ہیں اور برائیاں تیری جانب منسوب نہیں کی جاسکتیں۔ راہ ہدایت پر وہ ہے جس کو تو نے ہدایت دی۔ تیرا بندہ تیری بارگاہ میں حاضر ہے۔ میں تیرے لیے ہی ہوں اور تیری جانب سے ہوں۔ تیری بارگاہ کے سوا کوئی پناہ گاہ اور کوئی جائے نجات نہیں۔ اے رب کعبہ! تیری ذات بابرکت، بلند اور پاک ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس جگہ کھڑے ہو کر آپ اس طرح حمد الٰہی بیان کریں گے، وہ مقام محمود ہے۔

قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں اور بھی روایات نقل فرمائی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے شفاعت کرنے کے مقام کا نام مقام محمود ہے اور یہی تمام صحابہ کرام، تابعین عظام اور آئمہ مسلمین کا مذہب ہے۔ ازاں بعد قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے حدیث شفاعت کو پورے طور پر نقل کیا ہے۔ علاوہ بریں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے یہ ذکر نقل کیا کہ سارے انسان مل کر حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ پل صراط قائم کیا جائے گا۔ اس پل کے اوپر جو حضرات سب سے پہلے گزریں گے وہ بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ ان کے بعد

گزرنے والے ہوا کی مانند، بعض پرندوں کی مانند، بعض دوڑتے ہوئے گزریں گے۔ سرکار دو عالم تاجدار کائنات ﷺ پل صراط کے ایک سرے پر کھڑے ہو کر پکار رہے ہوں گے رب سلم، رب سلم یعنی اے رب بچا۔ اے رب بچا۔ یہاں تک کہ سب گزر جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ سید المرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین ﷺ نے فرمایا، سب سے پہلے میں پل صراط سے گزروں گا۔

امام بخاری و مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جملہ انبیائے کرام کے لیے منبر رکھے جائیں گے، جن پر وہ تشریف فرما ہوں گے اور یہ میرا منبر خالی رہ جائے گا کیونکہ میں اپنے منبر پر نہ بیٹھوں گا بلکہ بارگاہ الٰہی میں خاموش کھڑا رہوں گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرمائے گا، اے حبیب! تم اپنی امت کے بارے میں میرا کیا فیصلہ چاہتے ہو؟ میں عرض کروں گا، اے پروردگار! ان کا حساب جلدی لیا جائے۔ پس جلد ہی میری امت کا حساب شروع ہو جائے گا۔ ان میں سے بعض کو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی رحمت سے جنت میں بھیج دے گا اور بعض میری شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ میں برابر شفاعت کرتا رہوں گا حتیٰ کہ مجھے کچھ لوگوں کی کتب فیصلہ دکھائی جائیں گی جن میں ان کا دوزخی ہونا مرقوم ہوگا۔ جب میں ان کی شفاعت کر رہا ہوں گا تو دوزخ کا داروغہ کہے گا، یا رسول اللہ آپ نے تو اپنی امت پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذرا سی ناراضگی نہیں رہنے دی۔ (یعنی سب کو بخشوالیا)

حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، جسے امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور پُرنور، حضور انور، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں زمین کے درختوں اور پتھروں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کی شفاعت کروں گا۔

قاضی فیاض رحمتہ اللہ علیہ نے شفاعت اور مقام محمود کے بارے میں اور بھی متعدد احادیث کتاب الشفاء میں نقل کی ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا، اگرچہ احادیث کے الفاظ مختلف ہیں لیکن اس بات پر ان کے مضامین متفق ہیں کہ خاتم النبیین، سید المرسلین، شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت اور مقام محمود پر کھڑے ہونے کا معاملہ تھوڑی دیر کی بات نہیں بلکہ آپ کی شفاعت کا سلسلہ شروع سے آخر تک جاری رہے گا۔ جب لوگ حشر کے میدان میں جمع ہوں گے، ان کا سانس تک گھٹنے لگے گا، پسینہ بہہ رہا ہوگا، سورج بالکل نزدیک ہوگا۔ کھڑے کھڑے بہت دیر ہو جائے گی یہاں تک کہ پریشانی کی انتہا ہو جائے گی۔ گویا اس حالت کو حساب سے پہلے ہی پہنچ گئے ہوں گے۔ اس وقت آپ اس مقام سے نجات دلانے کے لیے شفاعت کریں گے۔ اس کے بعد پل صراط قائم ہوگا۔ لوگوں کا حساب شروع ہو جائے گا۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ جلد از جلد ان حضرات کو جنت میں پہنچائیں گے جن کا حساب نہیں ہوگا۔ آپ ایسے لوگوں کی شفاعت بھی کریں گے جن کے لیے عذاب دینے کا فیصلہ ہو چکا ہوگا حتیٰ کہ ان میں سے بعض دوزخ میں داخل بھی کر دیئے ہیں گے۔ یہ تمام امور احادیث صحیحہ

سے صریحاً ثابت ہیں۔ اس کے بعد ان لوگوں کی شفاعت بھی کریں گے جنہیں نے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پڑھ لینے کے علاوہ اور کوئی نیکی نہ کی ہوگی۔ شفیع المذنبین ﷺ کے علاوہ اس قسم کی شفاعت کرنے کا کوئی اور مجاز نہیں ہوگا۔

مشہور صحیح حدیث میں ہے کہ ہر نبی کو ایک ایک دعا کرنے کا حق دیا گیا۔ انہوں نے وہ حق استعمال کر لیا لیکن میں نے اپنا یہ حق محفوظ رکھا تھا جو شفاعت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ قیامت کے روز میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ وہ دعا جس کا ہر نبی کو حق دیا گیا تھا، اپنی اپنی امت کے متعلق تھی۔ دیگر انبیائے کرام کو ان کی امتوں کی جانب سے جو اللہ تبارک وتعالیٰ شانہ نے جزا دی، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے نبی پاک، صاحب لولاک ﷺ کو ان سے بہتر جزا عطا فرمائے۔ آپ ﷺ پر اربوں کھربوں درود وسلام۔

درجات جنت اور وسیلہ

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکہ کے باب 65 صفحہ 416 پر فرمایا ہے، یہ جان لینا چاہیے کہ بلحاظ اعمال جنت کے سو (100) درجے ہیں جو کم وبیش نہیں جیسے دوزخ کے سو (100) حصے ہیں اور ہر ایک درجہ مختلف منزلوں میں منقسم ہے۔ ہم یہاں ان منازل کا ذکر کرتے ہیں جو امت محمدیہ کے لیے مخصوص ہیں اور جن کے باعث اس امت مرحومہ کو دیگر امتوں پر فضیلت حاصل ہوگی کیونکہ اللہ جل شانہ، قادر مطلق نے خود اپنے کلام معجز نظام میں فرمایا ہے کہ یہ بہتر امت ہے جو لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا فرمائی گئی۔

مذکورہ سو (100) درجے آٹھوں جنتوں میں سے ہر جنت میں ہیں اور جنت کا ہر درجہ آرام کی جگہ ہے جن میں سب سے بلند جنت عدن ہے جو سب جنتوں کی سردار ہے۔ اس میں ایک بلند ٹیلہ ہے جس میں دیدار الٰہی کے لیے لوگوں کا اجتماع ہوا کرے گا۔ یہ سب جنتوں سے اعلیٰ جنت ہے جیسے بادشاہ کا مکان، جس کے گرداگرد آٹھ دیواریں ہوں اور ہر دو دیواروں کے درمیان باغیچہ ہو۔ وہ جنت جو جنت عدن سے قریب تر ہے، اس کا نام جنت الفردوس ہے۔ یہ جنت عدن کے باقی تمام جنتوں سے افضل واعلیٰ ہے۔ تیسری جنت الخلد، چوتھی جنت النعیم، پانچویں جنت الماوی، چھٹی دار السلام اور ساتویں کا نام دار المقامہ ہے۔

جنت عدن میں ایک اعلیٰ درجہ ہے جس کا نام وسیلہ ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کو حاصل ہے جس کی خاطر امت محمدیہ بھی دعائیں کرتی ہے کہ وہ حضور انور نبی کریم سرکار دو عالم ﷺ کو ہی حاصل ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس میں پوشیدہ حکمت ہے۔ حالانکہ ہم سب نے ہر سعادت سرور کون ومکاں ﷺ ہی کے سبب پائی ہے اور آپ ﷺ ہی کے باعث یہ امت باقی جملہ امتوں سے بہتر ہے۔ جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے اور آپ ﷺ کے سبب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں آخری امت بنایا جیسے حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کو آخری نبی بنا دیا ہے اور سلسلہ نبوت کو آپ ﷺ پر ختم کر دیا ہے اور اس فضیلت کی خود رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بشارت دی ہے جس

کے ذکر کرنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا تھا۔

اور ہمارے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ایک خاص راستہ ہوگا جس کے ذریعے ہم پروردگار عالم سے ہم کلامی کا شرف حاصل کریں گے اور اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہ ہم سے خاص گفتگو فرمائے گا۔ اسی طرح ہر مخلوق کے لیے اپنے رب کی طرف ایک خاص راستہ ہے۔ ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا کہ نبی آخر الزماں ﷺ کے لیے وسیلہ کی دعا کیا کریں حتیٰ کہ آپ وہاں رونق افروز ہو جائیں جس کے بارے میں حکمت الٰہی اسی کی مقتضی ہوئی کہ وہ آپ کو امت مرحومہ کی دعاؤں کے باعث مرحمت فرمایا جائے گا۔ امت وسطیٰ کے اس شرف پر غور کرنا چاہیے جس کے سبب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی اور اس امت کو کرامت بخشی ہے۔

جنت کے پانچ ہزار ایک سو پانچ (5105) درجے بنتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے زیادہ ہیں جب کہ اس تعداد پر اصل ہونے کے باعث تمام اہل کشف کا امتحان ہے اور وہ زائد درجے انواع واجناس کا مقام رکھتے ہیں۔ امت محمدیہ ان درجات میں بھی دیگر امم سے ممتاز ہے۔ چنانچہ بارہ درجے ایسے ہیں جو صرف اسی امت کے ساتھ خاص ہیں، باقی امتیں ان میں شریک نہیں ہیں۔

سورۃ انبیاء آیت 107

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝

ترجمہ ''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے۔''

تمام مخلوق کے لیے اور خاص طور پر انس وجاں کے لیے چاہے مومن ہو یا کافر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضورپُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا رحمت ہونا عام ہے۔ مومن کے لیے تو آپ دنیا اور آخرت دونوں میں رحمت ہیں اور جو ایمان نہ لایا اس کے لیے آپ دنیا میں رحمت ہیں کہ آپ ﷺ کی بدولت تاخیر عذاب ہوئی اور خسف مسخ اور استیصال (انسانوں کا بندر سور بن جانا) کے عذاب اٹھالیے گئے۔

تفسیر روح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں اکابر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت مطلقہ تامہ، کاملہ عاملہ، شاملہ جامعہ محیط، برجمیع مقیدات، رحمت غیبیہ وشہادت علیہ وعینیہ ووجودیہ وسابقہ ولاحقہ وغیرہ تمام جہانوں کے لیے، عالم ارواح ہوں یا عالم اجسام، ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول اور جو تمام عالموں کے لیے رحمت ہو، لازم ہے کہ وہ تمام جہاں سے افضل ہو یعنی کہ آپ ﷺ ساری کائنات میں، تمام جہانوں میں، تمام عالموں میں اول تا آخر افضل بشر، افضل الانبیاء ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت مبارک کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم سرکار دو عالم ﷺ دین اور دنیا میں رحمت ہیں۔ دین میں رحمت اس لحاظ سے ہے کہ جب آپ ﷺ کی جلوہ گری ہوئی اس وقت لوگ جاہلیت اور گمراہی میں بھٹکتے پھر رہے تھے اور اہل کتاب بھی دین کے معاملے میں

حیران اور سرگرداں تھے کیونکہ انبیائے کرام کے دور کو ایک عرصہ گزر چکا تھا، ان کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا اور ان کی کتابوں میں تحریف کے باعث بہت زیادہ اختلاف واقع ہو گیا تھا۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سرورِ کون و مکاں، تاجدار کائنات ﷺ کو مبعوث فرمایا جب کہ ایک حق کے متلاشی کو سعی بسیار کے باوجود بھی راہ ہدایت نہ ملتی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو راہ ہدایت کی طرف بلایا، کامیابی و کامرانی اور فوز و فلاح کا راستہ دکھایا۔ احکام مشروع فرمائے اور حلال وحرام کی تمیز سکھائی لیکن اس رحمت سے وہی مستفید ہو سکتا ہے جو حق کا متلاشی اور طلبگار ہو اور زمانہ جاہلیت والوں کی تقلید سے کنارہ کش ہو جائے بغض وعناد اور تکبر کو نزدیک نہ پھٹکنے دے، ایسے حالات میں توفیق الٰہی اس کا ساتھ دیتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

سورۃ حم سجدہ آیت 44

ترجمہ ''ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے۔''

سید المرسلین خاتم النبیین رحمت العالمین ﷺ دنیا میں رحمت اس طرح ہیں کہ آپ کی وجہ سے لوگ انتہائی ذلت اور قتل و غارت گری سے نجات پا گئے اور آپ کے دین کی برکات سے انہوں نے مدد حاصل کی۔

حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی رحمتہ اللہ علیہ (الموتی 430) اپنی کتاب دلائل النبوۃ کی فصل اول میں فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم سرورِ کون و مکاں ﷺ کی بعثت کو دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنایا ہے۔

بایں وجہ آپ کے دشمن بھی اس وقت تک عذاب سے محفوظ رہے جب تک ان میں آپ کی جلوہ گری رہی کیونکہ باری تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام معجز نظام میں یہ وعدہ فرمالیا تھا:

سورۃ انفال آیت 33

ترجمہ ''اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب! تم ان میں تشریف فرما ہو۔''

باوجود اس کے کہ آپ کے دشمن عذاب کے نزول کی فرمائش کرتے تھے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر عذاب نہیں بھیجا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم بیکسوں کے آقاء و مولیٰ حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم آقائے کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کو رحمت العالمین بنایا ہے لیکن جب آپ انہیں چھوڑ کر مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے تو کفار پر عذاب بھیج دیا گیا یعنی کوئی قتل ہوا اور کسی کو قیدی کیا گیا۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے:

سورۃ زخرف آیت 41

ترجمہ ''تو اگر ہم تمہیں لے جائیں تو ان سے ہم ضرور بدلہ لیں گے۔''

حافظ ابونعیم رحمتہ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے سب جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور

پرہیزگاروں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا گیا ہوں۔ پھر اپنی ہی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں گزارش پیش کی گئی کہ یارسول اللہ! آپ مشرکین کی تباہی اور بربادی کے لیے دعا کیوں نہیں فرماتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، مجھے نعمت و رحمت بنا کر مبعوث فرمایا گیا ہے، عذاب بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر اپنی مخلوق کا اطاعت میں عجز ظاہر ہے۔ انہیں ان پر مطلع کرنا منظور تھا کہ وہ براہ راست بارگاہ خداوندی سے کسب کمال نہیں کر سکتے۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے خالق ومخلوق کے درمیان ایک ایسی ہستی کو رکھا جو برزخ کبریٰ کا کام دے۔ اسے انسانی شکل و صورت میں پیدا فرمایا لیکن اپنی حکمت کاملہ سے اسے رافت و رحمت کا لباس پہنا کر مخلوق کی جانب اسے ایسا کامل ومکمل نمائندہ بنا کر بھیجا کہ اس کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کی موافقت کو اپنی موافقت ٹھہرایا۔ جیسا کہ خود سورۃ نساء کی آیت 19 میں فرماتا ہے:

ترجمہ ''جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔''

سورۃ انبیاء آیت 107

ترجمہ ''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے۔''

ابوبکر بن طاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے حضور پرنور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو رحمت کی زینت سے مزین فرمایا اور آپ کو رحمت کا ایسا پتلا بنایا ہے جس کی جملہ عادات وصفات مخلوق خدا کے لیے باران رحمت خداوندی ہیں جسے اس سرکار دوعالم (ﷺ) سے تھوڑی سی بھی رحمت کی بھیک مل گئی وہ دونوں جہانوں میں کامیاب وکامران ہوا یعنی ہر مصیبت سے نجات پا گیا اور دارین میں اپنی مراد کو پہنچے گا۔

خالق و مالک کائنات اللہ رب العزت فرماتا ہے ''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے۔'' حضور پرنور شافع یوم حساب ﷺ کی حیات وممات دونوں ہی رحمت ہیں۔

فرمان نبوی ہے کہ میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے اور میرا وصال فرمانا بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔ اسی کے مطابق فرمان رسالت ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کسی امت پر رحمت فرمانا چاہتا ہے تو اس کے ختم ہونے سے پہلے نبی کو قبض کر لیتا ہے تاکہ وہ امت کی بخشش کے لیے مقدمہ اور ذخیرہ بن جائے۔

امام سمرقندی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ جنوں اور انسانوں کے لیے رحمت ہیں۔ کتنے ہی بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ آپ ساری مخلوق کے لیے رحمت ہیں۔ مومنوں کے لیے اس لحاظ سے رحمت ہیں کہ انہیں ہدایت آپ ہی کے سبب ملی۔ منافقوں کے لیے بایں وجہ رحمت ہیں کہ انہیں قتل سے امان ملی۔ کافروں کے لیے بھی رحمت ہیں کہ آپ کے باعث ان سے عذاب موخر ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی آخر الزمان ﷺ جملہ مومنوں اور کافروں کے لیے

رحمت ہیں۔ قرون سابقہ میں اپنے انبیاء کو جھٹلانے والی امتوں پر جس طرح کے عذاب آئے اگر اسے پیش نظر رکھا جائے تو آپ کا رحمت العالمین ہونا بخوبی ذہن نشین ہو جائے۔

حکایت ہے کہ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے سوال کیا، کیا تمہیں بھی اس رحمت سے کوئی حصہ ملا ہے؟ جبریل علیہ السلام عرض گزار ہوئے کہ ہاں یارسول اللہ! میں اپنی عاقبت کے بارے میں بڑا خائف تھا لیکن اب میں مطمئن ہو گیا ہوں کیونکہ باری تعالیٰ شانہ نے اپنے آخری پیغام میں میرے متعلق سورۃ تکویر آیت 20-21 میں یوں فرمایا ہے:

ترجمہ ''جو قوت والا ہے، مالک عرش کے حضور عزت والا، وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے، امانت دار ہے۔'' (یہ آپ ﷺ سے متعلق ہے)

سورۃ نور آیت 35

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ

ترجمہ ''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے۔'' (آیت مبارک کا مکمل ترجمہ چند سطروں بعد ہے)

آیئے اب قرآن حکیم سے ایک بہت ہی خوبصورت تمثیل والی پُرنور آیت کے بارے میں پڑھتے ہیں اور مختلف تشریحات بھی دیکھتے ہیں۔ قرآن حکیم سورۃ نور آیت 35 میں حاکم الحاکمین کا ارشاد ہے۔

ترجمہ ''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور، روشنی کی مثال ایسی ہے کہ جیسے طاق ہو اور اس میں ہو ایک چراغ، اور وہ چراغ ایک فانوس میں رکھا ہے اور وہ فانوس یا شیشہ ہے مانند ایک ستارہ، موتی کی طرح روشن چمکتا ہوا، تیل جلتا ہے اس میں ایک بابرکت درخت زیتون کا جو نہ مشرق کی طرف کا ہے نہ مغرب کی طرف کا۔ قریب ہے کہ اس کا تیل خود بخود آگ پکڑ لے اور روشن ہو جائے اور اسے آگ نے چھوا بھی نہ ہو، نور پر نور (یعنی کہ نور ہی نور) اللہ اپنے نور کی راہ دکھاتا ہے جسے چاہے اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔''

یہاں کیونکہ نور، روشنی کا ذکر ہے اس لیے طاق عوام الناس کو سمجھانے کے لئے اس کا مطلب ہے کمرے کی دیوار میں وہ جگہ جہاں چراغ رکھ کر جلایا جاتا ہے تاکہ تمام کمرہ زیادہ سے زیادہ روشن ہو اور فانوس کا مطلب ہے وہ شیشہ (جیسا کہ قندیل میں ہوتا ہے) جو روشنی کی حفاظت بھی کرتا ہے اور اس کو بڑھاتا بھی ہے۔

طاق بھی ایسی جگہ پر کہ حتی الامکان سب جگہ کو، سارے کمرے کو یکساں روشنی دے، تیل بھی ایسا کہ صرف اور صرف اعلیٰ ترین روشنی دے اور اس میں نقصان دہ، مضر کچھ بھی نہ ہو۔ روشنی بذات خود زیادہ سے زیادہ پھیلے اور روشنی دینے کی خواہاں اور اس پر فانوس یا شیشہ ایسا کہ اندر کی روشنی کو ہزاروں گنا بڑھا دے اور یوں نور ہی نور

ہو جائے اور یہ صفت، صفات، کیفیت صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی اپنی پسند سے، جس کو چاہیں دیتے ہیں۔

آپ کو اپنے روزمرہ کے تجربہ سے یہ تو معلوم ہی ہے کہ ایک قندیل یا بجلی کے بلب کی روشنی، کالے کمرہ میں بہت کم ہوگی۔ میلے کمرہ میں اس سے زیادہ ہو جائے گی، سفید رنگ والے کمرے میں اس سے تقریباً سو گنا زیادہ ہوگی اور اگر اسی کمرہ میں چاروں اطراف بہت اچھا شیشہ لگا ہوگا تو اسی قندیل کی روشنی اس شیش محل (کمرہ) میں ہزاروں گنا بڑھ جائے گی۔ یہ میں نے دنیاوی لحاظ سے بتلایا ہے جب کہ قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ کا تعلق چنے ہوئے، پسندیدہ نیک صالح متقی پرہیزگار انسانوں کے دل کے اندر نور کے بڑھنے سے ہے۔ یہ تمثیل ہے جس کا سمجھنا ہر ایک کے لیے ممکن نہیں ہے۔

لیجئے اس آیت مبارکہ کی کچھ تفسیر بھی پیش ہے تاکہ آپ انسان کے دل، اپنے دل کی اہمیت کو جان سکیں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کچھ بھی نہ فرمائیں تب بھی خلق پر خود بخود (آپ کی نبوت اور تمام صفات حمیدہ) ظاہر ہو جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ روشندان تو سید عالم ﷺ کا سینہ مبارک ہے اور فانوس قلب اطہر اور چراغ وہ نور جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں رکھا کہ شرقی ہے نہ غربی، نہ یہودی و نصرانی۔ ایک شجرہ مبارکہ سے روشن ہے وہ شجر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ نور قلب ابراہیم پہ نور محمدی، نور پر نور ہے۔

محمد بن کعب قرظیؓ نے کہا کہ روشندان و فانوس تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں اور چراغ سید عالم ﷺ اور شجرہ مبارک حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ اکثر انبیاء آپ کی نسل سے ہیں اور شرقی و غربی نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وہ دین حنیف پر تھے۔ قریب ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے محاسن و کمالات نزول وحی سے قبل ہی خلق پر ظاہر ہو جائیں، نور پر نور یہ کہ نبی ہیں، نسل نبی سے نور محمدی ہے۔ نور ابراہیمی پر اس کے علاوہ اور بھی بہت اقوال ہیں۔

لیجئے اسی آیت مبارکہ کی ایک اور تشریح ملاحظہ کریں۔

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ سے قائم ہے رونق اور بستی ہے زمین و آسمان کی۔ اس کی مدد نہ ہو تو سب ویران ہو جائیں۔ سب مخلوق کو نور اسی سے ملا ہے چاند، سورج، تارے، فرشتے اور انبیاء اولیاء مزیں جو ظاہری یا باطنی روشنی ہے اس منبع نور سے مستفاد ہے۔ ہدایت و معرفت کا چمکارا جو کسی کو پہنچتا ہے اسی بارگاہ رفیع سے پہنچتا ہے۔ حسن و جمال یا خوبی و کمال کی کوئی چمک اگر کہیں نظر پڑتی ہے، وہ اس کے رخ زیبا منور والضحیٰ اور ذات مبارک کے جمال و کمال کا ایک پرتو ہے۔

سیرت ابن اسحٰق میں ہے آپ اپنے رب کو "اللہ تو ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔" کہہ کر پکارا کرتے اور اپنے کان، آنکھ، دل ہر ہر عضو بلکہ بال بال میں اس سے نور طلب فرماتے تھے اور آخر میں بطور خلاصہ فرماتے، میرے نور کو بڑھا بلکہ مجھے نور ہی نور بنا دے۔

اور ایک حدیث میں ہے (فتح الباری جلد 6 صفحہ 430) کہ جس کو اس وقت اللہ کے نور (توفیق) سے حصہ ملا وہ ہدایت پر آیا اور جو اس سے چوکا، جس کو نور کا حصہ نہ ملا تو وہ گمراہ رہا۔ واضح رہے کہ جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً سمع، بصر وغیرہ کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی، ایسے ہی صفت نور بھی ہے اسے ممکنات کے نور پر قیاس نہ کیا جائے۔

یعنی یوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نور سے تمام موجودات کی نمود ہے لیکن مومنین کو نور الٰہی سے ہدایت و عرفان کا جو خصوصی حصہ ملتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو گویا مومن کا جسم ایک طاق کی طرح ہے جس کے اندر ایک ستارہ کی طرف چمکدار شیشہ (قندیل) میں معرفت و ہدایت کا چراغ روشن ہے۔ یہ روشنی ایسے صاف و شفاف اور لطیف تیل سے حاصل ہو رہی ہے جو ایک نہایت ہی مبارک درخت (زیتون) سے حاصل ہوا ہے۔ غرض اس کا تیل اس قدر صاف اور چمکدار ہے کہ بدون اسے آگ دکھلائے ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بخود روشن ہو جائے گا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مومن کا شیشہ دل نہایت صاف ہوتا ہے اور خدا کی توفیق سے اس میں قبول حق کی ایسی زبردست استعداد پائی جاتی ہے کہ بدون دیا سلائی دکھائے ہی جل اٹھنے کو تیار ہوتا ہے۔ اب جہاں ذرا آگ دکھائی یعنی وحی وقرآن کی تیز روشنی نے اس کو چھوا، مس کیا، فوراً اس کی فطری روشنی بھڑک اٹھی۔ اس کو "نور اعلیٰ نور" فرمایا۔ باقی یہ سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے قبضہ میں ہے جس کو چاہے اپنی روشنی عنایت فرمائے اور وہی جانتا ہے کہ کس کو یہ روشنی ملنی چاہیے، کس کو نہیں۔ ان عجیب وغریب مثالوں کو بیان فرمانا بھی اسی غرض سے ہے کہ استعداد رکھنے والوں کو بصیرت کی ایک روشنی حاصل ہو۔

سورۃ نور آیت 63

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

ترجمہ "رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو، جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔"

سورۃ حجرات آیات 2:1

يَـٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ يَـٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○

ترجمہ "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔ اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس نبی کی آواز سے اور ان کے حضور چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔"

ان آیات مبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب رسول، نبی کریم ﷺ کی تعظیم وتوقیر کے بارے میں بتلایا ہے کہ میرے اس پیغمبر کی عظمت، شان، حرمت ورفعت بہت بہت بلند ہے اور تم ضرور اس امر کا خیال کرو بلکہ حد درجہ احتیاط کرو، ادب کرو اور رسول اللہ ﷺ کے بلانے کو یا آپ ﷺ کے ساتھ بات کرنے میں ویسا ہی اندازِ تخاطب' اونچی آواز میں بات کرنا، بے ڈھنگے بے صبرے انداز سے بات کرنا، بے معنی بات کرنا، دھیان سے نہ سننا وغیرہم کے انداز کو بالکل چھوڑ دو۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کے ساتھ بات کرنا یا ان کے سامنے، ان کی موجودگی میں بات کرنا تمہارے لیے بڑے خسارے کی بات ہے۔ تمہارے اس عمل سے تمہارے اچھے عمل بھی ضائع ہو جائیں گے، اور تمہیں تمہارے اچھے اعمال کے ضائع ہو جانے کی خبر تک نہ ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اچھے اعمال کو بھی اس برے عمل، برے انداز کے بدلہ میں ختم کر دے گا اور (ظاہر ہے کہ) اس کا تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔

کیا عظمت ہے کیا شان ہے کیا رفعت ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ پاک میں آپ ﷺ کا کیا ہی اعلیٰ وارفع مقام ہے کہ اگر کوئی نادانستہ بھی آپ ﷺ کے سامنے' موجودگی میں اپنی آواز بلند کرے گا تو بہت ممکن ہے کہ اس کے بدلہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ ایسی غفلت کرنے والے کے کچھ اعمال ضائع کر دے اور اس کو یہ خبر تک نہ ہو کہ اعمال ضائع ہو گئے ہیں اور کیوں ضائع کر دیئے گئے ہیں۔

اس کی مختصر تشریح یوں ہے کہ جس کو حضور پُر نور رسول کریم ﷺ پکاریں یا بلائیں، اس پر اجابت وتعمیل واجب ہو جاتی ہے اور ادب سے حاضر ہونا لازم ہوتا ہے اور پھر بھی وہ قریب ہونے کے لیے اجازت طلب کرے اور اجازت سے ہی واپس ہو۔

اس کے ایک اور معنی مفسرین نے یہ بھی بیان فرمائے ہیں کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کو بلائے تو ادب و تکریم اور توقیر وتعظیم کے ساتھ، آپ کے معظم القاب سے نرم آواز کے ساتھ منکسرانہ لب ولہجہ میں جیسے یا نبی اللہ، یارسول اللہ یا حبیب اللہ کہہ کر ہلکی، عاجزی والی آواز میں اور صرف ضروری بات کرے۔

دوسری آیات مبارک کی تشریح یوں ہے کہ تمہیں لازم ہے کہ اصلاً تم سے تقدیم (پہل) واقع نہ ہو، نہ قول میں نہ فعل میں کہ تقدم کرنا رسول اللہ ﷺ کے ادب واحترام کے خلاف ہے۔ بارگاہِ رسالت میں نیازمندی و آداب لازم ہیں۔ شان نزول یہ ہے کہ چند اشخاص نے عید الاضحیٰ کے دن حضور انور نبی کریم ﷺ سے پہلے قربانی کر لی تو ان کو حکم دیا گیا کہ قربانی دوبارہ کریں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کچھ لوگ رمضان سے ایک روز پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کر دیتے تھے، ان کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ روزہ رکھنے میں اپنے نبی (ﷺ) سے تقدیم نہ کرو۔

آگے بھی یہی ارشاد رب العالمین ہے کہ تم جب حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے سامنے کچھ عرض کرو تو آہستہ آہستہ تحمل اور پست آواز سے عرض کرو۔ یہی دربار رسالت کا ادب واحترام ہے۔ ندا کرنے میں،

آواز دینے میں، بلانے میں، اپنی طرف متوجہ کرنے میں حد درجہ ادب و احترام کریں اور وہ انداز بیباکانہ، بے تکلفی، بے دھیانی کا نہ اپنائیں جیسے کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو، کر لیتے ہو۔ جو بھی عرض کرنا ہو وہ کلمات ادب و تعظیم و توصیف و تکریم و القاب عظمت کے ساتھ عرض کرو کہ ترک ادب سے نیکیوں کے برباد ہونے کا اندیشہ ہے۔

شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ انہیں اونچا سنتا تھا، اس لیے ان کی عام گفتگو میں بھی آواز بلند ہوتی تھی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور کہنے لگے کہ میں اہل نار سے ہوں۔ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے ان کا حال دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کی کہ وہ میرے پڑوسی ہیں اور میرے علم میں انہیں کوئی بیماری نہیں ہوئی۔ پھر آ کر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا۔ ثابت نے کہا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے اور تم جانتے ہو کہ میں تم میں سب سے بلند آواز ہوں تو میں جہنمی ہو گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ حال خدمت اقدس میں عرض کیا تو حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا کہ وہ اہل جنت سے ہیں (کیونکہ ان کا اونچا بولنا، اونچا سننے کی وجہ سے، دانستہ نہیں ہے۔ ان کی یہ مجبوری اونچا سننے کی بیماری کی وجہ سے ہے۔)

سورۃ احزاب آیت 21

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝

ترجمہ ”بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے، اس کے لیے اللہ اور پچھلے دن (قیامت، روز حشر) کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔“

اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ کی ساری زندگی مبارک کو سراہا گیا ہے اور اہل ایمان کو اس میں ہدایت دی ہے کہ اگر تم اللہ تبارک و تعالیٰ سے انعام کی امید رکھتے ہو، اس دنیا اور آخرت میں کامیابی چاہتے ہو تو حضور پُرنور رسول کریم ﷺ کی پاک زندگی کو اپنی پوری زندگی کے لیے مکمل نمونہ بنا لو اور اس کی پیروی کرو۔

اور آپ ﷺ چونکہ رحمت العالمین ہیں، سب کے لیے رحمت ہیں اس لیے آپ ﷺ کی زندگی مبارک اس طرح کی سادہ، صاف ستھری، نفیس طور اطوار، اطاعت و عبادت رب العالمین، اصول اور حق سے اس طرح مزین ہے کہ چھوٹا، بڑا، امیر غریب، حاکم و محکوم، فارغ مصروف غرضیکہ سب ہی اس سے یکساں مستفید ہو سکتے ہیں، ہوتے ہیں اور یہ ہر زمانے میں ہر ایک کے لیے قابل عمل و تقلید ہے۔

سورۃ احزاب آیت 56

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

ترجمہ ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والوان پر خوب درود وسلام بھیجو۔''

الحمد اللہ کیا شانیں، عظمتیں، رفعتیں ہیں ہمارے مکرم و محترم، پیارے رسول اللہ ﷺ کی کہ اللہ تبارک تو تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی آپ ﷺ پر ہمہ وقت درود وسلام بھیجتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمہ وقت آپ ﷺ پر رحمتوں کی، عنایتوں کی، نوازشات کی بارش برساتے ہیں۔

اور ہمیں جو یہ پیارا پیارا حکم ہے کہ اے ایمان والو! تم بھی ان پر خوب درود وسلام بھیجو۔ وہ اس لیے ہے کہ کائنات کے ہم رنگ ہو جاؤ اور اس متبرک عمل سے اپنے لیے رب العالمین کی رحمتیں، برکتیں، نوازشیں سمیٹ لو یعنی کہ درود وسلام بھیجو تو حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ پر اور اس متبرک عمل کی بنا پر اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے اپنے درجات بلند کرے گا اور فلاح دارین نصیب فرمائے گا یعنی یہ نیک عمل تمہاری اپنی فضیلت کے لیے ہے۔ اس آیت مبارک سے یہ صاف ظاہر ہے کہ آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجنا، پڑھنا واجب ہے۔ ہر مجلس میں بھی، آپ ﷺ کا ذکر کرنے والے اور سننے والوں پر بھی، ایک مرتبہ ضرور اور اس سے زیادہ بار مستحب ہے۔

اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی صلوٰۃ اور فرشتوں کی صلوٰۃ کے ساتھ اپنے آخری نبی کی فضیلت کا اظہار فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ہی اپنے بندوں کو آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا حکم دیا ہے۔

ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ حکایتاً بیان کرتے ہیں کہ بعض علمائے کرام نے اس فرمان رسالت یعنی قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، چین ہے) کی یہ تاویل بیان کی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے فرشتے جو مجھ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اس میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور یہ کہ قیامت تک میری امت کو مجھ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ یہ فرشتوں کی ایک قسم کی دعا ہے اور خالق و مالک کائنات اللہ رب العزت کی صلوٰۃ اپنے محبوب پر خاص باران رحمت کے نزول کا نام ہے۔

سورۃ احزاب آیت 45-46 میں ارشاد خالق و مالک کائنات ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝

ترجمہ ''اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور (آپ ہیں) چمکا دینے والا، چمکتے روشن آفتاب۔''

یہ آیت مبارک آپ ﷺ کی عظمتوں کا عظیم بیان ہے۔ اس آیت مبارکہ کے سارے الفاظ ہیرے موتی ہیں جن کا بیان وتعریف ہم سے ممکن نہیں۔ آپ ﷺ کی آٹھ صفات حمیدہ، درجات رفیعہ کا ذکر مبارک بہت خوبصورتی کے ساتھ ایک آیت میں سمو دیا ہے۔

اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ اس عالم سے پہلے ہی اپنی امت پر حاضر و ناظر ہو چکے تھے اور اسی طرح تمام عالم کے پیدا ہونے سے پہلے اپنے رب کی وحدانیت، حاکمیت و ربوبیت کو مشاہدہ فرماتے تھے اور آپ ﷺ تو آسمان ہدایت کا وہ روشن سورج ہیں کہ سب ہی آپ ﷺ سے روشنی، حرارت زندگی و توانائی حسب توفیق پا رہے ہیں اور آپ ﷺ کی خوبیاں، عظمتیں، اسوۂ حسنہ اس قدر درخشاں، نمایاں اور واضح ہے کہ انہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ اس کے سامنے اپنی آنکھیں بند نہیں کی جا سکتیں۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کے رتبۂ عالیہ کے نشانات اور کثیر اوصاف مدح جمع فرما دیئے ہیں۔ امت تک احکامات رب العالمین پہنچانے کے باعث آپ ﷺ کو "شاہد" ٹھہرایا اور یہ حضور انور سرکارِ دو عالم تاجدار کائنات ﷺ کے خصائص سے ہے۔ فرمانبرداروں کے لیے آپ "مبشر" اور نافرمانوں کے لیے "نذیر" بنائے گئے۔ توحید کا پرچار کرنے اور ایک خدا کی عبادت کرنے کا لوگوں کو درس دینے کے باعث "داعی" ہوئے اور دنیا والوں کو باطل کے اندھیرے سے حق کے اجالے میں لے جانے کے سبب "سراجاً منیراً" کہلانے کے حقدار ہوئے۔

اس آیت مبارک میں "چمکا دینے والا، روشن آفتاب" کے الفاظ بہت اہمیت کے حامل اور توجہ طلب ہیں۔ روشن آفتاب؟ آفتاب تو ویسے ہی ہمیشہ روشن ہوتا ہے لیکن نہیں، ہم زمین والوں کے لیے وہ ہمیشہ روشن نہیں رہتا، ہوتا ہے یعنی کہ ہمارے اور ہماری دنیا کے سورج کے درمیان بادل، دھند، دھواں وغیرہ کچھ بھی آ جائے تو وہ ہمارے لیے اتنا روشن نہیں رہتا اور ہم اس کی روشنی سے، گرمی سے اس طرح سے یا اتنا مستفید نہیں ہو پاتے جتنا کہ بصورت دیگر ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ وہ خاص روشن آفتاب ہیں جس کی روشنی اور تمام کائناتوں کی مخلوقات کے درمیان کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو آپ ﷺ کی روشنی، نور، ہدایت کو ان سے روکے یا وہ دیکھ نہ سکے یا پا نہ سکے یا اس سے مستفید نہ ہو سکے۔

اس میں دوسرا بہت اہم نقطہ یہ ہے کہ آپ دوسروں کو چمکا دینے والے ہیں یعنی کہ جیسے دنیاوی سورج کی روشنی سے چیزیں واضح ہو جاتی ہیں کہ پہچانی جا سکیں، جانی جا سکیں کہ اس دوران روشنی کا زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جا سکے۔ جب سورج کی روشنی گئی تو پھر سب کچھ ویسے ہی اندھیرا ہو گیا، اندھیرے میں چھپ گیا یا اپنی شناخت کھو بیٹھا۔

اس کے برخلاف نبی انور حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ وہ چمکا دینے والا آفتاب ہیں کہ روشنی پانے والے کو ہمیشہ کے لیے چمکا دیتے ہیں یعنی کہ جن خوش بختوں نے وہ روشنی، نور، ہدایت پا لی وہ ایسے روشن ہو گئے، ان کا ظاہر باطن ایسے روشن ہو گئے کہ وہ دوسروں کو پُرنور، منور ہی نظر نہیں آتے ہیں بلکہ ان سے نور، روشنی پھوٹتی نظر آتی ہے اور وہ اپنے اردگرد کو بھی اجالا کر رہے ہوتے ہیں۔ اس کی مثال کچھ اس طرح دی جا سکتی ہے جیسے قلعی گر کا میلے کچیلے برتنوں (تانبے کے) کو قلعی کرنا ہے۔

آپ نے کبھی دیگ یا دیگچی وغیرہ کو قلعی ہوتے دیکھا ہے۔ اگر نہیں دیکھا تو میں بتلاتا ہوں۔ آپ نے اپنے گھر، ماحول میں پرانی دیگیں، دیگچیاں تو دیکھی ہوں گی۔ اب جتنا سٹیل کے برتنوں کا رواج ہے اب سے پچاس سال پہلے اتنا ہی استعمال تانبے کے برتنوں کا تھا۔ تانبے کے برتن بہت صفائی مانگتے ہیں اور پھر بھی صفائی کے بعد وہ زیادہ دیر تک اپنی آب و تاب قائم نہیں رکھتے۔ اس لیے انہیں وقتاً فوقتاً قلعی کرالیا جاتا ہے۔

قلعی گر پہلے برتن کو اپنی دھونکی کے ذریعے تھوڑا سا گرم کرتا ہے اور پھر اس ایریا کو جس پر اس نے قلعی کرنی ہے (عموماً برتن کا اندر اور تھوڑا سا اوپر والا باہر کا حصہ) اسے ایک کیمیکل چھڑک کر کپڑے سے صاف کرتا ہے اور اس کے فوراً بعد ذرا سی قلعی (پوری دیگ کے لیے بمشکل ایک گرام) لے کر برتن میں جگہ جگہ لگا دیتا ہے اور اسے بڑی مہارت کے ساتھ (مٹھی میں روئی سے) پورے برتن میں یکساں لگا دیتا ہے۔ اس کے اس عمل سے وہ برتن ایک دم چمکدار نئی چاندی کا سا بن جاتا ہے اور بلا مبالغہ وہ برتن اس قدر صاف چمکدار اور خوبصورت ہو گیا ہوتا ہے کہ جی کرتا ہے کہ ایک دو دن تو اس میں کھانا نہ پکایا جائے بلکہ اسے یوں ہی رکھا جائے، دیکھا ہی جائے۔

بس یہی معاملہ حضور پُر نور پیغمبر اول و آخر و اعظم، چمکانے والے آفتاب ﷺ کا ہے کہ جسے آپ ﷺ کی روشنی، نور، ہدایت مل گئی، پالی، نصیب ہوگئی، آپ ﷺ اسے اندر باہر سے اسی طرح چمکا دیتے ہیں جس طرح قلعی گر میلے برتنوں کو چمکا دیتا ہے۔ آپ ﷺ بھی ظاہر و باطن کو اس طرح چمکا دیتے ہیں اور کائنات کو نورٌ علیٰ نور بناتے ہیں۔

سورۃ سبا آیت 28

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ ''اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی حالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے، خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔''

اس آیت مبارک سے یہ روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ

آپ ﷺ کی رسالت عامہ ہے۔ تمام انسان اس کے احاطہ میں ہیں۔ سب انسان چاہے وہ کسی بھی مذہب سے ہو، بے دین ہو، ملحد ہو، اس زمین پر کہیں بھی ہو، گورا ہو، کالا ہو، بچہ ہو، جوان ہو، بوڑھا ہو غرضیکہ ہر انسان آپ ﷺ کا امتی ہے۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ ہم سب کے رسول ہیں اور قیامت تک سب کے رسول رہیں گے۔ آپ ﷺ کی رسالت سے کوئی بھی انسان و جن و دیگر مخلوقات باہر نہیں ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث پاک ہے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے فرمایا ''مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔

1- ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی۔

2- تمام زمین میرے لیے مسجد اور پاک کی گئی کہ جہاں میرے امتی کو نماز کا وقت ہو، نماز ادا کرے۔
3- میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھیں۔
4- مجھے مرتبہ شفاعت عطا کیا گیا۔
5- اور انبیاء خاص اپنی اپنی قوم کی طرف سے مبعوث ہوئے تھے اور میں تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔

حدیث مبارک میں خاتم النبیین ﷺ کے فضائل مخصوصہ کا بیان ہے جس میں سے ایک رسالت عامہ ہے جو تمام انس و جاں اور دیگر مخلوقات تمام جہاں کے لیے یکساں ہے۔ اس مندرجہ بالا کا لب لباب یہ ہے کہ

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تمام خلق کے رسول ہیں اور یہ مرتبہ خاص صرف اور صرف آپ ﷺ کا ہے جو قرآن حکیم کی آیات پاک اور احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ اصل الموجودات، انسان کامل، حاصل کائنات، سرکارِ دو عالم، تاجدارِ کائنات، فخر اولاد آدم، محبوب ربّ العالمین، سیّد المرسلین، خاتم النبیین یعنی کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ہیں۔ آپ ﷺ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک ترین ہیں اور آپ ﷺ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے بعد اس کے حکم حکمت و اذن سے 99 صفات والے سب کچھ ہیں۔

فطری محاسن و اخلاقی کمالات

قاضی عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ نے فضائل و کمالات نبوی کے جواہرات لٹاتے ہوئے اپنی تصنیف لطیف ''کتاب الشفاء'' کے دوسرے باب میں حضور انور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اخلاقی اور فطری محاسن و کمالات بیان فرمائے ہیں جن کی تکمیل اللہ جل شانہ، قادر مطلق نے آپ ﷺ کے ذریعے فرمائی ہے کیونکہ پروردگار عالم نے تمام دینی اور دنیاوی فضائل و کمالات کو ذات مصطفوی سے منسلک کر دیا ہے۔

نبی اکرم، نور مجسم فخر دو عالم ﷺ کی محبت کا دم بھرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے جو اپنے آقا کی اجمالی قدر و منزلت کی تفصیل کے خواہاں ہیں کہ جلال و کمال کے خصائل آدمی میں دو قسم کے ہوتے ہیں۔ (1) ضروری دنیاوی جس کا انسانی جبلت اور دنیاوی حیات تقاضا کرتی ہے۔ (2) اکتسابی دینی جس کے باعث فاعل کی تعریف کی جاتی ہے اور اسے قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ اول الذکر کی مزید دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو دونوں قسم کے اوصاف میں سے ایک کے ساتھ خاص ہو اور دوسری وہ جو دونوں میں مشترک ہو۔

ضروری محض وہ ہے جس میں انسان کے کسب و اختیار کو کوئی دخل نہ ہو۔ جیسے حبیب پروردگار کی جبلت کریمہ میں کمال خلقت اور حسن و جمال کے ساتھ قوت عقل، صحت فہم، فصاحت زبان و بیان، قوت حواس و اعضاء اعتدال حرکات، شرافت نسب، قومی اعزاز اور وطن عزیز کا عز و شرف وغیرہ اور آپ کی ضروریات زندگی کا شمار بھی کمالات مصطفوی میں ہوتا ہے یعنی آپ کی غذا، نیند، لباس پہننا، سکونت پذیر ہونا، نکاح کرنا، نیز مال ا

جاہ و جلال کا ہونا۔ ان موخر الذکر خصائل کا تعلق آخروی حیات کی بہتری سے ہو جاتا ہے جب کہ سلوک و طریقت کے طور پر ان سے تقویٰ وطہارت اور اعانت بدن کا قصد کیا جائے۔ ان میں ضرورت کے مطابق نہیں بڑھا جاتا بلکہ قوانین شریعت کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

وہ اکتسابی خصائل جو آخرت میں کام آتے ہیں ان کا تعلق اخلاق عالیہ، حسنہ اور آداب شرعیہ و دینیہ سے ہے اور علم، حلم، صبر، شکر، عدل و انصاف، زہد و قناعت، انکساری، عفو و درگزر عفت، سخاوت، شجاعت، حیا، مروت، خاموشی، محبت، وقار، مہربانی، حسن ادب، حسن معاشرت اور ان جیسے دوسرے کمالات کا پایا جانا حسن اخلاق کی دلیل ہے اور ان میں وہ نیک اطوار بھی شامل ہیں جو بعض لوگوں کو پیدائشی طور پر حاصل ہوتے ہیں اور ان کی فطرت ثانیہ یا جبلت معلوم ہوتے ہیں جب کہ دوسرے کے کسب کو ان کمالات کے حصول میں داخل ہوتا ہے لیکن جبلت کے خمیر میں ان عادات کے بعض اصولوں کا حصہ ضرور ہوتا ہے۔ ان تمام اخلاق و عادات کو ہمیشہ ہر صاحب عقل و دانش نے محاسن وفضائل میں شمار کیا ہے لیکن یہ عمدہ عادتیں بھی اس وقت دنیاوی اور غیر مفید ہو کر رہ جاتی ہیں جب کہ انہیں رضائے الٰہی اور آخرت کی بہتری کے لیے اختیار نہ کیا گیا ہو۔

کمال و جمال کے جن خصائل و عادات کا اوپر ذکر ہوا ہے، اگر کسی بھی زمانے میں ان سے کسی شخص کے اندر ایسی ایک یا دو خوبیاں پائی جائیں مثلاً کسی کو نسب، جمال، قوت، علم، حلم، شجاعت اور سخاوت وغیرہ میں کوئی امتیاز حاصل ہو تو ایسا شخص قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور اس کا نام مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور دلوں میں اس کی عزت وعظمت سرایت کر جاتی ہے اور مدتوں اس کا نام روشن رہتا ہے۔ اے صاحب عقل و دانش! تیرا اس ہستی کی قدر و منزلت کے بارے میں خیال ہے جس کے اخلاق کریمہ اور جبلت حسنہ میں پسندیدہ عادتیں اس کثرت سے پائی جائیں کہ انہیں شمار کرنے سے عدد عاجز اور زبانیں گنگ ہو کر رہ جائیں۔ ساتھ ہی وہ کمال کے اس درجے پر ہوں کہ کسب وحیلہ کے ذریعے ان کمالات کا حصول ناممکن ہو، ہاں خدائے بزرگ و برتر و بخشندہ کی خاص کرم نوازی کا معاملہ اور ہے۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کی نبوت و رسالت کے فضائل سے خلعت، محبوبیت اصطفاء، اسراء، رؤیت باری تعالیٰ، وحی، شفاعت گنہگاراں، وسیلہ، درجہ رفیع الشان، مقام محمود، براق، معراج ساری کائنات کی طرف، بعثت انبیاء کے ساتھ (امام بن کر) نماز پڑھنا انبیائے کرام اور ان کی امتوں کے درمیان شاہد ہونا، بنی آدم کی سرداری، لواء الحمد، بشارت و نذارت، مالک عرش وفرش کے نزدیک منصب اطاعت، امانت، ہدایت، ہر فرد مخلوقات کے لیے رحمت رضا کا عطیہ سوال حوض کوثر، کلام الٰہی کا سننا، اتمام نعمت، اگلوں اور پچھلوں کی فروگزاشتوں کی معافی، شرح صدر، سہولت فرائض، رفع ذکر، تائید خداوندی کا اعزاز، نزول سکینہ، ملائکہ کی امداد، کتاب وحکمت اور سبع مثانی والقرآن العظیم ملنا، امت کا تزکیہ، مخلوق کو خالق کی طرف بلانا، اللہ اور فرشتوں کا صلوٰۃ بھیجنا، لوگوں کے درمیان حکم الٰہی سے حاکم و منصف ہونا، اگلی امتوں والی سختیوں اور تکلیفوں کو اس امت

سے ہٹانا۔

آپ کے اسم مبارک کی قسم، اجابت دعا، آپ کا جمادات سے کلام کرنا حالانکہ وہ زبان سے محروم ہیں، مردوں کو زندہ کرنا، بہروں کو سنانا، انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دینا، تھوڑے طعام کو زیادہ کر دینا، چاند کو شق کرنا، سورج کو واپس لوٹانا، قلب اعیان، رعب کے ذریعے مدد کیے گیے، غیوب پر اطلاع، ابر کا سایہ کرنا، کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، رنج والم کو دور فرمانا، آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنا وغیرہ ایسے کمالات ہیں جن کا کوئی محفل بھی احاطہ نہیں کر سکتی ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق کے سوا میں یہ طاقت ہی نہیں ہے کہ کمالات مصطفوی کا احاطہ کر سکے۔ علاوہ بریں جو اللہ رب العزت نے اگلے جہان میں شایان شان منازل مقدس درجات اور سعادت و خوبی کے مراتب اس کثرت سے اپنے حبیب ﷺ کے لیے مخصوص فرمائے ہیں جن کا احاطہ عقل کی حد سے باہر ہے بلکہ یہاں تو مرغان وہم وگمان کے بھی پر جاتے ہیں۔

اگر تو کہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ تجھے سرفراز فرمائے کہ حضور انور نبی کریم رؤف رحیم سرکار دو عالم ﷺ قدر و منزلت اور عزت وعظمت کے لحاظ سے دارین میں سب سے ممتاز ہیں جیسا کہ اس کے دلائل و شواہد اظہر من الشمس ہیں۔ اس امر کا اجمالی بیان بڑے خوبصورت انداز میں ہو چکا اور خواہشمند ہے کہ تفصیلی بیانات پر مطلع ہو کر اپنی کشت ایمان کو سیراب اور گلشن دین کو بہاروں سے ہم آغوش کرے تو اے طالب صادق! اللہ تبارک وتعالیٰ تیرے اور ہمارے دلوں کو منور فرمائے اور عشق مصطفیٰ عشق حبیب رب اللعالمین ﷺ کی جتنی دولت ہمیں نصیب ہوئی ہے، اس سے بدرجہا زیادہ اور عطا فرمائے۔

جاننا چاہیے کہ حبیب خدا ﷺ کے محاسن عالیہ ایسے ہیں جن میں کسب کو قطعاً دخل نہیں بلکہ وہ آپ ﷺ کی جبلت میں پیدائشی طور پر پائے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات مقدس میں فطری محاسن و کمالات اس طرح جمع ہو گئے ہیں کہ کوئی کمال اس احاطے سے باہر نہیں رہا۔ بے شمار احادیث میں جو آپ کے حسن و جمال کا چرچا ہے، ان کی صحت میں کلام نہیں بلکہ بعض اخبار و آثار تو صحت سے قطعیت اور وہاں سے حق الیقین کے درجے تک پہنچے ہوئے ہیں۔

درج ذیل کے قرآنی آیات واحادیث کے حوالہ جات بار بار پہلے موضوعات، مضامین میں گزر چکے ہیں، اس لیے یہاں درج نہ ہوں گے۔

1- آپ ﷺ کا نور پاک سب سے پہلی تخلیق ہے۔
2- آپ ﷺ اصل الموجودات ہیں یعنی سب کچھ آپ ﷺ سے ہے۔
3- آپ ﷺ کے سبب تمام جہان وجود میں لائے گئے۔
4- آپ ﷺ پیغمبر اول و آخر و اعظم ہیں۔
5- آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔

6- آپ ﷺ رحمت العالمین ہیں۔

7- آپ ﷺ کی رسالت، دین وشریعت گزشتہ 1450 سالوں سے ہے اور

8- آپ ﷺ کی رسالت، دین وشریعت قیامت تک کے لیے ہے۔

9- آپ ﷺ کی امت 1450 سالوں سے ساری دنیا کے انسان ہیں۔

10- آپ ﷺ کی امت قیامت تک جاری رہے گی۔

11- آپ ﷺ کی ماننے والی امت بھی دنیا کے ہر کونے، خطے میں موجود ہے۔

12- آپ ﷺ پر آسمان والے بھی درود وسلام بھیجتے ہیں یعنی

13- آپ ﷺ کے فرمانبردار، خیر خواہ، زمین کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔

14- اللہ تبارک وتعالیٰ جس طرح تمام جہانوں کے رب العالمین ہیں۔

15- آپ ﷺ بھی اسی طرح تمام جہانوں کے لیے رحمت العالمین ہیں۔

16- آپ ﷺ کی رسالت، صفات حمیدہ ہر میدان میں یکتا ومنفرد ہیں۔

تمام جہانوں میں، تمام دنیا میں اول یوم رسالت سے قیامت تک آپ ﷺ کی تمام صفات حمیدہ، عظمتوں، شانوں، رفعتوں کی گرد کو بھی چھو لینا کسی کے بس کا روگ نہیں ہے۔

مندرجہ بالا کی وجہ سے ہی آپ ﷺ کی رسالت کے بارے میں یہ فرمایا گیا کہ آپ ﷺ کی رسالت ایسی رسالت ہے جو تمام انسانوں کو گھیرنے والی ہیں۔ چلیں آپ ہی ان سوالوں کے جواب دیں اور خود نتیجہ اخذ کریں کہ کیا کوئی دنیا میں ایسا ہے جو آپ ﷺ کی رسالت، عظمتوں، صفات حمیدہ کے معیار سے باہر جا سکے؟

کیا کوئی ایسا ہے جو آپ ﷺ کی عظمتوں، صفات حمیدہ کی گرد کو بھی چھو سکے؟

کیا کوئی ایسا ہے جو آپ ﷺ کے کسی بھی میدان کے معیار تک پہنچ سکے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ کی تمام مخلوقات میں انس وجاں ہی تو صاحب عقل ہیں اور ان میں بھی اشرف المخلوقات انسان ہے تو دنیا کے انسانوں میں کوئی ایسا ہے؟

ایسا ہوا ہے یا ایسا ہو سکے گا؟

جو آپ ﷺ کے دینی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی، تمدنی معیار وصفات حمیدہ کی گرد کو بھی چھو سکے؟

یقیناً آپ ﷺ کی رسالت تمام انسانوں کو گھیرے ہوئے ہیں جیسے سورۃ رحمٰن کی آیت 33 میں فرمان الحاکمین ہے۔

یَامَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانفُذُوْا لَا تَنفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ○

''اے جن وانسان کے گروہ اگر تم سے ہو سکے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو

نکل جاؤ (مگر تم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ) جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے۔"

بس اسی طرح آپ ﷺ کی رسالت گھیرنے والی ہے، گھیرے ہوئے ہے۔

باہر جانے کی بات تو تب ہو جب کوئی حد یا حدود تک پہنچ سکے۔ جب کوئی معیار، حد معیار تک' پہنچ ہی نہیں سکتا تو باہر ہونا یا جانا کیسے ممکن ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کی رسالت تمام انسانوں کو گھیرے ہوئے ہے۔

خوف خدا و کثرت عبادت

حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا اپنے رب سے ڈرنا، اس کے احکام کی اطاعت میں کوشاں رہنا اور کثرت سے عبادت کرنا، یہ اس مخصوص علم کے باعث تھا جو اللہ تبارک و تعالیٰ قادر مطلق نے آپ ﷺ کو مرحمت فرمایا تھا۔ اس لیے تو سرور کون و مکاں ﷺ نے فرمایا ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے تو یقیناً کم ہنستے اور زیادہ روتے۔

سنن ترمذی میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں تفصیلاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ بھی سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان چرچراتے ہیں اور یہ درست ہے کیونکہ ان پر چار انگشت جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کسی فرشتے نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے اپنی پیشانی سجدے میں رکھی ہوئی نہ ہو۔ خدا کی قسم جو میں جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے تو یقیناً تمہارا ہنسنا گھٹ جاتا اور رونا بڑھ جاتا اور فرش زمین پر اپنی بیویوں سے لطف اندوز ہونا چھوڑ دیتے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ و زاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاتے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور انور نبی کریم سرکار دو عالم ﷺ اس کثرت سے نماز پڑھا کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے۔ جب بارگاہ رسالت میں گزارش کی گئی کہ حضور! آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں جب کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کے اگلوں پچھلوں تک کی تمام لغزشوں کو معاف فرما دیا ہے تو اس فخر انسانیت نے جواب دیا، کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جملہ معمولات میں ہیشگی ہوتی تھی۔ دوسرا کون شخص ہے جو ایسی طاقت رکھتا ہو؟ آپ فرماتی ہیں کہ حضور پُرنور سرور کون و مکاں ﷺ روزے رکھنے شروع کر دیتے تو ہمیں گمان گزرتا تھا کہ اب افطار نہیں فرمائیں گے اور افطار کرتے تو ایسا معلوم ہونے لگتا کہ اب روزے نہیں رکھیں گے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات نماز پڑھنے میں مصروف ہوئے اور ساری رات ایک آیت کی بار بار تلاوت ہی میں گزار دی۔

حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اکثر غمناک اور دائم الفکر رہتے تھے۔ آپ ﷺ کو آرام و راحت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ سرورِ کون و مکاں، پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے فرمایا، میں روزانہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے بخشش و مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ دوسری روایت میں ستر مرتبہ کا ذکر ہے۔

ان آیات مبارک کو میں نے اس خیال سے یہاں اکٹھے لکھ دیا ہے کہ یہ سب درج ذیل عبارت کے حوالہ کے طور پر پہلے ہی قاری کی نظر سے گزر جائیں، حوالہ کے طور پر پہلے ہی موجود ہوں اور مجھے ہر فقرے دو فقرے بعد حوالہ نہ دینا پڑے تا کہ عبارت میں تسلسل رہے اور وہ خوب قابل فہم ہونے کے ساتھ ساتھ مضمون و عبارت حوالہ یافتہ بھی کیونکہ درج ذیل عبارت یا مضمون ان ہی آیات مبارک پر مشتمل ہوگا۔

سورۃ نساء آیت 80

ترجمہ ''جس نے رسول کا حکم مانا (اطاعت کی) بے شک اللہ نے اللہ کا حکم مانا۔''

سورۃ یٰس آیت 17

ترجمہ ''اور ہمارے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا (اللہ کا پیغام)''

سورۃ فتح آیت 1

ترجمہ ''بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی۔''

سورۃ ضحیٰ آیت 7

ترجمہ ''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔''

سورۃ ضحیٰ آیت 4

ترجمہ ''اور بے شک پچھلی تمہارے لیے پہلی سے بہتر ہے۔''

سورۃ فتح آیت 2

ترجمہ ''تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔''

سورۃ فتح آیت 5

ترجمہ ''اور ان کی برائیاں ان سے اتار دے اور یہ اللہ کے یہاں بڑی کامیابی ہے۔''

سورۃ احزاب آیت 33

ترجمہ ''اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔''

سورۃ یٰس آیت 82

ترجمہ ''اس کا کام تو یہی ہے جب کسی چیز کو چاہے تو اسے فرمائے ہو جا، وہ فوراً ہو جاتی ہے۔''

سورۃ حجرات آیت 13

ترجمہ ''بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔''

سورۃ ملک آیت 14

''کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا اور وہی ہے ہر باریکی جانتا خبردار۔''

سورۃ یٰسٓ آیت 77

ترجمہ ''اور کیا آدمی نے نہ دیکھا کہ ہم نے اسے نطفہ، جرثومہ سے بنایا۔''

سورۃ ضحیٰ آیت 5

ترجمہ ''اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔''

سورۃ حاقہ آیت 40

ترجمہ ''بے شک یہ قرآن کرم والے رسول سے باتیں ہیں۔''

سورۃ کہف آیت 6

ترجمہ ''تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے پیچھے (ان کے لیے) اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں غم سے۔''

سورۃ یوسف آیت 105

ترجمہ ''اور کتنی ہی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں کہ اکثر لوگ ان پر گزرتے ہیں اور ان سے بے خبر رہتے ہیں۔''

سورۃ بنی اسرائیل آیت 14

ترجمہ ''فرمایا جائے گا اپنا اعمال نامہ پڑھ، آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو کافی ہے۔''

سورۃ سبا آیت 28

ترجمہ ''اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔ خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔''

قارئین کرام! حضور پُرنور پیغمبر اول و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوب خاص اور آخری (خاتم النبیین) نبی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت، عبدیت، محبت و قربت میں بھی آپ ﷺ تمام مخلوق سے کہیں زیادہ ہیں، کہیں آگے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی طرح آپ ﷺ کو اپنی صفات کے ننانوے نام عطا فرمائے ہیں اور آپ ﷺ تمام صفات میں کامل ہیں اور تمام جہانوں کے لیے خوبصورت دلکش نمونہ ہیں۔ آپ ﷺ انسان کامل ہیں، پیغمبر اول و آخر و اعظم ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور انور رسول کریم ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت یا حکم ماننا کہا ہے۔ بچپن سے

زائد آیات مبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ اپنے محبوب خاص کا نام بھی لگایا ہے اور سورۃ احزاب کی آیت 37 میں تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ ''جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی'' یعنی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بعد تمام جہانوں میں، تمام جہانوں کے لیے سب کچھ آپ ﷺ ہی ہیں۔

قرآن حکیم اللہ تبارک وتعالیٰ کی اپنے محبوب رسول کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے باتیں ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیغمبر اول و آخر و اعظم سے فرماتے ہیں۔ میرے محبوب نبی میں تمہاری شب بیداری، عبدیت، پرشوق، پرخلوص عبادت، خود رفتہ محبت، انتھک محنت اور انس و جاں کی، سب کائنات کی بھلائی، رہنمائی، خدا شناسی کے لیے شدید خواہش سے بہت بہت خوش ہوں۔ میری مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ پہچاننے (ڈرنے) والے، خوشی دینے والے تم ہی ہو۔ تم ہی انسان کامل ہو اور میرے نزدیک ترین تم ہی ہو۔

تم نے میری پہچان خوب سے خوب تر کرا دی ہے۔ تبلیغ کا حق بہت احسن و کامل طریقے سے ادا کر دیا ہے۔ تمہارا کام تو میرا پیغام پہنچانا ہی تھا لیکن تم تو میرے پیغام کو احسن طریقے سے پہنچا دینے کے باوجود میری مخلوق کی فلاح و رحمتوں کے لیے اس سے بھی آگے جانا چاہتے ہو کہ زیادہ سے زیادہ بنی نوع انسان و جن راہ راست اختیار کریں، میری رحمتیں اور نوازشیں پائیں اور ابدی کامیابی سے ہمکنار ہوں۔ سب کچھ کا کرنے والا تو میں ہوں، میں جو چاہوں گا وہ کروں گا لیکن تمہاری تمام کائنات کی بھلائی، اپنے امتیوں کی رہنمائی و بھلائی کی شدید خواہش سے میں بہت بہت خوش ہوں۔

تم نے اپنی پرشوق پرخلوص محبت، عبادت، عبدیت کے سبب مقام محمود کما لیا اور شفاعت عظمیٰ کے بھی حقدار ہو گئے ہو۔ میرے محبوب میں تمہاری اعلیٰ ترین کارکردگی کے سبب تم سے اتنا خوش ہوں کہ میں نے خوشی خوشی تمہیں روشن فتح کی خوشخبری دے دی۔ یہ روشن فتح کوئی محدود چیز نہیں ہے۔ اس کا تعلق دونوں جہانوں میں ہر بھلائی و خوبی سے ہے۔ اس کا تعلق ہر پہلو اور ہر دن سے ہے۔ اس لیے میں نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ تمہارا ہر آنے والا (وقت) دن، گزرے دن (وقت) سے بہتر ہوگا۔ اب ابد تک ترقی پذیر رہو گے۔ شفاعت عظمیٰ کرو گے اور مقام محمود پر فائز ہو گے اور ہاں میرے تمام انبیاء معصوم ہیں۔ ہر کچھ کا پیدا کرنے والا، بنانے والا تو میں ہوں۔ میرے خزانوں میں سے کس کس نے کیا کیا لیا ہے، پایا ہے یا کس کو میں نے کیا بنایا ہے۔ یہ میں ہی جانتا ہوں۔

میں نے اپنے انبیاء کو معصوم بنایا ہے۔ یہ بشری تقاضوں کے تحت، میری حکمت کے تحت بھول تو سکتے ہیں، گناہ نہیں کر سکتے اور انسان کا مطلب ہی بھولنے والا ہے۔ تم میرے پیغمبر اول و آخر و اعظم ہی نہیں بلکہ معصومیت میں بھی تم اول و آخر و اعظم ہو۔ میں تمہاری اعلیٰ ترین عبدیت، پرشوق پرخلوص عبادت، خود رفتہ محبت اور میری پہچان کرانے میں انتھک محنت سے اس قدر خوش ہوں کہ میں نے تمہارے اعزاز میں، صدقے میں، اپنی خدائی حکمت و حاکمیت سے تمہارے تمام اگلوں (اباؤ اجداد، ان میں اگر کوئی گنہگار ہوں) کے گناہ بخش

دیئے ہیں اور تمہارے پچھلوں (آل پاک، امتی صالحین، مومنین جنہوں نے صدق دل سے تمہارا اتباع کیا) کے گناہ بخش دوں گا۔ ان سے ان کی برائیاں دور کر دوں گا (اور انہیں بخش دوں گا)

میں نے تمہاری آل سے بھی نجس و ناپاکی کو بھی دور کر دیا ہے۔ آل پاک کو صاف و ستھرا کر دیا ہے کیونکہ میں جو چاہتا ہوں، وہ کر دیتا ہوں اور میرا کرنا یہی ہے کہ میں کہہ دیتا ہوں "ہو جا" اور میں جو چاہتا ہوں وہ ہو جاتا ہے۔ میں تو قادر مطلق ہوں، حاکم الحاکمین ہوں، عزیز و حکیم ہوں، وحدہ لاشریک ہوں، میں ہی حق ہوں اور میرے تمام نظام، نظام کائنات حق پر مبنی ہیں۔ میرے نزدیک تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو تقویٰ میں سب سے زیادہ ہے، جو مجھ سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے اور سب کے دل کے بھید، اعمال، نیت اعمال اور تقویٰ میں ہی جانتا ہوں اور میری حکمت و اذن سے میرے محبوب تم بھی جانتے ہو اور کچھ کچھ وہ بھی جان سکتے ہیں جنہیں تم جان جانے کے لئے پسند کر لو۔

میرے محبوب! تمہارا اپنی امت (تمام انس و جاں) و کائنات کی فلاح و بہبود کے لیے فکر مند ہونا تمہاری ایک بہت بڑی خوبی ہے جو ضرور رنگ لائے گی۔ میں نے انس و جاں کو عقل سے نوازا ہے۔ ان کے ذی شعور اور صاحب اختیار ہونے کے سبب میں ان سے یہ چاہتا ہوں کہ یہ تمہارے اتباع میں حق کو پہچانیں، مجھے پہچانیں مگر ان میں سے اکثر تو اس کے لیے اپنی عقل کو استعمال ہی نہیں کرتے بلکہ میری قدرت میں خامیاں تلاش کرتے ہیں۔ جس عقل سے انہیں مجھے پہچاننا چاہیے اسی سے یہ مجھ سے دور ہو جاتے ہیں۔

ہر انس و جاں تو میری مصلحتوں، حکمتوں، تقدیر و نظام کائنات کو نہیں سمجھ سکتا۔ نہ ان میں کی اکثریت کبھی میری نشانیوں پر غور و خوض کرتی ہے بلکہ یہ صاحب عقل و اختیار ہوتے ہوئے کوئی گناہ یا غلطی کرنے کے بعد اس سے یہ (طفل تسلی کر دے) کہہ کر "کہ یہ تو کاتب تقدیر نے میرا مقدر کر دی تھی" اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھتے ہیں۔

کیا ان کا پیدا کرنے والا، بنانے والا ہی ان کے بارے میں نہ جانے گا، ان کی تقدیر نہ لکھ سکے گا جب کہ وہی لطیف و خبیر ہے۔ کیا "کن فیکون" کے مالک کے لیے، کیا میرے لیے یہ مشکل ہے کہ تمہیں اس دنیا میں لانے سے بہت بہت پہلے، عالم ارواح میں عقل و اختیار اور یہ مکمل ماحول، حالات، سامان زیست، وقت جو تم اس دنیا میں گزارتے ہو،، وہ عالم ارواح میں ہی دے کر تمہاری تقدیر لکھ دوں۔ تم بھی تو اپنے کمپیوٹرز پر، سی مولیٹرز (Simulators) پر اصل جیسا ماحول پیدا کر لیتے ہو، پھر میں تو خالق مالک، خلاق العلیم و قادر مطلق ہوں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ بڑ کے درخت کا بیج رائی کے دانے جتنا ہوتا ہے اور اس میں اتنے بڑے درخت کی پوری ساخت، زندگی، تقدیر موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح تمہاری بھی ساخت، شخصیت، زندگی، تقدیر اس جرثومے (ایک خلیہ) میں مکمل موجود ہوتی ہے جس سے میں تمہیں بناتا ہوں، پیدا کرتا ہوں۔

میں تمہیں ہر طرح سے آزما کر، پرکھ کر، دیکھ کر تمہاری عالم ارواح میں کارکردگی کے مطابق تمہاری تقدیر لکھ چکا ہوں۔ یوں سمجھ لو کہ اس دنیا میں تم اس کا ری پلے (Replay) کر رہے ہو اور یہ ری پلے اس لیے کہ تم خود اپنے کیے پر گواہ ہو اور ابدی زندگی کے انصاف کے تقاضے پورے ہوسکیں۔

میرے محبوب میں نے تمہیں ایسی رسالت عطا کر کے بھیجا ہے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔ تم نے میرا پیغام بہت احسن و کامل طریقے سے میری مخلوق (انس و جاں) تک پہنچا دیا ہے۔ جیسا کہ میں نے اسی آیت میں فرما دیا ہے تمہاری عظمت، شان و رفعت و مرتبہ کو اس دنیا میں بہت لوگ نہیں جانتے لیکن جب میدان حشر سجے گا اور تم مقام محمود پر فائز ہو گے اور شفاعت عظمٰی کرو گے تو سب انس و جاں ''گھیرنے والی رسالت'' کا مطلب جان جائیں گے، سب مان جائیں گے اور اے میرے محبوب میں نے جو یہ وعدہ فرمایا ہے کہ میں تمہیں خوش کروں گا، راضی کر دوں گا۔ اور یہ اعزاز تم نے اپنی محنت و محبت سے اس دنیا پر ہی کما لیا ہے لیکن یہ تمہارا اعزاز، عظمت، شان و رفعت اس وقت بہت کم لوگوں کو سمجھ آتی ہے، معلوم دیتی ہے۔ یہ تو سب کو اس وقت معلوم دے گی جب تم مقام محمود پر کھڑے ہو گے اور شفاعت عظمٰی کرو گے۔ اس دن آدم سے لے کر آخری پیدا ہونے والی انسانی روح، انسان تک، سب کی نگاہیں تم پر ہی ہوں گی۔ اس دن سب کو یوں لگے گا، معلوم دے گا کہ میں نے اپنی خدائی، رحمتیں تمہیں ہی دے دی ہیں اور تم ہی نے اب سب کو انجام تک پہنچانا ہے۔

اس دن تم جو چاہو گے وہ ہوگا، جس طرح چاہو گے اسی طرح ہوگا۔ جو مانگو گے میں دوں گا اور یوں میرا وعدہ پورا ہو جائے گا۔ اس دن سب ذی شعور تمہاری عظمت، شان و رفعت آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور کانوں سے سن لیں گے اور تمہاری عظمت شان و رفعت سب پر عیاں ہو جائے گی اور اس دن کا قیام بھی اس مقصد سے ہے۔ یعنی کہ سب پر تمہاری عظمت شان و رفعت عیاں کرنا مقصود ہے۔

ان معیاروں میں سے، صفات حمیدہ میں سے سمجھانے کی خاطر درج ذیل صرف ایک بطور مثال پیش کر رہا ہوں۔ آپ اسے غور سے پڑھیے، بار بار پڑھیے اور اپنے دل میں اندازہ کیجئے کہ کیا یہ ممکن ہے اس معیار کی، اس صفت پاک کی گرد کو بھی کوئی چھو سکے گا؟

اگر آپ کا جواب ''نہیں'' میں ہے تو یہ سچ ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت تمام انسانوں کو گھیرے ہوئے ہے لیکن جیسا کہ اسی آیت پاک کے آخر میں ہے ''بہت انسان اس حقیقت کو نہیں جانتے نہیں سمجھ سکتے۔''

تمام صفات حمیدہ میں سے میں جس صفت، خوبی کی مثال دے رہا ہوں۔ اس کے پڑھنے سے پہلے یہ جان لیں کہ

1- آپ ﷺ کا یہ فقر اختیاری تھا۔

2- آپ ﷺ صحیح معنوں میں ہفت اقلیم کے سربراہ تھے۔

3- بلکہ مملکت اسلام کا رقبہ اتنا بڑا تھا کہ اس میں کئی ہفت اقلیم سما سکتی تھیں۔

4- مدینہ منورہ، مکہ معظمہ اور سارا علاقہ ہر طرح سے خود کفیل تھا۔
5- اللہ کا کرم خاص کہ ہر طرف سے سیم وزر، مال مویشی کی بھرپور آمد جاری تھی۔
6- اجتماعی خوشحالی وفراخی سامان زیست کا دور دورہ تھا۔
7- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاں ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے وہاں وہ یقینی طور پر ہادی دو جہاں ﷺ کے حکم واشارہ کے ہر وقت منتظر ہوتے تھے۔
8- ہر کسی کی خواہش ہوتی تھی کہ اللہ کرے حبیب خدا ﷺ خدمت کا موقع دیں۔
9- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے خوشحال لوگوں کی کمی نہ تھی جو تنہا ایک جیش کو تیار کر سکتے تھے۔
10- یہ خوشحالی روز افزوں تھی اور اتنی روز افزوں کہ خلیفہ اول کے دور میں زکوٰۃ لینے والے ڈھونڈنے پڑتے تھے اور خلیفہ دوئم کے دور میں تو ''دریائے فرات کے کنارے بھی (مدینہ منورہ سے بہت دور، اسلامی مملکت میں کہیں بھی) ایک کتے کا بھوکے رہنا بھی'' گوارا نہ تھا۔
11- ہر چھوٹا بڑا، ہر صحابی ہر وقت دل وجان سے قربان ہوا چاہتا تھا۔
12- اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے خالق ومالک وقادر مطلق نے بھی زمین کے تمام خزانے آپ ﷺ کے حوالے کر دیئے تھے۔

اس سب کچھ کے باوجود آپ ﷺ کی دنیا سے بے رغبتی کا' اللہ کی رضا میں خود اختیار کردہ فقر کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد ایک درہم تک ملکیت میں نہ نکلا بلکہ گھریلو ضروریات پوری کرنے کے لیے آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

دنیا سے بے رغبتی

رسول اللہ ﷺ کے زہد کے بارے میں طالب حقیقت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ دنیا کے مال ومتاع اور اس کی آرائشوں سے آپ ﷺ نے ایسی حالت میں اجتناب فرمایا جب کہ وہ آپ ﷺ کے قدموں میں بکھری پڑی تھی اور پے در پے فتوحات ہو رہی تھیں حتیٰ کہ اس بے رغبتی کی حالت میں آپ ﷺ نے دنیا کو خیر باد کہا اور اس وقت خانگی اخراجات کے باعث آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! آل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وبارک وسلم) کو اتنا رزق دے کہ وہ اپنی زندگیاں باقی رکھ سکیں۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ظاہری حیات میں کبھی سیر ہو کر متواتر تین دن کھانا نہیں کھایا۔ دوسری روایت میں ہے کہ کبھی متواتر دو دن سیر ہو کر جو کی روٹی نہیں کھائی۔ حالانکہ اگر آپ ﷺ چاہتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اتنا عطا فرماتا رہتا کہ وہم وگمان بھی

اس کا اندازہ نہ کر سکتے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ نے کبھی سیر ہو کر گندم کی روٹی نہیں کھائی۔ یہاں تک کہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بوقت وصال نہ تو ترکے میں درہم و دینار چھوڑے اور نہ اونٹ بکری وغیرہ۔

حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور انور نبی کریم سرور کون و مکاں تاجدار کائنات ﷺ نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا، وصال کے وقت آپ ﷺ کے جنگی ہتھیار تھے، ایک خچر تھا اور کچھ زمین تھی لیکن یہ تمام چیزیں صدقے کے طور پر لوگوں کو عنایت فرما دی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی جدائی کے وقت میرے گھر میں صرف تھوڑے سے جو تھے جنہیں میں نے کٹھلیا میں ڈالا ہوا تھا، ان کے علاوہ میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے۔

حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

''میرے سامنے یہ پیشکش رکھی گئی کہ میرے لیے مکہ مکرمہ کی وادی سونے کی بنا دی جائے۔ میں نے گزارش کی، اے رب! میں ایک روز بھوکا اور دوسرے روز شکم سیر رہنا چاہتا کیونکہ جس روز میں بھوکا رہوں گا تو تیری بارگاہ میں گریہ وزاری پیش کروں گا اور دست دعا دراز کیا کروں گا اور جس روز سیر ہوں گا تو تیری حمد و ثناء بیان کیا کروں گا۔''

دوسری حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ:

بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کے لیے سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لیے اس پہاڑ کو سونا بنا دیا جائے اور جہاں کہیں بھی آپ تشریف فرما ہوں یہ آپ کے ساتھ رہے گا۔ آپ ﷺ نے تھوڑی سی دیر سر جھکائے رکھا، پھر فرمایا! اے جبریل! دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی ٹھکانہ نہیں اور اس کا مال ہے جس کے پاس حقیقی دولت نہیں۔ اسے وہی شخص جمع کرتا ہے جس کے پاس عقل و خرد کا توڑا (کی کمی ہو) ہو۔ جبریل علیہ السلام عرض گزار ہوئے کہ اے ممدوح پروردگار! اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو حقیقت آشنائی والے مقام پر ثابت قدم رکھا ہوا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہم ایسے آل محمد (ﷺ) ہیں کہ بعض اوقات سارا مہینہ گزر جاتا لیکن ہمارے گھر میں آگ روشن کرنے کی نوبت ہی نہ آتی۔ صرف کھجوروں اور پانی پر ہی گزر اوقات ہوتی رہتی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تاجدار کائنات سرکار دو عالم ﷺ نے پردہ فرمانے تک کبھی سیر ہو کر جو کی روٹی بھی نہ کھائی اور یہی حالت آپ ﷺ کے گھر والوں کی رہی۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی مجدد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں نذرِ عقیدت پیش کی ہے:۔

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

اسی طرح کی ایک اور حدیث حضرت عائشہ صدیقہ، ابوامالہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل وعیال بعض اوقات کئی کئی راتیں متواتر اس لیے بھوکے گزار دیتے کہ گھر میں شام کے کھانے کے لیے کوئی بھی چیز نہ ہوتی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے دسترخوان پر کھانا نہیں کھایا اور نہ امراء کی طرح چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں کھاتے۔ آپ کے لیے چپاتی کبھی نہیں پکائی گئی اور بکری کا بھنا ہوا گوشت تناول فرمانا بھی ناپسند تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جس بچھونے پر رسول اللہ ﷺ آرام فرمایا کرتے تھے، وہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ سرکار دو عالم رسول معظم ﷺ کا بستر بالوں سے بنی ہوئی ایک چادر پر مشتمل تھا جسے ہم دوہری کرکے بچھا دیا کرتے اور آپ ﷺ اس پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ام المومنین فرماتی ہیں کہ ایک رات ہم نے اس کی چار تہہ کرکے بچھا دیا۔ صبح ہوتے ہی آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج رات میرے لیے کیا بچھایا تھا؟ ہم نے عرض کیا کہ اسی چادر کی چار تہیں کر دی تھیں۔ فرمایا، اسے پہلی طرح ہی بچھایا کرو کیونکہ آج اس کی نرمی نے مجھے نماز سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ جب کبھی چارپائی پر آپ ﷺ آرام فرما ہوتے جو کھجور کے پتوں کی رسی سے بنی ہوئی ہوتی تو اس سے آپ ﷺ کی کروٹوں میں نشان پڑ جایا کرتے تھے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا اور اس امر کا کسی سے تذکرہ بھی نہیں فرمایا کیونکہ فاقہ آپ کو شکم سیری سے زیادہ عزیز تھا۔ جب کبھی آپ رات کو بھوکے سوتے تو اگرچہ ساری رات بھوک کے مارے بے قرار رہتے لیکن یہ حالت بھی دن کو روزہ رکھنے کے ارادے میں حائل نہ ہوسکتی۔ اگر آپ چاہتے اور اپنے ربّ کریم سے سوال کرتے تو وہ منعم حقیقی آپ کو بے بہا زمین کے خزانے اور وافر پھل وغیرہ مرحمت فرماتا رہتا، جن کے باعث آپ آرام سے زندگی بسر فرماتے رہتے۔

آپ کی فاقہ کشی کی حالت کو دیکھ کر بعض اوقات میں رو پڑتی تھی۔

ادھر آنکھوں سے آنسو گر رہے ہوتے اور ادھر آپ کے شکم اطہر پر ہاتھ پھیرتی جاتی اور عرض گزار ہوتی کہ قربان جاؤں آپ دنیا سے کم از کم اتنا حصہ تو قبول فرما لیا کریں کہ جس سے فاقے کی اذیت نہ اٹھانی پڑے تو

آپ زبان حق ترجمان سے فرماتے کہ عائشہ! مجھے دنیا سے کیا سروکار۔ میرے بھائی اوالعزم پیغمبروں نے اس سے بھی کٹھن حالات میں صبر کا دامن تھامے رکھا، حتیٰ کہ دنیا سے تشریف لے گئے اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ خالق و مالک کائنات رب العزت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو صبر وقناعت کے باعث وہ عزوشرف سے نوازے گئے اور اجرعظیم پایا۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر دنیا کی زندگی آرام سے بسر کرنے لگوں تو کل مجھے ان سے کم اجر ملے گا جو میرے لیے یقیناً ندامت کا باعث ہوگا۔ مجھے خدا کے ان دوستوں کی موافقت سے بڑھ کر کسی چیز کی رغبت نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ صرف ایک ماہ اس دنیا میں جلوہ افروز رہے اور پھر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ اصحابہ وسلم)

کیا دنیا میں کوئی ایسا مصلح ہے جو ہمارے پیارے نبی، حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم سرکار دو عالم ﷺ کی طرح یتیموں کا والی، بیواؤں کا سہارا، بے وسیلوں کا وسیلہ اور مسکینوں کا مددگار ہو؟ ہے کوئی ایسا بادشاہ جو حضرت نبی الامی ﷺ کی طرح شفیق، مہربان، رؤف، رحیم، دوسروں کے غم کو اپنا غم محسوس کرنے والا، دوسروں کی بھلائی کا خواہش مند، پختہ ارادے والا، حق کا طالب، گمراہی سے کنارہ کرنے والا، سیدھی راہ کا متلاشی اور عذاب الٰہی سے پناہ مانگنے والا ہو؟ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے۔ سورۃ توبہ آیت 128

لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○

ترجمہ ''بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔''

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی بھی ایسا انقلاب نہیں آیا جسے عالم گیر انقلاب کہا جا سکے۔ دنیا میں جو بھی انقلاب آئے وہ سب ایک خاص طبقے، قوم یا ملک کے فائدے کے لیے لائے گئے۔ لیکن اسلامی انقلاب وہ عالمگیر انقلاب ہے جو تمام بنی نوع آدم (بنی نوع انس و جاں) کی اصلاح اور بھلائی کے لیے آیا ہے۔ دنیا میں جو بھی مصلح آئے، ان کی تعلیم ایک مخصوص ملک یا قوم تک محدود رہی۔ اگر کسی نے معاشی اصلاح کی طرف دھیان تو اس نے اخلاقی قدروں کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اگر کسی نے اخلاقی اصلاح کے لیے جتن کیے تو وہ سیاسی شعور کو نظر انداز کر گیا۔ اگر کسی جماعت نے سماج سدھار کا کام کیا تو مذہب کو پس پشت ڈال دیا لیکن سیرت محمدی ﷺ کا مقام تو اتنا افضل اور ارفع ہے کہ ہمارے پیارے آقا ومولی، دونوں جہانوں کے سردار تاجدار کائنات، ہادی اعظم سید دو عالم، نور مجسم ﷺ کو رحمت العالمین اور خاتم النبیین کا تاج پہنا کر سارے عالم کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا، جن کی تعلیم کسی خاص قوم ملک یا وقت کے لیے نہ تھی بلکہ پورے انسانی معاشرے اور ہر دور کے لیے ہے۔ جیسا کہ سورۃ اعراف کی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد پاک

ہے:

ترجمہ ”(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہو اے انسانو! میں تم سب کی جانب خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔“

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی ایسا انسان پیدا نہیں ہوا ہے اور نہ کبھی پیدا ہوگا جو سیرت محمدی ﷺ کے بلند مقام تک پہنچنے کا دعویٰ کر سکے۔

تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھیں اور بتائیں کہ ایسا کون سا انسان ہے جو ہر دور میں اور ہر جگہ انسانی زندگی کے لیے بہترین نمونہ کہلا سکے؟ سید سلیمان ندوی اپنی تصنیف ”خطبات مدارس“ میں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی جامع اور کامل سیرت پاک کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”اگر دولت مند ہو تو مکے کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہو تو شعب ابو طالب کے قیدی اور مدینے کے مہمان کی کیفیت سنو۔ اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو۔ اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ۔ اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو۔ اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو۔ اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور اپنے مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو۔ اگر یتیم ہو تو عبداللہ اور آمنہ کے جگر گوشے کو نہ بھولو۔ اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو۔ اگر عدالتوں کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبے میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبے کے ایک گوشے میں کھڑا (چن رہا ہے، لگا رہا ہے) کر رہا ہے۔ مدینے میں کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برابر تھے۔ اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر اولاد والے ہو تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے باپ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے نانا کا حال پوچھو۔ غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لیے نمونہ تمہاری سیرت کی درستی اور اصلاح کے لیے سامان تمہارے ظلمت خانہ کے لیے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور پیغمبر اول و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر کچھ، ہر وقت ہر لمحہ مل سکتا ہے۔

یعنی حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اپنی سیرت اور صورت کے لحاظ سے تمام نبیوں سے افضل ہیں۔ کوئی بھی نبی آپ ﷺ کے علمی مقام اور شان کریمی کے قریب نہ پہنچ سکا۔ حضور انور ﷺ کی ذات اقدس اور اطہر بزرگی کا سراج ہے اور تمام انبیائے کرام ان کے تارے ہیں اور یہ تارے جاہلیت اور ظلمت والے اپنے اپنے دور میں حضور پُرنور ﷺ کے ہی انوار و تجلیوں کو ظاہر کرتے رہے ہیں۔

سورۃ محمد آیت 2

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝

ترجمہ ''اور اس پر ایمان لائے جو محمد پر اتارا گیا اور وہی ان کے رب کے پاس حق ہے۔''

قرآن حکیم میں آپ ﷺ کا نام (محمد) مبارک چار سورتوں میں کل چار دفعہ ہی آیا ہے۔ آپ ﷺ کے نام کے ساتھ یا بغیر نام کے اللہ تبارک وتعالیٰ کا اندازِ تخاطب یا فرمان سب ہی اس انداز ونوعیت کے ہیں کہ کوئی بھی ذی شعور انسان انہیں پڑھ کر یہ کہے، یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نبی کریم رؤف ورحیم پیغمبر اول وآخر واعظم ہی تمام عظمتوں، شانوں ورفعتوں کے مالک ہیں اور یہ کہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ رب العزت نے آپ کے منصب رفیع اور ظاہری باطنی اعلیٰ ترین عظمت، شان ورفعت کی خبر دی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں آپ کے اسم مبارک کے ساتھ کسی جگہ خطاب نہیں فرمایا بلکہ جو بھی خبر دی ہے، فرمایا ہے وہ کنایۃً، اشارۃً اور وہ بھی جب فرمایا ہے نبوت یا رسالت کے ساتھ کے حوالہ سے فرمایا ہے۔

اس بارے میں حافظ ابونعیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور انور سرکار دو عالم ﷺ کی فضیلت اسی سے عیاں ہے کہ خود اللہ رب العزت نے آپ کے منصب رفیع اور ظاہری وباطنی عظمت کی خبر دی ہے۔ خالق ومالک کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ کسی جگہ خطاب نہیں فرمایا بلکہ خبر بھی دی ہے تو کنایۃً اشارتاً اور وہ بھی نبوت ورسالت کے ساتھ۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فخر ہو سکتا ہے اور اس سے ارفع واعظم اور زیادہ باعزت مقام اور کون سا ہے؟ حالانکہ دیگر انبیائے کرام اور ان کی قوموں کو نام لے کر مخاطب کیا گیا اور ان کے منصب کا ذکر بھی کنایۃً نہیں کیا، کیونکہ کنایہ اعلیٰ ترین منصب پر دلالت کرتا ہے، ہاں جس مقام پر دیگر انبیائے کرام کے ساتھ نبی کریم ﷺ بھی مذکورہ ہوں تو خطاب وخبر میں مشارکت کے باعث وہاں سب کا ذکر کنایہ کے طور پر کیا گیا لیکن جب علیحدہ ان کا ذکر ہوا تو نام لے کر۔

جب کسی بزرگ یا معظم مخاطب کو نام لے کر نہ پکارا جائے بلکہ کنایۃً اس سے خطاب کیا جائے تو اس میں اس بزرگ کی حد درجہ تعظیم ہے کیونکہ جو تعظیم کے غایت (اعلیٰ ترین) درجے پر پہنچا ہوا ہو اسی کے نام سے کنایہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ بادشاہ ہے تو اسے بادشاہ سلامت کہا جاتا ہے۔ اگر وزیر ہے تو اسے وزیر محترم کہا جائے گا۔ اگر خلیفہ ہو تو اسے اے محترم خلیفہ سے مخاطب کیا جائے گا۔ اگر وہ عالم دین ہے تو اسے نام کے بجائے اے محترم عالم دین کہیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو فضیلت عظمیٰ عطا فرمائی ہے اور چونکہ آخری رتبے اور فضیلت علیہ تک پہنچایا ہے اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے خالق ومالک ہونے کے باوجود آپ کو یوں مخاطب فرمایا:

''اے نبی''

''اے رسول''

''کیا آپ نے دیکھا نہیں''

''آپ فرمائیں''

کتنی ہی آیات میں اسی طرح خطاب فرمایا گیا ہے لیکن حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کو ان کا نام لے کر مخاطب کیا گیا اور ان کے متعلق خبر دیتے وقت بھی یہی انداز اپنایا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سورۃ بقرہ آیت 35

ترجمہ ''اے آدم! تو اور تیری بی بی اس جنت میں رہو۔''

(حضرت آدم علیہ السلام کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

سورۃ طٰہٰ آیات 121-122

ترجمہ ''اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔ پھر اسے اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قریب خاص کی راہ دکھائی۔''

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوں مخاطب کیا:

سورۃ ہود آیت 48

ترجمہ ''اے نوح! کشتی سے اتر ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ۔''

مزید حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یوں خبر دی گئی:

سورۃ ہود آیت 42

ترجمہ ''اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ اس سے کنارے تھا اے میرے بچے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ ہو۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باری تعالیٰ شانہ نے یوں مخاطب فرمایا:

سورۃ ہود آیت 76

ترجمہ ''اے ابراہیم! اس خیال میں نہ پڑ۔''

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خانہ کعبہ کو تعمیر کرنے کا یوں ذکر فرمایا:

سورۃ بقرہ آیت 172

ترجمہ ''وہ اٹھاتا تھا ابراہیم اس کی نیویں اور اسمٰعیل۔''

اپنے کلیم موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوں مخاطب کیا:

سورۃ اعراف آیت 144

ترجمہ ''اے موسیٰ میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا اپنی رسالت اور اپنے کلام سے۔''

اوران کے ایک واقعے کا ذکر کرتے ہوئے یوں ان کا اسم گرامی مذکور ہوا:
سورۃ قصص آیت 15
ترجمہ ’’پس موسیٰ نے اس کو گھونسا مارا، تو اس کا کام تمام کر دیا۔‘‘
حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوں مخاطب فرمایا:
سورۃ مائدہ آیت 110
ترجمہ ’’اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! یاد کر مرا احسان اپنے اوپر۔‘‘
اور عیسیٰ علیہ السلام کے اپنی قوم کو مخاطب کرنے کے ایک واقعے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:
سورۃ صف آیت 6
ترجمہ ’’اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔‘‘
اور اسی طرح دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کو خالق و مالک کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا نام لے کر مخاطب فرمایا مثلاً
سورۃ ہود آیت 53
اے ہود۔
سورۃ اعراف آیت 177
اے صالح
سورۃ ص آیت 26
اے داؤد
سورۃ ص آیت 34
اور جب سلیمان نے
سورۃ مریم آیت 7
اے زکریا
سورۃ مریم آیت 12
اے یحییٰ
باقی جملہ انبیائے کرام کو اللہ رب العزت نے ان کا نام لے کر مخاطب کیا لیکن جتنے مقامات پر بھی اپنے حبیب ﷺ کا ذکر ہے ان میں صرف چار مقامات ایسے ہیں جن میں آپ کا نام لیا گیا لیکن ساتھ ہی وصفِ رسالت بھی بیان فرما دیا۔ مثلاً

سورۃ آل عمران آیت 144

ترجمہ ''اور محمد تو ایک رسول ہیں۔ان سے پہلے اور رسول ہو چکے۔''

دوسرے مقام پر آپ ﷺ کا ذکر، فضائل مصطفیٰ اور مناقب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ساتھ یوں فرمایا ہے:

سورۃ فتح آیت 29

ترجمہ ''محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے اور سجدے میں گرتے، اللہ کا فضل اور رضا چاہتے۔ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے۔یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفات انجیل میں ہیں۔''

تیسرے مقام پر آپ ﷺ نبی آخرالزماں کا اعلان فرماتے ہوئے یوں آپ کا اسم گرامی مذکور ہوا:

سورۃ احزاب آیت 40

ترجمہ ''محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔''

چوتھے مقام پر آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کی تلقین فرماتے اور قرآن کریم کی حقانیت کا اعلان کرتے ہوئے یوں ذکر فرمایا:

سورۃ نساء آیت 63

ترجمہ ''اور اس پر ایمان لائے جو محمد پر اتارا گیا اور وہی ان کے رب کے پاس سے حق ہے۔''

مندرجہ بالا آیات میں آپ ﷺ کا اسم گرامی مذکور ہونے میں یہ حکمت ہے تاکہ آپ کا ہر منکر ومخالف بھی جان لے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور ان کی کتاب برحق ہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہیں۔علاوہ بریں وہ لوگ آپ کو محمد کے علاوہ اور کسی نام سے جانتے نہ تھے۔اگر قرآن کریم میں آپ کا اسم گرامی مذکور نہ ہوتا تو کتاب سے آپ کا نام معلوم نہ کیا جاسکتا جیسے جن انبیائے کرام کے اسمائے گرامی قرآن مجید میں مذکور ہو گئے وہ اب بھی متعارف ہیں۔ان کے ناموں کا ذکر اب بھی کیا جاتا ہے جب کہ دوسروں کے اسمائے گرامی تک معلوم نہیں ہیں۔اس لیے ان کا ذکر نام سے نہیں ہوتا اور بہت کم ہوتا ہے۔

مذکورہ آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کا اسم گرامی محمد (ﷺ) ذکر فرمایا ہے۔یہ آپ کے فضائل و کمالات اور وقار وشرف کو اور بڑھاتا ہے کیونکہ آپ کا یہ اسم گرامی اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام سے مشتق ہے جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے (حضرت حسان رضی اللہ عنہ شاعر نبی ﷺ ہیں) نبی کریم ﷺ کے نام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نام سے مشتق کیا (نکالا) ہے تاکہ آپ کو یہ شرف حاصل ہو کیونکہ عرش کا مالک

محمود ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام محمد رکھا جو کہ اللہ کے نام محمود سے نکلا ہے۔ محمود، محمد کی بنا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام اور حبیب ﷺ کو یکجا ذکر فرمایا تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا نام لیا لیکن اپنے حبیب کا نبوت کے کنایہ سے ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ شانہ ہے۔

سورۃ آل عمران آیت 68

ترجمہ ''بے شک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حقدار وہ تھے جو ان کے پیرو ہوئے اور یہ نبی اور ایمان والے۔''

اس طرح ذکر فرمانے سے خالق و مالک کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ اس کی بارگاہ میں نبی کریم ﷺ کی جلالت شان، رفعت، مرتبے کی فضیلت اور عظمت کتنی ہے۔ جملہ انبیائے کرام آپ سے پہلے مبعوث ہوئے لیکن جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا تو آپ کے اسم گرامی کو مقدم رکھا مثلاً۔

سورۃ نساء آیت 63

ترجمہ ''بے شک اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور اس کے بعد پیغمبروں کو بھیجی اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کو وحی کی اور ہم نے داؤد (علیہم السلام) کو زبور عطا فرمائی۔''

قرآن کریم میں دوسرے مقام پر دیگر انبیائے کرام کے ساتھ یوں ذکر فرمایا ہے:

سورۃ احزاب آیت 7

ترجمہ ''اور اے محبوب! یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم سے۔''

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم سرکار دو عالم ﷺ نے مذکورہ آیت کی تفسیر و وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں پیدائش کے لحاظ سے جملہ انبیاء کرام سے اول اور بلحاظ بعثت سب میں آخری ہوں۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے آداب سے ایک بات یہ بھی ہے کہ لوگوں کو آپ کا نام لے کر خطاب کرنے سے منع فرما دیا گیا۔ حالانکہ باقی امتوں کے حالات بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ لوگ اپنے انبیاء ورسل علیہم السلام کو نام لے کر مخاطب کیا کرتے تھے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے یوں کہا گیا:

سورۃ اعراف آیت 138

ترجمہ ''اے موسیٰ! ہمیں ایک خدا بنادے جیسے ان کے اتنے خدا ہیں۔''
حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم یوں مخاطب ہوتی ہے:
سورۃ مائدہ آیت 112
ترجمہ ''اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ کا رب ایسا کرے گا کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے۔''
حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی قوم نے ایک مرتبہ یوں مخاطب کیا تھا:
سورۃ ہود آیت 153
ترجمہ ''اے ہود! تم کوئی دلیل لے کر ہمارے پاس نہ آئے اور ہم خالی تمہارے کہنے سے اپنے خداؤں کو چھوڑنے کے نہیں۔''
حضرت صالح علیہ السلام سے ان کی قوم یوں مخاطب ہوئی تھی:
سورۃ اعراف آیت 77
ترجمہ ''اے صالح! ہم پر لے آؤ جس کا تم وعدہ دے رہے ہو۔''
لیکن اپنے حبیب ﷺ کی باری آئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:
سورۃ نور آیت 63
ترجمہ ''رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔''
اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اس جانب راغب کیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو نبوت و رسالت کے ساتھ منسوب کر کے پکارا کریں یعنی یا نبی اللہ، یا رسول اللہ وغیرہ کہا کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے منصب رفیع کو دکھانے، عظمت وشرف دینے کے لیے، اس فضیلت کے ساتھ تمام انبیاء ومرسلین سے آپ کو مخصوص فرمالیا تھا (ﷺ)
حافظ ابونعیم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد ''**ولا تجعلو دعآء الرسول بینکم کدعا بعضکم لبعض**'' (اور رسول سے مخاطب ہونا ایسا نہ کرلو جیسا تم ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو) کی تفسیر میں فرمایا کہ شروع ایام میں لوگ رسول اللہ ﷺ کو یا محمد...... یا یا ابا القاسم کہہ کر مخاطب کرلیا کرتے تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ وسلم کی تعظیم وتوقیر کا سکہ بٹھانے کی خاطر اس طرح پکارنے سے لوگوں کو منع فرمایا، ان کا بیان ہے کہ اس کے بعد لوگوں نے یا نبی اللہ...... یارسول اللہ وغیرہ القاب سے مخاطب کرنا شروع کر دیا تھا۔
حافظ ابونعیم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ہی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ مذکورہ آیت **لا تجعلو دعاء الرسول** میں اس بات کی ممانعت فرمائی گئی ہے جو بعض لوگ دور سے چلا کر کہا کرتے تھے **یا ابا القاسم** لیکن نزدیک ہو کر اور آہستہ آواز میں کہنے سے منع نہیں فرمایا گیا۔ جیسا کہ اللہ رب

العزت نے رفع صوت کے بارے میں فرمایا ہے:

سورۃ حجرات آیت 3

ترجمہ ''بے شک وہ لوگ جو اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں رسول اللہ کے پاس، یہ وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے۔ ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔''

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور پُرنور تاجدار کائنات سرور کون و مکاں ﷺ کو یہ فضیلت و خصوصیت بھی حاصل ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کے اجلال و اکرام کی خاطر یہ اہتمام فرمایا کہ انبیائے ماسبق کے امتی جس طرح اپنے نبیوں کو مخاطب کر لیا کرتے تھے، آپ کو اس بارے میں ان سے جدا کر دیا گیا یعنی اگلی امتوں میں لوگ اپنے اپنے نبی سے راعنا سمعك کہا کرتے تھے یعنی مزید رعایت فرمائیے تاکہ ہم آپ کی بات سن سکیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اس طرح مخاطب کرنے سے امت مرحومہ کو منع فرما دیا جس پر توہین و تنقیص کا پہلو نکل سکتا ہو انہیں ایسا راستہ اختیار کرنے سے ہی روک دیا گیا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سورۃ بقرہ آیت 104

ترجمہ ''اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور! ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ راعنا الفاظ یہود کی زبان میں گالی ہے، لہٰذا اس جگہ انظرنا کہنے کا حکم فرمایا گیا جس سے مراد ہے کہ ہمیں پھر سنائیے اور ہمارے اوپر نظر کرم فرمائیے۔ اس ممانعت کے بعد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ طے کر لیا کہ آئندہ جس کی زبان سے راعنا کا لفظ برائے مخاطبہ سنو تو فوراً اس کی گردن اڑا دی جائے، یہود کو معلوم ہوا تو انہوں نے یہ لفظ استعمال کرنا ہی چھوڑ دیا۔

سورۃ فتح آیات 1 تا 3 میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فتح مبین کی خوشخبری دی ہے۔

ترجمہ ''بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے، تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے اور تمہیں سیدھی راہ دکھا دے اور اللہ تمہاری زبردست مدد فرمائے۔''

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ جلد سوم باب 339 کے صفحہ 202 پر ان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حقیقی مکاشفے کی کامیابی، باطنی حلاوت میں سرفرازی اور رفعت کلام ہے اور مذکورہ فتوحات کے باعث قرآن کریم معجزہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جیسا کلام رفیع عطا فرمایا گیا، ایسا کسی دوسرے کو مرحمت نہیں فرمایا گیا۔

اسی لیے اللہ جل شانہ نے اعلان فرمایا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت 88 میں ارشاد رب العالمین ہے۔
ترجمہ ''تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے۔ اگر چہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔''

''ظہیراً'' سے یہاں مراد معیناً یعنی مددگار ہے۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے مذکورہ تینوں قسم کی فتوحات کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ ساتھ ہی ''فتحاً'' مصدر سے اس کلام کو موکد کر دیا ہے۔ ''مبیناً'' سے مراد ظاہر ہے جسے ہر دیکھنے والا واضح طور پر دیکھ سکتا ہے۔ فتوح حلاوت یعنی باطنی جلاوت کی سرفرازی یہ آپ کو ذوقی طور پر حاصل ہے۔ فتوح عبادت یعنی رفت کلام یہ اہل عرب کا طرز امتیاز ہے جس میں دوسروں کو عاجز کر دیا کرتے تھے۔ فتوح مکاشفہ یعنی حقیقت واقعیہ کے انکشاف میں کامیابی اس کا شب معراج میں آپ کو خصوصی حصول ہوا۔ جب بڑی سے بڑی نشانیوں کا مشاہدہ بھی کروایا گیا تا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے سبب آپ کے اگلوں کے گناہ معاف فرمادے اور یہ بات آپ سے پوشیدہ رکھے جس سے گنہگار عتاب کا مستحق ہوتا ہے اور پچھلوں کے گناہ بھی معاف فرمادے اور آپ کو گناہوں سے بچا کر رکھے کہ وہ آپ تک پہنچ ہی نہ سکیں اور اس طرح آپ گناہوں سے مبرا ہیں۔

پچھلوں کے گناہ بخش دینے کی بشارت سے ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ بیشک نبی کریم ﷺ گناہوں سے معصوم ہیں اور عصمت کے ساتھ آپ کی مدد فرمائی گئی ہے اور آپ کی معصومیت پر یہ بات سب سے زیادہ مفید ہے کہ آپ کو لوگوں کے لیے اسوۂ حسنہ بنایا گیا ہے تا کہ لوگ آپ (ﷺ) کی اقتدا کریں۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو مقام معصومیت سے سرفراز نہ فرماتا تو ایسے امور میں بھی آپ ﷺ کی اقتدا ہمارے لیے ضروری ہو جاتی جو آپ سے گناہ کے بطور واقع ہوتے اور آپ سے گناہ سرزد ہونے کے بارے میں کوئی نص قطعی وارد نہیں ہوئی ہے۔ جیسے ہبہ کے ساتھ نکاح میں آپ کی خصوصیت پر نص قطعی وارد ہے کہ یہ آپ کے ساتھ خاص اور آپ کے لیے مشروع ہے جب کہ ہم پر حرام ہے۔

''اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے۔''

سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پوری نعمتیں عطا فرمائی گئیں۔ ہم نے جب محلقہ اور غیر محلقہ یعنی مکمل اور نامکمل نعمتوں کو پہچان لیا اور اس آیت نے خبر دی ہے کہ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم سرکار دو عالم ﷺ کو مکمل نعمتیں مرحمت فرمائی گئی ہیں۔

''اور تمہیں سیدھی راہ دکھادے۔''

سے مراد یہ ہے کہ جس راستے پر سرور کون ومکاں ﷺ گامزن ہیں، وہی صراط مستقیم ہے۔ جیسے ہود علیہ السلام نے فرمایا:

سورۃ ہود آیت 56

ترجمہ "بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ملتا ہے۔"

تمام شریعتیں نور ہیں اور ان میں شریعت محمدیہ کی مثال ایسی ہے جیسے ستاروں میں سورج جب سورج ظاہر ہو تو ستاروں کی روشنی سورج کی روشنی میں داخل ہو جاتی ہے۔ ستاروں کی روشنی کا چھپنا نبی آخر الزماں ﷺ کی شریعت سے دوسری شریعت کے منسوخ ہونے کی طرح ہے۔ حالانکہ ان کا وجود اسی طرح باقی ہے جیسے ستاروں کا نور باقی رہتا ہے۔ اس لیے شریعت محمدیہ نے تمام رسولوں اور ان کی شریعتوں پر ایمان لانا ہمارے اوپر لازم ٹھہرایا ہے کیونکہ وہ حق ہیں اور منسوخ ہو جانے کے باعث وہ باطل نہیں ہوئیں۔ شرائع سابقہ کو باطل کہنا جہلاء کا فاسد گمان ہے۔ پہلے تمام تر راستے سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کے راستے کی جانب ہی رجوع کرتے ہیں۔ اگر گزشتہ رسولوں میں سے کوئی رسول آپ کے زمانہ اقدس میں موجود ہوتا تو اسی طرح آپ کا اتباع کرتا جس طرح تمام شریعتیں شریعت محمدیہ کے تابع ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ جوامع الکلم مرحمت فرمائے گئے ہیں۔

"اور اللہ تمہاری زبردست مدد فرمائے۔"

یہ جو فرمایا ہے تو "عزیز" وہ ہوتا ہے جس کا قصد کیا جائے لیکن اس تک رسائی کی طاقت نہ ہو۔ چونکہ سارے انبیاء کرام آپ کی طرف وصول کے طالب تھے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے دنیا میں آپ ﷺ جوامع الکل اور آخرت میں مقام محمود عطا کر کے سیادت مرحمت فرمائی ہے اور آپ ﷺ کی امت کو تمام امتوں سے بہتر بنایا ہے جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے اور ہر امت کا مرتبہ اس کے نبی کی عظمت کے مطابق ہوتا ہے۔

سورۃ فتح آیت 10

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ○

ترجمہ "وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔"

مراد اس بیعت سے بیعت رضوان ہے جو نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ میں لی تھی کیونکہ رسول کریم ﷺ سے بیعت کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ ہی سے بیعت کرنا ہے جیسے کہ رسول کی اطاعت اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت ہے۔

یہ آیت مبارک بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں آپ ﷺ کی انتہائی قرب وعظمت کا مظہر ہے۔ آپ ﷺ سے بیعت ایسے ہی ہے جیسے اپنے رب سے بیعت یا عہد و پیمان باندھ لیے ہوں اور پھر دونوں صورتوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ اس معاملہ میں خود سزا یا جزا دینے کا اعلان فرماتے ہیں، اسی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا آگے فرمان ہے کہ "اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۔"

سورۃ نجم آیات 3-4

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ۞

ترجمہ ''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔''

یعنی ان آیات مبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے میرے حبیب ﷺ کا کلام فرمانا اپنی مرضی و خواہش سے کبھی نہیں ہوتا۔ میرے حبیب ﷺ کی زبان مبارک سے جو کلمات بھی ادا ہوتے ہیں وہ صرف اور صرف وحی اللہ کے مطابق ہی ہوتے ہیں۔

اس کو دو طرح سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ حضور انور ﷺ نے اپنے آپ کو بحر توحید میں اس طرح فنا کر دیا کہ جو بات آپ ﷺ کے منہ مبارک سے نکلتی ہے وہ زبان تو محبوب کی ہوتی ہے مگر کلام اصل میں رب کا ادا ہو رہا ہوتا ہے یا یہ ہے کہ آپ جو بولتے ہیں یا تو وہ قرآن ہوتا ہے یا حدیث اور دونوں وحی ہیں۔ قرآن تو وحی جلی جس کی تلاوت نماز میں جائز ہے اور (حدیث) وحی خفی ہے جس پر سارے احکام کلام الٰہی کے جاری ہیں۔

سورۃ حدید آیت 3

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۞

ترجمہ ''وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن۔''

یہ آیت کریمہ حمد رب العالمین ہے اور اس کے ساتھ یہ تعریف یا بیان صفات نبی اکرم ﷺ بھی ہے۔ حضور انور ﷺ نبوت و پیدائش عالم ارواح میں اول ہیں اور اس کائنات میں مبعوث ہونے میں آخر و تمام ہیں۔ سب پر سورج کی طرح ظاہر بھی ہیں اور چھپے ہوئے دو عالم میں بھی آپ ﷺ ہی ہیں یعنی کہ باطن میں بھی آپ ﷺ ہی ہیں۔ آپ ﷺ کا ظاہر باطن بالکل ایک ہی ہے۔ اس لیے جو چھپا ہے وہ بھی آپ ﷺ ہی ہیں اور جو ظاہر ہے وہ بھی سب آپ ﷺ کا صدقہ ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی کرم نوازی ہے۔

آپ ﷺ سب سے پہلے تھے، پھر آپ کے نور کے سبب یہ کائنات بنی۔ حضرت آدم علیہ السلام میں آپ ﷺ کے نور کی روح پھونکی گئی۔ سب سے پہلے نبوت آپ کو عطا ہوئی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی آب و گل میں جلوہ گر تھے۔ بروز قیامت سب سے پہلے آپ ﷺ ہی جنت میں داخل ہوں گے۔

سورۃ قلم آیت 4

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۞

ترجمہ ''اور بے شک تمہاری خو بو (طبیعت، عادت خلق) بڑی شان کی ہے۔''

اس آیت مبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی ایک اور صفت کو بہت ہی ارفع و اعلیٰ

یعنی کہ بڑی شان سے تعبیر فرمایا ہے۔

خلق عربی میں اس عادت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے اچھے کام خود بخود ہوں۔ اس کو اچھے کام کرنے کے لیے تردد و تکلف نہ کرنا پڑے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سید المرسلین کا خلق قرآن ہے۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق و محاسن افعال کی تکمیل و تتمیم کے لیے مبعوث فرمایا۔''

قاضی ابوالحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 450ھ) نے اپنی تصنیف ''لطیف اعلان النبوۃ'' کے بیسویں باب کو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی شرف اور فضائل کمالیہ کے بیان کی خاطر وضع فرمایا ہے کیونکہ اخلاق کے لحاظ سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے شرف والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سب سے حسین و جمیل ہیں۔ بلحاظ اعلیٰ مراتب اور افضل اعمال کے اس کائنات کے گوہر یک دانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ اصول و قوانین ہمیشہ اپنی مناسبت کی جانب رجوع کرتے ہیں اور مخالف سمت سے نفرت کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس دنیا میں نبوت سے اوپر اور کوئی منصب نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اور بندوں کے درمیان نبوت ہی سفارتی تعلقات کا ذریعہ ہے، نبوت ہی ذریعہ رابطہ ہے۔ مخلوق کی بھلائی اور خالق کی اطاعت کے لیے نبی کو مبعوث فرمایا جاتا ہے۔ پس جو ساری مخلوق سے افضل ہو وہی اس کے لیے مختص کیا جاتا ہے۔

نبی اپنے معاصرین سے اعلیٰ اور کامل اوصاف کے لائق ہوگا اور اس کا ثبوت پیش کر سکے گا۔ پیغمبر اول و آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو فضیلت میں کسی طرح بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پلہ ہو اور نہ کوئی ایسا شخص ہی تھا جو اخلاقی و تخلیقی صفات عالیہ میں یا اقوال و افعال کے کمالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نزدیک ہو۔ اسی لیے تو اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں آپ کی یوں توصیف فرمائی ہے۔

''اور بیشک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے۔''

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم اور صفات عالیہ کے بارے میں اپنی سند سے متعدد احادیث ذکر کی ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے۔ ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن کریم ہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ تاجدار کائنات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر اخلاق والا اور کوئی نہیں۔ کوئی صحابہ یا گھر والا جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً لبیک کہتے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ خالق و مالک کائنات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کی قرآن کریم میں یوں تعریف فرمائی ہے:

سورۃ قلم آیت 4

ترجمہ ''اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے۔''

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور پُر نور فخر دو عالم ﷺ کے بعض اخلاق کریمہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا، میں اس مولائے کائنات کا ہمسایہ تھا۔ جب آپ پر کوئی وحی نازل ہوتی تو میری جانب پیغام بھیجا جاتا۔ میں حاضر ہو کر وحی لکھا کرتا تھا۔ جب ہم دنیا کا ذکر کرنے لگتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ دنیا کا ذکر فرماتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی آخرت کا ذکر کرنے لگتے۔ ہم جب طعام کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اسی کا ذکر فرماتے۔ یہ تھا تاجدارِ کائنات سرورِ کون و مکاں ﷺ کا خلق عظیم کہ اس درجہ دل جوئی فرماتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ مہربان تھے۔ اللہ کی قسم کوئی غلام، لونڈی یا بچہ آپ کے پاس سخت سردی میں پانی لے کر (تبرک حاصل کرنے کے لیے) حاضر ہوتا کہ آپ اس میں منہ ہاتھ دھولیں، تو آپ کسی صورت میں بھی ایسا کرنے سے نہ رکتے۔ اگر کوئی سائل سوال کرتا تو آپ بغور اس کی بات سنتے اور اس وقت تک اس کے ہاتھ میں ہاتھ رہنے دیتے۔ (یعنی کہ آخر تک پوری توجہ محبت وشفقت سے سائل کی مکمل بات سنتے)

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو کاموں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان ہی کو اختیار فرمایا، جب کہ اس میں کوئی گناہ نہ ہوتا ورنہ اس سے بہت دور رہتے۔ آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے محارم کے سوا اپنی ذات کا آپ نے کبھی انتقام نہیں لیا۔ آپ کا بدلہ لینا صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی عورت کو کبھی نہیں پیٹا اور نہ اپنے ہاتھ سے جہاد کے سوا کسی کو مارا۔ اپنی ذات کا کسی سے انتقام نہیں لیا ہاں جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے کے محارم کی خلاف ورزی ہوتی تو خدا کے لیے ضرور انتقام لیتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سالہا سال تک آپ کی خدمت میں رہا۔ اس دوران میں آپ نے مجھے گالی نہیں دی، نہ مارا، نہ ڈانٹا اور نہ ہی تیوری ہی چڑھائی۔ جب آپ نے مجھے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا اور مجھ سے سستی واقع ہوگئی تو کبھی نہ جھڑکا اور اگر گھر والوں میں سے کوئی ڈانٹتا تو آپ ﷺ فرماتے، اسے چھوڑ دو، اگر قسمت میں ہوتا تو وہ کام ضرور ہو جاتا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک کم عقل عورت بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو کر کہنے لگی۔ مجھے آپ سے کام ہے، آپ نے فرمایا، اے فلاں کی والدہ! تم جس راستے سے جانا چاہتی ہو، وہ مجھے بتا دو۔ میں تمہیں اسی راستے میں کھڑا ملوں گا اور اس وقت تک واپس نہیں آؤں گا جب تک تمہارا کام نہ ہو جائے۔ وہ عورت راستے کے ایک جانب جا کھڑی ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ اس سے وہیں گفتگو فرماتے رہے حتیٰ کہ وہ گفتگو کر کے چلی گئی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور انور رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا۔ آپ نے موٹے کناروں والی چادر اوپر ڈالی ہوئی تھی۔ ایک دیہاتی ملا اور اس نے آپ کی چادر کو پکڑ کر زور سے کھینچا۔ یہاں تک کہ میں نے چادر کو کھینچنے کے نشانات آپ کی گردن پر دیکھے۔ اس کے بعد وہ دیہاتی کہنے لگے، اے محمد! (ﷺ) آپ کے پاس جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا مال ہے، مجھے اس میں سے کچھ دو۔ آپ ﷺ اس کی جانب متوجہ ہو کر مسکرائے اور اس کو مال دے دینے کا حکم صادر فرمایا۔ (ﷺ)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے محبوب کریم ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا، (اور بے شک آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہیں۔'' (وانك لعلىٰ خلقٍ عظيم) امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ خلق، نفس کا وہ ملکہ ہے جس کی بنا پر انسان کو افعال جمیلہ اور خصائل حمیدہ پر عمل کرنے میں آسانی اور سہولت محسوس ہو۔ جس طرح آنکھ بغیر کسی تکلیف کے دیکھتی ہے، کان بے تکلف سنتے ہیں اور زبان بے تکلف بولتی ہے اور اس طرح سخاوت، شجاعت، حیا، حق گوئی، تقویٰ وغیرہ تجھ سے کسی تردد کے بغیر صدور پذیر ہونے لگیں تو اس وقت ان امور کو تیرے اخلاق میں شمار کیا جائے گا۔ اس آیت پاک میں خالق کی زبان اپنے تخلیقی شاہکار کی توصیف فرما رہی ہے۔ انك لعلىٰ خلق عظيم فرما کر ہمیں بتایا گیا ہے کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی ذات پاک میں وہ سب کمالات موجود ہیں جو اگلے انبیاء اور رسولوں میں جدا جدا موجود تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب پوچھا گیا کہ آپ صاحب خلق عظیم (ﷺ) کے اخلاق بیان کریں تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ کیا آپ نے قرآن حکیم نہیں پڑھا؟ پھر فرمایا کہ آپ (ﷺ) کا خلق سراپا قرآن تھا یعنی قرآن حکیم میں جو بہترین اخلاق بیان فرمائے گئے ہیں، وہ آپ ﷺ کی ذات پاک میں بدرجہ اتم موجود تھے۔

جامع ترمذی کے مطابق ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ''آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی کو برا بھلا نہیں کہا۔ بدی کا بدلہ بدی سے نہیں دیتے تھے بلکہ درگزر فرما کر معاف کر دیتے تھے۔'' ایک شخص نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خلق عظیم کے بارے میں پوچھا تو حضرت عائشہ صدیقہ عنہا نے فرمایا کہ سورۃ المومنون'' کی پہلی دس آیتیں پڑھو۔ ان میں خلق پیغمبر اول وآخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی صحیح تصویر موجود ہے۔

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ ایک دفعہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے کہا کہ ''خدا کی قسم! اللہ تبارک وتعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی بھی غمگین نہیں کرے گا۔ آپ ﷺ رحم دل ہیں، قرض داروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں اور دکھی انسانوں کے کام آتے ہیں۔''

محمد بن حکیم ترمذی قدس سرہ لکھتے ہیں ''کہ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کے خلق سے کسی بھی دوسرے کا خلق

بڑھ کر نہیں۔اس لیے کہ حضور انور ﷺ نے اپنی مرضی اور خواہش کو ترک کیا اور اپنی ذات کو مکمل طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے سپرد کر دیا۔"

امام قشیری ابوالقاسم فرماتے ہیں کہ"نہ دکھ درد کی وجہ سے شاہد حقیقی سے منہ موڑا اور نہ جود و عطا سے جھولی بھرنے کے بعد اپنے پروردگار سے بے رخی اختیار کی۔"

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے خلق کو اس لیے عظیم کہا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا آپ (ﷺ) کی کوئی بھی خواہش نہ تھی۔حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ فرماتے ہیں"ادبنی ربی تادیبا حسنا"یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور اس کا ادب سکھانا بہت خوب تھا۔

سورۃ تکویر آیت 24

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝

ترجمہ"اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔"(یعنی کہ غیب بہت زیادہ بتاتے ہیں)

اس آیت مبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوسرے الفاظ میں یہ فرما کر کہ یہ نبی تو بہت زیادہ غیب کی باتیں بتاتے ہیں،علم غیب میں آپ ﷺ کی شان،عظمت و رفعت بیان فرمائی ہے۔سورۂ جن آیات 27:26 میں ارشاد رب العالمین ہے:

"غیب کا جاننے والا اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔"

یعنی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے غیب خاص کو جس کے ساتھ وہ منفرد ہے،کسی کو نہیں بتلاتا جیسے کہ وقت عذاب کا علم غیب ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ ہی جانتے ہیں۔قیامت کا وقت دن لمحہ مقرر ہے جسے صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ایسے غیب کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کسی اور کو اطلاع کامل نہیں دیتا۔جیسا کہ قیامت کے بارے میں چاروں آسمانی کتابوں میں ہے کہ قیامت نے ایک دن ایک دم ہو جانا ہے لیکن اس دن وقت کا لمحہ کا کہیں ذکر نہیں یا اس غیب خاص کو جو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے،کسی کو نہیں بتایا۔

ہاں اپنے پسندیدہ رسولوں کو آپ ﷺ کو اپنے غیوب پر مسلط کیا ہے۔(آپ کو علم غیب دیا ہے) اور اطلاع کامل اور کشف تام یعنی کہ مکمل کشف عطا فرمایا ہے اور یہ علم غیب آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔سارا قرآن و احادیث اسوۂ حسنہ یہ سب علم غیب ہی تو تھا جو آپ ﷺ نے وحی جلی اور خفی کے ذریعے عالمین میں اللہ کی مخلوق،خاص طور پر انس و جاں پر آشکارا کیا۔

سورۃ ضحیٰ آیت 5

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى ۝

''اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔''

اس آیت مبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی رضا چاہتے ہیں، خوشی چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ کی شان وعظمت...... اللہ اللہ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس وعدۂ مبارک میں وہ تمام نعمتیں بھی شامل ہیں جو آپ ﷺ کو دنیا میں عطا فرمائیں، کمال نفس علوم اولین وآخرین فتوحات وغیرہ جو آپ ﷺ کے عہد مبارک میں ہوئیں اور عہد صحابہ میں ہوئیں اور قیامت تک جو حاصل ہوتی رہیں گی۔ آپ ﷺ کی دعوت کا عام ہو جانا، اسلام کا پھیل جانا' امت کا بہترین امت ہونا، شفاعت عامہ اور مقام محمود وغیرہ جلیل نعمتیں عطا فرمائیں۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ مبارک اٹھا کر امت کے حق میں رو رو کر دعا فرمائی۔ بحکم رب العالمین عزیز وحکیم، جبریل نے آپ ﷺ سے رونے کا سبب پوچھا۔ آپ ﷺ نے انہیں تمام حال بتا دیا اور امت کے غم کا اظہار کیا۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جبریل امین کو حکم دیا، جاؤ اور میرے حبیب (ﷺ) سے کہو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں عنقریب راضی کریں گے اور آپ (ﷺ) کو گراں خاطر نہ ہونے دیں گے۔ جس کی بھی شفاعت کرو گے جس کے لیے بھی کہو گے، ہم اسے اپنی رحمت سے بخش دیں گے اور اسے جنت میں داخل کر دیں گے۔

سورۃ انشراح آیت 1 تا 4:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝

ترجمہ ''کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔ اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔''

رفعت کا معنی ہے بلندی یعنی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کا ذکر آپ ﷺ کا نام مبارک نہایت احترام سے لیا جانا، سن کر درود سلام پڑھنا وغیرہ آپ ﷺ کے لیے ہم نے بہت عام کر دیا ہے۔ زمین پر' فضا میں' آسمانوں پر آپ ﷺ کا نام مبارک بہت احترام وخلوص سے لیا جانا بہت عام ہے۔ اس قدر زیادہ ہے کہ انسانی تصور سے بھی یہ بات باہر ہے۔

قرآن حکیم میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے کوئی پچاس سے زائد آیات میں اپنے نام کے ساتھ اپنے حبیب ﷺ کا نام منسوب فرمایا ہے اور ان ہی صفات وانداز میں ہے کہ جیسے رب العالمین کے اپنے نام وصفات کا ہے۔ مثلاً آیات مبارک ہے:

''جس نے حکم مانا رسول کا، ایسا ہی ہے کہ اس نے حکم مانا اللہ کا۔''

''وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ

ہے۔''

آسمانوں پر بھی نام محمد ﷺ گونجتا ہے اور اللہ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ زمین پر بھی جہاں دیکھو، سنو، رب کا نام وہیں اللہ کے محبوب ﷺ کا نام۔ اذان، کلمہ، نماز، خطبہ وغیرہ میں اللہ کے ذکر کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کا ذکر بھی ہے۔ حسب وعدہ اس جہان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب کا ذکر خوب بلند کیا ہے۔ اور دوسرے جہان میں کرے گا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آپ کا شرح صدر اسلام کے ساتھ ہوا ہے۔ سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نور رسالت کے ساتھ اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے قلب اطہر کو حکم و حکمت سے بھر دیا گیا۔

اس سے متعلق قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عظیم نعمتوں سے نوازا ہے اور بارگاہ خداوندی میں آپ کو بڑی قدر ومنزلت حاصل ہے کیونکہ آپ کے قلب اطہر کو ایمان وہدایت کے لیے کھول دیا نیز علم کو محفوظ رکھنے اور حکمت کا متحمل ہونے کے لیے وسیع کر دیا گیا اور اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر کے امور جاہلیت وغیرہ کا بوجھ آپ سے دور کر دیا اور منصب نبوت ورسالت کی ذمہ داری سے آپ کو بخیر وخوبی عہدہ برآ کر دیا کیونکہ آپ نے احکامات الٰہیہ پوری طرح لوگوں تک پہنچا دیئے تھے۔ اسی کے ساتھ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق نے حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم سرکار دو عالم ﷺ کو عظیم منصب اور جلیل رتبے کے ساتھ ممتاز فرمایا اور آپ کے ذکر کو اس درجہ بلند کیا کہ آپ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور انور نبی کریم سرور کون ومکان ﷺ کے ذکر کو دنیا وآخرت میں اس قدر بلند فرمایا کہ کوئی خطیب شہادت دینے والا اور نماز پڑھنے والا ایسا نہیں جو یہ نہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سچے اور آخری رسول ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم نور مجسم فخر دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جبریل علیہ السلام میرے پاس حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کے ذکر کو کس طرح بلند کیا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا، ارشاد خداوندی ہے کہ جہاں میرا ذکر ہوگا، وہیں تمہارا ذکر بھی ہوگا یعنی پروردگار عالم نے اپنے ذکر کے ساتھ آپ کے ذکر کو اپنی اطاعت کے ساتھ آپ کی اطاعت کو اور اپنے نام کے ساتھ آپ کے نام نامی اسم گرامی کو ملایا جیسا کہ سورۃ محمد آیت 33 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ ''اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو۔''

اور سورۃ نساء آیت 136 میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

ترجمہ ''ایمان رکھو اللہ اور رسول پر۔''

پس ان دونوں اسمائے گرامی (اللہ ورسول) کو واؤ عاطفہ سے ملایا ہے جو اشتراک کو چاہتی ہے اور ایسا کلام حبیب خدا ﷺ کے علاوہ اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

سورۃ نساء آیت 80 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ ''جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔''

یہ آیت کریمہ بھی آپ ﷺ کی عظمت وشان' رفعت میں تعریف وتوصیف ہی ہے بلکہ یہ سورۃ نجم کی آیات 3 اور 4 (اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ وہی بات کرتے ہیں جس کے کرنے کے لیے انہیں وحی کی جاتی ہے۔) کی تائید وتفسیر ہے کہ میرے محبوب کی باتیں حکم ہدایات سب وہی ہیں جو میں چاہتا ہوں، کہتا ہوں اور ان کا احترام کرنا ایسے ہی ہے کہ تم اپنے اللہ کا خالق و مالک کا قادر مطلق کا کہنا مانا ہے۔ اس کے سامنے سرِتسلیم خم کیا ہے۔

درج ذیل آیات مبارک

1- اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

2- جس نے رسول کا حکم مانا، بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

ان دونوں آیات مبارک کی تشریح وتفسیر، مبین دلیل وثبوت ہی تو ہیں۔ ذکر بلند کرنے اور اللہ اور رسول اللہ (ﷺ) کی اطاعت حکم ادب واحترام یا ان سے ڈرنا وغیرہ کا ایک ہی ہونا ان آیات مبارک سے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

حافظ ابونعیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اول وآخر واعظم فخر دو عالم ﷺ کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ قرآن کریم میں جہاں اطاعت، معصیت، فرائض، احکام، وعدہ اور وعید وغیرہ کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمایا، وہاں اپنے نام کے ساتھ اپنے حبیب کا نام یا منصب بھی متصلاً (ساتھ ملا کر) ذکر کیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

سورۃ نساء آیت 59

ترجمہ ''حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔''

سورۃ انفال آیت 20

ترجمہ ''حکم مانو اللہ اور اس کے رسول کا اور سن سنا کر اس سے نہ پھرو۔''

سورۃ توبہ آیت 71

ترجمہ ''اور اللہ اور رسول کا حکم مانیں۔ یہ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم کرے گا۔''

سورۃ نور آیت 62

ترجمہ ''ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے (یعنی ایمان لائے)

سورۃ انفال آیت 64

ترجمہ ''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ۔''

سورۃ احزاب آیت 57

ترجمہ ''بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو۔''

سورۃ توبہ آیت 1

ترجمہ ''بیزاری کا حکم سنانا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے۔''

سورۃ توبہ آیت 3

ترجمہ ''اور منادی پکار دینا اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے۔''

سورۃ توبہ آیت 16

ترجمہ ''اور اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا محرم راز نہ بناؤ۔''

سورۃ توبہ آیت 63

ترجمہ ''کیا انہیں خبر نہیں کہ جو خلاف (مخالفت) کرے اللہ اور اس کے رسول کے۔''

سورۃ مائدہ آیت 33

ترجمہ ''وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں۔ ان کا بدلہ یہی ہے کہ......''

سورۃ توبہ آیت 29

ترجمہ ''اور اس چیز کو حرام نہیں مانتے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے۔''

سورۃ انفال آیت 13

ترجمہ ''اور جو اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کرے۔''

سورۃ انفال آیت 1

ترجمہ ''تم فرماؤ غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں۔''

سورۃ نساء آیت 59

ترجمہ ''تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔''

سورۃ توبہ آیت 59

ترجمہ ''اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا۔''

سورۃ توبہ آیت 59

ترجمہ ''کہتے ہیں اللہ کافی ہے۔ اب دیتا ہے اللہ ہمیں اپنے فضل سے اور اس کا رسول۔''

سورۃ انفال آیت 41

ترجمہ ''تو پانچواں حصہ خاص اللہ اور رسول کا ہے۔''

سورۃ توبہ آیت 74

ترجمہ ''اور انہیں کیا برا لگا؟ یہی نہ کہ اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔''

سورۃ توبہ آیت 90

ترجمہ ''اور وہ بیٹھ رہے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا۔''

سورۃ احزاب آیت 37

ترجمہ ''جسے اللہ نے نعمت دی اور تم (رسول اللہ) نے اسے نعمت دی۔''

مذکورہ بالا آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ نبی آخرالزماں ﷺ کے نام کو ملایا ہے اور یہ انتہائی تعظیم اور شرف کی بات ہے۔

والحمد للّٰہ علی ذالك وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمدٍ و آلہٖ وصحبہٖ وبارك وسلم۔

عظمت شان ورفعت' احادیث مبارک سے

قارئین کرام! آپ نے پیغمبر اول و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمتیں، شانیں، رفعتیں، فضیلتیں قرآن حکیم کی مختلف آیات مبارک کی روشنی میں دیکھ لی ہیں، پڑھ لی ہیں۔ قرآن حکیم آپ ﷺ کا خلق ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کے دل پاک ومبارک پر نازل فرمایا ہے۔ قرآن حکیم اللہ تبارک و تعالیٰ کی اپنے محبوب نبی مکرم ﷺ سے باتیں ہیں (سورہ حاقہ آیت 40) یعنی کہ میرے کہنے کا مطلب ہے قرآن حکیم تو دراصل بلواسطہ آپ ﷺ کی عظمتوں، شانوں، رفعتوں، فضیلتوں کا بیان ہے۔ اب آپ حضرت محمد رسول اللہ، پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کی عظمتوں، رفعتوں، شانوں، فضیلتوں کو احادیث مبارک کی روشنی میں دیکھئے، پڑھئے۔

احادیث مبارک کے اس باب میں چند ایک احادیث مبارک کی تکرار ہے۔ وہ اس خیال سے رہنے دی ہے کہ ان کے راوی مختلف ہیں۔ گو کہ ان کا مفہوم ایک ہے لیکن انداز بیان الفاظ اور کچھ عبارت بھی مختلف ہے اور کسی کسی میں اچھا سمجھا دینے والا اضافہ ہے جو تحقیق کرنے والے اور نئے پڑھنے والے حضرات کے لیے گرانقدر علمی سہولت ہیں۔ اس لیے اگر کوئی ایک حدیث مبارک اس میں ایک بار سے زائد لکھی گئی ہے تو وہ بے مقصد بے وجہ نہیں ہے۔

حافظ ابو نعیم رحمتہ اللہ علیہ نے حضور انور نبی کریم ﷺ کے فضائل میں بہت سی احادیث اپنی سند کے ساتھ

روایت کی ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو نبوت کب ملی؟ فرمایا، اس وقت سے بہت پہلے جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان میں روح پھونکی۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک اس وقت بھی خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب کہ آدم علیہ السلام کی مٹی کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہم اگرچہ سب سے پچھلے ہیں لیکن قیادت میں سب پر سبقت لے جانے والے ہوں گے۔ (یعنی جنت میں جاتے وقت سب سے آگے ہوں گے یا تعداد میں سب سے زیادہ ہوں گے۔)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے والدین تک جن سے میں پیدا ہوا، ان سب کے نکاح ہوئے تھے، ان میں کوئی بدکار نہیں تھا یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک کسی کے نزدیک سے بدکاری (زنا) قطعاً نہیں گزری تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میرے والدین سفاح میں کبھی اکٹھے نہیں ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے ہمیشہ پاک اصلاب سے پاک رحموں کی جانب منتقل کرتا رہا جو ہمیشہ صاف اور مہذب رہے۔ جہاں بھی میرے آباؤ اجداد میں دوسری شاخ پھوٹتی تو اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق نے مجھے ان میں سے بہتر شاخ میں رکھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بارگاہ رسالت میں عرض گزار ہوا کہ یارسول اللہ! قریش آپس میں بیٹھ کر حسب ونسب کا تذکرہ کر رہے تھے تو انہوں نے آپ کی مثال اس کھجور جیسی بیان کی جو اونچی زمین پر اُگا ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہتر مخلوق میں رکھا جب قبائل بنائے تو مجھے بہتر قبیلے میں پیدا فرمایا، جب نفسوں کو پیدا کیا تو مجھے بہتر نفوس میں رکھا جب گھروں کی تقسیم فرمائی تو مجھے بہتر گھر میں پیدا فرمایا، پس میں قریش سے باپ کے اعتبار سے اور نفس ذات کے اعتبار سے بہتر ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما **وتقلبک فی الساجدین** کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کتنے ہی انبیائے کرام کے پاک اصلاب سے منتقل ہوتے آئے یہاں تک کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو جنا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ سرور کون ومکاں ﷺ نے فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو ان میں سے بنی آدم کو اختیار کیا، بنی آدم سے عرب کو چنا، عرب سے مضر، مضر سے قریش، قریش سے بنی ہاشم اور بنی ہاشم سے مجھے پسند فرمایا تو میں بہتر لوگوں سے اگلے بہتر افراد کی جانب منتقل ہوتا آیا

ہوں۔ پس جو شخص اہل عرب سے محبت کرے وہ میرے ساتھ محبت رکھنے کے باعث ہی محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھنے کے باعث ہی ان سے بغض رکھے گا۔ (محبوب سے نسبت رکھنے والی ہر چیز ہی محبت کے لائق ہوتی ہے۔)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ حضور پُرنور تاجدار کائنات سید دو عالم ﷺ نے فرمایا، میرے متعدد نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ میرے ہاتھوں کفر کو مٹائے گا۔ میں حاشر ہوں کیونکہ لوگوں کا حشر میرے قدموں میں ہوگا۔ میں عاقب ہوں کیونکہ میرے بعد اور کوئی نبی نہیں۔

حضرت ابوطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس میرے دس نام ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ ان میں سے آٹھ نام یہ ہیں۔ محمد، احمد، ابوالقاسم، فاتح خاتم، عاقب، حاشر اور ماحی۔ راوی کا بیان ہے کہ مجھے یہی یاد رہے اور ابوجعفر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طٰہٰ اور یٰسین بھی آپ کے نام ہیں۔

حافظ ابونعیم رحمتہ اللہ علیہ نے شفاعت اور اس سے متعلقہ احادیث اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور تاجدار کائنات فخر دو عالم ﷺ نے فرمایا، قیامت کے روز میں آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں گا۔ زمین سب سے پہلے میرے لیے کھلے گی اور میں اپنے روضہ اطہر سے باہر تشریف فرما ہوں گا۔ سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور لواء الحمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا جس کے نیچے آدم علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام بھی ہوں گے۔

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں اپنے روضہ انور سے باہر نکلوں گا۔ جب وہ وفد کی صورت میں چلیں گے تو ان کا قائد میں ہوں گا۔ جب وہ خاموش ہوں گے تو ان کی جانب سے گفتگو کرنے والا میں ہوں گا۔ جب وہ جنت میں داخل ہونے سے روکے جائیں گے تو ان کی شفاعت کرنے والا میں ہوں گا۔ جب وہ مایوس ہو چکے ہوں گے تو میں انہیں خوشخبری دوں گا۔ کرامت کا جھنڈا جنت کی کنجیاں اور لواء الحمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اس روز آدم علیہ السلام کی ساری اولاد میں سب سے زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک عزت والا ہوں گا۔ ایک ہزار ایسے خادم میرا طواف کریں گے گویا وہ چھپی ہوئی سفیدی ہیں یا بکھرے موتی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں جنوں اور انسانوں بلکہ ہر کالے گورے کی جانب مبعوث فرمایا گیا ہوں۔ جملہ انبیائے کرام میں سے غنیمتیں صرف میرے لیے ہی حلال قرار دی گئی ہیں۔ ساری زمین میرے لیے پاک اور مسجد ٹھہرا دی گئی۔ میں اپنے سامنے ایک ماہ کی مسافت تک رعب کے ساتھ مدد فرمایا گیا ہوں۔ مجھے سورۃ بقرہ کی آخری آیات مرحمت فرمائی گئی ہیں جو جنت

کے خزانوں سے ہیں۔ مجھے مفصل (سورتوں کے ساتھ) فضیلت دی گئی ہے۔ میں دنیا اور آخرت میں آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں۔ زمین سب سے پہلے میرے لیے اور میری امت کے لیے کھلے گی۔ یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا (یعنی تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں) قیامت کے روز لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے سارے انبیائے کرام اس روز میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔ بروز قیامت جنت کی کنجیاں میرے سپرد فرمائی جائیں گی اور یہ فخر وغرور کے طور پر نہیں کہتا۔ اس روز میرے ہی وسیلے سے در شفاعت کھلے گا اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ اس روز مخلوق خدا کو جنت کی طرف لے جانے والا میں ہوں گا۔ یہ فخر یہ نہیں کہتا، اہل محشر کا امام ہوں گا اور میری امت میرے پیچھے پیچھے چلے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضور پُر نور نبی کریم سرور کون ومکاں ﷺ نے فرمایا، وہ شخص میں ہوں جس کے لیے زمین سب سے پہلے کھلے گی۔ پھر ابوبکر کے لئے پھر عمر کے لئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) پھر اہل بقیع آئیں گے اور میرے پاس جمع ہو جائیں گے۔ پھر میں مکہ مکرمہ والوں کا انتظار کروں گا اور حرمین شریفین کے درمیان سب کو اکٹھا کروں گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سب سے پہلے شفاعت میں کروں گا اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول فرمائی جائے گی۔ یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ بروز قیامت حمد کا جھنڈا میرے ہی دست مبارک میں ہوگا اور یہ فخر کے طور پر نہیں کا ہے۔ اس روز بنی آدم کا سردار میں ہوں گا اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ میرے بعد سب سے پہلے جنت میں فاطمہ بنت محمد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) داخل ہوں گی کیونکہ اس امت میں اس کی مثال ایسی ہے جیسی بنی اسرائیل میں حضرت مریم علیہ السلام کی۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ شفیع المذنبین ﷺ نے فرمایا، بروز قیامت جب سارے انسان بے ہوش ہو جائیں گے تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ حضرت ام کرز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے سنا کہ مسلمان جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو میں ان کی رہنمائی کروں گا۔ جب وہ ناامید ہو جائیں گے تو میں خوشخبری دوں گا۔ جب وہ سجدے میں پڑیں گے تو میں ان کا امام ہوں گا۔ جب وہ اکٹھے ہوں گے تو میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوسروں کی نسبت زیادہ قریب متمکن ہوں گا۔ جب کلام کروں گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ میری معروضات کو قبول فرمائے گا۔ شفاعت کروں گا تو قبول ہوگی۔ سوال کروں گا تو عطا فرمایا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پُر نور، تاجدارِ کائنات رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں سارے نبیوں پر چھ چیزوں کے ذریعے فضیلت دیا گیا ہوں۔ (1) مجھے جامع کلمات دیئے گئے ہیں۔ (2) رعب کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی ہے۔ (3) ایک روز میں سو رہا تھا کہ زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں مجھے دے دی گئیں۔ (4) میں سارے انسانوں کا رسول ہوں۔ (5) غنیمتیں صرف میرے لیے حلال فرمائی گئی ہیں۔

(6) نبوت کا سلسلہ مجھ پر ختم فرمایا گیا ہے۔ جوامع الکلم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق نے اپنے حبیب ﷺ کی ذات میں وہ تمام علوم ومعارف بھی جمع فرما دیئے ہیں جو سابقہ کتب میں مندرج تھے۔

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت یوں نقل کی ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا اور خواہش ظاہر کی کہ مجھے شان مصطفیٰ ﷺ سے مطلع فرمائیں۔ فرمایا بہت خوب، آپ کی صفات توریت مقدس میں مذکور ہوئیں جیسے قرآن کریم میں بعض اوصاف کا ذکر ہے۔ مثلاً۔

اے غیب کی خبریں دینے والے، بیشک ہم نے تمہیں حاضر و ناظر جنت کی بشارت دینے والا، دوزخ کے عذاب سے ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تم ان پڑھ کی حفاظت کرنے والے میرے بندے اور رسول ہو۔ ہم نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے جو بدخلق سخت اور بازاری آدمی نہیں اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف فرما دیتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں اس وقت تک نہ اٹھائے گا جب تک کہ بگڑی ہوئی قومیں تمہارے ذریعے سے سیدھی نہ ہو جائیں اور یہ اقرار نہ کرلیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور اس کے ذریعے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور غافل دلوں کو کھول دیا جائے گا۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ ابن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ مزید یوں فرماتے ہیں۔

نبی آخر الزمان ایسا نہیں ہوگا کہ بازاروں میں آوازیں بلند کرے اور وہ فواحش کو طبعاً ناپسند فرمائے گا یا ہوہ گوئی (فضول بات چیت) سے متنفر ہوگا۔ میں انہیں ہر خوبی سے آراستہ کروں گا اور انہیں اخلاق جمیلہ سے مزین کردوں گا۔ ان کا لباس سکینہ، ان کا طرز عمل بھلائی، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کا کلام، صدق ووفاء ان کی طبیعت، معاف کرنا اور حسن سلوک ان کی عادت، حق ان کی شریعت، ہدایت ان کا امام، اسلام ان کی ملت اور احمد ان کا نامی واسم گرامی ہوگا۔ میں ان کے ذریعے گمراہی کے بعد ہدایت، جہالت کے بعد علم، پستی کے بعد رفعت وترقی، کے بعد شہرت، قلت کے بعد کثرت، کنگالی کے بعد غناء، جدائی کے بعد ملاپ پیدا کروں گا۔ ان کے ذریعہ مخالف دلوں متفرق خواہشوں اور بکھری ہوئی قوموں کو اکٹھا کروں گا۔ ان کی امت کو تمام امتوں سے بہتر پیدا کروں گا جو بنی نوع انسان کی بھلائی کے لیے ظاہر ہوگی۔

پیغمبر اول وآخر واعظم تاجدار کائنات سرکار دوعالم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم نے کسی کو آپ سے بڑھ کر فصیح وبلیغ نہیں دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اس راستے میں کوئی چیز حائل بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ خالق ومالک نے قرآن کریم کو عرب کی اسی زبان میں نازل فرمایا ہے جو میری زبان ہے اور جس کو باری تعالیٰ نے عربی مبین قرار دیا ہے۔ دوسرے مواقع پر اسی سلسلے میں فرمایا کہ میرا قریش سے ہونا اور قبیلہ بنی سعد میں پرورش پانا علیحدہ بات ہے۔ نبی اکرم، نور مجسم، فخر دو

عالم ﷺ کے لیے دیہاتیوں بدوؤں کے ساتھ ان کی زبان میں گفتگو کرنے اور شہریوں سے شستہ الفاظ اور دلآویز و رونق افروز طریق پر کلام فرمانا اکتسابی نہیں بلکہ تائید الٰہی اور وحی ربانی کی کرشمہ سازی ہے جس کے باعث کوئی بشر آپ ﷺ کے علم و عرفان کا اندازہ تک نہیں کرسکتا۔ حضرت ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی توصیف میں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شیریں کلام تھے۔ گفتگو کا ہر لفظ دوسرے سے جدا ہوتا اور بغیر ضرورت کلام نہ فرماتے۔ آپ کا ہر بیان ایسا ہوتا جیسے ایک لڑی میں پروئے ہوئے موتی۔ آپ کی آواز بلند اور دلکش تھی۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضورِ انور فخر کون و مکاں ﷺ کے نسب کی شرافت اور آپ کے شہر اور جائے پیدائش کی عظمت محتاج بیان و دلیل نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی اشکل واغفا ہے کیونکہ وہ ہادی کائنات سرور انس و جاں ﷺ تمام بنی ہاشم و قریش میں آباؤ اجداد کے لحاظ سے ممتاز اور سارے عرب میں شریف النسب اور معزز ترین ہیں جیسے کہ آپ کے والدین تھے۔ آپ اہل مکہ سے ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے بندوں کے نزدیک سب سے عظمت والا شہر ہے۔

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں بنی آدم کے بہتر افراد میں منتقل ہوتا آیا ہوں یہاں تک کہ اب جن میں پیدا ہوا ہوں، وہ اس وقت سب سے بہتر ہیں۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے ان میں سے جو بہتر تھے، ان میں رکھا۔ پھر قبائل کا انتخاب فرمایا تو مجھے سب سے بہتر قبیلے میں پیدا کیا۔ پھر گھروں پر نظر انتخاب پڑی تو مجھے سب سے بہتر گھر میں پیدا فرمایا۔ میں ذاتی اور نسبی لحاظ سے تمام انسانوں سے بہتر ہوں۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے اسمٰعیل علیہ السلام کو چن لیا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کا انتخاب فرمایا۔ بنی کنانہ سے قریش کو ممتاز کیا۔ قریش سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم میں بلحاظ عزت و عظمت مجھے سرفہرست رکھا۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ کونین کے مختار حبیب پروردگار پیغمبر اول آخر و اعظم ﷺ نے فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوق سے بنی آدم کو معزز کیا، آدم علیہ السلام کی اولاد سے اہل عرب کو، اہل عرب سے قریش کو، قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے پسند فرمالیا۔ پس میں ہمیشہ بہترین خاندانوں سے متعلق رہا ہوں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ جو بھی اہل عرب سے محبت کرے تو میری وجہ سے محبت کرے اور جو عرب کے کسی فرد سے نفرت کرے تو میرے ساتھ بغض رکھنے کے باعث نفرت کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

بیشک یہ قریشی النسل آقائے کائنات سرکار دو عالم ﷺ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بارگاہ خداوندی میں بصورت نور موجود تھے۔ آپ کا نور اللہ تبارک وتعالیٰ شانہ کی تسبیح بیان کرتا اور اس نور کے ساتھ ملائکہ بھی تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔ جب آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو وہ نور ان کی پشت میں رکھا۔ فرمان رسالت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے صلب آدم میں زمین پر اتارا۔ ان سے نوح علیہ السلام اور ان سے ابراہیم علیہ السلام کی جانب منتقل کیا۔ یہاں تک کہ نیک اصلاب اور پاکیزہ ارحام سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک دوسرے کی جانب منتقل کرتے ہوئے میرے والدین کریمین سے مجھے پیدا فرمایا۔ یہ حضرات بدکاری کے سائے سے بھی دور رہے۔

بارگاہ الٰہی میں سرور کون و مکان ﷺ کی قدر و منزلت کیا ہے اور وہ آپ کی عظمت اونچی نرالی شان و رفعت کے روشن بیانات ہیں جن عظمتوں کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق نے آپ کو دونوں جہانوں میں سب سے ممتاز اور مخصوص فرمایا ہے۔ (الحمد للہ) اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضور انور نبی کریم ﷺ سب سے معزز بشر، جملہ اولاد آدم کے سردار اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک بلحاظ مرتبہ تمام انسانوں سے افضل سب سے اونچے مرتبے والے اور اللہ عزوجل کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔

اس بارے میں بے شمار احادیث وارد ہیں لیکن ہم (قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ) نے صرف صحیح اور مشہور احادیث ہی پر اکتفا کیا ہے۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق جل شانہ ہو کے نزدیک آپ کا جو منصب ہے اور آپ کی شان اصطفاء اور رفعت ذکر اور فضیلت عظمیٰ اور سیادت بنی آدم اور جن بلند مراتب کے باعث آپ کو دنیا میں خاص فرمایا اور آپ کے اسم مبارک کی برکت کے بارے میں جو احادیث صحیحہ مشہور وارد ہیں، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہتر حصے میں رکھا۔ ان میں سے ایک گروہ کا نام اللہ تعالیٰ نے اصحاب الیمین (دائیں طرف والے) رکھا ہے اور دوسرے کا اصحاب الشمال (بائیں طرف والے)۔ پس میں اصحاب الیمین سے ہوں اور ان میں سے سب سے بہتر ہوں۔ پھر اس گروہ کے تین حصے کیے۔ جیسا کہ سورۃ واقعہ آیت 8 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ ''تو داہنی طرف والے کیا داہنی طرف والے۔''

آیت 9 ''اور بائیں طرف والے کیا بائیں طرف والے''۔ آیت 10 ''اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے''۔ میں سابقوں میں سے ہوں اور ان میں بہتر ہوں۔ پھر اس کے قبیلے بنا دیئے اور مجھے بہتر قبیلے میں رکھا۔'' جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ سورۃ حجرات آیت 13 ''اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا''۔ پس میں

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی ساری اولاد سے متقی ومکرم ہوں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ پھر قبائل کو مختلف گھروں میں تقسیم فرمادیا تو مجھے بہتر گھر میں رکھا۔'' جیسا کہ سورۃ احزاب آیت 33 میں ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ ''اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کہ گھر والوں کو تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب صاف ستھرا کردے۔''

''اے نبی کے گھر والو! تم سے پلیدی کو دور کردے اور تمہیں پاک صاف فرمادے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بارگاہ رسالت میں عرض گزار ہوئے۔ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو نبوت کب ملی؟ فرمایا جب آدم علیہ السلام روح اور بدن کے درمیان تھے۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو چنا، اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کو، بنی کنانہ سے قریش کو ان سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمالیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں آدم علیہ السلام کی ساری اولاد سے مکرم ہوں اور یہ محض فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی روایت میں ہے کہ جملہ اولین وآخرین سے زیادہ بزرگ ہوں اور فخر یہ نہیں کہتا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور پُرنور رسول کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ جبریل نے میری بارگاہ میں حاضر ہو کر کہا کہ حضور! میں نے زمین کے مشرق ومغرب اور شمال جنوب تک ہر گوشے کو چھان مارا لیکن آپ سے افضل کسی کو نہ دیکھا اور بنی ہاشم سے بہتر کسی باپ کی اولاد نہ پائی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ معراج کی رات میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں براق پیش کیا گیا۔ جب آپ نے سوار ہونے کا عزم فرمایا تو براق اچھلنے لگا۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا، اے براق! تو نبی آخرالزماں کی بارگاہ میں ایسی حرکتیں کر رہا ہے حالانکہ ان سے زیادہ بارگاہ خداوندی میں مکرم ومعزز اور کون ہے جو تجھ پر سوار ہوتا۔ یہ سن کر براق مارے ندامت کے پسینہ پسینہ ہوگیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ حضور پُرنور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے ان کی پشت مبارک میں زمین پر اتارا اور حضرت نوح علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے ان کی پشت مبارک میں زمین پر اتارا اور حضرت نوح علیہ السلام کی پشت مبارک کے اندر کشتی میں رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت مبارک میں تھا کہ مجھے بھی دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا گیا۔ اسی طرح ہر دور کے اندر مجھے نیک پشتوں سے پاک رحموں کی جانب منتقل کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں اپنے

والدین کریمین کے گھر جلوہ آرائے گیتی ہوا اور یہ کبھی بدکاری (زنا) کے قریب بھی نہیں پھٹکے تھے۔

اسی طرح آپ ﷺ کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور انور نبی کریم ﷺ کے متعلق اپنے مشہور قصیدے میں اشعار فرمائے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ (اردو ترجمہ)

1- جب آدم اور حوا علیہم السلام اپنے اپنے جسم کو پتوں سے ڈھانپ رہے تھے اس سے پہلے آپ گھنے سایوں میں مسرت وشادمانی کے ساتھ اپنا وقت گزار رہے تھے۔

2- پھر ان کے ساتھ آپ بھی زمین پر تشریف لے آئے۔ حالانکہ آپ نہ تو قبل ازیں بشر تھے اور نہ انسان کی بنیاد کے مانند آپ مضغہ اور علق رہے تھے۔

3- ظہور بشریت کے بعد آپ نطفہ کی شکل میں محفوظ مقامات میں سوار کی مانند متمکن رہے۔ گھوڑے کو لگام لگا کر تیار رکھا ہوا تھا۔ اگلی منزل پر پہنچتے اور پچھلی روپوش ہو جاتی۔

4- آپ صلب سے رحم کی جانب منتقل ہوتے رہے۔ جب ایک دور گزرتا تو دوسرا شروع ہو جاتا۔

5- آپ کا ایسا ہر محافظ مسکن اگرچہ خندق اور بلند چٹانوں وغیرہ سے گھرا ہوا تھا لیکن آپ ایسے مقامات میں بھی کائنات کی زبان بن کر رہے۔

6- جب آپ رونق افزائے دہر ہوئے تو تشریف آوری سے زمین پُر نور ہو گئی اور فضائیں جگمگا اٹھیں۔

7- ہم آپ کی ضیاپاشی اور نورایت کے صدقے ہی میں تو راہ ہدایت پر گامزن ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے پانچ چیزیں اور بعض روایات میں چھ چیزیں ایسی مرحمت فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں فرمائی گئی۔ (1) ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر رعب طاری ہو جانے کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی۔ (2) تمام زمین نماز پڑھنے کی خاطر میرے لیے پاک ٹھہرائی گئی تاکہ میرے کسی امتی کو جس جگہ موقع ملے وہ وہیں نماز پڑھ سکے۔ (3) میرے لیے مال غنیمت حلال فرما دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے غنائم حلال نہیں فرمائے گئے تھے۔ (4) میں تمام انسانوں کی جانب نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (5) مجھے شفاعت کا اذن دے دیا گیا ہے۔ (6) ایک روایت میں ہے کہ مجھے ہر گورے اور کالے انسان کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ رعب کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی ہے اور میں جامع کلمات دیا گیا ہوں اور میں خواب کی حالت میں تھا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں میرے پاس لائی گئیں اور میرے سپرد کر دیں اور نبوت کا سلسلہ مجھ پر ختم فرما دیا گیا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور نبی کریم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں تمہارے لیے حوض کوثر پر آگے جانے والا ہوں اور تمہارے اوپر گواہ ہوں۔ خدا کی قسم یقیناً

میں اپنے حوض کو اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا فرما دی گئی ہیں اور خدائے وحدہ لاشریک کی قسم مجھے یہ ہرگز خطرہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے، ہاں مجھے تمہارے دنیا سے رغبت رکھنے کا خطرہ ضرور ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ خاتم النبیین' سیّد المرسلین رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں وہی اُمی نبی ہوں جس کا نام نامی واسم گرامی محمد بتایا گیا تھا۔ میں جامع کلمات اور خاتمیت دیا گیا ہوں۔ میں دوزخ کے نگران فرشتے کو جس کا نام خازن ہے اور عرش الٰہی کے اٹھانے والے فرشتوں کو جانتا ہوں۔

ابن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ نے فرمایا قادر مطلق اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ:

''اے سب سے زیادہ تعریف کیے گئے محبوب! مجھ سے جو چاہو مانگو۔ میں عرض گزار ہوا اے رب! میں تجھ سے کس چیز کا سوال کروں جب کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا اور موسیٰ علیہ السلام سے تو نے کلام کیا اور نوح علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور سلیمان علیہ السلام کو ایسی بادشاہی عطا فرمائی جو ان کے سوا دوسرے کے لائق نہیں۔ ارشاد ربانی ہوا میں نے جو تمہیں مرحمت فرمایا وہ اس سے بڑھ کر ہے۔ میں نے تمہیں حوض کوثر بخشا، تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا جس کی ندا فضاؤں میں سنی جاتی ہے اور میں نے زمین کو تمہارے لیے اور تمہاری امت کے لیے پاک ٹھہرایا اور تمہارے باعث تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے گناہ معاف فرما دیئے اور تم لوگوں کے درمیان بخشوانے والے کی حیثیت سے جلوہ افروز ہو۔ حالانکہ قبل ازیں یہ سلوک میں نے کسی کے ساتھ نہیں کیا۔ اور تمہارے امتیوں کے دلوں کو صحیفے بنا دیا اور حق شفاعت کو تمہارے لیے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ جو کسی دوسرے نبی کے لیے چھپا کر نہیں رکھی گئی۔''

دوسری حدیث میں ہے (جو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے) حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ قادر مطلق نے مجھے خوشخبری سنائی ہے کہ سب سے پہلے میری امت کے جو اشخاص میرے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے ان کی تعداد ستر ہزار ہوگی۔ ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ستر ہزار مزید ہوں گے۔ ان میں سے کسی کا حساب نہیں لیا جائے گا اور مجھ پر یہ کرم بھی فرمایا کہ میری امت قحط سالی سے نہیں مرے گی اور نہ مغلوب ہوگی۔ مجھے نصرت، عزت اور رعب عطا فرمایا جو ایک ماہ کی مسافت تک اثر انداز ہے۔ میرے لیے اور میری امت کے لیے غنیمت کا مال حلال قرار دے دیا اور ہم سے پہلے لوگوں پر جو سختی فرمائی گئی تھی وہ ہم سے اٹھالی گئی ہے اور ہم سے دین میں حرج اٹھا لیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر نبی کو معجزات دیئے گئے جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لاتے، مجھے قرآن مجید عطا فرمایا گیا ہے جس سے بہتر معجزے پر کوئی شخص ایمان نہیں لایا۔ میں بھی نبی ہوں اور دیگر انبیائے کرام کی طرح میری جانب بھی وحی آتی

ہے، لہٰذا مجھے امید ہے کہ میرے پیروکار قیامت میں سب سے زیادہ ہوں گے۔''

محققین حضرات کے نزدیک اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک دنیا باقی ہے اس وقت تک آپ کا یہ معجزہ بھی رہے گا۔ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزے وقتی تھے۔ بعد میں ان کی کوئی نشانی بھی نظر نہیں آتی۔ صرف اسی وقت کے لوگوں نے انہیں دیکھا لیکن قرآن کریم (اس کا حفظ ہو جانا، محفوظ رہنا اصلی شکل میں) ایک ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک موجود رہے گا اور ہر کوئی اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ یہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات کی طرح محض ایک خبر ہو کر نہیں رہ جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر نبی کو اس کی امت سے سات نجیب عطا فرمائے گئے اور تمہارے نبی کو چودہ مرحمت ہوئے جن میں سے ابوبکر، عمر، ابن مسعود اور عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں اللہ کا بندہ اور سب نبیوں سے آخری نبی ہوں۔ حالانکہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام کی مٹی گوندھی جا رہی تھی۔ میں ابراہیم علیہ السلام کا خواب اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، مجھے آسمانی مخلوق پر اور جملہ انبیائے کرام پر فضیلت دی گئی ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا کہ آسمانی مخلوق پر آپ کو کس طرح کی فضیلت حاصل ہے آپ نے فرمایا کہ باری تعالیٰ شانہ نے آسمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

سورۃ انبیاء آیت 29

ترجمہ ''اور ان میں جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے، ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ستم گاروں کو۔''

اور سرور کون و مکاں ﷺ کے متعلق فرمایا:

سورۃ فتح آیت 1

ترجمہ ''بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی۔''

صحابہ کرام نے پوچھا، یا رسول اللہ! انبیائے کرام علیہم السلام پر آپ کو کیا فضیلت حاصل ہے؟ حضور انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

سورۃ ابراہیم آیت 4

ترجمہ ''اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔''

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت عرض گزار ہوئی کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ہمیں اپنے متعلق کچھ بتائیے۔ آپ نے فرمایا میں اپنے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں جن کی دعا کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ شانہ نے یوں فرمایا ہے۔

سورۃ بقرہ آیت 129

ترجمہ ''اے رب ہمارے، بھیج ان میں ایک رسول، ان ہی میں سے۔''

اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ میری والدہ ماجدہ نے جب میں ان کے شکم مبارک میں جلوہ افروز تھا، دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور خارج ہوا اور اس سے سرزمین شام اور بصریٰ کے محلات تک نظر آ گئے۔ میں نے قبیلہ بنی سعد بن بکر میں دودھ پیا۔ اسی دوران میں جب ایک روز میں اپنے رضاعی بھائی کے ہمراہ تھا کہ دو شخص آئے جنہوں نے بہت ہی سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ان کے پاس سونے کا ایک طشت تھا جو برف کی طرح ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے سینے سے فم معدہ تک میرا پیٹ چیرا، دل نکالا اور اسے بھی چیر کر اس سے ایک سیاہ ٹکڑا نکالا، پھر میرے دل اور پیٹ کو اس برف سے دھویا اور بالکل صاف کر دیا۔ اس کے بعد ان میں سے ایک نے کوئی چیز پکڑی، دیکھا تو وہ نور کی ایک مہر تھی جو نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ انہوں نے اس سے میرے دل پر رحمت کی مہر لگائی اور اس دل کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس کے بعد دوسرے آدمی نے اپنا ہاتھ میرے چرے ہوئے سینہ پر پھیرا تو وہ درست ہو گیا۔

ازاں بعد ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان کی امت کے دس آدمیوں کے ساتھ ان کا وزن کیا گیا تو میں بھاری رہا۔ کہا ایک ہزار کے ساتھ وزن کرو۔ تب بھی میں بھاری ثابت ہوا۔ آخر میں اس نے اپنے ساتھی سے کہا، چھوڑیئے اگر ساری امت کے ساتھ ان کا وزن کیا جائے تو بھاری یہی رہیں گے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، انہوں نے مجھے اپنے سینوں سے لگایا۔ میرے سر اور آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اے محبوب آقا! گھبرایئے نہیں، اگر آپ جانتے ہیں جو ہم آپ کے ساتھ کرنے والے ہیں تو یقیناً اس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اس حدیث کے باقی حصے میں یہ بھی ہے کہ ان فرشتوں نے بارگاہ رسالت میں یہ بھی عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک کس قدر عزت و وقار اور فضیلت و کرامت والے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ کے معاون و مددگار ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب وہ فرشتے چلے گئے تو میری یہ حالت تھی گویا نبوت و رسالت کی حقیقت مجھ پر بخوبی واضح ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀❀❀

تجھ کو پرائی کیا پڑی، اپنی نبیڑ تو

قارئین کرام! اب میں جن معاملوں پر مجبوراً بات کر رہا ہوں

وہ میرے خیال میں ایسے نہیں ہیں کہ جنہیں عوام الناس کے سامنے چھیڑا جائے، بحث مباحثہ کیا جائے یا عوام الناس کو اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ ان معاملات پر بھی ایسے بات کرنا شروع کر دیں یا ایسے بات کرنا اپنا معمول بنالیں جس طرح کہ روزہ نماز کی بات کی جاتی ہے۔ مجھے تو ایسے معاملات میں خواص کے سامنے ہی اور وہ بھی شوقیہ نہیں یا حالت مجبوری زبان کھولنا مناسب لگتا ہے۔

نماز روزہ تو ہم پر فرض ہیں۔ یہ معاملہ ہر مسلمان اور رب العالمین کے درمیان ہے۔ ان کے بارے میں ہمیں ادا کرنے کے احکام ہیں اور پوچھا بھی جائے گا جب کہ کسی کے ایمان کو جاننا، کسی کے مقام آخرت کو جاننا نہ تو ہمارے فرائض میں شامل ہے اور نہ ہی اس بارے میں ہم سے پوچھا جائے گا اور نہ ان کا جاننا ہمارا ان کے نہ جاننے سے ہمارے لئے کسی طرح سودمند ہے بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ عوام الناس کا ایسے معاملات کے بارے میں نہ جاننا زیادہ بہتر ہے کہ اپنے اس نہ جاننے کی وجہ سے ایسے معاملات میں خاموش رہنا فلاح دارین کے لئے اچھا ہے۔

سیرت طیبہ پر جو بھی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں لکھنے والوں نے ان معاملات

(i) حضور ﷺ کے والدین کا ایمان

(ii) حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کا ایمان

کا ذکر اپنی اپنی سمجھ و ایمان کے مطابق تھوڑا بہت ضرور کیا ہے۔

حضور پُرنور پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کے والدین مبارک کے بارے میں تو واضح اکثریت نے مثبت انداز ہی اپنایا ہے اور اچھی باتیں کی ہیں اور ان کے وقار، رتبہ، شان و عزت و حرمت کو ملحوظ خاطر رکھا ہے لیکن حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو کئی ایک نے نامناسب اور منفی رویہ اپنایا ہے۔ شاید کچھ عالم لوگ اپنی

علمیت کے زُعم میں وہ کچھ لکھ دیتے ہیں، کہہ دیتے ہیں جس سے کسی کے لئے بھی فلاح دارین نہیں۔

میں اس بارے میں نہ تو موجودہ لکھنے والوں کو موردالزام ٹھہرا رہا ہوں اور نہ ہی اپنے پرانے یا پہلے اماموں شیخوں یا علماء کرام پر مجھے کوئی اعتراض ہے کہ انہوں نے ان موضوعات پر کیوں لکھا جنہوں نے مثبت لکھا ہے وہ تو سب ہی بہت قابل احترام ہستیاں ہیں جن کا امت مسلمہ پر احسان ہے۔

اماموں، شیخوں اور دیگر علماء کرام کے پاس ایسے موضوعات پر لکھنے کہنے کے بہت سارے محرکات ہوتے ہیں، وجوہات ہوتی ہیں۔ ان کا ایسے موضوعات پر لکھنے کا مقصد تو تعمیری اور مثبت ہوتا ہے۔ وہ شاگردوں کے لئے، طالب علموں کے لئے، سیکھنے والوں کے لئے، علماء دین کے لئے، دین وملت اسلامیہ کی خیر خواہی کے لیے ان پیچیدہ مشکل معاملات کو اچھی طرح وضاحت کے ساتھ سمجھاتے ہیں، ان کی رہنمائی کرتے ہیں اور مستقبل کے علماء کی دماغی الجھنیں سلجھاتے ہیں۔ الحمدللہ وہ ایک خاص مقصد کے تحت اور بہت حد تک خواص ہی کے لئے لکھتے ہیں۔ خواص ہی سے بیان کرتے ہیں اور مجموعی طور پر اچھا مثبت لکھتے ہیں اور مثبت کہتے ہیں۔

مشکل یا مسائل وہاں پیدا ہوتے ہیں جب چند ایک علماء اپنی علمیت کو جھاڑنے کے لئے یہ معاملات عوام الناس میں لے آتے ہیں اور انہیں اپنا گرویدہ بنانے کی خاطر، ہم خیال بنانے کی خاطر اپنی علمیت کے زعم و گھمنڈ میں خاص طور پر ایمان و مقامِ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں اُول فول، بے ہودہ کہہ دیتے ہیں، لکھ دیتے ہیں۔

میرے خیال میں علماء کرام کو ایسے معاملات کو عوام الناس میں لانے سے گریز کرنا چاہئے۔ یہ ایسے معاملات ہیں جن کے ہم مکلّف نہیں۔ عوام سے ان کا تعمیری پہلو تو چھپا رہ جاتا ہے اور وہ غیر تعمیری پہلو کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں اور پھر اس طرح وہ دوسروں کو بھی بدظن کرتے ہیں۔

میرا ایمان ہے جنہوں نے ان برگزیدہ و متبرک ہستیوں کے بارے میں مثبت لکھا ہے، اچھا کہا ہے، اچھا سوچا ہے، خوش ظن ہیں اور ان مقتدر، عالی قدر، معزز ہستیوں کے بارے میں ان کے مقام کے مطابق ان کے رتبہ کے مطابق ان کی قربت (اللہ و رسول) کے مطابق بات کی ہے، لکھا ہے، اپنی رائے کا ایمان کا اظہار کیا ہے وہ صحیح ہیں اور وہ صحیح ہے اور اسی میں ہم سب کے لئے فلاح دین و دنیا و آخرت یعنی کہ فلاح دارین ہے۔

یہ کائنات، یہ کائنات میں سب کچھ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس لئے پیدا فرمادیا ہے کہ اسے اس کائنات میں اس کائنات کی اصل زینت کو، انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم کو، مکمل تابعدار، عبادت گزار، فرمانبردار اور توکل کامل کے حامل پیغمبر اوّل و آخر واعظم سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمانا تھا۔ اگر اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا نہ فرمانا ہوتا تو نہ آپ ہوتے نہ میں ہوتا نہ یہ زمین و آسمان ہوتے یعنی کہ کائنات ہی نہ ہوتی۔

یہ سب کچھ نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے اعزاز میں پیدا فرمایا گیا ہے اور محبوب خدا ﷺ پیغمبر بحر و بر، ہادی دو جہان رحمۃ للعالمین ﷺ کو یہ اعزاز، یہ امتیاز، یہ شرف یہ شان وعزت اس لئے دی گئی ہے کہ

یہ بہت بہت پہلے کی بات ہے، اربوں سال پہلے کی بات ہے کہ جب اللہ تبارک تعالیٰ نے چاہا کہ یہ چھپا ہوا خزانہ اپنی تمام تر صفات وقدرت کے ساتھ آشکارا ہو، پہچانا جائے تو سب سے پہلے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، سید المرسلین، خاتم النبیین، پیغمبر بحر و بر رسول کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نور مبارک پیدا فرمایا۔

وہ نور پاک لاکھوں سال اپنے خالق و مالک کی عبادت میں رہا۔ ہزاروں لاکھوں سال تک صرف اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات پاک اور اس کے محبوب نبی رحمت اصل الموجودات ﷺ کا نور مبارک تھے یعنی کہ محبّ و محبوب صرف دونوں ہی تھے اور اس کائنات کا وجود نہ تھا۔

پھر اللہ تبارک تعالیٰ نے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم جب اس نور پاک کو روح پاک کو مجسم کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس کے لئے پہلے یہ کائنات پیدا فرمادی اور اسے چاند، سورج، ستاروں، پہاڑوں، سبزہ، درخت و جڑی بوٹیوں، پھل اور پھولوں سے سجادیا۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے اعزاز میں، شرف میں، شان وعظمت میں یہ کائنات اس لئے پیدا فرمائی کہ

اللہ تبارک تعالیٰ اپنے علم سے یہ جانتے ہیں کہ میری زمینی مخلوقات اور دیگر ارض وسما کے درمیان میں یعنی کہ اس عظیم کائنات میں ایک روح پاک کو جب میں اشرف المخلوقات میں مجسم کروں گا تو وہ میرے احکام بجا لانے میں سراپا میرا تابعدار ہوگا۔ میری پہچان وہ میری مخلوقات، انس و جان کو اس احسن ومکمل طریقے سے کرائے گا کہ کہیں بھی ذرہ برابر خامی نہ رہے گی۔

اس کو میں جو دین دوں گا اسے وہ میرے بندوں، میری مخلوق تک میرے چاہے ہوئے معیار و طریقے کے مطابق پہنچائے گا۔ وہ اپنی طرف سے اس میں کمی بیشی نہیں کرے گا اور وہ لگا تار میری خاطر ہر مشکل، تکلیف، رکاوٹ، مخالفت کا مردانہ وار مقابلہ صبر وشکر اور میرے اوپر توکل کر کے ہمت وشفقت سے کرے گا۔ ہر حالت میں دشمن ودوست، اپنے، پرائے کے ساتھ انصاف ہی کرے گا اور کسی بھی حال وحالت میں مجھے نہیں بھولے گا۔ وہ مکمل طور پر مجھے ہی چاہے گا اور میری ہی رضا وکرم کا طلب گار رہے گا۔

اچھے، برے حالات اسے مجھ سے غافل نہ کرسکیں گے اور میری رضا، توکل کے سہارے کے سبب، بڑی سے بڑی رکاوٹ و پریشانی اسے متاثر نہ کرسکیں گی۔ میری اطاعت کی چاہت، میری حاکمیت وخدائی کا خوف ہر حالت میں بڑھتا ہی جائے گا۔ اسے میں ساری دنیا کے خزانے بھی دے دوں گا، قوموں کو اس کے تابع فرماں کروں گا' تب وہ مجھے اور بھی زیادہ یاد کرے گا اور زیادہ عبادت کرے گا، شکر گزار ہوگا۔ ساری دنیا کی بادشاہت

بھی اسے دے دوں تب بھی غرور، تمکنت و دنیا پرستی اس میں قطعاً نہ ہوگی اور وہ بادشاہی میں بھی عاجزی و فقر کو اپنائے گا۔ میری مخلوق کے ساتھ ہمیشہ، ہر حال میں رحم و کرم محبت و شفقت سے ہی پیش آئے گا۔

یعنی کہ وہ میری مکمل پہچان ہوگا اور وہی میری، میرے معیار و حقیقت کے مطابق انس و جان، جمادات، نباتات، حیوانات غرضیکہ پوری کائنات میں پہچان کرائے گا اور پھر اللہ تبارک تعالیٰ نے اسی روح پاک کو محبوب خدا، نبی اوّل و آخر و اعظم، سید المرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے طور، مجسم کرکے مکہ معظمہ میں نبوت سے سرفراز کیا۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے خاص طور پر ذی شعور مخلوقات کو یعنی کہ صاحب عقل مخلوقات انس و جاں کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شانیں دکھلانے کے لئے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اپنی ذات باری کی بے شمار شانیں اور قدرت دکھلانے کے لئے اس کائنات عظیم کو تخلیق فرمایا۔

ہمیں تو جو کچھ ملا ہے اور جو کچھ ملے گا وہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، سید المرسلین خاتم النبیین نبی کریم رؤف و رحیم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں کے صدقے، کے طفیل ہی ملے گا اور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے کون کون ہیں' یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور رب للعالمین خالق و مالک کائنات خوب خوب جانتے ہیں بلکہ صرف وہی جانتے ہیں۔ میرے، آپ کے، ہمارے تو صرف اندازے و خیال ہی ہیں اور ہم عام آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، شان، اللہ کے ہاں مقام، پیاروں کے لئے پیار' دعائیں تمنائیں اور رحیمی و کریمی کو کہاں سمجھ سکتے ہیں۔

یہ اتنی اتنی بڑی شانیں، عظمتیں، رحمتیں اور اللہ تبارک تعالیٰ کی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص عنایتیں نوازشیں ہمارے چھوٹے چھوٹے دل و دماغوں میں کہاں آسکتی ہیں۔

قرآن حکیم فرقان حمید کی سورہ والضحیٰ کی آیت 5 میں خالق و مالک کائنات علیم و بصیر حیی و قیوم کا فرمان مبارک ہے۔

ترجمہ: ''اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے''

قارئین کرام! میں یہاں اس کی تفصیلی تشریح میں نہیں جاؤں گا کیونکہ اس آیت مبارک پر اس سے پہلے بہت تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ یہاں صرف یہ گزارش کرنی ہے کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ہادیٔ دو جہاں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام امت (فرمانبردار، ماننے والے تمام انس و جاں) کی بخشش کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ سے رو رو کر رات بھر دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرما دیا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تم جس جس کی بھی سفارش، شفاعت کا کہو گے میں اسے قبول کرلوں گا اور بالآخر شفاعت یافتہ کو، آپ کی امت کو جنت میں لے آؤں گا۔

حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کس کے لئے رو رو کر دعائیں فرماتے رہے اور کن کے لئے اللہ

تبارک تعالیٰ سے بخشش مانگ لی ہے، منظور کرالی ہے؟ اپنی ساری ماننے والی امت کے لئے یعنی کہ آپ کے لئے میرے لئے ہم سب کے لئے، سب امتی انس و جاں کے لئے۔

اب آپ چند لمحات کے لئے عقل سلیم سے سوچئے کہ آپ کا، میرا، ہمارا آپ ﷺ سے کیا تعلق ہے؟ کیا قربت ہے؟ کس طرح سے اور کیا نسبت ہے؟ اور کیا ہم نام کے مسلمان نہیں ہیں؟ کہنے کو تو ہم آپ ﷺ کے فرمانبردار، ماننے والی امت ہیں لیکن ہم کسی طرح سے بھی آپ ﷺ کی نافرمان، نہ ماننے والی امت سے بہت زیادہ بہتر نہیں ہیں۔

آپ دیکھ لیں کہ ہمارا تعلق، ہماری قربت، ہماری نسبت اور مسلمان ہونا کیا ہے؟ کس نوعیت کا ہے؟ اس سب کچھ کے باوجود ہادی دو جہاں رحمۃ للعالمین نبی کریم رؤف و رحیم نے ہمیں اپنایا ہے۔

جب ہم گئے گزروں پر آپ ﷺ کی شفقت و رحمت کا یہ حال ہے تو اب آپ خود ہی اندازہ کریں کہ ان مکرم و محترم عظیم والدین' پاک والدین' آباؤ اجداد جنہیں اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ ﷺ کی پیدائش مبارک کے لئے چنا، جنہوں نے جنا، پیار و محبت میں پالا، پروان چڑھایا، حفاظت کی دعائیں دیں۔ وہ عزیز و اقارب خونی رشتے' وہ محسنین جنہوں نے آپ ﷺ کو اپنی اولاد کی طرح پالا، پیار دیا، حفاظت کی، حق میں بات کی، دل کھول کر تعریف کی، صفات و عظمت کو پہچانا، کفار و مشرکین کی مخالفت مول لی اور ہمیشہ آپ ﷺ کی حفاظت میں سینہ سپر رہے۔ آپ ﷺ کے لئے آپ ﷺ کے ساتھ شعب ابی طالب کی تین سال کے طویل عرصہ تک سختیاں سہیں۔ جو آپ ﷺ کی حفاظت میں سائے کی طرح ساتھ رہے۔

میرے بھائی میرے قاری اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ اگلے جہاں میں ان متبرک و مقتدر، اعلیٰ و عظیم اعلیٰ ترین قربت و نسبت والے شفیق و کریم النفس ہستیوں کا کیا مقام ہوگا؟

یہ سب تو نورِ امِ النور نور' رحمۃ للعالمین ﷺ کی قربت سے اس طرح جگمگا رہے ہوں گے کہ خوش نصیب دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔

اپنے موقف کی وضاحت تو میں کچھ بعد میں کروں گا اور وہ بھی بہت لمبی چوڑی نہیں بلکہ صرف ایک حدیث مبارک کا حوالہ دوں گا اور ایک دو قرآنی آیات مبارک کے حوالہ سے اپنے موقف کی وضاحت کروں گا، اسے صحیح ثابت کروں گا۔ مجھے قوی امید ہے اتنا لکھنے سے ہی آپ میرے ہم خیال ہو جائیں گے لیکن اس سے پہلے اس بارے میں کہ

''بندے جن امور کی معرفت کے مکلف نہیں، انہیں زیر بحث نہ لائیں''

مقتدر فقہا کرام کی ہدایت پیش خدمت ہے۔

یہ ہدایت، نصیحت، گزارش، فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری حصہ اوّل صفحہ 65 سے لی گئی ہے۔ ''بندے

جن امور کی معرفت کے مکلف نہیں انہیں زیرِ بحث نہ لائیں"۔

چنانچہ فقہا کرام نے اس سلسلہ میں یہ ہدایت دی ہے کہ وہ باتیں جن کی تحقیق و تفتیش کے ہم مکلف نہیں اور جن کی معرفت ضروری نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ انہیں زیرِ بحث نہ لایا جائے۔

ردّ المختار میں ہے مثلاً یہ سوال کہ جبریل امین کس طرح اترے، کس شکل میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا، کہ جب حضورِ انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بشری شکل میں دیکھا تو وہ فرشتے رہے یا نہیں؟ اور جنت کہاں ہے اور دوزخ کہاں ہے؟ قیامت کب ہوگی؟ عیسیٰ علیہ السلام کس تاریخ کو نازل ہوں گے؟ حضرت اسماعیل افضل ہیں یا حضرت اسحاق، ان دونوں میں ذبیح کون ہے؟ حضرت فاطمہ افضل ہیں یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کس دین پر تھے اور ابو طالب کا کیا دین تھا؟ مہدی کون ہیں۔

اس قسم کی اور باتیں جن کی معرفت ضروری نہیں اور نہ بندہ ان کے ساتھ مکلف ہے۔ انہیں زیرِ بحث نہ لانا چاہئے۔ (ردالمختار جلد 5 صفحہ 524)

بلکہ میرے نزدیک تو فی زمانہ اس نوع کے مسائل کو زیرِ بحث نہ لانا ضروری ہے کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس نوع کے مسائل میں بحث و تمحیص سے فتنوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ پارٹیاں اور فرقے بن جاتے ہیں اور سخت انتشار و افتراق پیدا ہو جاتا ہے۔ (فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری حصہ اوّل (پارہ) صفحہ 65)

میری سوچ انداز و طریقہ جو اس طرح کے معاملات مین بے مقصد سوالات کے جواب دینے کا ہوگا وہ سیرت طیبہ میں لکھنے والوں سے یا جن علماء کرام نے ان معاملات کے بارے میں کسی کتاب یا لیکچر، درس کی شکل میں جس طرح جس انداز سے اپنی سوچ رائے خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ان سب سے ایک دم مختلف ہوگا اور مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ جامع اور موثر بھی ہوگا۔

میرا انداز و طریقہ کار مختلف اور منفرد ہونے کے ساتھ ساتھ ایسا بھی ہوگا جو اگلے کو (سوال کرنے والے کو) خاموش بھی کرا دے گا اور مطمئن بھی کر دے اور ایسا جو مزید بحث و مباحثہ کے دروازے بند کر دے تاکہ مندرجہ بالا فقہا کرام کی ہدایت کے مطابق برائی نہ پھیلے اور اچھائی' بھلائی کا بول بالا ہو۔

یہ میری اپنی سوچ انداز و طریقہ کار ہے۔ شاید کسی کو پسند نہ آئے لیکن مجھے تو اس میں بھلائی، امت مسلمہ کی خیر خواہی نظر آتی ہے۔ اس لئے مجھے تو یہ اچھا لگتا ہے اور میری خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ علماء، دین و ملت کے خیر خواہوں کو بتلایا جائے، ان تک پہنچایا جائے تاکہ ان معاملات کے بارے میں زبان کھولنے سے بچا جا سکے جن کے ہم مکلف نہیں ہیں۔

ملک و ملت، امت مسلمہ، دین و دنیا کے مفاد کی خاطر میں ایسے معاملات کو درج ذیل انداز سے نبھانا پسند کروں گا۔

مجھے اگر کوئی یہ پوچھے کہ آپ کا حضور ﷺ کے والدین اور حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ایمان و مقام آخرت کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو میرا کورا جواب یہ ہوگا کہ جناب مجھے سب عزیزوں میں سے عزیز میرے والدین ہی ہیں میں نے انہیں خوب دیکھا ہے انہوں نے مجھے پالا پوسا ہے اور میں ان کے لئے اچھا یا برا صدقہ جاریہ بھی ہوں۔ میں تو اپنے محترم والدین کے مقام آخرت یا اپنے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا، کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بھلا میں ان مکرم و محترم و مقتدر ہستیوں کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں جو ہم سے ہزاروں سال پہلے تھے اور ان کے بارے میں میرا علم بھی بہت ہی کم ہے۔

اور پھر میں اسی (سوال پوچھنے والے) سے یہ سوال اس انداز سے پوچھ لوں گا کہ جناب آپ جو حضور پُرنور ﷺ کے والدین مبارک اور حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ایمان و مقام آخرت کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں، آپ جو اتنا سوچتے ہیں تو آپ نے اپنے اور اپنے والدین کے مقام آخرت کے بارے میں بھی سوچا ہوگا۔ کیا بتانا پسند کریں گے کہ ان کا اور آپ کا مقام آخرت کیا ہے؟

یقیناً اس سوال کو سن کر سوال کرنے والا خاموش ہو جائے گا۔

اس بارے میں برا آدمی اس لئے خاموش ہو جائے گا کہ اب اسے خود اپنے یا اپنے والدین کے بارے میں اچھا یا برا کہنا پڑے گا جو کہ بہت مشکل کام ہے۔

اور اچھا آدمی اس سوال کو سن کر اس لئے خاموش ہو جائے گا کہ اگر اسے اپنے بارے میں، اپنے والدین کے بارے میں حسن ظن ہوگا تو اس میں یقینی طور پر دوسروں کے لئے بھی یہی حسن ظن موجود ہوگا اور اب وہ آپ کے مزید سمجھائے بغیر اس مسئلہ کو سمجھ جائے گا اور آپ کا شکریہ ادا کر کے چلا جائے گا۔

اور جہاں آپ کو سمجھانا ہی پڑے تو پہلے یہ حدیث پاک گوش گزار کریں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ اپنے مرحوم بھائی حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے گھر ایک تندرست، خوبصورت (حضور پُرنور ﷺ) بچے کی ولادت باسعادت کی خبر جب ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے ابولہب بن عبدالمطلب کو دی تو ابولہب نے اپنے بھتیجے کی ولادت کی خوشخبری سن کر، خوشخبری دینے والی اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں نے ایک رات خواب میں مرحوم ابولہب بن عبدالمطلب کو دیکھا تو اس سے میں نے پوچھا کہ موت کے بعد کیسی گزر رہی ہے؟ ابولہب نے کہا' آپ لوگوں سے (خاندان سے) جدا ہو جانے کے بعد میرا بہت برا حال ہے۔ شدید عذاب الٰہی سے دوچار ہوں۔ بس ہر سوموار کو میرے عذاب میں کچھ کمی کر دی جاتی ہے' نرمی برتی جاتی ہے اور پینے کو پانی کا گھونٹ بھی مل جاتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ سوموار والے دن میرے بھائی عبداللہ

ابن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ) مرحوم کے گھر میں میرا بھتیجا محمد (ﷺ) پیدا ہوا تھا اور میں نے اس کی ولادت پر خوشی کی تھی اور اپنی خوشی ومسرت کا اظہار یوں کیا تھا کہ میری لونڈی ثویبہ جس نے مجھے یہ خوشخبری دی تھی میں نے اس خوشی میں اسے انگلی کے اشارے سے فوراً (اسی وقت) آزاد کر دیا تھا۔

(فتح الباری شرح البخاری ابن حجر عسقلانی جلد 9 صفحہ 145)

اور یہی روایت صحیح بخاری کتاب النکاح جلد 2 صفحہ 764 پر ان الفاظ میں درج ہے۔

ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے اہل خانہ میں سے کسی نے اسے بہت برے حال میں دیکھا' تو اس سے پوچھا' کیسے ہو؟ ابولہب نے کہا' میں سخت عذاب میں ہوں' اس سے کبھی چھٹکارا نہیں ملتا۔ ہاں مجھے (اس عمل کی جزا کے طور پر) کچھ سیراب کیا جاتا ہے کہ میں نے (حضور پُرنور محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں) ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح جلد 2 صفحہ 764)

اگرچہ ابولہب کی موت کفر پر ہوئی، اس نے حضور انور نبی کریم رسول اکرم ﷺ کو بعثت کے بعد خوب ستایا بھی اور اس کی مذمت میں قرآن حکیم میں ایک پوری سورہ (سورہ لہب) نازل ہوئی لیکن میلادِ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ پر ابولہب کے اظہار مسرت کی برکت سے ہر سوموار کو اسے پانی کا گھونٹ پلایا جاتا ہے اور اس کے عذاب میں بھی اس روز تخفیف یعنی کہ کچھ کمی، نرمی بھی کی جاتی ہے۔

جب ایک کافر جس کی مذمت میں پوری سورہ ''تبت یدا'' نازل ہوئی جو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا' اس کے بارے میں ہے کہ حضور پُرنور ﷺ کی ولادت باسعادت پر اظہار مسرت کی برکت سے ہر سوموار کو اسے پانی کا گھونٹ اس کے عوض پلایا جاتا ہے اور اس کے عذاب میں بھی کچھ کمی کر دی جاتی ہے۔ تو صاحب عقل سلیم تو اسی سے خوب اندازہ کر سکتا ہے جان سکتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے ہاں آپ ﷺ کے والدین پاک اور دیگر محسنین کا کیا مقام ہوگا۔

قارئین کرام!

جہاں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت نے نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے اللہ تبارک تعالیٰ کے ہاں مقام قدر ومنزلت کو بہت خوبصورتی اور وضاحت کے ساتھ آشکارا کیا ہے وہیں اس میں اور کئی بہت اہم اور گہرے خیال، بات اور نقطے بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے اعزاز میں لحہ اول، روز اوّل سے رحمتوں، نعمتوں اور نوازشوں کی بارش شروع کر دی اور آپ حضور پُرنور ﷺ کی صفت رحمۃ للعالمین کا مفہوم سمجھا دیا کہ اس جہاں میں بھی اگلے جہاں میں بھی، امتیوں کے لئے بھی اور غیر امتیوں کے لئے بھی اور نافرماں امتیوں کے لئے بھی میرے محبوب رحمۃ للعالمین کے صدقے' کے طفیل میری رحمت سب کے لئے عام ہے۔

دوسری بات، ابھی تو روزِ ولادت ہی ہے۔ ابولہب نے ولادتِ باسعادت پر خوشی کا اظہار ثویبہ کے سامنے کیا ہے یا پھر بعد میں بنو عبدالمطلب کے ساتھ کیا ہوگا۔ بلواسطہ حضور پُرنور ﷺ کے ساتھ تو نہیں کیا لیکن خالق و مالک کائنات نے اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اس بلاواسطہ اظہارِ خوشی کو بھی سراہا ہے، قبول کیا ہے اور اس کا اچھا صلہ دے رہا ہے۔

تیسری بات: ابولہب نے آپ ﷺ کی ولادتِ باسعادت پر زبانی کلامی خوشی کا اظہار کیا تھا اور جب آپ ﷺ مبعوث ہو گئے تو اس نے مخالفت میں ستانے میں بڑھ چڑھ کر عملی حصہ لیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت کتنی خوبصورتی، خوش اسلوبی سے یہ سمجھاتی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ سے کسی کے بھی اچھے برے اعمال چھپے نہیں ہیں اور ضرور ہر کسی کو ہر برائی اور ہر بھلائی کا صلہ ملے گا اور جو بھلائی یا برائی تم میرے محبوب ﷺ کے ساتھ کرو گے اس کا ویسا ہی صلہ کہیں زیادہ پاؤ گے۔

مطعم بن عدی نے آپ ﷺ کے فرمانے پر طائف سے واپسی پر مکہ پہنچنے سے پہلے حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم رحمت دو عالم ﷺ نے مطعم بن عدی کے اس حسن سلوک کی بنا پر جب غزوہ بدر میں کفار و مشرکین مکہ کی ایک بڑی تعداد قید ہو کر آئی اور بعض قیدیوں کی رہائی کے لئے مطعم بن عدی (جو کہ غزوہ بدر سے پہلے ہی شرک پر فوت ہو گئے تھے) کے بیٹے جبیر بن مطعم نبی کریم رؤف و رحیم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو رسول کائنات ﷺ نے فرمایا۔

''اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان برے (بدفطرت، ضدی، ناسمجھ) لوگوں کی رہائی کی بات کرتا تو میں اس کی خاطر ان سب کو رہا کر دیتا۔''

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد 1 صفحہ 419، 422- صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 573- سیرت النبویہ ابن کثیر جلد 2 صفحہ 153، 154- السیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 440، 441، زاد المعاد جلد 3 صفحہ 33)

قارئین کرام! غور کریں کہ اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے محبوب نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کس قدر رؤف و رحیم ہیں، مہربان ہیں، شفقت والے ہیں اور نیکی کے قدردان ہیں کہ مطعم بن عدی کی ایک بھلائی کے لئے اس دنیا میں ستر قیدی رہا فرما دیئے جاتے۔ یقینی طور پر اس کو اگلے جہان میں بھی اس نیکی کا ک صلہ بہت زیادہ (ستر گنا) ملے گا۔

ابولہب والی روایت اور مطعم بن عدی والی حدیث پاک سے یہ خوب خوب ظاہر ہے، ثابت ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ میرے محبوب ﷺ کی جو بھی قدر کرے، عزت افزائی تعریف و توصیف کرے گا کسی طرح سے بھی، زندگی کے کسی دور میں بھی مدد و معاون ثابت ہوگا، میں اسے اس کا بہت زیادہ، اس کی توقع سے کہیں زیادہ صلہ دوں گا۔

میرے محبوب کے پیارے، پیارے والدین گرامی میرے ہاں بہت اعلیٰ مقام عزت و احترام کے حامل ہیں۔ میرے مقرب ہیں جو ان کی خوشی میں خوش ہو رہا ہے وہ میرے محبوب کی خوشی میں خوش ہو رہا ہے اور میرے محبوب کی خوشی میری رضا ہے۔

جو بھی میرے محبوب ﷺ کی کسی طرح سے مدد کر رہا ہے، حفاظت کر رہا ہے صداقت امانت اور دیگر صفات حمیدہ کی جی سے تعریف کر رہا ہے' سراہ رہا ہے، مشکلات میں اس کا ساتھ دے رہا ہے، خلوص دل سے میرے محبوب کی عظمتوں، شانوں کو پہچان رہا ہے۔ اسے میں ان سب نیکیوں کا' اچھی باتوں کا ضرور بالضرور بہت زیادہ صلہ دوں گا۔

میرا (اللہ تبارک تعالیٰ) فرمان ہے

کہ جس نے حکم مانا رسول کا اس نے دراصل میرا ہی حکم مانا ہے

جس نے بیعت کی نبی ﷺ کے ہاتھ پر اس نے دراصل میرے ہی ہاتھ پر بیعت کی ہے۔

اور باالفاظ دیگر جس نے بھی کسی طرح سے مدد کی رسول ﷺ کی تو براہ راست اس نے مدد دی اللہ کے دین کو مضبوط کرنے اور پھیلانے میں اور اس کے لئے اچھا صلہ ضرور بالضرور ہے۔

سورہ نجم آیات 3، 4 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○

ترجمہ: ''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔''

یعنی کہ جو پیغمبر اوّل و آخر و اعظم نبی کریم رؤف و رحیم نے فرمادیا کہ میں مطعم بن عدی کے حسن سلوک کے بدلے میں ان سب قیدیوں کو رہا کر دیتا' کا مطلب یہ ہے کہ بارگاہ ایزدی سے مطعم بن عدی کا وہ حسن سلوک کم از کم اتنی نیکیوں کے برابر ہے جو ستر قیدیوں کی رہائی کے متناسب ہوں۔

آئیے اب خالق و مالک کائنات کے درج ذیل ارشاد پر غور کرتے ہیں، سوچتے ہیں۔

سورہ بقرہ آیت 284 میں خالق و مالک و رب کائنات کا ارشاد یوں ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

ترجمہ: ''اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے لے گا۔ تو جسے چاہے بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا۔''

اس آیت کریمہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ، اللہ تبارک تعالیٰ ناانصافی کرے گا، ناحق کرے گا یا حساب کتاب کے بعد جنتی قرار پا جانے والے کو وہ دوزخ میں ڈال دے گا اور حساب کتاب کے بعد دوزخی قرار

دیئے جانے والے کو وہ جنت میں ڈال دے گا۔ ایسی بات نہیں ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ آخری حد تک سب کے ساتھ انصاف کرے گا۔ وہ ہر ایک کے ساتھ انصاف کی اس حد تک جائے گا کہ کسی کی کوئی ذرّہ برابر نیکی اس کے حق میں شمار ہونے سے چھپی نہ رہ جائے گی اور کسی کا ذرّہ برابر گناہ یا برائی اس کے خلاف شمار ہونے سے چھپی نہ رہ جائے گی۔

اللہ تبارک تعالیٰ ہی حق ہے اور یہ سب کچھ اور کائنات حق پر قائم ہے حق پر اس نے چلنا ہے اور حق کے ساتھ ہی سب کا اختتام ہوگا۔

اس آیت کریمہ کو مکمل پڑھیں تو آپ کو سمجھ آ جائے گا کہ اس آیت کریمہ کا مطلب ہے کہ تم روز حساب کے بعد دیکھو گے کہ بہت سارے وہ لوگ جنہیں تم دنیا میں ان کی ظاہری شکل وصورت، رویہ اعمال، تقویٰ اور پرہیز گاری و دینی رتبہ وغیرہ کے سبب یہ گمان کرتے تھے کہ وہ تو جنتی ہیں وہ تمہیں دوزخ میں نظر آئیں گے۔

اور کچھ لوگ جن کے بارے میں دنیا میں تمہارا یہ گمان تھا کہ وہ تو یقینی دوزخی ہیں وہ جنت میں نظر آئیں گے کیونکہ

ہم کسی کی نیت نہیں جانتے، نہ جان سکتے ہیں جب کہ اللہ تبارک تعالیٰ سب کی نیتوں، چھپے بھیدوں کو جانتا ہے اور اعمال کا بدلہ نیت پر ہے۔

اعمال کا بدلہ نیت پر ہے۔ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھانے کی خاطر میں یہاں معذرت کے ساتھ ایک ایسی میانہ سی مثال دینا چاہتا ہوں جسے ہر معیار و عمر کا آدمی آسانی سے سمجھ سکے۔ مثال کے طور پر میں ایک امیر کبیر تعلقات والا شادی شدہ آدمی ہوں اور میرے بچے بھی ہیں اور معاشرے میں ایک باعزت مقام بھی حاصل ہے۔

غریبوں کی بستی میں، غریب گھرانے کی ایک لڑکی مجھے پسند آ گئی۔ اس لڑکی سے راہ و رسم بڑھانے کے لئے میں چوری چھپے اس علاقہ میں آنا جانا شروع کر دیتا ہوں۔ اس تک پہنچنے کے لئے میں محلّہ میں اوروں کی بھی امداد کرتا ہوں، ان کے مسائل حل کرتا ہوں، حل کرنے میں مدد دیتا ہوں۔ ان کے دکھ درد میں شامل ہوتا ہوں اور لڑکی کے اڑوس پڑوس والے غریب گھروں میں تو میں کبھی کبھی فراخدلی سے کچھ ماہانہ خرچہ بھی دے دیتا ہوں۔

اپنی ان ظاہری صفات و عادات کے سبب کچھ عرصہ میں میں اس محلّہ میں، علاقے میں اللہ والا، نیک دل، غریب پرور مشہور ہو جاتا ہوں اور پھر ہوتا یوں ہے کہ اس لڑکی کی مصلحتاً اس کے ماں باپ کہیں شادی کر دیتے ہیں اور میں منہ دیکھتا رہ جاتا ہوں۔

اب میں اپنا بھرم رکھنے کی خاطر، اپنی اس بری نیت کو مزید چھپانے کی خاطر اس لڑکی کو اپنی بہن بنا لیتا

ہوں اور امداد و محلّہ میں فلاحی اخراجات کا سلسلہ میری طرف سے مجبوراً جاری رہتا ہے۔ اپنی دیگر مجبوریوں اور خواہشات کے تحت جب وہ لڑکی میرے ہاتھ سے نکل گئی تو میں نے وہ بری نیت بھی بھلا دی اور اب میں نے دنیا پرستی کے لئے یہ نیت کر لی کہ یہ پیسہ جو میں نے اس محلّہ پہ لگایا ہے بیکار نہیں جانا چاہیے۔ میں اپنے فلاحی کام اسی طرح جاری رکھوں گا تاکہ ان کے ووٹ لے کر میں یونین کونسل کا ممبر بن سکوں اور میری خدمت اور لگایا ہوا پیسہ بیکار نہ جائے۔

قارئین کرام! میں اس محلّہ میں علاقہ میں اللہ والا، نیک دل، رحمت کا فرشتہ، غریب پرور تو مشہور ہو گیا لیکن اللہ تبارک تعالیٰ کے ہاں میرے ان اعمال کا کوئی نیک صلہ نہیں ہے۔ یہ جو بھی خرچہ میں نے کیا ہے اللہ کے ہاں یہ بیکار گیا ہے کیونکہ اللہ تبارک تعالیٰ میری خیرات، امداد، بھلا پن ہمدرد اور دکھ درد میں شامل ہونے والا' بھلا انسان بننے کے پیچھے جو میری نیت تھی' میری جو چالیں تھیں' میرے جو بد ارادے یا دنیا پرستی کی سکیمیں تھیں انہیں جانتے ہیں جب کہ محلّہ والے شک تو ضرور کرتے ہوں گے لیکن وہ میری نیت کو نہیں جانتے۔

اعمال کا بدلہ تو نیت پر ہے اور نیت کو صرف اللہ تبارک تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ کے سوا کون جانتا ہے کہ

پیر نے پیری کیوں اختیار کی ہے؟

پیر کی صداقت کیا ہے؟

نئے مزار کی دریافت کیوں کی ہے؟

مولوی کا پیشہ کیوں اختیار کیا ہے؟

درس و تدریس سے دنیا بنائی جا رہی ہے یا آخرت؟

مسیحا زخم بھر رہا ہے یا تازہ لگا رہا ہے، جلد اتار رہا ہے؟

تسبیح پر اللہ کا نام لیا جا رہا ہے یا عادتاً پکڑی ہوئی ہے؟

فقیر واقعی فقیر ہے یا دولت کمانے کے لئے حلیہ بنایا ہے؟

مرنے والا قدرتی موت مرا ہے یا مار دیا گیا ہے؟

لباس خضر میں رہنما ہے یا لٹیرا ہے؟

مولوی صاحب آخرت بنا رہے ہیں یا دنیا؟

پھانسی پانے والا کس کے جرم میں پھانسی پا گیا ہے؟

قارئین کرام! یہ آپ میں یا ہم نہیں جان سکتے

دل دریا تے سمندروں ڈونگے

کسی کی بھی اچھی یا بری نیت کو کوئی دوسرا یقین کے ساتھ نہیں جان سکتا۔ ہمارے تو خیال اور اندازے ہی ہوتے ہیں جب کہ اللہ تبارک تعالیٰ خالق و مالک کائنات عیاں اور ڈھکے چھپے نیت وارادوں کو جانتے ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ خالق و مالک سورہ ملک کی آیت 13`14 میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِه ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝

ترجمہ: ''اور تم اپنی بات آہستہ کہو یا آواز سے وہ تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہی ہے ہر باریکی کا جاننے والا باخبر''۔ (سورہ ملک آیات 13،14)

اور خالق و مالک کائنات کا سورہ ق میں ارشاد پاک یوں ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِه نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝

''اور بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم دل کی شہ رگ سے بھی اس کے زیادہ نزدیک ہیں۔'' (سورہ ق ۔ آیت 16)

اس لئے اللہ تبارک تعالیٰ خالق و مالک کائنات' قادر مطلق' سب کی نیتوں کے جاننے والے ہی جانتے ہیں کہ کس کا مقام آخرت کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟ وہی منصف حق ہے اور وہی حاکم الحاکمین برحق ہے۔

اور پھر نہ جانے کیوں ہم ناقص العقل مخلوق انس و جاں نے یہ کیوں سمجھ لیا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمیں اپنی تمام خدائی' خلاقیت' ربوبیت' حکمت و حاکمیت کے بارے میں سب کچھ ہی بتا دیا ہے اور جو اب ہمارے علم میں ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ حالانکہ ہم ذی شعور مخلوق انس و جاں یہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمیں جو نظر آتا ہے' جو سمجھ آتا ہے وہ تو ٹپ آف دی آئیس برگ (Tip of the ice burg) ہے۔ یعنی کہ سمندر کے پانی میں تیرتے ہوئے پہاڑ جتنے بڑے برفانی تودے کا ہمیں صرف اور صرف وہ حصہ نظر آتا ہے جو پانی کی سطح سے باہر ہوتا ہے۔ اور اُس نظر آنے والے حصہ کی نسبت زیر پانی تودہ سے یہ ہوتی ہے کہ ایک عام سائز کمرے کی نسبت ایک پہاڑ سے ہو۔

اپنی اس کم مائیگی کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں جنت' دوزخ اور ان میں جانے والوں کے بارے میں علم ہے' علم ہو سکتا ہے۔

ہمیں قرآن حکیم و احادیث مبارک کے ذریعے اتنا ہی بتایا گیا ہے جو کہ ہمارے چھوٹے دماغوں میں سما سکے اور جس کا سوچ کر' یا جس سے ہم راہِ راست پر رہ سکیں۔ اور اس سے زیادہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ ہمارا عقل کا ظرف اتنا بڑا نہیں ہوتا ہے کہ اس سے زائد کو سنبھال سکے۔

ہمارا علم تو جنت' دوزخ کے بارے میں بھی بہت ہی محدود ہے۔ یہ جوان کے بہتر (۷۲) بہتر (۷۲)

طبقات بیان کردیئے گئے ہیں۔ یہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اولیاء اللہ' صاحب معرفت' صاحب کشف حضرات نے بیان کئے ہیں۔ عام آدمی کی سمجھ سے تو بہتر (۷۲) طبقوں میں تقسیم ہی بہت بالاتر ہے اور اگر یہ کہہ دیا جائے کہ ان میں سے ہر طبق پھر بہتر بہتر درجوں میں تقسیم ہوتا ہے تو آپ کو اس سے کیا سمجھ آئے گی۔ جب کہ یہ بھی حقیقت پر مبنی ہے۔

سورہ حدید کی آیت 21 میں خالق و مالک کائنات کا ارشادِ پاک ہے:

سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

ترجمہ: ''بڑھ کر چلو اپنے ربّ کی بخشش اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی جیسے آسمان اور زمین کا پھیلاؤ۔''

اب آپ جنت کے حدود اربعہ کا سوچئے جس میں زمین و آسمان سما جائیں گے؟؟ خوب سوچئے ؟؟ اور اسی طرح دوزخ بھی کوئی چھوٹی چیز نہیں ہے۔

کیا آپ نے کبھی سوچا کہ ہماری زمین کو اس عظیم کائنات' فضائے بسیط سے کیا نسبت ہے؟ اندازاً وہی نسبت ہے جو ایک گیند یا فٹ بال کو اس زمین ہے۔ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ زندگی بھر عام آدمی اس زمین کے جتنے حصہ میں گھومتا پھرتا ہے' زندگی گزار دیتا ہے اس کی اس عظیم کائنات سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ اندازاً وہی نسبت ہے جو ایک ریت کے ذرّہ کو اس زمین سے ہے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ ہم اپنی پوری زندگی میں کائنات کا کتنا حصہ دیکھ پاتے ہیں۔ میں یہاں علم و سمجھ کی بات نہیں کر رہا ہوں کیونکہ وہ تو نہ ہونے کے برابر ہے اور ان کے لئے عقل کی ضرورت ہے۔ میں صرف دیکھنے کی بات کر رہا ہوں جس میں صرف آنکھوں کی بصارت کا کام ہے اور وہ تقریباً سب میں ایک جیسی ہے۔

سورہ طلاق کی آیت مبارک 12 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد پاک ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

ترجمہ: ''اللہ ہے جس نے سات آسمان بنائے' اور ان ہی کے برابر (یعنی سات) زمینیں''۔

اب آپ مجھے بتلائیں کہ آپ باقی چھ آسمانوں اور چھ زمینوں کے بارے میں اس سے زیادہ اور کیا جانتے ہیں؟ ایمانداری سے اس سوال کا جواب تو یہ ہے کہ قرآن حکیم نے' اللہ تبارک تعالیٰ نے جو کچھ اس بارے میں بتلا دیا ہے اس سے آگے ہمارے اندازے ہی ہیں' مصدقہ علم تو صفر ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس سے زائد بتانا ہمارے لئے مناسب نہیں جانا ہے اس لئے اور کچھ بتایا نہیں گیا ہے۔

میرا یہاں مندرجہ بالا دو تین صفحے لکھ دینے سے مطلب و مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ تو ساری کائناتوں کا، جنت و دوزخ کا، تمام مخلوقات کا خالق، مالک و پروردگار ہے۔ اس کے نظام ہماری تنگ نظری اور گھٹی ہوئی سوچ کے مطابق نہیں چلتے۔ اس نے جنت اتنی بڑی بنائی ہے کہ اس میں آسمان و زمین سما جائیں۔ اس کی وسعت کو ہم اپنے تصور میں بھی نہیں لا سکتے۔ نہ جانے اللہ تبارک تعالیٰ نے اتنی وسیع جنت میں کتنے طبق بنائے ہیں، کتنے اس میں داخلے کے دروازے ہیں۔ نہ جانے وہ کس کس دروازے سے کس کس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ وہ خالق ہے وہ مالک ہے اور وہ حق ہے۔ وہ مختارِ کل ہے، وہ قادرِ مطلق ہے۔ ہر ایک کے ساتھ انصاف ہوگا۔

اور سورہ ملک آیت 14 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد ہے

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ○

ترجمہ: ''کیا وہ نہ جانے، جس نے پیدا کیا، اور وہی ہے ہر باریکی کا جاننے والا، باخبر۔''

اللہ تبارک تعالیٰ حق ہے اور سارے نظام حق پر مبنی ہیں۔ وہ سب کے ساتھ حق یعنی انصاف ہی کرے گا۔ حق کی فراہمی کے لئے اُس نے ہمارے اوپر اعمال نامہ لکھنے والے بٹھائے ہوئے ہیں جن کے بارے میں سورہ قٓ کی آیت 18 میں ارشاد ہے:

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ○

ترجمہ: ''کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا، کہ اس کے پاس (اسے لکھ لینے کے لئے) ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہے''۔

یعنی کہ اعمال نامہ لکھنے والے فرشتے فوراً ہر لفظ ہر بات کو لکھ لیتے ہیں، محفوظ کر لیتے ہیں۔ ہمیں دوسروں کے بارے میں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ ہم اپنی عقل کی بنا پر اس راستے پر ایک قدم بھی صحیح نہیں اُٹھا سکتے۔ کس نے جنت میں جانا ہے اور کس نے دوزخ میں اس تجسس و فکر کو آپ کلیتاً چھوڑ دیں اور اپنی فکر کریں۔

میری گزارش ہے کہ خواص کو اس طرح سمجھائیں جیسے مستند اماموں اور علماء کرام نے سمجھایا ہے اور عوام الناس کے لئے میرا طریقہ اپنائیں۔

میرا ایمان ہے کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم کے والدین گرامی، سرپرست محسن اور محسنین جنہوں نے طویل عرصہ تک آپ ﷺ کی حفاظت کی، آپ ﷺ کو دلی محبت و شفقت دی، آپ ﷺ کے لئے کفار و مشرکین کے سامنے ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ آپ ﷺ کی مدح تعریف و توصیف صدقِ دل سے بڑے اچھے الفاظ و انداز میں برملا اور برابر کی، ان کا مقام بالآخر جنت الفردوس ہے۔

اور یہ نہ بھولیں کہ

ہم اس دور کے مسلمان میں آپ اور تقریباً ہم سب ہی براہ راست جنت میں چلے جانے کے مستحق نہیں ہیں۔ ہم اپنے اپنے کیئے کی سزا پانے کے بعد ہی پیغمبر اوّل و آخر و اعظم شفیع المذنبین ﷺ کی دعاؤں اور شفاعت کے طفیل بالآخر جنت میں جاسکیں گے۔

سورہ مریم آیت 71 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ

ترجمہ: ''اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو۔''

اس آیت مبارک کی تفسیر پہلے بیان کی جاچکی ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ خوش نصیب لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو اس دنیا میں جنت کا حق دار بنالیا وہ دوزخ پر سے (پل صراط پر سے) پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے اور وہ فوری جنت میں ہوں گے۔ اور باقی ہم جیسے گنہگار اپنے اپنے گناہوں کے تناسب سے عذاب دوزخ سے دوچار ہوں گے اور پوری سزا بھگت لینے کے بعد انہیں قدم بہ قدم' درجہ بہ درجہ دوزخ کی گہرائی سے نکال کر جنت کی طرف لایا جائے گا اور بالآخر وہ آپ ﷺ کی دعاؤں' شفاعت' کرم نوازیوں کے سبب جنت میں داخل کردیئے جائیں گے۔

ویسے بھی اگر ہم یہ ٹھیکیداری نہ لیں کہ فلاں جنت میں جائے گا اور فلاں دوزخ میں، فلاں جنتی ہے، فلاں جہنمی تو یہ ہمارے لئے بہت بہتر ہے۔ ہم اگر اپنے بارے میں اپنے پیارے والدین کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتے، کچھ نہیں جانتے تو ہمیں اوروں کے بارے میں ایسا نہیں سوچنا چاہئے۔

میرے خیال میں اگر یہ کہا جائے کہ

یہ معاملے ایسے نہیں ان کو نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

تو زیادہ بہتر ہے۔

مستشرقین
(دین اسلام اور امت مسلمہ کے منظّم چالاک بدخواہ)

ہم انسانوں کے لئے نیکی اور بدی کا ٹکراؤ تو ابتدائے تخلیق آدم سے ہی شروع ہے۔ رحمانی قوتوں کے خلاف طاغوتی، شیطانی طاقتیں شروع سے ہی نبرد آزما ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی جن مخلوقات (انس و جاں) کو عقل دی ہے انہیں اپنے اچھے برے اعمال کے لئے ذمہ دار بھی ٹھہرایا ہے کہ انہیں دوسری (ابدی) زندگی میں اپنے اعمال کی جزا یا سزا بھی بھگتنا ہوگی۔ اس دنیا میں ذی شعور مخلوق کو اچھے' برے کو اپنی عقل سے پہچاننا ہوگا اور اگر ہم ابدی راحت کے خواہاں ہیں تو ہمیں ہماری عقل سلیم جو راہ دکھاتی ہے اس پر چلنا ہوگا اور عقل سلیم ہمیشہ نیکی، بھلائی، اچھائی کا ہی راستہ دکھاتی ہے۔

ہمارے نبی، پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم سید المرسلین ﷺ' خاتم النبیین بھی ہیں۔ اب رہتی دنیا کے لئے سارے جہانوں کے لئے، تمام انس و جاں کے لئے آپ ﷺ کی تعلیمات، قرآن حکیم، احادیث و سنت یعنی کہ اسوہ حسنہ یہ سب ہی رحمانی قوتیں ہیں، اچھائی بھلائی اور خوبی کی قوتیں ہیں۔

ان میں خامیاں تلاش کرنے والی، خامیاں پیدا کرنے والی، ان کی اہمیت کم کرنے والی، ان سے دور کرنے والی، ان سے متنفر کرنے والی یہ تمام طاقتیں طاغوتی ہیں یعنی کہ شیطانی یا برائی کی طاقتیں۔

سورہ بقرہ آیت 257 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ لا يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اللہ والی ہے مسلمانوں کا انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور کافروں کے حمایتی شیطان ہیں وہ انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں۔ یہی لوگ دوزخ والے ہیں وہ ہمیشہ

اس میں رہیں گے۔''

خدائے رحمٰن ورحیم اور رحمانی طاقتیں اچھائی بھلائی خوبی یا نور کی طرف لے جاتی ہیں اور شیطانی طاقتیں برائی، بدی، ناانصافی، ظلمت کی طرف لے جاتی ہیں۔ نور وظلمت کے بارے میں میں اس سے پہلے بہت مفصل اور وضاحت کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔ یہاں اب میں اس بحث ووضاحت میں نہیں جاؤں گا۔

لفظ مستشرقین ایک اصطلاح ہے جس کی سادہ تعریف میں یوں کروں گا ''دین اسلام کے بدخواہ یا امت مسلمہ کا برا چاہنے والے'' میرے خیال میں لفظ مستشرقین کے مقابلہ میں عام قاری کے لئے یہ زیادہ قابل فہم ہیں۔ اس لئے میں زیادہ تر ان ہی الفاظ کا استعمال کروں گا۔

دین اسلام، تعلیماتِ دین اسلام اور بانی دین اسلام اور خدائے واحد کی عبادت کرنے والوں کے خلاف طاغوتی طاقتیں پہلے دن سے ہی برسرِ پیکار ہیں۔ مشرکین مکہ بھی بہت بڑی شیطانی قوت تھے جنہوں نے رحمانی طاقتوں کی ایک عرصہ تک سخت مخالفت ومزاحمت کی اور رحمانی طاقتوں کے پھیلنے اور پھلنے کے خلاف ایک عرصہ تک بند باندھے رکھا۔

خیر چھوڑیئے اس تمہید کو یوں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی لیکن یہ بتانے کے لئے کہ اسلام کے بدخواہ امت مسلمہ کا برا چاہنے والے اور برا کرنے والے ہر رنگ ہر روپ، ہر شکل ہر انداز سے حملہ آور ہوتے ہیں ان سے کوئی سا بھی طریقہ واردات بعید نہیں ہے۔

اپنے نکتہ کی وضاحت کے لئے اب میں ان کی اس مشہور عالم اور انتہا کی خطرناک واردات کا حوالہ دیتا ہوں جس میں دو مغربی عیسائی مکمل متقی، پرہیز گار، نظریں نیچی رکھنے والے، مخیّر، کم گو، بس اللہ والے مولویوں کا روپ دھار کر مدینہ طیبہ میں وارد ہوئے اور جسد پاک تک پہنچنے کے لئے سرنگ لگائی۔ یہ آج سے تقریباً ساڑھے نو سو سال پہلے کی بات ہے۔ اس وقت ملک مصر کا حاکم نورالدین زنگی تھا جس نے آپ ﷺ کی خواب میں بشارت پر انہیں مدینہ طیبہ پہنچ کر پکڑا اور تہ تیغ کیا اور قبر اطہر کی مکمل حفاظت کی خاطر اس کے چاروں اطراف بہت گہرائی تک سیسہ ڈال دیا۔

امت مسلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے طاغوتی طاقتیں کس سبب یکجا ہوئیں؟ انہوں نے اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے کیا کیا طریقے سوچے اور بالآخر کس طریقے یا چال کا انہوں نے انتخاب کیا اور وہ اس پر کس طرح عمل پیرا ہو رہے ہیں اب ذرا کچھ اس بارے میں پیش خدمت ہے۔

احادیث، روایات

جن کے واسطہ سے دینی علم، یہ بشارتیں اور خوشخبریاں ہم تک پہنچیں وہ پیشہ ور داستان گو، چرب زبان، قصہ گو، نوعیت کے لوگ نہیں تھے بلکہ سربرآوردہ مفسرین، نامور محدثین، عالمی شہرت کے مالک مورخین ادب ولغت

کے مسلمہ ائمہ۔ صوفیاء اور فقہاء کا ایک مقدس گروہ تھا۔ جنہوں نے امت احمدیہ تک ان حقائق کو بڑی دیانتداری سے پہنچایا۔ ان پاکباز حضرات نے اللہ تبارک تعالیٰ کے حبیب اور اس کی مخلوق کے ہادیٔ برحق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے موضوع پر پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ بڑی گراں قیمت کتابیں لکھیں، تالیف کیں اور انہیں اپنی نجات اور بخشش کا ذریعہ سمجھا اور اپنی ان تالیفات میں انہوں نے ان احادیث، روایات بشارتوں، پیش گوئیوں، اعلانات و واقعات اور حادثات، جن کا تعلق حیات وتعلیمات نبی کریم ﷺ سے تھا کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا۔

البتہ جو روایات علمی معیار پر پوری نہ اترتی تھیں ان کی نشاندہی کی جس روایت کی سند میں کوئی غیر ثقہ راوی در آیا تھا اس سے قارئین کو آگاہ کیا اور اگر کوئی واقعہ فن روایت و درایت کے معیار پر پورا نہیں اترتا تھا تو کھل کر اس کو بیان کر دیا تاکہ کوئی پڑھنے والا ان غلط اور ضعیف روایات و حکایات کے باعث کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے۔ یہ ان کی علمی اور دینی ذمہ داری تھی جسے انہوں نے بلاخوف وخطر ڈنکے کی چوٹ سے پورا کیا اور کوئی بڑی سے بڑی شخصیت بھی ان کو اظہار حق سے روک نہ سکی۔

سلف صالحین کی ان مخلصانہ کاوشوں اور جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے کے لئے ان حضرات کی تصنیفات کی طرف رجوع کرتے انہیں ایک تو اس پاکیزہ زندگی کے ماہ وسال، شب و روز بلکہ ہر صبح اور ہر شام میں رونما پذیر ہونے والے واقعات کا صحیح علم ہو جاتا تھا۔ دوسرا جب وہ اپنے مرشد برحق ﷺ کے ان کمالات کو ان کتابوں میں پڑھتے جن سے حضور ﷺ کو اللہ تبارک تعالیٰ قادر مطلق نے آراستہ اور مزین فرمایا تھا تو اس ذات اقدس واطہر کی محبت کی شمع ان کے دلوں میں فروزاں ہو جاتی تھی۔

اور جب وہ محبوب رب العالمین کے عشق کی شراب طہور سے سرشار ہو کر شاہراہ زندگانی پر گامزن ہوتے تو ان کے کیف ومستی کا انداز ہی نرالا ہوتا تھا۔ احکام شریعت کی پابندی کو وہ ناگوار بوجھ خیال نہیں کرتے تھے بلکہ بڑے ذوق وشوق کے ساتھ احکام الٰہی کو بجالاتے تھے۔ ان کے دن میدان جہاد میں شمشیر زنی کرتے گزرتے تو ان کی راتیں اور خلوتیں (تنہائیاں) اپنے خالق حقیقی کی یاد میں آنسو بہاتے، آہیں بھرتے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپتے گزرتیں اولاد کی محبت، کاروبار کی مصروفیت انہیں ذکر الٰہی سے غافل نہیں کر سکتی تھیں۔

جب انہیں دین حق کو سربلند کرنے کے لئے مال وجان کا نذرانہ پیش کرنے کا حکم دیا جاتا تو وہ اس کو اپنے لئے کمال سعادت خیال کرتے۔ بے دریغ اور بلا تامل ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار نظر آتے اور ہر کلمہ گو کی کم وبیش یہی کیفیت ہوتی تھی۔ وہ حکم الٰہی بجالانے کے لئے ہر وقت تیار ہوتے تھے۔

فتوحات کا سلسلہ جو آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں شروع ہو گیا تھا وہ دور خلافت راشدہ میں اور تیز اور

وسعت پذیر ہو گیا اور اس کے بعد بھی کافی شدومد سے جاری رہا۔

مسلمان مجاہدوں نے عیسائیوں کو کئی صدیوں تک شکستوں پر شکستیں دی تھیں۔ انہوں نے شرق اوسط کے تمام ممالک شام، فلسطین، لبنان وغیرہ رومی عیسائیوں سے بزور شمشیر چھین لئے تھے۔ مسلمانوں نے ایشیا اور افریقہ کے براعظموں میں ہی عیسائی مملکتوں کا خاتمہ کرنے پر اکتفانہ کیا بلکہ طارق بن زیاد نے آگے بڑھ کر یورپ پر حملہ کیا اور سپین کے وسیع وعریض ملک پر قبضہ کر کے جگہ جگہ مسجدوں کا جال بچھا دیا جن کے فلک بوس میناروں سے دن میں پانچ مرتبہ اذان کی دلکش صدائیں گونجتی تھیں اور صلیب کے پیروکاروں کے ملک میں اللہ وحدہ لاشریک کی توحید اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اعلان کرتی تھیں۔ ان صدیوں پر پھیلی ہوئی پے در پے ہزیمتوں کا جوزخم ان کے دل پر اور جو چرکے ان کے دماغ کو لگے تھے انہوں نے ایسے ناسوروں کی شکل اختیار کر لی تھی جو ہر لحظہ رستے رہتے تھے اور ان شکستوں کی اذیت ناک یاد کو تازہ کرتے رہتے تھے۔

اس لئے عیسائی ممالک، حکومتیں اس امر کا بغور جائزہ لے رہی تھیں کہ مسلمان کب کمزور ہوں کہ ان پر کاری ضرب لگائیں اور بدلہ لیا جائے۔

چنانچہ جب انہوں نے اسلامی مملکت کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا پایا تو یورپ کے مذہبی پیشواؤں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کی مہم اس زوروشور سے چلائی کہ یورپ میں بسنے والا ہر فرد امیر، فقیر، بادشاہ اور رعایا فوج کا عام سپاہی اور اس کے جرنیل، بیت المقدس کو فتح کرنے کے جنون میں ایک طوفان بن کر شام وفلسطین کی سرحدوں پر اُمڈ آئے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ اپنی اجتماعی، عسکری قوت کے بل بوتے پر اس مہم کو سر کر لیں گے۔ ان کے پادریوں نے بھی ان کو یقین دلایا تھا کہ یسوع مسیح اپنے جملہ خدائی اختیارات کے ساتھ ان کی مدد فرمائے گا۔

لیکن ہر بار فرزندان توحید نے صلیب کے پرستاروں کی امیدیں خاک میں ملا دیں۔ مسلم دنیا کے حکمران اگرچہ متحد نہ ہو سکے لیکن غازی نورالدین محمود اور غازی صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں شمع جمالِ محمد (ﷺ) کے پروانوں اور دین اسلام کے شیدائیوں نے اپنی شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے اور اس عدیم المثال جرأت و ثابت قدمی سے ان یلغاروں کا مقابلہ کیا کہ دشمنوں کے دانت کھٹے کر کے رکھ دیئے۔ اور یورپ کے نوابوں، بادشاہوں اور شہنشاہوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اٹلی، جرمنی، فرانس اور دیگر چھوٹے بڑے یورپین ممالک کے حکمرانوں کے علاوہ برطانیہ عظمیٰ کا شہنشاہ رچرڈ جو "شیر دل" کا لقب یافتہ تھا بذات خود اپنی فوجوں کی قیادت کر رہا تھا لیکن غازی صلاح الدین اور اس کے مجاہدوں کے نعرہ تکبیر کی کڑک ان کے اوسان خطا کر دیتی اور وہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے۔

تقریباً دوسو سال تک مسلسل جاری رہنے والی صلیبی جنگوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۱۸۷ء میں غازی صلاح الدین

ایوبی نے اپنے جانباز اور سرفروش مجاہدوں کی معیت میں القدس، فرنگیوں سے چھین لیا۔ صلیب کے پرچم کو سرنگوں کر کے اسلام کا ہلالی پرچم لہرا دیا۔ جب دشمنانِ اسلام جنگ کے میدانوں میں اپنی تمام تر مساعی کے باوجود اسلام کا پرچم سرنگوں نہ کر سکے تو انہوں نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اور ان کی صفوں کو درہم برہم کرنے کے لئے سازشوں کے دام بننے اور بچھانے شروع کر دیئے۔ اس طرزِ عمل سے انہیں کافی کامیابیاں حاصل ہوئیں لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کے دلوں میں انتقام کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ ٹھنڈی نہ ہوئی وہ تو اسلام کا نام ونشان ہی صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے آرزومند تھے۔

بیت المقدس کی شکست اور وہاں صلیبی پرچم سرنگوں ہونے اور اسلامی پرچم کے لہرائے جانے کے صدمے نے تو گویا ان سب کو نیم جان بنا کر رکھ دیا۔ اس مشکل پر قابو پانے کے لئے انہوں نے اپنے دانشوروں، ماہرین علم نفسیات، اپنے مایہ ناز مورخین سیاستدانوں اور مذہبی رہنماؤں پر مشتمل کئی کمیشن تشکیل دیئے اور انہیں یہ کام سونپا گیا کہ وہ اس بات کا سراغ لگائیں کہ اس ناقابل تسخیر قوت کا سرچشمہ کہاں ہے جو ان نہتے مسلمان سپاہیوں میں بجلی بن کر دوڑتی ہے جس کے اعجاز سے ہر مجاہد حیدر کرار کی خیبر شکن طاقت کا علم دار بن جاتا ہے اور ان کے ہاتھوں میں لہرانے والی تلوار ذوالفقار بن کر دشمنوں کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

سالہا سال کے غور وخوض مطالعہ، سوچ بچار اور باہمی مشورہ سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس قوت کا سرچشمہ ایمان، محبت لگاؤ و عشق پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔ جب تک لگاؤ، محبت، اطاعت کا یہ شدید جذبہ زندہ رہے گا، جب تک اپنے محبوب نبی کے ساتھ مسلمانوں کی والہانہ محبت کا چراغ روشن رہے گا، جب تک اپنے ہادی اور مرشد کے لائے ہوئے دین کو سربلند رکھنے اور اس کی ہر آن پر کٹ مرنے کا شوق سلامت رہے گا، ان مسلمانوں کو شکست نہیں دی جاسکتی۔

اس کا واحد طریقہ یہی ہے کہ عشق و محبت کے اس چشمۂ صافی کو گدلا کر دیا جائے۔ اس میں شکوک و شبہات کی زہر گھول دی جائے۔ محبت و نیاز مندی کی ہر ادا پر شرک کا فتویٰ صادر کر دیا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم بدعت کی تہمت ضرور لگا دی جائے اور یہ کام اس سرگرمی اور جوش وخروش سے کیا جائے اور لگاتار کیا جائے کہ مسلمانوں کی قوت دفاع کو اگر کلیۃً ختم نہ کیا جاسکے تو اس کو کمزور ضرور کر دیا جائے۔

اپنے اس مقصد کہ "امت مسلمہ کو کمزور کیا جائے" کے حصول کے لئے انہوں نے تحریک استشراق کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

جذبہ اسلامی کو ماند کرنے کے لئے دشمنانِ اسلام کی یہ بڑی گہری چال تھی اور انہوں نے اس کو بڑی مہارت اور چابک دستی سے آگے بڑھایا گیا۔

اس تحریک کی زمام کار کہنہ مشق اور تجربہ کار اساتذہ اور پروفیسروں کے ہاتھ میں دے دی گئی جو شہرہ آفاق

یونیورسٹیوں میں تدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ان کی شخصیتوں کو قد آور بنانے کے لئے ان کے گرد تقدس اور جلالت علمی کا ایک مصنوعی ہالہ بنا دیا گیا۔ان کے بارے میں یہ مشہور کیا گیا کہ وہ بے لاگ نقاد ہیں۔ علمی تحقیقات کے میدان میں ان کی غیر جانبداری ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ ہر قیمت پر حق کے پرچم کو بلند رکھنا ان کا شعار ہے۔

اس طرح انہیں بڑے بڑے خطابات انعامات دیکر ان کی خوب با مقصد تشہیر کر کے طالبان علم و دانش اور حق وصداقت کے متلاشیوں کی نگاہوں میں ان کی شخصیتوں کو بلند وبالا کر دیا گیا۔اس پروپیگنڈا کے سبب ان کی تالیفات اور مقالات کا مطالعہ کرنے والا' ان کے مطالعہ کرنے سے پہلے ہی ان کی علمی شہرت اور ان کی فنی دیانتداری پر ایمان لا چکا ہوتا ہے۔اس کے بعد جب قاری (پڑھنے والا) شہد سے زیادہ شیریں زبان میں لکھی گئی ان کی کتب کا مطالعہ کرتا ہے تو ان کے نظریات کو بلا تامل حلق سے نیچے اتارتا چلا جاتا ہے اور لوح قلب پر نقش کرتا جاتا ہے اس وارفتگی کے عالم میں اسے یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ جس کو وہ شہد سمجھ رہا ہے اس میں بڑی عیاری سے اس کے لئے زہر ہلاہل ملا دیا گیا ہے۔ایسا نہ محسوس ہونے والا زہر کہ جس کے جان لیوا اثرات اسے اس کے افکار ونظریات بلکہ اس کے تشخص کو بھی موت کی نیند سلا دیں گے۔

امت مسلمہ کے بدخواہوں نے جس موضوع کو اپنی جارحانہ تنقید کا ہدف بنایا وہ کمالات محمد ﷺ کا موضوع ہے۔وہ کمالات حمیدہ، وہ صفات جمیلہ جن سے کسی انسان نے نہیں بلکہ خود قادر مطلق خالق و مالک کائنات، رب للعالمین نے حضور پُرنور ﷺ کو متصف اور مزین فرمایا ہے۔ان لوگوں کا انداز بیان بڑا دلکش اور از حد خطرناک ہوتا ہے۔اس کی زد سے بچ کر نکل جانا توفیق الٰہی کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔

ان کا طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ صفحات پر صفحات حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی تعریف و توصیف میں رقم کرتے چلے جاتے ہیں۔ پڑھنے والا اگر سادہ لوح ہو تو وہ ان کی اس تعریف واچھی ثنا گوئی سے اتنا متاثر ہوتا ہے کہ ان کی غیر جانبداری پر عش عش کرنے لگتا ہے لیکن انہیں صفحات کے درمیان وہ ایک آدھ جملہ ایسا لکھ جاتے ہیں کہ وہ تمام تعریفیں ایک سراب بن کر رہ جاتی ہیں۔محبت اور فدائیت کا جو جذبہ اس معیاری ثنا گوئی کے مطالعہ سے پیدا ہونا چاہئے اس کا دور دور تک کہیں سراغ نہیں ملتا۔

اس تحریک کو اپنے منطقی نتائج پر پہنچانے کے لئے بڑے بڑے ممالک کی دولت مند حکومتوں کے خزانوں کے منہ کھول دیئے جاتے ہیں۔اس ناپاک مہم کو سر کرنے کے لئے جن سکالروں کو منتخب کیا جاتا ہے ان کو بھاری بھرکم تنخواہوں اور وظائف سے نوازا جاتا ہے اور ان کی تصنیفات بڑی دیدہ زیب صورت میں شائع کی جاتی ہیں۔ان کو قبول عام کی سند سے بہرہ ور کرنے کے لئے ان کی غیر معمولی اشاعتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔اپنی پسند کے لوگوں سے بھاری رقوم دے کر ان پر تبصرے لکھوائے جاتے ہیں اور انہیں بڑے اہتمام سے عالمی

شہرت کے حامل روزناموں، ماہناموں میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

اس طرح قلیل مدت میں ایک گمنام شخص شہرت کے آسمان پر روشن ستارے کی طرح چمکنے لگتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی حق گوئی، بے لاگ تحقیق، غیر جانبدارانہ تنقید کا ڈھنڈورا بھی پیٹا جاتا ہے تاکہ اس کے قارئین اس کی نگارشات کو پڑھنے سے پہلے ہی اس کی حق گوئی کو دل و جان سے تسلیم کر لیں اور جو نظریات وہ پیش کرتا ہے اس کو کسی ہچکچاہٹ کے بغیر قبول کرتے جائیں اور اگر کوئی شخص جسارت کر کے اس کی خرافات کا پردہ چاک کرتا ہے تو اسے رجعت پسند، کور ذوق اور اندھی تقلید کا خوگر کے الفاظ سے ہدف طعن و ملامت بنایا جاتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے علماء، ادیبوں اور رائٹرز پر بھی ان کی دوررس نگاہ ہوتی ہے۔ وہ اپنے مقصد کے علماء، ادیب، لکھنے والے (رائٹرز) خرید لیتے ہیں۔ ان سے مزید برا (اپنی پسند کا) لکھوانے کے لئے یہ ان کے ذوق، علم و تحقیق کی خوب داد دیتے ہیں۔ مغربی انداز فکر کے پروردہ مسلمان اپنی کم عملی کے سبب جب بانی اسلام یا دین اسلام کے خلاف کچھ اوٹ پٹانگ (بکواس) لکھ جاتے ہیں تو یہ اس نام کے مسلمان کو بہت اعلیٰ 'حقیقت پسند، صاف گو' عالم دین کا درجہ دے دیتے ہیں۔ اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ ان کے لکھے گند بلا کو ''حقیقت پر مبنی تحقیق'' کا نام دے کر اتنا اچھالتے ہیں اتنی تشہیر کرتے، اتنا اسے 'چھپواتے' بکواتے ہیں کہ وہ کم علم نام کا مسلمان بھی اپنے آپ کو دین اسلام کا ایک بڑا مانا ہوا عالم سمجھنے لگ جاتا ہے اور اس زعم میں وہ پھر مزید غلطیاں کرتا ہے جس سے امت مسلمہ کا برا چاہنے والے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں اور امت مسلمہ کی وحدت کو مزید پارہ پارہ کرتے ہیں۔ اس بارے میں شاتم رسول سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین کی زندہ مثالیں موجود ہیں۔

وہ یوں بھی کرتے ہیں کہ دین و ملت کے خیر خواہ بن کر 'مخیرّ حضرات کے روپ میں' وہ پرانی اور نایاب ایسی کتابوں کو جو ہمارے لئے حوالہ جات کا منبع ہیں انہیں چھپوائیں اور مدارس، درسگاہوں مارکیٹ وغیرہ میں دے دیں۔

چھپوانے سے پہلے وہ ایک نسخہ میں جس نسخہ کو نمونہ کے طور پر چھپوانے دیتا ہے اس میں اپنی مرضی کی، اپنی پسند کی ایسی تبدیلیاں کر لیتے ہیں جو عام قاری کو محسوس نہ ہو سکیں۔ مثال کے طور پر ایک پانچ سو صفحوں کی کتاب میں' صفحوں کے مناسب وقفہ کے بعد' مثلاً ہر 70`80 صفحوں کے بعد ساتھ صرف چھ سات صفحوں میں اپنی مقصد کی نہ محسوس ہونے والی تبدیلیاں کر دیں اور دین اسلام، خلق خدا کی خدمت کے لئے پانچ سو یا ہزار کاپیاں چھپوا کر ملک بھر کی مارکیٹ میں دے دیں۔

کاش ایسا ہو؟

مستشرقین کے سدباب کے لئے' تمام مسلم ممالک میں یہ ہونا چاہیے کہ سب ہی نئی چھاپی جانے والی دینی

اور دین متین سے متعلق کتابیں، جیسے قرآن حکیم، قرآن حکیم کے ترجمے، تفسیر، صحاح ستہ (احادیث کی مستند کتابیں) اور دیگر دینی، اسلامی، سیرت نبوی کی منبع و ماخوذ کتابیں ہر چھپائی پر لفظی غلطی، ترجمہ کی غلطی، ترجمے یا بیان میں معیار سے گرے ہوئے الفاظ، ذومعنی الفاظ اور تحریف کے لئے، چھپتے ہی باقاعدہ حکومتی لیول پر چیک کی جائیں۔

اور جو معیار کے مطابق نہ ہو، تسلی بخش نہ ہوں انہیں مارکیٹ میں نہ جانے دیا جائے، تقسیم ہونے سے پہلے ہی ضبط کر لی جائیں اور تمام جلدیں جلا دی جائیں اور ان کے مصنفین کو بھی متنبہ کیا جائے اور ان پر نظر رکھی جائے۔ بصورتِ دیگر تو مستشرقین کو سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے آلہ کار ملتے رہیں گے۔

امت مسلمہ کے بدخواہ یوں بھی کرتے ہیں کہ قرآنِ حکیم کی کچھ آیات کا ترجمہ، شان نزول، یا احادیث کا ترجمہ عربی اور فارسی زبان سے کرتے وقت اس کا ترجمہ اپنی مرضی کا کر لیتے ہیں یا کروا لیتے ہیں۔ الفاظ کے ہیر پھیر سے اس کے مفہوم کو بدل دیتے، غیر واضح کر دیتے۔

قرآن حکیم اور تمام اچھائیاں خوبیاں اللہ کا نور ہیں۔ نور کا ترجمہ کرتے وقت یہ خیال مدنظر رہنا چاہئے کہ اس میں الفاظ، خیال و انداز بھی نورانی ہوں۔ ایسے الفاظ و مفہوم ہو جو قرآن حکیم اور صاحب قرآن پیغمبر اوّل و آخر و اعظم سید المرسلین خاتم النبیین کے شایان شان ہوں۔

بدقسمتی سے اس طریقہ واردات میں تو امت مسلمہ کے کئی ناسمجھ علماء، ادیب، رائٹرز، سیرت طیبہ پر قلم طراز ہونے والے حضرات، امت مسلمہ کا برا چاہنے والوں کی خود ہی مدد کر رہے ہیں۔ یعنی کہ اس فعل مذموم میں انہیں اتنی زیادہ محنت نہیں کرنا پڑتی۔ ایسا کام تو خود عالم اسلام کے ایسے علماء اپنے طور پر ہی کر دیتے ہیں جن کا علم تو کم ہوتا ہے لیکن وہ اپنے آپ کو ایک بڑا عالم ثابت کرنے کے لئے ایسے ترجمے کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے، جو پیغمبر اسلام، دین اسلام کے لئے ہی نہیں بلکہ اللہ تبارک تعالیٰ جل شانہ کی شان میں بھی کھلی گستاخی ہوتی ہے۔

عربی زبان کے لفظ ''مکر'' کا اردو زبان میں ترجمہ لفظ ''مکر'' سے کرنا کتنی کم ظرفی ہے جب کہ ''مکر'' کے ترجمہ کے لئے تدبیر، چال، سوچ، کرنے کے انداز، کرنی وغیرہ جیسے کئی خوبصورت نورانی الفاظ موجود ہیں۔

سورہ انفال آیت 30 میں کسی مترجم کا ترجمہ: ''وہ مکر کرتے ہیں اور اللہ بھی مکر کرتا ہے۔'' یہ بہت دل آزار اور تکلیف دہ ترجمہ ہے۔

اسی طرح ایک مترجم نے سورہ حجرات آیت 11 میں عربی زبان کے لفظ ''قوم'' کا ترجمہ اردو میں بھی ''قوم'' ہی کر دیا ہے۔ جب کہ اس کے آسان و قابل فہم ترجمہ کے لئے ''مرد اور آدمی'' کے الفاظ موجود ہیں۔

جن حضرات کے لئے اچھے الفاظ کا قحط ہو انہیں قرآن حکیم کا ترجمہ نہیں کرنا چاہئے۔ اس طرح تو نادانستہ

امت مسلمہ کو پارہ پارہ کرنے کے لئے ہم خود امت مسلمہ کا برا چاہنے والوں کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔

مندرجہ بالا میں نے اس لئے لکھ دیا ہے کہ ہم مسلمان خود محتاط رہیں ہوشیار رہیں کہ اپنے کسی قول وفعل سے امت مسلمہ کے بدخواہوں کی مدد نہ کریں۔ ان کا مذموم کام ہم ان کے لئے آسان نہ کریں بلکہ ہمیں (امت مسلمہ کو) چاہئے کہ امت مسلمہ کا برا کرنے والوں پر، برا چاہنے والوں پر اوران کے طریقہ واردات پر کڑی نظر رکھیں۔ مذہبی امور کی وزارت کی ذمہ داری ہو کہ قومی اخبار، جریدے اور رسائل کے ذریعے اس بارے میں قومی آگاہی پیدا کرے۔ قومی شعور پیدا ہو جائے اور قومی کوشش ہو تو ان مذموم حرکات کا سدباب کیا جا سکتا ہے۔

مذہبی امور کی وزارت کا ہر ایک کے لئے حکومتی حکم ہو کہ قرآن حکیم کے ترجمے، احادیث کے ترجمے، سیرت طیبہ پر لکھی جانے والی اور دیگر دینی، مذہبی کتابیں چھپتے ہی سب سے پہلے اس کی چند کاپیاں وزارت مذہبی امور کو جائیں گی۔ وہاں علماء کا پینل، بورڈ چند دنوں میں پڑھ کر حکومت کو اپنی رائے دے، اگر رائے کتاب کو مارکیٹ میں لانے کے حق میں نہیں ہے تو اس مصنف اور پبلشرز سے وہ کتاب ضبط کر کے جلا دی جائے اور ایسے مصنف کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

بہرحال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو کام رچرڈ شیر دل کی فولادی تلوار نہ کر سکی، صلیبی لشکر جو مورچے اپنے ان گنت جوانوں کی جوانیاں قربان کر کے فتح نہ کر سکے وہ کام یونیورسٹیوں کی کمین گاہوں میں بیٹھے ہوئے ان بوڑھے مستشرق پروفیسروں اور اساتذہ کے قلموں نے بڑی آسانی سے انجام دے دیئے۔

مسلم سیرت نگار

استشراق کے زہریلے اثرات ہم اپنی قومی اور دینی زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں طور پر محسوس کر رہے ہیں لیکن سیرت نویسی کے میدان میں جو خدمات مستشرقین کی تصنیفات سے متاثر ہمارے مسلم سیرت نگار انجام دے رہے ہیں وہ ہماری چشم ہوش کھول دینے کے لئے کافی ہیں۔ ان کی تحقیق کے کلہاڑے کی پہلی ضرب معجزات نبوی پر پڑتی ہے۔ وہی اعتراضات جو کسی یورپین مستشرق نے انبیاء کرام کے معجزات پر کئے ہیں۔ ان کو نقل کر کے صفحات پر صفحات کالے کئے جاتے ہیں اوران کو ناممکن اور عقل و دانش کے خلاف ثابت کرنے کے لئے سارا زور قلم صرف کر دیا جاتا ہے۔

اگر ان آیات بینات میں سے کسی کو ناممکن اور خلاف عقل ثابت کرنا ان کے بس کا روگ نہ ہو تو پھر اس روایت کی سند پر برسنا شروع کر دیتے ہیں یہاں تک دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر ایک روایت متعدد طریقوں اور مختلف سندوں سے مروی ہے اور اگر اس کی ایک سند میں کسی ایسے راوی کا نام آ گیا ہے جو ضعیف یا غیر ثقہ ہے تو پھر اس روایت پر قلم تنسیخ پھیرنے میں ذرا دیر نہیں کرتے۔ انہیں یہ سوچنے کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی کہ اس روایت کی اگر ایک سند میں کوئی راوی مجروح ہے تو اس کے علاوہ اس کے دوسرے طرق بھی ہیں جن کے

سارے راوی ثقہ ہیں تو ان سب کو نظر انداز کرنا کیونکر قرین انصاف ہو سکتا ہے۔

اس طرح وہ روایات جن کا تعلق اگرچہ معجزات سے نہیں لیکن ان سے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور نبی کریم ﷺ کی شان محبوبیت آشکارا ہوتی ہے جس پر دل بے ساختہ قربان ہونے کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے ایسی روایات کو بھی بخشا نہیں جاتا' بلکہ ان کے بارے میں بھی اپنے قارئین کے ذہنوں میں وسوسے پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یا دانستہ ان کے ذکر سے گریز کیا جاتا ہے۔

اگر کوئی ایسی بھونڈی حرکت پر احتجاج کرتا ہے تو اسے یہ عجیب منطق سنا کر دلاسہ دیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کے مقام رفیع کو اگر زیادہ عیاں کیا جائے گا اور اس کی دل آویز اداؤں کے ذکر کے سلسلہ کو طول دیا جائے گا تو حضور ﷺ کی زندگی عام انسانوں کے لئے اسوہ حسنہ نہیں بن سکے گی اور حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد پورا نہ ہو گا اگر ان کمالات نبوت پر پردہ پڑا ہے اور لوگوں کے سامنے حضور ﷺ کی بشریت کے پہلو کو اجاگر کیا جائے تو اس سے بعثت نبوی کے مقصد کی بہتر طور پر تکمیل ہو سکے گی۔ ایک عام انسان عام انسان کی تقلید با آسانی کر سکتا ہے اور اگر سرکار دو عالم ﷺ کی فوق البشر حیثیت بیان کرنے پر زیادہ زور دیا جائے گا تو ایک عام بشر کے لئے فوق البشر کی اطاعت و پیروی کرنا ممکن نہ رہے گا۔

یہ نیک بخت اتنا نہیں سوچتے کہ اگر یہ کمالات، اگر یہ بلند شانیں، جو خود اللہ تبارک تعالیٰ قادر مطلق نے اپنے محبوب کو عطا فرمائی ہیں مقصد بعثت کی تکمیل میں حجاب ہوتیں تو اللہ تبارک تعالیٰ اپنے حبیب کو عطا ہی نہ فرماتا تاکہ مقصد بعثت کی پوری طرح تکمیل ہو سکے کیا اللہ تبارک تعالیٰ سے زیادہ انہیں بعثت نبوی کے مقاصد کی تکمیل کا پاس ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس علیم و حلیم و پروردگار نے اپنے محبوب کو محبوبیت کی ان گنت شانوں سے نوازا ہی اس لئے ہے کہ جمال ابدی کے ان جلوؤں کو دیکھ کر' حسن ازل کی ان اداؤں کو دیکھ کر اس کے بندے، اس کے محبوب کے ہر فرمان کے سامنے بلا تامل سر جھکاتے جائیں۔ اس کے قدم ناز پر اپنے دلوں کو نثار کرتے جائیں تاکہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کی نبوت کا مقصد باطریق احسن انجام پذیر ہوتا جائے۔

سچ تو یہ ہے کہ جو استشراق کے مہیا کئے ہوئے سرمہ سے اپنی آنکھوں کو سرگیں کرتے ہیں انہیں جمال محمدی نظر ہی نہیں آتا۔ اس پیکر نورانی کو جن رعنائیوں اور دلربائیوں سے سجایا گیا ہے اور ضلالت و ظلمت میں گھرے کاروان انسانیت کو راہ ہدایت پر گامزن کرنے کا فریضہ سونپا گیا ہے وہ فریضہ اسی وقت ادا ہو سکتا ہے کہ جب داعی دین حق کی حقانیت پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ دل و نگاہ بھی اس داعی کے کمال و جمال پر نثار ہو جانے کے شوق سے معمور ہوں۔ جدید درسگاہوں، ملکی اور غیر ملکی دانش کدوں کے فضلاء اور اعلیٰ ڈگری یافتہ حضرات اگر مستشرقین کے مہارت سے بنے ہوئے اور بڑی عیاری سے بچھائے ہوئے دام خوش رنگ کا شکار

ہوتے تو ان کے لئے عذر پیش کیا جا سکتا تھا۔ مقام تاسف تو یہ ہے کہ ہماری دینی درسگاہوں کے کئی فضلاء بھی مستشرقین کی اس گہری سازش کا شکار ہو گئے۔

سیرت طیبہ کے موضوع پر آج کل جو لٹریچر بازار میں آ رہا ہے ان میں بھی عام طور پر کمالات محمدی اور شمائل مصطفوی کے ذکر میں بخل سے کام لیا جانے لگا ہے۔ اس لئے عصر جدید کے مصنفین کی کتب سیرت کا مطالعہ کرنے سے واقعات تو اپنے تاریخی تسلسل کے ساتھ ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ ان کا باہمی ربط وضبط بھی کافی حد تک سمجھ آ جاتا ہے مخالفین کی طرف سے اٹھائے گئے کئی اعتراضات کے معقول جوابات پر بھی آگاہی حاصل ہو جاتی ہے لیکن عام طور پر قاری مطالعہ سیرت کی روح سے بے بہرہ رہتا ہے۔ محبت نبوی کا جذبہ طوفان بن کر اس کے سینے میں امڈ کر نہیں آتا۔ دل بے قرار ہو کر اللہ کے رسول کے نقوش پا کو غیر مشروط طور پر اپنا خضر راہ بنانے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔

سیرت نبوی کی کتابوں میں، ہماری دینی کتابوں میں یہ خامیاں کسی دور میں بھی نہیں آنی چاہئیں اور مصنفین سیرت نبوی کو چاہیے کہ وہ ایمان افروز واقعات کو مزید خوبصورت، دلچسپ اور پُر علم بنا کر پیش کریں۔ اور سیرت نبوی ایسے ایمان افروز، روح پرور، دلکش و پُرکشش اور حب دین و حب رسول اللہ ﷺ پر ابھارنے والے واقعات جلیلہ سے بھری پڑی ہے۔

حب دین اور حب رسول اللہ ﷺ ہی اُمت مسلمہ کا بیش قیمت اثاثہ ہے۔ اُمت مسلمہ کی یہی تازگی ہے یہی تابندگی ہے یہی مادی اور روحانی ترقی کا زینہ ہے، یہی حرارت ہے اور یہی روح ہے۔ مستشرقین تو یہ چاہتے ہیں کہ اُمت مسلمہ بے جان ہو جائے۔ لیکن اللہ کا نام لے کر آپ آگے بڑھیں اور اُمت مسلمہ کے جسم سے اس تازگی، تابندگی، حرارت و روح کو نہ نکلنے دیں بلکہ اپنے قلم و عقل سلیم کے زور سے اسے روز افزوں کریں۔

آپ کا یہ عمل ایک بڑی اطاعت اور عظیم عبادت ہوگا جس کا صلہ یوم حساب اللہ تبارک تعالیٰ اور اللہ کے محبوب رسول کریم رؤف و رحیم ﷺ ضرور بالضرور دیں گے اور سینکڑوں گنا بڑھا کر دیں گے۔ اللہ تبارک تعالیٰ اور اُس کے محبوب پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ہاں نوازشات، عنایات، رحمتوں و بخشش کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ وہ آپ کو اتنا عطا کریں گے کہ جس کا حد و حساب نہ ہوگا۔

آپ ﷺ نے کبھی بددعا نہیں کی

میرے اس عنوان سے چونک نہ جایئے۔ یہ تو حق ہے' یہ تو حقیقت پر مبنی ہے۔ میں نے اس موضوع پر درج ذیل کو قابل فہم زبان و انداز میں لکھا ہے۔ پہلے اس سب کو تسلی اور غور سے پڑھیں جس بات میں آپ کو مجھ سے اتفاق نہ ہو یا آپ کو مناسب نہ لگے تو اس کے بارے میں آپ مجھے برا بھلا کہہ سکتے ہیں۔ اگر میرے اس لکھے ہوئے سے مطمئن ہوں اور آپ اس میں اصلاح کی ضرورت محسوس کرتے ہوں تو برائے کرم وہ بھی لکھ دیجئے گا۔ میں ہر اس رائے کو بخوشی شکریہ کے ساتھ قبول کروں گا جو دین میں بہتری کا سبب بنے اور امت مسلمہ کی خیر خواہی پر مبنی ہو۔

کہنے کو تو میں نے یہ بڑی بات کہہ دی ہے اور کچھ ناسمجھ لوگ اس پر اپنی ناسمجھی کا ثبوت دے سکتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ بات میں نے قرآن و سنت کے مطابق کی ہے، قرآن و سنت کی کی ہے اس لئے میرا یہ عنوان سراسر حق ہے۔

کوئی بھی حدیث، کوئی بھی آپ ﷺ سے منسوب واقعہ، لفظ، الفاظ، بات، گفت و شنید، خیال، انداز یا کوئی عملی اظہار جو آپ ﷺ سے منسوب ہو اور وہ قرآن و اسوہ حسنہ (سنت) سے متصادم ہو یعنی کہ وہ قرآن و سنت کے مطابق نہ ہو تو اس کے بارے میں پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، خاتم النبیین، سید المرسلین ﷺ کا واضح فرمان پاک ہے کہ اسے میری ذات پاک سے منسوب نہ کیا جائے میں اس سے بری الذمہ ہوں۔

سورہ نساء آیت 59 میں اللہ تبارک تعالیٰ خالق و مالک کائنات حاکم الحاکمین کا ارشاد پاک ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○

ترجمہ: ''اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکم والے ہیں۔ پھر اگر تم میں کسی بھی بات کا جھگڑا اُٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔''

یہ آیت مبارک تو معنی کے لحاظ سے وضاحت طلب نہیں ہے۔ اس کا ترجمہ بہت معیاری اور آسانی سے سمجھ آ جانے والا ہے۔ یہاں جو گزارش کرنی ہے وہ یہ کہ قرآنی آیات مبارک' احکام' تعلیم و ہدایات کا اطلاق محدود نہیں ہے۔ ان کا تعلق زندگی کے ہر دور' ہر پہلو سے ہے۔ ہر ایک کے لئے ہے اور ہر زمانے کے لئے ہے۔ ہم سے پہلے والوں کے لئے بھی تھا' ہمارے لئے بھی ہے اور آئندہ آنے والوں کے لئے بھی ہوگا۔ ان کا اطلاق بنی نوع انس و جاں کی مکمل حیات و بعد الحیات سے ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم کے بارے میں یہ بار بار کہا جاتا ہے کہ یہ مکمل ضابطۂ حیات ہے' دستور ہے۔ خالق و مالک کائنات کے حکم و ہدایات کے مطابق زندگی گزارنے کا اعلیٰ ترین اسلوب ہے۔

قرآن حکیم کی آیات مبارک ایک دوسری کی معاون ہیں' وضاحت ہیں' تشریح ہیں اور علیحدہ علیحدہ بھی' بلکہ ان کے مختلف حصے بھی اپنے اندر مکمل معنی' احکام و ہدایات رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر مذکورہ بالا آیت مبارک کو ہی لیجئے۔ اس کا ہر جملہ بذاتِ خود ایک مکمل بمعنی حکم و ہدایت ہے۔ پہلے جملہ میں یہ بتا دیا ہے کہ اللہ اور رسول کے بعد کن کن کے احکام و فیصلہ وغیرہ کا ماننا واجب ہے۔

دوسرے جملہ میں یہ فرما دیا گیا ہے کہ تم میں جب بھی کوئی بھی جھگڑا اُٹھے' تنازع کھڑا ہو' اختلاف آ جائے تو اس کو اللہ (قرآن) رسول اللہ (سنت' احادیث اسوۂ حسنہ) پر پیش کرو یعنی کہ اُس کا صدق دل سے قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لو' اُسے ان پر پرکھو' ان کے لئے قرآن و سنت سے رجوع کرو' ان کے حل کے لئے قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کرو۔ اور اگر تم ایمان والے ہو' خدا کا خوف کرنے والے ہو' اللہ کا حکم ماننے والے ہو اور اتباعِ رسول اللہ ﷺ کرنے والے ہو تو تم ضرور ایسا ہی کرو گے۔

تیسرے جملے میں اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ فیصلہ ہی فرما دیا ہے کہ اپنے اختلافات' تنازعات' جھگڑے' غلط فہمیوں کو قرآن و سنت کی روشنی میں نمٹاؤ اور ایسا کرنا ہی تمہارے لئے ہر طرح سے سودمند ہوگا۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت کے لئے بھی۔ یعنی کہ اپنے اختلافات' تنازعات کو قرآن و سنت کے مطابق طے کرنا' نمٹانا' سلجھانا تمہارے لئے فلاح دارین کا باعث ہوگا۔

"فِیْ شَیْءٍ"

اس آیت مبارک میں فِیْ شَیْءٍ کے الفاظ خصوصی توجہ کے حامل ہیں۔ اس کا ترجمہ ہے:

کسی بھی بات میں
کسی بھی چیز میں
کسی بھی معاملہ میں
کسی بھی پہلو میں

فِیْ شَیْءٍ میں بڑی وسعت ہے' یہ ہر فرد سے لے کر پوری قوم ملک وملت کو اپنی وسعت میں لئے ہوئے ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نوعیت کا چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا تنازع' اختلاف' جھگڑا قرآن و سنت کی روشنی میں دیکھا جائے' جج کیا جائے' پرکھا جائے اور اس کا فیصلہ' تصفیہ بھی قرآن وسنت کے مطابق کیا جائے۔

اولی الامر سے مراد ہے وہ لوگ جو حکم چلانے والے' حکم والے' حکومت والے ہیں۔ اس آیت مبارک سے یہ ثابت ہے کہ مسلم امراء اور حکام کی اطاعت واجب ہے جب تک وہ حق کے موافق رہیں اور اگر حق (قرآن وسنت) کے خلاف حکم کریں تو ان کی اطاعت نہیں۔ اُولِی الْاَمْرِ میں امام' حاکم' امیر' بادشاہ' سربراہ' قاضی یا منصف سب داخل ہیں۔

بعض حضرات لفظ اولی الامر کی وجہ سے اس آیت مبارک کو خاص (اور محدود) معنی دیتے ہیں یعنی کہ سیاسی اختلافات' حکومت کا سیاسی انداز' دنیاوی سیاسی اختلافات وغیرہم۔ جب کہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا ہے قرآن پاک کی آیات کی طرح قرآنی الفاظ کے معنی بھی محدود نہیں ہیں۔ جیسے لفظ اولی الامر کے معنی فقط یہ نہیں ہیں کہ حکومتی اختلاف' سیاسی جھگڑے یا طرز حکومت یا اندازِ حکومت پر اختلاف۔ اس کے معنی میں تو بہت وسعت ہے حکومت سے لے کر ایک فرد کے دوسرے فرد سے ہر طرح کے تنازع' اختلافات' اختلاف رائے اس میں شامل ہیں۔

عوام الناس سے معاشرہ' قوم' ملک وحکومت بنتے ہیں۔ یہ تو عام طور پر انہی کے لیے ہے۔ ان کے روزمرہ کے جھگڑے' اختلافات وتنازعات کے حل کے لئے جو بھی خدا خوفی کرنے والا' انصاف پسند' آزمودہ دانا' سمجھ دار آدمی' کوئی بھی خاندان' گھر کا بڑا' بزرگ' سردار' ثالث پنچ یا جو بھی منصف (جج) مقرر ہوتا ہے وہ بھی اولی الامر میں داخل ہے۔ اور ان کو اللہ تبارک تعالیٰ نے حق پرستی کا' انصاف کرنے کا بہت واضح حکم وہدایت دی ہے۔

مذکورہ آیت مبارک سے پہلی والی آیت یعنی کہ سورۂ نساء کی آیت 58 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا ۙ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًام بَصِیْرًا ○

ترجمہ: ''اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے''۔

اسلام میں معاشرے یا قوم کی بنیادی یونٹ گھر ہے اور گھر کی ابتدا دو افراد سے ہوتی ہے اس لئے اس

قرآنی آیت کا اطلاق ہر فرد، ہر گھر سے لے کر حکومت، ملک، بین الملک اور عالمی زندگی سے ہے۔ یہ لکھ دینے سے میرا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ قرآنی آیات کا اطلاق محدود نہیں ہے۔ ان کی تعلیم، رہنمائی، حکم و ہدایت ہر ایک کے لئے ہیں اور ہر زمانے کے لئے ہیں۔

تنازع جھگڑے یا اختلاف کو کہتے ہیں۔ یہ دو آدمیوں، افراد، گروہ، گروپ یا پارٹیوں کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک کہتا ہے کہ یہ درست ہے دوسرا کہتا ہے کہ یہ درست نہیں ہے یا ایک کہتا ہے کہ میں صحیح کہہ رہا ہوں دوسرا کہتا ہے کہ نہیں آپ صحیح نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ صحیح وہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔

آیئے اب اصل موضوع کی طرف

یعنی کہ میں (اس کتاب کا مصنف) یقین واثق رکھتا ہوں اور با آواز بلند ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ہادی انس و جاں، رہبر کائنات، رسول بحر و بر، رحمۃ للعالمین، سیّد المرسلین، خاتم النبیین حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم اصل الموجودات حاصل کائنات، فخر اولاد آدم، انسان کامل، عالم خفا و غیوب، مخبر صادق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی کسی کے لئے بھی بددعا نہیں کی۔

جبکہ کتنے ہی مصنفین نے اپنی سیرت کی کتابوں میں کہیں نہ کہیں ایک دو جگہ تو یہ لکھ دیا ہے کہ آپ ﷺ نے فلاں موقع پر فلاں کو بددعا دی یا فلاں کے لئے بددعا کی۔ اس بارے میں میرا ایسے تمام حضرات سے اختلاف ہے جو یہ سمجھتے ہیں، کہتے ہیں لکھتے ہیں کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے کسی کے لئے بددعا دی یا بددعا کی۔ یعنی کہ میرے اور اُن کے درمیان یہ تنازع ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ نے تمام تنازعات، جھگڑے اختلافات کے بہترین حل کے لئے سورہ نساء کی آیت 59 میں فرمایا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝

ترجمہ: ’’اگر تم میں کسی بھی بات کا جھگڑا اُٹھے تو اسے اللہ (قرآن) اور رسول (سنت، احادیث، اسوہ حسنہ) کے حضور رجوع کرو (ان پر پیش کرو) اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔‘‘

میں بھی اس اختلاف کے لئے قرآن و سنت سے رجوع کرتا ہوں۔ اسی کے تحت میں نے اپنے اس تنازع، مختلف رائے یا منفرد سوچ، اختلاف کے لئے قرآن حکیم، احادیث مبارک، اسوہ حسنہ سے مکمل استفادہ کیا ہے۔ امید ہے کہ میرے ان مستند حوالہ جات و دلائل سے قارئین کرام کی تسلی ہو جائے گی اور وہ میرے ہم خیال ہو جائیں گے اور ان کے دل و دماغ میں یہ حقیقت ہمیشہ کے لئے پیوست ہو جائے گی کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی کو بھی بددعا نہ دی۔‘‘

آیئے اب ایک حدیث مبارک پڑھیں۔

کرنل محمد انور مدنی ایک عاشق رسول، دین اسلام اور اُمت مسلمہ سے پُرخلوص محبت کرنے والے دینی سکالر ہیں۔ انہوں نے اپنی ایک تصنیف ''نکاح خوانِ رسول'' جس میں ایمان حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، اس کتاب کے آخری صفحہ پر یہ حدیث مبارک لکھی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور پُرنور نبی کریم روف ورحیم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

آخر زمانے میں میری امت کے کچھ جھوٹے لوگ ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی احادیث (بات) بیان کریں گے جو نہ تم نے سنی ہوں نہ تمہارے باپ دادانے۔ تم اپنے آپ کو ان سے دور رکھنا (ان سے بچ کر رہنا)۔ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

جب بھی تمہیں ایسی صورت حال درپیش ہو تو اس حدیث، بات یا بیان کو قرآن وسنت پر پیش کرو۔ اگر وہ قرآن وسنت کے مطابق نہ ہو، قرآن وسنت سے متصادم ہو تو جان لو کہ اُسے میری ذات (پاک) سے منسوب نہ کیا جائے، میں اس سے بری الذمہ ہوں اور اُسے ردّ کردیا جائے۔

(مسلم جلد 1 صفحہ 29-مشکوۃ صفحہ 27)

میں (اس کتاب کے مصنف) نے اس حدیثِ پاک کو اپنے محدود ذرائع سے صحاح ستہ میں تلاش کیا۔ وہاں اس حدیث پاک کا مندرجہ بالا پہلا نصف حصہ تقریباً انہی الفاظ میں مل گیا لیکن کرنل انور مدنی صاحب کی بیان کردہ حدیث مبارک کا نچلا نصف حصہ مذکورہ حوالہ جات کے ساتھ نہیں مل سکا۔

لیکن وہ نصف حصہ جو مجھے اس حوالہ کے ساتھ نہیں مل سکا ہے اس کی صداقت واہمیت پر مجھے کوئی شک نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ ایک علیحدہ حدیث مبارک ہو اور میں اپنے محدود ذرائع ووسائل کے سبب اسے نہ پاسکا ہوں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرسکتا اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرسکتا ہے۔ (دارقطنی)

مندرجہ بالا حدیث مبارک کا اگر آخری نصف حصہ مستند حوالہ کے ساتھ مجھے نہیں بھی ملتا تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا کیونکہ قرآن حکیم کی مذکورہ بالا آیت مبارک (سورہ نساء آیت 59) میں خالق و مالک کائنات کا اسی مفہوم کا ارشاد، حکم وہدایت موجود ہے۔

اس آیت مبارک کا واضح مطلب بھی یہی ہے کہ اے اللہ کے بندو! جب تم میں کسی بات پر تنازع،

اختلاف یا جھگڑا کھڑا ہو تو اس کے صحیح اور پسندیدہ حل کے لئے اسے اللہ (قرآنِ حکیم) اور اللہ کے رسول (سنت، احادیث، اسوۂ حسنہ پر) پیش کرو۔ اس معاملے کا قرآن وسنت کی رشنی میں فیصلہ کرو تصفیہ کرو۔ اور جنہیں اللہ اور روزِ حساب پر یقین ہے، جو مومن ہیں، اللہ اور رسول کا حکم بجالانے والے ہیں وہ ضرور اس پر عمل پیرا ہوں گے اور حق کو پہچان جائیں گے، حق کو مان جائیں گے۔

آیت مبارک کے آخری جملہ

ترجمہ: ''یہ بہتر ہے، اور اس کا انجام سب سے اچھا''۔

یہ فرما کر بالالفاظ دیگر یہی فرمایا جارہا ہے کہ جو حل، فیصلہ، سمجھوتہ، بات قرآن وسنت کے مطابق نہ ہو اس کی طرف نہ جاؤ، اسے اختیار نہ کرو، اسے قبول نہ کرو بلکہ اُسے ردّ کردو کیونکہ اگر تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں جو راستہ قرآن وسنت دکھاتے ہیں اسی کو اختیار کرو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے۔

اور ایمان والوں کی، مومنین کی، خدا کا خوف کرنے والوں کی یہی پہچان ہے کہ قرآن وسنت جو فیصلہ فرما دیں اُسے بے چوں و چراں خندہ پیشانی سے فوراً قبول کرلیں۔ اس سے متعلق اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد پاک سورہ نساء آیت 65 میں یوں ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

ترجمہ: ''تمہارے ربّ کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں (قرآن وسنت کو) پھر جو تم (قرآن وسنت) حکم فرمادو اپنے دلوں میں اُس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی جان سے مان لیں''۔

مندرجہ بالا آیات مبارک اور حدیث پاک پر جامع بحث کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بالالفاظ دیگر ہم سب مسلمانوں کو، آپ کو اور مجھے اللہ تبارک تعالیٰ اور حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے یہ حکم یہ ہدایت یہ حق دیا ہے کہ آپ ﷺ سے منسوب جو بھی لفظ، الفاظ، بات، واقعہ، خیال، انداز گفتگو شایانِ شان نہ لگے، اخلاقی و معیاری نہ ہو، جس میں جہالت کی بو ہو، جس سے شان نبی کریم ارفع و عظیم ﷺ میں کمی یا کجی آتی ہو یا چوٹ پڑتی ہو تو اسے فوراً رد کردو کیونکہ وہ بہتان ہے، زیادتی ہے، ظلم ہے۔

میرے بھائی! لفظ بددعا اور فعل بددعا، دونوں ہی

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ہادی انس و جاں، رہبر کائنات، رسول بحر و بر، خاتم النبیین، سیّد المرسلین، حریص، علیم، شفیع المذنبین ﷺ کی اعلیٰ و ارفع، شان و عظمت کے خلاف ہیں۔ ایسے الفاظ آپ ﷺ کی سیرت مبارک میں منسوب نہیں کرنے چاہئیں۔

یہ لفظ و فعل

شان رحمت للعالمین کے خلاف ہیں
شان حریصٌ علیکم کے خلاف ہیں
شان شفیع المذنبین کے خلاف ہیں
شان رؤف و رحیم کے خلاف ہیں
شان شافع محشر کے خلاف ہیں
شان محبوب خدا کے خلاف ہیں
شان خاتم النبیین کے خلاف ہیں
شان ہادی دو جہان کے خلاف ہیں
شان سید المرسلین کے خلاف ہیں

حضور انور، پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کی بے شمار شانیں ہیں، رفعتیں ہیں، عظمتیں ہیں جن میں سے 99 شانیں تو قرآن حکیم نے واضح طور پر بیان کی ہیں جو ہر قاری کے لئے قابل فہم ہیں۔ بددعا کرنا آپ ﷺ کی تمام شانوں کے خلاف ہے۔ میں انشاء اللہ اس عنوان، اس موضوع کی صداقت کو قرآن وسنت واحادیث پاک سے بالکل واضح کر دوں گا۔

قارئین کرام! میرے اس موضوع اور موضوع کے حق میں لکھے گئے کے بارے میں یہ نہ سوچنا کہ یہ تو روایات احادیث جمع کرنے والے حضرات یا ان کے بعد کے وہ حضرات جنہوں نے احادیث مبارک کی چھانٹی کی یا معیار کے لحاظ سے ان کی درجہ بندی کی، ان سب کی توہین ہے ان کے خلاف ہے۔ ایسی سوچ مثبت یا درست سوچ نہیں ہوگی اور وہ آپ کو حق اور حقیقت سے دور لے جائے گی۔

اس نکتہ کو اس طرح سے سمجھ لیں کہ

جن خوش نصیب حضرات کو احادیث و روایات مبارک جمع کرنے کا حکم ملا یا شرف حاصل ہوا، انہوں نے اپنی بہترین صلاحیتوں اور شب و روز کی محنت شاقہ کے ساتھ پورے خلوص، دیانتداری اور مکمل خدا خوفی کے ساتھ وہ قومی، ملی، مذہبی امانت نبھائی، وہ کار خیر انجام دیا، یہ بہت بڑا کام تھا جو کرنے والوں نے امت مسلمہ کی دین و دنیا میں بھلائی کی خاطر کر دیا۔

اس بنیادی اور عظیم کارنامے کی تکمیل کے بعد دوسرا مرحلہ چھانٹی اور درجہ بندی کا آیا۔ جن خوش نصیبوں نے چھانٹی اور درجہ بندی کرنی تھی یا جن کو یہ شرف حاصل ہوا انہوں نے بھی دن رات ایک کر کے یہ کار خیر اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مکمل خدا خوفی اور آخرت میں بھلائی کی خاطر پوری لگن، خلوص و

دیانتداری سے سرانجام دیا۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری اور بہت بڑا کام تھا، جو کرنے والوں نے امت مسلمہ کی دنیا وآخرت میں بھلائی کی خاطر کر دیا اور اس کارخیر کے بعد صحاحِ ستہ منظرعام پر آئیں۔

مندرجہ بالا کے بعد علماء دین، محدثین حضرات نے اس کارخیر سے پہلوتہی نہیں کی ہے۔ وہ بھی اپنے اپنے دوروزمانہ میں تحقیق میں، دین متین کی بھلائی وستھرائی کے لئے مصروف کار رہے ہیں۔ انہوں نے برے لوگوں کی بیان کردہ مشکوک، غیرمعیاری اور کمزور احادیث وروایات کے بارے میں برملا لکھا، بتایا اور دینی محفلوں میں اظہار خیال کیا اور جن سے ہوسکا انہوں نے کتابیں بھی تصنیف کیں۔

ان کے بعد آج بھی علماء دین، علماحق، محدثین حضرات اس بارے میں برابر لکھ رہے ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی دین متین کی بھلائی اور اپنی اچھی آخرت کی خاطر لکھتے رہیں گے۔

اب مشکل یہ ہے کہ صحاحِ ستہ ہر ایک کی پہنچ میں تو نہیں ہوسکتیں نہ وہ ہر زبان اور قابل فہم بیان میں دستیاب ہیں نہ ہر ایک کے پاس اتنا وقت ہوتا ہے کہ ان میں سچ کو ڈھونڈتا پھرے لیکن الحمد للہ کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث پاک تو سب کے لئے بہت قابل فہم اور عام ہے۔

کوئی بھی حدیث، واقعہ، لفظ، الفاظ، بات، گفت وشنید یا کوئی عملی اظہار جو آپ ﷺ سے منسوب ہو اور وہ قرآن واسوہ حسنہ (سنت پاک) سے متصادم ہو یعنی کہ وہ قرآن وسنت کے مطابق نہ ہو تو اس کے بارے میں پیغمبر اوّل وآخر واعظم، ہادی دوجہاں، سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "کہ اسے مجھ (میری ذات پاک) سے منسوب نہ کیا جائے، میں اس سے بری الذمہ ہوں۔"

یہ حدیث پاک ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ ہمیں اس کی روشنی میں ہر باطل کا، بہتان کا رد کر کے آگے ہی بڑھتے رہنا چاہئے۔

ایک اور نکتہ جو قابل غور ہے وہ یہ کہ

ان تمام واقعات میں جن میں آپ ﷺ کے کلام مبارک کو بطور "بددعا" پیش کیا گیا ہے ایک چیز مشترک ہے اور وہ یہ کہ پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے فرمان مبارک کو بطور بددعا بیان کرنے والے سب کے سب مشرک تھے اور ان میں سے اکثر لوگ شرک پر ہی مرے یا وہ لوگ بعد میں ایمان لائے۔ لیکن ان سے جو واقعہ یا روایت منسوب ہے اس مخصوص واقعہ کے وقوع کے وقت وہ مشرک ہی تھے۔ باالفاظ دیگر آپ ﷺ کے فرمان مبارک کو بددعا سے منسوب کرنا مشرکین مکہ کا وطیرہ تھا اور وہ ایسا جان بوجھ کر اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لئے بھی کرتے تھے اور فطرتاً بھی۔

اولاً تو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کے فرمان مبارک ارشادات مبارک کو جان بوجھ کر ایسے انداز والفاظ میں بیان کرنا ہوتا تھا کہ اس سے آپ ﷺ کی قدر، عزت ووقار نہ بڑھے۔

ثانیاً مشرکین مکہ کو یقین تھا کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ جو فرماتے ہیں وہ سچ ہوتا ہے اور سچا ہو جاتا ہے یا وہ بالکل سچی پیش گوئی ہی ہوتی ہے۔ وہ اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں فوری زیادہ تعداد میں مشرکین ایمان نہ لے آئیں اسلام نہ قبول کر لیں، جان بوجھ کر خاتم النبیین، سید المرسلین، پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کے ارشادات مبارک کو بشکل بددعا (بطور بددعا) بیان کرتے تھے تاکہ لوگ آپ ﷺ سے بے بدظن ہوں اور دور بھاگیں اور کم سے کم تعداد میں اسلام قبول کریں۔

پیش گوئی اور بددعا میں فرق

اس سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ پیش گوئی کیا ہوتی ہے اور بددعا کسے کہتے ہیں۔ اس کا جواب تو ہر خاص و عام خوب جانتا ہے اور ہر کوئی یہ بھی خوب جانتا ہے کہ ان دونوں کا انسان پہ نفسیاتی اثر بھی بہت مختلف ہوتا ہے۔ یہاں اس سے میری مراد یا مقصد یہ ہے کہ میں واضح کر دوں کہ کہنے میں پیش گوئی اور بددعا میں بہت کم فرق ایک دو الفاظ کے کہنے کا فرق ہی پیش گوئی کو بددعا اور بددعا کو پیش گوئی میں بدل دیتا ہے۔

مثال کے طور پر

یہ کہنا کہ تمہیں حادثہ پیش آ جائے بددعا ہے اور

یہ کہنا کہ تمہیں حادثہ پیش آئے گا پیش گوئی ہے

یہ کہنا کہ تمہارا مالی و جانی نقصان ہو جائے بددعا ہے اور

یہ کہنا کہ تمہارا مالی و جانی نقصان ہو گا پیش گوئی ہے

یہ کہنا کہ تم اسی بیماری میں مر جاؤ بددعا ہے اور

یہ کہنا کہ تم اسی بیماری میں مر جاؤ گے پیش گوئی ہے

آیئے اسے اور واضح کرنے کی خاطر کچھ مختصر کر دیتے ہیں۔

''یہ ہو جائے'' بددعا ہے

''یہ ہو گا'' پیش گوئی ہے

''ہو جائے'' بددعا ہے اور ''ہو گا'' پیش گوئی ہے۔

مندرجہ بالا سے آپ نے اچھی طرح جان لیا ہے، دیکھ لیا ہے کہ بددعا اور پیش گوئی میں صرف ایک دو الفاظ کا ردو بدل ہی اہم ہے یا ایک دو الفاظ کے کہنے کا ہی فرق ہے۔ اس بیان کردہ حقیقت کے پیش نظر بدظن، بدفطرت اشخاص کے لئے پیش گوئی کو بددعا کے طور پر بیان کر دینے کے لئے سوچنا نہیں پڑتا، محنت نہیں کرنی پڑتی، کوئی خاص الفاظ تلاش کرنا نہیں پڑتے۔ ان کا کام ''ہو گا'' کو ''ہو جائے'' کہہ دینے سے ہو جاتا ہے یا کسی کی بھی ذرا بے احتیاطی (ارادی یا غیر ارادی) سے پیش گوئی بددعا میں بدل دی جاتی ہے اور اس طرح سے ایک

خوبی کو خرابی سے بدل دینا بہت زیادتی ہے، ظلم ہے جو بالآخر کرنے والے کے لئے ہی وبال جان ہوگا۔

آیئے اب صرف ایک پیش گوئی کو مختصراً اسی انداز سے دیکھتے ہیں۔ مختصراً اس لئے کہ اس کا آگے دوسری یا تیسری جلد میں اپنے زمانہ وقوع کے لحاظ سے ضرور تفصیل کے ساتھ ذکر ہوگا اس لئے یہاں تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کا پس منظر یوں ہے کہ دعوت حق کی تبلیغ و پرچار کا چوتھا سال تھا جس میں تبلیغ حق اپنے حلقہ احباب سے نکل کر اب عوام الناس میں پھیل رہی تھی اور دعوت حق اور بانی دعوت حق حضرت محمد رسول ﷺ کو شدید مخالفت کا سامنا تھا اور مشرکین مکہ تو آپ ﷺ کی جان کے دشمن بن گئے تھے۔ آپ نے مشرکین مکہ کو فرداً فرداً کبھی گروپ کی شکل میں اور ایک دو بار اجتماعی طور پر بھی بار بار محبت پیار و احترام سے دعوت اسلام دی، ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا فرمایا لیکن ان پر آپ ﷺ کی پند و نصیحت کا الٹا اثر ہوا اور وہ ہر وقت ہر روز ہر جگہ ہر حال میں آپ ﷺ کو جسمانی و دماغی اذیت دینے اور تنگ کرنے لگ گئے۔ نبی کریم رؤ الرحیم ﷺ نے ان مشکل اوقات میں بھی بڑے صبر و تحمل، پیار عزت و احترام سے تبلیغ حق کا سلسلہ جاری رکھا۔

اس دوران عقبہ بن ابی معیط، ابوجہل، حکم بن ابی العاص اور ابولہب اور دیگر مشرکین مکہ تو آپ ﷺ کی جان کے در پر تھے اور کئی ایک نے دست درازی بھی کی۔ آپ ﷺ کو گھر پر، راستوں میں، حرم شریف میں غرضیکہ ان لوگوں نے ہر جگہ خوب ستایا، تنگ کیا۔

ابولہب، عقبہ بن ابی معیط اور حکم بن ابی العاص حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے پڑوسی تھے۔ انہوں نے تنگ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ سردارانِ قریش، باا‌ثر مشرکین مکہ کا یہ معمول تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے پیروکاروں کو جا بجا، موقع بے موقع تنگ کرتے تھے، بدکلامی کرتے تھے، اذیت دیتے تھے اور مار پیٹ سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں متعلقہ درج ذیل روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے منقول ہے

کہ ایک دن

عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، ولید بن مغیرہ اور دیگر سرداران قریش اپنے چند ہم نوا، ہم خیالوں کے ساتھ حجر خانہ کعبہ میں اکٹھے تھے کہ حضور پُرنور رسول کریم حضرت محمد رسول ﷺ کا ذکر چل نکلا۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے اس شخص کے طرز عمل پر جتنا صبر کیا ہے کبھی ایسا صبر ہم نے نہیں کیا۔ اس نے ہمیں احمق کہا ہمارے آباؤ اجداد کو برا بھلا کہا۔ ہمارے دین کے عیب نکالے۔ ہمارے خداؤں کو گالیاں دیں اور ہمارے قومی اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس نے ہمیں بہت بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا

ہے۔

وہ ابھی اس قسم کی گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک حضور پرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ انہیں دور سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ حضور انور ﷺ آہستہ آہستہ کعبہ شریف تک پہنچے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر طواف کرنے لگے جب قریش کے مجمع کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پھبتیاں کسیں اور نازیبا جملے کہے جن کو سن کر حضور انور ﷺ کے رخ انور پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ جب دوسری مرتبہ طواف کرتے ہوئے حضور پُرنور ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پھر وہی حرکت کی۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ ناراضگی کے اثرات پھر چہرۂ اقدس پر نمایاں تھے لیکن حضور انور ﷺ خاموشی سے طواف میں مصروف رہے۔ تیسری مرتبہ طواف کرتے ہوئے جب حضور پُرنور ﷺ کا گزران کے پاس سے ہوا تو انہوں نے پھر وہی نازیبا حرکت کی' تو حضور ﷺ رک گئے اور قدرے سختی اور غصہ سے فرمایا۔

''اے گروہ قریش! میری بات سن رہے ہو۔ اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے پاس تمہارے قتل و ہلاکت کا پیغام لے کر آیا ہوں۔''

یہ سن کر سردارانِ قریش کے اوسان خطا ہو گئے سب یوں سہم گئے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں حتیٰ کہ ان میں سے جو بڑے تیز و طرار تھے وہ بھی بڑی نرمی سے محبت بھری باتیں کرنے لگے۔

''اے ابوالقاسم! تشریف لے جایئے ایسا تلخ جواب آپ کی عادت نہ تھی۔''

(السیرۃ النبویہ از ابن کثیر جلد ۱ صفحہ 471)

قارئین کرام!

اب آپ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے مندرجہ بالا فرمان مبارک پر ہی غور کریں۔ اس میں آپ ﷺ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ تم (جو مشرکین مکہ کے سرکردہ افراد وہاں موجود تھے) شرک میں ہی مارے جاؤ گے یا با الفاظ دیگر یوں فرمایا کہ یہ علم مجھے میرے رب نے عطا فرمایا ہے کہ تم سب کے مقدر میں شرک پر مارے جانا ہے۔

اس کے بعد جب ان مشرکین نے آپس میں بات چیت کی تو ایک دوسرے کو یہی کہا کہ محمد (ﷺ) نے ہمیں قتل کی بددعا دی ہے، ہمیں قتل کی دھمکی دی ہے۔

جب مذکورہ بالا مشرکین' حرم پاک سے اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے اور جب انہوں نے فرداً فرداً اپنے اپنے دوست احباب سے بات کی تو سب نے یہی کہا کہ محمد (ﷺ) نے آج ہمیں قتل کی بددعا دی ہے۔

میرا یہ خیال ہے کہ اس حقیقی مثال سے آپ کو یہ یقین آ گیا ہوگا، آپ یہ مان گئے ہوں گے کہ نبی کریم رؤف و رحیم، رحمۃ للعالمین ﷺ نے کبھی بھی، کسی کے لئے بھی بددعا نہیں کی اور بددعا کرنا آپ ﷺ کی شان

کے خلاف ہے۔ اس لئے ہم مسلمانوں کو ایسی پست صفت کو آپ ﷺ سے منسوب نہیں کرنا چاہئے۔

اگر آپ اس کے آخری فقرہ پر غور کریں تو اس میں مشرکین مکہ کا یہ اعتراف موجود ہے کہ آپ ﷺ صادق وامین تھے۔ باتیں بہت پیار، نرمی، ادب آداب اور فصاحت کے ساتھ کرتے تھے اور آپ ﷺ کم سے کم الفاظ میں اور نہایت قابل فہم زبان و انداز میں اپنا مدعا بیان فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے فرمان مبارک میں کہیں بھی بددعا، تلخی اور طنز وغیرہ کو دخل نہ تھا اور موضوع یا گفتگو کو تشنہ نہ چھوڑتے تھے۔

انس و جاں کے لئے فرشتے

اس موضوع کو یہاں بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جب اللہ تبارک تعالیٰ نے ہر نفس انس و جاں کی حفاظت و دیگر کاموں کے لئے کوئی درجن بھر فرشتے ساتھ لگا رکھے ہیں تو وہ اپنے خاص بندوں کے ساتھ تو نہ جانے کتنے زیادہ اور اعلیٰ و مقرب بارگاہ فرشتے لگا دیتا ہوگا۔

قرآن حکیم سورہ رعد کی آیت ۱۱ میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد ہے۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ

ترجمہ: ”آدمی کے لئے بدلی والے فرشتے ہیں، اس کے آگے پیچھے کہ بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں۔“

اس کی تشریح بخاری و مسلم کی حدیث میں یوں ہے کہ تم (ہر انس و جاں) میں فرشتے نوبت بہ نوبت آتے ہیں۔ رات اور دن میں اور نماز فجر و نماز عصر میں جمع ہوتے ہیں۔ فرشتوں کی نئی جماعت آجاتی ہے اور جو پہلے مختلف کاموں کی بجا آوری کے لئے رہ چکے ہوتے ہیں وہ چلے جاتے ہیں یعنی ان اوقات میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ فرائض سے فارغ ہو کر جانے والے فرشتوں کو فرماتے ہیں کہ تم نے میرے بندے کو کس حال میں چھوڑا۔ وہ مسلمان (مومنین) نمازیوں کے بارے میں یوں عرض کرتے ہیں کہ ہم نے انہیں نماز پڑھتے پایا اور نماز پڑھتے ہوؤں کو ہم نے چھوڑا۔

مجاہد نے کہا ہے کہ ہر بندے (آدمی انسان و جن) کے ساتھ ایک فرشتہ حفاظت پر مامور ہے جو سوتے جاگتے جن وانس اور موذی جانوروں سے بحکم خدا اس کی حفاظت کرتا ہے اور ہر خطرناک، ستانے والی چیز کو اس سے روک دیتا ہے۔ ماسوائے اس کے جس تکلیف، مصیبت، چوٹ، حادثہ، موت وغیرہ کا پہنچنا مشیت ایزدی میں ہو۔

قارئین کرام! میں اس آیت مبارک کے اس حصہ کی ”کہ بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں۔“ مزید تشریح کروں گا۔ یہ تو ایک حقیقت ہے کہ ہر بندے کے ساتھ اس کی حفاظت پر ایک فرشتہ ہمہ وقت مقرر ہے جو اسے ہر اس حادثہ، مصیبت، موت سے بچاتا ہے جو عملی طور پر تو بالکل سر پر آگئی ہو لیکن مشیت ایزدی میں نہ

ہونے کے سبب ٹل جاتی ہے ٹال دی جاتی ہے اور اس کا عملی مظاہرہ ہماری دنیا میں اور ہمارے ارد گرد بھی شب و روز ہوتا ہے لیکن ہم اکثر اسے جاننے سے قاصر رہتے ہیں۔

غیر معمولی حادثات میں سے کسی ایک دو کا سالم وصاف بچ نکلنا، یہ خدائی حفاظت کی وجہ سے ہی تو ہے، یہ حفاظت کرنے والے اللہ اور اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم سے مامور فرشتوں کی وجہ سے ہی تو ہو سکتا ہے یہ بھی اللہ تبارک تعالیٰ کی شان ہے اور اسے پہچاننے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں لیکن ہم اپنے سے غیر متعلقہ واقعات کو تو اہمیت ہی نہیں دیتے اور متعلقہ کو بھی تھوڑے عرصہ میں بھول جاتے ہیں۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ آج سے کوئی دس بارہ سال پہلے کسی عربی ایئر لائن کے جہاز سے دو پاکستانی بچے 33 ہزار میٹر کی بلندی سے (پرواز کے دوران) بحیرہ عرب میں گر گئے تھے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی شان کہ وہ دونوں بچے زندہ رہے۔ گلف کے ایک مچھیرے نے انہیں سمندر میں اتفاقیہ پایا اور نکالا۔ کوئی سال بھر اپنے پاس رکھا۔ ان کے والدین ان کے لئے صبر کر بیٹھے لیکن رب کائنات نے ایک دو سال بعد انہیں ان کے والدین سے ملا دیا۔

آج سے کوئی اٹھارہ بیس سال پہلے رائے ونڈ راجہ جنگ ریلوے کراسنگ پر ایک بس کو حادثہ پیش آیا تھا۔ ریل اور بس کی ٹکر بہت شدید تھی بس کے اکثر مسافر موقع پر ہی مر گئے تھے لیکن اس بس کی مسافر ایک نوزائیدہ بچی جس کی عمر چند ماہ کی تھی ٹکر کے سبب ماں کی گود سے اچھل کر کوئی پچیس گز دور بھوسے کے ڈھیر پر جا گری اور اسے خراش تک نہ آئی جب کہ اس کے والدین اور دوسرے بہن بھائیوں میں سے کوئی بھی نہ بچا۔

1965ء میں، میں خود ملتان کی ایک مصروف سڑک پر ایک ایسے حادثہ میں بے خراش بال بال بچا ہوں کہ میرے زندہ بچ جانے کا نہ تو جائے حادثہ پر موجود دیکھنے والوں کو یقین آیا اور نہ مجھے خود اس حادثہ کے وقت جب کسی شخص نے میری سائیکل کا سرمہ بنا دیکھا اور سائیکل سوار کو، اس کے جسم کے ٹکڑوں کو وہاں نہ پایا اور مجھے ایک طرف گم صم کھڑے دیکھا تو پوچھا کہ کیا تم ہی سائیکل سوار تھے؟ جب میں نے ہاں میں جواب دیا تو اس نے مجھے فرط مسرت سے سجدہ میں گرا دیا اور کہا کہ بیٹا اللہ تبارک تعالیٰ کا ابھی اور یہیں شکر ادا کرو کہ اس نے اس انتہائی خطرناک حادثہ میں جس میں ظاہری طور پر تو تمہارا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور ٹکڑوں کا بھی قیمہ بن جاتا لیکن الحمد للہ تمہیں خراش تک نہ آئی۔

میرے زندہ بچ جانے کا صفر فیصد بھی چانس نہ تھا۔ اب بھی جب سوچتا ہوں کہ میں کیسے بغیر خراش کے اس حادثہ سے زندہ بچ گیا جس میں میری سائیکل کا کچھ بھی نہ بچا۔ ایک کباڑیئے خریدار نے بمشکل مجھے اس کے دس روپے دیئے جب کہ اس وقت بھی اس جیسی نئی سائیکل کی قیمت ڈیڑھ سو (150) روپے تھی۔

سورہ قٓ آیات 17، 18 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے۔

اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ○ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ

عَتِيۡدٌ ○

ترجمہ: ''اور جب اس سے لیتے ہیں دو لینے والے، ایک داہنے بیٹھا ایک بائیں۔ کوئی بات وہ (آدمی جن وانس) زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ (لکھنے کے لئے، محفوظ کرنے کے لئے) تیار نہ بیٹھا ہو۔''

دو فرشتے جن کو کراماً کاتبین (اعمال نامہ لکھنے والے) کہتے ہیں وہ ہر انس و جاں کا ہر عمل اور اس کی ہر بات لکھنے کے لئے مامور ہیں۔ داہنی طرف والا نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں طرف والا بدیاں اس میں اظہار ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ فرشتوں کے لکھنے سے بھی غنی ہے وہ ہر کچھ کا جاننے والا، چھپی سے چھپی چیز کا جاننے والا، ہمارے نفس کو جاننے والا، ان سب بھید، خطرات، اچھائی برائی کا جاننے والا جو ابھی ہمارے نفس پر وارد نہیں ہوئی یعنی کہ جس سے ہم خود بے خبر ہیں غرضیکہ اس سے کچھ چھپا نہیں۔ فرشتوں کا لکھنا تقاضہ حکمت ہے کہ روز قیامت نامہائے اعمال ہر شخص کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے۔

(تم حضرات ملائکہ سے حیا کیا کرو تمہارے ساتھ کراماً کاتبین ہوتے ہیں جو تم سے علیحدہ نہیں ہوتے مگر تین مواقع پر قضائے حاجت کے وقت، جنابت کے وقت اور غسل کے وقت)۔

مستدرک جلد 4 صفحہ 135، تفسیر ابن کثیر جلد 8 صفحہ 366، اتحاف السادہ صفحہ 9، 10 درمنثور جلد 6 صفحہ 323)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے:

تمہارے ساتھ کچھ فرشتے ایسے ہیں جو تم سے نیند اور بیداری کی حالتوں میں بھی علیحدہ نہیں ہوتے مگر جس وقت تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے یا قضائے حاجت کے لئے جاتا ہے (تو الگ ہو جاتے ہیں) (بیہقی (منہ) نصب الرایہ جلد 1 صفحہ 434 نحوہ، ابن کثیر جلد 4 صفحہ 359، الحبائک صفحہ 81)

مندرجہ بالا اور درج ذیل حدیث کو میں نے اس لئے یہاں شامل کیا ہے کہ میں خود امام خطابی (معالم السنن) رحمۃ اللہ علیہ کا ہم خیال ہوں۔ اللہ تبارک تعالیٰ کے بے شمار فرشتے ہیں نہ جانے ہر نفس انس و جاں کے لئے اس نے کتنے کتنے اور کس کس کام کے لئے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں اور اس کی رحمتیں بھی نہ جانے کتنی قسموں کی ہیں۔ ہر کام، ہر رحمت کے لئے علیحدہ علیحدہ فرشتے ہیں اور پھر ان میں ہمارے جیسے جذبات و خواہشات نہیں۔ اس لحاظ سے آپ انہیں اللہ تبارک تعالیٰ کے بہترین اعلیٰ کارکردگی والے سوپر کمپیوٹر اور ربوٹ سمجھ لیں جنہوں نے تو صرف وہ کام کرنا ہے جو انہیں تفویض کیا گیا ہے' سونپا گیا ہے۔

اس لئے میں گزارش گزار ہوں کہ ہمیں ایسے معاملوں میں تنگ نظری سے کام نہیں لینا چاہئے بلکہ ہماری وسعت نظر تو اس حقیقت کے تحت ہونی چاہئے کہ اللہ تبارک تعالیٰ ہر کچھ کرنے پر ہر وقت قادر ہے۔ وہ حاکم

الحاکمین ہے قادر مطلق ہے جو چاہے کرے اور ہم اس کی معمولی سے معمولی حکمت وتخلیق کو مکمل طور پر کبھی بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے تنگ نظری کو نہ اپنائیں۔ اس میں حیران ہونے کی بات نہیں کہ اگر میں یہ کہوں کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے مختلف اقسام کے فرشتے جو صرف ہمارے اس کرہ ارض کے لئے ہیں وہ بھی تعداد میں ہماری زمین پر تمام مخلوقات (انس و جان، حیوانات، نباتات، جمادات، جراثیم، کیڑے مکوڑے، حشرت الارض) کی تعداد سے بھی ہزاروں گنا زیادہ ہیں۔

حدیث مبارک یہ ہے:

جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

(ابن ماجہ (منہ) سنن دارمی جلد 2 صفحہ 284، ابن ماجہ حدیث 3650، طبرانی کبیر، جلد 8، صفحہ 344، کنز العمال 41567، 41568، جمع الجوامع 5925، بخاری جلد 4، صفحہ 138، 158، جلد 5، صفحہ 105، جلد 7، صفحہ 215، مسلم کتاب اللباس ب 26 حدیث 83، 84، نسائی جلد 7، صفحہ 175، جلد 8، صفحہ 212، مسند احمد 4، 28، مصنف ابن ابی شیبہ جلد 5، صفحہ 410، جلد 8، صفحہ 290، طبرانی کبیر جلد 5، صفحہ 95، 96، ترغیب الترہیب جلد 4، صفحہ 45، فتح الباری جلد 7، صفحہ 315، 10، 386، مغنی عن حمل الاسفار امام عراقی، جلد 1، صفحہ 409، الحبائک حدیث نمبر 584)

اور اس حدیث پاک کے بارے میں امام خطابی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو رحمت اور برکت لے کر نازل ہوتے ہیں۔ ان سے محافظین یا دیگر فرشتے مراد نہیں ہیں کیونکہ وہ انسان سے علیحدہ نہیں ہوتے۔''

معاملہ کو مزید قابل فہم بنانے کے لئے یہاں میں مصنف کتاب ہذاہ رحمت کے فرشتے یا رحمت کے بارے میں وضاحت کر دوں۔ اس رحمت کا تعلق اخروی رحمت سے ہے یا اللہ تبارک تعالیٰ کی وہ نوازشیں جو عاقبت یا آخرت کو کامیاب بنانے میں مددگار ثابت ہوں گی مثلاً بانیان دین اور دین کی محبت، اتباع رسول کریم ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی ہمت اور شر سے نفرت اور خیر و بھلائی کی چاہت۔

(حدیث) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) اللہ تبارک تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین پر ایسے ہیں جو انسانوں میں موجود خیر و شر کی باتوں کو ان کی زبانوں پر لاتے ہیں۔ (دیلمی (منہ) مسند الفردوس دیلمی جلد 1 صفحہ 184)

(حدیث) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) ایک فرشتہ یَا اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ کہنے والے آدمی کے سپرد کیا گیا ہے تو جب یہ آدمی اس کلمہ کو تین مرتبہ کہتا ہے تو اس کو فرشتہ کہتا ہے (اے انسان) ''اَرْحَمُ الرَّحِمِیْنَ'' (یعنی اللہ تبارک تعالیٰ) تیری طرف متوجہ ہے تو (جو چاہے اس سے) مانگ (تیری دعا، بفضلہ تعالیٰ قبول ہوگی)

(مستدرک حاکم (منہ) جمع الجوامع حدیث 7104، کنز العمال حدیث 3839)

(حدیث) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) اللہ تبارک تعالیٰ نے (ہر) رحم پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے (جو اللہ تبارک تعالیٰ سے) پوچھتا ہے اے رب یہ قطرہ رہے گا یا جما ہوا خون بنے گا یا گوشت کی بوٹی بنے گی (یعنی اس کی تخلیق مکمل ہوگی یا نہ ہوگی) جب اللہ تبارک تعالیٰ یہ ارادہ فرماتے ہیں کہ اس نطفہ کی تخلیق مکمل فرمائیں تو وہ (فرشتہ) عرض کرتا ہے بدبخت ہوگا یا سعادت مند، مذکر ہوگا یا مونث، اس کا رزق کیا اور کتنا ہوگا اور اس کی موت کب آئے گی یہ سب کچھ اس وقت لکھ دیا جاتا ہے جب وہ اپنی شکم مادر میں ہوتا ہے۔

(مسند احمد، بخاری، مسلم (منہ) مسلم کتاب القدر باب اوّل حدیث نمبر 5، تفسیر قرطبی جلد 7 صفحہ 12، جمع الجوامع حدیث 413، کنز العمال حدیث 574 جلد 1 صفحہ 121، ابوعوانہ، مسند ابوداؤد طیالسی حدیث 2073، مسند احمد جلد 3، صفحہ 148، 184)

قارئین کرام! ایک بات یاد رکھیے وہ یہ کہ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور امت کے اولیا اللہ نے بھی کبھی کسی کو بددعا نہیں دی حالانکہ سابقون الاوّلون رضوان اللہ علیہم اجمعین تو بہت زیادہ ستائے گئے تھے۔

جس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اولیا اللہ کے بارے میں اللہ تبارک تعالیٰ قرآن حکیم میں یہ فرمائے۔

(سورہ حٰمٓ سجدہ آیت)

ترجمہ: ''ہم تمہارے مددگار ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور تمہارے لئے ہر وہ کچھ جس کے لئے تمہارا جی کرے اور تمہارے لئے وہ جو مانگو۔''

اس نکتہ پر غور کیجئے اور اس کو سمجھنا مشکل نہیں ہے کیونکہ ہر کوئی چاہتا ہے ہر کوئی طلب بھی کرتا ہے یا مانگتا بھی ہے۔ چاہنے اور طلب کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ چاہنے میں زبان سے الفاظ ادا کرنے نہیں پڑتے اور اسے صرف اللہ تبارک تعالیٰ ہی جانتے ہیں جب کہ مانگنے یا طلب کرنے کے لئے اپنا مدعا بیان کرنا پڑتا ہے اور اسے اللہ تبارک تعالیٰ کے ساتھ وہ سب بھی سنتے ہیں جن کی موجودگی میں طلب کیا جاتا ہے یا جن سے طلب کیا جاتا ہے۔

حدیث پاک ہے:

اللہ تبارک تعالیٰ جلہ شانہٗ فرماتے ہیں کہ میں اپنے اولیا کا ہاتھ کان آنکھ بن جاتا ہوں (یہ حدیث مبارک مکمل اور تفصیل سے جلد 1 میں اس سے پہلے لکھی جا چکی ہے)

قارئین کرام ذرا سوچئے کہ جس نبی کے اولیا اللہ کی یہ شان ہے کہ انہیں خواہش کرنے پر ہی نواز دیا جائے اس نبی کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان کیا ہوگی؟ اور ذرا اس سے آگے سوچئے کہ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

شان رفعت و عظمت کیا ہو گی جس کے غلاموں کی بھی شان بہت نرالی اور عظیم ہے؟

مذکورہ بالا احادیث سے یہ تو آپ نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ ہر انسان کے ساتھ کوئی درجنوں فرشتے تو اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و اذن سے مختلف فرائض کی بجا آوری کے لئے ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ یہ تو ایک عام آدمی' انسان کے لئے ہے۔

اپنے خاص بندوں کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ' خالق و مالک کائنات نہ جانے کتنے اور فرشتے' مقرب بارگاہ فرشتے مختلف فرائض کے ساتھ' ان کے ساتھ لگا دیتا ہو گا۔ اور حضرت جبریل امین کا انبیاء کرام' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے پاس تشریف لانا تو قرآن حکیم اور احادیث مبارک سے خوب ثابت ہے۔

اور پھر اللہ تبارک تعالیٰ تو اپنے اولیاء کے بھی ہاتھ' پاؤں' آنکھ اور کان وغیرہ بن جاتا ہے۔ قارئین کرام اسے گھٹے دماغ کے ساتھ نہ سوچئے بلکہ یہ تو حقیقت ہے کہ قادر مطلق جب چاہتا ہے اپنے اولیاء کو دور کے پیغام سنا دیتا ہے' دور کے حالات دکھا دیتا ہے۔ اولیاء اللہ کا بہ یک وقت کئی مقامات پر حاضر ہونا تو آپ نے سنا ہو گا۔ میں نے دیکھا بھی ہے یا مجھے یہ دکھلایا بھی گیا ہے۔ یہ ان کا بہ یک وقت کئی مقامات پر حاضر ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی مدد' حکم و اذن سے وہ اپنے اصل مقام پر موجود ہوتے ہوئے بھی بہت دور دور تک کارفرما ہوتے ہیں' دیکھتے ہیں' سنتے ہیں اور پہنچ جاتے ہیں۔

جب اولیاء اللہ کی مدد' نصرت و رہنمائی فرمانے کا اللہ تبارک تعالیٰ قادر مطلق جل شانہ کا یہ حال ہے تو اب آپ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم' تاجدار کائنات سرکار دو عالم' اصل الموجودات' حاصل کائنات' ہادی انس و جاں' رہبر کائنات' رسول بحر و بر' مخبر صادق' عالم خفا و غیوب' سیّد المرسلین' خاتم النبیین ﷺ کی تائید' مدد' نصرت و رہنمائی' حفاظت و سلامتی کے بارے میں سوچئے؟

اور خاص طور پر جب یہ دین اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور رہتی دنیا تک کے لئے ہے اور اس دین متین کو پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور ﷺ نے انتہائی کٹھن حالات میں روئے زمین پر تمام بنی نوع انس و جان میں پھیلانا تھا۔ اس شانِ عظیم کے مالک نبی ﷺ کی حفاظت' سلامتی' مدد' تائید و نصرت الٰہی کے بارے میں سوچئے جس کی اعلیٰ ترین عظمتوں' شانوں' رفعتوں کو اللہ تبارک تعالیٰ خود سورہ نجم آیات 3' 4 میں یوں بیان فرماتا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

ترجمہ: ''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے' وہ تو نہیں (اور کچھ نہیں کہتے) مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے''۔

رب العالمین' قادر مطلق نے اپنے حبیب' خاتم النبیین ﷺ کی حفاظت' تائید' مدد' نصرت رہنمائی کے لئے' پیشگی باخبر رکھنے کے لئے' مخبر صادق' عالم خفا و غیوب کی صفات کو اور بڑھانے کے لئے' پیش گوئیاں فرما دینے

کے لئے نہ جانے کتنے ہی اور کس کس مقرب بارگاہ فرشتوں کی ڈیوٹی لگا رکھی ہوگی۔

اور اب آپ خود ہی سوچیں اور منصف بن کر انصاف کریں کہ کیا سب سے اونچی شان والے نبی، نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے بددعا کا فعل مذموم منسوب کرنا سراسر جھوٹ نہیں ہے؟ نہایت میری بات نہیں ہے؟

جبریل امین روز اوّل سے خدمت اقدس میں

سورہ نجم آیات 3 اور 4

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○

ترجمہ: ''وہ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے مگر وہ کہ جس کے لئے وحی فرمائی گئی ہو۔''

بہ الفاظ دیگر آپ ﷺ کا فرمانا رب العزت کا فرمانا ہے۔ اس حقیقت کو فارسی زبان کے ایک شعر میں یوں کہا گیا ہے

گفتہ او ، گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ عبد اللہ بود

آپ نے خوب وضاحت کے ساتھ جان لیا ہے کہ ہر نفس، انس و جاں کے لئے، مختلف کاموں کی غرض سے اللہ تبارک تعالیٰ نے کئی کئی فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں اور اہل ایمان کے لئے کچھ اور زیادہ، جب ایک عام انسان (جن کی اکثریت نافرمان ہے) کے لئے رب کائنات نے اتنے سارے فرشتے لگا رکھے ہیں تو انسان کامل، اصل الموجودات' اللہ تبارک تعالیٰ کی سب سے بہترین پہچان کرانے والے اور اس کی سب سے کامل پہچان' پیغمبر اوّل و اعظم و آخر خاتم النبیین، سید المرسلین حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت میں، کے ساتھ نہ جانے کتنے اعلیٰ اور مقرب بارگاہ فرشتے لگا دیئے ہوں گے۔

احادیث مبارک، روایات و تاریخ حیات طیبہ سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ ثابت ہے کہ جبریل امین بحکم رب کریم آپ ﷺ کی ولادت مبارک سے پہلے ہی اس زمین پر مکہ میں جائے ولادت، مکانِ ولادت پر موجود تھے۔ سب رابطوں کا ذکر ممکن نہیں ہے یہاں میں صرف پہلے آخری اور درمیان میں کسی ایک دو رابطوں' جبریل کی ہمہ وقت موجودگی کا ذکر کروں گا تا کہ غیر ضروری طوالت سے بچا جا سکے۔

1- ولادتِ حضور پُرنور ﷺ کائنات کے لئے ابدی مسرتوں اور سچی خوشیوں کی پیامبر بن کر آئی تھی جس سے کائنات کی ہر چیز شاداں و فرماں تھی۔ فرشتے اللہ تبارک تعالیٰ کا شکر بجا لا رہے تھے۔ عرش تا فرش خوشبوؤں سے معطر اور پُر بہار تھے۔ اس پوری کائنات میں ہر سو جشن (جشن میلاد النبی) کا سماں تھا لیکن ایک ذات تھی جو اس وقت فریاد کناں تھی، جو مصروف آہ و فغاں تھی جو سر پیٹ رہی تھی، چیخ چلا رہی تھی اور اپنی بدبختی اور حرماں نصیبی پر آنسو بہا رہی تھی۔ وہ ملعون ابلیس کی ذات تھی۔

علامہ ابوالقاسم السہیلی رحمۃ اللہ علیہ ''روض الانف'' میں لکھتے ہیں

''ابلیس ملعون زندگی میں چار مرتبہ چیخ مار کر رویا۔

پہلی مرتبہ جب اسے ملعون قرار دیا گیا۔

دوسری مرتبہ جب اسے بلندی سے پستی کی طرف دھکیلا گیا۔

تیسری مرتبہ جب حضور پُرنور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

چوتھی مرتبہ جب سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔''

(روض الانف جلد 1 صفحہ 181،السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد 1 صفحہ 212،عیون الاثر،ابن سید الناس جلد 1 صفحہ 27)

علامہ احمد بن زینی دحلان، السیرۃ النبویہ میں رقمطراز ہیں۔

''عکرمہ سے مروی ہے کہ جس روز رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی تو ابلیس نے دیکھا کہ آسمان سے تارے گر رہے ہیں۔ اس نے یہ دیکھ کر اپنے لشکریوں کو کہا آج رات وہ پیدا ہوا ہے جو ہمارے (شیطانی) نظام کو درہم برہم کر دے گا۔ اس کے لشکریوں نے اسے کہا کہ تم اس کے نزدیک جاؤ اور اسے چھو کر جنون میں مبتلا کر دو۔ جب وہ اس نیت سے حضور انور ﷺ کے قریب جانے لگا تو حضرت جبرئیل نے اسے پاؤں سے ٹھوکر لگائی اور اسے دور عدن میں پھینک دیا۔'' (السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 47،48)

2- ابولہب کے بارے میں یہی ہے کہ وہ حضور کو اپنی زبان سے طعن و تشنیع کر کے غمزدہ کیا کرتا تھا۔ لیکن ابو جہل کی عداوت میں خست اور کمینگی بھی تھی وہ دست تعدی دراز کرنے سے بھی باز نہیں آتا تھا۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ کہتے ہیں میں ایک دن مسجد میں تھا۔ ابوجہل ملعون آ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے اللہ تبارک تعالیٰ کی نذر مانی ہے کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو سجدہ کی حالت میں دیکھوں گا تو اپنا قدم آپ (ﷺ) کی گردن پر رکھوں گا۔ یہ سن کر میں حضور پُرنور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے مذموم ارادہ سے آگاہ کیا۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ غضبناک ہو کر اٹھے اور مسجد حرام میں تشریف لے گئے میں نے کہا کہ آج بڑا شر و فساد کا دن ہے۔ حضور پُرنور ﷺ نے وہاں جا کر سورہ علق کی تلاوت شروع کی جب ان آیات (7،6) پر پہنچے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنسَانَ لَيَطْغٰىٓ ○ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ○

''ہاں بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے۔''

(سورہ العلق آیت 7،6)

کسی مشرک نے ابوجہل کو کہا یہ محمد ہے اس بدباطن کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس کو اس کی نذر یاد دلائے۔ ابوجہل کہنے لگا۔

''کہ تم وہ نہیں دیکھ رہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔ بخدا آسمان کا سارا افق مجھ پر مسدود کر دیا گیا ہے۔''

جب سرکار دو عالم ﷺ اس سورت کی انتہا تک پہنچے تو آپ نے سجدہ کیا۔

3- امام بخاری سے یہ روایت منقول ہے کہ ابوجہل نے ایک دن کہا اگر میں نے محمد (ﷺ) کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو میں اپنے پاؤں سے ان کی گردن کو پامال کروں گا۔ جب اس کی یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا اگر اس نے ایسا کرنے کی جرأت کی' تو فرشتے اس کو پکڑ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے اور سب لوگ اپنی آنکھوں سے اس بات کا مشاہدہ کریں گے۔ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 466)

4- ایک روز حضور انور ﷺ کعبہ شریف کے قریب نماز پڑھ رہے تھے تو یہ مغرور کہنے لگا کیا میں نے یہاں نماز پڑھنے سے تمہیں منع نہیں کیا تھا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ جتنے میرے دوست ہیں اتنے اور کسی کے نہیں، حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے اسے جھڑک دیا اسی وقت جبرئیل امین حاضر ہوئے اور یہ پیغام ربانی سنایا۔ اسے کہو کہ وہ اپنے دوستوں کو بلائے ہم اپنے فرشتوں کو ان کا دماغ درست کرنے کے لئے بھیج دیں گے۔

جبرئیل نے کہا اللہ کی قسم اگر اس نے اپنے دوستوں کو بلایا تو اسی وقت عذاب کے فرشتے اسے پکڑ لیں گے۔

5- ایک روز پھر اس بدبخت نے حضور انور ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تو بکنے لگا کہ کیا تمہارے سامنے محمد اپنے چہرہ کو خاک آلود کرتا ہے یعنی سجدہ کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ اس ملعون نے کہا لات و عزیٰ کی قسم اگر میں نے اس کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا تو اس کی گردن کو اپنے پاؤں سے روند ڈالوں گا اور اس کے چہرے کو گرد آلود کر دوں گا۔

6- ایک روز حضور پُرنور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے تو وہ نزدیک آیا تا کہ اپنے خبیث ارادہ کی تکمیل کرے لیکن قریب آتے ہی اچانک الٹے پاؤں پیچھے بھاگا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے لگا اس سے کسی ساتھی مشرک نے پوچھا تمہیں کیا ہو گیا۔ کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا میرے درمیان اور ان کے درمیان ایک خندق ہے جس میں آگ بھڑک رہی ہے ایک ہولناک منظر ہے اور مجھے فرشتے پر مارتے نظر آ رہے ہیں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا اگر وہ بدبخت میرے قریب آتا تو فرشتے اس پر جھپٹ پڑتے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 467)

7- روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حیات طیبہ کے آخری دنوں میں بیمار ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام نے

آپ ﷺ کے پاس آ کر کہا کہ اے محمد ﷺ اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے آپ کے اعزاز و اکرام کے لئے خاص طور پر آپ کے پاس بھیجا ہے کہ میں اس ذات پاک کی طرف سے جو آپ سے بہتر جانتی ہے آپ سے دریافت کروں کہ آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔

''اے جبرئیل! میں اپنے آپ کو کمزور پاتا ہوں، اے جبرئیل میں اپنے آپ کو بیماری میں مبتلا پاتا ہوں۔'' (البدایہ والنہایہ جلد 5 صفحہ 276)

پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی جبرئیل نے حاضر ہو کر اسی طرح پوچھا اور جواباً آپ ﷺ نے وہی بات کہی جو پہلے دن کہی تھی۔ تیسرے روز جبرئیل علیہ السلام ملک الموت کو ساتھ لے کر آئے اور کہنے لگے۔

''یہ ملک الموت ہے جو آپ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کرتا ہے اور آپ ﷺ سے قبل اس نے کسی آدمی سے اجازت طلب نہیں کی اور نہ آپ ﷺ کے بعد کسی آدمی سے اجازت طلب کرے گا۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا، اسے اندر آنے کی اجازت دے دو تو جبرئیل علیہ السلام نے اسے اجازت دے دی تو اس نے اندر آ کر آپ ﷺ کو سلام کیا۔ پھر کہنے لگا اے محمد ﷺ مجھے اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ اگر آپ ﷺ مجھے اپنی روح قبض کرنے کی اجازت دیں تو میں روح قبض کرلوں گا اور اگر آپ ﷺ مجھے اسے چھوڑ دینے کا حکم دیں تو میں اسے چھوڑ دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ملک الموت کیا تو ایسا کرے گا؟ اس نے کہا ہاں مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور مجھے آپ ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (راوی آگے یوں بیان کرتے ہیں)

رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا! اے محمد ﷺ اللہ تبارک تعالیٰ آپ ﷺ کی ملاقات کا مشتاق ہے۔ رسول اللہ ﷺ ملک الموت سے فرمایا آپ کو جو حکم دیا گیا ہے کر گزریئے، تو اس نے آپ ﷺ کی روح مبارک قبض کر لی۔ (البدایہ والنہایہ جلد 5 صفحہ 277)

قارئین کرام! آپ نے جان لیا کہ حضور پُرنور ﷺ کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و حکمت سے حضرت جبرئیل علیہ السلام یوم ولادت سے پردہ فرما جانے کے دن تک آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں رہے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے اپنے محبوب خاص، پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کو غیب کی خبر دینے میں یا مشرکین مکہ یا کسی اور کے بارے میں مشیت ایزدی بتلا دینے میں کوئی چیز مانع تو نہیں تھی، علیم و خبیر، ہر کچھ کا جاننے والا تو خود آپ ﷺ کو پل پل کی خبر دے رہا تھا۔

جس برگزیدہ نبی (ﷺ) کے بارے اللہ تبارک تعالیٰ یہ فرمائے
جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔
ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے مگر یہ کہ جو انہیں وحی کی جاتی ہے۔

اس پاک و مقدس ہستی (ﷺ) کے کلام مبارک، فرمان مبارک کو بددعا سے منسوب کرنا سراسر جھوٹ ہے، بہتان ہے اور ایسا لکھنے والے دانستہ، نادانستہ اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں جس کے وبال سے انہیں بچنا چاہئے۔

آپ ﷺ کا علم غیب اللہ تبارک تعالیٰ کی عطائے خاص ہے پھر بھی نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے علم غیب کو اللہ تبارک تعالیٰ کے علم غیب سے کوئی نسبت نہیں ہے اور حضور انور پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کے علم غیب سے باقی تمام انبیاء کرام کے مجموعی علم غیب کی نسبت بس اسی طرح سے ہے جیسے سمندر کی نسبت ایک قطرہ آب سے ہو۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے گھر میں پروان چڑھایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چند دنوں کی عمر میں واضح، بامقصد کلام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ اس کی شان ہے وہ قادرِ مطلق ہے جو چاہے کرے اور اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے وہ کچھ فوراً کر دینا جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ آسکے بہت آسان ہے۔

سورہ حدید آیت 22

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝

ترجمہ: ''نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں، مگر وہ ایک کتاب میں ہے، قبل اس کے کہ ہم اسے پیدا (برپا) کریں بے شک یہ کرنا اللہ کو آسان ہے۔''

رحمت یا بددعا

لیجئے اب اس حقیقت کو کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم رحمۃ للعالمین ﷺ نے کبھی بھی بددعا نہیں کی، قرآن حکیم کی آیات مبارک کی روشنی میں دیکھئے اور ایمان تازہ کیجئے۔

سورہ توبہ آیت 128

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝

ترجمہ: ''بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کا نہایت چاہنے والے' مسلمانوں پر کمال درجہ مہربان۔''

سورہ انبیاء آیت 107

وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

ترجمہ: ''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لئے''

سورہ انفال آیت 33

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ٥

ترجمہ: ''اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔''

سورہ اعراف آیت 156

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ط قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ج وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ٥

ترجمہ: ''اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے''

سورہ حجر آیت 88

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ٥

ترجمہ: ''اور مسلمانوں کو اپنی رحمت کے پروں میں لے لو''

قارئین کرام! مندرجہ بالا آیات کریمہ کے بارے میں میں مقابلتاً تفصیل سے پہلی جلد میں لکھ چکا ہوں۔ یہاں اختصار کے ساتھ عرض ہے کہ حضور انور، پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ ساری کائنات کے لئے تمام عالموں کے لئے، سب جہانوں کے لئے رحمت رب للعالمین ہیں اور اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و اذن و حکمت سے آپ ﷺ کی رحمت بھی ساری کائنات کو اسی طرح گھیرے ہوئے ہے جیسے اللہ تبارک تعالیٰ کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

یعنی کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی تمام جہانوں پر رحمتیں، برکتیں، نعمتیں کرم نوازیاں بلاواسطہ بھی ہیں اور بلواسطہ بھی یعنی کہ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے محبوب خاص حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے بھی تمام جہانوں پر رحمتیں، برکتیں، کرم نوازیاں کر رہا ہے۔ آپ ﷺ کی رحمتیں، نوازشیں، برکتیں، کرم نوازیاں عام بھی ہیں اور خاص بھی۔ رحمت عام ساری کائنات میں تمام جہانوں میں سب کے لئے ہے اور رحمت خاص مومنین کے لئے ہے کہ انہوں نے آپ کے دین کو قبول کیا اختیار کیا، آپ ﷺ کا اتباع کیا اور آپ ﷺ کی رشد و ہدایت کے مطابق زندگی گزار کر سب سے بڑی کامیابی کے لئے اپنے آپ کو حق دار بناتے ہیں۔

سب سے بڑی کامیابی کے لئے سورہ فتح آیت 5 میں ارشاد مالک و خالق کائنات ہے۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ

سَيِّاٰتِهِمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ: ''تاکہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں (جنت) میں لے جائے جن کے نیچے نہریں رواں، ہمیشہ ان میں رہیں اور ان کی برائیاں ان سے اتار دے اور یہ اللہ کے ہاں بڑی کامیابی ہے۔''

مذکورہ بالا سورہ انفال کی آیت 33 سے اللہ تبارک تعالیٰ کی رحمتوں کے انداز ظاہر ہیں۔ قارئین کرام اس آیت مبارک کے ان الفاظ (جب تک تم اے محبوب ان میں تشریف فرما ہو) سے کسی مغالطے میں نہ پڑیئے گا۔ قرآنی آیات کی شان نزول تو مخصوص ہو سکتی ہے ہوتی ہے لیکن ان کی تعلیم یا عملی شکل قیامت تک کے لئے ہے۔ جیسے فرعون تو قرآن حکیم میں اسے کہا گیا ہے' بیان کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا لیکن عملی طور پر فرعون والی بری صفات کے حامل تمام افراد چاہے وہ پہلے تھے، اب موجود ہیں یا بعد میں ہوں گے فرعون ہی کہلائیں گے۔ وہ کل بھی تھے، آج بھی ہیں اور کل بھی ہوں گے اور یہ ہر طبقہ اور ہر معاشرہ میں ہوتے ہیں۔

قرآن حکیم، دین اسلام رہتی دنیا تک کے لئے ہیں اور اسی طرح صاحب قرآن، دین اسلام کے پیامبر حضور انور، پیغمبر اوّل و آخر و اعظم نبی کریم ﷺ بھی رہتی دنیا تک کے لئے ہیں۔ آپ ﷺ نے دوسرے انبیاء کرام کی طرح صرف مادی دنیا سے پردہ فرمایا ہے۔ روحانی طور پر آپ ﷺ اسی طرح سے امت کے لئے، ساری دنیا میں تمام مخلوقات کے لئے اسی طرح تصرف فرما رہے ہیں جو آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں تھا۔

سورہ جن آیت 16 میں خالق و مالک کائنات کا فرمان ہے۔

وَاَلَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۝

ترجمہ: ''اور فرماؤ کہ مجھے یہ وحی ہوئی ہے کہ اگر وہ راہ راست پر رہتے تو ضرور ہم انہیں وافر پانی دیتے۔''

یہاں وافر پانی سے مراد وسعت رزق و آسائش زندگی ہے کہ زرخیز و بنجر زمین کی فصل و پھل کی پیداوار کا سارا انحصار پانی پر ہوتا ہے۔ اگر زمین خوب زرخیز ہو، آدمی اس پر محنت بھی خوب کرے تب بھی وہ پانی کے بغیر پیداوار نہیں دے سکتی۔ اس لئے اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ لوگ ایمان لاتے تو ہم (اللہ) دنیا میں ان پر رزق وسیع کرتے اور انہیں کثیر پانی اور فراغی رزق سے عیش و آسائش زندگی عنایت فرماتے۔

بالفاظ دیگر اس آیت مبارک میں اللہ تبارک تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ میری رحمتیں، نعمتیں، برکتیں اور کرم نوازیاں تو انبیاء کرام کے اتباع اور خدائے واحد بزرگ و برتر کی عبادت کے صلہ میں ہی جاری و ساری رہتی ہیں۔

قارئین کرام! لیکن اللہ تبارک تعالیٰ کی تمام رحمتیں، نعمتیں، کرم نوازیاں تو اب بھی خوب جاری وساری ہیں حالانکہ اس دنیا کی دو تہائی انسانوں کی آبادی آپ ﷺ کے دین کو مانتی ہی نہیں یعنی کہ دنیا کی دو تہائی آبادی آپ ﷺ کی نافرمان امت ہے اور جو ایک تہائی آپ ﷺ کی ماننے والی امت ہے اس کی اجتماعی وانفرادی حالت آپ کے سامنے ہے۔ اتباع رسول کریم ﷺ فرائض و واجبات کی ادائیگی اور حقوق العباد کا برا حال ہے بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ میں اسلامی، دینی قدریں تیزی سے تنزل پذیر ہیں اور ہماری اکثریت نام کی مسلمان ہے۔

یعنی کہ آپ ﷺ کی موجودہ امت نے اپنے آپ کو ان رحمتوں، نعمتوں، برکتوں، کرم نوازیوں کا مستحق نہیں چھوڑا ہے۔ مستحق نہیں بنایا ہے کہ یہ جاری وساری رہیں لیکن اس حقیقت کے باوجود کہ ہم بطور امت ان رحمتوں، برکتوں، نعمتوں، کرم نوازیوں کے مستحق نہیں رہے یہ کرم نوازیاں، نعمتیں، برکتیں اور رحمتیں اللہ تبارک تعالیٰ کے محبوب خاص، پیغمبر اوّل و آخر و اعظم خاتم النبیین، سید المرسلین، رحمۃ للعالمین ﷺ کی صفت رحمۃ للعالمینی کے سبب ہم پر جاری وساری رہیں گی۔

ہم اگر بطور قوم و ملک و امت رسول کریم ﷺ ان نعمتوں کے لئے اللہ کے شکر گزار ہوں گے تو یہ نعمتیں، رحمتیں ہمارے لئے اور بڑھیں گی اور اگر ہم نے ناشکری کی جیسا کہ مسلم ممالک کی اکثریت آج کل کر رہی ہے۔ (جہاد سے پہلو تہی اور مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلم اقوام کی مالی واخلاقی مدد کرنا) تو ان نعمتوں رحمتوں میں اللہ تبارک تعالیٰ کمی بھی کر سکتے ہیں۔ رکاوٹ بھی ڈال سکتے ہیں اور انہیں دوسری قوموں کے حوالے بھی کر سکتے ہیں۔

بہر حال قصہ مختصر کہ اگر ہم اتباع رسول کریم کو اپنانے کی سعی کرتے رہیں اور اللہ تبارک تعالیٰ نعمتوں کا کفران کرنے سے بچے رہیں تو یقیناً اللہ تبارک تعالیٰ اپنے رحمۃ للعالمین ﷺ کے صدقے اپنی رحمتیں، برکتیں، نعمتیں، کرم نوازیاں ہم پر ساری دنیا پر جاری وساری رکھے گا۔

سورہ نحل آیت 37 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمان ہے

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○

ترجمہ: ''اگر تم ان کی ہدایت کی حرص کرو تو بے شک اللہ ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کرے اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔''

سورہ یونس آیت 99 میں ارشاد رب العالمین ہے

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ط اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○

ترجمہ: ''اور اگر تمہارا رب چاہتا زمین میں جتنے ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔ تو کیا تم لوگوں کو زبردستی کرو گے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔''

ان آیات مبارکہ میں اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے اور اعتراف کیا ہے کہ آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ سب ایمان لے آئیں اور راہ راست اختیار کریں پھر جو ایمان سے محروم رہ جاتے ہیں ان کا آپ کو غم ہوتا ہے (یہ بھی اعتراف باری تعالیٰ ہے کہ آپ ﷺ پوری انسانیت کے شدت سے بہی خواہ ہیں) اس کا آپ کو غم نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ایمان لانا سعادت ازلی پر موقوف ہے۔ ایمان وہی لائیں گے جن کے لئے توفیق الٰہی مساعد ہو۔

سورہ شعرا آیت 3 میں خالق و مالک کائنات کا فرمان یوں ہے:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○

ترجمہ: ''کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے اس غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے۔''

سورہ کہف آیت 6 میں ارشاد اللہ تبارک تعالیٰ یوں ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ○

ترجمہ: ''تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے پیچھے، اس بات پر کہ وہ ایمان نہ لائیں کے غم سے۔''

اس آیت مبارک میں بھی پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کی تسلی قلب فرمائی گئی ہے کہ آپ ان بے ایمانوں کے ایمان سے محروم رہنے پر اس قدر رنج و غم نہ کیجئے اور اپنی جان پاک کو اس غم سے ہلاکت میں نہ ڈالیے۔ اس آیت مبارک سے بھی یہ خوب خوب ظاہر ہے کہ آپ ﷺ ساری انسانیت کے شدت سے بہی خواہ ہیں' ان کے لئے رحمتوں کے طلب گار ہیں۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا آیات مبارک میں اللہ تبارک تعالیٰ نے ہماری رہنمائی کے لئے یہ اعتراف فرمایا ہے

کہ میرے یہ نبی محمد رسول اللہ (ﷺ) ہادی دو جہاں، رحمۃ للعالمین یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کا کام (ذمہ) صرف اور صرف میری مخلوق انس و جاں تک میرا پیغام میری پسند و رضا کے مطابق پہنچا دینا ہی ہے اور بس۔

اس کے باوجود وہ میری عطا کردہ صفت رحمۃ للعالمین میں اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ وہ سب بنی نوع انسان کے لئے شدت سے خواہاں ہیں کہ وہ نجات یافتہ ہو جائیں اور عذاب دوزخ سے بچ جائیں۔ وہ پوری انسانیت کی دنیا و آخرت میں بھلائی چاہتے ہیں۔ اور جب مشرکین میں میری، میرے پسندیدہ دین کی میرے

خاتم النبیین (ﷺ) تبلیغ کرتے ہیں اور وہ آپ کی نصیحت کو بار بار سمجھانے کے باوجود نہیں مانتے تو پھر بھی آپ ان سے کنارہ کش نہیں ہوتے' بلکہ ان کے راہ راست پر نہ آنے اور بالآخر ان کے آخرت کی بھلائی سے محروم ہونے کے غم میں ڈوبے رہتے ہیں۔

میرے یہ نبی خاتم النبیین، سید المرسلین، پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، رحمۃ للعالمین (ﷺ) میری رحمتیں تمام بنی نوع انسان پر نچھاور کرنا چاہتے ہیں یہ تو ان صفات حمیدہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ انہوں نے تو مجھ سے یہ دعا کی تھی۔

سورہ ابراہیم آیت 36

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

ترجمہ: ''تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔''

قارئین کرام! جس نبی کے بارے میں اللہ تبارک تعالیٰ خود اعتراف فرمائیں کہ یہ میرا نبی تو تمام انس و جاں کی بخشش کے لئے شدت سے خواہاں ہیں۔ اس نبی کی اس صفت عظیم میں بددعا دینے کا داغ لگا دینا کہاں تک مناسب ہے۔ سب کا بھلا چاہنے والے بددعا کر ہی نہیں سکتے۔ یہ لفظ بددعا رحمۃ للعالمین ﷺ کی شان رحمۃ للعالمینی کے خلاف ہے۔

نبی کی ذمہ داری

سورہ عنکبوت آیت 18

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○

ترجمہ: ''اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف صاف پہنچا دینا۔''

سورہ یٰسٓ آیت 17

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○

ترجمہ: ''اور ہمارے ذمہ نہیں مگر صاف صاف پہنچا دینا''

سورہ شوریٰ آیت 48

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ○

ترجمہ: ''تو اگر وہ منہ پھیریں تو ہم نے تمہیں ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا تم پر تو نہیں مگر پہنچا دینا۔''

سورہ فاطر آیت 24

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ؕ وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ ○

ترجمہ: ''اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔''

سورہ تغابن آیت 12

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ○

ترجمہ: ''اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو پھر اگر تم منہ پھیرو تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔''

مندرجہ بالا آیات کریمہ سے یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضور انور نبی کریم ﷺ کے ذمہ تو صرف اللہ تبارک تعالیٰ کا پیغام اس کی رضا کے مطابق، اس کے بتائے ہوئے انداز، معیار و ہدایات کے مطابق اس کی مخلوق بالخصوص انس و جاں تک پہنچانا ہی تھا۔ (جو کہ خاتم النبیین، سید المرسلین پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ نے روز اوّل سے لے کر شب و روز ہر حال میں حیات طیبہ کے آخری سانس تک پوری شد و مد و تندہی سے کیا)

آپ ﷺ کو جو کام اللہ تبارک تعالیٰ نے سونپا تھا وہ تو آپ ﷺ نے خوش اسلوبی سے ادا کر دیا' پھر اس سے زائد بلکہ بہت بہت زائد کی خواہش یعنی کہ پوری امت محمدی کے لئے بالآخر دوزخ سے نجات اور دین متین میں نہ آنے والوں کے لئے فکر مند ہونا، انہیں بار بار سمجھانا، راہ راست کا پیار و شفقت سے دکھانا، وہ تنگ کریں وہ ستائیں وہ جسمانی وہ ذہنی اذیتیں دیں پھر بھی انہیں سمجھانے، راہ حق دکھانے، آگ دوزخ سے بچانے کے لئے کوشاں رہنا' یہ کیا ہے؟

تمام مخلوقات کی بھلائی تمام انس و جاں کی بھلائی، تمام بنی نوع انسان کی بھلائی و فلاح کی فکر آپ ﷺ کو کس لئے دامن گیر تھی؟ امت کی بخشش کے لئے راتوں کو رو رو کر دعائیں کرنا کس لئے تھا؟

قارئین کرام! آپ مجھ سے یہاں اتنا تو اتفاق کرتے ہیں ناں کہ پوری مخلوقات خاص طور پر انس و جاں کی ابدی بھلائی و فلاح کے لئے فکر مند ہونا آپ ﷺ کی ذمہ داری میں شامل نہیں تھا اور آپ ﷺ ہر جان کے لئے فرداً فرداً کوشاں رہے ہیں کہ وہ عذاب نار سے بچ جائے اور جنت کی ابدی راحتوں سے ہمکنار ہو۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، ہادی دو جہاں ﷺ نے یہ اضافی کام، فکر، کوشش اپنے ذمہ اس لئے لے لی کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنایا ہے۔ اور رحمۃ للعالمین کی تمام صفات عطا فرمائی ہیں۔ ان صفات میں ایک نمایاں صفت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ سب کا بھلا چاہیں، سب کی ابدی بھلائی و فلاح کے لئے تگ و دو کریں اپنے رب سے سب کے لئے رحم و کرم ہی طلب کریں۔ بددعا دینا تو کجا خاتم النبیین ﷺ تو کسی کا بھی برا نہیں چاہتے الا یہ کہ وہ مشیت ایزدی میں ہی اس طرح ہو اور اسے آپ ﷺ نے اللہ کے حکم و رضا سے

اس برے کے ہونے سے پیشگی آگاہ کر دیا ہو، پیش گوئی کر دی ہو۔

سورہ قصص آیت 7

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○

ترجمہ: ''اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا کہ اسے دودھ پلا پھر جب تجھے اس سے اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور نہ ڈر نہ غم کر بے شک ہم اسے تیری طرف پھیر لائیں گے اور اسے رسول بنائیں گے۔''

سورہ یوسف آیت 15

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِىْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○

ترجمہ: ''پھر جب اسے لے گئے اور سب کی رائے یہی ٹھہری کہ اسے اندھے کنویں میں ڈال دیں اور ہم نے اسے وحی بھیجی کہ ضرور تو انہیں ان کا یہ کام جتا دے گا ایسے وقت کہ وہ نہ جانتے ہوں گے۔''

سورہ یوسف آیت 76

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِىْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ○

ترجمہ: ''تو اوّل ان کی خرجیوں سے تلاشی شروع کی اپنے بھائی کی خرجی سے پہلے پھر اسے اپنے بھائی کی خرجی سے نکال لیا، ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی۔''

سورہ شعرا آیت 52

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِىْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ○

ترجمہ: ''اور ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے نکل بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔''

سورہ اعراف آیت 117

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ○

ترجمہ: ''اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈال تو وہ فوراً ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا۔''

سورہ اعراف آیت 160

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ

ترجمہ: ''اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کو جب اس سے اس کی قوم نے پانی مانگا کہ اس پتھر پر اپنا عصا مارو۔''

سورہ یونس آیت 87

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

ترجمہ: ''اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو وحی بھیجی کہ مصر میں اپنی قوم کے لئے مکانات بناؤ۔''

مندرجہ بالا آیات کریمہ کا یہاں حوالہ دینے یا بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ میں یہ اپنے قاری پر واضح کر دوں کہ انبیاء کرام علیہ السلام ہمہ وقت اپنے رب کے فضل وحفاظت ورابطہ میں ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ کو انہیں وحی بھیجنے، کرنے میں دیر نہیں لگتی وہ اپنے ہر نبی کی قدم قدم ساعت ساعت پر رہنمائی و مدد فرماتا ہے اور خاتم النبیین، سید المرسلین پیغمبر اوّل و آخر واعظم حضور انور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بے شک اللہ تبارک تعالیٰ کی تمام کرم نوازیوں کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا آیات کریمہ سے یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے انبیاء کرام (منتخب بندوں) سے، کے ساتھ، روز اوّل سے ہی بذریعہ وحی رابطہ رکھتا ہے جس کے ذریعے وہ ان کی (عمر کے کسی بھی حصہ میں) رہنمائی، حفاظت، تدبیر، تعلیم واحکامات فرماتا ہے۔ وحی نبوت عطا کرنے سے پہلے بھی' کسی وقت اور کسی عمر میں بھی ممکن ہے اور ہوتی رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بذریعہ وحی سب دائیاں (دودھ پلانے والی عورتیں) اس وقت حرام کردی تھیں جب آپ کی عمر تین ماہ کے قریب تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی اس وقت گویائی عطا فرمائی جب آپ کی عمر مبارک ہفتہ دس دن کی بھی نہ تھی۔

سورہ مریم آیت 29 اور 30 کے مطابق بچہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اس وقت اپنی والدہ کی گود (پالنے) میں تھا اور بچہ نے فرمایا ''میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ کا نبی ہوں اور صاحب کتاب ہوں۔'' انجیل مبارک کے مطابق بھی بچے کی عمر ہفتہ دس دن سے زیادہ کی نہیں لگتی اور انجیل کے مطابق حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پاس سب سے پہلے پہنچنے والے اور آپ سے سوال کرنے والے چرواہے تھے جن سے' حضرت مریم کے اپنے بچے کی طرف اشارہ فرمانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کلام فرمایا۔ انجیل مبارک سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت

مریم اس وقت تک آبادی سے کچھ دور اپنے بچے کے ساتھ تنہا تھیں کیونکہ چرواہے عموماً آبادی سے کچھ دور ہی اپنے جانور چراتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو وحی اس وقت کی جب آپ کی عمر تقریباً بارہ سال کی تھی اور بھائیوں نے حسد کے مارے اسے ایک اندھے کنوئیں میں گرا دیا، دھکیل دیا۔

ان آیات مبارک سے صرف یہ بتانا' سمجھانا مقصود ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے انبیاء کرام کی روز اوّل سے بذریعہ وحی حفاظت، مدد و رہنمائی فرماتا ہے۔ یقیناً خاتم النبیین، سید المرسلین پیغمبر اوّل و آخر و اعظم محبوب خدا ﷺ جن کے لئے، جن کے سبب یہ کائنات، دنیا پیدا کی گئی ہے اور جو تمام انبیا کرام سے افضل ہیں ان کے لئے تو وحی، برائے حفاظت، مدد، رہنمائی، تعلیم، علم غیب، پیش گوئی فرمانے کے سلسلہ میں نہ جانے روزِ اوّل سے دن رات میں، ہر موقع پر کتنی بار فرمائی جاتی ہوگی۔

سورہ قصص آیت 12

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ۝

ترجمہ: ''اور ہم نے پہلے ہی سب دائیاں اس پر حرام کر دی تھیں۔''

اس آیت مبارک کی تفسیر یوں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تین ماہ کے ہو چکے تھے اور جب آپ کی والدہ ماجدہ کو فرعون کی طرف سے اندیشہ ہوا تو انہوں نے آپ کو ایک صندوق میں رکھ کر (جو خاص طور پر اس مقصد کے لئے بنایا گیا تھا) شب کے وقت دریائے نیل میں بہا دیا۔ صندوق کو فرعون کے اہل کاروں نے محل والی نہر سے پکڑا اور صبح اس صندوق کو فرعون کے سامنے رکھا اور وہ کھولا گیا تو اس سے ایک بچہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) برآمد ہوا جو اپنے انگوٹھے سے دودھ چوس رہے تھے۔

پھر حضرت موسیٰ فرعون کی گود میں تھے اور دودھ کے لئے روتے تھے۔ فرعون آپ کو پیار کے ساتھ بہلاتا تھا اور آپ کے لئے دودھ پلانے والیوں کا حکم دیا' چنانچہ جتنی بھی دائیاں حاضر کی گئیں ان میں سے کسی کی چھاتی آپ نے منہ میں نہ لی۔ اس لئے فرعون نے مزید اور دائیاں بلانے کا کہا۔ آپ کی ہمشیرہ جو یہ حال دیکھ رہی تھیں وہ ان کی خواہش پر اپنی والدہ کو بلا لائیں۔ جب آپ نے ان کی خوشبو پائی تو آپ کو قرار آ گیا اور آپ نے ان کا دودھ منہ میں لیا اور پیا۔

یہ دیکھ کر فرعون نے پوچھا تو اس بچے کی کون ہے کہ اس نے تیرے سوا کسی کے دودھ کو منہ نہ لگایا؟ انہوں نے کہا میں ایک عورت ہوں پاک صاف رہتی ہوں۔ میرا دودھ خوشگوار ہے، جسم خوشبودار ہے۔ اس لئے جن بچوں کے مزاج میں نفاست ہوتی ہے' وہ اور عورتوں کا دودھ نہیں لیتے ہیں میرا دودھ پی لیتے ہیں۔ فرعون نے

بچہ انہیں دیا اور دودھ پلانے پر انہیں مقرر کر کے بچے (فرزند موسیٰ) کو اپنے گھر لے جانے کی اجازت دے دی۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا آیات مبارک کے حوالے سے میں آپ کو یہ حقیقت ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں کہ

1- اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے اپنے انبیاء کرام کو وحی کرنا، وحی بھیجنا بہت بہت آسان ہے۔ یہ بات تو میں نے وحی کے حوالہ سے کر دی ہے ورنہ ہر وہ کام جو ہماری سمجھ، عقل، وہم وگمان وتصورات میں بھی نہیں آسکتے وہ تمام کام بھی اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے کرنا ایک دم آسان ہیں بلکہ کلمہ کُن کے ارشاد فرماتے ہی اللہ کی رضا کے مطابق ہو جاتے ہیں۔

قرآن حکیم سورہ حدید آیت 22 میں رب کائنات کا ارشاد ہے:

مَا اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَہَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ۚ۝

ترجمہ: ”نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اسے پیدا (برپا) کریں، بے شک یہ اللہ کو آسان ہے۔“

2- اللہ تبارک تعالیٰ حسب ضرورت صرف اپنے انبیاء کرام کو ہی وحی نہیں فرماتا بلکہ ان کی خاطر اور اپنی رضا و حکمت سے وہ غیر انبیاء اشخاص کو بھی وحی فرما دیتا ہے۔ اس حقیقت سے ایک اور بات واضح ہو جاتی ہے وہ یہ کہ انبیاء کرام کے والدین بھی برگزیدہ ہستیاں ہوتی ہیں۔ وہ اللہ کے قرب والے اور اس کے محبوب بندے ہوتے ہیں۔ اللہ کے ہاں ان کا ایک خاص اور اہم مقام ہوتا ہے۔

3- اللہ تبارک تعالیٰ کے اپنے انبیاء کرام کے وہ کام کروانے کے جو اس کی مشیت میں ہوں ہزار ہا طریقے اور ذرائع ہیں۔ تمام مخلوقات زمین، زمین و آسمان میں جو کچھ ہے، نباتات، حیوانات، جمادات، انس و جاں غرضیکہ ہر کچھ اسی کے جنود ہیں، لشکر ہیں، کارندے ہیں۔ (سورہ فتح آیت 4)

آپ نے اس سے یہ جان لیا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے نومولود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی حاکم وقت، فرعون وقت کے گھر میں پالنا تھا جس نے قوم اسرائیل کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دینے کے احکام صادر کئے ہوئے تھے اور جو خوب سختی وشدت سے ان مذموم احکام پر عمل کروا رہا تھا۔ دیکھ لیں کہ صندوق (بچہ) کو ڈالا تو دریائے نیل میں ہی تھا۔ رب کے حکم سے پانی بہا کر اسے اس نہر میں لے گیا جو فرعون کے محل سے گزرتی تھی۔ وہاں سے فرعون کے کارندوں نے ہی اسے نکالا اور فرعون کے محل کے رہائشی حصہ میں پہنچا دیا اور جب فرعون اور اس کی بیوی (حضرت آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا) نے اس صندوق میں بچے کو دیکھا تو فرعون کے دل میں بھی اللہ تبارک تعالیٰ نے بچے کے لئے شفقت ومحبت پیدا کر دی۔ بس اسی سے آپ دیکھ لیں اور یقین کر

لیں کہ اللہ ہر کچھ کرنے پر ہر وقت قادر ہے۔

سورہ ص آیت 69 اور 70 میں ارشاد قادر مطلق، خالق و مالک کائنات یوں ہے:

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝ إِنْ يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝

ترجمہ: ''مجھے عالم بالا کی کیا خبر تھی جب وہ جھگڑتے تھے، مجھے تو وحی ہوتی ہے کہ میں نہیں مگر روشن ڈر سنانے والا۔''

دارمی اور ترمذی کی حدیثوں کے مطابق اس آیت مبارک کی تشریح یوں ہے کہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم، پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، خاتم النبیین سید المرسلین ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی بہترین حالت میں اپنے رب عزوجل، رب کریم کے دیدار سے مشرف ہوا۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا، اے محمد (ﷺ) عالم بالا کے ملائکہ کس بحث میں ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رب تو ہی جانتا ہے تو ہی دانا ہے۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا، پھر رب العزت نے اپنا دست رحمت و کرم میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا اور میں نے اس کے فیض کا اثر اپنے قلب مبارک میں پایا تو آسمان و زمین کی تمام چیزیں میرے علم میں آ گئیں۔

پھر اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا یا محمد (ﷺ) کیا تم جانتے ہو کہ عالم بالا کے ملائکہ کس امر میں بحث کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا ہاں اے میرے رب میں جانتا ہوں وہ کفارات میں (پر) بحث کر رہے ہیں اور کفارات یہ ہیں۔

نمازوں کے بعد مسجد میں ٹھہرنا

پیدل جماعتوں (نماز با جماعت) کے لئے جانا

جس وقت سخت سردی کے باعث پانی کا استعمال ناگوار ہو اس وقت اچھی طرح وضو کرنا۔

بعض روایتوں میں یہ ہے کہ سید المرسلین ﷺ نے فرمایا مجھے کائنات کی ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے ہر کچھ کو جان لیا پہچان لیا۔

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ جو کچھ مشرق و مغرب میں ہے سب میں نے جان لیا۔

قارئین کرام! یہ میں نے آپ کے علم میں اضافے کی خاطر لکھ دیا ہے ویسے ان سب روایات کا مفہوم ایک ہی ہے۔

اور یہاں اس آیت مبارک کا حوالہ دینے کا میرا مقصد یہ ہے کہ قارئین کرام کو پتہ ہو، علم ہو کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ پر سارے غیب و علوم کے دروازے کھول دیئے تھے اور خاتم النبیین پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کو اس کے معیار شان بندگی و عبدیت کے مطابق اللہ تبارک تعالیٰ قادر مطلق نے سب کچھ سے بصد شوق نواز دیا تھا۔

سورہ تکویر آیت 24 میں رب کریم جل شانہٗ یوں فرماتے ہیں۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ○

ترجمہ: ''اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔''

یعنی علم غیب بڑی فراخی سے بتاتے ہیں۔ وہ علم جسے اللہ تبارک تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور آپ ﷺ اللہ کی رضا سے جانتے ہیں اس غیب کو آپ ﷺ مخلوق خدا کو خوب بتاتے ہیں۔ ان پہ خوب آشکارا کرتے ہیں۔

سورہ ھود آیت 49

ترجمہ: ''یہ غیب کی خبریں ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔ انہیں نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم اس سے پہلے، تو صبر کرو بے شک بھلا انجام پرہیز گاروں کا ہے۔''

اس آیت مبارک میں اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ وہ غیب کی باتیں، خبریں اپنے محبوب ﷺ کو دیتے ہیں، عطا فرماتے ہیں اس لئے مشرکین کو، کسی کو بھی آپ ﷺ کے کلام مبارک، پیش گوئی وغیرہ میں شک نہیں ہونا چاہئے۔ مشرکین مکہ اور اب مستشرقین یعنی کہ دین اسلام اور امت مسلمہ کے بدخواہ، برا چاہنے والے جو نبی کریم رؤف و رحیم رحمۃ للعالمین سے بددعا کرنے کو منسوب کرتے ہیں وہ ایک کھلا جھوٹ ہے باطل ہے بہتان ہے۔ وہ تو سب ہی پیش گوئیاں تھیں جنہیں آپ ﷺ اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و اذن سے فرمادیتے تھے۔

کرم کی انتہا

اللہ تو خود آپ ﷺ کی رضا چاہتا ہے

سورہ طٰہٰ آیت 130

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَاۤئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ○

ترجمہ: ''تو ان کی باتوں پر صبر کرو اور اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو سورج چمکنے سے پہلے، اس کے غروب ہونے کے بعد اور رات کی گھڑیوں میں اس کی پاکی بولو اور دن کے کناروں پر اس امید پر کہ تم راضی ہو۔''

سورہ ضحیٰ آیت 5

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ○

ترجمہ: ''اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔''

قارئین کرام! کیا اب تک قرآن حکیم کی آیات مبارک کے حوالہ سے یہ خوب واضح نہیں ہو گیا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ رضائے مصطفیٰ، رضائے محمد رسول اللہ ﷺ چاہتے ہیں' قادر مطلق ربّ العالمین تو اپنے محبوب ﷺ کی خوشی چاہتے ہیں۔

آپ نے دیکھ لیا ہے، جان لیا ہے کہ مالک کائنات تو آپ ﷺ کی شان کو قدم بہ قدم روز بہ روز بڑھا رہا ہے اور ہم آپ ﷺ کے پیروکار ہی اپنی ناسمجھی سے غیر ارادی طور برے لوگوں (مستشرقین) کے الفاظ وخیالات کو اپنا کر اس شان عظیم میں، اسوہ حسنہ کریم میں کجی پیدا کرنے، کجی لانے کا سبب بن رہے ہیں۔

میرے بھائی اب تک تو آپ کو یقین آ گیا ہو گا کہ نبی کریم رؤف ورحیم، رحمۃ للعالمین ﷺ نے کبھی بھی اور کسی کے لئے بھی بددعا نہیں کی۔ قرآن حکیم میں سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حوالے سے بددعا دینے کا ذکر ہے لیکن وہ رحمۃ للعالمین نہ تھے، ان کا دین قیامت تک کے لئے نہ تھا، انہیں اللہ تبارک تعالیٰ نے خاتم النبیین نہ بنایا تھا اور انہیں اپنی طرح کے 99 نام اور صفات سے نہ نوازا تھا۔

بددعا کرنا آپ ﷺ کی تمام شانوں کے خلاف ہے، یہ حقیقت میں اس سے پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔

پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم رحمۃ للعالمین ﷺ کی عظمت، رفعت اور سب سے اونچی شان کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپ ﷺ ﷺ نے تو اس دن بددعا نہ فرمائی جو آپ ﷺ کی زندگی کا سخت ترین دن تھا اور جس کی تباہی' بربادی' الٹ دینے' پیس دینے کے بارے میں عالم بالا نے تیاری بھی کی ہوئی تھی کہ آپ ﷺ کا اشارہ ہو اور کام تمام کر دیا جائے۔ جب آپ ﷺ نے اس دن برا نہ چاہا تو اس سے پہلے یا بعد کے حالات میں برا چاہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سب سے زیادہ تکلیف وہ دن

حضور انور نبی کریم ﷺ نے شہر طائف کے گھر گھر جا کر اسلام کی دعوت دینے کا سلسلہ مہینہ بھر جاری رکھا لیکن وہاں کسی نے بھی دعوت حق قبول نہ کی اور آخر کار آپ ﷺ طائف کے تین چوٹی کے سرداروں کے پاس پہنچے یہ تینوں سگے بھائی تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ عبد یالیل بن عمرو، مسعود بن عمرو اور حبیب بن عمرو۔ انہوں نے دین حق کو قبول کرنے کے بجائے آپ ﷺ کے ساتھ بہت بدتمیزی اور بداخلاقی کی۔

حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے ارشادات سن کر ان میں سے ایک نے کہا۔

''اگر اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو گویا میں نے غلاف کعبہ کو پارہ پارہ کر دیا۔''

دوسرے نے اس سے بھی زیادہ بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یوں کہا

''کیا تمہارے سوا اللہ کو کوئی اور نہ ملا جسے وہ رسول بنا کر مبعوث کرتا۔''

اور تیسرے نے یوں کہا۔

"بخدا میں آپ سے ہرگز بات نہیں کروں گا اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں جس طرح آپ کا دعویٰ ہے تو پھر آپ کی شان بڑی بلند ہے مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ میں آپ کے کلام کا جواب دوں اور اگر آپ (معاذ اللہ) اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں تو مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں آپ کے ساتھ بات کروں۔

(السیرۃ النبویہ از ابن کثیر جلد 2 صفحہ 149)

طائف کے ہر قابل ذکر شخص سے حضور انور نبی کریم ﷺ نے ملاقات کی اور انہیں اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے اور دین اسلام کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ حضور پُرنور ﷺ کو یہ توقع تھی کہ اہل مکہ نے ازراہ تعصب اگرچہ اس سچی دعوت کو قبول نہیں کیا' لیکن اہل طائف کا رویہ ایسا معاندانہ نہ ہوگا وہ اسے قبول کرنے میں تامل سے کام نہیں لیں گے۔ لیکن یہاں تو سارا آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا۔ کسی نے شائستگی سے جواب دینے کی زحمت تک گوارا نہ کی اور انتہائی بے مہری اور ڈھٹائی سے اس دعوت کو مسترد کر دیا۔ ان کے غیر متوقع طرز عمل سے حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے خاطر مبارک پر جو گزری ہو گی اس کا آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ان سے رخصت ہونے سے پہلے ان کو کہا۔

"میرے ساتھ جو برتاؤ تم نے کیا وہ تو کیا' اب یہ سارا معاملہ راز رہے۔ اس کو افشا نہ کرنا۔"

(السیرۃ النبویہ از ابن کثیر جلد 2 صفحہ 150)

کیونکہ حضور انور نبی کریم ﷺ کو خدشہ تھا کہ اہل مکہ کو اگر معلوم ہو گیا کہ میں طائف گیا ہوں وہاں کے رؤسا کو قبول اسلام کی دعوت دی ہے اور انہوں نے بڑی سرد مہری سے اسے ٹھکرا دیا ہے تو اہل مکہ خوشی کے شادیانے بجائیں گے اور اسلام کے خلاف ان کے معاندانہ رویہ میں مزید تیزی اور تلخی پیدا ہو جائے گی' اس لئے حضور پُرنور ﷺ نے ان سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا۔ لیکن ان میں مروت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ انہوں نے اس واقعہ کی خوب تشہیر کی وہ ہر ملنے والے سے اپنے اس متکبرانہ بلکہ احمقانہ جواب کا تذکرہ مزے لے لے کر کرتے۔

اور اس سے بھی زیادہ خست اور رذالت کا انہوں نے یوں مظاہرہ کیا کہ کہنے لگے کہ ہمارے شہر سے فوراً نکل جاؤ۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ تم ہمارے نوجوانوں کو اپنی باتوں سے بگاڑ دو گے۔ اس کے علاوہ انہوں نے شہر کے اوباشوں اور نوخیز چھوکروں کو نبی کریم ﷺ کے پیچھے لگا دیا وہ جلوس کی شکل میں اکٹھے ہو گئے اور حضور کا تعاقب شروع کر دیا۔ آوازیں کستے، پھبتیاں اڑاتے، دشنام طرازی کرتے، اپنے بتوں کے نعرے لگاتے ہوئے حضور انور ﷺ کے پیچھے لگ گئے۔

جس راستہ سے سرکار دو عالم نے گزرنا تھا طائف کے شہری دو رویہ صفیں بنا کر بیٹھ گئے اور حضور جب ان کے درمیان میں سے گزرے تو انہوں نے پتھر برسانے شروع کئے۔ حضور پُرنور ﷺ کے بابرکت قدموں کو

اپنے پتھروں کا نشانہ بناتے یہاں تک کہ ان ظالموں کی سنگ باری سے مبارک قدم زخمی ہو گئے اور خون بہنا شروع ہو گیا۔ ان کی سنگ باری جب شدت اختیار کر لیتی تو حضور درد کی شدت سے بیٹھ جاتے وہ ظالم آگے بڑھتے حضور کو بازوؤں سے پکڑتے اور کھڑا کر دیتے پھر پتھر برسانا شروع کر دیتے اور ساتھ ہی قہقہے لگاتے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بیکسی کے اس عالم میں اپنے آقا کو بچانے کے لئے آڑ بن کر کھڑے ہو جاتے۔ کئی پتھر ان کے سر پر لگے اور زخموں سے خون بہنے لگا۔ اس طرح طائف کے ان بد بخت شہریوں نے اپنے اس معزز و مکرم مہمان کو اپنے ہاں سے رخصت کیا۔ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور، تاجدارِ کائنات سرورِ دو عالم ﷺ جب طائف شہر کے باہر پہنچے تو دل ان کے ظالمانہ سلوک سے از حد مغموم تھا۔ سارا جسم زخموں سے چور چور تھا۔ پاؤں مبارک سے خون بہہ رہا تھا۔ قریب ہی ایک باغیچہ تھا۔ حضور پُر نور رحمت دو عالم ﷺ اس میں تشریف لے گئے اور انگور کی ایک بیل کے نیچے بیٹھ گئے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 2 صفحہ 577)

نبی کریم، رحمۃ للعالمین ﷺ نے یہاں پہنچ کر دو رکعت نفل ادا کئے پھر بڑے درد و سوز سے اپنے معبود برحق، اپنے محبوب حقیقی کی بارگاہ میں اپنے قلب حزیں کی حکایتِ درد و غم پیش کی۔ ان مشکل ترین لمحات میں زبان رسالت سے نکلے ہوئے ان دعائیہ کلمات میں جو درد ہے اپنی بندگی کا جس نرالے انداز میں اظہار کیا ہے اور ان حالات میں بھی جو تمنا لبوں پر دعا بن کر رونما ہو رہی ہے اس سے عظمت و شان نبی کریم ﷺ کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس محبوب بندے کا اپنے رب، مالک و خالق سے عبودیت کا جو رشتہ ہے اس کی پختگی کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ سراسر پوری کائنات کے لئے رحمت ہیں کہ مخلوق کا ہر حال میں بھلا ہی چاہتے ہیں اور کسی کے لئے بھی بد دعا کرنے کا یا برا چاہنے کا پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ میں مادہ ہی نہیں ہے۔

اتفاق سے یہ باغ جس میں حضور انور رحمت دو عالم ﷺ ذرا دیر ستانے کے لئے رکے تھے مکہ کے ایک رئیس ربیعہ کا باغ تھا' جو دین اسلام اور بانی دین اسلام حضور انور ﷺ کا بدترین دشمن تھا۔ اس روز ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ، وہاں باغ میں موجود تھے۔ حضور ﷺ کے ساتھ طائف کے اوباشوں نے جو سلوک کیا تھا اس کا انہوں نے بچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔ یہ اگرچہ حضور انور ﷺ کے بدخواہ تھے لیکن اس ظالمانہ رویہ کو دیکھ کر وقتی طور پر ان کے دل بھی پسیج گئے اور قرابت کا خون جوش مارنے لگا۔

ان کا ایک غلام تھا جس کا نام عداس تھا۔ انہوں نے اسے کہا کہ انگوروں کا ایک گچھا لے لو' ایک طشتری میں رکھو' پھر اسے لے کر اس نو وارد کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ اسے تناول کرے۔ عداس نے ایسا ہی کیا۔ انگوروں کا ایک گچھا طشتری میں رکھ کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی کہ شوق فرمائیے۔ سرکار دو عالم نے بسم اللہ شریف پڑھی اور انگوروں کے دانے توڑ کر کھانے لگے۔ عداس نے غور سے حضور پُر نور نبی کریم

ﷺ کے رخ انور کی طرف دیکھا پھر بولا' کہ یہ کلام ان بستیوں کے لوگ تو نہیں کہا کرتے یعنی کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا یہاں تو رواج نہیں ہے۔ حضور پُر نور رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تم کس ملک کے رہنے والے ہو' تمہارا کیا دین ہے؟

اس نے عرض کی۔ میں نصرانی ہوں اور نینویٰ کا باشندہ ہوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: وہ نینو! جو مرد صالح یونس بن متی کا شہر ہے۔

عداس بولا: آپ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

''وہ میرے بھائی ہیں' وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔''

عداس اٹھ کھڑا ہوا جھک کر پہلے سر مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر ہاتھوں کو چوما پھر مقدس قدموں کو بوسے دینے لگا۔ عتبہ اور شیبہ یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے ایک نے دوسرے کو کہا' لو تمہارے غلام کو تو اس نے خراب کر دیا۔ اب وہ تمہارے کام کا نہیں رہا۔

عداس جب ان کے پاس واپس آیا انہوں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

تیرا ستیاناس ہو تو اس شخص کے سر، ہاتھوں اور پاؤں کو کیوں چومنے لگ گیا تھا۔ تجھے کیا ہو گیا تھا۔ عداس نے جواب دیا اے میرے مالکو! ساری روئے زمین پر اس ہستی سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ اس نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے بغیر کوئی نہیں بتا سکتا۔

وہ کہنے لگے، عداس اس کے فریب میں نہ آ جانا۔ تیرا دین اس کے دین سے بہت بہتر ہے۔

(السیرۃ النبویہ از ابن کثیر جلد 2 صفحہ 150، 151)

علامہ ابن کثیر نے صحیحین کے حوالہ سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کی ہے۔

''آپ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا،

یا رسول اللہ کیا احد کے دن سے بھی زیادہ تکلیف دہ دن حضور ﷺ پر گزرا ہے؟ فرمایا تیری قوم کے ہاتھوں جو تکلیفیں مجھے یوم العقبہ کو پہنچیں وہ بہت زیادہ سخت تھیں یعنی جس روز میں نے بنی ثقیف کے سرداروں عبد یالیل وغیرہ کو دعوت دی اور انہوں نے جو سلوک میرے ساتھ روا رکھا وہ بڑا روح فرسا تھا۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 2 صفحہ 579)

حضور ﷺ فرماتے ہیں ان میں سے کسی نے بھی میری دعوت قبول نہ کی۔ میں طائف سے واپس ہوا' اس روز میں سخت غمگین و پریشان خاطر تھا اور اپنے افکار و اندیشوں میں کھویا ہوا چلتا رہا۔ جب میں قرن الثعالب کے مقام پر پہنچا تو مجھے پتہ چلا کہ میں یہاں پہنچ گیا ہوں۔ میں نے اچانک سر اوپر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ایک

بادل کا ٹکڑا مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے پھر میں نے غور سے دیکھا تو حضرت جبرئیل مجھے وہاں دکھائی دیئے۔ انہوں نے بلند آواز سے مجھے پکارا اور کہا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے وہ گفتگو سن لی ہے جو آپ کی قوم نے آپ سے کی ہے اور جو روکھا اور درشت جواب انہوں نے آپ کو دیا ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے آپ جو حکم اسے دیں وہ بجا لائے گا۔ پہاڑوں کے فرشتہ نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا پھر گزارش کی۔

مجھے اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ کی قوم نے آپ سے جو گفتگو کی ہے اس کو اللہ تبارک تعالیٰ نے سنا ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں' آپ جو حکم دیں گے میں اس کی تعمیل کروں گا اگر آپ فرمائیں تو دونوں پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں اور یہ سارے تلنگے اور اوباش پس کر رہ جائیں، رحمت مجسم ﷺ نے فرمایا۔

''میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تبارک تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو اللہ تبارک تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔''

(السیرۃ النبویہ از ابن کثیر جلد 2 صفحہ 152، 153 اور سبل الہدیٰ والرشاد جلد 2 صفحہ 579)

امام محمد بن یوسف الصالحی سبل الہدیٰ والرشاد میں امام احمد اور شیخین کے حوالہ سے یہ روایت یوں نقل کرتے ہیں۔

''عکرمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا آپ کا رب کریم آپ کو سلام فرماتا ہے اور یہ پہاڑوں کا فرشتہ ہے جسے اللہ تبارک تعالیٰ نے بھیجا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ آپ کے ارشاد کے بغیر کوئی کام نہ کرے۔ پہاڑوں کے فرشتے نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا اور کہا اگر آپ فرمائیں تو میں پہاڑوں کو ان پر اوندھا گرا دوں' اگر آپ چاہیں تو میں انہیں زمین میں غرق کر دوں۔ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ رحمت مجسم نے فرمایا اے پہاڑوں کے فرشتے! میں صبر کروں گا شاید ان کی اولاد میں سے کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں جو لا الہ الا اللہ پر ایمان لائیں۔ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی اس رحمت اور شفقت کو دیکھ کر پہاڑوں کا فرشتہ یہ کہہ اٹھا جس طرح آپ کے رب نے آپ کا نام رکھا ہے بیشک آپ رؤف و رحیم ہیں۔ (امام محمد بن یوسف الصالحی در سبل الہدیٰ والرشاد)

قارئین کرام! اگر آپ اس میں بین السطور دیکھیں تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ بارگاہ ایزدی میں اہل طائف اور مشرکین مکہ عذاب الٰہی کے حق دار ہو گئے تھے اور عالم بالا میں اس عذاب کو نازل کرنے کے لئے فیصلہ ہو چکا تھا لیکن رب کریم غفور الرحیم نے اپنے محبوب نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی شان رحمۃ للعالمینی کو اور بھی بڑھانا تھا' اس لئے جبرئیل امین کو پہاڑوں کے فرشتہ کو اس حکم کے ساتھ بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کے ارشاد کے بغیر کوئی کام نہ

کرے۔

اور رحمۃ للعالمین، مجسم رحمت ﷺ نے بھی یہی فرمایا کہ ان پر عذاب نہ کریں۔ میں صبر کروں گا اس امید پر کہ شاید ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ایمان لائیں گے اور وحدہ لاشریک کی خلوص دل سے عبادت کریں گے۔ پہاڑوں کا فرشتہ یہ سن کر کہہ اٹھا کہ بے شک آپ ﷺ رؤف ورحیم رحمۃ للعالمین ہیں۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، سید المرسلین رحمۃ للعالمین حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے فلاں موقع پر فلاں کو بددعا دی۔ یہ سب غلط فہمی ہے، باطل ہے، بہتان ہے، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے مخلوق خدا کا اس وقت برا نہیں چاہا جب آسمان والے نے بھی انہیں قابل گرفت قرار دے دیا تھا تو پھر کسی اور موقع پر برا چاہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' کسی کو بھی کسی حال میں بھی بددعا دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ تو سب کے لئے' کائنات میں ہر کچھ کے لئے سراسر رحمت' خیر و برکت ہیں۔

دنیا

قبل از اسلام (چھٹی صدی عیسوی میں) دنیا کی حالتِ زار

قارئین کرام! اب دنیا کے ان خطوں، ممالک، حکومتوں، سلطنتوں، ریاستوں کے خاص طور پر مذہبی، اخلاقی اور عام طور پر معاشرتی حالات و حالت و ماحول کے بارے میں لکھا جائے گا جو چھٹی صدی عیسوی میں اس مرکز کے چاروں اطراف موجود تھیں جہاں سے دین اسلام کا ظہور ہوا۔

یہ موضوع بہت طویل ہے اور یہ کتاب دنیا کی تاریخ کی کتاب نہیں ہے لیکن دینِ اسلام کی خوشگوار و مسرور کن تبدیلیوں کو ممتاز و اجاگر کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کتاب میں اسلام سے پہلے اس دنیا پر جو بنی نوع انسان کی مذہبی، اخلاقی و معاشرتی بدحالی و پستی تھی، اس کا مختصر سا ذکر کر دیا جائے۔

اس موضوع پر میں بامقصد مصدقہ مورخین سے حوالہ یافتہ بامعنی واضح اور مختصر لکھنا چاہتا ہوں۔ ایسا مدلل یعنی کہ مورخین کے صحیح حوالہ یافتہ اور باربط یا تسلسل والا جو میرے قاری کو ایک نظر میں اور کم سے کم وقت میں چھٹی صدی عیسوی میں مختلف ممالک، حکومتوں، سلطنتوں کے ادیان و مذاہب' مذہبی' اخلاقی و معاشرتی حالت و حالات کا ایک صاف ستھرا سا تصور دے سکے۔ اس میں میری کوشش یہ بھی ہے کہ اس مختصر بیان کے ساتھ ساتھ ہر سلطنت ملک یا حکومت کی اس وقت کی موجود مذہبی اخلاقی، معاشرتی خرابیوں، خامیوں اور خوبیوں کو بھی بیان کر دیا جائے تاکہ پھر ہر خطہ ملک یا حکومت کے لیے ادیان و مذاہب، قوانین اور ان کے سبب معاشرہ کی اس وقت کی دنیا کی حالتِ زار کا علیحدہ ذکر نہ کرنا پڑے اور یوں موضوع کی غیر ضروری طوالت سے بچا جا سکے۔

پہلے ''چھٹی صدی عیسوی'' کی میں کچھ وضاحت کر دوں۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارک سن عیسوی کے لحاظ سے 20-22 اپریل 571 عیسوی کی ہے یعنی کہ چھٹی صدی عیسوی کے مکمل ستر (70) سال گزر جانے کے بعد کی ہے اور آپ ﷺ کو نبوت چالیس سال پر عطا ہوئی اور آپ ﷺ نے تب ہی اعلان نبوت کیا یعنی کہ دین اسلام سن عیسوی 611 میں' (571+40)' ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں آیا نہ کہ چھٹی صدی عیسوی میں (جیسا کہ اکثر

کتابوں میں لکھا ہے) دین اسلام نے اپنے اردگرد جن پرانے ادیان و مذاہب کے ماحول میں آنکھیں کھولیں یا جنم لیا ہمارے زیر بحث وہی زمانہ ہے اور اسی زمانہ کو حرف عام میں چھٹی صدی عیسوی کہا جاتا ہے۔ زمانہ کے لحاظ سے تو دین اسلام ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں ظہور پذیر ہوا اور ابتدائی انتہا کی شدید مخالفت و مزاحمت کے بعد پروان چڑھا، پھلا پھولا لیکن قارئین کی سہولت کے لیے اور اصولی طور پر ہم اسے چھٹی صدی عیسوی ہی کہیں گے کیونکہ اس نئے دین کا واسطہ جن ادیان و مذاہب مذہبی، اخلاقی معاشرتی حالت و حالات سے پڑا وہ تو سب ہی پرانے بلکہ کئی کئی صدیوں پرانے تھے اور ان مذاہب، ادیان کے پیروکاروں کے رسم و رواج بھی اسی نسبت سے ذہنوں میں پختہ ہو چکے تھے۔

اس سے متعلق ایک اور بات یا نقطہ توجہ طلب ہے وہ یہ کہ قوموں کی زندگی میں (قوموں کے بننے' سدھرنے' ابھرنے' بگڑنے اور مٹنے میں) ادیان مذاہب یا اصلاحی تحریکوں کے مقبول ہونے، پھیلنے، عروج پر آنے اور پھر تغیر یا تنزل پذیر ہونے میں حتیٰ کہ رسم و رواج میں نمایاں تبدیلی آنے میں بیس، تیس، پچاس سالوں کی مدت کی اتنی خاص اہمیت نہیں ہوتی (یہ بات میں دین اسلام سے پہلے کے ادیان و مذاہب کے بارے میں کر رہا ہوں جب کہ دین اسلام درج ذیل کئی وجوہات کی بنا پر اس طرح کی قید زمانہ سے مستثنیٰ ہے۔

(1) یہ دین علاقائی نہیں بلکہ عالمگیر ہے۔ سب جہانوں کے لیے ہے۔

(2) یہ شریعت دین وقتی یا عارضی نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔

(3) دین کی اثاث کو قرآن و سنت کو اور خاص طور پر قرآن حکیم کو اللہ تبارک تعالیٰ نے صحیح شکل میں قائم رکھنے کا ذمہ لیا ہے۔

(4) دین اسلام بہت جلد پھیلا، دو عشروں میں کثیر تعداد مسلمان ہوگئی۔) ان میں مثبت یا منفی تبدیلیاں آتے آتے کئی صدیاں لگ جاتی ہیں۔ اس لیے اگر کسی قاری کو یہ لگے کہ فلاں بات، واقعہ تو چھٹی صدی عیسوی سے پہلے کا ہے یا بعد کا ہے تو اس کو اتنی زیادہ اہمیت نہ دے۔

اور یہ بھی مذہب و تاریخ دونوں کے ساتھ سراسر ناانصافی ہوگی کہ اگر پرانے ادیان، اصلاحی تحریکوں کو زمانہ کی صرف اس بریکٹ (چھٹی صدی عیسوی) کے درمیان ہی رکھ کر بیان کیا جائے، دیکھا جائے۔ اس لیے ان کا بیان تو ان کے زمانے سے ہی کرنا پڑے گا چاہے وہ مختصر ہی ہو۔

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں اور اب بھی تقریباً ہر ملک، سلطنت میں بیک وقت کئی مذاہب کے ماننے والے موجود ہوتے ہیں جن میں سے کسی ایک مذہب کے ماننے والے مقابلتاً زیادہ ہوتے ہیں اور دوسروں کے کم۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر ملک سلطنت مملکت میں ایسے لوگ بھی ضرور ہوتے ہیں جن کا اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات پاک پر بالکل یقین نہیں ہوتا۔ وہ کسی بھی مذہب کو نہیں مانتے یعنی کہ دھریہ ہوتے

ہیں۔ میں اس موضوع کے تحت صرف چیدہ چیدہ یا عام پائے جانے والے مذاہب کا ذکر کروں گا۔

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کی مذہبی، اخلاقی و معاشرتی زبوں حالی و پستی بیان کرتے وقت میں چاہوں گا کہ پہلے ان ممالک، حکومتوں، سلطنتوں اوران میں مختلف ادیان و مذاہب مذہبی و اخلاقی حالت و حالات کو بیان کروں جو دین اسلام کے مرکز سے مقابلتاً دور تھے اور پھر بالترتیب نزدیک کی حکومتوں کا ذکر ہوگا اور سب سے آخر میں مکہ اور مکہ کے اردگرد کی حکومتوں، سلطنتوں، ریاستوں، سرداریوں اوران میں مختلف ادیان و مذاہب اور مذہبی اخلاقی، معاشرتی حالات و حالت، بدعات و رسم و رواج کا مفصل بیان ہوگا یعنی کہ ''عرب'' کا بیان بہت مفصل ہوگا اور بعد میں ہوگا کہ قاری کو (پڑھنے والے کو) وہ حالت حالت و ماحول یاد رہیں جن میں دین اسلام نے آنکھیں کھولیں۔ دین اسلام کا پودا اگا، نمودار ہوا، نشوونما ہوئی، بڑھا، طاقتور تناور ہوا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دوعشروں میں ہر طرف پھیل گیا۔

خطہ عرب کا مفصل اور آخر میں ذکر اس لیے بھی کر رہا ہوں کہ یہی تو وہ جگہ، ماحول، حالات اور یہی تو وہ مختلف ادیان و مذاہب، تہذیب و تمدن تھے جن سے دین اسلام کو پہلے دن سے مخالفت مدافعت ملی۔ عمل اور ردعمل کا سلسلہ شروع ہوا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مخالفت مدافعت اور ردعمل بڑھتا ہی گیا۔ فرعون وقت جہاں پہلے ہی اپنی تمام تر مخالف قوتوں کے ساتھ موجود تھے اور اس سب کچھ کے باوجود اسلام کا پودا اور طاقتور ہوتا گیا، پھیلتا گیا۔ یہ خطہ زمین تو ہر لحاظ سے اہم ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس خطہ کا انتخاب اپنے آخری نبی کی ولادت اور نبوت کے لیے کیا اور اسی سرزمین سے آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اٹھے جنہوں نے آپ ﷺ کی اطاعت و محبت میں تمام فرعون صفت قوتوں کو کچل ڈالا اور ہر سو چھاتے چلے گئے اور اس دنیا سے ظلمت کو دور کر دیا۔

ہندوستان

درج ذیل میں ہندوستان کے بارے میں دیکھ کر میرے قاری کو ایسا لگے گا کہ میں نے ہندوستان کے بارے میں قدرے تفصیل سے لکھ دیا ہے جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ دراصل بدھ مت اور جین مت کی اصلاحی تحریکیں مشرقی ہندوستان سے ہی اٹھی تھیں۔ گو کہ یہ تحریکیں ہندوستان کی نسبت چین اور مشرقی ایشیا میں زیادہ مقبول ہوئیں اور پھر آہستہ آہستہ کئی صدیوں بعد چین، جاپان، تھائی لینڈ، کمبوڈیا یا مشرقی ایشیا کے ساتھ ہندوستان میں بھی ایک بڑے مذہب کا روپ دھار گئیں۔ (خاص طور پر بدھ مت)

کیونکہ ان کا پرچار کرنے والے مصلح (اصلاح معاشرہ کرنے والے) دونوں کا تعلق ہندوستان سے تھا۔ اس لیے بدھ مت اور جین مت کی تحریکوں کو ان کی تاریخ وخصوصیات وغیرہ کا ذکر بھی مملکت ہندوستان کے ساتھ کرنا ضروری جانا۔

ویسے بھی ہندوستان ہندومت، ہندوقوم، ہندوتہذیب وتمدن کے بارے میں مجھے قدرے تفصیل سے ہی لکھنا چاہیے تھا کیونکہ ہندوستان ہمارا وہ پڑوسی ملک ہے جس کے حکمرانوں نے ہمارے ملک پاکستان کے وجود کو دل سے تسلیم نہیں کیا ہے۔ ہماری پرانی نسل جواب اپنی عمر کے سبب نئی نسل پر غیر موثر ہو رہی ہے، انہوں نے تو ہندومت، ہندو ذہنیت کو بہت نزدیک سے دیکھا تھا' اس لیے ان کی سوچ اور رائے پختہ تھی جب کہ ہماری موجودہ نسل اور اس کے بعد آنے والی نسلوں کو ہندو، ہندومت، ہندو ذہنیت ان کے وعدے وعید کو جاننے کی سخت ضرورت ہے اور رہے گی۔

اور اس لیے بھی کچھ تفصیل سے لکھ دیا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد آباد ہے۔ ہمیں یہ پڑھ کر ان کی سہولیات ومشکلات، خوشحالی بدحالی کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ انہیں دین اسلام پر قائم رکھنے میں مدد دینا اور ہندوؤں کو اللہ کے منتخب کردہ دین کی طرف خوبصورت متاثر کن انداز سے راغب کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ ہمیں ذاتی مثال عمل وکردار سے انہیں راہ اسلام دکھانی چاہیے' انہیں جائز مہذب طریقوں سے دین اسلام کی طرف راغب کرنا چاہیے۔ یہ ہمارا فرض ہے اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دین میں جبر نہیں ہے۔ امید ہے کہ

قاری ہندومت، قانون، اطلاق قانون، ذات پات، رسم ورواج، رہن سہن کے بارے میں اتنا پڑھنے کے بعد ہندو ذہنیت کے بارے میں صحیح اور پختہ سوچ اختیار کر سکے گا۔

چند سال پہلے تک مورخین اور تہذیب انسانی کے ماہرین کے ہاں یہ خیال سند قبول حاصل کر چکا تھا کہ ہندوستان میں آریوں کی آمد کے بعد تہذیب وثقافت کا آغاز ہوا اور اس سے پہلے اس برصغیر پر جہالت اور بربریت کی ظلمت چھائی ہوئی تھی اور تمدن وشائستگی کا نام تک نہ تھا۔ لیکن موہنجوداڑو (سندھ) اور ہڑپہ (پنجاب) میں کھدائی کے بعد عجیب وغریب انکشافات ہوئے ہیں۔ یہ کھدائی سر جان مارشل کے زیر نگرانی 1920ء میں آثار قدیمہ کی سروے سوسائٹی آف انڈیا نے کرائی۔ اس کھدائی سے پرانے زمانے کے شہروں کے جو آثار وکھنڈرات دستیاب ہوئے ہیں' انہوں نے دنیا کے مورخین کی سوچ کا رخ بدل دیا ہے۔ ایسی نا قابل تردید شہادتیں ملی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آج سے پانچ ہزار سال قبل ان علاقوں میں جو سینکڑوں مربع میل کے رقبہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ایسی تہذیب موجود تھی جو آج کی جدید ترین تہذیب اور تمدن کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

گرولیئر انسائیکلوپیڈیا (GROLIER ENCYCLOPEDIA) مطبوعہ امریکہ کے مصنفین نے انڈیا کے عنوان کے تحت اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جس کا ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

> ''متعدد مٹی کے مدفون شہروں کی دریافت جو سندھ میں موہنجوداڑو اور پنجاب میں ہڑپہ کے مقام پر ہوئی' اس نے ہندوستان کی تاریخ کو 2750 قبل مسیح پر پہنچا دیا ہے۔ یہ یقین سے کہا جاتا ہے کہ وادی سندھ کے وسیع وعریض خطہ میں پانچ ہزار سال پہلے سے تہذیب کی روشنی پھیلی ہوئی تھی جو مصر اور سومر (نینوا) کی تہذیبوں کے ہم عصر تھی۔''

ان علاقوں کے باشندوں کے مذہبی عقائد کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ماتا دیوی کی پوجا کیا کرتے تھے جو ان کی زمینوں کی زرخیزی میں اضافہ کا باعث بنتی تھی۔ ان کے زرخیز کھیت بہترین اجناس پیدا کرتے تھے، جن کی مقدار بھی وافر ہوتی اور کیفیت ونوعیت میں بھی بہترین ہوتیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق ماتا دیوی کی وجہ سے ان کے مویشی زندہ وسلامت رہتے' پھلتے پھولتے اور اپنے مالکوں کی مالی حالت کو مستحکم کرتے تھے۔ ان کی اہم عبادت جانوروں کی قربانی تھی جو ماتا دیوی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وہ دیا کرتے تھے۔ ان کے خون سے اس دیوی کے بت کو بھی رنگین کرتے تھے۔ ان کی معیشت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کا انحصار زراعت پر تھا اور ان میں سے بیشتر قبائل خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ (ورلڈ سولائزیشن از رالف اینڈ برگ صفحہ 77 'انسائیکلوپیڈیا گرولیئر جلد 11، حصہ ب، صفحہ 110)

اسی علاقہ میں ہندو مذہب ہندو معاشرہ اور ہندو تمدن نے جنم لیا اور نشوونما پائی اور آریہ کی آمد سے لے کر

ڈیڑھ ہزار سال بعد تک اس علاقہ کی سیاسی تاریخ نامعلوم ہے جو ایک حیرت انگیز بات ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آریہ لوگ نوشت و خواند سے بے بہرہ تھے۔ فن تاریخ سے ان کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے تحریری طور پر اسے مدون (لکھ کر جمع و محفوظ) نہ کیا جس کی وجہ سے اس کو فراموش کر دیا گیا اور یوں آج ہمارے لیے اس زمانے کی اچھائیوں، برائیوں، ترقی و پستی پر رائے زنی کرنا ممکن نہیں رہا۔ البتہ مختلف کتب کے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ آریہ اپنے وطن سے سکونت ترک کر کے افغانستان سے گزرتے ہوئے کوہ ہندوکش کے راستہ سے ہندوستان آئے۔ انہوں نے پندرہ صدیاں سندھ طاس میں گزاریں۔

اس کے بعد ان کے بعض قبائل نے مشرقی ہند کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ پہلے گنگا جمنا کے دوآبہ پر اپنا تسلط جمایا۔ اس کے بعد وہ کامروپ یعنی صوبہ بہار تک بڑھتے چلے گئے۔ اس طرح وسطی ہند میں انہوں نے اپنی سیاسی بالادستی قائم کر لی اور ہندوستان کے قدیم باشندوں دراوڑوں کو انہوں نے جنوبی ہند کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ جو دراوڑ قبیلے کسی وجہ سے نقل مکانی نہ کر سکے، آریوں نے ان کو اپنے اندر مدغم کر لیا اور بندھیاچل کے جنوبی علاقہ کو دراوڑوں کا علاقہ قرار دے دیا گیا۔ شروع میں آرین انہیں بڑی نفرت و حقارت سے دیکھا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد ان دونوں ثقافتوں کی باہمی آمیزش سے ہندو مذہب اور سنسکرت زبان جو آریوں کی زبان تھی تمام ہندوستان میں اظہار خیال کا ذریعہ بن گئی۔ دراوڑوں نے اپنی زبان کو بھی باقی رکھا۔

(انسائیکلوپیڈیا گرولیئر جلد 11 حصہ ب۔ صفحہ 110)

ابوریحان محمد بن البیرونی نے 15 سال کا طویل عرصہ ہندوستان کے طول و عرض میں برائے تحقیق گزارا۔ سنسکرت زبان میں کمال حاصل کیا اور ہندوستان کے مذہبی عقائد، پوجا پاٹ بود و باش، رسم و رواج کو اچھی طرح دیکھا اور ان کو قلم بند کیا۔ آپ کا انتقال 440ھ بمطابق 1048ء میں ہوا۔

البیرونی لکھتے ہیں کہ

> "پرانے زمانے میں خراسان، فارس، عراق، موصل اور شام کے رہنے والے سب اسی مذہب کے پرستار تھے۔ یہاں تک کہ صوبہ آذربائیجان میں زرتشت پیدا ہوا اور اہل بلخ کو مجوسیت قبول کرنے کی دعوت دی۔ گستاسپ بادشاہ نے اس کی دعوت کو قبول کیا اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے اپنے شاہی اختیارات کو استعمال کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اسفند یار دین زرتشت کا علمبردار بنا اور جہاں تک ہو سکا مشرق و مغرب میں جبر کے ذریعہ سے یا صلح سے اس دین کو غلبہ بخشا اور چین سے لے کر روم تک سارے علاقہ میں جگہ جگہ آتش کدے تعمیر کیے۔"

(تحقیق ماللہند خلاصہ صفحہ 15-16)

ابوریحان محمد بن احمد البیرونی (متوفی 440ھ۔1048ء) کی تحقیقات کے مطابق خواص کا عقیدہ توحید اور دیگر اہل ہند کے عقائد

ابتداء میں (ہندوستان میں آنے سے صدیوں پہلے آریہ، آریہ لوگ، آریہ قوم) عقیدہ توحید پر ایمان رکھتے تھے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ان کا نظریہ یہ تھا کہ

''وہ یکتا ہے، وہ ازلی ہے۔ نہ اس کی کوئی ابتداء ہے نہ انتہا۔ وہ اپنے افعال میں مختار کامل ہے۔ وہ قدرت کامل کا مالک ہے، دانا ہے، خود زندہ ہے۔ دوسری چیزوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ مدبر ہے، اچھی چیزوں کو باقی رکھنے والا ہے۔ وہ اپنی بادشاہ میں یگانہ ہے، نہ اس کی کوئی ضد ہے نہ اس کا مدمقابل نہ وہ کسی چیز سے مماثلت رکھتا ہے اور نہ اس سے کوئی چیز مماثلت رکھتی ہے۔''

(تحقیق ماللہند صفحہ 20)

عقیدہ توحید کے بارے میں اپنی تحقیق کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد علامہ موصوف ان کی معتبر کتب کے حوالوں سے اس عقیدہ کی تصدیق کرتے ہیں۔

پاتنجل ان کی ایک مشہور کتاب ہے۔ پہلے اس کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

سائل اپنے استاد سے پوچھتا ہے:

''وہ معبود کون ہے جس کی عبادت سے نیک کاموں کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔''

استاد جواب دیتا ہے:

''وہ اپنی اولیت اور وحدانیت کے باعث تمام ماسوا سے مستغنی ہے۔ وہ ہر قسم کے افکار سے منزہ ہے کیونکہ وہ تمام ناپسندیدہ اضداد اور پسندیدہ انداد سے ارفع واعلیٰ ہے۔ وہ بذات خود عالم ہے۔ کسی وقت بھی اور کسی حالت میں بھی جہالت اور لاعلمی اس کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی۔''

(تحقیق ماللہند صفحہ 20)

ایک وید (مذہبی کتاب) کا حوالہ دیتے ہیں

''سائل دریافت کرتا ہے کہ تم ایسی ذات کی کیونکر عبادت کر سکتے ہو جس کو محسوس نہیں کرتے؟ تو مجیب (عالم یا دانا) کہتا ہے کہ جب وہ ایک نام سے موسوم ہے تو اس سے اس کی حقیقت ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ ہمیشہ اس چیز سے خبر دی جاتی ہے جو موجود ہو اور جب تک وہ موجود نہ ہو، اس کو کسی نام سے موسوم نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ وہ حواس سے غائب ہے لیکن عقل نے اس کا ادراک کرلیا ہے اور غور وفکر نے اس کی صفات کا احاطہ کرلیا ہے اور اس کی صفات میں غور وتدبر ہی خالص عبادت ہے اور جب کوئی شخص اس عبادت کو ہمیشہ پابندی سے ادا کرتا ہے تو اس کو سعادت حاصل ہوتی ہے۔''

بھگوت گیتا جو ان کی شہرہ آفاق کتاب مہا بھارت کا ایک حصہ ہے۔ اس میں باس دیو اور ارجن کے درمیان جو مکالمہ ہوا اس میں باس دیو کہتا ہے۔

''میں کُل ہوں۔ نہ ولادت سے میری ابتداء ہوئی اور نہ وفات سے میری انتہا ہو گی۔''

(تحقیق ماللہند صفحہ 21)

''اور جس شخص نے مجھے اس صفت سے پہچانا اور میرے ساتھ اس طرح مماثلت پیدا کی کہ اس کا ہر عمل طمع سے دور ہو گیا۔

جن زنجیروں میں وہ جکڑا ہوا ہے وہ ٹوٹ جائیں گی۔ اس کی نجات اور آزادی آسان ہو جائے گی۔'' (تحقیق ماللہند صفحہ 22)

یہ حوالہ جات ذکر کرنے کے بعد علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ

''اللہ تبارک تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ ان کے خواص اور ان کے علماء کا ہے وہ اپنی زبان میں اسے ایشور کہتے ہیں جن کا معنی ہے وہ غنی، وہ سخی جو سب کو دیتا ہے اور خود کچھ بھی نہیں لیتا۔''

(تحقیق ماللہند صفحہ 23)

ان کے عوام کا عقیدہ

لیکن ہندوستان کے عوام کا مذکورہ بالا عقیدہ نہیں۔ وہ ہر اس چیز کو جو بڑی ہو، حیران کن جلیل القدر ہو اور شریف ہو اس کو الہ کہہ دیتے ہیں حتیٰ کہ کئی پہاڑوں کو، دریاؤں، سمندروں کو، اسی طرح کئی درختوں اور جانوروں کو بھی وہ صفت الوہیت سے متصف مانتے ہیں۔ یہاں تک ہم نے علامہ البیرونی کی تصنیف سے استفادہ کرتے ہوئے اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات کے بارے میں عوام وخواص کا عقیدہ بیان کیا۔ اب ہم دوسرے محققین ومورخین کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اس کے بارے میں کیا لکھا ہے۔

ورلڈ سولائزیشن کے دونوں مصنف (ای ایم برنز، پی ایل رالف اور برگ) رقمطراز ہیں:

''قدیم آریاؤں کے مذہب کے متعلق ویدوں میں یہ لکھا ہے کہ آریہ اصنام پرست تھے اور ان کے دیوتا فطری قوتیں تھیں یا وہ اشخاص جو ان قوتوں کا پیکر سمجھے جاتے تھے۔ ابتداء میں نہ بت بنائے جاتے تھے اور نہ ان کے لیے بت خانے تعمیر کیے جاتے تھے۔ دیوتاؤں کی بڑی پوجا یہ تھی کہ ان کے لیے قربانیاں دی جاتیں۔ عام طور پر اناج اور دودھ کی قربانیاں پیش کی جاتی تھیں۔ گوشت ان دیوتاؤں کی قربان گاہ پر جلایا جایا۔ پجاری بھی اسے کھاتے تھے اور اس کا بہترین حصہ پروہت (مذہبی عالم) کو دیا جاتا تھا۔ سب سے مرغوب ترین قربانی ''سومہ'' تھی۔ یہ ایک شراب ہے جو ایک پہاڑی بوٹی سے کشید کی جاتی ہے۔ وہ اپنے دیوتاؤں کو بہت عالیشان اور طاقتور سمجھتے اور جب تک وہ ''سومہ'' (شراب) پیتے رہتے، وہ فنا اور موت سے بلند تر تھے۔

قربانی دینے والے یہ خیال کرتے تھے کہ جن دیوتاؤں کے لیے قربانیاں دی ہیں، وہ انہیں اس کے عوض بڑے بڑے انعامات سے بہرہ ور کر کے مالا مال کر دیں گے۔ ان کی تجارت اور کاروبار نفع بخش ہوگا۔ ان کے کھیت عمدہ اور کثیر غلہ پیدا کریں گے۔ ان کے جانور افزائش نسل کے باعث تعداد میں بڑھ جائیں گے اور ان کے گھروں میں دودھ مکھن کی نہریں جاری ہو جائیں گی۔ پھر بڑی عیاری سے یہ عقیدہ آہستہ آہستہ ان کے ذہن میں نقش کر دیا گیا ہے کہ قربانی کا اجراء اور اس کے عوض میں ان کی مادی خوشحالی فقط اس وقت انہیں نصیب ہوگی جب کہ ان کی قربانی ہر قسم کی غلطیوں اور خطاؤں سے مبرا ہو اور اگر انہوں نے ذرا سی بھی غلطی کی تو نہ صرف یہ کہ وہ اس کے اجر سے محروم ہوں گے بلکہ الٹا ان کے دیوتا ان سے خفا ہوں گے اور غضبناک دیوتا ان کی جان، اولاد اور مال کو تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔

اس لیے دیوتاؤں کی ناراضگی کے خطرہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود یہ قربانیاں پیش نہ کریں بلکہ برہمن جو قربانی کے آداب و شرائط سے پوری طرح آگاہ ہیں، ان کو کہا جائے کہ وہ ان کی قربانیاں ان کے دیوتاؤں کے حضور پیش کریں اور یوں آہستہ آہستہ قربانی پیش کرنے کا اختیار برہمنوں تک محدود ہو گیا۔ جس نے ان کو ہندو معاشرہ میں ایک بلند پایہ مقام عطا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے لیے معاشی خوشحالی کے دروازے کھول دیئے۔" (ورلڈ سولائزیشن صفحہ 81)

ہندوؤں کے لاتعداد دیوتا

ہندوؤں کے دیوتاؤں کی فہرست بہت طویل تھی جو ہر لحظہ بڑھتی رہتی تھی۔ بغور مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دیوتاؤں کی اس طویل فہرست میں ایسے دیوتا بھی ہیں جو یورپین آریاؤں کے دیوتاؤں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ڈوائیوس (DYAVS) جو درخشندہ آسمان کا دیوتا ہے۔ وہ یونانی دیوتا زیس (ZEUS) کا ہی دوسرا نام ہے۔ وارونا (VARUNA) دیوتا ہے جو آسمان کا نمائندہ ہے۔ آسمان کی طرح ہر چیز کو گھیرے ہوئے اور یکجا کیے ہوئے ہے۔ اسے آسورا (ASURA) کہا جاتا ہے۔ یہ ایران کے اعلیٰ ترین دیوتا اھورامزدا کا ہم معنی ہے۔ پانچ دیوتا ایسے ہیں جو سورج کے مختلف مظاہر ہیں۔ مترا جسے ایرانی متراس کہتے ہیں، اس کو وہ اہمیت نہیں جو اھورا مزدا کو ایران یا یونان میں حاصل تھی۔ سورج کی زریں قرص کو سوریا (SURYA) کہتے ہیں۔ سورج کی وہ قوت جو نباتاتی اور حیوانی زندگی کی افزائش نسل کا باعث بنتی ہے اس کو مجسم کر کے پوشاں (PUSHAN) کا نام دیا گیا۔ وہ دیوتا جو تین چھلانگ سے سارے آسمان کو طے کر لیتا ہے۔ اس کے پیکر کو وشنو (VISHNU) کہتے ہیں۔

ویدوں کے عہد میں جو دیوتا سب سے زیادہ طاقتور اور اہم تھا، اس کا نام اندرا ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک از حد زہریلے ناگ کو قتل کر کے انسانیت کو بہت نفع پہنچایا۔ اس زہریلے ناگ سے

مراد قحط ہے۔ اندرا نے پانی کو جاری کر کے قحط ختم کر دیا۔ نیز اس نے روشنی دریافت کی اور سورج کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔ یہ بڑا جنگجو ہے اور جنگ کا دیوتا ہے۔ اس نے اپنی تلوار سے جنوں اور عفریتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور کالی چمڑی والے دراوڑوں کو شکست دی جو آریوں کے دشمن تھے۔ اندرا دیوتا ''سوما'' شراب کا بڑا رسیا ہے جس کے پینے سے اس کا جنگی جنون بھڑک اٹھتا ہے۔ اس نے سوما شراب سے بھری ہوئی تین جھیلیں پی لیں اور تین سو بھینسوں کا گوشت ہڑپ کر گیا۔

سوما خود بھی ایک دیوتا ہے۔ اس طرح اگنی بھی۔ اگنی کو دیوی بھی مانا جاتا ہے اور اسے دیوتاؤں کا منہ بھی کہا جاتا ہے جو پجاریوں کی قربانیوں کو ہڑپ کر کے آسمانی دیوتاؤں تک پہنچاتا ہے۔ ''وارونا'' کو کائنات کا ناظم اعلیٰ کہا جاتا ہے جو دریاؤں کو جاری رکھتا ہے۔ سورج اور دوسرے سیاروں کو اپنے اپنے مداروں میں محوِ گردش رکھتا ہے۔ اس کے بارے میں اس کے پجاریوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دیوتاؤں اور انسانوں کو قوانین اور قواعد کا پابند رکھتا ہے اور بدکاروں کو ہتھکڑیاں لگا دیتا ہے۔ (ورلڈ سولائزیشن صفحہ 82)

اگرچہ قدیم آریہ حیات بعد الموت پر یقین رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اس پر بھی زور دیتے تھے کہ اس دنیا میں جتنی دادِ عیش دے سکتے ہو دے لو پھر یہ موقع نصیب نہ ہوگا۔

ان کی مذہبی کتابیں

آریوں کے پاس قدیم ترین علمی سرمایہ وید ہیں۔ وید کا معنی، علم اور دانش مندی ہے۔ ان کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ قدیم رشیوں کے دلوں پر القا کیے گئے۔ یہ دیوتاؤں کا کلام ہے۔ کسی انسان کی تخلیق نہیں۔ ہندی آریوں کے لیے یہ وید مذہبی قانون کی کتب ہے۔ ان میں مختلف قسم کی دعائیں ہیں۔ بھجن ہیں حمد کے گیت ہیں۔ ان کے ساتھ نثر میں ویدوں کی تفسیر ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک یہ الہامی کتب ہیں اور از حد مقدس۔ کیونکہ آریہ ناخواندہ تھے، اس لیے یہ کتابیں پڑھ کر انہیں سنائی جاتی تھیں۔ اس میں وہ منتر بھی ہیں جو برہمن قربانی دیتے وقت الاپتا رہتا ہے۔ ایسے جادو منتر بھی ہیں جن سے سانپ کے کاٹنے کا علاج کیا جاتا ہے۔ محبت پیدا کرنے کے افسوں بھی ہیں اور دشمنوں کو تباہ و برباد کرنے کے طریقے بھی۔

ان کے علاوہ ویدوں کے ساتھ ''اُپنشد'' بھی ہیں۔ ان میں ہندو مذہب کی فلسفیانہ بنیادیں استوار کی گئی ہیں اور درج ذیل ان چاروں چیزوں کو ہندو مذہب کی اساس قرار دیا گیا ہے۔

1- اعلیٰ حقیقت روحانی دنیا ہے۔

2- مادی دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔

3- عقیدہ تناسخ۔

4- اس بار بار کے جینے اور مرنے کے تسلسل سے اس وقت ہی انسان کو نجات مل سکتی ہے جب وہ وجودِ حقیقی میں

کھو جاتا ہے۔ جب بھی روح مادہ کے قفس کو توڑ کر آزاد ہوتی ہے تو ہر قسم کے رنج والم سے وہ محفوظ رہتی ہے۔ ایک بار مرنے کے بعد انسان دوسرے جنم میں کسی اور وجود میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ وجود انسانی حیوانی بلکہ نباتاتی بھی ہوسکتا ہے۔ پہلے جنم میں جو غلطیاں اس سے سرزد ہوئی تھیں، اس کے مطابق اس کو نیا وجود دیا جاتا ہے جس میں ظاہر ہوکر وہ طرح طرح کی مصیبتوں، بیماریوں اور ناکامیوں میں گرفتار ہوتا ہے اور اگر اس نے اپنی پہلی زندگی میں نیکیاں کی تھیں تو اس کو ان کا اجر دینے کے لیے نئے وجود کا کوئی ایسا قالب بخشا جاتا ہے جس میں ظاہر ہونے سے اس کو اس کی گزشتہ نیکیوں کا اجر ملتا ہے۔ اس طریقہ کار کو کرما (KARMA) کا نظریہ کہا جاتا ہے۔

رامائن، مہابھارت

ان ویدوں کے علاوہ ان کے پاس دو طویل رزمیہ نظمیں ہیں۔ ایک کو رامائن اور دوسری کو مہابھارت کہا جاتا ہے۔ پہلی نظم میں رام کی کہانی ہے جسے اس کے باپ نے سوتیلی ماں کے اکسانے پر اپنی بیوی سیتا سمیت جلاوطن کر دیا تھا۔ جب یہ جوڑا جنگل میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا تھا تو لنکا کے راجہ راون نے اس کی بیوی سیتا کو اغوا کرلیا۔ رام نے لنکا پر چڑھائی کر کے اپنی بیوی کو آزاد کرالیا۔

دوسری نظم میں اس لڑائی کا ذکر ہے جو کورو اور پانڈو کے درمیان لڑی گئی تھی۔ اس لڑائی میں کرشنا، ارجونا کا رتھ بان تھا۔ ان کی ایک اور اہم کتاب "بھگوت گیتا" ہے۔ یہ کرشنا کا کلام ہے جو اس نے ارجونا کے ساتھ کیا، جو متوقع خونریزی کے خوف سے جنگ سے دست کش ہونا چاہتا تھا۔ کرشنا نے اس جنگ کو کرنے پر آمادہ کیا۔ اس جنگ سے جو تباہی مچی اور انسانی خون کے دریا بہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

آہستہ آہستہ آریوں کا یہ سادہ سا مذہب پیچیدہ نظریہ اور بے معنی رسوم کا ایک گورکھ دھندا بن کر رہ گیا۔ دیوتاؤں کی فہرست ان کے مناصب اور ان کی عبادت کے طریقے ہر مقام اور ہر آبادی کے لیے الگ الگ ہو گئے۔ چند ایک کو چھوڑ کر قدیم اور اہم دیوتاؤں کی اہمیت بالکل گھٹ گئی اور نئے دیوتاؤں نے مندروں میں اہم مقام حاصل کرلیا۔ ان کے چھوٹے بڑے معبودوں کی تعداد ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں تک پہنچ گئی۔ خواص کا فلسفہ عقیدہ توحید کی طرف پیش قدمی کرتا رہا اور جو عقیدہ عوام میں مقبول اور پسندیدہ تھا۔ وہ مخالف سمت میں تیزی سے بڑھتا رہا۔ (ورلڈ سولائزیشن خلاصہ صفحہ 87)

بہرحال تین دیوتاؤں کو اب بھی بڑی فوقیت حاصل ہے۔ اگرچہ ان کے باہمی مراتب میں اختلاف ہے۔

(1) وشنو (VISHNU) نظام شمسی کا ایک قدیم دیوتا ہے اور اس کی کئی ناموں سے پوجا کی جاتی ہے۔ چونکہ یہ جنگ کے خلاف ہے۔ اس لیے اس کے لیے جانوروں کی قربانی نہیں دی جاتی بلکہ پھولوں کے ہار پیش کیے جاتے ہیں۔

(2) شیوا (SHIVA) یہ پہلے دیوتا کے برعکس ہے۔ اس کی قدر ومنزلت اور پوجا ہر جگہ وشنو سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ اس کی تصویر میں اس کے پانچ چہرے اور چار ہاتھ دکھائے جاتے ہیں۔

(3) برہما (BARAHMA) یہ دیوتا پہلے دو سے عزت ومرتبہ میں کم ہے۔ اس کا بت چھوٹی انگلی کی مانند چھوٹا سا بنایا جاتا ہے اور اسے کنول کے پتہ پر بٹھایا ہوا دکھایا جاتا ہے۔ (ورلڈ سولائزیشن صفحہ 88)

کیا ہندومت کوئی مذہب ہے؟

ورلڈ سولائزیشن کے دونوں (ای۔ ایم برنز، پی ایل ایف اور برگ) مصنف لکھتے ہیں:

''اہل مغرب کی اصطلاح کے مطابق ہندوازم کو مذہب نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ ہر قسم کے عقیدہ کو اپنانے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ تمام رسم ورواج کو اختیار کر لیتا ہے۔ خواہ وہ قدیم زمانہ کے گھناؤنے رسم ورواج ہوں یا عصر جدید کے اعلیٰ وارفع رسوم ورواج۔ ہندومت کے کوئی مقررہ عقائد واصول نہیں جن کو ماننا اس مذہب کے ہر پیرو پر لازمی اور ناگزیر ہو۔ اس کے ماننے والے کہیں ایک جگہ جمع ہو کر عبادت نہیں کرتے۔ ان کا کوئی مسلمہ کلیسا نہیں ہے۔ البتہ برہمنوں کے بارے میں ان کے خاص معتقدات ہیں، مخصوص طریقہ ہائے کار ہیں جن کی سارے ہند میں پیروی کی جاتی ہے۔ برہمن اپنے ماننے والوں کے لیے ضروری نہیں سمجھتے کہ وہ کسی مخصوص عقیدہ پر ایمان لے آئیں اور نہ کسی نئی بدعت کے خلاف جنگ آزما ہونے کی انہیں دعوت دیتے ہیں۔ وہ صرف اس بات پر اصرار کرتے ہیں اور اس میں وہ کامیاب بھی ہیں کہ ان کا ہر ماننے والا اس بات کو تسلیم کرے کہ دیوتا اور انسان کے درمیان صرف برہمن ہی واسطہ اور ترجمان کا فریضہ ادا کر سکتے ہیں۔ برہمن ازم میں جن نکات پر زور دیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہیں۔

1- برہمنوں کی تعظیم کی جائے اور ہر معاملہ میں ان کی اعانت کی جائے۔
2- حیوانی زندگی کو مجروح نہ کیا جائے (یعنی نہ انہیں ذبح کیا جائے نہ ان کا گوشت کھایا جائے۔)
3- عورت کا مقام معاشرہ میں مرد سے فروتر (کم تر) ہے۔
4- ذات پات کی تقسیم کو قبول کیا جائے۔ (ورلڈ سولائزیشن صفحہ 88)

ذات پات کے باعث عورت کا مرتبہ گر گیا۔ بیوہ عورت کو ہر وقت یہ غم نڈھال کیے رکھتا ہے کہ اس کے کسی گناہ کے باعث اس کا خاوند مرا ہے۔ اس کو دوسری شادی کی اجازت نہیں، خواہ وہ ابھی عنفوان شباب (بھرپور جوانی) ہی میں ہو۔ عورت کو یہ بات ذہن نشین کرائی جاتی ہے کہ اس کی عزت وناموس اس میں ہے کہ وہ اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ جل کر خاکستر ہو جائے۔ نیز اس ذات پات کے نظام میں شودروں کے ساتھ جو غیر انسانی سلوک روا رکھا جاتا ہے، شرمناک ہے۔ انہیں انسان ہی تصور نہیں کیا جاتا۔ جنوبی ہند میں تو ان کا سایہ کنوئیں پر پڑ جائے تو وہ کنواں بھرشٹ (ناپاک) ہو جاتا ہے۔ وہ آبادی سے باہر جھونپڑوں میں رہنے پر مجبور

ہیں۔ مزید حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان انسانیت سوز اور قبیح رسوم کو دنیا کی تعلیم یافتہ اور اپنے آپ کو عقل مند کہلانے والی قوم ہزاروں سال سے اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے۔ (ورلڈ سولائزیشن صفحہ 91)

انسائیکلوپیڈیا آف لونگ فیتھ (زندہ مذاہب کا دائرۃ المعارف) میں اے ایل بوشم (A. L. BOSHAM) نے ایک مقالہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے ہندوازم (ہندومت) یہ مقالہ صفحہ 217 سے صفحہ 254 تک پھیلا ہوا ہے۔ اس فاضل سکالر نے بھی ہندومت کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ہم اس کے ضروری اقتباسات بھی ہدیہ ناظرین کرتے ہیں تاکہ ہندومت کے بارے میں ان کی معلومات میں اضافہ بھی ہو اور علمی پختگی بھی پیدا ہو جائے۔ اگرچہ بعض مقامات پر مضامین کی تکرار ہے لیکن یہ تکرار اکتا دینے والی نہیں ہے۔ امید ہے کہ اس کے مطالعہ سے قارئین کی رسائی ہندو مذہب کے ان تاریک گوشوں تک ہو جائے گی جو عوام کی نظروں سے ابھی تک اوجھل تھے۔ مقالہ نگار اپنے اس مقالہ کا آغاز اس طرح کرتا ہے:۔

''ہر مذہب کی تعریف کی جاتی ہے لیکن ہندومت کی تعریف نہیں کی جاسکتی (وجوہات جو پہلے بیان کی جا چکی ہیں، ان کے باعث ہندومت کو مذہب کہنا مشکل ہے) البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندو وہ ہے جو برہمن اور گائے کی عزت کرتا ہے۔ ذات پات کے نظام کا قائل ہے اور نظریہ تناسخ پر ایمان رکھتا ہے یعنی روح یکے بعد دیگرے کئی جسموں میں داخل ہوتی ہے اور ایک مقررہ مدت پوری کرنے کے بعد موت کا پیالہ پیتی ہے۔ اس جسم کو چھوڑ کر ایک نئے جسم میں داخل ہوتی ہے، ضروری نہیں کہ وہ جسم انسان کا ہی ہو بلکہ وہ کسی حیوان، کتے، بلے، گدھے وغیرہ اور نباتات کے پیکر میں ورود کر سکتی ہے یہاں تک کہ وہ سفر کرتے کرتے اپنی آخری منزل پر پہنچ جاتی ہے۔ اگر نیک ہے تو سرگ باشی (یا جنتی) ہوتا ہے ورنہ نرک (دوزخ) کا ایندھن بنتا ہے۔''

اگرچہ ویدوں کو ہندوؤں کی مذہبی کتب کہا جاتا ہے لیکن جو مذہب ہندومت کے روپ میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس کا ویدوں کے پیش کردہ مذہبی نظام سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ بہت سے دیوتا جن کی پوجا کرنے کا حکم ویدوں میں مذکور ہے۔ وہ اب متروک ہو چکے ہیں۔ آریوں کا بڑا جنگی دیوتا، اندرا کا درجہ اب بہت گھٹ کر رہ گیا ہے۔ اب اسے صرف بارش برسانے والا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح وارونا جس کو پہلے سارے عالم کا محافظ یقین کیا جاتا تھا اور بڑی شاہانہ شان وشوکت سے اعلیٰ مسند پر بیٹھا کرتا تھا اب اس کے پجاری شاذ و نادر ہی اس کو یاد کرتے ہیں۔

ان کے دیوتا مونث و مذکر دونوں قسم کے تھے۔ مونث کو ماتا دیوی (GODDESS MOTHER) کہا جاتا ہے اور اس کی پوجا کی جاتی، جس طرح کئی قدیم تہذیبوں میں اس کے پوجنے کا رواج تھا۔ اس کے علاوہ آریہ ایک مذکر دیوتا کی بھی پوجا کیا کرتے تھے جس کا نام شیوا تھا اور جس کے آلہ تناسل کی پوجا کی جاتی۔ جس کا نشان مرد وزن اپنے گلے میں لٹکائے رکھتے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف لیونگ فیتھ صفحہ 218)

ان کے علاوہ کئی جانور جیسے بیل، کچھوا وغیرہ اور کئی درخت پیپل، تلسی وغیرہ مقدس سمجھے جاتے۔ سندھ طاس والوں کا قدیم مذہب آریہ کی آمد کے باوجود بھی برقرار رہا۔ بعد میں ہندومت میں وہ دوبارہ عود کر آیا۔

آریہ عام طور پر مذکر دیوتاؤں کی پوجا کرتے۔ ان کے لیے قربانی دینے پر بڑا زور دیا جاتا۔ خصوصاً سوما (SOMA) کی قربانی بہت اہم تھی۔ یہ ایک پہاڑی بوٹی ہے جس سے شراب کشید کی جاتی ہے، اسے بھی سوما کہتے ہیں۔ آریہ لوگ اگرچہ وحشی اور جنگجو قوم تھے لیکن ان کے ساتھ ہی مذہبی پروہتوں کا ایک گروہ بھی تھا، جو حمد کے گیت بھی لکھتا تھا اور پرانے گیتوں کو بھی ازبر کیے ہوئے تھا۔ قربانی کے وقت ان گیتوں کو پڑھا جاتا۔ فن تاریخ سے لوگ ناواقف تھے۔ ان کی قوت یادداشت بڑی عمدہ تھی ان کو وہ گیت زبانی یاد تھے۔ رگ وید کے کئی مشہور دیوتا فراموش کر دیئے گئے اور کئی غیر اہم دیوتاؤں کو بڑا اونچا رتبہ دے دیا گیا جیسے وشنو، لڈرا جس کو بعد میں شیوا کہا جانے لگا۔ شیوا کا معنی ہے بھاگوان، شبھ، مبارک۔ یہ ہندوؤں کا اہم ترین معبود بن گیا۔

وید

ویدوں کا صحیح تاریخ کا تعین کرنا مشکل ہے۔ البتہ یہ پتہ چلتا ہے کہ 900 قبل مسیح تک یہ مکمل ہو گئے تھے۔ تخلیق کائنات کے بارے میں کسی حتمی نظریہ کا ان میں ذکر نہیں حتیٰ کہ ان کے خداؤں کو بھی تخلیق کائنات کا علم نہ تھا کہ کیسے ہوئی۔ رگ وید کے آخری منتر میں ہے کہ سب سے قدیم آدمی کو دیوتاؤں نے بطور قربانی ذبح کیا اور معجزانہ طور پر اس نے اپنے مقطوعہ اجزا سے کائنات کی مختلف چیزوں کو پیدا کیا۔ اس سے یہ چار ذاتیں تخلیق ہوئیں۔ (انسائیکلوپیڈیا آف لیونگ فیتھ صفحہ 219 بحوالہ رگ وید 90-10)

قربانی پہلے بھی ان کی پوجا کا اہم عنصر تھی لیکن اب اس کی اہمیت سو گنا بڑھ گئی۔ ساما وید، یجر وید، اتھر وید، رگ وید کے بعض منظوم اور بعض نثری حصوں کو الگ کر دیا گیا، انہیں قربانی کے وقت پڑھا جاتا۔ اتھر وید میں وہ عملیات درج تھے جن سے بیماروں کو صحت، رقیب بیویوں سے نجات، جنگ میں فتح، مقدمات میں کامیابی حاصل ہوتی۔

دیوتاؤں کی خوشنودی کا انحصار قربانی پر تھا اور قربانی ق کا انحصار برہمنوں پر کیونکہ صرف وہی لوگ صحیح طور پر قربانی کی رسم ادا کر سکتے تھے ورنہ اگر وہ خود قربانی دیتے اور اس میں ذراسی غلطی بھی سرزد ہو جاتی تو اس قربانی سے قربانی دینے والوں کو الٹا نقصان پہنچتا۔ اس نظریہ کے اجاگر ہونے سے برہمنوں کو بڑی تقویت پہنچی۔ اسی بنا پر تمام ملکی قوانین سے انہیں مستثنیٰ قرار دے دیا گیا اور غیر مشروط اطاعت اور بے پایاں تعظیم کے وہ مستحق بن گئے۔ رگ وید میں پنجابی معاشرہ کی عکاسی ہوتی تھی لیکن جب آریہ مشرقی علاقوں کی طرف بڑھتے چلے گئے تو اس وقت کے تصنیف شدہ یا نازل شدہ ویدوں میں دوآبہ گنگا جمنا کے حالات کی عکاسی ہونے لگی۔ درواڑوں کے عقیدہ میں سے جس عقیدہ کو آریوں نے اپنایا اور اس کو بڑی اہمیت دی وہ تناسخ کا عقیدہ تھا۔

(انسائیکلوپیڈیا آف لیونگ فیتھ صفحہ 220)

سب سے بڑا دیوتا ''وشنو'' ہے۔ اس کے نامکمل روپ تو بے شمار ہیں لیکن آج تک وہ نو (9) مکمل روپ میں ظاہر ہوا ہے۔ مچھلی، کچھوا، سور، شیر، انسان کی شکل، پارا، سوراما، ساتواں روپ راما کا ہے اور آٹھواں کرشنا کا۔ اس روپ میں اس کے اور کئی مظاہر ہیں جیسے شرارتی بچہ، بانسری بجاتا کنہیا بہادر اور جنگجو۔ وشنو کا نانواں روپ بدھا کی شکل میں ظاہر ہوا۔

وشنو کا ایسے روپ میں آنا جو نہ ویدوں کا قائل ہو نہ خدا کا قائل، بڑا تعجب خیز ہے۔ جب بدھ مت کو بھارت میں زوال آیا تو برہمنوں نے اس ''مت'' کو ہڑپ کرنے کے لیے یہ نظریہ پیش کر دیا کہ بدھا کوئی غیر نہیں وہ بھی تو وشنو کا اوتار تھا۔ اس لیے اس کی مورتی کو اپنے مندروں میں سجانا اور اس کی پوجا کرنا ہمارا حق ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا آف لیونگ فیتھ، صفحہ 225-226)

دوسرا اہم دیوتا ''سیوا'' ہے جس کی بہت خوفناک شکل ہے۔ اس کے گلے میں انسانی کھوپڑیوں کا ہار لٹکا رہتا ہے اور جب وہ ڈراؤنا ناچ ناچتا ہے تو بدروحیں اس کے گرد حلقہ بنائے رقص کر رہی ہوتی ہیں۔ اس زمانہ کے اختتام پر ساری کائنات کو وہ بھسم کر دے گا۔ اسے کیلاش کے پہاڑوں میں مراقبہ میں مصروف دکھایا جاتا ہے۔ اس کے سر پر ہلال ہے جس سے گنگا کا دریا نکلتا ہے۔ اسے انسانی اور حیوانی افزائش نسل کا دیوتا بھی کہتے ہیں۔ اسی لیے پیرو جواں، مرد و زن اس کے آلہ تناسل کی پوجا میں مصروف رہتے ہیں۔

تیسرے اہم دیوتا کا نام ''درگا'' ہے۔ درگا اور پاراوتی سیوا دیوتا کی بیوی کے دو نام ہیں۔ یہ لکشمی سے زیادہ اہم ہے۔ جب وہ خوفناک شکل میں ظاہر ہوتی ہے تو اس کو درگاہ اور کالی کہا جاتا ہے اور جب وہ دلکش روپ میں ظاہر ہوتی ہے تو اسے پاراوتی کہا جاتا ہے۔

ماتا دیوی کی اہمیت کو بڑھانے کے لیے یہ نظریہ گھڑا گیا کہ اعلیٰ و ارفع دیوتا (سیوا) بالکل نکما اور بیکار ہے۔ اس کی تخلیقی قوت مجسم بن کر اس کی بیوی درگا میں منتقل ہوگئی ہے۔ تخلیق کائنات کا عمل مرد و زن کے جنسی اختلاط کی طرح ہے۔ اسی وجہ سے جنسی اختلاط کو ہندو اپنی عبادتوں کی رسموں میں شمار کرتے ہیں۔ یہ بھی فرض کر لیا گیا ہے کہ بڑا دیوتا نکما ہے۔ اس لیے اس کی عبادت کی ضرورت نہیں، تمام مقاصد کے لیے ماتا دیوی درگا کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اسی کی پوجا کرنا چاہیے۔ بدشکل، بوڑھی، ساحرہ کے روپ میں اسے نمایاں کیا جاتا ہے۔ اس کی پوجا کے وقت جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے۔ قدیم زمانہ میں زندہ انسانوں کو بھی اس کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔

ان تین بڑے دیوتاؤں کے علاوہ ہندوستان میں چھوٹے دیوتاؤں کی پوجا بھی کی جاتی ہے۔ سیوا کے بیٹے گنیش جس کا سر ہاتھی کی مانند ہے اس کی بھی پوجا کرتے ہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا آف لیونگ فیتھ صفحہ 232)

آریہ (قدیم ہندو) جن دیوتاؤں کی پوجا کیا کرتے ان کا تعلق آسمانی سیاروں کے ساتھ تھا۔ وہ بعض قدیم خداؤں کو ترک کر دیتے اور بعض کی اہمیت ان کے نزدیک کم ہو جاتی اور بعض کی شان بہت بڑھ جاتی۔ ویدوں کے زمانہ کا سب سے بڑا دیوتا اندرا تھا جسے جنگلوں کا دیوتا کہا جاتا۔ ممکن ہے اندرا کوئی بہادر جنگجو سپاہی ہو اور اس کو اس کے کارہائے نمایاں کے باعث دیوتا کا درجہ دے دیا گیا ہو۔ آریوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اندرا دیوتا کی امداد سے ہی انہوں نے دراوڑوں پر غلبہ حاصل کیا ہے۔ اس کا خاص ہتھیار بجلی کا کڑکنا تھا۔ یہ جنگ کا دیوتا ہونے کے باوجود بڑا مہربان اور شفیق تھا۔ ان کے نزدیک یہی بادلوں میں مقید پانی کو برسنے کا حکم دیتا ہے اور کھیت اور باغات سیراب وشاداب ہوتے ہیں۔ یہ دیوتا صرف آریوں میں ہی معروف نہ تھا بلکہ بابل کے فاتح ''کاسٹس'' (KASSITES) بھی اس کے پرستار تھے۔ الغرض وارنا، مترا، اندرا آریوں کے تین سب سے بڑے دیوتا تھے۔ (ہسٹری آف ریلجن ایسٹ اینڈ ویسٹ از مسٹر ٹریورلنگ خلاصہ صفحہ 26 تا 36)

مؤرخ و محقق

ابوریحان محمد بن احمد البیرونی نے اپنی تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ

1- آریہ لوگ ہندوستان پر حملہ آور ہونے، یلغار کرنے سے پہلے توحید پرست تھے لیکن جب وہ

2- کوہ ہندوکش کے درہ کے راستے سے شمال مغربی ہندوستان میں داخل ہوئے تو اس وقت وہ عقیدہ توحید سے محروم ہو چکے تھے اور متعدد خداؤں کی پوجا کو انہوں نے اپنا شعار بنا لیا تھا۔

3- اور یہ کہ ان کے دیوتاؤں کے ناموں اور اہل یونان۔ روم اور ایران کے دیوتاؤں کے ناموں میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ لہجہ تلفظ و نام میں تھوڑا سا تفاوت (فرق) کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

4- محقق البیرونی کی تحقیق بھی اسی نظریہ کی تائید کرتی ہے۔ رگ وید کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں آنے سے قبل آریوں کے ہاں اپنے مردوں کو نذر آتش کرنے کا رواج نہیں تھا، وہ ان کو دفن کیا کرتے تھے۔ جب وہ ہندوستان میں آئے اور یہاں بسنے والے دراوڑوں کو دیکھا کہ وہ اپنے مردوں کو آگ میں جلاتے ہیں تو انہوں نے ان کی پیروی کرتے ہوئے مردوں کو جلانا شروع کر دیا۔

تناسخ کے عقیدہ کے بارے میں بھی رگ وید کی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ جب آریہ ہندوستان میں آئے تو ان کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ مرنے کے بعد انسانی روح ایک جسم کو چھوڑ کر دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ پھر مرنے کے بعد اس دوسرے جسم کو چھوڑ کر کسی نئے جسم کو اپنا مسکن بنا لیتی ہے اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے بلکہ آریہ کا اس وقت یہ عقیدہ تھا کہ جو لوگ گناہ کی زندگی بسر کرتے ہیں، انہیں مہا دیوتا ''وارونا'' زمین کے سب سے نچلے حصہ میں ایک خوفناک جگہ (دوزخ) میں بھیج دیتا ہے اور جو لوگ راستی اور پاکبازی کی زندگی بسر کرتے ہیں وارونا انہیں فردوس بریں میں بھیج دیتا ہے۔ جہاں وہ ابدی مسرتوں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔

لیکن یہاں (ہندوستان) آنے کے بعد انہوں نے دراوڑوں کو عقیدہ تناسخ کا قائل پایا تو وہ بھی اس پر ایمان لے آئے کیونکہ چند ایسے اعتراضات تھے جوان کے ذہنوں کو پریشان رکھتے تھے۔ ان کا تسلی بخش جواب انہیں تناسخ کے عقیدہ میں نظر آیا۔ وہ دیکھتے کہ ایک شخص عزت اور عیش کی زندگی بسر کر رہا ہے اور دوسرا شخص ابتداء سے ہی مصائب و آلام اور غربت افلاس کے شکنجہ میں کسا ہوا ہے' اس کی وہ کوئی توجیہ نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اس عقیدہ کو اپنا کر اپنی ذہنی تشویش کا مداوا کیا۔

(ہسٹری آف ریلجن ایسٹ اینڈ ویسٹ خلاصہ صفحہ 30 تا 36 از مسٹر ٹریورلنگ)

مسٹر ٹریورلنگ اپنی تصنیف ہسٹری آف ریلجن کے صفحہ 53 پر سکالر، مقالہ نگار، اے ایل بوشم کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ وید کے ابتدائی دور میں آریوں کے دو طبقے تھے۔ ایک خاص اور دوسرا عام۔ حکمران کو راجہ کہا جاتا جو اپنی اسمبلی کے ارکان کی امداد سے حکومت کے فرائض انجام دیتا لیکن ویدوں کے آخری دور میں سوسائٹی کی تقسیم چار طبقات میں کر دی گئی۔ سب سے اعلیٰ برہمن پھر کھشتری۔ پھر ویش سب سے نیچے شودر، یہ شودر کون تھے ان کے بارے میں مورخ مسٹر ٹریورلنگ لکھتا ہے:

یعنی عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ شودر طبقہ ان قبائل کے افراد پر مشتمل تھا جو بھارت کے باشندے تھے اور جن کو ان کے فاتحین نے اور ان کے ملک پر قبضہ کرنے والوں نے مجبور کر دیا تھا کہ یہ لوگ ذلیل قسم کی خدمات انجام دیں اور یہ بھی ممکن ہے اس طبقہ میں وہ لوگ بھی شامل ہوں جو آریوں اور دراوڑوں کے درمیان باہمی شادیوں سے پیدا ہوئے۔ ویدوں میں اس تقسیم کا ذکر بتاتا ہے کہ اس تقسیم کی بنیاد ان کا مذہب تھا، نیز کچھ برہمن آریوں کی اولاد سے تھے اور کچھ برہمن قبیلے ماتا دیوی کے رحم سے پیدا ہوئے تا کہ انسانی شکل میں اس دیوی کی نمائندگی کریں۔ (ہسٹری آف ریلجن از ٹریورلنگ صفحہ 53)

ذات پات کے نام نے ہندوؤں میں ایک قوم کے تصور کو ابھرنے نہ دیا۔ آریہ حملہ آوروں نے ہندوستان کے اصلی باشندوں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک روا رکھا۔ انہوں نے ہندوستان کے قدیم باشندوں کو چوتھے طبقے میں شمار کیا جسے وہ بڑی حقارت اور ذلت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔ انہوں نے ان کی ترقی اور خوشحالی کی ساری راہیں مسدود کر دی تھیں، انہیں شودر بنا دیا تھا۔ ان حالات میں آریوں کے لیے ان کے دل میں ہمدردی اور اخوت کے جذبات کیونکر پیدا ہو سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان کی طویل تاریخ میں چند مخصوص صدیوں کے علاوہ کوئی منظم حکومت قائم نہ ہو سکی۔

اس کے علاوہ اس ملک میں بیسیوں زبانیں بولی جاتی تھیں۔ رہن سہن کے اطوار جدا جدا تھے۔ خوشی اور غم کی تقریبات علیحدہ علیحدہ تھیں۔ جن خداؤں کی وہ پوجا کرتے تھے ان میں بھی کوئی یگانگت نہ تھی۔ ہر گاؤں کا علیحدہ دیوتا ہوتا اور گاؤں والوں کی ہر ضرورت پوری کرنے کے لیے علیحدہ علیحدہ بت ہوتے۔ ان بے شمار

اختلافات نے ہندوستان کو ایک ملک اور اس کے باشندوں کو ایک قوم بننے نہ دیا۔

اخلاقی و معاشرتی حالات

کئی سو سال قبل از مسیح بھارت میں برہمنی تہذیب اپنے شباب پر تھی۔ اس زمانہ میں ہندی معاشرہ کے لیے ایک دستور مرتب کیا گیا جس میں سیاسی، تمدنی اور اخلاقی قواعد وضوابط کی وضاحت کر دی گئی۔ ملک بھر کے دانشوروں نے اسے اچھا جانا اور اسے ایک آئینی اور قانونی دستاویز کی حیثیت سے قبول کر لیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک ہندو دھرم کے پرستار اپنے تمام معاملات میں اس سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اس دستور کے مصنف ''منوجی'' ہیں اور انہیں کے نام پر اس کتاب کو ''منوشاستر'' کہا جاتا ہے اور یہ دستور حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے تین سو سال قبل مرتب کیا گیا۔ اس متفقہ طور پر منظور شدہ قانونی اور آئینی دستاویز نے اہالیان ہند کو چار طبقات میں تقسیم کر دیا۔ برہمن، کھشتری، ویش اور شودر۔

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کا مقالہ نگار اے ایل بوشم برہمن ازم (BRAHMANISM) کے عنوان کے تحت جلد 3 صفحہ نمبر 1011 رقمطراز ہیں:

''منوجی'' کے مرتب کردہ صحیفہ قانون ''منوشاستر'' کو ایک آسمانی تقدس حاصل ہو گیا تھا۔ اس کے قوانین ہر شک وشبہ سے بالاتر اور ہر تنقید سے ماوراء تھے۔ ''منوشاستر'' میں تمام طبقات کی درجہ بندی کر دی گئی اور تفصیل سے ہر طبقہ کے فرائض بیان کر دیئے گئے اور اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے سزائیں بھی مقرر کر دی گئیں۔

مقالہ نگار کے مندرجہ ذیل جملے آپ کی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔

یعنی جرائم کا ارتکاب اگر برہمن کرے تو ان کی سزاؤں میں غیر معمولی نرمی ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ اگر نچلے طبقہ کا کوئی فرد اعلیٰ طبقہ کے حکم کو پامال کرے تو اس کے لیے بڑی وحشیانہ اور غیر انسانی سزائیں مقرر ہیں۔ معاشرہ میں مجرم کا درجہ جتنا گھٹیا ہوتا اتنی ہی اسے سزا سخت دی جاتی۔

اگلے صفحہ پر مقالہ نگار لکھتا ہے:

''منوجی'' کے آئین کے مطابق شودروں کو مذہبی تعلیم حاصل کرنے کا بھی حق حاصل نہیں۔ ایسا اجتماع جس میں نیچ قوم کا کوئی فرد موجود ہو وہاں برہمن کو بھی اجازت نہیں کہ وہ مقدس کتابوں کی تلاوت کرے۔

(اے۔ ایل بوشم مقالہ نگار در انسائیکلو پیڈیا آف لونگ فیتھ)

ایک ہی قوم کے افراد میں قانون کی یہ ناہمواری عدل وانصاف کے تصور کو ہی ختم کر دیتی ہے۔ مورخ و محقق البیرونی اپنے پندرہ سالہ تجربات اور چشم دید مشاہدات کی روشنی میں لکھتے ہیں۔

شودر کی حیثیت برہمن کے غلام کی ہے۔ اس کو برہمن کے کام میں مصروف رہنا اور اس کی خدمت کرنا

چاہیے۔ ہر وہ کام جو برہمن کے لیے مخصوص ہے مثلاً مالا جپنا، وید پڑھنا، آگ کی قربانی یہ سب کچھ شودر کے لیے منع ہے۔ اگر شودر یا ویش کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے وید پڑھا ہے تو برہمن اس کی اطلاع حاکم کو دے اور حاکم اس کی زبان کاٹ دے۔ (تحقیق ماللہند۔ البیرونی صفحہ 457)

جناب عبدالمجید سالک، منوسمرتی باب اول منتر 92 تا 101 کے حوالہ سے برہمن کی برتری کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''منوجی'' نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ دنیا میں برہمن سے برتر کوئی نہیں۔ وہ دھرم کی مورت، نجات کا حقدار اور دھرم کے خزانہ کا محافظ ہے اور دنیا میں جو کچھ ہے، سب برہمن کے لیے ہے۔ (مسلم ثقافت صفحہ 37-38)

مولانا عبدالمجید سالک ہی نے منوسمرتی چوتھا، آٹھواں اور دسواں ادھیائے کے حوالہ سے شودر پر عدل و انصاف کے نام پر جو ستم ڈھائے جاتے تھے، ان کا تذکرہ کیا ہے جسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جس نے یہ قانون وضع کئے اور جس قوم نے بلا چوں و چرا اس کو تسلیم کیا اور ہزاروں سال اس پر عمل پیرا رہی اس کی سنگدلی کے بارے میں پڑھ کر انسان سراسیمہ اور پریشان ہو جاتا ہے۔ ''منوجی'' اپنی منوسمرتی کے سیکشن 4-8 اور 10 میں لکھتے ہیں۔

''شودر برہمن کا پس خورد کھائے۔ شودر مہینہ میں صرف ایک دفعہ حجامت بنوائے۔ شودر کسی برہمن کو چور کہے تو اس کے جسم کا کوئی عضو کاٹ دینا چاہیے۔ شودر کسی برہمن کھشتری اور ویش کے ساتھ سخت کلامی کرے تو اس کی زبان میں سوراخ کر دیا جائے۔ اگر شودر کسی برہمن کا نام لے کر کہے کہ تو فلاں برہمن سے نیچ ہے تو اس شودر کے منہ میں بارہ انگلی کی آہنی میخ آگ میں سرخ کر کے ڈالی جائے۔ اگر چھوٹی ذات کا آدمی بڑی ذات کے آدمی کے ساتھ ایک آسن پر بیٹھے تو اس کا چوتڑ کاٹ ڈالنا چاہیے، اس طرح کہ وہ مرے نہیں۔ شودر کسی برہمن کے بال یا پاؤں یا داڑھی کو پکڑے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ شودر کو کوئی صلاح مشورہ نہ دو، دھرم اور بھرت کی تلقین بھی نہ کرو۔ جو شودر کو دھرم کی تلقین کرتا ہے وہ بدترین دوزخ میں جاتا ہے۔'' (مسلم ثقافت صفحہ 38-39)

شودروں کو یہ اجازت نہیں کہ وہ مندروں میں داخل ہو کر پوجا پاٹ کر سکیں، نہ انہیں اس بات کی اجازت ہے کہ ان کنوؤں سے پانی بھر سکیں جن سے اونچی ذات کے ہندو پانی بھرتے ہیں۔ وہ عام شہریوں میں بھی نہیں رہ سکتے بلکہ شہروں سے الگ تھلگ ان کی مخصوص آبادیاں ہوتی ہیں۔ جس معاشرہ میں اس قسم کی ظالمانہ اور جابرانہ طبقاتی تقسیم موجود ہو، بعض طبقے مراعات یافتہ ہوں اور بعض طبقے ہر رعایت سے محروم اور ہر قسم کی محرومی اور نامرادی میں محصور ہیں اور اس ظالمانہ تقسیم کی بنیاد ان کا مذہب اور ان کی آسمانی کتاب ہو تو اس معاشرہ کی زبوں حالی کے بارے میں کچھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

بدھ مت اور جین مت

ہندو مت نے ہندی معاشرہ کو چار طبقات میں تقسیم کر دیا تھا اور ان کے درمیان امتیازات کے ایسے پہاڑ کھڑے کر دیئے تھے جن کو عبور کرنا ناممکن تھا۔ بعض طبقات عزت و احترام کے انتہائی بلند مراتب پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ مالی اور مادی مراعات سے بھی سرفراز تھے اور بعض طبقات ذلت اور رسوائی کی گہرائیوں میں پھینکے جانے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی محرومیوں سے بھی دوچار تھے۔ محروم طبقوں کے افراد کی تعداد مراعات یافتہ طبقات کی تعداد سے بہت زیادہ تھی۔ یہ لوگ صدیوں ان ناگفتہ بہ حالات میں صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہے کیونکہ انہیں یہ باور کرا دیا گیا تھا کہ انسانی معاشرہ کی یہ تقسیم کسی انسان نے نہیں کی بلکہ ان کے دیوتاؤں کا عمل ہے اور کون ہے جو جب تک دیوتاؤں کو اپنا دیوتا یقین کرتا ہے، ان کے فیصلہ سے وہ سرتابی کی جسارت کر سکے۔

ہندو مت کی پوجا پاٹ کی رسمیں اس قدر سخت اور کرخت تھیں کہ ان کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نباہ ممکن نہ تھا۔ انصاف کے نام پر جو بے انصافیاں ہو رہی تھیں، عدل کی قربان گاہ پر انسانی حقوق کو جس بے دردی سے ذبح کیا جا رہا تھا، اسے دیکھ کر سلیم الطبع لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہ یقیناً یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہوں گے کہ کیا یہ ظلم، یہ بے انصافی، یہ برہمن پروری اور شودر کشی کی تعلیمات اس خدا کی ہو سکتی ہیں جو سب سے بالاتر و برتر ہونے کے ساتھ سب کا ہو؟ اور کیا اس خدا نے اپنے بندوں کی اصلاح اور رہنمائی کے لیے ایسا ظالمانہ اور آمرانہ نظام مقرر فرمایا ہو؟

برہمنوں اور کھشتریوں کے گٹھ جوڑ سے یہ گاڑی صدیوں رینگتی رہی۔ برہمنوں نے کھشتریوں کو تاج و تخت کا مالک تسلیم کر لیا۔ برہمنوں کے اثر و رسوخ کی وجہ سے ہندی اذہان یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کھشتریوں کے علاوہ کوئی اور آدمی سربراہ مملکت بن سکتا ہے، خواہ وہ علم و فضل میں عقل و دانش میں، سیرت کی پختگی اور اخلاق کی بلندی میں اپنی نظیر نہ رکھتا ہو۔ جب برہمن طبقہ نے کھشتریوں کو کاروبار حکومت کا بلاشرکت غیرے مالک بنا دیا تو انہوں نے اس کے عوض برہمنوں کی مذہبی اجارہ داری کو برقرار رکھنے کا ذمہ لے لیا۔ کیونکہ ان کی اپنی بہتری اور بھلائی اسی میں تھی کہ برہمنوں کا مذہبی اقتدار اتنا اعلیٰ و ارفع رہے کہ کوئی ان پر زبان طعن دراز نہ کر سکے، اور کوئی ان کی مذہبی اجارہ داری کو چیلنج نہ کر سکے۔

چھٹی صدی قبل مسیح میں ایسے جرأت مند لوگ میدان میں نکل آئے جنہوں نے ان انسانیت سوز حالات کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔ ان میں سے اگرچہ بعض تحریکیں وقتی جوش خروش کا نتیجہ تھیں اس لیے دیرپا ثابت نہ ہو سکیں، لیکن دو تحریکیں ایسی تھیں جنہیں محض جذبات پر نہیں بلکہ عقلی اور فلسفیانہ بنیادوں پر استوار کیا گیا تھا۔ وہ ایسی طوفانی قوت سے میدان میں نکلیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ برہمنی سامراج کو مع ان کے جملہ معاشرتی

اور معاشی امتیازات کے خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئیں۔ ان میں سے ایک تحریک کا علمبردار ''گوتما'' تھا جو بدھا (روشن ضمیر) کے لقب سے مشہور ہوا اور دوسری تحریک کا قائد ''مہاویر'' تھا۔

ان دونوں میں کئی قدریں مشترک تھیں۔ دونوں کا تعلق مشرقی ہند کے اس خطہ سے تھا جو دریائے گنگا کے شمال میں واقع ہے۔ دونوں کھشتری خاندانوں کے چشم و چراغ تھے۔ دونوں ویدوں کی حاکمانہ حیثیت اور برہمنوں کی مذہبی اجارہ داری کو ختم کرنے کے لیے میدان عمل میں نکلے تھے۔ یہ دونوں مصلح (اصلاح کرنے والے۔ معاشرہ کا بھلا کرنے والے) چاہتے تھے کہ ہندی معاشرہ کی مذہبی بنیادوں کو منہدم کر کے فلسفہ کی اساس پر اس کی ازسرنو تشکیل کی جائے۔ بایں ہمہ یہ دونوں تحریکیں اخلاقی اور اصلاحی تحریکیں تھیں اور اپنے ماننے والوں کو قلبی اطمینان سے بہرہ ور کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔

حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ کچھ عرصہ بعد ان دونوں تحریکوں نے فلسفی نظریہ کی بجائے مذہب کا روپ اختیار کر لیا اور جین مت، ہندومت کا حصہ بن کر رہ گیا۔ بدھ مت اگرچہ اپنی انفرادیت قائم رکھ سکا لیکن وہ بھی ایک مذہب بن گیا۔ بدھ مت میں بھی ہندو دھرم کے متعدد نظریات منتقل ہو گئے۔ علاوہ ازیں بدھ مت کو اپنی جنم بھومی (بھارت) سے بوریا بستر لپیٹنا پڑا۔ اسے اگر پنپنے کا موقع ملا تو اجنبی ممالک میں جیسے چین، جاپان اور دیگر ایشیائی ممالک۔

جین مت

جین مت کا اولیں پرچارک (پرچار کرنے والا مبلغ) ''مہاویر'' تھا۔ اس نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ انسان، حیوان، شجر، حجر، ہر چیز ذی روح ہے اور روح جب بدن کے قفس میں مقید کر دی جائے تو اس کی نجات کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ اس قفس کو توڑ کر اس سے آزاد ہو جائے۔ اس کے نزدیک دعائیں اور پوجا پاٹ محض بے سود ہیں، اس نے اخلاقی اور ذہنی نظم و ضبط کی اہمیت پر بڑا زور دیا۔ بدن کے سارے تقاضوں کو نظرانداز کرنے میں نجات کا راز بتایا۔ جین مت کے مذہبی پیشوا ترک ذات بلکہ فنائے ذات پر اتنا زور دیتے کہ کھانے پینے سے بھی دست کش ہو جاتے۔ یہاں تک کہ وہ بھوک اور پیاس کی شدت سے دم توڑ دیتے۔ ایسی موت کو بڑی شاندار موت کہا جاتا۔

ان کا دوسرا اصول ''اہنسا'' (عدم تشدد) تھا۔ وہ کسی انسان یا حیوان کی جان لینا تو کجا کیڑوں مکوڑوں، جڑی بوٹیوں کو تلف کرنا بھی گناہ کبیرہ سمجھتے تھے۔ ان کے ہاں کھیتی باڑی بھی ممنوع تھی کیونکہ اس سے بھی کیڑے مکوڑے اور جڑی بوٹیاں تلف ہو جاتی تھیں۔ ان کا پسندیدہ پیشہ صرف تجارت تھا۔ آہستہ آہستہ جین مت، ہندو دھرم کی نظریات سے متاثر ہونے لگا۔ مذہبی لوگوں کی طرح انہوں نے بھی کئی دیوتاؤں کی حمد کے گیت گانے شروع کر دیئے اور خود مہاویر کو بھی ایک دیوتا سمجھ لیا گیا اور اس کی پوجا پاٹ

شروع کردی۔

یہ لوگ ضرورت مند طبقہ کو بھاری شرح سود پر قرضے دیا کرتے۔ اس وجہ سے جین مت کے پیروکاروں کا طبقہ ایک دولت مند طبقہ بن گیا۔ اب ان کی تعداد دس لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ ان میں افراط و تفریط کا آپ اندازہ لگائیں۔ ادھر تو نرمی اور عدم تشدد کی یہ کیفیت کہ کیڑوں مکوڑوں اور جڑی بوٹیوں کو بھی تلف کرنا مہا پاپ (گناہ کبیرہ) سمجھتے ہیں اور دوسری طرف غریب اور ضرورت مند افراد سے بھاری شرح پر سود لے کر ان کا خون چوستے ہیں۔

بدھ مت

جین مت سے بھی زیادہ اہم اور موثر بدھ مت کی تحریک تھی جس کے بانی کا نام گوتم یا گوتما تھا۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں شمالی ہند کے معاشرتی اور سیاسی حالات کے بارے میں ایک محقق ''کوسمبی'' (DD.KOSAMBI) کے حوالہ سے ٹریورلنگ اپنی کتاب ''ہسٹری آف ریلجن'' میں لکھتا ہے:

''اس وقت قبائلی حکومتیں، جن کا سربراہ راجہ ہوا کرتا تھا، وہ اپنی نسل کے تجربہ کار اور کہنہ سال ممبروں کے مشورہ سے حکومت کے فرائض انجام دیا کرتا تھا۔ ایسی حکومتیں آہستہ آہستہ ختم ہونے لگیں اور بڑے بڑے بادشاہ وسیع علاقوں پر قابض ہوتے چلے گئے۔ ان بادشاہوں کے حکمرانی کے طور طریقے قبائلی راجوں کے طریقوں سے بالکل مختلف تھے۔ پرانی قسم کے لوگ ان نئے حالات میں اپنے آپ کو ذہنی پراگندگی کا شکار محسوس کرنے لگے۔ اس وقت یہ سوالات لوگوں کو پریشان کر رہے تھے اور وہ ان کے جوابات معلومات کرنے کے لیے از حد بے چین اور بے قرار رہتے تھے کہ

1- روح کی حقیقت کیا ہے؟
2- بعد از مرگ انسان کا مقدر کیا ہوگا؟
3- انسان کیوں رنج والم میں گرفتار ہوتا ہے اور وہ بھی بسا اوقات بلاوجہ۔
4- ان مصائب سے نجات کی راہ کیا ہے؟
5- خیر اعلیٰ کیا ہے اور اسے کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے؟ (ہسٹری آف ریلجن بحوالہ محقق کوسمبی)

یہ حالات تھے جب 563 قبل مسیح میں گوتم پیدا ہوا۔ اس زمانہ میں زرتشت ایران میں اپنے نظریات کی تبلیغ واشاعت میں سرگرم تھا۔ نیپال، بھارت کے سرحدی علاقہ میں ساکیا (SAKYA) کا قبیلہ حکمران تھا۔ اس قبیلہ کے راجہ نے گنگا کے شمالی کوہستانی علاقہ میں قبائلی ریاستوں کا ایک مضبوط وفاق قائم کر دیا تھا۔ اس حکمران کے گھر 563 ق م میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام گوتم یا گوتما رکھا گیا اور جو آگے چل کر بدھ یعنی روشن ضمیر کے لقب سے چار دانگ عالم میں مشہور ہوا۔ گوتم نے اس شاہانہ ماحول میں پرورش پائی۔ اپنی رعایا اور معاشرہ کے

عام آدمی کے حالات کو دیکھ کر وہ گہری سوچ میں پڑ جاتا۔

ایک دن پے در پے چند ایسے واقعات پیش آئے جنہوں نے اسے بے چین کر دیا۔ اس روز اس نے پہلے ایک بہت بوڑھے آدمی کو دیکھا جس کی قوتیں جواب دے گئی تھیں اور بڑھاپے کی کمزوریوں اور ناتوانیوں نے اس کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے قدم اٹھا کر چل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جو ایک موذی اور انتہائی تکلیف دہ بیماری کے چنگل میں پھنسا ہوا تھا اور کراہ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک مردہ کی لاش اس کے احباب جلانے کے لیے مرگھٹ کی طرف لے جا رہے ہیں اور اس کے رشتہ دار اور دوسرے دوست سر جھکائے بڑی خاموشی سے چلتے جا رہے ہیں۔ ان مناظر نے اسے زندگی کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور کر دیا۔

پے در پے ان المناک مناظر کو دیکھنے کے بعد اس کی نظر ایک تارک الدنیا جوگی پر پڑی جو بڑے اطمینان اور سکون سے سڑک پر چلا جا رہا تھا۔ گویا وہ ہر قسم کے غم واندوہ سے آزاد ہے۔ اس سے بھی وہ بہت متاثر ہوا، آخر اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنی اس شاہانہ شان وشوکت کو اس شاندار اور آرام دہ قصر شاہی کو چھوڑ کر کسی ایسے کامل کی تلاش میں نکلے جو اسے اس جوگی کی طرح ہر قسم کے تفکرات اور آلام ومصائب سے نجات دلا کر سکون و اطمینان کی دولت سے مالا مال کر دے۔

ایک رات جب کہ اس کی جواں اور خوبرو بیوی اپنے پلنگ پر محوِ خواب تھی اور اس کا کمسن بچہ اس کے پہلو میں لیٹا ہوا تھا، گوتم نے ان دونوں پر شوق بھری نگاہ ڈالی اور شاہی محل اور شاہانہ زندگی کو الوداع کہتے ہوئے اپنے مقصود کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ اس کے جسم پر قیمتی پوشاک تھی جس میں ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ وہ بھی اتار کر اس نے اپنے باپ کی طرف بھیج دی اور اپنے سر کے بال منڈوا دیئے۔ اس نے ایسے راہبر کامل کی تلاش میں سالہا سال سیاحت میں گزارے لیکن اسے گوہر مقصود دستیاب نہ ہوا۔

وہ انسانیت کے دکھوں کا نہ سبب معلوم کر سکا اور نہ ان کا علاج دریافت کر سکا۔ اثناء سفر اس نے برہمن فلسفیوں کے حلقہ درس میں بھی شرکت کی اور ان سے فلسفہ کا علم حاصل کیا لیکن بے سود۔ پھر اس نے ریاضت شروع کی اور لگاتار چھ سال تک وہ شدید قسم کی ریاضتیں کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ بن کر رہ گیا لیکن اس سے بھی مدعا حاصل نہ ہوا۔ آخر اس نے ریاضت کو ترک کر دیا اور غور وفکر کے لیے مراقبہ کرنا شروع کیا۔ وہ پہروں مراقبہ میں مشغول رہتا۔ اس کی زندگی کا بہترین اور ناقابل فراموش لمحہ طویل انتظار کے بعد اس وقت آیا جب وہ شکستہ دل اور تھکا ماندہ ہو کر بڑ کے ایک بڑے درخت کے نیچے مراقبہ کی حالت میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ غور وفکر میں کھویا ہوا تھا کہ یکا یک اس کے دل میں روشنی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس روشنی سے اس پر وہ راز فاش

ہوئے جن کی تلاش میں وہ سالہا سال سے مارا مارا پھر رہا تھا۔

یہ گیان اسے ''گیا'' کے مقام پر حاصل ہوا۔ ''گیا'' صوبہ بہار کا ایک شہر ہے اور دریائے گنگا میں آ کر ملنے والے ایک چھوٹے دریا ''نیرنجارا'' (NERANJARA) کے کنارے پر آباد ہے۔ اس روشنی نے اس سے بدی اور مصیبت کی حقیقت کو سمجھ لیا۔ چار ہفتے مزید اسی مراقبہ میں وہ منہمک رہا۔ بجائے اس کے کہ وہ اس روشنی کے دیدار میں محو رہتا اور اس سے عمر بھر لطف اندوز ہوتا رہتا اس نے یہ مناسب اور مفید سمجھا کہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی اس راستہ کی نشاندہی کرے جس پر چل کر انہیں بھی یہ روشنی نصیب ہو۔

اس واقعہ کے بعد چالیس سال تک تادم واپسیں وہ اپنے شاگردوں اور چیلوں کو جو حقیقت اس پر منکشف ہوئی تھی اس کی تعلیم دیتا رہا۔ یہاں تک کہ اسی سال کی عمر میں اس نے وفات پائی۔ اس طویل عرصہ میں وہ بھیک مانگ کر اپنا پیٹ بھرتا رہا اور اپنے مشن کی تکمیل میں روز و شب مصروف رہا۔

بدھا نے اپنے نظریہ کو چار مقدس سچائیوں سے تعبیر کیا۔

1- ساری زندگی مصائب و آلام سے عبارت ہے۔ بدھوں کی اصطلاح میں اس کے لیے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ وہ دُکھا (DUKKHA) ہے۔ اس کا معنی برائی یا بیماری یا مصائب کیا گیا ہے۔

2- اس کا سبب خواہش ہے۔

3- اپنی خواہش کو جو شخص ختم کر دیتا ہے گویا اس نے اپنے مصائب کو ختم کر دیا ہے۔

4- خواہش کو ختم کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ اس راستہ کو اختیار کیا جائے جو راستہ بدھا نے بتایا ہے۔

بدھا نے جو راستہ بتایا ہے اس کے تین مرحلے ہیں۔

1- حسن عمل

2- غور و فکر یا مراقبہ

3- حکمت

حسن عمل سے مراد یہ ہے کہ کسی زندہ چیز کی جان تلف نہ کرے۔ کذب بیانی سے باز رہے۔ ایسی چیز نہ لے جو اس کا مالک اسے نہ دے یعنی چوری سے اجتناب کرے۔ جنسی بدکاری سے مکمل پرہیز کرے اور منشیات کا استعمال کلیتہً چھوڑ دے۔

بدھ دھاما (بدھا کا لایا ہوا دھرم، دین) جس کو بدھ دھرما بھی کہتے ہیں۔ اس کی یہ اساس ہے اور اس کے بغیر بدھ کا کوئی پیروکار ترقی نہیں کر سکتا۔

دوسرا نقطہ یا مرحلہ یہ کہ وہ اپنا زیادہ وقت غور و فکر میں گزارے اور مراقبہ میں ایک چیز پر ہی اپنی توجہ مرکوز کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ یہ بدھ دھرما کی نمایاں ترین خصوصیت ہے۔ اس حسن عمل اور مراقبہ کا حاصل یہ ہے

کہ وہ براہ راست اس حقیقت کا مشاہدہ کرنے لگے جس حقیقت کے بارے میں بدھ نے بتایا۔

بدھ نے جو انقلاب آفریں اقدامات کیے، وہ یہ تھے:

1- اس نے ویدک دیوتاؤں کو ختم کر دیا۔
2- قربانی ممنوع کر دی۔
3- ذات پات کے امتیازات کو ختم کر دیا۔
4- برہمنوں کی مذہبی بالادستی کو خاک میں ملا دیا۔
5- سنسکرت کی بجائے عوام کو ان کی مادری زبانوں میں تعلیم دینا شروع کی۔

گھریلو زندگی ہو، ازدواجی مسائل ہوں، کاروباری معاملات ہوں۔ ان کے بارے میں اس کے پند و نصائح بڑے مفید ہوتے، افراط و تفریط سے اجتناب اور میانہ روی اختیار کرنے کی وہ تلقین کرتا۔ وہ بار بار کہتا کہ قواعد و عقائد سے انسان کا عملی رویہ بہت اہم ہے۔ وہ سوشل مصلح سے زیادہ اخلاقیات کا معلم تھا۔ دوسروں کے عقائد پر تند و تیز تنقید کر کے ان کے جذبات کو مجروح نہیں کیا کرتا تھا اور اپنے شاگردوں کو بھی لوگوں کی دلآزاری سے روکا کرتا تھا۔ اس نے جو آخری نصیحت کی وہ یہ تھی۔

''محنت اور جدوجہد سے ہر قسم کی محکومی اور قیود سے آزادی حاصل کرو۔''

بدھا کی زندگی میں اس کی تعلیمات میں مذہبیت کا کوئی عنصر نہ تھا۔ اس کے مرنے کے بعد ایک صدی یا دو صدیوں کے اندر اندر بدھ مت کے پیروکاروں نے اپنی مخصوص مذہبی رسوم، راہبانہ علامات، مافوق الفطرت عناصر وضع کر لیے اور یوں رفتہ رفتہ ہندوستان میں بدھ مت، راہبوں اور راہبات کے طبقہ کا نام بن گیا۔ اس طبقہ میں ہر کس و ناکس کو شریک نہیں کر لیا جاتا تھا بلکہ داخلہ کے امیدواروں کو پہلے طویل ریاضتیں کرنا پڑتیں۔ تربیت کی تکمیل کے بعد امیدوار اپنا سر منڈوا دیتا، زرد رنگ کا لباس پہنتا اور قسم کھا کر یہ وعدہ کرتا کہ وہ افلاس اور پاکیزگی کی زندگی بسر کرے گا۔ بدھ راہب موسم برسات کے تین ماہ اپنی اپنی خانقاہوں میں بسر کرتے۔ باقی ماہ وہ شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں گھومتے رہتے۔ لوگوں سے بھیک مانگتے اور اس سے اپنا پیٹ بھرتے۔

(ہسٹری آف ریلیجن خلاصہ صفحہ 83 تا 87)

اہل ہند برہمنوں کی مذہبی اجارہ داری سے تنگ آ چکے تھے اور معاشرہ کی طبقاتی تقسیم کے باعث ظلم و ستم جو بازار گرم ہو گیا تھا، اس سے وہ دلبرداشتہ ہو چکے تھے۔ ان کے لیے بدھ مت، رحمت کا ایک پیغام ثابت ہوا۔

انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

بدھ مت ہندوستان میں پھیلے ہوئے رسم و رواج کے خلاف ایک صدائے احتجاج تھی جس نے ویدوں کو مسترد کر دیا، طبقاتی تقسیم کو ماننے سے انکار کر دیا، ویدوں میں مذکور سارے دیوتاؤں کی خدائی کے خلاف علم

بغاوت بلند کر دیا اور گوتم بدھ نے اس سے نجات کا ایک آزدانہ طریقہ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 4، صفحہ 273 ایڈیشن 1962ء)

ہندوستان کی آبادی کی اکثریت نے بدھ مذہب کو قبول کیا۔ چند سال قبل جہاں ہندو مت اور برہمنوں کی برتری کا طوطی بول رہا تھا' اب وہاں بدھ مت کے چرچے ہونے لگے۔ اس مذہب کی خوش قسمتی تھی کہ اسے اشوک کنشک اور ہرش جیسے عالی ہمت مہاراجوں کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ انہوں نے اس مذہب کو پھیلانے کے لیے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا۔ ہندوستان کے طول وعرض میں ایسی چٹانیں اور فولادی ستون پائے جاتے ہیں جن پر بدھ مت کے بنیادی اصول کندہ ہیں۔ جو شخص بھی ان چٹانوں یا ان فولادی لاٹوں کے پاس سے گزرتا وہ بدھ کی تعلیمات کا مطالعہ کرتا۔ ان سے متاثر ہوتا اور اس کا مذہب قبول کر لیا۔ مہاراجہ اشوک نے صرف اسی پر اکتفانہیں کیا بلکہ اس نے مختلف ممالک میں تبلیغی وفود بھیجے۔ (ہسٹری آف ریلجن صفحہ 138)

لنکا میں جو وفد اس مقصد کے لیے بھیجا گیا اس کا سربراہ راجہ اشوک کا لڑکا تھا۔ اس وفد نے وہاں کے بادشاہ کو بدھ مت قبول کرنے کی دعوت دی۔ بادشاہ اس وفد کی تبلیغ سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے بدھ مت قبول کر لیا۔ اپنے بادشاہ کی پیروی کرتے ہوئے لنکا کے بے شمار لوگ اس مذہب میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح کشمیر، گندھارا، ہمالیہ کے علاقوں میں بھی تبلیغی وفود بھیجے گئے۔ مغربی ہند، جنوبی ہند، برما، ملایا، سماٹرا تک ایسے مبغلین کی جماعتیں بدھ مت کے پرچار کے لیے بھیجی گئیں اور اکثر علاقوں میں انہیں شاندار کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔

(ہسٹری آف ریلجن صفحہ 138)

مہاراجہ اشوک (اشوکا) نے خود تخت شاہی پر بیٹھنے کے چھ سال بعد بدھ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر بدھ مت کو قبول کیا۔ وہ اس سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے شاہی خزانوں کے منہ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کھول دیئے۔ اس وجہ سے اس مذہب کو ہندوستان میں مزید مقبولیت حاصل ہوئی حتیٰ کہ کئی برہمنوں نے بھی بدھ مت کو بطور مذہب قبول کر لیا۔ تیسری صدی قبل مسیح میں اس مذہب کے مبلغین لنکا پہنچے وہاں سے برما اور تھائی لینڈ گئے، وہاں کے عوام نے اس فرقہ کے عقائد وافکار کو قبول کر لیا۔ نظریاتی طور پر وہ لوگ اب بھی گوتم کو ایک انسان سمجھتے ہیں لیکن عملی طور پر ایک دیوتا کی طرح اس کی پوجا کی جاتی ہے، اس پر پھول اور خوشبو نچھاور کی جاتی ہے۔ ان تمام تغرات وتبدیلیوں کے باوجود گوتم نے عدم تشدد یعنی ''اہنسا کی'' جو تعلیم اپنے شاگردوں کو دی تھی، اس کا اثر اب بھی باقی ہے۔

فرقہ بازی

مسٹر آئی۔ بی ہورنر لکھتے ہیں:

بدھ مت کے ماننے والے بہت جلد اٹھارہ فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ اگر چہ سب کی عقیدت کا مرکز گوتم بدھ کی

ذات تھی لیکن ہر فرقہ نے اپنی عبادت گاہیں اور خانقاہیں الگ الگ بنالی تھیں۔ گوتم بدھ کی موت کے چند ہفتوں بعد اس کے تربیت یافتہ پانچ سو شاگردوں کی ایک کونسل منعقد ہوئی۔ یہ سب لوگ بدھا کے بلاواسطہ شاگرد تھے۔ اس کونسل میں بدھ مت کے بنیادی اصول طے کیے گئے جن کی پابندی ہر اس مرد اور عورت پر لازمی قرار دی گئی جو اپنے آپ کو بدھ مت کا پیروکار شمار کرتا تھا۔ ایک سو سال بعد "وسال" کے مقام پر بدھ مت کے پیروکاروں کا ایک اجتماع ہوا اور پھر ہر سو سال بعد بڑے اجتماع ہوتے رہے۔ ان اجتماعات سے بجائے اس کے کہ ان کے باہمی انتشار پر قابو پا کر ایک پلیٹ فارم پر انہیں متحدہ و متفق کیا جا سکتا ان میں مزید اختلافات کا دروازہ کھلتا چلا گیا۔

بدھ مت کے ویسے تو بے شمار فرقے ہیں لیکن دو فرقوں کو زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ ایک کو ہنایانا (HINAYANA) اور دوسرے کو ماہایانہ (MAHAYANA) کہتے ہیں۔

پہلے فرقے کو بطور طنز اس نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ اس کے ارکان اپنی ذات کی تکمیل کے لیے کوشاں رہتے۔ ان کا کہنا تھا کہ یکے بعد دیگرے تین انسانی زندگیوں میں محنت کرنے سے نروان حاصل ہو جاتا ہے۔

یہ فرقہ اس نظریہ کا قائل ہے کہ جو انسان نروان حاصل کر لے۔ اس پر لازم ہے کہ دوسروں کو نروان سے ہمکنار کرنے کے لیے ان میں گوتم بدھ کی طرح بود و باش اختیار کرے تاکہ ان کی صحبت کے فیض سے دوسرے لوگ بھی خیر اعلیٰ تک پہنچنے کی سعادت حاصل کر سکیں۔ اگرچہ اس فرقہ کا آغاز بڑا شاندار تھا اور ایک عظیم مقصد کو انہوں نے اپنے پیش نظر رکھا تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کی تعلیمات دوسرے مذاہب سے متاثر ہوتی گئیں۔ پہلا فرقہ اپنی صحیح تعلیمات کے ساتھ لنکا میں اب بھی موجود ہے۔

بدھ مت کے دوسرے مشہور فرقہ ماہیانہ نے نیپال، تبت، مشرقی ایشیا میں مختلف روپ اختیار کر لیے وہاں نہ صرف گوتم بدھا کی پوجا کی جاتی بلکہ متعدد دوسرے دیگر ان اشخاص کو بھی معبود کا درجہ دے دیا گیا ہے جنہیں گوتم کا اوتار سمجھا جاتا ہے۔ گویا اس فرقے نے بدھ مت کو ہندومت کے رنگ میں رنگ دیا اور ان کے عقائد کے سانچے میں اپنے عقائد کو ڈھال لیا جن عقائد' ظالمانہ قوانین اور رسم و رواج سے نجات حاصل کرنے کے لیے گوتم نے اپنا شاہی محل' اپنی جوان بیوی اور اپنے کمسن بچے کی جدائی برداشت کی تھی۔ بدھا کی تحریک نے بدھ مت بن کر ان سارے ظالمانہ قوانین و عقائد کو اپنا لیا۔

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کا مقالہ نگار' ماہایانہ فرقہ کے بارے میں اظہارِ رائے کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"بدھ ازم کو ہندومت کے رنگ میں رنگنے کا دوسرا نام "مہایانہ" ہے اس فرقے کے نزدیک بدھا کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ وہ سب سے اعلیٰ ترین ہے اس کی قوتِ دانش مندی کی کوئی حد نہیں۔ بدھا' ویسے تو نروان بہت جلدی حاصل کر سکتا تھا لیکن انسانی مصائب سے شفقت اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے اس مقام پر پہنچنے میں دانستہ تاخیر کی۔"

جین مت کے بارے میں بھی یہ بات واضح ہے کہ انہوں نے رامائنا کو اپنا لیا اور اس کو اپنا مقدس مذہبی صحیفہ یقین کر لیا' یہ تمام چیزیں اس بات پر شہادت دیتی ہیں کہ ان تمام فرقوں نے اس رغبت کا اظہار کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہندوؤں کے عقائد میں مدغم کرنے کے لیے بے تاب ہیں۔(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 12 صفحہ 183)

ہندوؤں کی عملی زندگی

ہندوؤں کے سلسلے میں یہ بات بڑی حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے کہ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ کوئی ہندو ایک خدا کی عبادت کرتا ہے یا متعدد خداؤں کی یا کوئی بھی خدا کا یقین نہیں کرتا یعنی خدا کے وجود کو بالکل نہیں مانتا۔ ان کے نزدیک اہم بات یہ ہے کہ وہ ہندوانہ طریقے پر زندگی گزاریں اور ان رسم و رواج کی پابندی کریں جو صدیوں سے ان کے ہاں جاری ہیں۔ مثلاً شادی بیاہ' مرگ کی رسوم' ذات پات کے نظام کی پابندی وغیرہ وغیرہ۔ اپنے بتوں کے ساتھ وہ انسانوں کی طرح سلوک روا رکھتے' بت اگر گھر میں ہوں تو وہ معزز مہمان ہیں' ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی جاتی اور اگر وہ بت مندر میں ہے تو وہ بادشاہ ہے اس دیوتا کو اس طرح بیدار کیا جاتا ہے جیسے اس نے شب رفتہ اپنی رانی کے ساتھ گزاری ہو۔

پوری رسوم کے ساتھ اسے تخت پر بٹھایا جاتا ہے' تخت کو پہلے دھوتے ہیں' خشک کرتے ہیں' پھولوں کا نذرانہ پیش کر کے اس روٹھے ہوئے دیوتا کو مناتے ہیں۔ عود' لوبان جلایا جاتا ہے' روشنی کی جاتی ہے' کھانا پیش کیا جاتا ہے۔ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس لذیذ کھانے کا روحانی حصہ اس بت نے کھا لیا ہے' باقی اس کے پجاری بطور تبرک اس سے لذت کام و دہن کا سامان کرتے ہیں۔ اس پتھر اور دھات کی بے حس مورتی کو پنکھا جھلا جاتا ہے اور موسیقی سے اس کی تواضع کی جاتی ہے۔ وہ بت اگر کسی بڑے مندر میں ہو تو رقص کرنے والی لڑکیوں کا ایک طائفہ اس کے سامنے رقص پیش کرتا رہتا ہے جس طرح ظاہری بادشاہ اپنی کسی کنیز کو اپنے کسی مہمان کی عزت افزائی کے لیے پیش کرتا ہے اسی طرح دیوتا بھی اپنی دیوداسیوں میں سے کسی پجاری کو شب بسری کے لیے دے دیتا ہے جو مناسب فیس ادا کرے اس مذہبی رنڈی بازی کا عام رواج تھا خصوصاً جنوبی ہند میں لیکن اب یہ رسم ختم ہوتی جا رہی ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا آف لیونگ فیتھ صفحہ 239)

دیگر مذاہب کی طرح یہاں اجتماعی عبادت کا کوئی تصور نہیں' ہر کوئی انفرادی طور پر پوجا کرتا ہے' درگا اور سیوا کے لیے جانوروں کی قربانی کا اب بھی رواج ہے۔ قربانی پیش کرنے والا قربانی کا خون درگا کو پیش کرتا ہے' گوشت کا پسندیدہ ٹکڑا برہمن لے اڑتا ہے اور باقی قربانی دینے والا خود کھاتا ہے یا دوسرے پجاریوں کو بھی کھانے کی دعوت دیتا ہے۔

ان کے نزدیک عورت کسی حال میں آزاد نہیں۔ بچی ہے تو باپ کے زیر فرمان' جوان ہے تو خاوند کی خدمت گزار' بوڑھی ہے تو اولاد کے ٹکڑوں کی محتاج' زیورات کے سوا وہ کسی اور جائیداد کی مالک نہیں بن سکتی اس پر فرض

ہے کہ ہر حالت میں اپنے خاوند کا انتظار کرے اس کے جاگنے سے پہلے جاگے اس کے سونے کے بعد سوئے۔

(انسائیکلوپیڈیا آف لیونگ فیتھ صفحہ 241)

تعدادِ ازواج کی ہندومت میں اجازت ہے عام ہندو چار شادیاں کر سکتے ہیں اور راجاؤں کے لیے بیویوں کی کوئی تعداد معین نہیں، وہ جتنی عورتوں کو چاہیں، اپنی بیوی کے طور پر نہ رکھ سکتے ہیں۔

ہندو معاشرہ میں ستی کی رسم کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور اس کو عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جو بیوہ اپنے خاوند کی چتا میں اپنے آپ کو ڈال دیتی اور جل کر خاکستر ہو جاتی اس کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے جاتے اور جو عورت ایسا نہ کرتی اور زندہ رہنے کو ترجیح دیتی تو اسے گونا گوں محرومیوں کا شکار بننا پڑتا۔ خوب صورت رنگین لباس وہ نہیں پہن سکتی، زیورات استعمال کرنے کی اسے اجازت نہ تھی، دوبارہ شادی کے دروازے اس پر بند تھے اس پر لازم تھا کہ وہ اپنا سر منڈائے رکھے۔ غرضیکہ ہر قسم کی زیب وزینت سے اسے کلیتاً محروم کر دیا جاتا اور اس کی نندیں اس کے غم زدہ دل پر طعن وتشنیع کے تیروں کی بوچھاڑ کرتی رہتیں اور اس کا جینا دوبھر کر دیتیں۔

(انسائیکلوپیڈیا آف لیونگ فیتھ صفحہ 242)

ذات پات کی تقسیم کے باعث معاشرے میں عجیب قسم کے نشیب وفراز رونما ہو گئے تھے، صرف برہمن کے لیے وید پڑھنا جائز تھا، کھشتری، وید نہیں پڑھ سکتے تھے۔ صرف سننے کی ان کو اجازت تھی اور بے چارے شودروں کو تو یہ بھی اجازت نہ تھی کہ وہ اپنی الہامی کتاب کو سن بھی سکیں۔ ہزاروں سال تک بھارت کا انسانی معاشرہ، ظلم وستم اور بے انصافی کی چکی میں پستا رہا اور کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ اس معاشرے کو حرماں نصیبی اور محرومی کی زندگی سے نجات دلائے۔

رام موہن رائے (1772ء تا 1833ء) بنگال کے ایک برہمن خاندان سے اُٹھا اور اس نے اعلان کیا کہ ہندومت، دینِ توحید ہے اس میں بتوں کی پوجا کا کوئی تصور نہیں اس طرح ذات پات کی تقسیم کے خلاف بھی اس نے احتجاج کیا۔ نیز ایک اجتماعی عبادت کا نظام اپنے معتقدین کے لیے قائم کیا۔

پنڈت سوامی دیانند سرسوتی 1824ء سے 1883ء نے "ستیارتھ پرکاش" کتاب لکھ کر ان تمام خرافات کی بڑی شدت سے تکذیب کی اور ہندو مذہب میں جو بگاڑ پیدا ہوا تھا اس کی ساری ذمہ داری برہمنوں پر عائد کی۔ ان کے علاوہ انفرادی طور پر بھی اصلاح احوال کی کوششیں کی گئیں لیکن وہ بے سود رہیں اور ابھی تک ہندو معاشرے کی غالب اکثریت اپنی قدیم فرسودہ رسوم کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے۔

ابتدا میں علامہ البیرونی کا تعارف کرایا جا چکا ہے اور انہوں نے ہندوستان میں اپنے پندرہ سالہ قیام کے دوران جو معلومات حاصل کیں، ان کو انہوں نے کتابی شکل میں مدون (جمع) کیا اس کا نام انہوں نے "تحقیق ماللہند" رکھا۔ ابتدا میں ہم نے علامہ البیرونی کے حوالے سے اہل ہند کے عقائد کے بارے میں آپ کی خدمت

میں کچھ حقائق پیش کیے اس سلسلے میں وہ مزید لکھتے ہیں:

ہر مذہب کا اور اس کے ماننے والوں کا ایک خصوصی شعار ہوتا ہے جس سے انہیں دوسرے مذاہب اور ملل (مذہبی لوازمات) سے ممتاز کیا جاتا ہے جس طرح مسلمانوں کا شعار کلمہ شہادت ہے' عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث اور یہودیوں کا یوم سبت کی تقدیس اسی طرح تناسخ کا عقیدہ ہندو مذہب کا خصوصی شعار ہے جو اس کا قائل نہیں' وہ ہندو دھرم کا فرد نہیں۔ باس اپنے ایک ساتھی ارجن کو عقیدہ تناسخ کی حقیقت سمجھاتا ہے اور بتاتا ہے کہ موت کے بعد اگرچہ جسم فنا ہو جاتا ہے لیکن روح باقی رہتی ہے اور وہ اپنے اچھے اعمال کی جزا اور بُرے اعمال کی سزا بھگتنے کے لیے دوسرے اجسام کے لباس پہن کر اس دنیا میں لوٹ آتی ہے اور یہ چکر غیر متناہی مدت تک جاری رہتا ہے۔

(تحقیق ماللہند خلاصہ صفحہ 555)

ہندی معاشرے کو جن مختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا تھا اس کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے محقق' مؤرخ البیرونی لکھتے ہیں:

پہلے زمانے میں بادشاہ اپنی رعایا کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیتے تھے اور ہر طبقے کے ذمہ ایک کام کی تکمیل کا فریضہ ہوتا تھا اس طبقاتی تقسیم میں ردوبدل کا کسی کو اختیار نہ تھا' بڑی سے بڑی ملکی یا قومی خدمت یا بھاری بھر کم رشوت سے بھی یہ تبدیلی ممکن نہیں بنائی جاسکتی تھی۔ شہنشاہ ایران ''اردشیر'' نے اپنی رعایا کو مندرجہ ذیل طبقات میں تقسیم کر دیا تھا۔

1- شاہی خاندان کے افراد کا طبقہ سب سے اعلیٰ تھا۔

2- آتش کدوں کے خدام عبادت گزار اور مذہبی پروہتوں کو دوسرے طبقے میں رکھا گیا تھا۔

3- اطباء' منجمین' اصحاب علوم وفنون کو تیسرے طبقے سے شمار کیا جاتا تھا۔

4- کاشت کاروں اور اہل حرفہ کو چوتھا طبقہ کہا جاتا تھا۔

اسی طریقے پر اہلِ ہند نے بھی اپنے معاشرے کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر طبقے کے لیے ان کے فرائض ذمہ داریاں اور ان کے حقوق متعین کر دیئے گئے تھے' کسی کی مجال نہیں تھی کہ ان میں ردوبدل کر سکے۔

ان چاروں طبقات میں سے اعلیٰ ترین طبقہ برہمنوں کا تھا کیونکہ ان کے زعم باطل کے مطابق ان کی تخلیق براہم کے سر سے ہوئی تھی' دوسرا طبقہ کھشتریوں کا تھا' جنہیں براہم کے کندھوں اور ہاتھوں سے پیدا کیا گیا تھا' تیسرا طبقہ ویش کا تھا جو براہم کے پاؤں سے تخلیق کیے گئے تھے جن کا کام تجارت اور کھیتی باڑی تھا اور سب سے گھٹیا طبقہ شودروں کا تھا' یہ مشہور ہے کہ ان کا باپ شودر تھا اور ان کی ماں برہمن۔ دونوں نے باہمی زنا کیا اس سے یہ طبقہ پیدا ہوا اس لیے یہ حد درجہ گھٹیا لوگ ہیں اور ان کو اجازت نہیں کہ وہ شہروں میں عام بستیوں میں آباد ہوں' ان کے لیے یہ بھی پابندی تھی کہ نہ وہ خود اپنی مذہبی کتب' ویدوں کو پڑھ سکتے تھے اور نہ ان کو ایسی محفلوں میں شرکت کی

اجازت تھی جن میں وید پڑھا جانا ہوتا۔ اور اگر ویش یا شودر نے وید سنا ہے تو برہمن اسے حاکم وقت کے پاس پیش کرتے جو سزا کے طور پر ان کی زبانیں کاٹ دیتا۔ (تحقیق ماللہند' البیرونی صفحہ 75,74)

ان طبقات کا ذکر کرتے ہوئے علامہ البیرونی لکھتے ہیں:

''اسلام نے تمام انسانوں کو خواہ وہ کسی خاندان سے تعلق رکھتے ہوں' مساوی درجہ دیا ہے۔ صرف تقویٰ اور پارسائی کی بناء پر کسی کا درجہ دوسرے سے بلند اور برتر ہو سکتا ہے۔''

علامہ لکھتے ہیں:

''اسلام کا یہ نظریہ مساوات ہندوؤں کے لیے ایک ایسا حجاب ہے (عدم مساوات کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ہے) جس کے باعث وہ اسلام کو قبول نہیں کرتے اور اس کی تعلیمات سے دُور بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' (تحقیق ماللہند' البیرونی صفحہ 76)

قانون کا ماخذ ومعیار واطلاق

یونانیوں کی طرح اہلِ ہند کا بھی یہ نظریہ تھا کہ قانون بنانے کا کام علماء اور حکماء سے وابستہ ہے اس لیے وہ قانون سازی کے معاملے میں صرف اپنے علماء کی طرف ہی رجوع کیا کرتے تھے۔

اہلِ ہند کے نزدیک اس بات میں کوئی قباحت نہ تھی کہ پہلے احکام کو منسوخ کر کے ان کے بجائے نئے احکام کا نفاذ عمل میں لایا جائے۔ وہ کہتے کہ بہت سی چیزیں باس دیو کی آمد سے قبل مباح تھیں' بعد میں انہیں حرام کر دیا گیا' ان میں سے ایک گائے کا گوشت ہے جو پہلے حلال تھا' سب لوگ اسے کھاتے تھے پھر لوگوں کی طبیعتوں میں تبدیلی آ گئی' گائے کا گوشت بہت گراں ہو گیا تو اس کو حرام کر دیا گیا۔

نکاح اور نسب کے مسائل میں بھی اس قسم کی تبدیلیاں لائی گئیں اس وقت تین صورتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ میاں بیوی کی مقاربت سے اولاد پیدا ہو جیسا کہ آج کل بھی ہے۔

دوسری یہ کہ باپ جب اپنی لڑکی کو بیاہ دیتا تو اس وقت شرط لگاتا کہ اس کے بطن سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ اس کے داماد کا بیٹا نہیں کہلائے گا بلکہ اس کا بیٹا کہلائے گا۔

تیسرا یہ کہ کوئی اجنبی کسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرے اس سے جو اولاد پیدا ہو اس کا باپ وہ اجنبی شخص نہیں ہوگا بلکہ اس عورت کا خاوند ہوگا کیونکہ زمین خاوند کی ہے اور اس اجنبی نے زمین کے مالک کی اجازت سے اس میں بیج ڈالا ہے اس وجہ سے ''پانڈو'' کو ''شنتن'' کا بیٹا کہا جاتا ہے۔ شنتن بادشاہ تھا اس کے لیے کسی رشی نے بددعا کی جس کے باعث بیوی سے صحبت پر وہ قادر نہ رہا۔ اس نے ''بیاس بن پراشر'' کو کہا کہ وہ اس کی بیویوں کے ساتھ مقاربت کرے اور ان کے شکم سے اس کے لیے بیٹا پیدا کرے۔ شنتن کی پہلی بیوی جب بیاس کے پاس گئی تو اس پر کپکپی طاری ہو گئی' اسے جو حمل ہوا اس سے جو بچہ پیدا ہوا' وہ بیمار اور زرد رو تھا۔ پھر اس نے اپنی دوسری رانی

بیاس بن پراشر کے پاس بھیجی اس نے شرم وحیا کے باعث اپنا منہ اپنی اوڑھنی سے ڈھانپ لیا اس طرح جو بچہ پیدا ہوا وہ مادرزاد اندھا تھا آخر اس نے اپنی تیسری رانی کو اس کی طرف بھیجا اور اسے وصیت کی کہ نہ اس سے ڈرے اور نہ اس سے حیا کرے۔ چنانچہ وہ ہنستی مسکراتی اس کے پاس گئی اور اس سے "پانڈو" پیدا ہوا جو پرلے درجے کا عیار اور عیاش تھا۔ پانڈو کے چار بیٹوں کی ایک مشترکہ بیوی تھی جو ایک ایک ماہ ہر ایک کے پاس ٹھہرتی۔

(تحقیق ماللہند' البیرونی صفحہ 82)

ان کی مذہبی کتابوں میں مرقوم ہے کہ "پراشر" جو بڑا زاہد اور پارسا تھا' وہ ایک دفعہ ایک کشتی میں سوار ہوا اس کشتی میں ملاح کی بیٹی تھی جس نے اس کا دل لوٹ لیا۔ اس نے اس کو بہلانا پھسلانا شروع کیا تاکہ وہ اسے اپنے ساتھ مجامعت کرنے دے یہاں تک کہ وہ اس کام کے لیے رضامند ہوگئی جب کشتی کنارے پر آ لگی تو وہاں کوئی اوٹ نہیں تھی جس کے پردے میں وہ یہ قبیح حرکت کرسکیں اسی وقت ایک بیل اُگی اور اتنی بڑھی کہ اس کے پردے میں انہوں نے مجامعت کی اور اس زنا سے جو بچہ پیدا ہوا اس کا نام "بیاس" ہے جو ان کے نامور فضلاء میں شمار ہوتا ہے۔ (تحقیق ماللہند' البیرونی صفحہ 83)

کشمیر کے پہاڑی علاقے میں اب بھی ہندوؤں میں اس قسم کی رسواکن شادیاں ہوتی رہتی ہیں۔ متعدد بھائی ایک بیوی کو اپنی زوجہ بنائے رکھتے ہیں' اسلام سے قبل عرب میں بھی اس قسم کی ذلت آمیز شادیوں کا رواج تھا۔ ان میں سے ایک زواج (زواج بدل) بدال ہوتا تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو کسی شخص کے لیے مباح کر دیتا ہے اور وہ شخص اس کے بدلے میں اپنی بیوی کو اجازت دے دیتا کہ وہ اس شخص کے ساتھ ہم بستری کرے۔

(تحقیق ماللہند' البیرونی صفحہ 83)

عجیب وغریب عادات

علامہ البیرونی نے ان کی بعض عجیب وغریب عادات کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے سے قبل ان کے رہن سہن کے طور طریقے کیسے تھے اور ان کا تمدن کتنا گھٹیا تھا۔ وہ اپنے جسم کے بال نہیں مونڈا کرتے تھے' ان کے ہاں موسم گرما میں سخت گرمی ہوتی تھی اس لیے وہ ننگے رہتے تھے اور سر کو سورج کی تمازت سے بچانے کے لیے اپنے بڑھے ہوئے غیر تراشیدہ بالوں سے ڈھانپا کرتے تھے۔ وہ اپنی داڑھی کو مینڈھیوں میں گوندھ دیا کرتے تھے۔ وہ اپنے زیر ناف بالوں کو بھی صاف نہیں کرتے تھے' وہ اپنے ناخنوں کو کاٹتے نہیں تھے اور اپنے بڑھے ہوئے ناخنوں پر اِترایا کرتے تھے اور اس کو اپنی امارت وثروت کی علامت قرار دیتے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کوئی کام نہیں کرتے' ان کے سارے کام ان کے نوکر اور نوکرانیاں کیا کرتی ہیں۔ نیز ان بڑھے ہوئے ناخنوں سے وہ اپنے سروں کو کھجلایا کرتے تھے اور ان کے بالوں میں جوؤں کا جو لشکر رواں دواں رہتا تھا' ان کو پکڑنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

وہ ایسے چبوترے پر بیٹھ کر کھانا کھاتے جو گائے کے گوبر سے لیپا گیا ہوتا' مل کر کھانا کھانے کا ان کے ہاں رواج نہ تھا' ہر شخص علیحدہ علیحدہ کھانا کھاتا اور جو بچ جاتا اس کو استعمال کرنا بھی ممنوع تھا اس کو باہر پھینک دیا جاتا تھا۔ عام طور پر مٹی کے بنے ہوئے برتن ہی ان کے ہاں استعمال ہوتے تھے' کھانے کے بعد برتنوں کو بھی وہ باہر پھنکوا دیا کرتے تھے' پان کا استعمال عام تھا جس سے ان کے دانت سرخ رہتے تھے' وہ نہار منہ شراب پیا کرتے اور اس کے بعد کھانا تناول کرتے وقت وہ گائے کا پیشاب بھی چسکیاں لے کر پیتے لیکن اس کا گوشت نہ کھاتے۔

وہ سرنگی کی تاروں پر مضراب لگا کر مختلف راگ پیدا کرتے' وہ دھوتیاں باندھا کرتے اور بعض لوگ صرف دو انگلی چوڑی لنگوٹی سے ستر عورت کا تکلف کرتے۔ بعض لوگ ایسی شلوار پہنتے جس میں کثیر مقدار روئی ٹھونسی ہوتی جس سے کئی لحاف بنائے جا سکتے۔ آزاد بند پیچھے کی طرف باندھتے تھے' ان کے بٹن بھی پشت کی جانب ہوتے' ان کی واسکٹیں بھی عجیب قسم کی ہوتیں' بہت تنگ جرابیں جن کو پہننا ایک مسئلہ بن جاتا۔ غسل میں' پہلے پاؤں دھوتے پھر منہ دھوتے' وہ پہلے غسل کرتے پھر صحبت کرتے۔

کھیتی باڑی کا کام ان کی عورتیں کرتیں' مرد آرام سے گھر بیٹھے رہتے' ان کے مرد عورتوں کی طرح رنگین لباس پہنتے نیز کانوں میں بالیاں' ہاتھوں میں کڑے' انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں پہنتے اور بغیر زین کے گھوڑوں پر سواری کرتے' اپنی کمر کے ساتھ ایک خنجر آویزاں رکھتے اور گلے میں زنار پہنتے' ولادت کے وقت عورت کی بجائے مرد دایا کا کام کرتے' وہ چھوٹے بیٹے کو بڑے بیٹے پر فضیلت دیتے' وہ گھروں میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب نہ کرتے لیکن گھروں سے نکلتے وقت اذن لیتے۔

مجالس میں چوکڑی مار کر بیٹھتے اور بزرگوں کے سامنے ناک صاف کرنے میں کوئی کراہت محسوس نہ کرتے' بھری محفل میں جوئیں مارنے سے احتراز نہ کرتے' زور سے ریح خارج کرنے کو باعث برکت سمجھتے لیکن چھینک مارنے کو بُرا شگون قرار دیتے۔ پارچہ باف (جولاہے' دھوبی) کو گندا اور حجام کو نظیف (صاف ستھرا) خیال کرتے جو شخص ان کے کہنے پر ان کو پانی سے غرق کر دیتا یا آگ میں جلا دیتا اس کو اُجرت ادا کرتے۔ یہ ان کے اطوار اور طرز بود و باش کی نامکمل فہرست ہے اس کی مکمل فہرست میں ایسی چیزیں بھی ہیں جن کے ذکر سے حیا مانع ہے اور نہ اس کتاب کی شان کے شایان ہے کہ ایسی حیا سوز باتوں کا ذکر کیا جائے۔ جادو کا رواج ان کے ہاں عام تھا اور اس پر انہیں شدت سے اعتقاد تھا۔ یہ سب حالات علامہ البیرونی کی کتاب تحقیق ماللہند سے ماخوذ ہیں۔

(تحقیق ماللہند خلاصہ صفحہ 144 تا 146)

عدل وانصاف اور اس کا معیار

ہندی معاشرے میں نظام عدل وانصاف کے خدوخال اختصار کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔

قاضی ہر مدعی کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنا دعویٰ تحریری طور پر پیش کرے اور ایسے گواہ بھی پیش کرے جن سے اس کا

دعویٰ ثابت ہوتا ہو۔ عام طور پر گواہوں کی تعداد کم از کم چار مقرر تھی لیکن اگر گواہ ایسا ہوتا جس کی ثقاہت (نیک نامیٔ سچ بولنا) قاضی کے نزدیک مسلم ہوتی تو پھر اس ایک گواہ کی گواہی سے بھی قاضی مقدمہ کا فیصلہ کر دیتا۔ قاضی پر لازم تھا کہ وہ راز داری سے بھی حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کرے اور ظاہری علامات وقرائن سے بھی استدلال کرے اگر مدعی گواہ پیش نہ کر سکتا تو پھر مدعاعلیہ پر لازم تھا کہ وہ قسم اُٹھائے۔ مدعاعلیہ کے لیے یہ بھی جائز تھا کہ وہ مدعی کو قسم کھانے کے لیے کہے۔

قسم کی مختلف صورتیں تھیں جس قسم کا دعویٰ ہوتا' اسی انداز کی قسم بھی ہوتی۔ اگر معمولی سی چیز کا دعویٰ ہوتا اور مدعاعلیہ اس پر رضامند ہوتا کہ مدعی ہی قسم کھائے تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پانچ برہمن عالموں کے سامنے کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو میرے نیک اعمال کا ثواب جو اس دعویٰ کے 8 گنا کے برابر ہو اس کو دے دیا جائے اگر دعویٰ سنگین نوعیت کا ہوتا تو اس کے لیے قسم اُٹھانے کی یہ صورت تھی کہ قسم اُٹھانے والے کے سامنے زہر کا پیالہ پینے کے لیے پیش کیا جاتا اور اسے کہا جاتا کہ اگر وہ سچا ہوگا تو وہ زہر اس پر اثر نہیں کرے گا۔

اس سے بھی سنگین قسم یہ تھی کہ قسم اُٹھانے والے کو ایک تیزی سے بہنے والی اور گہری نہر کے کنارے پر لایا جاتا یا ایسے کنویں کے کنارے پر اسے کھڑا کیا جاتا جو بہت گہرا ہوتا اور اس میں پانی کی کثیر مقدار ہوتی اس پانی کو مخاطب کرتے ہوئے ملزم کہتا' اے پانی! تو پاکیزہ ملائکہ میں سے ہے' ظاہر و باطن سے آگاہ ہے اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو مجھے قتل کر دے اگر میں سچ بول رہا ہوں تو میری حفاظت کر پھر پانچ آدمی اس کو اُٹھا کر اس گہری اور تند روندی میں یا گہرے کنویں میں پھینک دیتے اگر وہ سچا ہوتا تو نہ ڈوبتا اور اگر جھوٹا ہوتا تو پانی اس کو موت کا جام پلا دیتا۔

سب سے زیادہ سنگین نوعیت کی قسم کا طریقہ یہ تھا کہ قاضی فریقین کو اس شہر میں جو سب سے زیادہ قابلِ احترام بت خانہ ہوتا وہاں بھیج دیتا۔ مدعاعلیہ ایک دن پہلے روزہ رکھتا دوسرے دن نیا لباس پہن کر مدعی کے ساتھ مل کر کھڑا ہو جاتا۔ بت خانہ کے خدام اس بت پر پانی ڈالتے اور اس (ملزم) کو پلاتے اگر وہ جھوٹا ہوتا تو فوراً اس کو خون کی قے آنے لگتی۔

ایک طریقہ یہ بھی رائج تھا کہ لوہے کو آگ میں اس حد تک تپایا جاتا کہ وہ پگھلنے کے قریب ہو جاتا پھر منکر (جرم کا اقرار نہ کرنے والا) کی ہتھیلی پر ایک پتہ رکھا جاتا اس کے اوپر یہ گرم ٹکڑا رکھا جاتا اور اسے کہا جاتا کہ وہ سات قدم اُٹھائے پھر اس ٹکڑے کو پھینک دے اگر وہ جھوٹا ہوگا اس کا ہاتھ جل جائے گا ورنہ نہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی طریقے تھے جن سے قسم اُٹھانے والے کی سچائی یا کذب بیانی کا وہ پتہ لگاتے۔

(تحقیق ماللہند البیرونی صفحہ 475,474)

ان کے نظام عدل کے بارے میں ایک چیز مزید غور طلب ہے جس نے ان کے نظام عدل کو نظام جور وستم میں تبدیل کر دیا تھا۔ وہ یہ کہ فیصلہ کرتے ہوئے دیکھا جاتا کہ ملزم کون ہے اگر ملزم اعلیٰ ذات کا فرد ہوتا تو اس کے

لیے اور سزا مقرر کی جاتی اگر ادنیٰ طبقہ کا فرد ہوتا تو اسے اور سزا دی جاتی جو اعلیٰ طبقہ کی سزا سے شدید تر ہوتی۔ اگر قاتل برہمن ہوتا اور مقتول کسی اور طبقے سے تو برہمن سے قصاص نہ لیا جاتا بلکہ اس پر صرف کفارہ لازم ہوتا یعنی وہ روزہ رکھے، صدقہ خیرات دے اور پوجا پاٹ کرے اور اگر قاتل مقتول دونوں برہمن ہوتے تو قاتل برہمن سے کفارہ بھی نہ لیا جاتا بلکہ اس کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیا جاتا۔ قتل کے سوا دوسرے جرائم جن کی سزا قتل تھی، یہ تھے، گائے کا ذبح کرنا، شراب پینا، زنا کرنا، برہمن اور کھشتری کو کوئی سزا نہ دیتے صرف اس کو مالی جرمانہ کرتے یا اس کو ملک بدر کر دیتے۔ (مسلم ثقافت صفحہ 16 بحوالہ سیتارتھ پرکاش، گیارہواں سمو داس صفحہ 738)

اس سے پہلے البیرونی کے حوالے سے لکھا ہے کہ آریوں کا اصلی مذہب عقیدۂ توحید تھا اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے البیرونی نے ویدوں، پانجلی، بھگوت گیتا سے حوالے پیش کیے ہیں لیکن جب مہابھارت کی جنگ ہوئی تو بڑے بڑے عالم، راجہ، رشی، مہارشی مہابھارت کی جنگ میں مارے گئے تو ویدوں کی تعلیم اور آریہ عقائد کی اشاعت بند ہو گئی۔ مولانا عبدالمجید سالک نے اپنی تصنیف ''مسلم ثقافت'' میں ''سیتارتھ پرکاش'' کے حوالے سے نقل کیا ہے:

''مذہب خاص لوگوں کے قبضے میں آ گیا جو من گھڑت عقیدوں کی تبلیغ کرنے لگے۔ برہمنوں نے اپنی روزی کا بندوبست کرنے کے لیے کھشتری اور دوسری قوموں کو یہ اپدیش (سبق دیا، پیغام دیا) کہ ہم ہی تمہارے معبود ہیں، ہماری خدمت کے بغیر تم کو مکتی (سہولت، آزادی) حاصل نہیں ہوگی''۔

(مسلم ثقافت صفحہ 16 بحوالہ سیتارتھ پرکاش سمو داس 11، صفحہ 738)

ان کے عقائد کے بگاڑ نے عجیب و غریب عملی صورت اختیار کر لی جس کے ذکر سے ہی جبین حیا عرق آلود ہو جاتی ہے لیکن قارئین کو صورتِ حال کی سنگینی سے آگاہ کرنے کے لیے ان امور کا ذکر کرنا بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔ مولانا سالک اپنی کتاب ''مسلم ثقافت'' میں لکھتے ہیں:

''اس زمانے میں ہندوستان کے اندر ایک ایسا مذہب پیدا ہو گیا تھا جو صرف خواہشات نفسانی پر مبنی تھا اس میں شراب کی پوجا کی جاتی اور ایک برہنہ مرد کے ہاتھ میں تلوار دے کر اس کو مہادیو کہہ کر اور ایک ننگی عورت کو دیوی قرار دے کر ان دونوں کی پوجا کی جاتی''۔ (مسلم ثقافت صفحہ 16)

مندروں میں مرد و زن کے برہنہ مجسمے اور تصویریں اب بھی دیکھنے والوں کو محو حیرت کر دیتی ہیں۔ کیا یہ وہ عبادت گاہیں جن کا مقصد پاکیزہ سیرت کی تعمیر اور اخلاق کی تطہیر ہے؟ ان مقامات پر اس قسم کے ہیجان انگیز اور اخلاق سوز مجسموں کو لوگ تقدس کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی پوجا پاٹ کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے جب ان کے معبودوں کی عریانی فحاشی کا یہ عالم تھا تو ان کے پجاریوں کی اخلاق باختگی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

مقام عورت و اخلاقی حالت

ایک ہی طبقہ کے مرد و زن کے حقوق بھی یکساں نہیں تھے۔ عورت' مرد کی نوکر خدمت گزار و خادمہ تھی۔ اگر اس کا خاوند عنفوان شباب میں ہی مر جائے تو اس کے لیے باعزت اور بہترین طریقہ یہ تھا کہ وہ مرد کی لاش کے ساتھ ہی جل کر ''ستی'' ہو جائے اور اگر وہ اپنے آپ کو جلا دینے کی جرأت نہیں کر سکتی تو اسے ساری عمر ایسی زندگی بسر کرنا ہوگی جس میں اسے نہ اچھا لباس پہننے کی اجازت ہوگی نہ وہ زیورات سے اپنی آرائش کرنے کی مجاز ہوگی۔ اسے دوسری شادی کرنے کی بھی اجازت نہیں ہوگی' خواہ وہ اس وقت بیوہ ہوئی ہو جب کہ اس نے ابھی جوانی میں قدم رکھا ہو۔ عورت زیورات کی مالک تو ہو سکتی ہے لیکن کسی غیر منقولہ جائیداد کی مالک نہیں بن سکتی۔

عورت ہر حالت میں غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھی' بچی تھی تو باپ کے حکم کی پابند' بیاہی گئی تو خاوند کے ہر حکم کی پابند' بااولاد ہوگئی تو بچوں کا ہر حکم ماننا اس پر واجب۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ مرد سے پہلے نہ سوئے اور مرد کے بیدار ہونے سے پہلے جاگ اُٹھے۔ آریوں کے نزدیک تعدادِ ازدواج کی اجازت تھی' چار عورتوں سے بیک وقت شادی کر سکتے تھے اور ان کے راجے مہاراجے ہر قسم کی پابندی سے بالاتر تھے' انہیں اَن گنت عورتوں کے ساتھ شادیاں رچانے کی کھلی چھٹی تھی۔

''سوما'' کے پودے کو تمام پودوں کا بادشاہ کہا جاتا اور اس سے کشید کی ہوئی شراب کو پجاری پی کر پوجا کیا کرتے۔ سوما خود بھی ان کے دیوتاؤں میں سے ایک دیوتا تھا جس کی پوجا کی جاتی تھی کیونکہ اس سے ایسی عمدہ اور نشہ آور شراب بنتی تھی جسے پی کر انسان سرمست و مخمور ہو جاتا''۔

بڑے بڑے مندروں میں دیوداسیوں کے طائفے ہوتے تھے جوان مورتیوں کے سامنے رقص کیا کرتیں اور گیت گایا کرتیں اور مندر کے پروہت کو اختیار تھا کہ وہ کسی پجاری کو خوش کرنے کے لیے کسی دیوداسی کو اس کے پاس شب بسری کے لیے بھیج دے۔

اس میں شک نہیں کہ تمام مندروں میں پیشہ ور عورتیں ناچنے کے لیے اپنی زندگی کو وقف کیے ہوئے تھیں۔ خاص کر شیو دیوتا کے مندروں میں یہ رسم عام تھی اور راجے ان مندروں سے خاص آمدنی حاصل کرتے تھے۔

(مسلم ثقافت صفحہ 36)

آج بھی ان کے قدیم مندروں کو دیکھا جائے تو ان مندروں کے باہر اندر عورتوں کی برہنہ تصاویر اور برہنہ مجسمے جگہ جگہ نظر آتے ہیں' مہادیو کے عضو تناسل کی پوجا ان کے ہاں عام ہوتی تھی جس میں مرد و زن پیر و جواں سب شریک ہوتے ہیں اور اس کی شبیہ بنا کر اپنے گلے میں آویزاں رکھتے ہیں۔ سوامی دیانند سرسوتی اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں:

''حقیقت میں ہندوؤں کی خرابی کے آثار مہابھارت کی جنگ سے ایک ہزار سال پیشتر ہی رونما ہو

چکے تھے......مہا بھارت کی جنگ کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جوا دھڑ لے سے کھیلا جاتا تھا جس میں بیویاں اور سلطنتیں تک داؤ پر لگائی جاتی تھیں۔ اچھی خاصی عالی خاندان کی عورتیں بیک وقت پانچ پانچ خاوند کر لیتی تھیں۔'' (مسلم ثقافت صفحہ 40 از مولانا عبدالمجید سالک بحوالہ سوامی دیانند سرسوتی)

سوامی دیانند کے حوالہ سے ہی مولانا سالک لکھتے ہیں:

''اب ان خودغرض مذہبی پیشواؤں نے ایسے باطل مذہبوں کی تلقین شروع کی جس سے کوئی بداخلاقی گناہ نہ رہی۔ زنا کاری کی نہ صرف عام اجازت دے دی گئی بلکہ ایک خاص موقع ''بھیرویں چکر'' پر شراب خوری اور زنا کاری مذہباً فرض قرار دے دی گئی اس موقع پر مرد و عورت سب ایک جگہ جمع ہوتے' مرد ایک ایک عورت کو مادرزاد برہنہ کر کے پوجا کرتے اور عورتیں کسی مرد کو ننگا کر کے پوجتیں اس موقع پر شراب پی جاتی اور بدمست ہو کر کوئی کسی کی عورت کو' کوئی اپنی یا کسی دوسرے کی لڑکی کو' کوئی کسی اور کی یا اپنی ماں. بہن. بہو وغیرہ کو جو وہاں موجود ہوتی' پکڑ لیتا اور جس کے ساتھ چاہتا' بدفعلی کر سکتا تھا۔

اس مذہبی تقریب کے علاوہ عام طور پر زنا کاری کے لیے ایک خاص فقرہ مقرر کیا گیا تھا اور وہ یہ ''سماگم'' بمعنی ہم بستری تھا' جس کو پڑھ کر ہر مرد عورت کسی کے ساتھ بھی زنا' ہم بستری کرتے تھے اور ایسی بدکاری میں کسی رشتے کے لحاظ کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی۔

(مسلم ثقافت صفحہ 41 از مولانا عبدالمجید سالک بحوالہ سوامی دیانند سرسوتی مصنف ستیارتھ پرکاش)

چین

رقبہ کی وسعت اور آبادی کی کثرت کے باعث یہ ملک دنیا کے تمام ممالک پر فوقیت رکھتا ہے اب (سن 2003ء میں) چین کی آبادی پونے دوارب سے زائد ہے اس کا رقبہ جس پر کمیونسٹ حکومت کا قبضہ ہے 30 لاکھ 80 ہزار مربع میل ہے اور تائیوان کا جزیرہ جس پر چینی حکومت قائم ہے اس کا رقبہ 14 ہزار مربع میل ہے اگرچہ رقبہ کے لحاظ سے روس اس سے بڑا ہے لیکن آبادی کے لحاظ سے روس یا کینیڈا کو اس سے کوئی نسبت نہیں۔

یہ ملک بہت وسیع ہے اور اس کی ثقافت اور تہذیب بہت قدیم ہے یہاں کے ایک پہاڑ کی ایک چوٹی 24 ہزار فٹ سے بھی زیادہ بلند ہے جو دنیا کی سب سے بلند ترین چوٹیوں میں شمار کی جاتی ہے اس کے برعکس اس کے شمال مغرب میں ایک ایسا علاقہ ہے جو کہ دنیا میں سب سے زیادہ نشیبی علاقہ ہے جو سطح سمندر سے 505 فٹ گہرا ہے اور ''طرفان کے نشیب'' کے نام سے مشہور ہے۔ دیوارِ چین جو ڈیڑھ ہزار میل لمبی ہے اور ملک کے شمالی صوبوں میں سے گزرتی ہے اس کے راستے میں پہاڑ بھی ہیں، میدان بھی، صحرا بھی ہیں اور وادیاں بھی۔ اس کو بنے ہوئے دو ہزار سال کا عرصہ گزر چکا ہے اس وقت اس کی دفاعی اہمیت بہت زیادہ تھی اس کی وجہ سے اس کے شمال میں بسنے والے قبائل جو ملک کے دوسرے علاقوں پر حملہ آور ہوتے، قتل و غارت کا بازار گرم کرتے اور لوگوں کی دولت مال و متاع لُوٹ کر لے جاتے۔ اس دیوار سے ان کی یلغاروں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ملک میں امن وامان بحال ہو گیا اب اگرچہ اس کی پہلی دفاعی حیثیت تو باقی نہیں رہی لیکن اپنے بنانے والوں کی عظمت، بلند ہمتی اور فن تعمیر میں ان کی مہارت کی یہ روشن دلیل ہے۔

اہلِ چین کی سائنسی ایجادات اور انکشافات عہد قدیم سے ہی بڑے حیرت انگیز ہیں اور اس حقیقت کی گواہی دیتے ہیں کہ جب دنیا کے اکثر ممالک جہالت اور ناخواندگی کے اندھیروں میں لپٹے ہوئے تھے اس وقت بھی چین کے طول و عرض میں علم کی شمعیں فروزاں تھیں۔ چینیوں نے ہی کوئلہ کو بطور ایندھن استعمال کرنا شروع کیا۔ چوتھی صدی عیسوی میں انہوں نے لوہے کو پگھلانے کے فن میں مہارت حاصل کی۔ ان کے ماہرین فلکیات نے 28 قبل مسیح میں سورج کے قرص پر جو داغ ہیں، ان کا سراغ لگایا۔ انہوں نے 132 عیسوی میں آلہ (زلزلہ پیما) ایجاد کیا

جس سے زلزلہ کی جگہ اور اس کی قوت کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ بارود کے اجزاء بھی انہوں نے دریافت کیے اس وقت بارود سے گولے اور پٹاخے چھوڑے جاتے تھے تا کہ خبیث روحوں کو خوف زدہ کر کے بھگا دیا جائے۔
دوسری صدی عیسوی میں انہوں نے درختوں کی چھال' سن کے ریشوں اور پرانے کپڑوں سے کاغذ بنانے کی صنعت ایجاد کی اس صنعت نے علم و دانش کی نشر و اشاعت میں انقلاب آفریں حصہ لیا اور اس سے پانچ سو سال بعد بلاکوں کے ذریعے کتابوں کی طباعت کا کام شروع کیا۔ دسویں صدی عیسوی میں نہ صرف چین بلکہ کوریا اور جاپان میں بھی کتابوں کی بکثرت اشاعت کا آغاز ہو گیا تھا۔ چین میں بدھ مت کی اشاعت کے بعد چینیوں کی ذہنی اور فنی ترقی کو چار چاند لگ گئے۔ انہوں نے صرف مذہب کو ہی نہیں بلکہ موسیقی کو بھی بڑا فروغ بخشا۔

(ورلڈ سولائزیشن از ای ایم برنز اور پی ایل رالف صفحہ 114)

معاشرہ

چینی معاشرے کی خشت اوّل خاندان تھا' عام لوگ صرف ایک شادی کرتے لیکن بادشاہ اور امراء کے حرم میں متعدد بیویاں ہوتیں' ان پر کوئی پابندی نہ تھی۔ اعلیٰ خاندانوں میں عورت کو بڑی عزت و وقار حاصل تھا' غلامی کا رواج تھا اور معاشرہ متعدد طبقات میں بٹا ہوا تھا۔

مذہب

شانگ خاندان کے دورِ حکومت میں چین کے لوگ مختلف مظاہر فطرت کی پوجا کیا کرتے تھے۔ زمین' دریا' ہوائیں اور سمتیں مشرق و مغرب وغیرہ ان کے معبود تھے' ان کے لیے قربانیاں دینے کا عام معمول تھا۔ عام طور پر جانوروں کا گوشت جلا دیا جاتا' شراب بھی ان کی پسندیدہ قربانی تھی۔ شانگ اگرچہ مہذب اور متمدن تھے لیکن ان کے ہاں اپنے دیوتاؤں کی قربان گاہ پر انسانی قربانی کا رواج عام تھا عموماً جنگی قیدیوں کو بھینٹ چڑھایا جاتا۔ بسا اوقات بیرون ملک فوجی کارروائی صرف اس لیے کی جاتی کہ وہ غیر چینیوں کو قید کر کے لے آئیں تا کہ ان کو قربانی کے طور پر ان کے معبودوں کے لیے ذبح کیا جائے۔
وہ صرف ایسے دیوتاؤں کی پوجا پاٹ کیا کرتے جن کا تعلق ان کے خیال کے مطابق بروقت بارش برسانے عمدہ فصلیں اُگانے اور جنگوں میں دشمن کو شکست دینے سے ہوا کرتا۔ ان کے دیوتا کا نام شانگ ٹی (Shang-T) تھا' یہ سارے کام اس کے سپرد تھے اور آخر وقتوں تک اس کی پوجا پاٹ ہوتی رہی اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ ان کے مذہب کی بنیاد روحانیت یا اخلاقیات پر تھی اس کا سارا تعلق انسانی معاشرے کی خوشحالی اور بہبودی سے تھا جس طرح کہ بابل اور نینوا کے مذاہب تھے یعنی کہ جن معبودوں کی پرستش کی جاتی تھی' ان سے ان کے پجاری یہ توقع نہیں رکھتے تھے کہ ان کو قلب کی روشنی' روح کا اطمینان یا اخلاق فاضلہ (اچھے اخلاق) کے اصولوں کی تعلیم دیں گے بلکہ وہ ان سے صرف اس بات کے امیدوار تھے کہ ان کی وجہ سے ان کی مالی حالت بہتر ہو

جائے' معاشرے میں ان کو بلند مقام نصیب ہو جائے' ان کی زراعت ترقی پذیر ہو اور ان کی تجارت میں روز افزوں اضافہ ہو۔

بادشاہ جب تک زندہ رہتے اور تختِ حکومت پر متمکن رہتے' ان کے احکام کی تعمیل صرف اس لیے کی جاتی کہ یہ احکام ملک کے فرماں روا کے احکام ہیں۔ ان کو الٰہی احکام کی حیثیت حاصل نہ ہوتی لیکن بادشاہ جب مر جاتا تو پھر اس کی پوجا شروع ہو جاتی' مرنے والے بادشاہوں اور ان کی بیویوں کے لیے قربانیاں دی جاتیں۔ زرِ کثیر صرف کر کے بادشاہوں کے لیے بڑے بڑے مقبرے تیار کیے جاتے اس کے لیے بہت گہرا گڑھا کھودا جاتا' اس میں سیڑھیاں بنائی جاتیں اور لکڑی کا ایک کمرہ اس کی تہ میں تعمیر کیا جاتا۔ شاہی لاش کے اردگرد بڑا قیمتی ساز و سامان سجایا جاتا' تانبے' پیتل اور مٹی کے مجسمے رکھے جاتے اور ایسی چیزیں رکھی جاتیں جن کو قیمتی موتیوں اور ہیروں سے مزین کیا جاتا۔ تجہیز و تدفین کی رسوم ادا کرنے کے بعد اس کے وسیع گڑھے کو مٹی سے بھر دیا جاتا اور اس کے فرش کو مضبوطی سے کوٹ دیا جاتا۔

چینیوں میں فطری طاقتوں کے مظاہر اور اپنے اسلاف کی پوجا کا بھی عام رواج تھا' ان کا اعتقاد تھا کہ ان اسلاف کی روحیں اپنی آنے والی نسلوں کو نفع بھی پہنچا سکتی ہیں اور نقصان بھی اور ان اسلاف کو خوش و خرم رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ ان کے نام سے کھانا پکایا جائے۔ چین کے عوام بھی اپنی میت کے ساتھ قیمتی اشیاء کو دفن کر دیا کرتے تھے' مالی لحاظ سے کمزور لوگ بھی اپنی بساط کے مطابق اس رواج کی ہر ممکن پابندی کیا کرتے تھے۔

کانفیوشس

551 قبل مسیح میں چین میں ایک مصلح (اصلاح کرنے والا) پیدا ہوا جسے دنیا کانفیوشس کے نام سے جانتی ہے اس کا وطن ایک چھوٹی جاگیردارانہ ریاست تھا جسے لو (LU) کہتے تھے۔ وہ ساری عمر چین میں اس لیے سیر و سیاحت کرتا رہا کہ اسے کوئی ایسا حکمران مل جائے جو اس کے بتائے ہوئے اصولوں پر خود بھی عمل کرے اور لوگوں کو بھی ان پر عمل کرنے کی دعوت دے اگرچہ وہ 479 قبل مسیح 72 سال کی عمر میں ناکامی کا داغ لیے اس دنیا سے رخصت ہوا لیکن وہ اپنی تعلیمات کے ایسے گہرے نقش چھوڑ گیا کہ دو ہزار سال بعد بھی چین کی وسیع و عریض مملکت میں اس کے اثرات محسوس کیے جاتے ہیں۔

اس نے نہ پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا کہ اس کی تعلیمات کو آسمانی الہام سمجھا جائے اور نہ اس نے فلسفی کی حیثیت سے اپنے نظریات پیش کیے کہ انہیں منوانے کے لیے دلائل و براہین کی تائید حاصل کرے اس لیے کانفیوشس کے نظریات و افکار کو مذہب کہنا ہرگز درست نہیں بلکہ یہ اخلاق اور سیرت کا ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جس پر اہلِ چین دو ہزار سال تک یعنی 1911ء کے انقلاب تک عمل پیرا رہے۔

بدھ مت نے بھی چین کو متاثر کیا اور اس کی کثیر آبادی نے اس کو بطورِ مذہب قبول کر لیا لیکن بدھ مت اور

کانفیوشس کے افکار کے درمیان جو واضح فرق ہے اس کو یو ین (HU YIN) (1098ء تا 1156ء) نے بڑے واضح انداز میں بیان کیا ہے۔

انسان ایک زندہ چیز ہے جبکہ بدھ مت زندگی کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کرتا' وہ صرف موت کے بارے میں اظہارِ خیال کرتا ہے۔ انسانی معاملات کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے جب کہ بدھ مت ان امور کے بارے میں گفتگو کرتا ہے جو ظاہر نہیں بلکہ مخفی ہیں جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کی روح باقی رہ جاتی ہے۔ بدھ مت زندہ انسان کے بارے میں اظہارِ خیال نہیں کرتا بلکہ روحوں کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان کرتا ہے۔ جس چیز سے انسان کو مفر نہیں' وہ اس کے روزمرہ کے معاملات ہیں لیکن بدھ مت حیرت انگیز اور مافوق العادت امور کو اپنی بحث کا موضوع بناتا ہے۔

بدھ مت اخلاقی اصولوں کے بیان میں بھی خاموش ہے' وہ اپنے ماننے والوں کو ان زریں اصولوں کی طرف رہنمائی نہیں کرتا جن کی مطابق زندگی بسر کر کے وہ اپنے انسانی معاشرے کو راحت و شادمانی سے ہم کنار کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی اعلیٰ اخلاقی اقدار سے مزین کر سکتے ہیں۔ وہ صرف خیالی چیزوں کے بارے میں ہی محو رہتا ہے۔ پیدا ہونے کے بعد اور مرنے سے پہلے ہمیں کیا کرنا چاہیے' ہمیں اپنی قوتیں اور صلاحیتیں کن امور پر صرف کرنی چاہئیں' بدھ مت اس کے بارے میں کوئی رہنمائی نہیں کرتا۔ وہ صرف اس عالم رنگ و بو میں قدم رکھنے سے پہلے اور یہاں سے رختِ سفر باندھ کر چلے جانے کے بعد کی زندگیوں سے بحث کرتا ہے۔ جن چیزوں کو ہم آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں' کانوں سے سُن سکتے ہیں یا غور و فکر سے جن کا ادراک کر سکتے ہیں' ان امور سے اسے کوئی واسطہ نہیں' وہ فقط ان امور کو زیر بحث لاتا ہے جنہیں نہ کان سُن سکتے ہیں نہ آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور جہاں فکر و نظر کی بھی رسائی نہیں ہوتی۔

کانفیوشس کا تعلق سوسائٹی کے درمیانی طبقہ سے تھا' وہ اس وقت پیدا ہوا جب اس کا باپ بوڑھا ہو چکا تھا۔ وہ ایک شریف النفس سپاہی تھا جس کا نام کونگ (K,UNG) تھا اس کا خاندان امیر نہیں تھا لیکن باوجود غربت کے لوگ اس خاندان کو عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھتے تھے جب اس کی عمر 21 سال کی تھی تو اس نے اپنے نوجوان دوستوں کو اپنی درس گاہ میں کھینچنا شروع کیا اس کی درس گاہ میں داخلہ کے لیے کسی خاص قبیلہ کا فرد ہونا یا کسی اعلیٰ منصب پر فائز ہونا شرط نہیں تھا بلکہ اس کا دروازہ خاص و عام کے لیے کھلا رہتا تھا اس کی عام فہم اور سادہ تعلیمات نے لوگوں کو اپنی طرف کھینچنا شروع کیا اور بڑے قلیل عرصہ میں اس کی شہرت دُور دُور تک پہنچ گئی۔

پچاس سال کی عمر میں اس نے ڈیوک آف لیو کے دربار میں ایک منصب قبول کر لیا لیکن اس نے اس وقت اپنے منصب سے استعفیٰ دے دیا جب ڈیوک مذکور کو رقص کرنے والی لڑکیوں کے ایک طائفہ نے راہِ راست سے بھٹکا دیا۔ کانفیوشس کو یقین ہو گیا کہ وہ یہاں رہ کر اپنے افکار و نظریات کی نشر و اشاعت نہیں کر سکتا۔ یہ ڈیوک اس کے افکار پر نہ خود عمل کرے گا اور نہ لوگوں کو ان پر عمل کرنے کی دعوت دے گا۔

چنانچہ دل برداشتہ ہو کر وہ وہاں سے چلا گیا اور ملک کی مختلف ریاستوں کے حکمرانوں کے پاس جا کر ان سے

ملاقات کی لیکن اسے کوئی بھی حکمران ایسا نہ ملا جس نے یہ کہہ کر اس کی حوصلہ افزائی اور قدر دانی کی ہو کہ وہ اس کے اصولوں کو خود بھی اپنائے گا اور لوگوں کو بھی ان پر عمل کرنے کی دعوت دے گا آخر مایوس ہو کر وہ اپنے وطن واپس آ گیا اور 72 سال کی عمر میں اس نے وفات پائی۔

اس کے نظریات کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے اس کے نزدیک ریاست ایک قدرتی ارادہ ہے جس کا فرض عوام کی خوش حالی اور افراد کی مکمل نشوونما ہے اس کے نزدیک ریاست انسان کی خدمت کے لیے ہے نہ کہ انسان ریاست کی خدمت کے لیے۔ اخلاقی لحاظ سے اپنے دوستوں کے ساتھ ہمدردی نیک برتاؤ باہمی تعاون اور ہمدری کے جذبات کی نشوونما پر زور دیتا' اخلاق حسنہ کا آغاز گھر سے ہوتا ہے اور بڑھتے بڑھتے انسان کے حلقہ احباب کا احاطہ کر لیتا ہے' وہ انسانی تعلقات میں سے ان پانچ بنیادی تعلقات کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔

(1) حاکم اور رعایا (2) باپ اور فرزند (3) بڑا اور چھوٹا بھائی (4) شوہر اور بیوی (5) دوست اور دوست

وہ اس بات پر خاص طور پر زور دیتا ہے کہ پہلے انسان کو اپنی برادری اور طبقہ کا قابلِ فخر رُکن بننا چاہیے تب اسے عالمی انسانی برادری کی رُکنیت کے بارے میں سوچنا چاہیے۔

کانفیوشس کے نظریات کا بہترین ترجمان اور ان پر عمل پیرا ہونے والا اس کی وفات کے ایک سو سال بعد پیدا ہوا جس کا نام منشیس (Mencius) ہے اس کی ولادت 373 ق م اور وفات 288 ق م ہے۔ وہ انسان کی نیک فطرت کے بارے میں یقین محکم رکھتا ہے اور اس کی خفیہ صلاحیتوں کو نشوونما دینے کے لیے ایک مثالی قیادت کی ضرورت پر زور دیتا تھا۔ وہ اس پر مصر تھا کہ سب سے اہم چیز یہ ہے کہ انسان کی مادی زندگی کو بہتر سے بہتر بنایا جائے۔

اسے اپنی زندگی میں اپنے نظریات کی کامیابی دیکھنے کا موقع نہ ملا لیکن اس کے بعد اس کے شاگردوں میں بڑے بڑے قابل لوگ پیدا ہوئے جو اعلیٰ مناصب پر فائز ہوئے۔ انہوں نے اپنا اثر و سوخ بادشاہوں کے درباروں میں بھی استعمال کیا اور انہیں کانفیوشس کے نظریات سے آگاہ کیا۔ حکمرانوں کو ان نظریات کی پیروی میں اپنی سلطنت کو مستحکم کرنے اور اپنی رعایا میں امن و امان برقرار رکھنے کے روشن امکانات نظر آئے۔

گزشتہ دو ہزار سال سے کانفیوشس کے نظریات جن میں اپنے اسلاف کی پرستش کا عقیدہ اور یہ عقیدہ کہ بادشاہ آسمان کا بیٹا ہوتا ہے اور وہ ان ارواح کے درمیان جو عالم بالا میں سکونت پذیر ہیں اور ان لوگوں کے درمیان جو اس عالم آب و گل (زمین پر دنیا میں) زندگی بسر کر رہے ہیں' شفاعت کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ دونوں عقیدے ان کے ہاں بنیادی اہمیت کے مالک ہیں اس لیے ان دونوں عقائد نے مل کر ایسی حکومتوں کو برقرار رکھنے میں مددد ی جو غیر معمولی طویل عرصہ تک حکمرانی کرتی رہیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کانفیوشسزم میں بہت تبدیلیاں آ گئیں اور کانفیوشس کو ایک دیوتا کا درجہ دے کر اس کی پرستش کی جانے لگی اگر کانفیوشس خود زندہ ہوتا تو اس پرستش اور تعظیم بے جا کو اپنے لیے ہرگز پسند نہ کرتا۔ اس فلسفہ کے اثر سے ایسی مستحکم حکومتیں معرضِ وجود میں آئیں جن میں نیک نہاد حکام بالا اپنی فرماں بردار

رعایا کے لیے بہت مفید اور نفع بخش منصوبے بناتے رہے اور ان کو عملی جامہ پہناتے رہے۔ لیکن بسا اوقات اس نظریہ کی آڑ لے کر ظالم بادشاہوں نے ان لوگوں کے سر قلم کر دیئے جنہوں نے ان کے مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی کیونکہ ان بادشاہوں کا یہ پختہ نظریہ تھا کہ وہ آسمان کی اولاد ہیں' یہ اس کے نمائندے ہیں اس لیے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کی حاکمیت پر اعتراض کرے۔

کانفیوشس تنہا ہی ایسا مرد حکیم نہیں جو چین کی سرزمین میں پیدا ہوا بلکہ اس سے پہلے بھی ایک مرد دانا 666 قبل مسیح اس ملک میں پیدا ہوا تھا جو لاؤزو (Laotzu) کے نام سے مشہور ہے' کچھ عرصہ بعد وہ اس وقت کے ظالم اور کمینہ فطرت حکمرانوں سے دل برداشتہ ہو گیا اور اس نے 160 سال سے زائد کی عمر پائی۔

لاؤزو نے ایک کتاب لکھی جو پانچ ہزار کرداروں پر مشتمل تھی یہی مجموعہ ''تاؤس یا تاؤازم مذہب'' کا صحیفہ اوّل ثابت ہوا۔ اس نے چین کے لوگوں کو اور چین کی تاریخ کو بہت متاثر کیا۔ تاؤازم ابتدا میں فلسفیانہ نظریہ کے طور پر زندہ رہا' پھر اس نے مذہب کا روپ اختیار کر لیا اس میں کئی درجن دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے' ان میں سب سے زیادہ مشہور تاؤچن (Tsaochon) سب سے برگزیدہ دیوتا ہے اس کی تصویر چین کے لاکھوں کروڑوں گھروں میں اب بھی موجود و آویزاں ہے۔ اسے چولہے کا خدا کہتے ہیں:

یہ دیوتا سال بھر اہلِ خانہ کی اخلاقیات کو دیکھتا رہتا ہے اور جب سال ختم ہوتا ہے تو شہنشاہ کے دربار میں جو چین کے تمام دیوتاؤں کا سربراہ اعلیٰ ہے' اہلِ خانہ کی رپورٹ پیش کرنے جاتا ہے لیکن اس سے قبل کہ وہ دیوتا اس گھر سے روانہ ہو' گھر کا سردار خوشی کے جذبات سے سرشار ہو کر اس دیوتا کے منہ کو مٹھائی سے بھر دیتا ہے یا اس کو شراب سے آلودہ کر دیتا ہے۔ کسی کے منہ کو میٹھا کر دینا ایسا ہی ہے جس طرح کسی افسر کو رشوت دینا ہے ایسا شخص بُری بات اہلِ خانہ کی طرف منسوب نہیں کر سکتا اس طرح وہ اس دیوتا کو اس قابل ہی نہیں چھوڑتے کہ بڑے خدا کے دربار میں ان کی کسی اخلاق باختگی بخل و کمینگی کی شکایت کر سکے اس طرح یہ خاندان ایک سال اور اطمینان و راحت کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا ہے۔

اس فرقہ کے پروہت بیماروں کی بیماری دُور کرنے کے لیے اور گناہ گاروں کے گناہوں کی بخشش کے لیے مختلف قسم کی رسوم ادا کرتے ہیں۔ ان میں حفظانِ صحت کے کئی پُر اسرار طریقے رائج تھے' ان میں سے ایک ''یونین آف وائٹل انرجی'' (Union of Vital Energy) (مرکزی قوت کا اتحاد) کے نام سے مشہور ہے اس کے باعث کثیر تعداد میں لوگ ''تاؤازم'' میں داخل ہوئے اور اسی بناء پر کانفیوشس کے پیروؤں نے اس کی بڑھ چڑھ کر مذمت کی۔

اس نظریہ کا مقصد یہ ہے کہ ''یانگ'' جو مذکر ہے ''ین'' جو مؤنث ہے' یہ ایک دوسرے کو پروان چڑھاتے ہیں اور اس کی وجہ سے لمبی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ جنسی زندگی کی تربیت اور رہنمائی لمبی زندگی کی کلید ہے اس نظریے کو ماننے والے اس اصول پر یقین محکم رکھتے ہیں۔

یہ دونوں مذہب کانفیوشزم اور ٹاؤسٹ (ٹاؤازم) سرزمین چین کی پیداوار تھے لیکن پہلی صدی عیسوی میں ہندوستان سے بدھ مت کے مبلغ وہاں پہنچے اور اس نئے مذہب کا بڑے جوش وخروش سے پرچار شروع کیا۔ایک اجنبی مذہب کے لیے آسان نہ تھا کہ وہ مقامی مذہبوں کی موجودگی میں مقبولیت حاصل کر لیتا لیکن کیونکہ بدھ مت میں ہر طبقے کے لیے نجات کا کوئی نہ کوئی پہلو تھا اس لیے اس خلا کو پُر کرنے کے لیے لوگ اس مذہب کو بڑے شوق سے قبول کرنے لگے اور چھٹی صدی عیسوی تک بدھ مت چین کا سب سے بڑا مذہب بن گیا۔

اہلِ چین کے لیے اس میں سکون واطمینان کا یہ پہلو تھا کہ ہندو تناسخ کے قائل تھے۔ان کا یہ نظریہ تھا کہ اگر انسان نے اپنی پہلی زندگی میں اچھے اعمال کیے تھے تو وہ کسی راجہ مہاراجہ یا کسی برہمن کے روپ میں ظاہر ہوگا اور اسے ہر طرح کی عزتیں' خوشیاں اور فارغ البالی نصیب ہوگی اور اگر اس نے پہلے جنم میں گناہ کیے تھے تو اس کو کسی کتے' بلے یا شودر وغیرہ کے روپ میں بھیجا جائے گا اور اس کی یہ زندگی غم وآلام کا مجموعہ ہوگی۔ہندوؤں کے نزدیک تناسخ کا یہ چکر کبھی ختم نہیں ہوگا اس کے برعکس گوتم بدھ نے بتلایا اگر انسان پوری طرح مادی لذتوں سے اجتناب کرے اور گھر بار کو چھوڑ کر جنگلوں میں مراقبہ عبادت کرتا رہے تو اسے جلد نروان (روح کو سکون وقرار) نصیب ہو جائے گا اس فلسفے کے تحت چین میں بدھ مت کو اقتدار حاصل ہو گیا' لوگوں نے بدھ مذہب کو کثرت سے اختیار کیا۔

پہلی صدی عیسوی میں بدھ مت کے مبلغ سرزمین چین پہنچے' چھٹی عیسوی تک بدھ مت چین کا سب سے بڑا مذہب بن گیا کیونکہ کانفیوشزم اور ٹاؤسٹ کے مقابلے میں بدھ مت میں ہر طبقے کے لیے نجات کا کوئی نہ کوئی پہلو موجود تھا اس لیے اہل چین نے اس مذہب کو بڑے شوق سے قبول کیا اور یوں چھٹی صدی عیسوی تک بدھ مت چین کا سب سے بڑا مذہب بن گیا۔

ایک عجیب وغریب صفت ایسی ہے جس میں اہلِ چین بالکل منفرد ہیں

دنیا کی شاید ہی کوئی دوسری قوم اس معاملے میں ان کے ساتھ مماثلت رکھتی ہو۔وہ یہ کہ چینی بیک وقت کئی مذہبوں کے پیروکار ہوتے تھے' وہ اگر بدھ مت قبول کرتے ہیں تو اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ کانفیوشس یا ٹاؤازم سے اپنا تعلق پہلے منقطع کریں پھر یہ نیا مذہب اختیار کریں بلکہ بیک وقت وہ تینوں مذہبوں سے اپنی عقیدت کا رشتہ استوار رکھتے ہیں اور زندگی کے مختلف مراحل میں جس مذہب کی تعلیمات کو وہ اپنے لیے مفید پاتے ہیں اس کو اپنا لیتے ہیں۔

میگزین لائف کی ورلڈ لائبریری نے چین پر جو کتاب شائع کی ہے اس میں اس کے ایڈیٹر لکھتے ہیں:

''چینی جب تک اپنے منصب پر فائز ہوتا ہے تو وہ کانفیوشس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتا ہے اور جب وہ اپنے عہدے سے معذول ہوتا ہے تو وہ ٹاؤازم کے اصولوں کو اپنانے لگتا ہے اور جب وہ بڑھاپے کی طرف قدم بڑھاتا ہے تو وہ بدھ ازم کے سایہ میں آکر پناہ لیتا ہے۔''

ایڈیٹر نے مثال دیتے ہوئے ''ماؤزے تنگ'' اور ''چیانگ کائی شک'' کا حوالہ دیا ہے کہ ماؤ پہلے بڑا مخلص بدھ تھا اور اس کے ساتھ ہی کانفیوشس کی کتابوں کے حوالے بھی دیا کرتا تھا۔ جب اس نے بدھ مت کو چھوڑ کر مارکس ازم کا نظریہ قبول کرلیا تو پھر بھی وہ شانتنگ صوبہ میں جایا کرتا جہاں کانفیوشس کی قبر تھی اور جو مینسیس کی جائے پیدائش بھی تھی، وہاں جا کر وہ ان کی زیارت کیا کرتا۔

چیانگ کائی شک نے ایک بدھ ماں کی گود میں پرورش پائی تھی۔ وہ کئی سال تک کانفیوشس کے لٹریچر کا مطالعہ کرتا رہا۔ 1927ء میں اس نے دوسری شادی کی تو عیسائی پروٹسٹنٹ فرقہ کے میتھوڈزم (METHODISM) یعنی غیر مقلدوں کے گروہ کا عقیدہ اختیار کرلیا جب اس کی ماں مرگئی تو اس نے 1931ء میں اپنی ماں کی یادگار کے طور پر بدھ مذہب کا ایک مندر تعمیر کرادیا۔ چیانگ کو جب کوئی مشکل مرحلہ درپیش ہوتا تو وہ یا کسی پہاڑی جگہ پر چلا جاتا یا سمندر کے ساحل پر پہنچ جاتا وہاں کافی دیر تک مراقبہ میں بیٹھا رہتا اس کے بعد وہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں فیصلہ کرتا۔

اس کی مثالیں چین کی قدیم تاریخ میں بھی نایاب نہیں ہیں۔ چانگ چنگ (443ء تا 497ء) نے اپنی ملازمت کی زندگی ایک شہزادے کے سیکرٹری کی حیثیت سے شروع کی، وہ ویت نام میں اپنے حکومتی منصب کا چارج لینے کے لیے جا رہا تھا کہ راستوں میں قزاقوں نے اسے گرفتار کرلیا۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ اس کا سر قلم کردیں۔ چانگ بڑے سکون کے ساتھ بیٹھ کر اپنی ایک نظم لکھنے میں مصروف ہوگیا اس کے غیر معمولی سکون کی کیفیت کو دیکھ کر قزاق بڑے متاثر ہوئے اور انہوں نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ چانگ نے اپنی ساری زندگی ایک مشہور شاعر اور شاہی خاندان کے وفادار ملازم کی حیثیت سے بسر کی۔

لیکن وہ آخرت کے خیال سے بھی غافل نہ تھا جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے کہا کہ کانفیوشس کی ایک کتاب اور تاؤازم کی ایک کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں پکڑادیں اور اس کے دائیں ہاتھ میں بدھا کی ایک کتاب پکڑادیں اس طرح اس کو سپردِ خاک کردیں۔ یہ طریقہ کار صرف چند لوگوں تک محدود نہ تھا بلکہ تقریباً تمام اہلِ چین اسی طریقہ کار پر کاربند تھے، وہ بیک وقت کئی مختلف اور متضاد مذاہب پر عقیدہ رکھتے تھے۔

ہندوستان جہاں گوتم پیدا ہوا اور اپنے مذہب کی تبلیغ کی وہاں تو بدھ مت ناکام ہوگیا لیکن کچھ عرصے میں اس نے چین کے وسیع وعریض رقبہ پر اپنا پرچم لہرادیا۔ بدھا نے جو تعلیمات اپنے شاگردوں کو سکھائی تھیں، ان میں بہت تغیر وتبدل آیا۔ بدھا خود کسی خدا کا قائل نہ تھا اور اس نے تو یہ اصلاح کن تحریک شروع کی تھی لیکن یہ تحریک مذہب بن گئی اور عقیدت مندوں نے بدھا کو ہی خدا بنالیا اور اس کی پوجاپاٹ شروع کردی اور ملک کے گوشہ گوشہ میں ایسے مندر تعمیر ہوگئے جہاں بدھا کے بتوں کی دھوم دھام سے پوجا ہوتی تھی۔

ایران

چھٹی صدی عیسوی میں موجودہ دور کی بہت سی آزاد مملکتیں اس وقت کے ایران کا ایک حصہ تھیں۔ ول ڈیورانٹ (Will Durrant) اپنی مشہور کتاب "دی ایج آف فیتھ" (The age of faith) میں رقم طراز ہے۔

تیسری صدی عیسوی کا ایران (چھٹی صدی میں بھی یہی رقبہ، وسعت و حالات تھے) مندرجہ ذیل ممالک پر مشتمل تھا۔ افغانستان، بلوچستان، سودیانہ (Sogdiana) بلخ اور عراق موجودہ پرشیا جس کو فارس کہتے ہیں، یہ اس وقت کی مملکت کا ایک جنوب مشرقی صوبہ تھا اس کو ایران کہنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ آریوں کا ملک تھا۔

(دی ایج آف فیتھ صفحہ 136)

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں اس کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔

یہ سلطنت بلوچستان، کیچ، مکران، کرمان، غور، بامیان، ہندوکش، سیستان، زابلستان، خراسان، ماوراء النہر، رشت، اصفہان، مازندران، استرآباد، گرگان، فارس، لارستان، خوزستان، افغانستان، کابلستان، پنجاب، کردستان، شیروان، بابل، موصل اور دیار بکر پر مشتمل تھی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 3 صفحہ 627 طبع اوّل 1968ء)

ایران کا لفظ آریانہ سے بنا ہے، جس کا مطلب ہے آریاؤں کی سرزمین

دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے:

مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نویں صدی قبل مسیح میں آریائی نسل کی ایک شاخ جنوبی روس سے چل کر مغربی ایران کے سلسلہ کوہِ زاغروس کے وسطی علاقہ "میڈیا" میں آباد ہوئی اور اسی جغرافیائی نسبت سے یہ لوگ "ماد" کہلائے اسی نسل کی ایک دوسری شاخ مشرقی ایران میں وارد ہوئی۔ یہ لوگ صوبہ کرمان سے ہوتے ہوئے پارس (فارس) آئے اور پارسی کہلائے۔ (دائرہ معارف اسلامیہ اردو جلد 3 صفحہ 635)

موجودہ ایران کا رقبہ 6 لاکھ 28 ہزار مربع میل ہے۔ اس وقت کا ایران موجودہ سے تین چار گنا زیادہ بڑا تھا۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس وقت کے ایران کا رقبہ کتنا بڑا ہوگا۔

مذہبی عقائد

ایران کے جس تاریخی عہد سے ہم بحث کرنا چاہتے ہیں، وہ ساسانی خاندان کی حکمرانی کا عہد ہے اس خاندا

کی شہنشاہیت کا موسنسیس اوّل (پہلا شہنشاہ) ''اردشیر'' تھا اس نے 22اپریل 224عیسوی میں طیسفون کو فتح کیا اور جب وہ اس شہر میں فاتحانہ شان وشوکت سے داخل ہوا تو اس نے آشکانی خاندان کے جانشین ہونے کا دعویٰ کیا اس طرح ساسانی خاندان کی حکمرانی کا آغاز ہوا۔(ایران بعہد ساسانیاں صفحہ 112 مطبوعہ دہلی 1948ء)

اہلِ ایران کے عقائد کے بارے میں بریگیڈیئر جنرل سرپرسی سائیکس (SIR, PERCY SYKES) نے اپنی کتاب ''ہسٹری آف پرشیا'' میں لکھا ہے:

''آریہ قوم مظاہر پرستی کا شکار تھی۔ روشنی' شفاف آسمان' آگ' ہوائیں' حیات بخش بارشیں' ان سب کی مقدس معبودوں کی طرح پرستش کی جاتی تھی جبکہ ظلمت اور قحط سالی کو ملعون دیو تصور کیا جاتا تھا۔''

اس مشرکانہ نظام میں آسمانوں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ سورج کو آسمان کی آنکھ کہا جاتا اور روشنی کو آسمان کا فرزند۔ آسمانی دیوتا وارونا (Varuna) جسے یونانی یورانس (Ouranos) کہتے تھے اس کو سب سے بڑے خدا کی حیثیت سے پوجا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ متھرا (Mithere) جو روشنی کا دیوتا تھا اس کی بھی پوجا کی جاتی۔ وارونا اور متھرا کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ وہ انسانوں کے دلوں کے حالات اور ان کے اعمال کا مشاہدہ کرتے اور پھر وہ دونوں سب کچھ دیکھنے والے ہیں۔(دی ہسٹری آف پرشیا جلد 1 صفحہ 100 مطبوعہ لندن 1949ء)

اس مظاہر پرستی کے دور میں زرتشت کا ظہور ہوا' یہ ایران کے قدیم مذہب (مزدائیت)' اوّل توحید پرستی جو تحریف کے بعد آتش پرستی ہوگئی' کا بانی ہے۔

زرتشت آذربائیجان کے صوبہ کا باشندہ تھا اس کی پیدائش یورومیا (Urumia) جھیل کے مغربی کنارے پر ایک قصبے میں ہوئی اس کا نام بھی یورومیا تھا اس کا عہد شباب تنہائی اور خلوت گزینی میں بسر ہوا اور اس وقت وہ ہمیشہ غور وفکر میں مصروف رہتا اس اثناء میں اسے خواب میں سات مرتبہ بشارتیں ہوئیں جس کی بناء پر اسے یقین ہوگیا کہ اسے اللہ تبارک تعالیٰ نے پیغمبری کے منصب پر فائز کیا ہے اور اس نے اس کا اعلان بھی کر دیا۔ یہی بریگیڈیئر سرپرسی سائیکس زرتشت کی پیدائش کے بارے میں لکھتا ہے:

بعض مؤرخین کی رائے میں وہ ایک ہزار سال قبل مسیح پیدا ہوا اور بعض نے 660 قبل مسیح اس کا سال پیدائش متعین کیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ اس کی وفات 583 قبل مسیح میں ہوئی اس کی کتاب کا نام ''ژند'' ہے اس کی شرح ''اوستا'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بارے میں کتب تاریخ میں ہے کہ ہخامنشیوں کے عہد میں اسے مرتب کیا گیا اور بیل کی بارہ ہزار ہڈیوں کے ٹکڑوں پر سنہری حروف سے لکھی ہوئی تھی۔ ہخامنشیوں کے زوال کے بعد اس کا بہت سا حصہ ضائع ہوگیا اور بہت کم حصہ محفوظ رہا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ زرتشت سے پہلے آرین مظاہر فطرت کی پرستش کیا کرتے تھے لیکن زرتشت نے خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لانے کی لوگوں کو دعوت دی جسے ان کی زبان میں ادھورا مزدا (Ahuramazda) یا آرمزد (Armozd) کہا جاتا تھا اس کا معنی ہے سب کچھ جاننے والا' خداوند برتر اور

ساری دنیا کا پیدا کرنے والا اس حقیقت کا علم اس گفتگو سے ہوتا ہے جو اھورامزدا نے زرتشت سے کی اس نے کہا کہ آسمان کو میں بلندیوں پر سلامت رکھتا ہوں جو چمکتا ہے اور دُور تک نظر آتا ہے اور زمین کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ (ہسٹری آف پرشیا خلاصہ صفحہ 103 تا 106 از بریگیڈیئر سر پرسی)

یہاں ول ڈیورانٹ کا ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں' امید ہے کہ اس کے مطالعہ سے قارئین کو حقیقتِ حال سے پوری طرح باخبر ہونے میں مدد ملے گی' وہ لکھتے ہیں:

زرتشت سے پہلے جو مذہب ایران میں رائج تھا اس میں متعدد خداؤں پر ایمان لانا ضروری تھا' سب سے بڑا خدا سورج دیوتا تھا جس کو ''مترا'' کہا جاتا تھا' زمین اور اس کی ذرخیزی کی دیوی کا نام ''انیتا'' تھا۔ ''ہوما'' اس مقدس بیل کا نام تھا جو ایک دفعہ مرگیا اسے پھر زندہ کیا گیا اس نے نوعِ انسانی کو اپنا خون پینے کے لیے دیا تا کہ اس کو دوام حاصل ہو جائے۔ وہ لوگ جب اس بیل کی عبادت کرتے تھے تو پہلے ایک شراب پی کر خوب مست ہو جاتے تھے پھر اس کی پوجا کرتے تھے۔ یہ شراب ''ہوما'' نامی ایک بوٹی سے بنائی جاتی تھی جو ایران کے پہاڑوں کے دامن میں اُگتی تھی۔ جب زرتشت نے ایرانی معاشرہ کو شرک اور فسق کی دلدل میں پھنسا ہوا دیکھا تو وہ غصے سے بے قابو ہو گیا اور اس نے مجوس کے مذہبی طبقہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور بڑی شجاعت اور بہادری سے اس حقیقت کا اعلان کیا کہ سارے جہان میں صرف ایک خدا ہے اور وہ اھورامزدا ہے جو نور اور آسمانوں کا خدا ہے۔

(ایج آف فیتھ درقصہ الحضارۃ جلد 1 صفحہ 425)

زرتشت نے جس خدا کی الوہیت کا پرچار کیا وہ بڑا مہربان ساری کائنات کا خالق اور تمام صفات کمال سے متصف تھا لیکن بعد کے زمانہ میں ادھورامزدا کو اگرچہ تمام دوسرے معبودوں پر برتری اور فوقیت حاصل رہی لیکن عبادت صرف اس کی ہی نہیں کی جاتی تھی بلکہ اس کے علاوہ چھ دیگر غیر قانونی اور مقدس ہستیاں تھیں جن کی پرستش کی جانے لگی تھی بلکہ وہ مظاہر فطرت جن کی پرستش کو اس عظیم مصلح نے بالکل ختم کر دیا تھا وہ پھر واپس لے آئے تھے۔ ادھورامزدا کے ساتھ ساتھ ان کی بھی پوجا کی جاتی تھی۔

چنانچہ توحید خالص کے عقیدہ کی جو تبلیغ زرتشت نے کی تھی اس عقیدہ کو رفتہ رفتہ ترک کر دیا گیا اور قوم نے اپنی عبادت گاہوں میں ان پرانے بتوں کو بھی سجا کر رکھ دیا۔ شرک اور کفر کے جس بھنور سے زرتشت نے اپنی قوم کو نکالا تھا اور توحید خداوندی کی جس شاہراہ پر انہیں گامزن کیا تھا وہ پھر اس سے بھٹک گئے۔ (ہسٹری آف پرشیا صفحہ 107)

''ادھورامزدا'' سراپا خیر کی قوت کا نام تھا اور اس کے مقابلہ میں ایک اتنی ہی طاقتور برائی کی طاقت تھی جس کا نام ''ادھرمن'' تھا۔ ان کے عقیدے کے مطابق خیر و شر کی ان دو طاقتوں کے درمیان روز ازل سے کشمکش جاری ہے۔ ان میں سے کبھی خیر کا پلہ بھاری ہوتا ہے اور کبھی شر کا۔

زرتشت کے مذہب میں درج ذیل کو بنیادی اصول قرار دیا جاسکتا ہے۔

1- طلب معاش کے لئے جتنے پیشے ہیں ان میں شریفانہ اور معزز پیشہ صرف کھیتی باڑی اور مویشیوں کی پرورش ہے۔

2- عالم امکان کی یہ ساری تخلیقات اس باہمی آویزش کا نتیجہ ہے جو روز ازل سے نیکی و بدی کی قوتوں کے درمیان برپا ہے۔

3- ہوا، پانی، آگ اور مٹی پاک عناصر ہیں انہیں پلید نہیں کرنا چاہئے۔

ان اصولوں کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ زرتشت کے نزدیک سب سے پاکیزہ زندگی یہ ہے کہ انسان اپنی رہائش کے لئے اور اپنے مویشیوں کے لئے مکان تعمیر کرے اس کے پاس کتا بھی ہو بیوی بھی اور بچے بھی۔ وہ بہترین اناج کاشت کرے، گھاس اگائے، پھلدار درختوں کے باغات لگائے، سیم زدہ علاقوں میں پانی خشک کرنے کی تدبیریں کرے اور اسے قابل کاشت بنا کر کام میں لائے۔

عقیدہ حیات بعد الموت

حیات بعد الموت کا عقیدہ آریوں کے قدیم اور بنیادی عقائد میں سے ایک تھا۔ ان کا یہ ایمان تھا کہ مرنے کے بعد انسان کو زندہ کیا جائے گا اور اگر اس نے دنیاوی زندگی میں نیک کام کئے ہیں تو اس کو ان کا اجر ملے گا اور وہ ہمیشہ کے لئے جنت میں مسرت وشادمانی کی زندگی بسر کرے گا اور اگر اس نے برے کاموں میں اپنی زندگی برباد کی ہے تو جب وہ زندہ کیا جائے گا تو ان گناہوں کی سزا بھگتنی ہوگی۔

جنرل سر پرسی ایرانیوں کے قدیم عقائد پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد اس کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

''ہم نے آریوں کی اپنے اصل وطن سے نقل مکانی کر کے ایران پر قابض ہونے کا سراغ لگایا ہے اور ایران کو یہ نام اسی وجہ سے ملا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ پہلے وہ اجڈ خانہ بدوش قسم کے لوگ تھے۔ عناصر فطرت کی پوجا کرتے تھے۔ جب ان میں زرتشت کی عظیم ہستی ظاہر ہوئی تو اس نے ان کے اساطیری تخلیات کو روحانیت عطا کی اور ایک خدا بالا و برتر کی عبادت کی دعوت دی جو خدا ان صفات کمال کا حامل ہے۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کے خدا میں پائی جاتی ہیں۔ زرتشت نے ہی آریوں کو یہ درس دیا کہ روح غیر فانی ہے۔ نیز اس نے امید ورجا کا ایک ایسا پیغام دیا جو ازمنہ قدیمہ سے لے کر آج بیسیوں صدی تک اپنے ماننے والوں کے دلوں میں امید کا چراغ روشن رکھے ہوئے ہے۔ اسی نے یہ تعلیم دی کہ خیر وشر میں جو معرکہ برپا ہے، انسان آزاد ہے کہ وہ خیر چاہے کے لشکر میں شامل ہو جائے یا شر کے علمبرداروں کے جتھے میں شریک ہو جائے۔ ہر انسان یہ بھی جانتا ہے کہ آخر کار خیر کو شر پر غلبہ نصیب ہوگا جس طرح قحط سالی کو ابر رحمت آ کر ختم کر دیتا ہے''

سر پرسی کہتا ہے کہ میری ناقص رائے میں اس سے بہتر زرتشت کے مذہب کے اصولوں کو بیان کرنا ممکن نہیں جس طرح ان کا ہر عمر رسیدہ شخص نعرہ لگاتا ہے

ہوماتا، ہوکھتا، ہوارشتا

HUMATA- HUKHTA- HVARSHTA

جس کا انگریزی ترجمہ یہ ہے:

GOOD THOUGHTS

GOOD WORDS

GOOD DEEDS

اور اردو میں یہ کہ

پاکیزہ خیالات، شائستہ الفاظ اور نیک اعمال (ہسٹری آف پرشیا صفحہ 114)

ساسانی خاندان

ساسانی خاندان کی حکومت کے بانی اردشیر نے جب 226 یا 227 عیسوی میں اپنی شہنشاہیت کی بنیاد رکھی تو اس نے پھر زرتشتی مذہب (آتش پرستی) کو عروج بخشا۔ سورج اور چاند کی پوجا ختم کردی گئی۔ دوسرے معبودوں کے بتوں کو توڑ دیا گیا اور ساری قوم مذہب آتش پرستی کی پیروکار بن گئی۔

لیکن اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اردشیر نے زرتشت کے دین توحید کو قبول کرلیا تھا بلکہ اس نے زرتشت کے انہیں نظریات کو قبول کیا جس کی نمائندگی موبدان (مذہبی عالم) کررہے تھے اور جس میں آگ کی پرستش سرفہرست تھی۔ اس تحریف شدہ مروج زرتشتی مذہب کی حمایت اور تبلیغ کا بیڑا اردشیر اول نے اٹھایا۔ چنانچہ پروفیسر آرتھر ایران بعہد ساسانیاں میں لکھتا ہے:

''ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ اردشیر اول کا دادا مقام' شہر اصطخر میں 'اناھتا'' کے معبد کا رئیس تھا اور یہ کہ ساسانی خاندان کو اس معبد کے ساتھ خاص لگاؤ تھا۔ پس معلوم ہوا کہ خاص خاص دیوتاؤں کے خاص خاص معبد تھے لیکن پھر بھی یہ قرین قیاس ہے کہ تمام معبد بطور عمومی تمام زرتشتی خداؤں کی پرستش کے لئے وقف تھے۔ عبادت کی مرکزی جگہ آتش گاہ تھی جہاں پر مقدس آگ جلتی رہتی تھی عام طور پر آتش کدے کے آٹھ دروازے اور چند ہشت پہلو کمرے ہوتے تھے۔ اس نمونہ کی عمارت شہر یزید کا قدیم آتش کدہ ہے جو آج بھی موجود ہے۔

مسعودی نے اصطخر کے قدیم آتش کدے کا حال بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے میں نے اس عمارت کو دیکھا' یہ عمارت' عبادت گاہ اصطخر سے تقریباً ایک فرسخ (تقریباً 5 کلومیٹر) کے فاصلہ پر ہے۔ وہ ایک قابل تعریف عمارت اور ایک شاندار معبد ہے۔ اس کے ستون پتھر کے ایک ایک ٹکڑے سے تراش کر بنائے گئے ہیں۔ ان کا طول وعرض حیرت انگیز ہے۔ (ایران بعہد ساسانیاں صفحہ 210)

یہی مصنف (پروفیسر آرتھر) آگے چل کر لکھتا ہے:

سلطنت ساسانی میں آتش کدے ہر جگہ موجود تھے لیکن ان میں سے تین ایسے تھے جن کی خاصی حرمت وتعظیم ہوتی تھی۔ یہ وہ آتش کدے تھے جن میں تین آتش ہائے بزرگ (تین مقدس آگ) محفوظ تھیں۔ جن کا

نام ''آذر فر یگ'' ''آذر گشنسپ اور'' ''آذر برزین مہر'' تھا۔

آذر گشنسپ یا آتش شاہی کا آتش کدہ شمال میں مقام گنجک (شیز) میں تھا جو صوبہ آذر بائیجان میں واقع تھا۔ شاہان ساسانی تکلیف و مصیبت کے وقت اس آتش کدے کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے اور وہاں نہایت فیاضی کے ساتھ زر و مال کے چڑھاوے چڑھاتے تھے اور زمین و غلام اس کے لئے وقف کرتے تھے۔ بہرام پنجم نے جو تاج خاقان اور اس کی ملکہ سے چھینا تھا اس کے قیمتی پتھر اس نے آتش کدے آذر گشنسپ میں بھجوا دیئے تھے۔ خسرو اول نے بھی اس آتش کدے کے ساتھ اسی طرح کی فیاضیاں کی تھیں۔ خسرو دوم نے منت مانی تھی کہ اگر اس کو ''بہرام چوبیں'' پر فتح حاصل ہوگئی تو وہ اس آتش کدے میں سونے کے زیور اور چاندی کے تحائف نذر کے طور پر پیش کرے گا (ایران بعہد ساسانیاں خلاصہ صفحہ 215 تا 218)

یہاں تک ہم نے مختلف ادوار میں ایرانی قوم کے مذہبی عقائد و نظریات میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کا آپ کے سامنے ذکر کیا اب ہم آپ کو ان کی مذہبی زندگی کے ایک اہم پہلو کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔

ایران میں ایک مخصوص قبیلہ ''ماگی'' کو مذہبی اجارہ داری حاصل تھی۔ اگرچہ ان کے مذہبی افکار میں تغیرات رونما ہوتے رہے لیکن تمام ادوار میں مذہبی پیشوائی کا حق صرف اسی خاندان میں مرکوز رہا۔ پروفیسر آرتھر لکھتے ہیں:

''مجوس یا مُغاں اصل میں میڈیا کے ایک قبیلہ یا اس قبیلہ کی ایک خاص جماعت کا نام تھا جو غیر زرتشتی مزدائیت کے علمائے مذہب تھے۔ جب مذہب زرتشت نے ایران کے مغربی علاقوں میڈیا اور فارس کو تسخیر کیا تو مُغاں اصلاح شدہ مذہب کے رؤساء روحانی بن گئے۔ اوستا میں یہ علماء مذہب آذروان کے قدیم نام سے مذکور ہیں لیکن اشکانیوں اور ساسانیوں کے زمانے میں وہ حسب معمول ''مُغ'' کہلاتے تھے۔ ان لوگوں کو ہمیشہ قبیلہ واحد کے افراد ہونے کا احساس رہا۔ عام لوگ بھی ان کو ایک ایسی جماعت تصور کرتے تھے جو قبیلہ واحد سے تعلق رکھتی ہے اور خداؤں کی خدمت کے لئے وقف ہے'' (ایران بعہد ساسانیاں صفحہ 149)

کیونکہ مذہبی قیادت ایک خاص قبیلہ کے افراد سے مخصوص ہو کر رہ گئی تھی اور ملک میں عام جاگیردارانہ نظام تھا۔ بادشاہ کی طرف سے خدمات کے صلہ میں امراء کو بڑی بڑی جاگیریں بخشی جاتی تھیں اس لئے یہ دونوں گروہ ملک میں بااثر اور مقتدر شمار کئے جاتے تھے۔ مُغ خاندان کے پاس صرف مذہبی قیادت ہی نہ تھی بلکہ یہ بڑی بڑی جاگیروں کے مالک بھی تھے۔ اس لئے بڑے متمول اور دولت مند تھے۔ اگر ان دو گروہوں میں سے کسی کو بادشاہ کی طرف سے خطرہ محسوس ہوتا تو دونوں متحد ہو جاتے اور ایک دوسرے کے حقوق کے تحفظ میں ایک دوسرے کی مدد کرتے۔ موبدوں کا انتخاب موبذان (اعلیٰ مذہبی رہنما) ہمیشہ قبیلہ مُغاں کا سربراہ اعلیٰ ہوتا۔ زرتشتی دنیا میں اس کی حیثیت ایسی ہوتی جیسے عیسائی کلیسا میں پوپ کی۔ مذہبی عظمت اور مالی اقتدار کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنا نسب نامہ ایک ایسی افسانوی شخصیت کے ساتھ ملا دیا تھا جس کی ایرانیوں کے دل میں بڑی عزت و توقیر تھی۔ اس کا نام منوش چتر تھا۔ جسے عام طور پر ''منوچہر'' کہا جاتا ہے۔

انہوں نے اپنے مذہبی مقام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے دنیاوی اقتدار کو بھی مذہبی تقدس کا رنگ دے دیا تھا اور ہر شخص کی زندگی میں پیش آنے والے تمام مرحلے مہد سے لحد تک ان کی نگرانی میں طے کئے جاتے تھے۔ اس زمانہ کا ایک مشہور مؤرخ اگاتھیاس لکھتا ہے:

''ہمارے زمانہ میں ہر شخص ان کا احترام کرتا ہے اور بے حد تعظیم کے ساتھ پیش آتا ہے۔ پبلک کے معاملات ان کے مشوروں اور پیش گوئیوں سے طے ہوتے ہیں اور لوگوں کے باہمی تنازعات کا وہ غور وفکر کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔ اہل فارس کے نزدیک کوئی چیز مستند اور جائز نہیں سمجھی جاتی جب تک کہ ایک مُغ اس کے لئے جواز کی سند نہ دیتا'' (ایران بعہد ساسانیاں صفحہ 150)

موبدوں کا اثر ورسوخ محض ان کے روحانی اقتدار کی وجہ سے نہ تھا اور نہ اس لئے کہ وہ پیدائش، شادی اور موت اور قربانی وغیرہ کی رسموں کو ادا کرتے تھے بلکہ ان کی زمینوں، جاگیروں اور اس کثیر آمدنی کی وجہ سے بھی تھا جو انہیں مذہبی کفاروں، زکوٰۃ، نذر و نیاز کی رقموں سے حاصل ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ انہیں کامل سیاسی آزادی حاصل تھی۔

پارتھیا کے آخری ایام میں مُغوں کا تسلط ختم کر دیا گیا تھا اور ان کی اہمیت گھٹ گئی تھی یہاں تک کہ ان سے ان کی بڑی بڑی جاگیریں چھین لی گئی تھیں۔ ان کے آتش کدے ویران ہو گئے تھے اور قربان گاہیں سنسان لیکن ساسانی خاندان کے برسر اقتدار آنے کے بعد اردشیر اول ساسانی خاندان کے بانی نے ان کو وہ پہلا مقام عطا کر دیا۔ ان کی مذہبی بالادستی اور اجارہ داری کے ساتھ ساتھ ان کی ثروت وخوشحالی کا دور بھی واپس آ گیا۔ چنانچہ ول ڈیورانٹ لکھتا ہے:

''زرتشت مذہب کا سابقہ اقتدار اور اثر ورسوخ بحال کر دیا گیا۔ مُغوں کو ان کی جاگیریں واپس کر دی گئیں اور ان کے اس حق کو بھی بحال کر دیا گیا کہ وہ ہر شخص کی آمدنی کا دسواں حصہ کلیسا کے لئے وصول کریں۔ سیاسی اثر ورسوخ میں بھی بادشاہ کے بعد دوسرا نمبر ان کا تھا۔ یہ سارے اختیارات ماگی قبیلہ کو حاصل تھے جو ایران کی عملی اور فکری زندگی کو کنٹرول کرتے تھے۔ وہ مجرموں اور باغیوں کو دوزخ کی سزا کی دھمکیاں دیا کرتے تھے۔ پوری چار صدیوں تک وہ اہل ایران کے قلوب واذہان پر حکومت کرتے رہے۔ ماگی قبیلہ کے پروہت اتنے دولت مند تھے کہ بسا اوقات بادشاہ ان سے قرض لیا کرتا تھا۔ ہر مشہور شہر میں ایک آتش کدہ ہوتا جس میں مقدس شعلہ روشن رہتا جو کہ روشنی کے دیوتا کا نشان سمجھا جاتا۔ شر کے دیوتا اھرمن کے مقابلہ میں کامیابی فقط اس وقت ممکن خیال کی جاتی جب ''ماگی'' کی تائید انہیں حاصل ہوتی۔ صرف وہی روحیں پاکیزگی اور تقدس کی رفعتوں کو پا سکتیں اور یوم محشر کی تکلیف دہ آزمائش سے نجات حاصل کر سکتیں اور جنت کی ابدی مسرتوں سے مالا مال ہو سکتیں جنہیں ان مذہبی اجارہ دار ماگیوں کی دعائیں اور امدادیں حاصل ہوتیں''۔

(دی ایج آف فیتھ از ول ڈیورانٹ)

مذہبی تعصب، عیسائیوں کا قتل عام

ایران میں ماگیوں کے غیر محدود اختیارات نے مذہبی تشدد کا روپ اختیار کرلیا اور بڑی تباہیوں کا باعث بنے۔ ''مانی'' نے جب اپنے پیغامبر ہونے کا دعویٰ کیا تو ماگیوں نے اسے تختہ دار پر لٹکا دیا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ ساسانی بادشاہوں نے ابتدا میں مذہبی رواداری کا ثبوت دیا۔ یہودیوں پر یورپ میں عیسائی جب مظالم ڈھاتے تو وہ ابتداء میں یونانی مملکت میں آکر پناہ لیتے۔ لیکن جب فلسطین کے عہد میں رومن مملکت نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا تو رومیوں اور ایرانیوں میں عرصہ دراز سے عداوت کے جو شعلے بھڑک رہے تھے انہوں نے عیسائیوں اور ایران کے زرتشتیوں کے درمیان مذہبی عداوت کا رنگ اختیار کرلیا۔

شاپور دوم کی زمانہ میں جب بیزنطی حکومت سے جنگ شروع ہوئی اور ایران میں بسنے والے عیسائیوں نے بیزنطی افواج کی امداد کی اور ان کے لئے اپنے خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کیا تو شاپور نے 341 عیسوی میں ایرانی مملکت میں بسنے والے تمام عیسائیوں کا قتل عام کا حکم دے دیا۔ عیسائیوں کے تمام دیہات برباد کردیئے گئے اور ان میں بسنے والوں کو تہ تیغ کردیا گیا۔ بعد میں شاپور نے عام عیسائیوں کو تو معاف کردیا مگر پادریوں، راہب مردوں، راہب عورتوں کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ سولہ ہزار عیسائی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ یزدجرد اوّل (399 تا 420 عیسوی) نے عیسائیوں کو مذہبی آزادی دی اور ازسر نو گرجے تعمیر کرنے میں انہیں مالی اعانت بہم پہنچائی۔

422 عیسوی میں ایران کے پادریوں نے ایک کونسل منعقد کی جس میں ایران کے عیسائی کلیسا کو یونانی اور رومی عیسائی کلیساؤں سے علیحدہ قرار دے دیا اور یوں ہر روز کی معصیبت سے انہوں نے نجات حاصل کی۔

ساسانی بادشاہ اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ ان کی رعایا انہیں خداؤں کی نسل سے سمجھے۔ پروفیسر آرتھر اپنی کتاب ''ایران بعہد ساسانیاں، صفحہ 338'' پر رقم طراز ہیں کہ ''اپنے کتبوں میں شاہان ساسانی ہمیشہ اپنے آپ کو پرستندگان مزدا (اللہ کے پیارے' پسندیدہ) کہتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ اپنے نام کے ساتھ خدا کے القاب بھی لگاتے ہیں اور اپنے آپ کو شخص ربانی (بغ) اور خداؤں (یزدان) کی نسل سے بتلاتے ہیں''۔

(ایران بعہد ساسانیاں صفحہ 338)

شاپور دوم نے اپنے خط میں جو اس نے قیصر کانٹس کے نام لکھا تھا اپنے نام کے ساتھ شہنشاہ قرین سیارگان، برادر مہر ماہ کے شاندار القاب لگائے ہیں۔

خسرو اوّل نوشیروان نے قیصر جسٹینین کے نام خط لکھنے میں اپنے نام کی تعظیم مفصلہ ذیل القاب کے ساتھ کی ہے۔

''وجود ربانی، نیکوکار، ملک کو امن دینے والا، واجب الاحترام، خسرو شہنشاہ ارجمند، پارسا، فیض رساں، جس کو خداؤں نے بہت بڑی سعادت اور سلطنت سے بہرہ مند کیا ہے، زبردستوں کا زبردست، خداؤں کا ہم شکل''

خسرو دوم (پرویز) نے اپنے القاب کو یہاں تک بلند کیا کہ صفات ذیل کے ساتھ اپنے آپ کو متصف کردیا۔

''خداؤں میں انسان غیر فانی اور انسانوں میں خدائے لاثانی، اس کے نام کا بول بالا، آفتاب کے ساتھ طلوع کرنے والا ہے، شب کی آنکھوں کا اجالا (اندھیروں میں اجالا) (ایران بعہد ساسانیاں صفحہ 338)

معاشرتی حالات

اب اس دور کے معاشرتی حالات کے بارے میں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ان میں باہمی تعلقات کی نوعیت کیا تھی اور حقوق وفرائض کے تعین کی بنیادیں کیا تھیں؟

اس عہد کے ایران کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ چیز بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ ایرانی معاشرہ مختلف طبقات میں بٹا ہوا تھا اور ان کے درمیان ایسی محکم حدبندیاں تھیں جن کو وہ عبور نہیں کر سکتے تھے۔ معاشرہ کے جس طبقہ میں وہ پیدا ہوئے عمر بھر وہ اس طبقہ کے ساتھ وابستہ رہنے پر مجبور تھے۔ ان کو اپنا آبائی پیشہ ترک کرنے کی بھی آزادی نہ تھی۔ اعلیٰ طبقوں کو چند ایسی مراعات حاصل تھیں جن کے بارے میں ادنیٰ طبقات کے لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

مذہبی رہنماؤں نے ان کو اپنی موجودہ حالت پر شاکر رہنے کے لئے یہ درس دیا تھا کہ ان کے آباؤ اجداد نے جو پیشہ اختیار کیا تھا اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا بلکہ خدا کی طرف سے ان کو اس پیشہ کو اپنانے کا حکم ملا تھا۔ جو پیشہ خدائی فرمان کے تحت ان کے آباؤ اجداد نے اختیار کیا تھا اب ان کی اولاد کو یہ حق حاصل نہیں کہ اسے چھوڑ کر کوئی اور پیشہ اختیار کر سکیں چنانچہ پروفیسر آرتھر لکھتے ہیں:

> ''ایرانی سوسائٹی کی عمارت دو ستونوں پر قائم تھی ایک نسب او دوسری جائیداد۔ طبقہ نجباء (شرفاء) اور عوام الناس کے درمیان نہایت محکم (مضبوط و واضع) حدود قائم تھیں۔ دونوں کی ہر چیز میں امتیاز تھا سواری میں اور لباس میں، مکان میں، باغ میں، عورتوں میں اور خدمت گاروں میں''
>
> نامہ تنسر میں ایک اور مقام پر اسی امتیاز کی توضیح کی گئی ہے۔

نجباء (شرفاء) کو عام پیشہ ور اور ملازمین سے جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ ان کی سواری کی شان وشوکت اور ان کے لباس اور ساز وسامان کی چمک دمک ہے۔ ان کی عورتیں اپنے ریشمی لباس سے پہچانی جاتی ہیں۔ ان کے سر بفلک محل، ان کی پوشاک، ان کے جوتے اور ان کے پاجامے، ان کی ٹوپیاں اور ان کا شکار کھیلنا اور ان کے دوسرے امیزانہ شوق غرض ہر چیز ان کی عالی نسبی کا پتہ دیتی ہے (ایران بعہد ساسانیاں صفحہ 417 تا 418)

سوسائٹی میں ہر شخص کے لئے ایک معین مقام تھا۔ ساسانی سیاست کا یہ ایک محکم اصول تھا کہ کوئی شخص اپنے موجودہ اس رتبے سے بلند تر رتبے کا خواہاں نہ ہو وہ جو اسے پیدائشی طور پر از روئے نسب وحسب حاصل ہے۔

خسرو نوشیرواں جو تاریخ میں نوشیرواں عادل کے نام سے مشہور ہے اس نے ایران کے لگان کے نظام میں اصلاحات کیں لیکن ان اصلاحات سے کسانوں کی مشکلات اور عوام کا بوجھ کہاں تک کم ہوا اس کے بارے میں

پروفیسر آرتھر کی رائے ملاحظہ فرمائیے وہ لکھتے ہیں:

خسرو نوشیرواں کی مالی اصلاحات میں بے شک رعایا کی نسبت خزانے کے مفاد کو زیادہ ملحوظ رکھا گیا تھا۔ عوام الناس اسی طرح جہالت اور عسرت میں زندگی بسر کر رہے تھے جیسا کہ زمانہ سابق میں۔ بازنطینی فلسفی جو شہنشاہ کے ہاں آ کر پناہ گزیں ہوئے تھے ایران سے جلد برداشتہ خاطر ہو گئے۔ بازنطینی ایرانیوں کی بعض رسموں مثلاً تزویج محرمات کی رسم یا لاشوں کو دخموں (مرگھٹ) پر کھلا چھوڑ دینے کی مذہبی رسم نے ان کو برہم کیا لیکن محض یہ رسمیں ہی نہیں تھیں جن کی وجہ سے ان کو ایران میں رہنا گوارا ہوا بلکہ ذات پات کی تمیز اور سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے درمیان ناقابل عبور فاصلہ اور خستہ حالی جس میں نچلے طبقوں کے لوگ زندگی بسر کر رہے تھے۔ طاقتور لوگ کمزوروں کو دباتے تھے اور ان کے ساتھ بہت ظلم اور بے رحمی کا سلوک کرتے تھے۔ یہ وہ چیزیں تھیں جن کو دیکھ کر وہ آزردہ خاطر ہوئے اور ایران چھوڑ گئے۔ (ایران بعہد ساسانیاں صفحہ 589 تا 590)

اونچے طبقے کی عیش و عشرت کا یہ حال تھا کہ بادشاہوں کے علاوہ ان کے امراء اور رؤسا بھی داد عیش دینے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں کوشاں رہتے تھے۔ ان کے لباس از حد قیمتی ہوتے تھے اور ان سے ان کی جلالت شان کا اندازہ لگایا جاتا تھا اور اگر کوئی امیر کبیر آدمی اپنی شان کے مطابق لباس نہ پہنتا تو اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا اور اسے کنجوس و بخیل کہہ کر مطعون کیا جاتا۔ ان کے امراء جو کلاہ سر پر پہنتے اس کی قیمت ایک لاکھ ہوتی تھی جس میں جواہرات جڑے ہوئے ہوتے تھے۔

محرمات کے ساتھ نکاح

ایران میں محرمات (بیٹی، بہن وغیرہ) کے ساتھ شادی کو مذہبی طور پر جائز سمجھا جاتا تھا اور اس قسم کی شادی ''خویذ وگدس'' (بخشش کروادینے والی شادی) کہلاتی تھی۔ ایرانیوں کے ہاں اس قسم کی شادی کی رسم بہت پرانی ہے۔ چنانچہ ہخامنشیوں کی تاریخ میں ہمیں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں ان کی مذہبی کتابوں میں اس شادی کی بڑی عظمت بیان کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ایسی مزاوجت (شادی) پر خدا کی رحمت کا سایہ پڑتا ہے اور شیطان اس سے دور رہتا ہے۔ ان کے ایک بڑے مستند عالم ''نرسی برزمہر مفسر'' کا یہاں تک دعویٰ ہے کہ خویذ وگدس سے کبائر گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ ایرانیوں کے ہاں عہد ساسانی میں محرمات کے ساتھ ساتھ شادی کی رسم کی تصدیق نہ صرف ہم عصر مؤرخین مثلاً اگاتھیاس وغیرہ کے بیان سے ہوتی ہے بلکہ اس عہد کی تاریخ میں ایسی شادی کی کئی مثالیں بھی موجود ہیں مثلاً بہرام چوبیں نے اور مہران گشنسپ نے اس قسم کی شادیاں کیں۔ (ایران بعہد ساسانیاں، صفحہ 428 تا 429)

سر پرسی سائیکس ہسٹری آف پرشیا میں لکھتے ہیں:

کہ بہمن نے اپنی بہن ھمائی سے شادی کی۔ اس کے بطن سے اس کے مرنے کے بعد دارا پیدا ہوا۔

(ہسٹری آف پرشیا صفحہ 391)

لیکن علامہ طبری نے اس کے بارے میں لکھا ہے ھمائی یا (خمانی) اس کی بیٹی تھی اور وہ اس سے حاملہ ہوئی۔ جب بہمن مرنے لگا تو اس کی بیٹی جو اس کی زوجہ بھی تھی، نے کہا کہ میرے شکم میں جو بچہ ہے تو اس کی تاج پوشی کرو اور اس کو اپنا وارث تخت بناؤ۔ (طبری حصہ 2 صفحہ 2)

یزدگرد دوم نے اپنی بیٹی سے شادی کی، کافی عرصہ اسے اپنی بیوی بنائے رکھا پھر اس کو قتل کر دیا۔ محرمات کے ساتھ شادی کا رواج اتنا عام تھا کہ وہ ایرانی جو زرتشتی مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب سے منسلک تھے انہوں نے بھی اس رواج کو اپنا لیا اور بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ شادیاں رچانا شروع کر دیں حالانکہ ان کے مذہب کی رو سے یہ فعل قطعاً ممنوع اور حرام تھا۔ پروفیسر آرتھر لکھتا ہے:

ایران کے عیسائیوں نے زرتشتیوں کی دیکھا دیکھی محرمات کے ساتھ شادی کرنے کی رسم اختیار کر لی تھی حالانکہ یہ امر ان کی شریعت کے بالکل خلاف تھا۔ (ایران بعہد ساسانیاں صفحہ 571)

ایرانیوں کے ہاں ازدواجی زندگی کے بارے میں چند عجیب وغریب معمولات تھے جنہیں کوئی باغیرت اور باحمیت انسان سننے کے لئے بھی شاید تیار نہ ہو لیکن وہ ان معمولات پر کوئی خجالت وشرم محسوس کئے بغیر کھلم کھلا عمل کرتے تھے۔ پروفیسر لکھتے ہیں:

> "شوہر مجاز تھا کہ اپنی بیوی یا بیویوں میں سے ایک کو خواہ وہ بیاہتا بیوی ہی کیوں نہ ہو کسی دوسرے شخص کو جو انقلاب روزگار سے محتاج ہو گیا ہو اس غرض کے لئے دے دے کہ وہ اس سے کسب معاش کے کام میں مدد لے۔ اس میں عورت کی رضامندی کا حاصل کرنا ضروری نہیں ہوتا تھا۔ اس عارضی ازدواج میں جو اولاد ہوتی تھی وہ پہلے شوہر کی سمجھی جاتی تھی۔ یہ مفاہمت ایک باضابطہ قانونی اقرار نامے کے ذریعے ہوتی تھی اور اس قسم کا معاہدہ انسانی ہمدردی کے ذیل میں شامل کیا جاتا تھا یعنی یہ کہ ایک شخص نے اپنے ایک محتاج ہم مذہب کی مدد کی"۔ (ایران بعہد ساسانیاں صفحہ 436 تا 437)

اخلاقی پستی

ایران کے مذہبی معاشرتی حالات کے بارے میں مختصر سا اور حسب ضرورت پڑھ چکے ہیں۔ اخلاقی لحاظ سے بھی ایرانی معاشرہ زوال وانحطاط کی گہری پستیوں میں گر چکا تھا۔ جس معاشرہ میں بیٹی اور بہن کو اپنی منکوحہ بنانا گوارا کر لیا جاتا ہو بلکہ اسے باعث رحمت آسمانی خیال کیا جاتا ہو اور جس معاشرہ میں اپنی بیوی کو عاریتاً اپنے کسی دوست کے حوالے کر دینا ایک پسندیدہ اور قابل تعریف فعل ہو وہاں ضبط نفس کے بارے میں سوچنا اور جنسی بے راہروی پر کوئی قدغن لگانا کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ اس لئے زنا، بدکاری کا عام رواج تھا۔ شراب کھلے عام پی جاتی تھی بلکہ مذہبی تقریبات میں اس کو بڑے اہتمام سے حاضرین کی تواضع کے لئے پیش کیا جاتا تھا۔ ان ہی اخلاقی پستیوں، معاشی ناہمواریوں اور معاشرتی بے راہریوں کے باعث مزدک کو اپنا فلسفہ پیش کرنے کی جسارت بھی ہوئی اور

اسے ناقابل تصور کامیابی بھی حاصل ہوئی۔

سارا ماحول پہلے ہی برائیوں میں پھنسا ہوا تھا اب ذرا سی ہوشیاری اور چالاکی کی ضرورت تھی جو اس معاشرہ کو ہمیشہ کے لئے پیوند خاک کرنے کے لئے کافی تھی۔ چنانچہ مزدک (ایک مذہبی اور سیاسی رہنما) نے جو مؤرخ طبری کے قول کے مطابق نیشاپور کا رہنے والا تھا یہ اعلان کر دیا کہ تمام انسان مساوی ہیں کسی کو کسی پر فوقیت اور امتیاز حاصل نہیں۔ ہر وہ چیز جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے بالاتر کر دے وہ اس قابل ہے کہ اسے مٹا کر رکھ دیا جائے۔ اس دعوت میں ایک تلخ حقیقت تھی اور وہاں کی مظلوم و محروم اور بے بس آبادی بڑی بے تابی سے اس دعوت کو قبول کرنے کے لئے تیار تھی۔

مزدک نے کہا صرف دو چیزیں ایسی ہیں جو انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کرتی ہیں اور ان کے درمیان ناجائز امتیازات کی دیواریں چن دیتی ہیں وہ ہیں جائیداد اور عورت۔ کیونکہ سب انسان مساوی ہیں اس لئے کسی شخص کو کسی جائیداد پر خصوصی حقوق ملکیت حاصل نہیں اور کوئی عورت ایک شخص کی منکوحہ بن کر نہیں رہ سکتی۔ انسانی مساوات کا یہ بنیادی تقاضہ ہے کہ نہ کوئی جائیداد کسی کی ملکیت ہو اور نہ کوئی عورت کسی ایک شخص کی مخصوص بیوی بنے بلکہ ہر قسم کی جائیداد بھی سب کے لئے مشترک ہے اور ہر ایک اس سے استفادہ کر سکتا ہے اور ہر عورت بھی سب کے لئے مشترک ہے ہر شخص اس سے تمتع اور لذت اندوزی کر سکتا ہے۔

یہ دونوں باتیں ایسی تھیں جنہیں اس عریاں بے باکی کے ساتھ بیان کرنے کی آج تک کسی کو جرأت نہ ہوئی تھی لیکن مزدک زمانہ شناس تھا۔ معاشرہ جن مصائب و آلام میں جکڑا ہوا تھا اور صدیوں سے کراہ رہا تھا اس نے ان کا صحیح اندازہ لگایا اور ان چیزوں کے تقدس کو پارہ پارہ کر کے ان سب کو ایک متاعِ مشترک بنا دیا۔ ایران کے مفلس عوام جو امراء، رؤساء اور شہزادگان کے فلک بوس اور شاندار محلات کو دیکھتے اور دل مسوس کر رہ جاتے، ہر رات وہاں جو بزم عیش و طرب سجائی جاتی ان کے بارے میں وہ سنتے اور حسرت کی آہ بھر کر رہ جاتے۔ زرو جواہر اور اشرفیوں کے ڈھیر دیکھ کر ان کی آنکھوں میں یاس کے آنسو بھر آتے۔ ان مفلوک الحال لوگوں کے لئے اس دعوت میں بلا کی کشش تھی اور جب اس کے ساتھ جنسی زندگی کی ساری پابندی بالائے طاق رکھ دی گئی ہوں اور ہر شخص ہر عورت کو اپنی ہوس کا شکار بنانے کا قانوناً حق دار بنا دیا گیا ہو ان چیزوں نے اس دعوت کی کشش کو دو آتشہ بنا دیا اور لوگ جوق در جوق اس ننگ انسانیت تحریک میں شامل ہونے لگے۔

مزدک نے ایک اور عیاری کی، وہ یوں کہ اس نے مرکزی قربان گاہ کے نیچے ایک خفیہ غار بنائی اور اس میں اپنے ایک شریک کار کو چھپا دیا اور اس کا رابطہ ایک ٹیوب کے ذریعے حاضرین قربان گاہ یا عبادت گزاروں سے کر دیا۔ اب وہ لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرتا کہ وہ اپنے معبود سے سوال کر رہا ہے اور اس کا معبود اس کے سوالوں کا جواب دے رہا ہے۔ بڑے بڑے دانشور اور سربرآوردہ لوگ اس کے اس مکر و فریب میں آ جاتے اور اس کے ان باطل نظریات کو صدق

دل سے قبول کر لیتے۔ یہاں تک کہ کیقباد کسریٰ ایران جب اس قربان گاہ پر رسوم عبادات انجام دینے کے لئے حاضر ہوا تو مزدک نے بڑی ہوشیاری اور مہارت کے ساتھ اس کے سامنے بھی یہی ڈرامہ کیا۔ بادشاہ اتنا متاثر ہوا کہ اس کو خدا کا فرستادہ سمجھ کر اس کی بیعت کر لی اور اس کے معتقدین میں شامل ہو گیا۔ (ہسٹری آف پرشیا صفحہ 442)

کیقباد نے اپنی مملکت کے تمام وسائل مزدک کے مذہب کو فروغ دینے کے لئے وقف کر دیئے۔ مؤرخ شہیر علامہ بن اثیر نے اپنی کتاب الکامل میں مزدک کا حال ذرا تفصیل سے تحریر کیا ہے ان کی عربی عبارت کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

''شاہ ایران قباذ بن فیروز کے عہد حکومت میں مزدک ظاہر ہوا اور اپنی بدعتوں کا پرچار شروع کیا۔ اس نے بعض امور میں زرتشت کی پیروی کی اور بعض امور کا اپنی طرف سے اضافہ کیا۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی طرف دعوت دے رہا ہے جس طرح زرتشت نے اس کی طرف دعوت دی تھی۔ اس نے محرمات اور بری چیزوں کو حلال کر دیا۔ اموال واملاک عورتوں، غلاموں اور کنیزوں میں تمام لوگوں کو مساوی حقوق دے دیئے تا کہ کسی کو کسی پر کسی چیز میں فضیلت و برتری نہ رہے۔ کمینہ خصلت اور رذیل لوگوں کی ایک کثیر تعداد بہت جلد اس کی پیروی کرنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی تعداد ہزار ہا ہزار تک پہنچ گئی۔ مزدک ایک آدمی کی بیوی کو لیتا اور دوسرے کے حوالے کر دیتا۔ اس طرح لوگوں کے اموال، کنیزوں، غلاموں اور زرعی زمینوں میں سے جس کو چاہتا ان میں سے کسی کو ان کا مالک بنا دیتا۔

چنانچہ اس کو بڑا غلبہ نصیب ہوا' اس کی شان بلند ہوئی یہاں تک کہ بادشاہ کیقباد بھی اس کے پیروکاروں میں شامل ہو گیا۔ مزدک اس حد تک بے حیاء اور بے باک ہو گیا کہ اس نے ایک دن کیقباد کو کہا کہ آج تیری بیوی (جو نوشیروان کی ماں تھی) میرے پاس رات بسر کرے گی۔ کیقباد بھی اس کی صحبت کی نحوست سے بے غیرتی کی انتہائی منزل کو پہنچ چکا تھا۔ اس نے اس کی حیاء سوز تجویز پر کسی غیظ وغضب کا اظہار نہ کیا اور اسے بخوشی قبول کر لیا۔ نوشیروان کو پتہ چلا تو وہ اپنی ماں کی اس بے عزتی پر بے چین ہو گیا اور انتہائی نیاز مندی کے ساتھ مزدک کی خدمت میں آ گیا۔ اپنے ہاتھوں سے اس نے اس کے جوتے اتارے اس کے پاؤں کو بوسے دیئے اور بڑی لجاحت سے عرض کی کہ وہ اس کی ماں کی آبروریزی نہ کرے۔ اس کو اس مہربانی کے عوض جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اس کے سپرد کر دے گا۔ تب جا کر مزدک اس حرکت سے باز آیا اور اس کی ماں تمام اہل ایران کی مادر ملکہ کو چھوڑ دیا۔

مزدک نے اس کے علاوہ حیوان کے ذبیحہ کو حرام قرار دے دیا اور کہا کہ انسان کو اپنی خوراک کے لئے انہیں چیزوں پر اکتفا کرنا چاہئے جو زمین اگاتی ہے یا حیوانات سے حاصل کی جاتی ہے۔ مثلاً انڈے، دودھ، گھی، پنیر وغیرہ۔ اس کی پیدا کردہ اس مصیبت نے ملک گیر وبا کی صورت اختیار کر لی اور لوگ اس کا شکار ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد حالت یہ ہو گئی کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کو اور کوئی باپ اپنے بیٹے کو نہیں پہچان سکتا تھا۔

(الکامل فی التاریخ لابن اثیر جلد 1 صفحہ 413 تا 414)

قباذ کی حکومت کو جب دس سال پورے ہو گئے تو موبدان موبد (سب سے بڑا مذہبی رہنما) اور جتنے بڑے علماء اور اعیان مملکت تھے جمع ہوئے اور انہوں نے کیقباد کو تخت و تاج سے معزول کر دیا اور اس کے بھائی جامسپ کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ انہوں نے کیقباد کو کہا کہ تو نے مزدک کی پیروی اختیار کی، مزدک اور اس کے حواریوں نے لوگوں پر جو ظلم و ستم توڑے اس میں تم ان کے معاون ثابت ہوئے' اب تمہاری نجات کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں کہ تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہم تمہیں ذبح کریں اور آگ کے سامنے تمہاری قربانی پیش کریں۔ اس نے اپنے آپ کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ قید کر دیا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد نوشیروان تخت نشین ہوا اس نے مزدک اور اس کے ماننے والوں کو تہ تیغ کر دیا اس طرح یہ فتنہ ختم ہوا۔

ول ڈیورانٹ اپنی کتاب دی ایج آف فیتھ (THE AGE OF FAITH) میں اس واقعہ (مزدک کے قتل) کو یوں بیان کرتا ہے۔

''490 عیسوی کے قریب جو ابتداء میں زرتشتی مذہب کا پیشوا تھا اس نے دعویٰ کیا کہ وہ خدا کا فرستادہ ہے اور پرانے عقیدہ کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام مرد مساوی حیثیت رکھتے ہیں اور کوئی آدمی دوسرے سے زیادہ کسی چیز کی ملکیت کا حق نہیں رکھتا۔ جائیداد اور شادی انسان کی ایجاد کردہ ہیں اور یہ بڑی خطرناک غلطیاں ہیں تمام چیزیں اور تمام عورتیں تمام مردوں کی مشترکہ ملکیت ہونی چاہئیں۔ اس نے چوری، زنا، محرمات سے شادی کو جرائم کی فہرست سے نکال دیا۔ (اگرچہ محرمات کے ساتھ نکاح کرنے کی پہلے بھی اجازت تھی) اور کہا کہ درحقیقت یہ اعمال جائیداد اور شادی کے خلاف فطری احتجاجات ہیں۔

غریبوں محروموں' مزدوروں نے اور کئی دوسرے لوگوں نے اس کی دعوت کو بڑی خوشی سے سنا' لیکن خود مزدک کو اس وقت بڑی حیرت ہوئی جب ایک بادشاہ اس کے پیروکاروں میں شامل ہو گیا۔ تحریک نے زور پکڑا تو اس کے پیروکاروں نے جائیداد کو لوٹنا شروع کر دیا وہ صرف لوگوں کے گھروں کو ہی نہیں لوٹتے تھے بلکہ امیر آدمیوں کی بیویاں بھی ان کی غارتگری کا نشانہ بنتیں۔ وہ ان خوبصورت کنیزوں کو اپنے استعمال کے لئے اٹھا کر لے جاتے۔ اس کے ردِ عمل میں جو امراء بادشاہ کی اس حرکت سے غضبناک ہوئے انہوں نے اس کو قید کر دیا اور اس کے بھائی کو تخت پر بٹھا دیا۔ تین سال تک وہ ایک قلعہ میں محبوس رہا اور پھر وہاں سے وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا پھر ایک بادشاہ کی امداد سے 449ء عیسوی میں وہ کھویا ہوا تخت دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اپنی طاقت کو محفوظ کرنے کے بعد اس نے کمیونسٹوں پر اپنی توجہ مبذول کی اس نے مزدک اور اس کے ہزارہا پیروکاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا''۔ (دی ایج آف فیتھ صفحہ 144)

بازنطینی اور ساسانی شہنشاہتیں
(چھٹی صدی عیسوی میں)

قرطاجنوقا
روم
صقلیہ
ملیتا (مالٹا)
قسطنطنیہ
القرہ
قیصریہ
سکندریہ
ہیلوپولیس
(قاہرہ)
دمشق
داماسیقوس
طیسفون
(مدائن)
اصفہان
ہرات
امیرجان
قندھار
حیرہ
یثرب (مدینہ)
جدہ
مکہ
طائف
یمن
بحیرہ آرال

بازنطینی حکومت (مغربی) کے براہ راست ماتحت علاقے
بازنطینی حکومت (مشرقی) کے براہ راست ماتحت علاقے
عرب غسانی سلطنت جو بازنطینی حکومت (مشرقی) کے زیر اثر تھی
ایرانی حکومت کے براہ راست زیر اقتدار علاقے
عربی سلطنتیں جو کہ ایرانی حکومت کے ماتحت تھیں

سلطنت رومہ

چھٹی صدی عیسوی میں مصر اور یونان دونوں ہی علیحدہ آزاد ریاستیں یا آزاد مملکت نہ تھیں بلکہ یہ دونوں سلطنت روم کا مفتوحہ حصہ تھیں۔ رومیوں نے انہیں صدیوں پہلے اپنا حصہ یا مملکت روم کا حصہ بنالیا تھا اوران کی آزاد، خودمختار حیثیت کب کی ختم ہوچکی تھی۔ سلطنت روم کے ساتھ ان دونوں کا ذکر نمایاں طور پر اس لئے بیان کردیا گیا ہے کہ یہ دونوں خطہ ارض پانچ چھ ہزار سال پہلے بنی نوع انسان کی ترقی یافتہ تہذیب کا گہوارہ رہ چکے ہیں۔ اس زمانے میں علم ودانش کا یہاں چرچا تھا ان کی تہذیب وتمدن نے مستقبل کے لئے بہت گہرے اور انمٹ نقوش چھوڑے ہوئے ہیں اس لئے ان دونوں کا مملکت روم کے ساتھ نمایاں ذکر کرنا ضروری جانا اور اس لئے بھی ان کا ذکر علیحدہ کرنا ضروری سمجھا کہ کوئی بھی ترقی یافتہ تہذیب نئے ادیان ومذاہب کو قبول کرنے میں یا اس کی مخالفت کرنے میں خاص اور نمایاں کردار ادا کرتی ہے اور وقت رفتہ کے ساتھ ساتھ نہ محسوس ہونے والے انداز سے مذہب، رہن سہن، رسم ورواج میں لائی گئی تبدیلیوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔

رومہ کے محل وقوع نے اس کی اہمیت میں اضافہ کردیا تھا۔ یہ شہر سات پہاڑیوں کے درمیان اس مقام پر آباد ہوا تھا جہاں دریائے ٹائبر پر پل بنایا گیا تھا۔ طبعی طور پر دفاعی نقطہ نظر سے بہت مستحکم تھا اس میں قلعہ بندیاں کی جاسکتی تھیں اور دشمن کی بڑی سے بڑی حملہ آور فوج سے اس کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا جاسکتا تھا۔ یہ اٹلی کے وسط میں اس کے مغربی ساحل سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر تھا۔

اٹلی کے زرعی میدان اگرچہ بہت زیادہ وسیع نہیں تاہم یونان کے مقابلہ میں ان کا رقبہ بہت زیادہ ہے اور زمین بڑی زرخیز ہے۔ ابتداء میں بیرونی حکمران جزیرہ نما اٹلی پر حکمرانی کرتے تھے لیکن لاطینی قبیلے ان اجنبی حکمرانوں سے سخت نفرت کرتے تھے اور اس موقع کی تلاش میں تھے کہ وہ ان کے خلاف علم بغاوت کردیں۔ چنانچہ 509 قبل مسیح میں رومیوں نے آخری بیرونی بادشاہ مغرور ٹارکیون (TARQUIN THE PROUD) کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور اس کو نکال باہر کیا۔ اس وقت سے ان کی آزادی کا دور شروع ہوا۔

جمہوریت کے ابتدائی سالوں میں رومہ کے تمام شہریوں کے لئے لازمی تھا کہ وہ فوجی خدمات انجام دیں۔ رومہ کے جمہوری حکمرانوں نے فوج میں بہت اچھا اور مضبوط نظم ونسق برقرار رکھا۔ دوسری صدی قبل مسیح کا ایک

یونانی مؤرخ پولی بئیس (POLY BIUS) لکھتا ہے ''ان رومی سپاہیوں میں سے پہرے کی حالت میں جو سپاہی سو جاتے ان کے خلاف کارروائی کے لئے فوجی عدالت کا اجلاس طلب کر لیا جاتا اور جو سپاہی مجرم ثابت ہوتا اس پر سنگ باری کر کے اسے وہیں ختم کر دیا جاتا اور جو کسی وجہ سے زندہ بچ جاتے ان کو گھروں میں واپس آنے کی اجازت نہ تھی اور خاندان کا کوئی فرد حکومت کے خوف سے انہیں اپنے ہاں ٹھہرانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ رومی فوج میں رات کے وقت چوکیداری کے تقاضے بڑے اہتمام سے پوری کیے جاتے تھے''۔

مؤرخ پولی بئیس مزید لکھتا ہے کہ رومی فوج کی کامیابیاں کشادہ دلانہ انعام و اکرام اور وحشیانہ سزاؤں پر موقوف تھیں۔ یہ جمہوری مملکت آہستہ آہستہ ترقی کرتی گئی یہاں تک کہ برطانیہ سے مصر تک ماریطانیہ سے آرمیا تک رومیوں کی سلطانی کا پرچم لہرانے لگا اور اس وسیع وعریض مملکت کے باشندے اس بات پر بڑا فخر کرتے تھے کہ وہ رومی شہری ہیں۔

ابتدائی رومی جمہوریت کی حکومت، حکومت عدیدہ (چند امراء کی حکومت) تھی۔ اسے انگریزی میں OLIGARCHY، اولی گارچی کہا جاتا ہے کیونکہ امراء کا ایک چھوٹا سا طبقہ تمام کلیدی سرکاری عہدوں پر مسلط تھا۔ عوامی نمائندوں کو طبقہ امراء کی اجارہ داری پسند نہ آئی چنانچہ انہوں نے بہت جلد اپنے حقوق کا مطالبہ شروع کر دیا۔ رومیوں نے عملی مصلحت اندیشی کے پیش نظر عوامی نمائندوں کے مطالبات کو تسلیم کر لیا اور نظام حکومت میں ترمیم کر دی گئی۔ عوامی نمائندوں کو یہ شکایت تھی کہ سلطنت کا قانون تحریری طور پر موجود نہیں اس لئے وہ اپنے حقوق کا پورا تحفظ نہیں کر سکتے۔ اس شکایت کے پیش نظر ایک خاص کمیشن مقرر کر دیا گیا جس نے پہلی مرتبہ 449ء قبل مسیح میں رومی قانون کو تحریری شکل میں مرتب کیا۔ اسے بارہ تختیاں کہتے تھے یہ لکڑی کی بارہ تختیوں پر کندہ کرایا گیا اس طرح ہر شخص ان تختیوں کا مطالعہ کر کے اپنے قانونی حقوق معلوم کر سکتا تھا۔

اتنی وسیع سلطنت رومی میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ طرح طرح کی انتظامی اور عمرانی (مالی، معاشی) خرابیاں رونما ہونے لگیں جن سے امن وامان کی صورت حال بگڑتی چلی گئی اور ہر سالار فوج جو کسی علاقہ کو فتح کرتا وہ بے اندازہ اختیارات کا مالک بن جاتا اور من مانی کرنے سے باز نہ آتا۔ ظاہری طور پر اگرچہ جمہوری حکومت اپنے تمام اداروں کے ساتھ قائم تھی لیکن اس کے ادارے رفتہ رفتہ بے اثر ہوتے چلے گئے اور ان میں نہ یہ قوت رہی کہ بیرونی حملہ آوروں کی یلغار کے سامنے بند باندھ سکیں اور نہ ان میں یہ صلاحیت رہی کہ وہ اندرون ملک بے چینی کی اٹھنے والی لہروں کو قابو کر سکیں۔

چنانچہ دن بدن حالات سنگین سے سنگین ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ سالار ''ماریس'' جس نے شمالی افریقہ اور ''گال'' کی مہموں میں 112 - 101 ق م میں فوجی شہرت حاصل کر لی تھی، 108 قبل مسیح میں قونصل منتخب ہوا اور اس نے اپنی غیر قانونی، بالادست سرگرمیوں کے باعث جمہوریت کو مطلق العنانی کے راستہ پر چلانا شروع کر دیا۔ ماریس کی وفات (ماریس کی وفات 86 قبل مسیح اور تھری وائز پر فتح 84 قبل مسیح) کے بعد ''سُلا'' ڈکٹیٹر بن گیا اور

ماریس کے حامیوں کو اس نے کچل کر رکھ دیا۔ اگرچہ اس کے عہد کی مدت صرف چھ ماہ تھی مگر وہ چار سال تک اسی عہدہ پر فائز رہا۔ اس زمانہ میں سینٹ موجود تھا لیکن رومہ پر حکمرانی "سُلا" اپنی فوج کی مدد سے کر رہا تھا۔

نئے طالع آزماؤں میں سب سے پیش پیش جولیس سیزر تھا جو رومی سرداروں میں نہایت قابل تھا لیکن پرلے درجے کا حریص تھا۔ اس نے اپنی وسیع فتوحات سے (58 قبل مسیح-50 قبل مسیح) میں فوجی شہرت حاصل کر لی اور اپنے کارناموں کو خوب پھیلایا۔ آخر کار اس نے 49 قبل مسیح میں رومہ پر حکمرانی کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی اور اس نے سینٹ کے احکام کو نظر انداز کر دیا اور تربیت یافتہ سپاہیوں کی فوج لے کر پومپی کو شکست دینے کے لئے (جو سیزر کا داماد اور سابقہ حلیف تھا) سیزر اٹلی سے ہسپانیہ، وہاں سے یونان، مقدونیہ اور وہاں سے مصر گیا۔ مصر پہنچنے پر اسے معلوم ہوا کہ پومپی قتل ہو چکا ہے۔ مصر کی نوجوان ملکہ کلیوپٹرا نے سیزر سے مدد کی التجائیں کیں تاکہ اس کا متزلزل تخت بحال رہے۔ سیزر کو کلیوپٹرا سے محبت ہوگئی اور اس کے بطن سے ایک بیٹا بھی پیدا ہوا تاہم وہ اپنے اصل نصب العین (فتوحات) کو زیادہ سے زیادہ عرصہ تک فراموش نہ رکھ سکا۔

آخری مخالف کو اس نے ہسپانیہ میں شکست دی اس وقت سے سیزر اپنی مرضی کے مطابق تنہا حکومت کا کاروبار چلاتا رہا۔ سیزر کی حکمرانی میں یونانی استبداد اور مشرقی مطلق العنانی کے خصائص جمع ہو گئے تھے۔ یونانی آمروں کی مانند سیزر کو عوام کی حمایت حاصل تھی جو بدنظمی سے تنگ آئے ہوئے تھے اس کی بعض پالیسیاں بڑی دانشمندانہ اور تعمیری تھیں۔ اس نے قدیم اور غلط تقویم کی جگہ 365 دن کا نیا سال جاری کیا جس میں ہر چوتھے سال ایک دن کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس نے اٹلی کے مزید شہروں کو حقوق خود اختیاری عطا کر دیئے جن کی اشد ضرورت تھی۔

ان اچھی باتوں کے برعکس سیزر نے جمہوریت کے تمام اداروں کو معطل کر دیا اور قونصل، عوام کے ٹریبون ڈکٹیٹر اور اعلیٰ مذہبی پیشوا چاروں کے اختیارات سنبھال لئے۔ سینٹ کو مجبور کر دیا کہ اس کی پیش کردہ تجاویز کو بحث و تمحیص کے بغیر منظور کر لے۔ ساتھ ہی یہ بھی اہتمام کیا کہ رعایا سکندر اعظم اور مصری بطلیموسیون کی طرح خود اس کی بھی پرستش کرے۔ بالآخر دشمنوں نے سیزر کو سینٹ میں قتل کر دیا۔ اوکٹاوین (Octo Vain) جو سیزر کی بھانجی کا بیٹا تھا اس کا جانشین بنا اور اس کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے پندرہ سالہ دور حکومت میں دشمنوں کو عبرتناک شکستیں دیں۔

اس کا سب سے بڑا اور آخری حریف مارک اینٹونی (MARK ANTONI) تھا جو اس کی بہن آکٹویا کا شوہر بھی تھا۔ وہ مصر چلا آیا تاکہ مصر کی ملکہ کلیوپٹرا سے مدد طلب کرے لیکن وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ اس عشق بازی نے اسے قابل سپہ سالاری کی صفات سے بھی محروم کر دیا' نیز اپنے اہل وطن کی نگاہوں میں اس کی جو قدر و منزلت تھی وہ بھی جاتی رہی۔ وہ اب روما کا جری جرنیل نہیں رہا تھا بلکہ مصر کی ملکہ کا خاوند بن کر رہ گیا تھا۔ چنانچہ اس کے ہم وطن رومی اس سے بیزار ہو کر اس کے حریف اوکٹاوین سے جا ملے۔ 30 قبل مسیح میں اس نے اینٹونی کو شکست دی۔ اس صدمہ کی تاب نہ لاتے ہوئے اینٹونی اور کلیوپٹرا دونوں نے خودکشی کر لی۔

(تاریخ تہذیب خلاصہ جلد 1 صفحہ 138 تا 141)

مملکت مصر کو فتح کر کے آکٹیوین نے مصر کو بھی رومی حکومت میں شامل کر لیا اس طرح آکٹاوین نے رومہ میں اقتدار کامل حاصل کر لیا۔ جمہوریت نے جو مدت سے بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ رہی تھی دم توڑ دیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جمہوری اوصاف وادارے قائم رہیں مگر اپنے اختیارات بڑھا کر حکومت کا اقتدار مستحکم کر لیا جائے۔ وہ اپنے آپ کو رومی جمہوریت کا بحال کنندہ کہتا تھا۔

جمہوریت پرستی کا کردار قائم رکھنے کے لئے وہ ہر نمائش سے احتراز کرتا' ایک سادہ سے مکان میں رہائش پذیر رہا۔ اس کے بچے بھی عام لوگوں کے بچوں کی طرح گھریلو کام کاج سیکھتے۔ سرکاری دعوتوں میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھتا۔ وہ اپنے آپ کو شہنشاہ معظم یا سیزر کی طرح دیوتا کا بیٹا کہلانے کے بجائے جمہوریت کا پہلا شہری کہلانا پسند کرتا تھا۔ آخر اسے آگسٹس کے لقب سے ملقب کیا گیا یعنی محترم و معظم اور وہ تاریخ میں بھی اسی لقب سے پہچانا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ بادشاہوں کی پرستش شروع ہوگئی۔ رعایا کے مختلف گروہ آگسٹس کو دیوتا کی طرح پوجنے لگے۔ مشرقی ممالک میں لوگ اپنے بادشاہوں اور شہنشاہوں کی پرستش کیا کرتے تھے یہاں بھی ان کی نقل کرتے ہوئے بادشاہ کی پوجا شروع ہوگئی اور اسے حب الوطنی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ (تاریخ تہذیب جلد 1 صفحہ 145)

آکٹاوین کی بادشاہت کے بعد شہنشاہی کا سلسلہ شروع ہوا اور آخر دم تک بادشاہی نظام جاری رہا۔ اس عرصہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور ہوا۔ آپ کی حیات طیبہ میں یہودیوں نے آپ پر اور آپ کی والدہ ماجدہ پر بڑھگھٹیا الزام عائد کئے اور آپ کی نبوت و رسالت کی مخالفت میں اپنے تمام وسائل ذرائع اثر ورسوخ استعمال کرتے رہے۔ آپ کی زندگی میں صرف بارہ آدمی آپ پر ایمان لائے جن کو حواری کہا جاتا ہے۔ آپ کا لایا ہوا نیا دین آپ کے آسمان پر اٹھا لئے جانے کے بعد پہلی دو نسلوں میں آہستہ آہستہ پوری رومی سلطنت کے اندر پھیل گیا۔ پہلی صدی گزرنے کے بعد مسیحیت کا بیج سلطنت کے تمام حصوں میں بویا جا چکا تھا۔

چوتھی صدی کے اوائل میں ان کی (عیسائیوں) تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ اس وقت کے شہنشاہ گیلیرئس نے 311 عیسوی میں عیسائیوں کے حق میں رواداری کا سرکاری فرمان جاری کیا اور اس وقت اس سرکاری فرمان پر اپنے دستخط ثبت کئے جب وہ بستر مرگ پر داعی اجل کو لبیک کہنے کا منتظر تھا۔ اس کے بعد قسطنطین نے 313 عیسوی میں میلان کے فرمان شاہی کے ذریعہ مذہبی آزادی کا اعلان کیا۔ 325 میں مسیحیت کے مذہبی رہنماؤں کی ایک مجلس شہنشاہ نے اپنی سرپرستی میں نیقیہ کے مقام پر منعقد کی۔ قسطنطین کی موت کے وقت کلیسا اس درجہ پر پہنچ چکا تھا کہ رومی سلطنت کا سرکاری مذہب بن سکے۔ قسطنطین نے بھی بپتسمہ لیا اور اپنے عیسائی ہونے کا اعلان کر دیا۔

اہل روم کا مذہب

ابتدائی دور کے رومی قدیم مذہب پر کاربند تھے ایک چھوٹی سی شہری ریاست کے لئے جس میں کسان بستے تھے وہ قدیم مذہب بالکل طبعی تھا۔ وہ ان روحوں کی پرستش کرتے تھے جو گھروں، چشموں، کھیتوں اور مفصلات کے

دوسرے مقاموں میں کارفرما تھیں۔ سادہ لوح کسانوں کو طلسمی باتوں پر بڑا اعتقاد تھا۔

جب یونان کبیر (رومہ) اور باقی یونانی دنیا کا الحاق عمل میں آیا تو جمہوریت کے آخری دور کے رومیوں نے کوہ اولمپس کے دیوتاؤں کو اپنا معبود بنالیا البتہ ان دیوتاؤں اور دیویوں کے نام مقامی ہی رکھے۔

مثلاً

1-یونانیوں کے زیوس کا نام رومیوں نے جوپیٹر (مشتری) رکھا۔

2-یونانی ہیرا (زیوس کی بیوی) کا نام جونو رکھ دیا۔ اس طرح پوسیڈن، نیپچون یعنی سمندر کا دیوتا زحل۔

3-ریس، مارس، جنگ کا دیوتا مریخ۔

4-ہٹااسٹس، ولکن، آگ کا رومی دیوتا۔

5-ایفروڈائٹ، وینس، زہرا حسن کی دیوی۔

6-ہتھینا، منروا، علم کی دیوی، حکومت کی دیوی۔ (تاریخ تہذیب جلد 1 صفحہ 154)

مذہبی رسوم جو یونان میں اولمپائی کھیلوں اور ایتھنز کے ڈرامائی جشنوں کی صورت میں بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی تھیں روم میں ان مذہبی رسومات کا کوئی دستور نہ تھا۔ رومیوں کو عبادات میں زیادہ حصہ لینے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ دیوتاؤں کو مقررہ مقامات پر پہنچانے کی ذمہ داری حکومت نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی اور دیوتاؤں کے بارے میں جو مذہبی رسومات تھیں وہ پروہتوں کی ایک جماعت ادا کرتی تھی جن کا رئیس خود بادشاہ ہوتا تھا۔ جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے سیزر بادشاہ نے اپنی رعایا کو اپنی پرستش کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ ان کے باطل معبودوں میں ایک نئے فانی معبود کا اضافہ تھا وہ حیات بعد الموت پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے۔

''لوکریشس'' (ایک قدیم رومی شاعر) کہتا ہے کہ انسان کو موت سے نہیں ڈرنا چاہئے نہ یہ سمجھا چاہئے کہ موت کے بعد تکلیف واذیت کا کوئی امکان ہے۔ اس کے نزدیک انسانی جسم اور انسانی روح کائنات کی دوسری چیزوں کی طرح عناصر کے وقتی اور عارضی اجتماع کا نتیجہ ہے۔ جب موت آتی ہے ذرات الگ الگ ہوکر بکھر جاتے ہیں جسم روح بھی الگ الگ ہوجاتے ہیں۔ موت ایک ایسی نیند سے مشابہ ہے جو نہ کبھی ختم ہوگی اور نہ اس میں کوئی خواب نظر آئے گا۔ (تاریخ تہذیب جلد 1 صفحہ 156)

معبودان باطل کی پرستش کا یہ عقیدہ صدیوں جاری رہا۔

یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی آپ کی آمد کے باعث آپ کی زبان پاک سے لوگوں نے اللہ تبارک تعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ سنا۔ اگرچہ فلسطین اور شام وغیرہ کا علاقہ قیصر روم کے زیر نگیں تھا لیکن مذہبی طور پر وہاں یہودیوں کا بڑا اثر ونفوذ تھا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کو اپنے لئے ایک خطرہ تصور کیا اور آپ کی مخالفت میں سردھڑ کی بازی لگادی۔ ہر بیہودہ الزام آپ پر لگایا۔ ہر تہمت آپ کی طرف منسوب کی اور بیت المقدس کے رومی گورنر پیلاطس کو دھمکیاں دیں کہ اگر تم نے اس شخص کا چراغ زیست بجھا نہ دیا تو تمہارے خلاف

علم بغاوت بلند کر دیں گے۔

اس طوفانی مخالفت کے باعث زیادہ لوگ آپ سے فیض یاب نہ ہو سکے، صرف بارہ خوش نصیبوں کو آپ پر ایمان لانے کی سعادت نصیب ہوئی جنہیں حواری کہا جاتا ہے۔ آپ کے (رفع الی السماء) آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد حواریوں نے آپ کے دین کی تبلیغ کا فریضہ بڑی سرگرمی سے ادا کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد جو بھی لوگ عیسائیت کو قبول کرتے ان کے خلاف نفرت اور غصہ کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا۔ الزام تراشی واذیت رسانی کا پہلا واقعہ جو سب سے زیادہ مشہور ہے 64 عیسوی میں شہنشاہ نیرو کے ماتحت پیش آیا۔

ٹیسی ٹس اعلیٰ درجہ کا مؤرخ ہے وہ کہتا ہے کہ نیرو نے رومہ کی تباہ کن آتش زدگیوں کا الزام مسیحیوں پر عائد کرنے کی دانستہ کوشش کی' آتش زدگیوں کے بارے میں عام افواہ یہ تھی کہ آگ بے لگام بادشاہ نے خود حکم دے کر لگوائی ہے اس مؤرخ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ مہذب وشائستہ بت پرست' نئے دین' آسمانی مذہب کے متعلق کیا سمجھتے تھے۔

لہٰذا افواہ کی روک تھام کے لئے نیرو نے مجرم تلاش کئے اور انہیں انتہائی بے دردی سے سزائیں دیں یہ ایسے آدمیوں کی ایک جماعت تھی جن کی برائیوں سے لوگ متنفر تھے اور انہیں مسیحی کہا جاتا تھا۔

مسیح' جو اس فرقہ کا بانی تھا اس نے تائیبرلیس کے عہد حکومت میں موت کی سزا پائی تھی اور اس مذموم قتل وغارت گری سے مسیحیت تھوڑی دیر کے لئے رک گئی تھی۔ مسیحیت کچھ مدت بعد پھر پھیلی اور فلسطین اور شام ہی میں نہیں جو بیماری کا گھر تھا (عیسائیت کے خلاف گڑھ تھا) بلکہ دارالحکومت تک پہنچ گئی۔ نیرو کے حکم سے پہلے وہ آدمی گرفتار کئے گئے جو اس مذہب کا برملا اعتراف کرتے تھے پھر ان کی نشاندہی پر ایک کثیر تعداد کو گرفتار کر لیا گیا ان کے خلاف غصہ آگ لگانے کی بنا پر نہ تھا بلکہ اس لئے تھا کہ لوگوں کو ان سے نفرت تھی۔ ان کے خاتمہ تک لوگ ان کا مذاق اڑاتے رہے۔ پہلے ان پر درندے چھوڑے گئے، پھر کتوں سے پھڑوایا گیا، یا انہیں صلیبوں سے باندھ دیا گیا اور جب سورج غروب ہوا تو صلیبوں کو آگ لگا دی گئی تا کہ رات کے وقت چراغوں کا کام دے سکیں۔ (تاریخ تہذیب جلد 1 صفحہ 182)

جو لوگ مسیحی عقائد اختیار کرتے تھے ان کے خلاف ایذا رسانی اور الزام تراشی کا سلسلہ کئی صدیوں تک جاری رہا لیکن آخر کار اس مذہب نے تمام رومن سلطنت میں اپنی فتح کا پرچم لہرا دیا۔ اس کے بعد بھی یہ کوششیں جاری رہیں کہ اس سلطنت کی سابقہ بت پرستانہ حیثیت کو بحال کیا جائے۔ اس سلسلہ میں آخر بڑی کوشش بادشاہ جولین نے 361 تا 363 عیسوی میں کی جو رومیوں کے حکمران طبقے کی روایات سے گہری وابستگی رکھتا تھا اور اسے واقعی یقین تھا کہ مسیحی لوگ یونانی اور رومی ثقافت کی شائستگیوں کے خلاف مشرق کی ایک گھٹیا اوہام طرازی مسلط کر دینے کی فکر میں ہیں اور یہ شائستگیاں بڑی محنت ومشقت سے حاصل کی گئی تھیں لیکن یہ صرف دو سال بادشاہ رہنے کے بعد انتقال کر گیا اس طرح مسیحیت نے بہت جلد سابقہ حیثیت حاصل کر لی۔

یونانیوں کے لئے ایک طرح سے مسیحیت میں کوئی نرالا پن نہ تھا۔ اب مسیحیت کے آ جانے سے دیوی دیوتاؤں کی جگہ خدا رسیدہ بزرگوں اور فرشتوں نے لے لی تھی، تو یہ ان کے لئے کسی قسم کے عجائبات کا اظہار کیا کرتے۔ کافرانہ بت پرستی کی جگہ اب عیسائیت کے مجسموں کی عبادت نے لے لی تھی، جسے ایشیائے کوچک وغیرہ کے عیسائی سراپا بت پرستی کہتے تھے۔

شاہ لیو کے بعد اس کے بیٹے کنسٹنٹائن پنجم نے اپنے باپ کی بت شکنی کی پالیسی کو زور و شور سے جاری رکھا اور راہبوں کی شدید مخالفت کا دلیری سے مقابلہ کیا۔ اس کے عہد میں ایک جنرل قونصل 753ء میں منعقد ہوئی جس میں مجسموں کی پرستش پر نفرت وحقارت کا اظہار کیا گیا لیکن یہ تحریک اس وقت ناکامی کا شکار ہوگئی جب کنسٹنٹائن ششم کی والدہ نے مجسمہ پرستی کی اجازت ازسرنو دے دی یہ سلسلہ جاری رہا، لیکن آخری فتح مجسموں کے پرستاروں کو ہوئی جب تھیوڈر نے 843ء میں مجسمہ پرستی کی تائید میں فرمان جاری کیا۔

(انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا جلد 19 صفحہ 438 تا 439)

اگر چہ عیسائیت نے چوتھی صدی کی ابتداء میں رومی سلطنت کے آئینی مذہب کی حیثیت حاصل کر لی تھی اور اس کے پیروکاروں پر جبر وتشدد اور بت پرستانہ مذاہب سے مقابلہ کا دور ختم ہو گیا لیکن خود مسیحیت کے اندر مختلف عقائد ورسوم کے بارے میں طویل اور تشویش ناک کشمکش شروع ہوگئی۔

شاہ قسطنطین کے عہد میں دو بڑی دوررس تبدیلیاں رونما ہوئیں پہلی یہ کہ اس نے بت پرستی کو چھوڑ کر عیسائیت کو قبول کیا۔ اس سے پہلے روم کے بادشاہوں کی پرستش کی جاتی تھی، اس نے اس باطل رسم کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

دوسرا واقعہ جو بڑے دوررس نتائج کا باعث بنا اور اس کے عہد میں وقوع پذیر ہوا وہ یہ اس نے بیزنطین کو روما کی سلطنت کا دوسرا بڑا دارالحکومت بنایا اور اس کو روم ثانی کی حیثیت دے دی۔ یہاں ہی قسطنطنیہ کا شہر آباد کیا گیا جو بعد میں رومی حکومت کا مرکز بنا۔ اس شہر کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ روز اول سے یہ شہر مسیحی تھا اور یونانی ثقافت کا مرکز تھا۔ اسے کبھی بھی بت پرستانہ حکومت کا مرکز نہیں بنایا گیا۔ قسطنطین نے کلیسا کو ریاست کا ایک شعبہ بنایا اور اسے اپنے شاہانہ کنٹرول میں رکھا۔ جب کبھی کسی بادشاہ نے کافرانہ اور بت پرستانہ عقائد کو فروغ دینا چاہا عیسائیت کے پیروکار اس کی مزاحمت کے لئے فوراً میدان میں نکل آئے۔

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کا مقالہ نگار ان نظریاتی تنازعات کا ذکر کرتا ہے جو خود عیسائیوں میں رونما ہوئے اور ان کو متعدد متحارب فرقوں میں تقسیم کر دیا یہ سلسلہ بہت طویل ہے اور اس کا یہاں احاطہ بہت مشکل بھی ہے۔ اختصار سے اس کا بیان کرنا اس لئے مشکل ہے کہ وہ ناقابل فہم ہو جاتا ہے اور تفصیل سے بیان کرنا اس لئے غیر ضروری ہے کہ نتیجہ وہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لایا ہوا دین متحارب فرقوں میں بٹ گیا۔

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں مسیحیت (CHRISTIANTY) کے موضوع پر جارج ولیم ناکس اور سڈنی ہربرٹ میکون نے مل کر جو محققانہ مقالہ لکھا ہے اس میں وہ رقمطراز ہیں۔ مسیح نے خود بھی دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی اصل کوئی مافوق الفطرت چیز ہے بلکہ وہ اس پر مطمئن تھے کہ انہیں مریم اور جوزف کے بیٹے کی حیثیت سے پہچانا جائے۔ (انسائیکلوپیڈیا بریٹنیکا جلد 5 صفحہ 632 ایڈیشن 1962)

اسی انسائیکلوپیڈیا میں تاریخ کلیسا (CHURCH HISTORY) کے عنوان سے جو مقالہ لکھا گیا اس کا اقتباس پیش خدمت ہے۔

تیسری صدی کے ختم ہونے سے پہلے یسوع کا کلام الٰہی (LOGOS) کا مجسمہ تسلیم کرلیا گیا تھا لیکن اس کی الوہیت کا عام طور پر انکار کیا جاتا تھا۔ اس اثناء میں ایرین (ARIAN) کے تنازع نے چوتھی صدی کے کلیسا کو جس اضطراب و حیرت میں مبتلا کر دیا تھا اس نے لوگوں کی توجہ کو اس مسئلہ کی طرف مبذول کیا۔ نیقیا (NICAEA) کی کونسل جو 325ء میں منعقد ہوئی اس میں یسوع کی الوہیت کو تسلیم کرلیا گیا اور مشرق و مغرب کے عیسائیوں نے اسی عقیدہ کو صحیح مسیحی عقیدہ مان لیا۔ بیٹے کی الوہیت کا مظہر یسوع کو قرار دینے سے ایک نئی پیچیدگی پیدا ہوگئی۔

چوتھی صدی اور اس کے بعد عرصہ طویل تک تنازع کا سبب جو چیز بنی وہ یہ کہ یسوع (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) میں الوہیت اور انسانیت کا باہمی تعلق کیا ہے۔ کالسیڈن کی کونسل جو 451ء میں منعقد ہوئی اس میں یہ قرار پایا کہ مسیح کی ذات میں الوہیت اور انسانیت دونوں یکساں طور پر مجتمع ہیں اور باہمی امتزاج کے باوجود دونوں کی خصوصیات جوں کی توں قائم ہیں۔

قسطنطنیہ کی تیسری کونسل جو 860ء میں منعقد ہوئی اس میں اس پر مزید اضافہ کیا گیا کہ ان دو ہستیوں کی الگ الگ مرضی اور مشیت ہے۔ مسیح دونوں مشیتوں کا مالک ہے۔ مسیح کے اندر دو مشیتوں خدائی اور انسانی کے وجود کے نظریات کو مشرق و مغرب کے کلیساؤں نے بحیثیت پختہ اور صحیح عقیدہ مان لیا۔

(انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا جلد 5 صفحہ 677 تا 678)

عقائد کے بارے میں ان کے علماء کے باہمی اختلافات اور ان پر مرتب ہونے والے سنگین اثرات کی کہانی اتنی طویل اور گھمبیر ہے کہ انسان ان کا مطالعہ کرتے کرتے گھبرا جاتا ہے اور اس کا ذہن انتشار کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ ہم یہاں ان تنازعات کی تاریخ بیان نہیں کر رہے ہم تو قارئین کی توجہ صرف اس امر کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ اسلام کی صبح طلوع ہونے سے قبل رومی مملکت میں جو دنیا کی سب سے بڑی مملکت تھی اس میں لوگوں کے مذہبی نظریات اور معتقدات کی کیا کیفیت تھی۔ خصوصاً عیسائیت جو اس مملکت کا سرکاری مذہب تھی اور وہ ایک نبی برحق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرتی تھی' ان کے مذہبی نظریات وافکار کا کیا عالم تھا۔

معاشرتی حالات

سلطنت رومہ کی آبادی دو طبقوں میں منقسم تھی۔ ایک طبقہ امراء کا تھا اور دوسرا عوام کا۔ عوام کا طبقہ خوشحال خاندانوں پر مشتمل تھا۔ شہریت کے پورے حقوق انہیں کو حاصل تھے۔ اس طبقہ میں صرف وہ لوگ شامل تھے جو زرعی زمینوں کے وسیع وعریض قطعات کے مالک تھے یا بڑی بڑی جائیدادوں والے کنبوں سے وابستہ تھے۔ اس طبقہ کے تمام افراد عیش وعشرت کی زندگی بسر نہیں کرتے تھے بلکہ کھیتوں میں محنت ومشقت بھی کرتے تھے۔ امراء کے طبقہ میں سے ایک فوجی ہیرو سنسینٹس (CINCINNATUS) تھا جس نے پانچویں صدی قبل مسیح کے وسط میں دو مرتبہ رومہ کو دشمن کی یلغار سے بچایا اور اسے فتح یاب کیا۔ جب بھی اسے فوج کا سپہ سالار بننے کی دعوت دی گئی ہر مرتبہ وہ اپنے کھیتوں میں ہل چلا رہا تھا۔ یعنی وہ کاشتکاری کو چھوڑ کر آتا اور جنگ کے لئے فوج کی قیادت سنبھال لیتا۔

آبادی کی بہت بڑی اکثریت کا تعلق طبقہ عوام سے تھا۔ وہ لوگ صرف جزوی حیثیت سے شہری تھے۔ جمہوریت کے ابتدائی دنوں میں انہیں یہ اجازت نہ تھی کہ فوج میں بھرتی ہوسکیں اور دفاعی خدمات بجالائیں لیکن وہ سپارٹا (مطلق العنان اور ظالم حکمرانوں) کے غلاموں کی طرح حد درجہ مظلوم بھی نہ تھے۔ انہیں خاص سیاسی حقوق حاصل تھے۔ شروع میں جب بادشاہی کا تختہ الٹا تو پہلے پہل امراء کا طبقہ جمہوریت کے تمام سیاسی اداروں پر قابض ہوگیا۔

نئے مفتوحہ علاقوں میں ان کاشتکاروں کو کھیتی باڑی کے لئے قطعات اراضی دیئے جانے لگے جن کے پاس اپنی زمین نہ تھی۔ ان اصلاحات کے باوجود خاندان اور دولت کو رومہ میں خاص اہمیت حاصل رہی۔ سینٹ میں بھی اثر ورسوخ کے حامل یہی لوگ تھے۔ دولت مند لوگ غریب عوام کے مقابلہ میں سیاسی اختیارات سے زیادہ فائدہ اٹھاسکتے تھے۔ صوبوں میں بھی جمہوری ادارے قائم تھے۔ ایک کونسل ہوتی تھی جس میں زیادہ اقتدار بڑے بڑے مقامی زمینداروں کو حاصل تھا۔ وہی لوگ تمام معاملات کا انتظام چلاتے تھے۔ مقامی معاملات میں انہیں وسیع اختیارات حاصل تھے۔ مرکز کی طرف سے مداخلت بہت کم ہوتی تھی بشرطیکہ وہ (مقامی جمہوری ادارے) مندرجہ ذیل امور کی پابندی کرتی رہیں۔

1- حکومت کے مقرر کردہ محاصل باقاعدگی سے ادا کرتے رہیں۔

2- بوقت ضرورت فوج کے لئے رنگروٹ مہیا کریں۔

3- شہنشاہ کی پرستش کی رسومات بجالائیں۔

حکومت نے جمہوریت اور شہنشاہیت کے زمانہ میں درسگاہوں کی کبھی سرپرستی نہ کی اور سرکاری خزانہ سے ان پر کچھ خرچ نہیں کیا جاتا تھا۔

شاہی خاندان اور افسران وروسا کی عیش وعشرت کا عام آدمی اندازہ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ ان کے دوستوں، رشتہ داروں، ہم نشینوں کے لئے گرمیوں کا لباس خاص طور پر مہیا کیا جاتا جس کو وہ اپنے اوپر ڈال لیتے' استعمال میں

لاتے اور جاڑوں میں سمور، قیمتی کھالیں اور دوسرے گرم لباس حاضر کئے جاتے۔(نقوش رسول جلد 3 صفحہ 123)

اس قسم کے حوالوں سے تاریخ کی کتابوں کے صفحات بھرے پڑے ہیں یہاں تو صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ عظیم رومی سلطنت کے سائے میں انسانیت کو کس طرح دو طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک طبقہ کو دنیا بھر کی راحتیں آسائشیں اور جملہ وسائل عیش و طرب میسر تھے اور دوسری طرف عوام کا رعایا کا بڑا حصہ تھا جو زندگی کی بنیادی ضرورتوں کے لئے بھی ترس رہا تھا اور افلاس و تنگ دستی کے باوجود مملکت کی ساری مالی ضروریات بہم پہنچانے کا بوجھ اس نے اٹھا رکھا تھا۔

ان چند صفحات کے مطالعہ سے آپ نے رومی مملکت کے اقتصادی نظام کا اندازہ لگا لیا ہوگا۔

اخلاقی حالت

اس بارے میں ول ڈیورانٹ کی مشہور کتاب دی ایج آف فیتھ کا ایک اقتباس ہی کافی ہے وہ لکھتے ہیں:

اخلاقی، جنسی اور کاروباری لحاظ سے رومی سلطنت کے مکینوں کی حالت قابل رشک نہ تھی۔ ایک طرف تو رقص کی مذمت کی جاتی تھی لیکن قسطنطنیہ میں رقص گاہیں اور ناچ گھر آباد تھے۔ کلیسا نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ ایکٹروں کو بپتسمہ نہیں دیں گے یعنی وہ ایکٹروں کو عیسائی مذہب قبول کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس کے باوجود بیزنطی سٹیج پر ایکٹروں اور ان کے کھیلوں کو بڑی پذیرائی بخشی جاتی تھی۔ قانونی طور پر ان پر یہ پابندی تھی کہ وہ ایک سے زیادہ شادی نہیں کر سکتے تھے لیکن دوسری طرف ان کی جنسی خواہشات کی تسکین کا سامان کر دیا گیا تھا۔

پروکوپیس (PROCOPIUS) اپنی کتاب سیکرٹ ہسٹری میں لکھتا ہے:

کہ اس کے زمانہ میں عملی طور پر تمام عورتیں بدکار تھیں۔ ضبط تولید کے وسائل پر بڑی مستقل مزاجی سے تحقیق جاری رہتی تھی۔ اس زمانے کے اطباء اپنی قرابادینوں (مقالہ تحقیق و تحیث) میں اس موضوع کا بڑی اہمیت سے ذکر کرتے تھے۔ چوتھی صدی کے ایک مشہور اور قابل طبیب "اوریباسیس" (ORIBASIUS) نے اپنی قرابادین (مقالہ تحقیق، رسالہ) میں ضبط تولید کے موضوع پر اور اس کے وسائل پر پورا ایک باب قلمبند کیا ہے۔

قحبہ خانے عام تھے، عصمت فروشی کا دھندا بر سر عام کیا جاتا تھا۔ جسٹینین اور اس کی ملکہ نے عصمت فروشی کو ختم کرنا چاہا۔ انہوں نے عصمت فروشی کا دھندا کرنے والے مرد و زن کو قسطنطنیہ سے نکل جانے کا حکم دیا لیکن انہیں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔(دی ایج آف فیتھ صفحہ 120)

مصر

مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام تہذیبوں سے قدیم ترین تہذیب اہل مصر کی ہے۔ یہی وہ ملک ہے جہاں تمدن وثقافت کی پہلی شمع روشن ہوئی۔ مصریوں کے آثار قدیمہ ان کی فنی تعمیر میں مہارت اور علم ریاضی میں یدطولیٰ رکھنے کے شاہد عادل ہیں۔ دریائے نیل ان کے لئے قدرت کا ایک عظیم عطیہ تھا جس زمین میں اس کا پانی پہنچ جاتا وہاں فصلیں لہلہانے لگتی ہیں۔ ان کے اہراموں، مندروں کی عمارتیں جن میں سے اکثر اب بھی اپنی اصلی صورت میں موجود ہیں اور اپنے بنانے والوں کی فن تعمیر میں مہارت کاملہ پر گواہی دے رہی ہیں۔ وہ حکیمانہ اقوال (اقوال زریں) جو اس زمانہ سے منسوب ومنقول ہیں اہل مصر کی حکمت اور دانائی کی غمازی کر رہے ہیں لیکن جب ہم ان کے مذہبی عقائد کے بارے میں قدیم کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو حیرت زدہ ہو کر سوچنے لگتے ہیں کیا اتنے بڑے ریاضی دان فن تعمیر کے اتنے بڑے ماہر اور ایسے پر از حکمت بولنے والے دانشور، مذہبی لحاظ سے ایسے احمقانہ اور طفلانہ عقائد کے حامل ہو سکتے ہیں؟

سیاسی نظام

قدیم مصر میں بادشاہ کو ''الٰہ'' یعنی دیوتا تصور کیا جاتا تھا اور اسی انداز سے اس طرح اس کے لئے آداب پرستش بجالائے جاتے تھے۔ بادشاہ ہی بڑے خداؤں کے سامنے اپنی رعایا کی نمائندگی کرتا' ان کی طرف سے قربانیاں پیش کرتا تھا اور مذہبی تقریبات میں صدارت کے فرائض انجام دیتا تھا۔ بادشاہ کے تعلقات مذہبی پیشواؤں کے ساتھ عام طور پر دوستانہ ہوتے تھے لیکن جب کوئی کمزور بادشاہ تخت نشین ہوتا تو مذہبی پیشوا اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے شاہی اختیارات خود سنبھال لیتے تھے۔

ایرانیوں کی طرح قدیم مصر میں بھی بادشاہ کے متعلق یہی عقیدہ تھا کہ یہ خدائی خاندان کا ایک فرد ہے اور خود خدا نے ہی اس کو یہ حکومت اور سلطنت بخشی ہے۔ اس سبب رعایا کے دلوں میں اس کی ہیبت اور رعب قائم رہتا تھا اور اس کے خلاف بغاوت کرنے کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ یہ بغاوت بادشاہ کے خلاف نہ تھی اس خدا کے خلاف تھی جس نے اس کو تخت سلطانی پر متمکن کیا تھا (بٹھایا تھا) اس لئے اگر چہ مشورے کے لئے علماء و

فضلا اور سن رسیدہ تجربہ کار لوگوں کی ایک مجلس مشاورت موجود ہوتی تھی لیکن بادشاہ ان کے مشورے اور فیصلہ کا پابند نہ تھا۔ (قصۃ الحضارۃ جلد 1 صفحہ 94)

وزیر اعظم، بادشاہ کے برعکس ایک انسان ہی ہوتا تھا۔ مصر دو حصوں میں منقسم تھا مصر بالائی اور مصر زیریں۔ ہر ایک حصہ کا وزیر الگ الگ ہوتا تھا۔ مصر زیریں کی حکومت کے دفاتر ممفس میں تھے، وزارت بھی موروثی چیز تھی لیکن طاقتور بادشاہ وزیروں کو اتنا با اختیار نہیں ہونے دیتے تھے کہ وہ بادشاہ کے لئے وبال جان ثابت ہوں۔ وزیر کے اختیارات پر قیود و شرائط عائد کی جاتی تھیں اور سرکاری خزانے کا خزانچی مالیاتی معاملات میں آزاد ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ بادشاہ کے دیگر خصوصی آفیسرز ہوتے تھے جن کو بادشاہ کے کان اور آنکھ کہا جاتا۔ ان کا فرض یہ تھا کہ وزیر اعظم اور خزانچی کی کارکردگیوں کی نگرانی کریں۔ وزیر اعظم انتظامی امور کے علاوہ عدلیہ کا چیف جسٹس بھی ہوتا تھا۔

مذہبی عقائد

ابتداء میں ہر قبیلہ کا الگ خدا ہوتا تھا اور ہر قبیلہ صرف اپنے ہی خدا کی پوجا کرتا تھا۔ کسی دوسرے قبیلہ کے خدا کو پہلے قبیلے والے اپنا خدا نہیں تسلیم کرتے تھے۔ اس طرح ایک محدود قسم کی توحید کا تصور پایا جاتا تھا۔

ایک دوسری صورت بھی تھی اور وہ یہ کہ وہ ایک موقع پر کسی ایک دیوتا کی پرستش کرتے اور اس کے ساتھ کسی اور دیوتا کی پرستش نہ کرتے اور دوسرے موقع پر اسی طرح ایک اور دیوتا کو اپنی پوجا پاٹ کے لئے مختص کر لیتے اور اس وقت کسی اور دیوتا کی رسم پرستش ادا نہ کرتے۔

البتہ ایک مکتبہ فکر "ہیلیو پولس" کے مذہبی رہنما ایک اِلٰہ کے قائل تھے۔ "را" یعنی سورج دیوتا کی پرستش کرتے تھے اور ایک محدود وقت کے لئے صرف اسی کو رب کائنات سمجھا جاتا تھا۔ ایمن ہوٹپ (AMENHOTEP) سوئم کے زمانہ میں صرف اور صرف قرص آفتاب کی پرستش کی جاتی تھی اور اس کے بیٹے اخناتون نے اس مکتب فکر کو حکومت مصر کا سرکاری مذہب بنا لیا تھا اور سب اہل مصر کو اس عقیدہ پر ایمان لانے کی پرزور اور پرجوش تبلیغ کیا کرتا تھا۔ اس کی زندگی تک تو یہ مکتب فکر ترقی پذیر رہا لیکن جب اس کی وفات ہوئی تو اہل مصر خوشیاں مناتے ہوئے اپنی قدیم اصنام پرستی کی طرف لوٹ گئے۔ اہل مصر میں سے جو تعلیم یافتہ تھے انہیں خدا کا تصور تو تھا لیکن وہ ایک خدا کو نہیں مانتے تھے۔ ان کی یہی سب سے بڑی توحید تھی کہ وہ ایک وقت میں صرف ایک دیوتا کی پرستش کرتے۔ (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد 8 صفحہ 52 تا 53)

جن خداؤں کے بارے میں ہمیں صحیح علم ہے وہ تین خدا ہیں اوسیرس (OSIRIS) آئسس (ISIS) ہورس (HORUS)۔ عوام الناس کے ہاں یہی تین افراد کا کنبہ بہت مقبول تھا۔ آہستہ آہستہ ان میں اضافہ ہوتا گیا اور ان کے معبودوں کا سلسلہ ایک گورکھ دھندا بن گیا جو نہ سمجھنے کا ہے اور نہ سمجھانے کا۔ بالکل ہندوستان میں ہندومت کی طرح ان کے نزدیک سانپ، نیولا، گوبر میں پیدا ہونے والا بھنورا سب کو تقدس حاصل تھا اور ان کی پوجا

پاٹ کی جاتی تھی۔

بالائی مصر کے معبود اور زیریں مصر کے معبود الگ الگ تھے۔ جیسے تحریر کیا گیا ہے کہ ابتداء میں ہر قبیلہ کا ایک خدا ہوتا تھا اس کے علاوہ کسی اور کی نہ عبادت کرتے تھے اور نہ اس کی اہمیت کو تسلیم کرتے تھے۔ جب قبیلوں کا آپس میں امتزاج شروع ہوا تو دو خداؤں کی پرستش ہونے لگی۔ جیسے شادی کے بعد ایک خاوند کے قبیلہ کا خدا اور دوسرا بیوی کے قبیلہ کا خدا۔ اگر بیوی خاوند کے قبیلہ کے علاوہ کسی اور قبیلہ کا فرد ہوتی اور ان سے جو اولاد پیدا ہوتی تو ان کا الگ تیسرا خدا ہوتا۔ اس طرح ایک خاندان میں ایک کے بجائے تین خداؤں کی پرستش ہونے لگی۔

آگے چل کر نئے خدا مقرر کئے گئے۔ اس طرح یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ آخر کار خداؤں کی ایک بھیڑ لگ گئی جن کو ہم چار قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔

1- وہ خدا جن کا تعلق حیوانات سے تھا۔

2- وہ خدا جن کا تعلق انسانوں سے تھا۔

3- وہ خدا جن کا تعلق نظام شمسی سے تھا۔

4- وہ خدا جو مادہ اور صورت سے مجرد تھا، جیسے وہ دیوتا جو باپ تھا، وہ دیوی جو ماں تھی، پیدا کرنے والا خدا، سچائی کا خدا وغیرہ وغیرہ۔ یہ افسانے بھی مروی ہیں کہ وہ اپنے خداؤں کا شکار کرتے ان کو قتل بھی کر دیتے اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کے اعضاء کو پکارتے اور اس پر جشن مناتے۔

یہ افسانے اس وقت سے پہلے کے ہیں جب مصریوں نے اوسیرس کی پوجا شروع کی۔ مصری یہ سمجھتے تھے کہ اس دیوتا نے مصریوں کو آدم خوری اور تشدد کی عادتوں سے نجات دلائی ہے۔ مصریوں کے یہ عقائد قبل از تاریخ کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

مصر جب تاریخ کے دور میں داخل ہوا تو اس کے اہم دیوتا یہ تھے ہرموپولس، مین بن باس اور لق لق کی پرستش ہوتی تھی۔ ڈیلٹا کے شہروں میں شیر کی، بوباطس (BUBASTIS) کے مندر میں بلیوں کی، ممفس، ہیلیو پولس، ہرموتھس میں سانڈوں کی اور منڈس اور تھیس میں مینڈھے کی، فیوم میں مگرمچھ کی، ہیراکون پولس (HERAKON POLIS) اور اور کوپٹاس (COPTOS) میں شاہین کی، اور بوٹو (BUTO) میں ناگ کی اور کئی قسم کی مچھلیوں کی پوجا کی جاتی تھی وغیرہ وغیرہ۔

وہ معبود جو شخص انسان تھے وہ یہ تھے اوسیرس، آئسس، نباتھ، ہورس۔

اور وہ خدا جن کا تعلق نظام شمسی سے تھا ان میں ''را'' (آفتاب) جس کو آتن (ATEN) بھی کہتے تھے اور انہر (فلک)، سوپڈو (روشنی)، گیب (GEB) زمین وغیرہ تھے۔

اور مجرد خداؤں میں فتا (PTAH) خالق کائنات، من (MIN) باپ، ہاتھور (HATHOR) ماں، ماتھ (MATH) سچائی وغیرہ تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا گرولیئر جلد 7 صفحہ 273)

ان عقائد میں صرف ایک بار وقتی تبدیلی آئی جب کہ اخناتون نے تمام خداؤں کی خدائی کا تختہ الٹ دیا اور صرف آتین (آفتاب) کو خدائے واحد تسلیم کیا۔ اس نے یہ کوشش کی کہ مصری قوم صرف سورج دیوتا کی پوجا کرے۔ اس کے ضمن میں یہ تصور کارفرما تھا کہ سورج دیوتا ہی انسان کی قسمت کا مالک کامل ہے نیکی پیدا کرنے والا ہے، امن پسند لوگوں کو زندگی بخشنے والا ہے اور مجرموں کو موت کے گھاٹ اتارنے والا ہے۔ فقط یہ ہی ایک خدا ہے اس کے علاوہ اور کوئی خدا نہیں۔ (ورلڈ سولائزیشن صفحہ 34)

چوتھی صدی قبل مسیح تک مصریوں کے تیس خاندان حکمران رہے، پھر مصر پر سکندر نے قبضہ کرلیا اور بطلیموسیون کا یونانی شاہی خاندان مصر پر حکومت کرتا رہا یہاں تک کہ اینٹونی اور قلوپطرا نے شکست کھائی۔ تیس 30 قبل مسیح سے 640 عیسوی تک یعنی کہ 670 سال مصر رومیوں کے زیر نگین رہا۔ اس وقت رومی خود بت پرستی کی لعنت میں مبتلا تھے۔ اس لئے مصر پر قابض ہونے کے بعد مصری اپنے دیوتاؤں کی پرستش کرتے رہے اور رومی اپنے دیوتاؤں کی۔ جب چوتھی صدی عیسوی کی ابتداء میں قسطنطین نے عیسائیت قبول کی اور عیسائیت کو سلطنت کا سرکاری مذہب قرار دے دیا گیا تو عیسائی مشنریوں، مبلغوں نے رومی سلطنت کے تمام صوبوں میں بڑے زور وشور سے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کردی۔ مصر بھی ان کا ایک مقبوضہ خطہ تھا یہاں بھی عیسائی مبلغین مصریوں کو اپنے قدیم وآبائی عقائد سے برگشتہ کرکے عیسائی بنانے میں مصروف رہے اور اس میں انہیں کافی حد تک کامیابی ہوئی۔

ایلفر ڈ بٹلر اپنی کتاب عربوں کی فتح میں مصر میں لکھتا ہے:

اگرچہ مصر کے قبطیوں نے عیسائیت کو قبول کرلیا تھا اس کے باوجود رومی حکمرانوں اور مصری محکوموں کے تعلقات ہمیشہ کشیدہ رہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ رومی اور مصری الگ الگ نسل سے تعلق رکھتے تھے اور نسلی تعصب باہمی فتنہ وفساد کا سبب بنتا رہتا تھا لیکن اس سے بھی زیادہ مؤثر وجہ یہ تھی کہ اگرچہ قبطیوں نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا لیکن رومی عیسائیوں اور قبطی عیسائیوں کے فرقے الگ الگ تھے۔ رومی عیسائیوں نے کالیسڈن کی کونسل کے اس فیصلہ کو تسلیم کرلیا تھا کہ مسیح کی ذات میں دو فطرتیں ہیں ایک الٰہی اور ایک انسانی، یہ فرقہ ''ملکانیہ'' کہلاتا تھا لیکن مصریوں نے کالیسڈن کی اس قرارداد کو منظور کرنے سے انکار کردیا اور اس بات کے قائل تھے کہ مسیح فطرت (الٰہی) کے حامل ہیں یہ عقیدہ رکھنے والے فرقہ کو ''سطوری'' فرقہ کہا جاتا تھا۔

اس اختلاف کے باعث مسیحیت کے ان دو فرقوں میں شدید بغض وعناد پیدا ہوگیا ان میں اکثر فتنہ وفساد کے شعلے بھڑکتے رہتے۔ باہمی خونریزی کے باعث خون کے دریا بہنے لگتے۔ ایک مذہبی اجتماع میں اسکندریہ کے اسقف اعظم (سب سے بڑے مذہبی عالم ورہنما) نے جو رومی حکومت کا نمائندہ اور ملکانیہ فرقہ کا پیروکار تھا اس نے قربان گاہ پر کھڑے ہوکر سطوری فرقہ (مصری قبطی) کے قتل عام کا اعلان کیا۔ اس کے حامیوں نے گرجا میں عبادت کے لئے جمع ہونے والے قبطیوں کو اس بیدردی سے تہ تیغ کرنا شروع کیا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور خون کی

ندیاں رواں ہوگئیں اور گرجے کی عمارت ان کے خون سے رنگین ہوگئی۔

(عربوں کی فتح مصراز الفرڈ ٹیلر خلاصہ صفحہ 29 تا 30)

مؤرخ ایلفرڈ ٹیلر اس کے بعد لکھتا ہے:

کہ ساتویں صدی عیسوی میں مصر میں ملک کے سیاسی حالات کی حیثیت ثانوی تھی اور اولین حیثیت مذہب کو حاصل تھی۔ وطن کی محبت عملی طور پر مفقود تھی۔ قومی اور نسلی مخالفتوں کی وجہ سے بھی مذہبی نظریات میں تضاد تھا۔ لوگ مذہبی موضوعات پر جب بحث کرتے تو فرط غضب سے آپے سے باہر ہو جاتے اور بالکل غیر اہم اور حقیر موضوعات پر لڑتے ہوئے اپنی جان کی بازی لگا دیتے۔ ان کے نزدیک الٰہیات (خدائی) کے مسائل میں معمولی سا اختلاف بھی ناقابل برداشت تھا۔ (عربوں کی فتح مصر صفحہ 45)

مصری لوگ جب بتوں کے پجاری تھے تو اس وقت بلیوں، مگرمچھوں کے پجاری اس بات پر لڑا کرتے تھے کہ ان دو چیزوں میں سے کون سی چیز زیادہ پرستش کے لائق ہے اور اب انہوں نے عیسائیت کی فرقہ بازیوں اور فروعی اختلافات کو باہمی جنگ و جدل کا ذریعہ بنا لیا۔ کالیسڈن کی کونسل 451 عیسوی میں منعقد ہوئی جس نے عیسائی ملت کو کبھی نہ متحد ہونے والے دو فرقوں میں بانٹ دیا۔ ایک فرقہ مسیح کے لئے ایک فطرت کا قائل تھا اور مصر کے قبطی اسی عقیدہ کو اپنائے ہوئے تھے اور دوسرا گروہ مسیح کے لئے دو فطرتوں کا قائل تھا۔

کیونکہ رومی حکمران ملکانیہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اس لئے وہ مصریوں کے عقیدہ کو ایک بدعت سمجھتے تھے اور اس کی بیخ کنی کو اپنا فرض گردانتے تھے۔ نائیس ٹاس (NICETAS) نے 699ء میں جب اسکندریہ پر قبضہ کیا تو اس نے وہاں کے اسقف اعظم کو جو ملکانیہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا قتل کر دیا۔ ہرقل نے جب قسطنطنیہ کی شاہی قوت کے خلاف بغاوت کی تو مصر کے قبطی پر امید ہو گئے کہ ہرقل کے برسر اقتدار آنے سے ان کے مصائب و آلام کا خاتمہ ہو جائے گا جو ''فوکس'' کے عہد حکومت میں انہیں برداشت کرنا پڑے۔ قبطیوں کا اسقف جو پانچ سال کے لئے اس منصب پر مقرر ہوا تھا اس بغاوت کے دوران اس نے مزید چھ سال کے لئے یہ عہدہ حاصل کر لیا۔ حکومت بیشک ملکانیہ فرقہ کے ہاتھ میں تھی لیکن مصریوں نے اپنے کئی کلیسا تعمیر کر لئے اور اپنی بہت سی خانقاہیں قائم کر لیں۔ ہرقل برسر اقتدار آنے کے بعد قبطیوں کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن بیزنطیہ کے دربار نے مصر کے لئے ملکانیہ فرقہ کا ایک اسقف مقرر کر دیا۔

خسرو پرویز نے بیت المقدس کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد فلسطین اور شام پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد اسکندریہ پر حملہ کیا۔ اس وقت اسکندریہ کی مضبوط فصیل کے سارے دروازے بند کر دیئے گئے لیکن ایک نہر جس کے ذریعہ سے اہل سکندریہ کو گندم سے لدے ہوئے جہاز پہنچتے تھے اور جس کے ذریعہ اہل اسکندریہ کو پینے کا پانی فراہم ہوتا تھا اور وہ جنوبی دیوار کے نیچے نیچے بہتی تھی اور پھر شہر کے اندر داخل ہو جاتی تھی۔ اور پھر شہر کے دائیں

حصہ سے گزرتے ہوئے سمندر میں جا گرتی تھی۔ شہر میں اس نہر کے داخل ہونے کے دونوں راستوں کے دروازے مضبوطی سے بند کردیئے گئے لیکن اس کا وہ دروازہ جہاں سے وہ سمندر میں گرتی تھی وہ کھلا رہتا تھا۔ اس دروازہ کے ذریعہ غلہ سے لدی ہوئی کشتیاں شہر میں پہنچتیں اور ماہی گیر مچھلیوں سے بھری ہوئی اپنی کشتیوں کو لے کر یہاں پہنچ جاتے تھے۔ اس کا یہ دروازہ بندرگاہ کے بالکل متصل تھا اور رومیوں کے جنگی جہاز بلاخوف وخطر آتے جاتے تھے پھر اس کی حفاظت کے بارے میں بھی مناسب اہتمام کیا جاتا تھا۔ پیٹر نامی ایک غیر ملکی شخص اسکندریہ میں تحصیل علم کے لئے آیا ہوا تھا۔ اس نے غداری کرتے ہوئے ایرانیوں کو اس مخفی راستہ کا پتہ بتا دیا۔ پیٹر کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئیں وہ یہ ہیں کہ وہ یہودی تھا۔ اس کی غداری کے باعث اسکندریہ پر ایرانیوں نے قبضہ کرلیا تو شہر میں قتل عام شروع ہوا۔ (عربوں کی فتح مصر خلاصہ صفحہ 74 تا 76)

ہرقل دوئم کی پے در پے فتوحات اور خسرو (ایران) کی پے در پے شکستوں کے سبب ہرقل عیسائی دنیا کا ہیرو بن گیا۔ اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا کہ مصر کے دو عیسائی فرقوں ''قبطی'' اور ''ملکانیہ'' میں مصالحت کرا دے اور دونوں کو متحد کر دے۔ ہرقل نے اس مقصد کے لئے فیس (PHASIS) کے بشپ سیرس (CYRUS) کو اسکندریہ کا اسقف اعظم بنا دیا۔ سیرس اس کے لئے مفید ثابت نہ ہوا اس نے اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے غلط حکمت عملی اپنائی اور سائرس نے جب محسوس کیا کہ سرزنش اور خوشامد دونوں ذریعوں سے وہ قبطیوں کے دل نہیں جیت سکا اور انہیں اپنا طرفدار نہیں بنا سکا تو اس نے سخت رویہ اختیار کیا اور اس میں شک نہیں کہ اسے اس اقدام میں ہرقل کی آشیر باد بھی حاصل تھی۔

سائرس نے ہرقل کے پیش کردہ فارمولا میں کسی ایسی ترمیم کی کوشش نہ کی جس کے باعث قبطی خوشدلی سے اس کو قبول کرلیں بلکہ اس نے قبطیوں کے سامنے دو تجویزیں پیش کیں یا تو وہ کالسیڈن کے منظور کردہ فارمولے کو من وعن تسلیم کرلیں یا ہر قسم کی اذیت رسانی بلکہ موت کے لئے تیار ہوں۔ سائرس نے اسکندریہ میں اکتوبر 631ء میں مجلس کنیسہ منعقد کی اور قبطیوں کو راہ راست پر لانے کے لئے ہر قسم کے اقدامات کی منظوری لے لی۔ اس کے ایک یا دو ماہ بعد تشدد اور ایذا رسانی کا ایک ایسا ہولناک سلسلہ شروع ہوا جس کے ذکر سے کتابیں بھری پڑی ہیں اور جس کا ایک ہی نتیجہ نکلا کہ قبطی عیسائی، رومی عیسائیوں سے ہمیشہ کے لئے متنفر ہوگئے۔ وہ اغیار کی غلامی کا طوق ڈالنے کے لئے بھی تیار نہ تھے لیکن انہیں اپنے ہم مذہب رومیوں کی رعایا بن کر رہنا گوارا نہ تھا۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے اپنے ملک اپنی قوم اور اپنے مذہب کو قربان کر دیا تاکہ انہیں اپنے ہم مذہب مدمقابل فریق پر فتح حاصل ہوسکے۔

سائرس نے جو مظالم قبطیوں پر ڈھائے ان کی فہرست بہت طویل ہے ان میں سے صرف ایک واقعہ بطور مثال پیش کرتا ہوں۔

بنیامین، قبطیوں کا ایک معزز پادری تھی اس کا بھائی میناس (MENAS) قبطی عقیدہ کا پیروکار تھا۔ اسے سائرس کے سامنے پیش کیا گیا اور بڑا ڈرایا دھمکایا گیا لیکن وہ اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہا۔ پھر مشعلیں روشن کر کے اس کے پہلوؤں کے قریب کی گئیں جنہوں نے اس کی جلد اور گوشت کو جلا دیا اور چربی پگھل کر نیچے گرنے لگی لیکن اس کے پائے ثبات میں ذرا لغزش نہ آئی۔ تب اس کے منہ سے ایک ایک کر کے دانت اکھیڑ لئے گئے پھر اسے ایک ریت کی بوری میں بند کر دیا گیا اور اسے سمندر کے ساحل پر لے گئے۔ تین مرتبہ اسے کہا کہ اگر اسے زندگی عزیز ہے تو اپنے عقیدہ سے توبہ کر لے اور کالسیڈن کی کونسل کا منظور شدہ عقیدہ اپنا لے۔ تینوں بار اس نے ان کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا پھر اسے سمندر میں ڈبو دیا گیا۔ (عربوں کی فتح مصر از بٹلر ڈیٹلر صفحہ 184)

اہل مصر کے مذہبی حالات کے بارے میں آپ نے مختصر جائزہ پڑھ لیا۔

اب ان کے مذہب کے چند دوسرے پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

مصری ابتداء سے ہی حیات بعد الموت کے قائل تھے کہ انسان کو مرنے کے بعد زندہ کیا جاتا ہے اور اس کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دی جاتی ہے۔ اس عقیدہ کو پیش نظر ان کے ہاں مردوں اور تکفین و تدفین کے بارے میں بڑی عجیب و غریب رسمیں تھیں۔ وہ ان کی قبر میں اور چیزوں کے علاوہ کھانے پینے کی چیزیں بھی رکھ دیا کرتے تھے اور جب ان کا کوئی بادشاہ مرتا تو اس کے لئے پہاڑوں کو کھود کر بہت وسیع عریض مدفن تیار کیا جاتا جو کئی کمروں پر مشتمل ہوتا۔

ماہرین آثار قدیمہ نے صعید مصر میں وادی ملوک اور وادی ملکات دریافت کی ہیں۔ وادی ملوک میں بادشاہوں کے مقبرے ہیں اور ان کا نقشہ عام طور پر ایک ہی قسم کا ہوتا ہے۔ داخلہ کے لئے پہاڑی کھود کر وسیع و عریض راستہ بنایا جاتا جو چھ سات فٹ چوڑا اور چھ سات فٹ اونچا دور تک پہاڑی میں چلا جاتا۔ اس سے آگے ایک کمرہ کے برابر گڑھا کھود دیا جاتا پھر اس سے آگے دوسرا کمرہ ہوتا جس میں شاہی تابوت رکھا جاتا جس میں بادشاہ کی حنوطہ شدہ ممی (لاش) رکھی ہوتی۔ اس کے دائیں بائیں دو کمرے جن میں بادشاہوں کی ضرورت کا سامان شاہانہ انداز سے رکھ دیا جاتا۔ سونے کے زیورات، سونے کا تخت، سنہری کرسی اور دیگر قیمتی چیزیں۔ ان اشیاء کے علاوہ کئی برتنوں میں گندم اور دوسری کھانے کی چیزیں رکھ دی جاتیں۔ پانی سے بھرے ہوئے مٹکے بھی رکھ دیئے جاتے۔

ماہرین آثار قدیمہ نے جو مقبرے دریافت کئے ہیں اور ان کی کھدائی کی ہے وہاں سے یہ ساری چیزیں دستیاب ہوئی ہیں جن سے کئی چیزیں مصر کے عجائب گھر میں بھی موجود ہیں۔ صرف اسی پر اگر اکتفا کیا جاتا تو اس کو یہ کہہ کر برداشت کر لیا جاتا کہ انہوں نے اپنے مذہبی جذبات کی تسکین کے لئے اتنی دولت کا ضیاع کیا لیکن اس سے بھی سنگین امر یہ ہے کہ اس عقیدہ کے پیش نظر کہ دفن کرنے کے بعد بادشاہ دوبارہ زندہ ہو جائے گا اور اس کو اس

دنیاوی زندگی کی طرح خدام خادماؤں کی ضرورت پڑے گی اس لئے خادموں اور خادماؤں کی ایک جماعت اس مقبرہ کے ایک کمرے میں کھڑی کر دی جاتی۔ اس اہتمام کے بعد داخلہ کا دروازہ بند کر دیا جاتا۔ اس کے سامنے بڑی بڑی چٹانیں مٹی اور ریت کے ڈھیر لگا دیئے جاتے اور اس کو باہر سے اس طرح بند کر دیا جاتا کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ یہاں کوئی بادشاہ اپنے زیورات اور ہیروں اور جواہرات کے ساتھ مدفون ہے۔

بادشاہ کی میت پر تو جو گزرتی ہوگی وہ گزرتی ہوگی لیکن ان زندہ خدام اور خادماؤں پر جو گزرتی ہوگی اس کا تصور کر کے ہی لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ کچھ وقفے کے بعد اس گھپ اندھیرے میں جب وہ پیاس اور بھوک کی شدت سے تڑپتے ہوں گے اور بے بسی کے عالم میں دم توڑ دیتے ہوں گے تو کیا انسانیت اپنے فرزندوں کی اس بہیمانہ ہلاکت پر سر نہیں پیٹ لیتی ہوگی لیکن یہ سب کچھ ہوتا رہا۔ ان مقبروں سے جہاں سے کھدائی کرنے والے ماہرین آثار قدیمہ کو بادشاہوں (فرعونوں) کے شاہی زیورات، ہیرے جواہرات، شاہی کرسی، گندم کے دانوں سے بھرے ہوئے مٹکے اور دوسری چیزیں ملی ہیں وہاں ان بے زبان اور مظلوم خادموں اور خادماؤں کے ڈھانچے بھی ملے ہیں جو اس غلط نظریہ کی بھینٹ چڑھتے رہے اور عقل انسانی کی کج فہمی اور نارسائی پر ماتم کرتے رہے۔

یہ سب کچھ ہوتا رہا۔ اس ظلم شنیع پر نہ کسی مذہبی پیشوا کو اعتراض کرنے کی جرأت ہوئی اور نہ ان بیکسوں کی دردناک موت پر کسی کا دل تڑپا اور نہ ہی ملکی خزانہ کے اس ضیاع پر کسی نے احتجاج کی ضرورت محسوس کی اور یہ سلسلہ صدیوں جاری رہا اور ایک بادشاہ کے بعد جب دوسرا بادشاہ داعی اجل کو لبیک کہتا تو اس کے ساتھ بھی ان بے بس غلاموں کا ایک گروہ ہلاکت کے منہ میں دھکیل دیا جاتا۔

مصری فن تعمیر و ثقافت

مصریوں کے عمومی تذکروں میں ان کی ثقافت اور ان کے فنون کے بارے میں اشارۃً ذکر آپ پڑھ چکے ہیں۔ مصر کے طول و عرض میں ان کے آثار قدیمہ، ان کی بلند ہمتی اور عظمت کی گواہی دے رہے ہیں۔ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں آپ یونانی مشہور مؤرخ ہیروڈیٹس کی یہ تحریر ملاحظہ کریں جس میں اس نے جیزا کے ہرم کے بارے میں کچھ تفصیلات دی ہیں۔ وہ لکھتا ہے:

ایک لاکھ مزدور بیس سال تک اس کی تعمیر میں مصروف رہے تب جیزا کا ایک ہرم پایہ تکمیل تک پہنچا۔ اس کی کل بلندی چار سو اسی فٹ سے زائد ہے۔ اس میں دو لاکھ سے زائد چونے کے پتھر کے تراشیدہ ٹکڑے لگے ہوئے ہیں اور ان کو اس کمال مہارت سے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست کیا گیا ہے کہ آج کا کوئی ماہر معمار بھی اس طرح کی چنائی نہیں کر سکتا۔ ہر پتھر کے ٹکڑے کا وزن اڑھائی ٹن ہے یعنی ستر من ہے۔ (ورلڈ سولائزیشن از ریلیکس صفحہ 35)

مصری معاشرہ

مصری معاشرہ میں سب سے اعلیٰ طبقہ مذہبی پیشواؤں اور امراء کا شمار کیا جاتا تھا جو تعداد میں بہت قلیل تھے

لیکن اختیارات اور اثر ونفوذ میں ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے نیچے محنت ومشقت کرنے والے لاکھوں کسان تھے۔ زمین اصلاً فرعون کی ملکیت مانی جاتی تھی۔ عمرانی نظام میں یہ اصول مسلم تھا کہ ہر شخص اوپر سے آئے ہوئے ہر حکم کی پابندی کرے۔ صرف سیاسی اعتبار سے ہی نہیں بلکہ وہ اسے ایک مذہبی فریضہ بھی سمجھے جو کام کسی کے سپرد کیا جائے اور جہاں کسی کو متعین کیا جائے اس کو چاہئے کہ وفاداری سے اپنے فرائض کو بجالائے۔

قدیم مصر کا معاشرہ مطلق العنانی پر مبنی تھا۔ یونانی بطلیموسیوں کا دور آیا تو ان کے ماتحت مصری سلطنت نے ایک سرمایہ دار حکومت کی شکل اختیار کر لی جس میں تمام اقتصادی سرگرمیاں حکومت کی تجاویز کے مطابق عمل میں آتی تھیں۔

عہد قدیم میں مصری بادشاہ اپنی بہن کے ساتھ شادی کر لیا کرتا اور بسا اوقات اپنی بیٹی کو اپنی بیوی بنالیا کرتا تھا اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ شاہانی خاندانی کے خون کو بیرونی عناصر کے خون کی آلودگی سے ہم پاک رکھنا چاہتے ہیں۔ بادشاہوں کی یہ عادت ان کے شاہی محلات تک محدود نہ تھی بلکہ ان کی رعایا میں بھی اس قبیح فعل کو قبول عام حاصل ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ دوسری صدی عیسوی میں ارسینوئی کے دو تہائی باشندے اس طریقہ کار پر عمل پیرا تھے۔

دی ایج آف فیتھ کے مصنف ول ڈیورانٹ لکھتا ہے کہ عورت کو مرد پر اس زمانہ میں غلبہ حاصل تھا۔ یونان کا ایک سیاح دیودور الصقلی جب مصر آیا اور یہاں کے معاشرہ میں عورت کی بالادستی کو دیکھا تو اس نے ازراہ مذاق کہا' یوں معلوم ہوتا ہے کہ وادی نیل کے نکاح نامہ میں جو شرطیں لکھی جاتی ہیں ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ مرد اپنی عورت کا اطاعت گزار ہوگا۔ (قصۃ الحضارہ جلد 1 حصہ 2 صفحہ 96 بحوالہ دی ایج آف فیتھ از ول ڈیورانٹ)

مملکت رومہ

بحر ایڈریاٹک

یونان

چونکہ رومی یونانیوں کے جانشین ہیں ان کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظریات بڑی حد تک یونانی حکماء کے نظریات سے متاثر ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ یونان اور اہل یونان کا بھی تذکرہ کر دیا جائے کیونکہ یہی وہ خطہ ہے جہاں کے نابغہ روزگار فضلاء نے علم وحکمت کی قندیلیں روشن کیں اور تہذیب وتمدن کا وہ تصور پیش کیا جس کی روشنی سے وہ خطہ ارض اس وقت جگمگانے لگا جب کہ سارا یورپ جہالت اور توہم پرستی کی تہ در تہ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

یونانی تہذیب کی تشکیل میں اس کے محل وقوع کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یونان کا خطہ بحر روم کے شمالی ساحل پر واقع ہے یہ مختلف پہاڑوں کے سلسلوں کا مجموعہ ہے جن کے درمیان وادیاں ہیں، جن میں کھیتی باڑی کی جاسکتی ہے۔ دشوار گزار پہاڑوں کی وجہ سے باہمی آمد ورفت از حد دشوار اور کٹھن تھی اس لئے اس وقت کے ناقص نظام کو مواصلات اور آمد ورفت کے ذرائع کے فقدان کے باعث ایک متحدہ حکومت قائم کرنا بہت مشکل تھا۔ اسی وجہ سے یونان کا خطہ بیشمار چھوٹی چھوٹی شہری ریاستوں پر مشتمل تھا وہ اپنے داخلی اور خارجی معاملات میں کافی حد تک آزاد تھیں۔ زراعت صرف پہاڑوں کے درمیان وادیوں میں ہوسکتی تھی اس لئے قابل زراعت رقبہ بہت محدود تھا اور اجناس خوردنی اتنی مقدار میں پیدا کی جاسکتی تھیں جن سے وہاں کے باشندے بمشکل گزر اوقات کر سکتے تھے۔

بحر روم کے ساحل پر ہونے کی وجہ سے وہاں کے مہم جو اور حوصلہ مند شہری بحری تجارت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور بحری قزاقی بھی ان کا ایک محبوب مشغلہ تھا۔ سکندر اعظم کے زمانہ تک یہی کیفیت رہی لیکن اس عظیم فاتح نے مقدونیہ کی چھوٹی ریاست کو وہ عروج بخشا کہ یونان کی تمام چھوٹی ریاستیں اس کی باج گزار بن گئیں۔ سکندر نے اپنی فتوحات کا سلسلہ یہاں تک وسیع کیا کہ اس کی فوجیں پنجاب تک اپنی فتح کے جھنڈے، علم گاڑتی ہوئی بڑھتی چلی گئیں اور یونان ایک بہت بڑی سلطنت کا مرکز بن گیا۔

قدیم یونان کے حالات معلوم کرنے کے لئے ''ھومر'' کی دو رزمیہ نظمیں ایلیڈ (ALIAD) اور اوڈیسی (ODY SSEY) قابل اعتماد ماخذ ہیں جن کا زمانہ تالیف آٹھویں یا نویں صدی قبل مسیح ہے۔

مذہبی عقائد

ان دو نظموں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یونانی لوگ (اہل یونان) دیوتاؤں کے ایک وسیع خاندان سے اپنی مذہبی عقیدت رکھتے تھے۔ دیوتاؤں کا یہ خاندان کوہ اولیمپس کی برف پوش بلندیوں پر سکونت پذیر تھا۔ دیوتاؤں کے اس خاندان کی حکومت زیوس (ZEUS) اور اس کی بیوی ہیرا (HERA) کے ہاتھ میں تھی۔ یہ دیوتا انسانی معاملات میں مداخلت کرتے رہتے تھے۔ مختلف شعبہ ہائے حیات مختلف دیوتاؤں کے سپرد تھے۔ سمندروں کے دیوتا کا نام پوسیڈن (POSEIDON) تھا۔ ہیفاسٹس (HEPHAE STOS) اسلحہ سازی کا دیوتا تھا۔ سورج کی حرکات کو اپولو (APOLLO) سے منسوب کیا جاتا تھا۔ اپولو دیوتا کی رائے کا ان کے نزدیک خاص احترام تھا۔

جب تک کسی اپولو سے شگون نہ لے لیتے نہ جنگ شروع کرتے نہ آبادکاری کی مہم پر روانہ ہوتے اور نہ کسی بڑے کام کی طرف قدم اٹھاتے۔ اپولو کا اصل مرکز ڈلفی میں تھا۔ وہاں ایک پجارن ایک شگاف کے اوپر تپائی رکھ کر بیٹھ جاتی تھی۔ اس کے اندر سے عجیب و غریب بجارات اٹھتے تھے۔ اس پر ایک گونہ بے خودی کی کیفیت طاری ہوتی، وہ بڑبڑاتی لیکن الفاظ سمجھ میں نہ آتے اس کے پاس ایک پجاری کھڑا رہتا جو اس کی بات کا ترجمہ نظم میں کر دیتا۔ یہی ڈلفی کے مندر کا شگون تھا عموماً یہ شگون مبہم انداز میں پیش کیا جاتا۔

حکمت کی دیوی کا نام اتھینا (ATHENA) تھا۔ یہ انسان کو عقل و دانش سے بہرہ ور کرتی تھی۔

جنگ کے دیوتا کا نام اریز (ARES) تھا اس کی مدد سے جنگ میں فتح نصیب ہوتی تھی۔ محبت کی دیوی کا نام یا الفروڈائٹ (APHRODITE) تھا اور ان کے نزدیک محبت میں وہی کامیاب ہوتا ہے جس پر یہ مہربان ہوتی۔ خداؤں، دیوتاؤں کا یہ خاندان اخلاق و کردار کے اعتبار سے ہرگز قابل رشک نہ تھا بلکہ یہ سرکش حریفوں اور جھگڑالو افراد کا ایک کنبہ تھا جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے سے دست و گریبان رہتے اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے رہتے تھے۔

اہل ایتھنز کی ضعیف الاعتقادی کا ایک عجیب قصہ یونان کے مشہور مؤرخ ہیروڈوٹس نے بیان کیا ہے وہ ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ علوم فلسفہ اور حکمت میں ید طولیٰ رکھنے والی قوم اس وقت کی مصری قوم کی طرح عقائد کے میدان میں کس قدر طفلانہ سوچ کی مالک تھی۔

''اسسٹریٹس'' ایک ظالم اور بدقماش حکمران کو اہل ایتھنز نے معزول کر دیا اور اسے جلاوطن کر دیا۔ اس جابر حکمران اور اس کے دوست ساتھیوں نے ایک خوبصورت عورت تلاش کی جس کا قد چھ فٹ تھا۔ اس عورت کو زرہ بکتر پہنا دی اور اسے سکھا دیا کہ رتھ میں سوار ہونے کے بعد اس نے کیا کچھ کرنا ہے۔ چنانچہ وہ رتھ میں بیٹھ کر شہر میں داخل ہوگئی۔ ہرکارے اس سے پیشتر بھیج دیئے گئے تھے کہ وہ یہ منادی کرا دیں۔ ایتھنز کے شہریو! اسسٹریٹس کا

استقبال دوبارہ دوستانہ انداز میں کرو۔ منروا دیوی (حکومت کی دیوی) ایتھینا (ATHENA) سب سے بڑھ کر اس کی عزت کرتی ہے وہی اسے دوبارہ اپنے شہر میں لائے گی۔ یہ منادی گلی گلی کوچہ کوچہ میں زور وشور سے کر دی گئی اور علاقہ میں یہ افواہ پھیلا دی گئی کہ وہ منروا دیوی خود اپنے چنے ہوئے آدمی کو واپس لا رہی ہے۔ چنانچہ شہر کے لوگ پوری طرح اس کے قائل ہو گئے کہ وہ عورت واقعی دیوی ہے اور اس کے روبرو زمین بوس ہو گئے۔ اس کے فرمان کو مان لیا اور اسسٹریٹس کو واپس لے لیا گیا۔

ایتھنز کے قریب ایک مکان ''ایلیوسس'' (ELEUSIS) تھا جہاں دنتر دیوی کے اعزاز میں خاص رسمیں ادا کی جاتی تھیں۔ یہ زراعت اور بارآوری کی دیوی تھی۔ فصلوں اور زراعت کے اچھا ہونے کا دارومدار اس دیوی کی نظر عنایت پر تھا۔

اہل یونان دیوتاؤں کے مندروں میں بڑے قیمتی نذرانے پیش کرتے تھے اور منقولہ وغیر منقولہ جائیدادیں ان کے نام وقف کی جاتی تھیں اور جب کوئی خاص مشکل پیش آجاتی تو انسانی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا جاتا۔ ایگامیمون، ٹرائے کی جنگ میں یونانیوں کا سپہ سالار تھا وہ چاہتا تھا کہ دیوی آرٹمس اس پر مہربان ہو جائے جس نے غلط سمت میں ہوائیں چلا کر ٹرائے کے خلاف اس مہم میں رکاوٹ پیدا کر رکھی تھی چنانچہ اس نے دیوی کو خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جواں سالہ بیٹی ''ایفی گنیا'' کو اس کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا (تاریخ تہذیب از کرین برنٹن وغیرہم)

ہر شہر اور ہر آبادی کا مقامی تہوار ہوتا تھا لیکن بڑے تہواروں میں سب اہل یونان شریک ہوتے تھا۔ سب سے بڑا تہوار ہر چار سال کے بعد اولمپیا میں منایا جاتا تھا جو مغربی پیلوپونی سکس میں تھا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں زیوس دیوتا کا معبد تھا۔ ان تہواروں میں صرف کھیلوں کے مقابلے ہی نہ ہوتے بلکہ موسیقی، شاعری، شہنائی نوازی، حسن اور شراب نوشی کے مقابلے بھی ہوتے تھے۔

معاشرتی حالات

قدیم یونان کا معاشرہ تین طبقوں میں منقسم تھا۔

1- بادشاہ سیاسی اختیارات کے ساتھ ساتھ اسے سب سے بڑا مذہبی پیشوا بھی مانا جاتا تھا اور وہ اپنے امراء کی مدد اور مشوروں سے اپنی حکومت کا کاروبار چلاتا۔ بادشاہ اور اس کی ملکہ عام لوگوں کی طرح خود بھی کام کرتے تھے۔ اوڈیسوس نامی بادشاہ کو بھی اس بات پر فخر تھا کہ وہ اپنے کھیتوں میں کام کرتا ہے اور اس نے اپنا پلنگ خود بنایا ہے اور اس کی ملکہ پینی لوپی سوت کاتتی اور کپڑا بنتی ہے۔

2- دوسرا طبقہ امراء کا تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ دیویوں اور دیوتاؤں سے پیدا ہوئے ہیں اور ان کا نسب زیوس سے ملتا ہے جو کہ اولمپس کے دیوتاؤں کے خاندان کا حاکم اعلیٰ ہے اس دعویٰ کی بناء پر انہوں نے اپنے

معاشرہ میں دیگر طبقات اور قبائل پر فوقیت حاصل کر لی تھی۔

3- تیسرا طبقہ عوام کا تھا' جنہیں جنگ سے کوئی واسطہ نہ تھا ان کا معاشی نظام لوٹ مار اور بحری قزاقی کے علاوہ تجارت اور کاشتکاری پر مبنی تھا۔ وہ مویشی پالتے اور غلے اگاتے۔ خاص چیزوں کی کاشت کرتے مثلاً زیتون اور انگور۔ ان کے کاریگر جنگی رتھ اور رزم و پیکار (جنگ و جدل) کے لئے اسلحہ تیار کرنے میں ماہر تھے۔

آبادکاری

کھیتی باڑی کے لئے یہاں اراضی بہت محدود تھی جو دو پہاڑوں کے درمیان وادی میں پائی جاتی تھی۔ نیز باہمی جنگوں کا طویل سلسلہ داخلی طور پر فتنہ و فساد کی آگ ہر وقت بھڑکاتا رہتا۔ ان امور نے اہل یونان کو اپنے ملک سے باہر آبادیاں قائم کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ غیر مطلوب بچوں کی پیدائش روکنے کے لئے ہر ممکن طبی وسائل کام میں لاتے اور کثرت اولاد سے بچنے کے لئے لوگوں کو ترغیب دی جاتی کہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے عورتوں کے بجائے اپنے ہم جنسوں کو ترجیح دیں۔ ان غیر فطری کوششوں کے باوجود وہاں کی آبادی بڑھتی رہی یہاں تک کہ ان کے وطن کی سرزمین ان کے لئے تنگ ہوگئی اور وہ بیرون ممالک میں نوآبادیاں قائم کرنے پر مجبور ہوگئے۔ (تاریخ تہذیب صفحہ 76)

معاشی حالات

جیسے پہلے بتایا گیا ہے کہ وہاں قابل زراعت زمین کی بہت کمی تھی اس لئے خوشحال کسانوں کے لئے تو یہ ممکن تھا کہ وہ اپنے محدود قطعات اراضی میں زیتوں کے پودوں کی کاشت کریں اور طویل عرصہ تک ان پودوں کی نگہداشت کے اخراجات برداشت کریں لیکن غریب کسانوں کے لئے یہ طریقہ کار قابل عمل نہ تھا۔ وہ دولتمند ہمسایوں سے قرض لینے پر مجبور ہو جاتے۔ قرض خواہ گراں شرح سود پر انہیں قرض دیتے۔ مقروضوں کے لئے قرضوں کی ادائیگی ایک کٹھن مرحلہ تھا' وہ اس محدود آمدنی سے اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالیں یا قرضہ ادا کریں۔ اس سوال کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ جب وہ مقررہ میعاد پر قرض نہ ادا کر سکتے تو ان کی جائیداد ان سے چھین لی جاتی۔ بعض اوقات شخصی آزادی سے بھی محروم ہونا پڑتا۔ ایسے شخص کو مجبور کیا جاتا کہ قرض خواہ کے انگوروں کے باغ میں بسلسلہ ادائیگی قرض مزدوری کرتا رہے۔ (تاریخ تہذیب صفحہ 77)

شمال

مشرق

مغرب

جنوب

مملکت ایران

بحر روم

شام

عمان

حضرموت

خلیج عربی

ابتدائے نبوت کے زمانے کا عرب
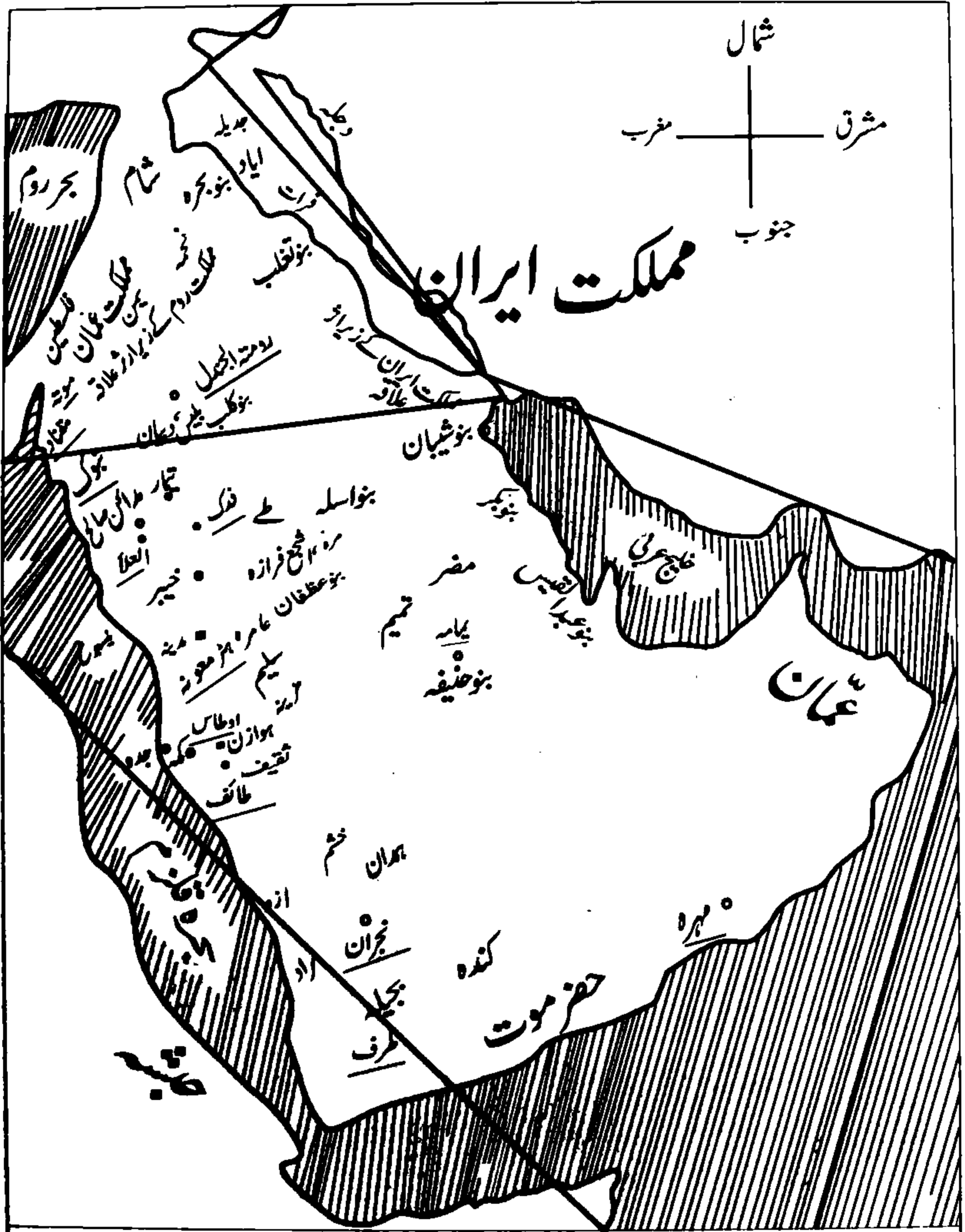
خط کشیدہ الفاظ مقامات کے نام ہیں
باقی قبائل کے نام ہیں

جزیرہ عرب

عرب کی وجہ تسمیہ

اہل لغت کے نزدیک ''عرب اور اعراب'' کے معنی وضاحت اور زبان آوری، خوش بیانی اور زبان دانی کے ہیں چونکہ اہل عرب اپنی فصاحت و بلاغت اور زبان آوری وخوش بیانی کے سامنے ساری دنیا کو ہیچ اور کمتر سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے خود کو اسی تفاخر میں ڈوب کر ''عرب'' (زبان دان خوش بیان) اور دنیا کی دوسری زبانیں بولنے والی اقوام کو عجم (گونگا) کہہ کر پکارا اور ایک عجیب سے احساس برتری میں مبتلا رہے۔ (المنجد:495)

بعض علماء اور محققین کے نزدیک عرب اصل میں ''عربۃ'' تھا جس کے معنی سامی زبانوں میں دشت اور صحرا کے ہیں چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت وصحرا پر مشتمل ہے اس لئے ان ممالک کے مجموعے کو عرف عام میں عرب کہا جانے لگا۔

عرب کا محل وقوع

لفظ عرب کے لغوی معنی صحرا اور بے آب و گیاہ زمین کے ہیں۔ عہد قدیم سے یہ لفظ جزیرہ نمائے عرب اور اس میں بسنے والی قوموں پر بولا گیا ہے۔ عرب کے مغرب میں بحر احمر اور جزیرہ نمائے سینا ہے۔ مشرق میں خلیج عرب اور جنوبی عراق کا ایک بڑا حصہ ہے۔ جنوب میں بحرہ عرب ہے جو درحقیقت بحر ہند کا پھیلاؤ ہے۔ شمال میں ملک شام اور کسی قدر جنوبی عراق ہے۔ ان میں سے بعض سرحدوں کے متعلق اختلاف بھی ہے۔ کل رقبے کا اندازہ دس لاکھ سے تیرہ لاکھ مربع میل تک کیا گیا ہے۔

جزیرہ نمائے عرب طبعی اور جغرافیائی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اندرونی طور پر یہ ہر چہار جانب سے صحرا اور ریگستان سے گھرا ہوا ہے جس کی بدولت یہ ایسا محفوظ قلعہ بن گیا ہے کہ بیرونی قوموں کے لئے اس پر قبضہ کرنا اور اپنا اثر ونفوذ پھیلانا سخت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قلب جزیرہ عرب کی باشندے عہد قدیم سے اپنے جملہ معاملات میں مکمل طور پر آزاد و خودمختار نظر آتے ہیں۔ حالانکہ ایسی دو عظیم طاقتوں کے ہمسایہ تھے کہ اگر یہ ٹھوس قدرتی رکاوٹ نہ ہوتی تو ان کے حملے روک لینا اہل عرب کے بس کی بات نہ تھی۔ بیرونی طور پر جزیرہ نمائے عرب پرانی دنیا (اس وقت تک کی معلوم دنیا) کے تمام معلوم براعظموں کے بیچوں بیچ واقع ہے اور خشکی اور سمندر دونوں راستوں سے ان کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اس کا شمال مغربی گوشہ براعظم افریقہ میں داخلے کا دروازہ ہے۔ شمال مغربی گوشہ یورپ کی کنجی ہے۔ مشرقی گوشہ ایران وسط ایشیا اور مشرق بعید کے دروازے کھولتا ہے اور ہندوستان اور چین

تک پہنچا تا ہے اسی طرح ہر براعظم سمندر کے راستے بھی جزیرہ نمائے عرب سے جڑا ہوا ہے اور ان کے جہاز عرب بندرگاہوں پر براہ راست لنگر انداز ہوتے ہیں۔

اس جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے جزیرۃ العرب کے شمالی اور جنوبی گوشے مختلف قوموں کی آماجگاہ اور تجارت وثقافت اور فنون و مذاہب کے لین دین کا مرکز رہ چکے ہیں۔

ملک عرب ایک جزیرہ نما ہے جو ایشیا کے براعظم کے انتہائی جنوب مغربی حصہ میں واقع ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مقالہ نگار نے اس کا حدود اربعہ یوں تحریر کیا ہے۔

اس کے جنوب مغرب میں بحر احمر، جنوب میں خلیج عدن، بحیرہ عرب، شمال مشرق میں خلیج عمان اور خلیج فارس (خلیج عرب) واقع ہے اس کی شمالی سرحد جو خلیج فارس کے دہانہ سے شروع ہو کر خلیج عقبہ تک چلی گئی ہے یہ پوری طرح واضح نہیں۔ اگرچہ سعودی عرب کی مملکت اور کویت کی سرحدوں کو جزیرہ عرب کی شمالی سرحد کہا جاتا ہے۔ ان مذکورہ حدود کے مطابق صحرائے شام جزیرہ کا حصہ نہیں لیکن درحقیقت معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہ علاقہ طبعی اور جغرافیائی خصوصیات اور آبادی کے لحاظ سے جزیرہ عرب ہی کا حصہ ہے۔ قدیم اور جدید جغرافیہ دان بالاتفاق اسے جزیرہ عرب کا حصہ شمار کرتے ہیں۔

جزیرہ نمائے عرب کا رقبہ تقریباً دس لاکھ مربع میل ہے جو فرانس کے رقبہ سے دوگنا ہے اس کی سب سے طویل سرحد وہ ہے جو بحر احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلی گئی ہے۔ اس کا طول چودہ سو میل (بائیس ہزار پانچ سو 22500 کلومیٹر) ہے۔ اس کا سب سے زیادہ عریض (چوڑا) وہ علاقہ ہے جو یمن سے اومان تک چلا گیا ہے جس کی چوڑائی بارہ سو پچاس میل (2000 کلومیٹر) ہے۔

موجودہ دور میں جزیرہ عرب سیاسی طور پر مندرجہ ذیل مملکتوں میں منقسم ہے۔

سعودی عرب، یمن، مسقط، اومان، عدن جو پہلے انگریزی استعمار کے زیر نگین تھا اور یمن سے علیحدہ ایک انگریزی نوآبادی تھی اب یہ آزاد ہو گیا ہے اور یمن کی عظیم بندرگاہ ہے۔ متحدہ عرب امارات جو دوبئی، ابوظہبی، قطر اور بحرین پر مشتمل ہیں۔ نیز کویت، لبنان، اردن، شام اور فلسطین جس کے کچھ حصہ پر اسرائیل نے اپنا غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے بیت المقدس بھی اس حصہ میں واقع ہے۔ سعودی عرب کی سرحدیں اردن اور عراق سے ملحق ہیں اور خلیج عقبہ کے سرے پر اس کی حدود مصر اور اسرائیل سے بھی جا کر ملتی ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد 2 صفحہ 168 تا 169 مطبوعہ 1962)

جرجی زیدان نے اپنی کتاب "العرب قبل الاسلام" میں تحریر کیا ہے کہ تاریخ قدیم میں مصر کے فراعنہ، اشوریین اور فینیقین کے عہد میں ان صحرانشینوں کو عرب کہا جاتا تھا جو جزیرہ عرب کے شمالی حصہ میں اور وادی نیل کے مشرقی حصہ میں آباد تھے یعنی مشرق میں دریائے فرات اور مغرب میں دریائے نیل کے درمیانی دوآبہ کو عرب کہا جاتا تھا۔ اس میں عراق کے ریگستان، ملک شام اور سینا اور مشرقی ڈیلٹا کے ساتھ متصل علاقے بھی یعنی نیل اور بحر احمر کے درمیان کے علاقہ کو بھی جزیرہ عرب کا حصہ شمار کیا جاتا تھا۔

جرجی زیدان نے مشہور مؤرخ ہیرودونس سے نقل کرتے ہوئے اپنی کتاب العرب قبل الاسلام میں مندرجہ بالا تحریر کیا ہے۔ (العرب قبل الاسلام صفحہ 41 بحوالہ مؤرخ ہیرودونس)

جزیرہ عرب کی تقسیم

تاریخ دانوں، سیرت نگاروں اور جغرافیہ دانوں نے جزیرہ عرب کی تقسیم کئی لحاظ سے کی ہے مثلاً

زمین کے لحاظ سے۔

جغرافیہ کے لحاظ سے۔

قبائل کے لحاظ سے۔

طبقات کے لحاظ سے۔

اخلاق و عادات کے لحاظ سے۔

تاریخ دنیا، تاریخ اسلام اور سیرت نگاری کے علاوہ بھی یہ خطہ ارض ہر لحاظ سے بہت اہم ہے، اس لئے اس کی اس اہمیت کے پیش نظر میں اس خطہ کی مختلف تقسیم کا ترتیب وار مفصل بیان کروں گا اور یقیناً یہ تاریخ دنیا تاریخ اسلام اور سیرت طیبہ کو سمجھنے میں بہت مدد و معاون ثابت ہوگا۔

زمین کے لحاظ سے تقسیم

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ عرب کے وسیع و عریض علاقہ میں پانی نایاب ہے۔ بارشوں کا فقدان ہے، زمینیں بنجر اور ریتلی ہیں اس لئے یہاں کسی قسم کی زراعت و کاشتکاری نہیں ہو سکتی جو کہ غلط فہمی ہے۔ جزیرہ عرب میں بعض ایسے وسیع اور زرخیز میدان، شاداب وادیاں، خطے ہیں جو اپنی زرخیزی میں ہزاروں سال سے اپنی مثال آپ ہیں۔ ہزاروں سال سے ان میں کامیابی کے ساتھ زراعت ہوتی رہی؛ جس کے خوشحال باشندوں نے اپنے اپنے علاقے میں بڑے بڑے شہر اور کثیر التعداد قصبے آباد کیے۔ یہ زرخیز خطے ساحلی علاقوں میں بکثرت نظر آتے ہیں۔ جنوب مغربی یمن کا علاقہ اپنی سرسبزی اور شادابی میں ضرب المثل تھا۔ قدیم زمانہ کے لوگ اسے ''الارض الخضراء'' یعنی سرسبز و شاداب زمین کہا کرتے تھے۔

جزیرہ عرب کے جنوب میں حضر موت کا علاقہ ہے۔ یہ علاقہ قدیم زمانہ سے بخور کی پیداوار میں عالمی شہرت کا حامل ہے۔ خلیج فارس کے کنارے پر الاحساء کا وسیع و عریض خطہ ہے جس کی زمین زرخیزی میں بے مثال تھی۔ اس کا سارا رقبہ زراعت کے قابل تھا۔ اس کا مغربی ساحل بیشک پتھریلا ہے۔ اس میں ٹیلے اور چٹانیں ہیں لیکن یہاں بہت اچھی چراگاہیں ہیں جہاں گھوڑے، بھیڑ بکریاں اور دیگر مویشیوں کی پرورش کے فراواں وسائل موجود ہیں۔

جزیرہ عرب کا وسطی علاقہ جو نسبتاً بلند ہے اور جسے نجد کہتے ہیں اس میں اونچے اونچے پہاڑ ہیں۔ طول و عریض وادیاں ہیں۔ ان میں بھی کھیتی باڑی بکثرت ہوتی ہے۔ اس علاقہ میں عرب کے مشہور گھوڑے پالے جاتے ہیں۔ یمامہ جو جزیرہ

عرب کے جنوب مشرق میں واقع ہے اس کی زرخیز اور عمدہ زمین کے باعث جزیرہ عرب کے باشندوں کی خوراک کی ضرورتیں پوری ہوتی تھیں۔ گندم، جو اور دیگر خوردنی اجناس میں وہ خود کفیل تھے۔ چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں ان اراضی کی زرخیزی یورپ کی زرخیز ترین زرعی زمینوں سے کسی طرح کم نہ تھی اور بعض خطے تو اتنے زرخیز تھے کہ یورپ کا کوئی خطہ زرعی اجناس کی پیدائش میں ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ (تاریخ الاسلام از حسن ابراہیم جلد 1 خلاصہ صفحہ 6 تا 7)

جزیرہ عرب کے وہ علاقے جو زراعت کے قابل نہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔

1-الحراء

یہ الحرہ کی جمع ہے۔ یہ وہ زمینیں ہیں جہاں کسی زمانہ میں آتش فشاں پھٹا اور اس سے بہنے والا مادہ (لاوا) جم گیا اور اس نے سیاہ رنگ کے سخت پتھروں کی صورت اختیار کر لی۔ پتھر کے یہ ٹکڑے جو وسیع علاقوں میں پھیلے ہوئے جگہ جگہ نظر آتے ہیں یہ عام طور پر گول شکل کے ہوتے ہیں۔ آتش فشاں پھٹنے کا یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔ حجاز میں 654ھ میں اس قسم کا ایک آتش فشاں پھٹا اور کئی ہفتوں تک اس سے آگ کے انگارے برستے رہے اور اس سے بہنے والا آتشیں مادہ کئی میلوں تک بہتا چلا گیا۔

2-الدہناء

یہ وہ میدان ہیں جن کے اوپر سرخ رنگ کی ریت کے ڈھیر لگ جاتے ہیں۔ یہ شمال میں نفوذ سے لے کر جنوب میں حضر موت اور مہرہ تک، مشرق میں یمن تک اور مغرب میں عمان تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کا رقبہ ایک لاکھ تیس ہزار کلومیٹر ہے۔ اس میں ریت کے ٹیلوں کے طویل سلسلے ہیں جن کی بلندیاں مختلف ہیں۔ یہاں اکثر تند و تیز آندھیاں چلتی رہتی ہیں اور دن میں گرمی اتنی شدید ہوتی ہے کہ اسے برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جو مقامات یہاں اونچے ہیں وہاں پانی بھی بکثرت دستیاب ہوتا ہے، بارشیں بھی برستی ہیں اور گھاس وغیرہ بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ علاقے مویشیوں کی بہترین چراگاہ کا کام دیتے ہیں۔

اس دھناء کے جنوبی علاقوں کو علماء جغرافیہ "الربع الخالی" کے نام سے موسوم کرتے ہیں یعنی جزیرہ کا وہ چوتھائی حصہ جو ہر قسم کی انسانی اور حیوانی زندگی سے خالی ہے۔ یہاں نہ کوئی درخت اگتا ہے اور نہ کوئی گھاس پیدا ہوتی ہے۔ اس ربع خالی کو سب سے پہلے ایک انگریز سیاح نے عبور کیا۔ اسے یہ صحرا عبور کرنے میں اٹھاون (58) دن لگے۔ دھناء کے مغربی حصہ کو الاحقاف کہتے ہیں۔ یہاں ریت کے بڑے بڑے اونچے ٹیلے ہیں۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں قوم عاد کبھی آباد تھی۔ اس وقت یہ علاقہ از حد سرسبز و شاداب تھا۔ وہاں کے رہنے والوں نے جب اللہ تبارک تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری اور فسق و فجور کو اپنا وطیرہ بنا لیا تو اللہ تبارک تعالیٰ نے اس علاقہ سے اس کی زرخیزی اور سرسبزی سلب کر لی۔ کنوؤں اور چشموں کا پانی خشک ہو گیا اور یہ علاقہ لق و دق صحرا میں تبدیل ہو گیا اور وہاں یکسر خاک اڑنے لگی۔ آثار قدیمہ کے ماہرین نے وہاں بہت پرانے شہروں کے کھنڈرات دریافت کئے ہیں۔

نجد
النفود
تہامہ
عکاظ
الحجاز مدینہ
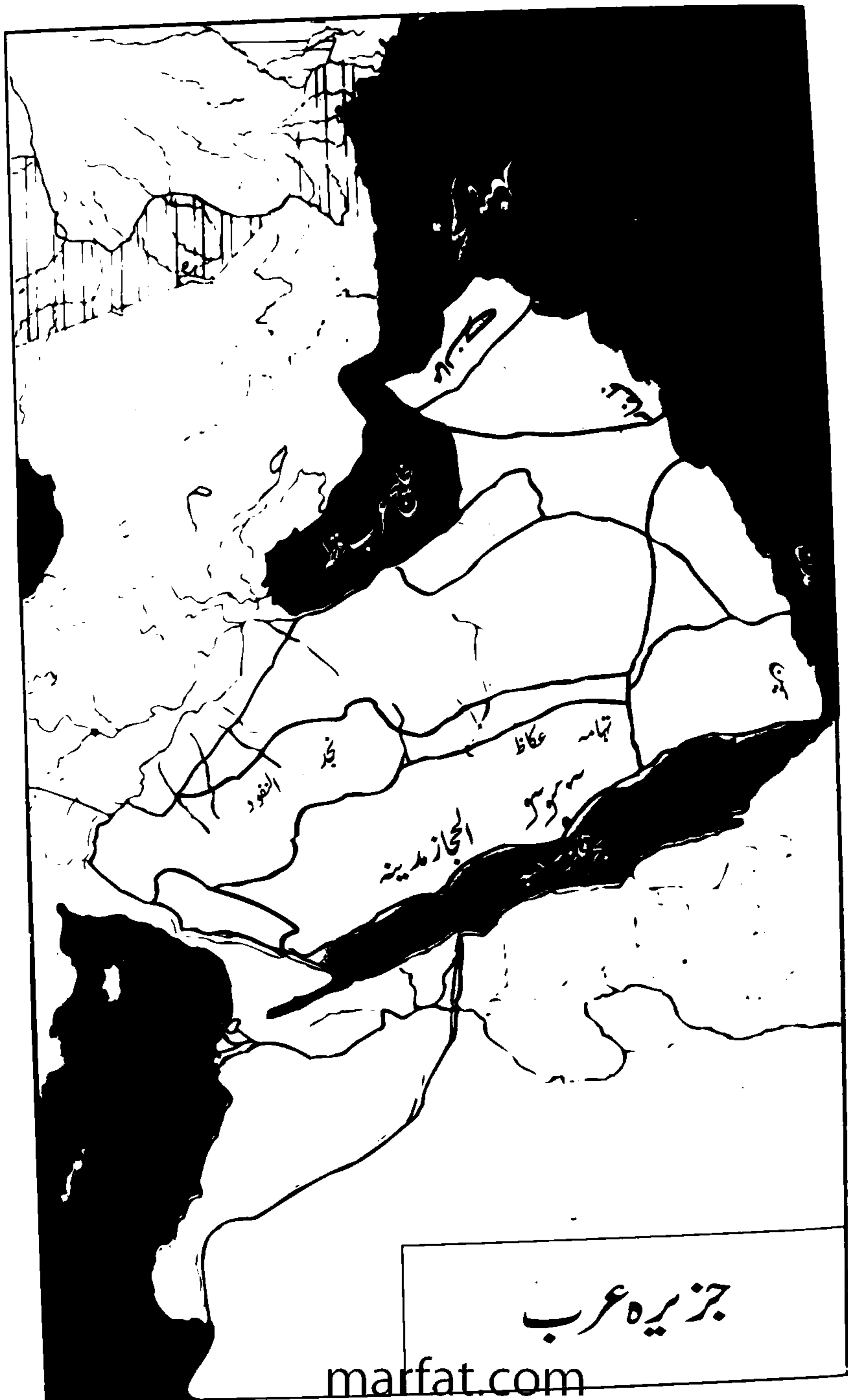
جزیرہ عرب

3-النفود

یہ ایک وسیع وعریض صحرا ہے جس کی ریت کا رنگ سفید اور سرخ ہے۔اس کے ٹیلوں کو ہوائیں ادھر سے ادھر پھینکتی رہتی ہیں۔یہ تیماء سے شروع ہوتا ہے اور مشرق میں چار سو پچاس کلومیٹر کی دوری تک پھیلا ہوا ہے۔اس کی چوڑائی اڑھائی سو کلومیٹر ہے۔پہلے یہ بھی دھناء اور''رملہ عالج'' کے نام سے مشہور تھا لیکن اب اس علاقہ کو النفود کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔یہاں ہوائیں متحرک ریت کے ٹیلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جمع کرتی رہتی ہیں۔بسا اوقات یہ ٹیلے ڈیڑھ سو میٹر یعنی چار سو پچاس فٹ تک اونچے ہو جاتے ہیں۔ان علاقوں میں تناور درخت بھی پیدا ہوتے ہیں۔پھول دار جھاڑیاں اور بیلیں فقط اس علاقہ میں اگتی ہیں جہاں ریت کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔جہاں ریت کا رنگ سفید ہوتا ہے وہاں کوئی چیز نہیں ہوتی۔

جزیرہ عرب کی جغرافیائی تقسیم

علماء جغرافیہ نے جزیرہ عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(1) تہامہ

(2) حجاز

(3) نجد

(4) عروض

(5) یمن

پھر ہر حصہ کی ذیلی تقسیم بھی کی گئی ہے۔یہاں ان بڑے پانچ حصوں کے بارے میں قارئین کی خدمت میں مختصراً پیش خدمت ہے۔

تہامہ

یہ وہ نشیبی علاقہ ہے جو بحر احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ ینبوع سے نجران (یمن) تک چلا گیا ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ التہم جو اس کا مادہ اشتقاق ہے اس کا معنی ہے گرمی کی انتہائی شدت اور ہوا کا رک جانا ہے۔اس علاقہ میں گرمی نا قابل برداشت حد تک شدید پڑتی ہے اور ہوا رکی رہتی ہے جس سے اس کی شدت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔اس لئے اس کو''تہامہ'' کہتے ہیں۔اس علاقہ کا دوسرا نام''الغور'' ہے کیونکہ نجد کے مقابلہ میں یہ علاقہ نشیب میں واقع ہے اس لئے اسے اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

حجاز

یہ علاقہ یمن کے شمال اور تہامہ کے مشرق میں واقع ہے۔یہ متعدد وادیوں کا مجموعہ ہے جن کے درمیان سے جبل سرات گزرتا ہے۔یہ سلسلہ کوہ شام سے شروع ہوتا ہے اور یمن میں نجران تک چلا جاتا ہے۔

ایک فرانسیسی محقق ''جوشاف لیبون'' اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ پہاڑی اور ریتلا علاقہ ہے جو شمالی منطقہ معتدلہ کے وسط میں واقع ہے۔ اس کے سامنے بحر احمر ہے اس میں دو مقدس شہر آباد ہیں۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ۔ حجاز کو حجاز اس لئے کہتے ہیں کہ یہ تہامہ اور نجد کے درمیان حد فاضل ہے۔ ایک کو دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ اور ایک سے دوسرے کو جدا کرنے والے کو حجاز کہتے ہیں۔

نجد

یمن کے جنوب میں اور صحرائے ''سماوہ'' کے شمال میں پھیلا ہوا ہے۔ عروض اور عراق اس کے ایک جانب واقع ہیں۔ یہ شمال کی جانب سے شام، مشرق کی جانب سے عراق، مغرب کی جانب سے حجاز اور جنوب کی جانب سے یمامہ سے ملا ہوا ہے۔ یہ علاقہ سطح سمندر سے 1200 میٹر بلند ہے۔ اس کی سطح اونچی و مرتفع ہونے کی وجہ سے اسے نجد کہتے ہیں۔ عرب میں یہاں کی زمین زرخیزی کی وجہ سے مشہور ہے۔

یمن

یہ بحر ہند کے جنوب اور بحر احمر کے غرب سے ملا ہوا ہے۔ مشرقی سمت سے اس کی سرحدیں حضر موت، الشحر اور عمان و بحرین سے ملتی ہیں۔ اس خطہ کو یمن بیت اللہ کی دائیں جانب واقع ہونے کی بناء پر کہتے ہیں۔ اس کے شہروں میں صنعاء عاصمہ اور نجران بہت مشہور ہیں اور عالمی شہرت کے حامل ہیں۔ یمن اور حضر موت کے میدانوں میں کئی داخلی لڑائیاں بھی لڑی گئیں اور بیرونی حملہ آوروں سے بھی معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ انہیں داخلی جنگوں اور اندرونی فتنہ وفساد کے باعث خاندان تبع، فنا و برباد ہوا جس کے بادشاہوں نے عمدان اور ظفار کے محلات تعمیر کئے اور اس زمانہ میں مآرب کے مقام پر ایک ''سد'' (ڈیم) تیار کیا جو موجودہ دور میں مصر کے اسوان ڈیم سے مماثلت رکھتا تھا۔

عروض یا یمامہ

عروض کا علاقہ یمامہ، بحرین اور عمان پر مشتمل ہے۔ یہ علاقہ خلیج فارس کے ساحلوں تک چلا گیا ہے اور چونکہ یہ یمن نجد اور عراق کے مابین پھیلا ہوا ہے اور ان کے درمیان حد فاصل ہے اس لئے اسے عروض کہا جاتا ہے۔ (تاریخ الاسلام، تاریخ ارض القرآن جلد 1 صفحہ 77 تا 89)

عمان اور بحرین پہلے جزیرہ عرب سے علیحدہ تھے اور اس کی دو وجوہ تھیں ایک طبعی اور دوسری سیاسی۔ طبعی وجہ تو یہ تھی کہ ان کے درمیان اور جزیرہ عرب کے درمیان لق و دق صحرا جنگل اور خشک ریگستان حائل تھے۔ سیاسی وجہ یہ تھی کہ عمان اور بحرین حکومت ایران جو ایک غیر عرب مملکت تھی اس کے زیر نگین تھے۔

(تاریخ الاسلام از حسن ابراہیم خلاصہ جلد 1 صفحہ 5 تا 6)

قبائل کے لحاظ سے تقسیم

عربی قبائل

عرب کے مؤرخین نے اہل عرب کو ابتداء میں دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے جو العرب البائدہ اور العرب الباقیہ کے نام سے موسوم ہیں۔

العرب البائدہ

سے مراد وہ قبیلے اور خاندان ہیں جنہیں گردش لیل ونہار نے فنا کر دیا ہے۔ ان کے بارے میں نہ صحیح تاریخی معلومات ہمارے پاس موجود ہیں اور نہ ان کے ایسے آثار موجود ہیں جن سے ان کی عظمت اور اقبال مندی کے بارے میں کچھ اندازہ لگایا جاسکے۔ اب ان کی یادگار صرف ان کے نام رہ گئے ہیں جو آسمانی کتابوں میں یا عرب شعراء کے کلام میں کہیں کہیں موجود ہیں۔

ان فنا ہو جانے والوں میں سے مشہور قبائل یہ ہیں، عاد، ثمود، طسم، جدیس، جرہم الاولیٰ لیکن بعض مؤرخین کا یہ خیال ہے کہ قدیم عرب قبائل بالکل فنا نہیں ہو گئے بلکہ ان کی نسل موجود ہیں جنہیں تاریخ میں عمالقہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کی دو بڑی شاخیں تھیں ایک عراقی عمالقہ، دوسرے مصری عمالقہ۔

عراق کے عمالقہ نے عراق میں ایک عظیم مملکت قائم کی۔ ایک کلدانی کاہن جس کا نام پیروسس (PEROSSES) تھا جو چوتھی صدی قبل مسیح میں گزرا ہے اس نے عراق پر کلدانیوں کی حکومت کے بعد عربی حکومت کا ذکر کیا ہے جس نے دوسو پینتالیس سال تک یہاں حکمرانی کی اور جس کے نو سلاطین نے تخت شاہی پر جلوس کیا' ان میں سے ایک حمورابی ہے جس نے سب سے پہلے ایک تحریری قانونی دستاویز تیار کی اور ماہرین آثار قدیمہ کو اس کی متعدد پتھر کی سلیں ملی ہیں جن پر اس کے قوانین کی متعدد دفعات اور آئین کی متعدد شقیں کندہ ہیں۔ (العرب قبل الاسلام صفحہ 54 تا 55)

مصری عمالقہ جو پہلے جزیزہ سینا اور اس کے اردگرد کے علاقہ میں رہائش پذیر تھے اور وہاں حکمران بھی تھے یہ لوگ قبائلی زندگی بسر کرتے تھے اور جب بھی موقع ملتا وہ مصر کے شہروں پر اور مصر کے تجارتی قافلوں پر حملہ کرتے اور ان کو لوٹ لیا کرتے۔ تاریخ میں ان کو "شامو" کہا جاتا ہے جنہیں یونان اور مصر کے مؤرخین ہیکسوس (HYKSOS) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اہل عرب عمالقہ یا العرب البائدہ کہتے ہیں۔ (العرب قبل الاسلام صفحہ 54)

لیکن عرب مؤرخین نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ عمالقہ عراق یا عمالقہ مصر، عرب بائدہ کی نسل سے تھے کیونکہ العرب البائدہ سامی نسل سے ہیں اور ارم کی اولاد سے ہیں۔ اس وجہ سے انہیں آرامین کہا جاتا ہے لیکن عمالقہ جنہوں نے عراق اور مصر میں حکومتیں قائم کیں یہ ارم کی اولاد نہ تھے بلکہ اس کے بھائی لاوذ بن سام کی اولاد سے تھے۔ اس لئے صحیح

قول یہ ہے کہ عرب بائدہ کے جملہ قبائل کی نسل ختم ہوگئی اور وہ نیست و نابود ہو کر رہ گئے۔ (العرب قبل الاسلام صفحہ 53 تا 54)

العرب الباقیہ

دوسری قسم العرب الباقیہ کے نام سے موسوم ہے اس کی پھر دو شاخیں ہیں ایک شاخ کو العرب الباقیہ اور دوسری شاخ کو العرب المستعربہ اور العرب المتعربہ کہا جاتا ہے۔

العرب العاربتہ کا مشہور شعب قحطان تھا اور ان کا وطن یمن تھا۔ ان کے دو مشہور قبیلے ہیں جراہم اور یعرب اور یعرب کی اولاد میں سے کہلان اور حمیر تھے جن سے بے شمار قبائل اور خاندان معرض وجود میں آئے۔ یہیں ان کے خاندان اور قبیلے مختلف شاخوں میں پھوٹے، پھیلے اور بڑھے۔ ان میں سے دو قبیلوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔

(الف) حمیر......جس کی مشہور شاخیں زید الجمھور، قضاعہ اور سکاسک ہیں۔

(ب) کہلان......جس کی مشہور شاخیں ہمدان، انمار طی، مذحج، کندہ لخم، جذام، ازد، اوس خزرج اور اولاد جفنہ ہیں جنہوں نے آگے چل کر ملک شام کے اطراف میں بادشاہت قائم کی اور آل غسان کے نام سے مشہور ہوئے۔

اہل یمن نے تہذیب و تمدن میں بڑی ترقی کی اور کئی سلطنتیں یہاں قائم ہوئیں جن میں سے معین سبا اور حمیر کی سلطنتیں بہت مشہور ہیں۔

ملوک سبا (سبا کے بادشاہوں، حکمرانوں) نے یمن کو سیراب کرنے کے لئے ایک بہت بڑا ڈیم تعمیر کیا جو بعد میں غضب الٰہی کا نشانہ بنا اور وہ ٹوٹ گیا جس سے تمام علاقہ میں تیز رو پانی کی طغیانی آگئی۔ تمام بستیاں، آبادیاں، قصبے اور دیہات صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ تمام باغات اور کھیت تباہ و برباد ہو گئے۔

وہاں سے اس وقت یا اس کے بعد یک بارگی یا تھوڑا تھوڑا کر کے عام کہلانی قبائل نے یمن چھوڑ دیا اور جزیرۃ العرب کے مختلف اطراف میں پھیل گئے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ ان کے عمومی ترک وطن کا واقعہ سیل عرم سے کسی قدر پہلے اس وقت پیش آیا جب رومیوں نے مصر و شام پر قبضہ کر کے اہل یمن کی تجارت کے بحری راستے پر اپنا تسلط جمالیا اور بری شاہراہ کی سہولیات غارت کر کے اپنا دباؤ اس قدر بڑھا دیا کہ کہلانیوں کی تجارت ختم ہو کر رہ گئی۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ کہلانی اور حمیری خاندانوں میں دشمنی، لڑائی جھگڑا، جنگ بھی رہی ہو اور یہ بھی کہلانیوں کے ترک وطن کا ایک مؤثر سبب بنی ہو۔ اس کا اشارہ اس سے بھی ملتا ہے کہ کہلانی قبائل نے تو ترک وطن کیا لیکن حمیری قبائل اپنی جگہ برقرار رہے۔

جن کہلانی قبائل نے ترک وطن کیا ان کی چار قسمیں کی جا سکتی ہیں۔

ازد

انہوں نے اپنے سردار عمران بن عمرو مزیقیاء کے مشورے پر ترک وطن کیا۔ پہلے تو یہ یمن ہی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہے اور حالات کا پتا لگانے کے لئے آگے آگے پٹرول دستوں کو بھیجتے رہے لیکن آخر کار

شمال کا رخ کیا اور پھر مختلف شاخیں، گھومتے گھماتے، مختلف جگہوں پر دائمی طور پر سکونت پذیر ہوگئیں۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ثعلبہ بن عمرو اس نے اولاً حجاز کا رخ کیا اور ثعلبہ اور ذی قار کے درمیان اقامت اختیار کی۔ جب اس کی اولاد بڑی ہوگئی اور خاندان مضبوط ہوگیا تو مدینہ کی طرف کوچ کیا اور اسی کو اپنا وطن بنالیا۔ اسی ثعلبہ کی نسل سے اوس اور خزرج ہیں جو ثعلبہ کے صاحبزادے حارثہ کے بیٹے ہیں۔

حارثہ بن عمرو یعنی خزاعہ اور اس کی اولاد یہ لوگ پہلے سرزمین حجاز میں گردش کرتے ہوئے مرالظہران میں خیمہ زن ہوئے پھر حرم پر دھاوا بول دیا اور بنو جرہم کو نکال کر خود مکہ میں بود و باش اختیار کرلی۔

عمران بن عمرو، اس نے اور اس کی اولاد نے عمان میں سکونت اختیار کی اس لئے یہ لوگ ازد کہلانے لگے۔

نصر بن ازد، اس سے تعلق رکھنے والے قبائل نے تہامہ میں قیام کیا۔ یہ لوگ ازد شنوۃ کہلاتے ہیں۔

جفنۃ بن عمرو، اس نے ملک شام کا رخ کیا اور اپنی اولاد سمیت وہیں آباد ہوگیا۔ یہی شخص غسانی بادشاہوں کا جداعلیٰ ہے۔ انہیں آل غسان اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے شام منتقل ہونے سے پہلے حجاز میں غسان نامی ایک چشمے پر کچھ عرصہ قیام کیا تھا۔

لخم وجذام، ان ہی لخمیوں میں نصر بن ربیعہ تھا جو حیرہ کے شاہان آل منذر کا جداعلیٰ ہے۔

طی اس قبیلے نے بنو ازد کے ترک وطن کے بعد شمال کا رخ کیا اور جاء اور علمی نامی دو پہاڑیوں کی اطراف میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہوگیا یہاں تک کہ یہ دونوں پہاڑیاں قبیلہ ہی کی نسبت سے مشہور ہوگئیں۔

کندہ، یہ لوگ بحرین موجودہ الاحساء میں خیمہ زن ہوئے لیکن مجبوراً وہاں سے دستکش ہوکر حضر موت گئے مگر وہاں بھی امان نہ ملی اور آخر کار نجد میں ڈیرے ڈالنے پڑے۔ یہاں ان لوگوں نے ایک عظیم الشان حکومت کی داغ بیل ڈالی مگر یہ حکومت پائیدار نہ ہوئی اور اس کے آثار جلد ہی ناپید ہوگئے۔

کہلان کے علاوہ حمیر کا بھی صرف ایک قبیلہ قضاعہ ایسا ہے اور اس کا حمیرہ ہونا بھی مختلف فیہ ہے کہ جس نے یمن سے ترک وطن کرکے حدود عراق میں بادیہ السماوہ کے اندر بود و باش اختیار کی۔

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد 1 صفحہ 11 تا 13، قلب جزیرۃ العرب صفحہ 231 تا 235)

العرب المستعربہ

العرب الباقیہ کی دوسری شاخ کو العرب المستعربہ اور المتعربہ کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے جداعلیٰ کی مادری زبان عربی نہیں تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مادری زبان عبرانی یا سریانی تھی۔ جب بنی قحطان کا قبیلہ جرہم مکہ میں وارد ہوا وہاں حضرت اسماعیل اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ پہلے سکونت پذیر تھے۔ اس قبیلہ نے وہاں ہی سکونت اختیار کی اور آپ کی شادی بھی بنی جرہم کی ایک خاتون سے ہوئی۔ اسی قبیلہ سے آپ نے اور آپ کی اولاد نے عربی زبان سیکھی۔ اسی وجہ سے ان کو العرب المستعربہ کہا جاتا ہے۔ جزیرہ عرب کے درمیانی علاقوں میں اور حدود حجاز سے لے کر بادیہ شام

تک جتنے عرب ہیں ان کی اکثریت عرب مستعربہ سے ہے یا وہ لوگ جو یمن سے اس تباہ کن سیلاب کے بعد ترک وطن کر کے یہاں آ کر آباد ہوئے جس کا اجمالی تذکرہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ (تاریخ الاسلام از حسن ابراہیم خلاصہ صفحہ 8 تا 11)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ فرزند تھے جن کی نسل میں اللہ تبارک تعالیٰ نے برکت دی اور وہ بے شمار قبائل میں منقسم ہو کر جزیرہ عرب کے مختلف علاقوں میں رہائش پذیر ہو گئے۔ آپ کی اولاد میں سے ایک مشہور شخصیت جو بعد میں آنے والی اولاد اسماعیل کا سنگم قرار پائی اس کا نام ''عدنان'' ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ عدنان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذریت سے ہیں لیکن آپ حضرت اسماعیل کی کون سی پشت میں سے ہیں اس میں بہت اختلاف ہے۔ جرجی زیدان اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''عرب مؤرخین میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیان کتنی پشتیں گزری ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ عدنان حضرت اسماعیل کی چالیسویں پشت سے تھے۔ بعض آپ کو بیسویں بعض پندرہویں پشت میں شمار کرتے ہیں لیکن اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد عدنان سے پھیلی۔ عدنان کے دو بیٹے تھے ''عک'' اور ''معد'' آخر الذکر عدنانی یا اسماعیلی قبائل کا جد اعلیٰ تھا۔ (العرب قبل الاسلام صفحہ 223)

جرجی زیدان نے مزید تحریر کیا ہے۔

عدنانی عرب، صحرانشین تھے۔ انہوں نے تہامہ، حجاز اور نجد میں اپنی رہائش اختیار کی تھی۔ قریش کا قبیلہ مکہ شہر میں اقامت گزیں ہو گیا۔ عدنان کے دو بیٹے تھے عک اور معد۔ عک کی اولاد تہامہ کے جنوب میں زبید اور اردگرد اقامت گزیں ہوئی اور دین اسلام کے آنے تک یہیں سکونت پذیر رہی۔ انہوں نے اس طویل عرصہ میں کوئی ایسا کارنامہ انجام نہیں دیا جسے تاریخ محفوظ رکھتی۔

البتہ ان کے چھوٹے بھائی معد کو تاریخ میں اہم مقام حاصل ہے۔ اس کی نسل سے ایک ایسے تاریخ ساز افراد پیدا ہوئے جنہوں نے انسانی تاریخ کے صفحات پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ اب جب معد کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے ایک ذات مراد نہیں ہوتی بلکہ سارا قبیلہ ''معد'' مراد ہوتا ہے۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں اس قبیلہ نے اپنی افرادی کثرت اور مادی وسائل کی بناء پر بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ معد کے دو لڑکے تھے ایک کا نام ''نزار'' اور دوسرے کا نام ''قنص'' تھا۔ نزار کی اولاد سے پانچ شاخوں نے بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ قضاعہ، مضر، ربیعہ، ایاد، انمار۔

ان خاندانوں کی رہائش گاہیں تہامہ، حجاز اور نجد میں تھیں جن کی تفصیل مؤرخ البکری نے یوں بیان کی ہے۔

بنی قضاعہ، کے مساکن اور ان کے ریوڑوں کی چراگاہیں بحر احمر کے ساحل جدہ کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف ذات عرق تک پھیلی ہوئی تھیں۔

مضر، کے قبائل حرم مکہ کے پڑوس میں سروات تک اور اس کے اردگرد کے علاقہ میں خیمہ زن تھے۔

ربیعہ، عمر ذی کندہ کے پہاڑ سے اور ذات عرق کے نشیب اور نجد کے پست علاقوں تک پھیلے ہوئے تھے۔

ایاد اور انمار، مصر اور نجران کے درمیانی علاقہ میں اکٹھے آباد ہو گئے وران کے چچا ''قنص'' کی اولاد سرزمین مکہ میں سکونت پذیر ہو گئی۔ اس علاقہ کی وادیاں اور گھاٹیاں اور گردونواح کا علاقہ ان کے قبضہ میں تھا۔

ابتدا میں یہ تمام قبائل اپنے اپنے علاقہ میں بڑے امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ ان میں باہمی الفت ومحبت تھی۔ اتحاد واتفاق کے باعث دوسرے قبیلوں پر ان کی ہیبت بیٹھ گئی پھر وقت رفتہ کے ساتھ ان میں بھی فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس کے نتیجہ میں نہ ان کی عزت باقی رہی اور نہ یہ باوقار طریقے کے ساتھ اپنے علاقہ میں خوشگوار زندگی بسر کرنے کے قابل رہے۔ (العرب قبل الاسلام خلاصہ صفحہ 226 تا 227)

طبقات کے لحاظ سے تقسیم

عرب کے چھ طبقات ہیں شعیب، قبیلہ، عمارہ بطن، فخذ اور فصیلہ۔ شعیب میں تمام قبائل جمع ہو جاتے ہیں۔ قبیلے میں تمام عمائر، عمارہ میں بطون اور بطون میں افخاذ اور فخذ میں تمام فصائل جمع ہو جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے مضر رسول اللہ ﷺ کا شعیب ہے۔ کنانہ آپ ﷺ کا قبیلہ ہے۔ قریش عمارہ ہے۔ قصی بطن ہے۔ ہاشم فخذ ہے اور بنو عباس آپ ﷺ کا فصیلہ ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فصیلہ کی بعد عشیر ہوتا ہے اور اس کے بعد کوئی طبقہ نہیں ہوتا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ فصیلہ ہی کو عشیرہ کہتے ہیں۔ (عیون الاثر جلد 1 صفحہ 75)

اخلاق وعادات کے لحاظ سے تقسیم

تہذیبی وثقافتی اور اخلاقی ومجلسی اعتبار سے اہل عرب کو تین طبقات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ تین طبقات تین تمدنی اکائیاں ہیں جن کا گہرا بغور مطالعہ عربوں کے تاریخی جغرافیائی اور عسکری پس منظر کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ان کے خصائل وخصائص کو جاننے میں مدومعاون ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ تین طبقات یہ ہیں۔

1- بدوی، 2- محتضر، 3- حضری

بدوی

یہ وہ خانہ بدوش تھے جو کسی ایک جگہ مستقل رہائش نہیں رکھتے تھے بلکہ جہاں کہیں انہیں زندگی کے آثار نظر آتے وہیں خیمہ نصب کر دیتے تھے۔ اگرچہ اب یہ روایتی خانہ بدوش خال خال ہی نظر آتے ہیں تاہم عرب کی ثقافتی، تمدنی اور معاشی زندگی پر ان کے اثرات آج بھی نمایاں ہیں۔ ان کی غذا دودھ اور گوشت تھی۔ گرمیوں کے موسم میں جب گرمی شدت اختیار کر جاتی تو نہروں اور چشموں کے قرب وجوار میں آباد ہو جاتے۔ خرید وفروخت اور لین دین کے معاملات میں یہ شہروں میں بسنے والوں کو ذرا کم ہی اپنے اعتماد کے لائق سمجھتے۔ فطرتاً اور ارادتاً ان سے لاتعلق ہی رہتے۔ اہل شہر کو بددیانتی اور مکروفریب کے مترادفات میں شمار کرتے تھے کیونکہ ان کے اپنے مزاج میں اکھڑ پن کا عنصر بہت نمایاں تھا اور وہ اس پر فخر بھی کرتے تھے۔ انہیں اپنی فصاحت وبلاغت پر بھی ناز تھا۔ بہرحال شہری زندگی کے بارے میں یہ ان کا اپنا نقطہ نظر تھا۔

مہمان نوازی، ذہانت وفطانت، صبر وقناعت، نسلی تفاخر، طبیعت میں سختی اور درشتی، دشمنی اور عناد حریت پسندی اور آزادی اظہار ان کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ زندگی بسر کرنے کا یہ نقطہ نظر اور سوچ کا یہ انداز مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں پر محیط تھا۔ یہ اجتماعی مجلسی رویہ عرب معاشرے میں آج بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔

دین کے معاملے میں ہمیشہ اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرتے تھے۔ پتھروں، درختوں، افلاک، ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔ بسا اوقات چھوٹی سی بات پر ان میں نہ ختم ہونے والی جنگ چھڑ جاتی تھی۔ قبائلی لڑائیوں کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا تو عرصہ دراز تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے۔ اس ضمن میں کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

ان کے ہاں قوانین باقاعدہ کتابی صورت میں موجود نہ تھے۔ عرف (قاضی، فیصلہ کرنے والا عاقل) کو قانون کا درجہ حاصل تھا۔ قبیلے کی حاکمیت وسرداری کے لئے بھی کوئی خاص طریقہ کار وضع نہ تھا بلکہ طاقت وقوت اور اثر ونفوذ کے بل بوتے پر حاکمیت اور سرداری حاصل کی جاتی یا پھر وراثت ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتی۔ جب بھی ان میں کسی معاملے میں اختلاف رونما ہوجاتا اور اسے ختم کرنے میں ناکام ہوجاتے تو پھر اسے عرفاء کے ہاں پیش کرتے جو مروجہ قانون کے مطابق فیصلہ کردیتے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان کے ہاں عریف (جمع عرفاء) کو قاضی کا مقام حاصل تھا اور اسے بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

متحضر

یہ اپنی عادات واخلاق، تہذیب وتمدن، عبادات ومعاملات، رسم ورواج میں بدویوں کی طرح ہی تھے۔ سوائے سامان معیشت کے جو ان کے پاس بڑی وافر مقدار میں تھا۔ پانی کی قلت ان کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھی۔ بڑی بڑی نہروں اور چشموں پر خیمہ زن ہوتے تھے۔ انہوں نے بانس اور کھجور کے درختوں سے کچھ مکانات بھی تعمیر کئے تھے۔ ان کا پیشہ زراعت کھیتی باڑی تھا۔ اپنے قریب کی زمین کو آباد کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔

حضری

یہ عرب بڑے بڑے شہروں میں بسنے والے تھے بدعنوانی وبددیانتی، بغاوت وسرکشی مکر وفریب، اخلاقی گراوٹ اور ذہنی پستی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ معاشرہ فسق وفجور اور زنا وشراب کی جہنم میں جل رہا تھا۔ شرف انسانی کی ہر قدر پاؤں تلے روندی گئی تھی' تمیز خیر وشر کا ہنر باقی نہیں رہا تھا' نیکی اور بھلائی کا فرق مٹ چکا تھا۔

سماج جاہ ومنصب اور مال ودولت کی ہوس کا شکار تھا۔ کذب وافتراء کا شمار خوبیوں میں ہونے لگا تھا۔ پورا معاشرہ نفسانی خواہشات کا اسیر ہوچکا تھا۔ دینی اور اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ آسمانی مذاہب کی تعلیمات مسخ ہوچکی تھیں۔ ان کی اکثریت اپنی مجالس میں عریانی وفحاشی پر مبنی کلام کو سنتی تھی۔ کوئی ان کو روکنے ٹوکنے والا نہ تھا۔ یہاں تک کہ فحاشی وعریانی ان کے قول وعمل میں رچ بس چکی تھی۔ (التاریخ القویم جلد 1 صفحہ 43 تا 44)

انبیاء کرام علیہم السلام

میں اس کتاب کے مصنف نے مزید برکتوں کے حصول کے لئے اس کتاب میں پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پرنور، حضور انور، امام الانبیاء، خاتم النبیین، حاصل کائنات، سرکار دو عالم، اصل الموجودات ﷺ کے صدقے، آپ ﷺ کی عظمتوں، اعلیٰ ترین اور نرالی شانوں کی جھلک دکھانے کے لئے انہیں اجاگر کرنے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق ضروری، معلوماتی اور مصدقہ سا مختصراً بیان کرنا ضروری جانا ہے۔ قارئین کرام کو انبیاء کرام کا زمانہ جاننے کا تجسس اور دلچسپی ہوتی ہے اور پھر تاریخی لحاظ سے جب بھی وہ انبیاء کرام کے بارے میں پڑھ رہے ہوں تو انہیں یہ خیال بار بار آتا ہے کہ مذکورہ نبی کا زمانہ کون سا ہے اور ان سے پہلے نبی اللہ کون تھے اور ان کے بعد کس کو نبوت سے نوازا گیا۔

قارئین کرام! آپ کے ان خیالات وضروریات کو مدنظر رکھ کر میں زمانہ کے لحاظ سے انبیاء کرام کے اسمائے گرامی لکھ رہا ہوں۔ آپ اس ترتیب کو حتمی نہ سمجھئے۔ میں نے یہ مضمون مختلف کتابوں اور کتب تفسیر سے اخذ کیا ہے۔ میں بھی خطا کا پتلا ہوں اس لئے علماء کرام سے دست بستہ گزارش ہے کہ جس کو بھی متعلقہ صحیح معلومات حاصل ہوں وہ اس میں میری رہنمائی کریں تاکہ کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں ترتیب کو اور بھی صحیح کر دیا جائے۔

آگے بڑھنے سے پہلے چند اہم نکات کی وضاحت:

ایک حدیث پاک میں ارشاد مبارک ہے کہ یہودیوں نے اجتماعی طور پر انبیاء کرام کے ساتھ بہت برا سلوک کیا اور انہوں نے ایک دن میں 39 انبیاء کرام کو شہید کر دیا۔ (یہ مکمل حدیث پاک اسی کتاب میں پہلی ہجری کے واقعات میں بمع حوالہ موجود ہے) یہاں اس حدیث پاک کا ذکر کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ خاص طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اس زمین پر اولاد آدم کی رہنمائی اور فلاح دارین کے لئے ایک وقت میں کئی کئی نبی مبعوث ہوتے رہے ہیں یعنی کہ ہر خطہ، ہر بڑی آبادی کے لئے ایک علیحدہ نبی موجود تھا جو وہاں اللہ تبارک تعالیٰ کی وحدانیت و دین کا پرچار کرتا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پرنور نبی کریم رؤف و رحیم، خاتم النبیین حضرت محمد

رسول اللہ ﷺ کے درمیان تقریباً پانچ سو (500) سال کا عرصہ ہے اور ان کے درمیان کوئی اور نبی اللہ نہیں ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ' خالق و مالک کائنات نے پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم' رہبر کائنات' ہادی انس و جاں ﷺ کو خاتم النبیین بھی بنا دیا اور آپ ﷺ پر اپنے پسندیدہ دین کی تکمیل بھی فرما دی اور سلسلہ نبوت بھی ختم فرما دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش یا زمین پر تشریف لانے کے بارے میں زمانہ کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ احادیث مبارک سے یہ امر تو ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ابوالجن (جنات کے باپ) کی پیدائش کے دو ہزار سال بعد پیدا کیا گیا لیکن جنات کو کب پیدا کیا گیا یہ بھی معلوم نہیں ہے۔ ویسے بھی ان حقائق کا وثوق کے ساتھ جاننا ضروری نہیں ہے۔ میں نے تو درج ذیل قارئین کرام کا تجسس کم کرنے اور ان کی علمی استعداد اور فطری صلاحیت بڑھانے کے لئے لکھ دیا ہے۔

تاریخی لحاظ سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس زمین پر آئے ہوئے کتنا عرصہ گزر گیا ہے۔ ہاں اس عرصہ کا انسانی فوسلز (Human Fossils) یا انسانی حجریہ (زمین کے اندر عرصہ دراز تک دبے رہنے کے بعد بغیر کیمیائی اور بناوٹ و شکل میں تبدیلی آئے انسانی ہڈیوں کا پتھر کی بن جانا) سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے اور انسانی فوسلز تو کئی ممالک کے عجائب گھروں میں موجود ہیں۔

سائنسدانوں کے علم و تحقیق کے مطابق اور علم الارض و علم کیمیا کی رو سے انسانی ہڈیوں کا اپنی کیمیائی ساخت' بناوٹ و شکل کو قائم رکھتے ہوئے پتھر میں تبدیل ہو جانے کے لئے کم از کم دس (10) ہزار سال سے نوے (90) ہزار سال تک کا عرصہ درکار ہے۔

ایک تحقیق یا ریسرچ ورک جو نیشنل جیوگرافک نیوز (National Geographic News) کے حوالے سے 16 فروری 2005ء کو منظر عام پر آیا ہے اس کے مطابق اس سوال کا جواب کہ دریافت شدہ انسانی فوسلز کتنے پرانے ہیں' یہ ہے کہ یہ فوسلز کم از کم ایک لاکھ پچانوے (1,95000) سال پرانے ہیں۔

(نیشنل جیوگرافک نیوز مورخہ 16 فروری' 2005ء)

ایک اور تحقیقی مقالہ یا ریسرچ ورک دی ریلیٹو پائن سکیل فوسلز سکسیشن (The Relative Pine scale succession) میں تو انسانی فوسلز کو پرندوں' میملز' ریپٹائلز اور آبی جانوروں' سمندری مخلوق کے فوسلز کے مقابلے میں نسبتاً نئے فوسلز بتایا گیا۔ اس ریسرچ ورک کے مطابق نسبتاً سب سے نئے یا کم زمانہ فوسلز انسان کے ہیں۔ پھر پرندوں کے' پھر دودھ پلانے والے جانداروں کے' پھر رینگنے والے جانوروں کے اور پھر پانی کے جانوروں کے اور پانی کے جانوروں میں سب سے پرانے فوسلز گھونگا' صدف اور سیپی وغیرہ کے ہیں۔

(دی ریلیٹو پائن سکیل فوسلز سکسیشن' 8 پی پی پیپرز' یوز جی او بی)

یعنی کہ سمندری یا آبی جانور، رینگنے والے جانور، دودھ پلانے والے جانور اور پرندے انسان سے بالترتیب یہ بہت پہلے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس ریسرچ ورک یا تحقیقی مقالہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسانی فوسلز دو لاکھ سے 16 لاکھ سال تک پرانے ہو سکتے ہیں۔

اور جب سائنسی تحقیقات وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سچائی اور پختگی کی طرف بڑھتی ہیں تو وہ آفاقی سچائی قرآن مجید، فرقان حمید کے دامن میں پناہ تلاش کرتی ہیں۔ تمام تحقیقات اور ابدی سچائیوں کا منبع قرآن حکیم ہے۔ انسان جن حقائق کی طرف رواں ہے، جن حقائق کو جاننے کے لئے کوشاں ہے اور اس کا غور و فکر و تحقیق اسے جس طرف لے جاتی ہے وہ صداقتیں تو قرآن حکیم نے، اللہ تبارک تعالیٰ نے، پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے اب سے پونے پندرہ سو سال پہلے بیان فرما دی تھیں۔ اس وقت جبکہ انسان نے تحقیق و جستجو کی طرف پہلا قدم بھی نہ اٹھایا تھا۔

سورہ انبیاء آیت 30 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد مبارک ہے۔

ترجمہ: ''اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی''۔

سورہ نور آیت 45 میں اسی سے متعلق اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد پاک یوں ہے۔

ترجمہ: ''اور اللہ نے زمین پر ہر چلنے والا پانی سے بنایا''۔

ظاہر ہے سب سے پہلے ایک خلیہ والے (Unicellular) جاندار پیدا فرمائے۔ ان سے (Multicellular) کئی خلیوں والے جاندار پیدا فرمائے اور ان سے خولدار جانور جیسے گھونگا، سیپی، صدف بنائے اور پھر بتدریج پانی کی دیگر مخلوق، پھر زمینی مخلوق اور پھر پرندے وغیرہ پیدا فرمائے اور زمین کو حسب منشا سجا دینے کے بعد اللہ تبارک تعالیٰ خالق و مالک کائنات نے ابوالجن یا جنات کو پیدا فرمایا اور اس کے دو ہزار سال بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور پھر اس زمین کو دنیاوی عارضی زندگی گزارنے کا ٹھکانا، مستقر بنایا۔ پھر یہ پتہ نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے کتنے ہزار سال بعد کس اولاد آدم کے فوسلز بنے؟ زمین کے مختلف خطوں سے انسانی فوسلز ملے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اولاد آدم اس وقت تک زمین کے کافی حصہ پر پھیل چکی تھی یعنی کہ فوسلز بھی ان انسانوں کے ہوں گے جو حضرت آدم علیہ السلام سے کئی ہزار سال بعد زمین پر آباد رہے ہوں گے یعنی کہ بالفاظ دیگر حضرت آدم علیہ السلام اب سے کم از کم ڈیڑھ دو لاکھ سال پہلے زمین پر تشریف لائے تھے۔

تاریخی لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کے زمانے کے بارے میں ہمیں کوئی علم حاصل نہیں ہے۔ ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ حضرت محمد رسول اللہ، خاتم النبیین ﷺ سے اندازاً چار ہزار (4000) سال پہلے کا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ پیغمبر اول و آخر اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے اندازاً ایک ہزار آٹھ سو (1,800) سال پہلے کا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ پیغمبر اول و آخر و اعظم، تاجدار کائنات، سرکار دو عالم، اصل الموجودات ﷺ سے پانچ سو (500) سال پہلے کا ہے۔

سورہ مومن آیت 78 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی رسول بھیجے کہ جن میں کسی کے احوال تم سے بیان فرمائے اور کسی کے احوال بیان نہیں فرمائے''۔

قرآن پاک میں بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے اسماء گرامی مذکور ہیں اور ان کے حالات کو بھی ذکر کیا گیا ہے اور بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے نام تو ہیں لیکن ان کے حالات ذکر نہیں کئے گئے جیسے حضرت الیسع اور حضرت ذوالکفل اور بعض کے واقعات ذکر ہیں لیکن نام نہیں۔ جیسے حضرت حز قیل اور حضرت شموئیل اور بعض کے نام بھی نہیں اور حالات بھی نہیں، جیسے حضرت دانیال علیہ السلام۔

قرآن حکیم میں انبیاء کرام کے اسماء گرامی

قرآن حکیم کی مختلف سورتوں میں انبیاء کرام علیہم السلام کے جو اسمائے گرامی آئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت شعیب، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت زکریا، حضرت یحیٰ، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت ادریس، حضرت ذوالکفل، حضرت یونس، حضرت ایوب، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔

انبیاء کرام کی تعداد

اگرچہ مشہور روایت یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے لیکن ایک روایت میں دو لاکھ چوبیس ہزار کا بھی ذکر ہے۔ ایک روایت میں آٹھ ہزار کا بھی ذکر ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ عقیدہ یہ ہو کہ جتنے انبیائے کرام علیہم السلام رب تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں سب برحق تھے ان تمام پر ہمارا ایمان ہے معین تعداد ذکر نہ کی جائے کیونکہ ایسا نہ ہو کہ یہ کم تعداد پر ایمان لائے اور واقع میں زائد ہوں، یا ایسا نہ ہو کہ یہ زائد تعداد پر ایمان لائے اور واقع میں کم ہوں۔

پہلی صورت میں کئی انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان نہیں ہوگا اور دوسری صورت میں جو نبی نہیں ہوں گے ان کو نبی ماننا لازم آئے گا اس لئے دونوں صورتوں میں خرابی آتی ہے لہٰذا یہی بہتر صورت ہے کہ یہ ایمان رکھے ''اے اللہ تیری طرف سے بھیجے ہوئے تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر میرا ایمان ہے اور وہ برحق ہیں''۔

رسولوں اور آسمانی کتابوں کی تعداد

تمام انبیائے کرام علیہم السلام میں سے بعض زیادہ مرتبہ والے نبی ہوئے ہیں جن کو رسول کہا جاتا ہے۔ ان رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ (313) ہے اور آسمانی کتابوں کی تعداد کل ایک سو چار (104) ہے۔ چار کے مستقل نام ہیں: توراۃ، انجیل، زبور، قرآن پاک اور ایک سو کے مستقل نام نہیں بلکہ ان کو صحیفے کہا جاتا ہے۔

نبی کسے کہا جاتا ہے؟

نبی کا لفظ یا تو ''نبادۃ'' سے بنا ہے، جس کا معنی ہوتا ہے بلندی مرتبہ اور یا یہ لفظ بنا ہے ''نبا'' (باساکن) سے جس کا معنی ہوتا ہے خبر دینا ظاہر کرنا اور یا یہ لفظ بنا ہے ''نباۃ'' (باساکن اور تاء زائد) سے جس کا معنی ہوتا ہے مخفی آواز۔

پہلے معنی کے لحاظ پر نبی کو ''نبی'' اس لئے کہتے ہیں کہ تمام مخلوق سے بلند مرتبہ رکھتا ہے دوسرے معنی کے لحاظ سے کہ وہ حق بات کو ظاہر کرتا ہے اور غیبی خبریں دیتا ہے اور تیسرے معنی کے لحاظ سے کہ وہ وحی کو سنتا ہے جو آواز دوسروں پر مخفی ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ لفظ اصل میں نبیء (مہموز اللام بروزن فعیل) ہو تو اس وقت معنی ہوتا ہے راستہ، اس صورت میں نبی کو نبی کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ جس طرح راستہ منزل مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح انبیائے کرام علیہم السلام رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور منزل مراد کو پانے کا ذریعہ اور واسطہ ہوتے ہیں۔

انبیاء کرام اخلاق عظیمہ کے مالک ہوتے ہیں

انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ تبارک تعالیٰ نے اعلان نبوت سے پہلے بھی ایسے اعلیٰ اور پاکیزہ اخلاق عطا کئے ہوئے ہیں تاکہ لوگ ان کے ماضی حال مستقبل پر کوئی اعتراض نہ کر سکیں یعنی یہ پاکیزہ اخلاق ان کو تمام اوقات میں حاصل رہتے ہیں۔ شجاعت، بردباری، کریمانہ گفتگو وغیرہ، ہر قسم کے اچھے اخلاق کے مالک ہوتے ہیں اور رذیل وگھٹیا کاموں سے پاک ہوتے ہیں۔

نفس نبوت میں تمام انبیاء کرام برابر ہیں

تمام انبیائے کرام علیہم السلام نفس نبوت میں یعنی بحیثیت نبی ہونے کے برابر ہیں۔ ایسا نہیں کہا جاسکتا کہ کسی نبی کی نبوت اصلی ہو اور کسی نبی کی نبوت عارضی ہو بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت اصلی ہے۔ کسی نبی کی نبوت عارضی نہیں، ہاں البتہ درجات کے لحاظ سے بعض انبیائے کرام علیہم السلام کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہمارے نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

دنیا میں تشریف لانے کے لحاظ سے سب سے پہلے آنے والے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخر میں تشریف لانے والے حضرت محمد مصطفیٰ رحمۃ للعالمین سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ ہیں۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم

حضور پر نور، حضور انور، نبی کریم رؤف و رحیم، اصل الموجودات، امام الانبیاء، ہادی انس و جاں، رسول بحر و بر، تاجدار کائنات، سرکار دو عالم، رحمۃ للعالمین، سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ کے صدقے، اب زمانہ کی ترتیب سے انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء مبارک درج ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام

حضرت ادریس علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام

حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت اسحاق علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ذوالکفل علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت ہارون علیہ السلام

حضرت یوشع علیہ السلام

حضرت حزقیل علیہ السلام

حضرت الیاس علیہ السلام

حضرت الیسع علیہ السلام

حضرت اشموئیل علیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت عزیر علیہ السلام

حضرت یونس علیہ السلام

حضرت زکریا علیہ السلام

حضرت یحیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

پیغمبر اول و آخر واعظم، حضور پرنور، حضور انور، نبی کریم رؤف ورحیم، ہادیٔ انس وجان، رسول بحر وبر، اصل الموجودات، امام الانبیاء، تاجدار کائنات، سرکار دوعالم، شفیع المذنبین، اکرم الاوّلین، اکرم الآخرین، رحمۃ للعالمین، سید المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ، حبیب رب للعالمین

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

اہلِ عرب کن سے تھے

اس کا مختصر سا بیان ''عرب قبائل'' کے تحت ہو چکا ہے جو کہ اس کتاب کے نام و موضوع کے لحاظ سے ادھورا اور کم ہے۔تبرک و احترام کی خاطر میں اس موضوع کہ ''اہل عرب کن سے تھے؟'' کے جواب یا ذکر کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کروں گا۔

یوں تو ہم سب کے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں لیکن عدم تاریخ کے سبب وہاں سے ذکر ممکن نہیں ہے۔ وہ محترم و مکرم شخصیت جن کے بارے میں ہمارے پیارے نبی محبوب خدا حضرت محمد ﷺ نے بھی ''باپ'' جدامجد فرمایا ہے اور جن کی سنت مبارک کو آپ ﷺ نے بھی اپنی امت کے لئے برقرار رکھا یعنی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام' میں اگر ان کے ذکر سے ابتدا کروں گا تو یہ متبرک ہونے کے ساتھ اور زیادہ مناسب بھی ہوگا اور میرے ساتھ قارئین کرام کو بھی اس سے ایک گونہ خوشی ہوگی اور تسکین ملے گی۔ یہ بیان بہت تفصیل سے تو نہیں ہوگا لیکن اتنا بھی کم نہیں کہ قاری کو تشنہ لبی رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

علامہ ابن حریر طبری نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ یوں تحریر کیا ہے۔

'ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن ساروغ بن ارغو ابن فالغ بن عابر بن شالخ بن قینان بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام' (تاریخ طبری جلد 1 صفحہ 119)

آپ کے مقام ولادت کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔بعض علماء تاریخ نے ''بابل'' کو' بعض نے ''سوس'' کو جو صوبہ اھواز کا ایک شہر ہے اور بعض نے ''کوثی'' اور بعض نے ''اُور'' کو جو کوفہ اور بصرہ کے درمیانی علاقہ میں ایک شہر تھا آپ کا مقام ولادت بتایا ہے۔جس زمانہ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اس وقت بابل کی وسیع عریض سلطنت کا بادشاہ نمرود تھا۔علامہ ابن خلدون رومی مؤرخ ہیوروشیوش کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''نمرود کو نمرود جسیم بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ قد و قامت اور تن و توش میں بہت بھاری بھرکم تھا''

یہ رومی مؤرخ بابل کی سلطنت کے پایۂ تخت

بابل کے بارے میں لکھتا ہے کہ بابل کا شہر مربع شکل کا تھا اور اس کے ارد گرد جو فصیل تھی اس کی گولائی 128 کلومیٹر تھی جو دو سو ہاتھ اونچی تھی اور جس کی چوڑائی پچاس ہاتھ تھی وہ تمام فصیل اینٹوں اور قلعی کی بنی ہوئی تھی۔ اس میں تانبے کے بنے ہوئے سو دروازے تھے اس کے اوپر پہرے داروں اور جنگ جو محافظوں کی رہائش گاہیں تھیں جو ساری رات جاگ کر پہرہ دیا کرتے تھے۔ اس کے ارد گرد بہت بڑی گہری خندق تھی جسے پانی سے بھر دیا گیا تھا'' (تاریخ ابن خلدون جلد 2 صفحہ 135 تا 136)

مندرجہ بالا سے اس مملکت کی مادی ترقی اور جنگی قوت کا باآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہاں کے سارے لوگ مشرک اور بت پرست تھے۔ نمرود ان کے مشرکانہ مذہب کا سرپرست بھی تھا اور خود اپنی رعایا کا معبود بھی بنا ہوا تھا۔

مشرکانہ عقائد سے متعفن ماحول میں ایک جابر اور ظالم طاقتور حکمران کے دور میں اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور انہیں ایسا پاک و نیک ذہن مرحمت فرمایا جس نے آپ کے گم کردہ راہ اہل وطن کے جھوٹے معبودوں کا طلسم توڑ دیا۔ جب پہلی دفعہ چمکتا ستارہ نظر آیا تو آپ نے اپنے دل سے پوچھا کیا یہ میرا خالق ہے؟ جب وہ ڈوب گیا تو آپ اپنے فہم خداداد سے اس حقیقت کو فوراً پا گئے کہ جو ڈوب جایا کرتا ہے وہ خداوند برحق نہیں ہوا کرتا۔ وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔

انبیا کرام پر اللہ تبارک تعالیٰ کی خصوصی رحمت و رہنمائی ہوتی ہے۔ آپ نے اسی سوچ، فہم و انداز سے ان کے خود ساختہ معبودوں کو ایک ایک کر کے جھوٹا ثابت کر دیا اور نمرود اور اس کی قوم کو برابر خدائے واحد کی عبادت کی تبلیغ کرتے رہے۔ آپ نے نمرود پر واضح کر دیا کہ اے نمرود تم خدا نہیں ہو بلکہ خدا کے بندے ہو۔ اسی ایک اللہ کی عبادت کرو اسی میں فلاح دارین ہے۔

آپ اپنی قوم کو بہت سمجھاتے کہ ان بے بس اور بے اختیار بتوں کو چھوڑو اور اس کی عبادت کرو جو معبود حقیقی ہے لیکن آپ کی باتیں ان کی سمجھ سے بالاتر تھیں وہ انہیں سمجھ نہ سکتے تھے اور اپنی ضد پر اڑے رہتے۔ آپ نے بتوں کی بے بسی کو آشکارا کرنے کے لئے ایک ایسا طریقہ اختیار کیا جس نے ان سب کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا۔

ہوا یوں کہ ایک دفعہ ان کا قومی جشن تھا۔ قوم نمرود کے بڑے بت کدہ کو بڑی شان و شوکت سے سجایا گیا تھا۔ چھوٹے بڑے بتوں کے سامنے لذیذ اور تازہ مٹھائیوں کے تھال بھر کر رکھ دیئے گئے تھے۔ ساری قوم جشن میں داد عیش دینے کے لئے شہر سے باہر کسی کھلے میدان میں جمع ہو گئی۔ بت کدہ اپنے پجاریوں اور پروہتوں سے خالی ہو گیا تو توحید الٰہی کا سب سے بڑا علمبردار ہر قسم کے خوف و ہراس سے اپنے دل کو پاک کر کے اپنے خالق کی تائید و نصرت پر بھروسہ کئے ہوئے بتوں کی خدائی کا جنازہ نکالنے اور ان پر ضرب کاری لگانے کے لئے مذکورہ بت کدہ میں داخل ہوا۔

ایک وزنی اور تیز کلہاڑا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ان جھوٹے خداؤں پر آپ نے حقارت بھری نظر ڈالی اور پھر کسی کا کان، کسی کی ناک، کسی کا بازو، کسی کی ٹانگ کاٹ دی۔ان کو توڑ پھوڑ ڈالا اور آخر میں ان کے سامنے رکھی ہوئی مٹھائیوں کے تھال اٹھا کر بڑے بت کے سامنے رکھ دیئے اور کلہاڑا اس کے کندھے پر رکھ دیا۔اپنا کام مکمل کرنے کے بعد واپس تشریف لائے اور کفر کی طاغوتی قوتوں کے ردعمل کا سامنا کرنے کے لئے قوم کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔شام کو جب بت کدے کے خدمت گار اور پروہت واپس آئے اور اندر داخل ہوئے تو اپنے بتوں کی یہ حالت دیکھ کر ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح چشم زدن میں سارے شہر میں پھیل گئی۔ایک حشر بپا ہو گیا۔اپنے خداؤں کی یہ درگت دیکھ کر ان کے حواس باختہ ہو گئے اور مجرم کی تلاش شروع ہو گئی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے نظریات سے کون واقف نہ تھا فوراً سب کے ذہن ان کی طرف منتقل ہو گئے۔

آپ بے خوف وخطر معمول کے مطابق اپنی جگہ موجود رہے۔اس لئے آپ کو جلد تلاش کر لیا اور آپ کو پکڑ لائے اور پوچھا۔

''کیا ہمارے خداؤں کے ساتھ اے ابراہیم! تو نے یہ حرکت کی ہے (سورۂ انبیاء آیت 62)

آپ نے فرمایا اے عقل کے اندھو! مجھ سے کیا پوچھتے ہو' کیا تم دیکھتے نہیں سارے مٹھائی کے تھال بڑے بت نے ان کے سامنے سے اٹھا کر ان پر خود قبضہ کر لیا ہے۔کلہاڑا (آلہ جرم) اس کے کندھے پر اب بھی موجود ہے۔اس بڑے بت نے ان کی یہ درگت بنائی ہو گی۔مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ اس سے پوچھو، وہ اگر حقیقت سے پردہ اٹھا سکتا ہے تو اٹھا دے گا۔

اس پر وہ سب لاجواب اور کھسیانے ہو گئے اور کچھ دیر دم بخود ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے اور آخر کار یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ ''اے ابراہیم! آپ جانتے ہیں کہ یہ نہیں بول سکتے''

(سورۂ انبیاء آیت 65)

ان کے ہاں بت پرستی، اگر عقیدہ کا مسئلہ ہی ہوتا تو اس روز کے بعد شائد ان میں سے کوئی ایک بھی ان بتوں کو خدا ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا لیکن یہاں نمرود کے سیاسی مفاد پر زد پڑ رہی تھی۔اس کا تخت شاہی ڈولنے لگا تھا۔اس نے فوراً اپنے آمرانہ اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک خاص آتش کدہ بھڑکانے کا حکم دیا۔حکم شاہی کی فوراً تعمیل کی گئی۔آپ کی مشکیں کس دی گئیں۔آپ کو منجنیق میں باندھ کر آتش کدے میں پھینکنے کے منصوبے کو آخری شکل دی جانے لگی۔

عالم بالا میں شور مچ گیا۔فرشتوں نے عرض کی' الٰہی! اے قادر مطلق! کیا تیرے اس بندے کو یوں بھڑکتے شعلوں کی نذر کر دیا جائے گا۔کیا توحید کا یہ چراغ بھی گل ہو جائے گا۔اللہ تبارک تعالیٰ کے اذن سے حضرت جبرائیل علیہ السلام بارگاہ خلیل میں حاضر ہوئے اور اپنی خدمات پیش کیں۔آپ نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا'' مجھے تیری امداد کی ضرورت نہیں'' پھر عرض کیا کہ اپنے ربّ سے دعا مانگو۔فرمایا: جب وہ میرے حالات سے

باخبر ہے تو پھر سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

جب آپ کو آتش کدہ میں پھینکا گیا تو اللہ کی حکمت سے اب وہاں آگ کے سرخ انگارے نہیں تھے بلکہ گلاب کے پھولوں کے ڈھیر لگ رہے تھے۔ بھسم کرنے والے شعلے نسیم صبح بہار میں تبدیل ہو گئے۔ اتنے بڑے معجزہ کو دیکھنے کے باوجود نمرود ایمان نہ لایا بلکہ آپ کی اذیت رسانی میں اضافہ کر دیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو ایک مچھر کے ذریعے ہلاک کر دیا''۔ (تاریخ طبری جلد 1 صفحہ 148)

اس واقعہ کے بعد آپ کی شادی حضرت سارہ بنت ہاران سے ہوئی۔ یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہاران حضرت ابراہیم کے بھائی اور حضرت لوط کے باپ تھے۔ ان کی بیٹی (جو حضرت ابراہیم کی بھتیجی تھی) کی شادی آپ سے کیونکر جائز تھی۔ بعض علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ کی شریعت میں بھتیجی کے ساتھ شادی ممنوع نہ تھی لیکن صحیح بات وہ ہے جو علامہ طبری نے لکھی ہے کہ ہاران نام کے دو آدمی تھے۔ ایک ہاران آپ کے بھائی تھے دوسرے آپ کے چچا تھے۔ جنہیں ہاران الاکبر کہا جاتا ہے اور حضرت سارہ ہاران اکبر کی صاحب زادی تھیں اور چچا کی بیٹی کے ساتھ شادی اس وقت بھی جائز تھی اور اب بھی جائز ہے اور بعض علماء کا یہ قول ہے کہ حضرت سارہ حران کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔ (تاریخ طبری جلد 1 صفحہ 125)

بنو ابراہیم

حضرت ابراہیم کی تین بیویاں تھیں سارہ، حاجرہ اور قطورا۔

سارہ کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام۔ حضرت اسحاق کے دو بیٹے تھے حضرت یعقوب علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے باپ تھے اور عیسو جن کا لقب ادوم تھا۔ اس سلسلہ میں سے عیسو عرف ادوم اپنے بھائی سے الگ ہو کر اپنے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس عرب میں آ کر آباد ہوئے۔ بقیہ سلسلے مصر و شام میں رہے۔

قطورا کے بطن کی تمام اولادوں کو جن میں ایک کا نام مدین تھا عرب ہی میں ان کے باپ نے ان کو بسایا ان میں سے بنو مدین اور ددان کے سوا اوروں کا حال معلوم نہیں ہے۔

ہاجرہ کے بطن سے صرف ایک بیٹا ہوا حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ انہوں نے بھی عرب ہی میں اپنے باپ کے حکم سے سکونت کی۔

''ارض القرآن'' کا یہ حصہ صرف ان ہی خاندانوں کی تفصیل پر محدود ہے اور ان میں سے بھی ان خاندانوں کا ذکر مفصل ہے جس کا نام قرآن مجید میں کسی حیثیت سے مذکور ہے۔

1- بنو قطورا میں سے اہل مدین اور اہل ددان (اصحاب الایکہ)

2- بنو سارہ میں سے ادوم (یعنی حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کی قوم۔

3- بنو ہاجرہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام، ابناط (اصحاب الحجر) قیدار اور قریش۔

مدین جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی قطورا کے بطن سے تھا۔ اس کے کئی اور بھائی تھے اور ان بھائیوں کی

اولادیں تھیں۔توارۃ میں ان کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

''ابراہیم (علیہ السلام) نے قطورا نام ایک دوسری بیوی کی جو زمران یقشان، مدان، مدیان، یشبوق اور شوخ کو جنی۔یقشان نے بنا اور دوان کو پیدا کیا اور بنو دوان، اشوریم، لطوشیم اور لادیم تھے۔مدیان کے بیٹے حانا، عوفیر، حنوخ، ابی داع اور دعا تھے۔یہ لوگ بنو قطورہ ہیں۔ابراہیم علیہ السلام نے جو کچھ تھا وہ اسحاق علیہ السلام کو دیا اور ان کنیز زادوں کو بھی کچھ دیا اور ان کو اپنے بیٹے اسحاق (علیہ السلام) سے الگ کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام اس وقت پورب کی طرف پورب کے ملک میں تھا (یعنی عرب میں تھا)۔(عنصر فروج باب 27 بحوالہ تاریخ ارض القرآن)

توارۃ نے قطورا کی متعدد اولاد در اولاد میں سے صرف دو کی تفصیل کی ہے۔بنو مدین اور بنو دوان۔بنو مدین کے متعلق یہ تحقیق معلوم ہے کہ بحر احمر پر خلیج عقبہ کے سامنے شہر مدین میں آباد تھے۔اس لئے تسلیم کرنا چاہئے کہ بنو دوان بھی ان ہی سواحل پر مدین کے قریب آباد ہوں گے۔توارۃ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ انہی اطراف میں آباد تھے۔

تورات میں ان کا متعلقہ ذکر یوں ہے ''تیماء دوان، بوض جو سر کے بال منڈاتے ہیں اور تمام عرب کے بادشاہ'' (ارمیاہ 23 تا 25 بحوالہ تاریخ ارض القرآن)

تیماء شمالی عرب میں حجاز سے شام کے راستہ پر واقع ہے۔اس کے قریب دوان کو ہونا چاہئے۔یمن سے سواحل بحر احمر کے کنارے کنارے حجاز و مدین سے گزر کر خلیج عقبہ کے کنارے سے نکل کر تیماء وغیرہ کو قطع کرتی ہوئی ایک نہایت قدیم و مشہور تجارتی سڑک واقع ہے جو قدیم زمانہ میں ہندوستان، یمن اور مصر و شام کے کاروانوں کا تنہا راستہ تھا۔اس راستہ کا ذکر تمام قدیم جغرافیوں میں موجود ہے۔وادیٔ القریٰ ثمود کا مسکن، مدین قوم شعیب (علیہ السلام) کی آبادی سعدوم قوم لوط (علیہ السلام) کا مقام اور نیز، تبوک، تیماء اور رقیم (یونانی پٹرا) اسی سڑک پر مابین حجاز و شام واقع ہیں۔توارۃ کے لحاظ سے دوان بھی یہیں تھا اور قرآن کہتا ہے کہ ''اصحاب الایکہ'' بھی اسی سڑک پر ہیں۔

قوم لوط علیہ السلام جو سدوم میں آباد تھی اس کے ذکر کے بعد سورۂ حجر آیات 78 اور 79 میں اصحاب الایکہ کے متعلق ارشاد ہے:

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝

ترجمہ:''اور جنگل والے یقیناً حد سے گزر جانے والے تھے ہم نے ان سے انتقال لیا اور یہ دونوں مقام (سدوم و ایکہ والے) کھلے راستہ پر ہیں''۔(سورۂ حجر آیات 78'79)

یہی راستہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا اور جس کو تاریخ قدیم میں نہایت اہمیت حاصل ہے۔اس بیان سے قرآن و توارۃ دونوں کی رو سے دوان یا اصحاب الایکہ کا مسکن متعین ہو گیا۔

لفظ و اسم حاجرہ اصل میں عبرانی لفظ ''ہاغار'' سے ہے جس کے معنی بیگانہ اور اجنبی ہے ہیں۔اصل میں ان کا وطن مصر تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سارہ جب مصر گئے تو فرعون نے دیگر انعام و اکرام کے ساتھ یہ لڑکی بھی

ان کے ساتھ کر دی تھی۔ اسی حاجرہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور سارہ سے حضرت اسحاق علیہ السلام جن سے بنی اسرائیل کی نسل قائم ہوئی۔

بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ حاجرہ سارہ کی لونڈی تھیں اس لئے بنی اسماعیل بنی اسرائیل کے برابر نہیں۔ اولاً تو یہ اصول خود غلط ہے۔ ثانیاً حاجرہ کا لونڈی ہونا زیر بحث ہے۔ ناظرین کو اس وقت عرب شامیہ اولیٰ کی تاریخ کا پھر اعادہ کرنا چاہئے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ اس وقت مصر میں حکمران قوت عرب کی ایک سامی قوم تھی جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نہایت قریبی نسبی تعلقات تھے۔ لفظ ''حاجرہ'' کا عبرانی ہونا بھی اس دعوے کی ایک مستحکم دلیل ہے۔ اس بناء پر فرعون کا حاجرہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں دینا خود اس بات کی قوی شہادت ہے کہ درحقیقت اس ازدواج سے نسبی تعلق کا استحکام مقصود تھا۔ اس تاریخ قیاس کی یہودی روایات سے کماحقہ تصدیق ہوتی ہے۔ سفرالیشاء میں (جو یہودیوں کی ایک معتبر تاریخ ہے) مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہم وطن تھا۔

ادبی شلوم توارۃ کا ایک مفسر تکوین کی تفسیر میں لکھتا ہے:

''حاجرہ فرعون کی بیٹی تھی۔ فرعون نے جب سارہ کی کرامات دیکھیں تو کہا کہ اس کے گھر میں لونڈی بن کر رہنا دوسرے کے گھر میں بی بی بن کر رہنے سے بہتر ہے'' (تکوین 16-10 بحوالہ تاریخ ارض القرآن)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑی بیوی ہونے کی حیثیت سے وہ سارہ کی خدمات گزار تھیں اور یہ خود ہماری حدیث کی کتابوں میں بھی مذکور ہے (صحیح بخاری)

سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی تھیں مگر ان سے کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی۔ جب آپ مصر میں قیام پذیر تھے تو وہاں ''الیعزر نام'' ایک دمشقی خانہ زاد گھر کا مالک تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند کے لئے خدا سے دعا مانگی۔ دعا قبول ہوئی اور حضرت حاجرہ حاملہ ہوئیں۔ سارہ کو یہ دیکھ کر رشک ہوا اور وہ حاجرہ کو ستانے لگیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ پر ایمان لانے والے افراد کے لئے جب نمرود کی مملکت میں (مملکت بابل میں) زندگی بسر کرنا اور ایمان پر ثابت قدم رہنا مشکل ہوگیا تو آپ نے اپنے وطن سے ہجرت کر کے کسی ایسے علاقہ میں جا کر اقامت گزین ہونے کا ارادہ کیا جہاں وہ آزادی سے اپنے رب کریم کی عبادت کر سکیں جہاں ان کو کوئی اس کی یاد وعبادت سے روکنے والا نہ ہو۔ چنانچہ اہل ایمان کا یہ مختصر سا قافلہ بابل ونینویٰ کی خوشحال مملکت کو جو ان کا پیارا وطن تھا چھوڑ کر راہ خدا میں سفر ہجرت پر روانہ ہوگئے۔ ان کی پہلی منزل حران تھی وہاں کچھ عرصہ قیام کیا پھر رخت سفر باندھا اور چل پڑے۔

ان کی دوسری منزل مصر تھی وہاں اس وقت فراعنہ کے پہلے خاندان کا ایک فرعون حکمران تھا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت سارہ کو حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت کی نعمت سے بھی بڑی فیاضی سے نوازا تھا۔ فرعون کو جب معلوم ہوا کہ ایک غریب الدیار مسافر کی بیوی اتنی حسین وجمیل ہے تو اس نے حضرت سارہ کو حضرت ابراہیم علیہ

السلام سے چھین لینے کا قصد کیا۔حضرت سارہ کواس نے اپنے محل میں طلب کیا اور جب نیت بد سے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ ہاتھ اس وقت خشک ہو گیا۔یہ دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے اور بڑی نیازمندی سے حضرت سارہ سے عرض کرنے لگا اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا مانگو کہ وہ مجھے معاف کر دے اور میرے بازو کو درست کر دے آئندہ میں ایسی جسارت ہرگز نہ کروں گا۔آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی:

''اے اللہ! اگر یہ سچا ہے تو اس کے ہاتھ کو درست کر دے''

اسی وقت خشک ہاتھ ہرا بھرا ہو گیا (ٹھیک ہو گیا) اور اس نے اپنی کنیزہ ''حاجرہ'' حضرت سارہ کی خدمت میں پیش کی۔حضرت سارہ نے حاجرہ کو بطور ہدیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔

(تاریخ طبری جلد 1 صفحہ 125)

آپ (حضرت حاجرہ) قبطی قوم کے بادشاہ کی صاحبزادی تھیں۔علامہ سہیلی اپنی سیرت کی کتاب ''الروض الانف'' میں علامہ طبری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر کا محاصرہ کیا تو اہل مصر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہمارے نبی کریم ﷺ نے ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا تھا کہ تم مصر کو فتح کرو گے اور اس کے ساتھ ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم اہل مصر کے ساتھ بہترین سلوک کریں کیونکہ ہمارا اہل مصر کے ساتھ نسب کا رشتہ بھی ہے اور سسرال کا بھی۔اہل مصر نے کہا کہ بیشک اس نسب کو اللہ تبارک تعالیٰ کا نبی ہی یاد رکھ سکتا ہے اور اس کا حق ادا کر سکتا ہے کیونکہ یہ رشتہ بہت دور کا ہے۔تمہاری ماں ہمارے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی ملکہ تھیں۔پس عین شمس کے باشندوں نے ہمارے ساتھ جنگ کی اور ہمیں مغلوب کر لیا' ہمارے بادشاہ کو قتل کر دیا اور اس کی ملکہ کو اٹھا کر لے گئے۔اس طرح حاجرہ تمہارے باپ ابراہیم تک پہنچی (الروض الانف جلد 1 صفحہ 16)

قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے اس کا ایک اقتباس قارئین کی خدمت میں پیش ہے امید ہے کہ اس کے مطالعہ سے اس مسئلہ کی وضاحت ہو جائے گی۔

آپ لکھتے ہیں یہودیوں کے زبردست مفسر تورات ''ربی شلومو اسحاق'' نے باب 16 کتاب پیدائش کی تفسیر میں حضرت حاجرہ کی بابت مندرجہ ذیل الفاظ تحریر کئے ہیں۔

''وہ فرعون کی بیٹی تھی جب اس نے کرامات کو دیکھا جو بوجہ سارہ واقع ہوئی تھیں تو کہا کہ میری بیٹی کا اس کے گھر خادمہ ہو کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے'' (براہین باہرہ فی مریۃ حاجرہ از مولوی غلام رسول چڑیا کوٹی)

اس شہادت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حاجرہ شاہ مصر کی دختر تھیں۔شاہ مصر پر حضرت سارہ کی عظمت اس قدر طاری ہو گئی تھی کہ اس نے اپنی بیٹی کو بطور خادمہ ان کے ساتھ کر دینا اپنے اور اپنے خاندان کے لئے فخر و عزت کا باعث سمجھا۔(رحمۃ للعالمین جلد 2 صفحہ 45 تا 46)

اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت حاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسا

فرزند عطا فرمایا۔ مصر میں بھی حالات کو اطمینان بخش نہ پایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے ترک سکونت کر کے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے۔ فلسطین کے ایک مقام "السبع" میں سکونت اختیار کی۔ آپ کے بھتیجے حضرت لوط السبع سے چوبیس گھنٹے کی مسافت پر واقع ایک بستی "الموتفکہ" میں رہائش پذیر ہوئے۔ حضرت ابراہیم کو "السبع" کے باشندوں نے تنگ کیا تو آپ اسے چھوڑ کر رملہ اور ایلیا کے درمیان "قط" نامی آبادی میں تشریف لے آئے۔

حضرت سارہ کی گود ابھی خالی تھی۔ قوم لوط کی بدکاریوں کے باعث ان کو تباہ کرنے کے لئے جب اللہ تبارک تعالیٰ نے فرشتے بھیجے تو پہلے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے آپ کو اور آپ کی زوجہ سارہ کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی۔ اس وقت حضرت سارہ کی عمر نوے سال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ (تاریخ طبری جلد 1 صفحہ 127)

اسماعیل طبرانی میں "شماع ایل" ہے۔ شماع (سماع) سننا اور ایل اللہ! اسماعیل کا لفظی معنی خدا کا سننا ہے۔ خدا نے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حاجرہ کی فریاد سنی۔ اس لئے بچہ کا نام شماعیل پڑا۔ 120 سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سارہ کے بطن سے ایک فرزند کے تولد کی بشارت ملی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بشارت سے کوئی خوشی نہ ہوئی۔ اس بشارت کے جواب میں انہوں نے خدا سے یہ دعا کی:

"اے کاش اسماعیل تیرے حضور زندہ رہے" (تکوین 18-18 بحوالہ تاریخ ارض القرآن)

خدا نے فرمایا:

"اسماعیل کے حق میں، میں نے تیری سنی، دیکھ اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اس کو بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اس کو بڑی قوم بناؤں گا"۔

(تکوین 18-30 بحوالہ تاریخ ارض القرآن)

تیرہ برس کے سن میں باپ نے بیٹے کا ختنہ کر دیا۔ اسی سال اسحاق علیہ السلام بھی پیدا ہوئے۔ آٹھویں دن ان کا ختنہ ہوا۔ اسحاق علیہ السلام جب کچھ بڑے ہوئے تو سارہ نے اس ڈر سے کہ باپ کی جائیداد کا اسماعیل علیہ السلام وارث نہ ہو ابراہیم علیہ السلام کو مجبور کیا کہ وہ اسماعیل علیہ السلام اور حاجرہ کو علیحدہ کر دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بات سے نہایت رنج ہوا لیکن خدا نے فرمایا:

"ابراہیم غم نہ کر سارہ کی بات مان لے۔ تیری نسل اسحاق سے کہی جائے گی۔ اور تیرے بیٹے خادمہ زادہ اسماعیل کو بھی میں ایک قوم بناؤں گا کہ یہ بھی تیری ہی نسل ہے"

(تکوین 12-12 بحوالہ تاریخ ارض القرآن)

فاران کے بارے میں

صبح کا وقت تھا کہ ایک بوڑھے باپ نے جو تقدس اور نیکی سے بھرا ہوا تھا، اپنے ایک معصوم کم سن بچہ اور عزیز بیوی کو چند روٹیاں اور پانی کا مشکیزہ دے کر گھر سے نکال کر فاران کے بے آب و گیاہ بیابان میں چھوڑ دیا اور پھر

کبھی اس کو دیکھنے کے لئے مضطرب نہ ہوا۔ یہ مندرجہ بالا بظاہر موجودہ توارۃ کی تصویر ہے۔ اسلام کے مطابق یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حکم سے اپنے عزیز بیٹے کو خدا کے نام اولین عبادت گاہ کعبہ کی خدمت گزاری کے لئے شہر مکہ میں آکر بسایا جو عربہ (بیابان) میں واقع تھا۔

توارۃ کی عبارت یہ ہے:

''وہ روانہ ہوئی اور بیر شبع کے میدان میں بھٹکتی رہی۔ مشکیزہ کا پانی چک گیا۔ بچہ کو ایک جھاڑی میں ڈال دیا اور بچہ سے تھوڑی دور ایک تیر کے برابر ہٹ کر غمزدہ بیٹھ گئی اور اس نے کہا کہ بچہ کو اپنی آنکھ سے مرتے نہیں دیکھوں گی اور الگ ہٹ کر گریہ وزاری کرنے لگی۔ خدا نے بچہ کی آواز سنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے حاجرہ کو پکار کر کہا حاجرہ ڈر نہیں۔ خدا نے بچے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے سن لی۔ اٹھ اور بچے کو اٹھا اور اپنے ہاتھ سے اس کو سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ خدا نے حاجرہ کی آنکھ کھول دی۔ اس کو پانی کا ایک کنواں نظر آیا اور مشکیزہ کو پانی سے بھر لیا اور بچہ کو پانی پلایا۔ خدا اس بچے کے ساتھ تھا۔ وہ بڑا ہوا بیابان میں رہا اور ایک تیر انداز ہوا۔ وہ فاران کے بیابان میں رہا۔ اس کی ماں نے ملک مصر کی ایک بیوی اس کے لئے لی''۔ (تکوین 21 بحوالہ تاریخ ارض القرآن)

روایات اسلام میں صحیح تر روایت اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے جو غیر مرفوع طریقہ سے بخاری میں مذکور ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی (سارہ) کے درمیان جو واقعہ ہوا اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی ماں کو لے کر نکلے۔ ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ سے پانی پیتی تھیں اور اس سے دودھ بچہ کے لئے ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام مکہ پہنچے اور ایک جھاڑی کے نیچے اس کو رکھ دیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام اپنے گھر واپس آنے لگے۔ ام اسماعیل ان کے پیچھے پیچھے کداء (مکہ کا ایک مقام) تک آئیں۔ ام اسماعیل نے پکار کر کہا ابراہیم (علیہ السلام)! تم مجھے اس وادی میں جہاں نہ کوئی آدمی ہے نہ اور کوئی چیز ہے چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ (اختلاف روایت) کیا تم خدا کے حکم سے مجھے یہاں چھوڑتے ہو؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا ہاں۔ ام اسماعیل نے کہا تو پھر خدا ہم کو ضائع نہیں کرے گا۔ لوٹ کر آئیں اور مشکیزہ سے پانی پیتی رہیں اور بچے کے لئے دودھ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ پانی ختم ہو گیا۔ دل میں کہا جا کر دیکھوں شاید کوئی نظر آئے۔ کوہ صفا پر چڑھیں کوئی نظر نہ آیا۔ وادی میں پہنچیں تو دوڑ کر کوہ مروہ پر آئیں۔ اسی طرح چند بار دوڑیں پھر بولیں چل کر بچے کو دیکھوں۔ آکر دیکھا تو قریب الموت پایا۔ مضطرب ہو کر پھر صفا پر چڑھیں کہ کوئی نظر آئے۔ کوئی نظر نہ آیا یہاں تک کہ سات پھیرے ہو گئے۔

پھر دل میں آیا کہ دیکھوں ناگاہ ایک آواز آئی۔ ام اسماعیل نے کہا کہ اگر نیکی تمہارے پاس ہو تو میری فریاد رسی کرو۔ ناگاہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جبرائیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی کو زمین

پر مارا پانی بہنے لگا۔ ام اسماعیل متحیر، حیران ہو کر پانی جمع کرنے لگیں۔ ابن عباس نے کہا کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ام اسماعیل اگر پانی کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں تو پانی کھلا بہہ رہا ہوتا۔ ام اسماعیل نے پانی پیا پھر دودھ ہونے لگا۔

اتفاقاً جرہم کے کچھ آدمیوں کا ادھر سے گزر ہوا۔ پرندوں کو منڈلاتے دیکھ کر بولے کہ پانی یہاں ہے۔ ایک آدمی کو تحقیق کے لئے بھیجا تو پانی پایا۔ آ کر خبر کی، وہ لوگ بھی آئے اور ام اسماعیل سے یہاں رہنے کی اجازت چاہی۔ ام اسماعیل نے کہا رہو لیکن پانی میں تمہارا کوئی حق نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ام اسماعیل کو یہ بات پسند آئی کہ وہ آبادی اور معیشت چاہتی تھیں۔ وہ لوگ بھی رہنے لگے اور چند گھرانے وہاں ہو گئے۔ لڑکا جوان ہوا اور ان سے عربی زبان سیکھی۔ جب جوان ہوا تو ان لوگوں کو بہت پسند آیا، بالغ ہونے پر اپنی ایک لڑکی اسے بیاہ دی۔ (بخاری و کتاب الانبیاء)

''صبح اٹھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے روٹی اور پانی کا ایک مشکیزہ دے کر اور لڑکے کو حوالہ کر کے حاجرہ کو رخصت کر دیا'' اس سیاق عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسماعیل کی اس وقت عمر 16-15 برس سے کم نہ ہو گی لیکن مسلمانوں میں عام طور پر مشہور ہے اور بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ (اسماعیل) اس وقت شیر خوار بچہ تھے۔ اصل یہ ہے کہ خود توارۃ میں اس موقع پر جو فقرہ ہے وہ نہایت مشتبہ ہے۔ اصل فقرہ یہ ہے:

''ابراہیم صبح کو اٹھا اور روٹی لی اور پانی کا مشکیزہ اور حاجرہ کو دیا اس کے کندھے پر رکھ کر اسماعیل کو''۔ (تکوین 41-21 بحوالہ تاریخ ارض القرآن)

''کندھے پر رکھ دینے'' کا لفظ ''مشکیزہ'' اور ''اسماعیل'' دونوں سے متعلق ہو سکتا ہے۔ مترجمین مختلف معنی سمجھتے ہیں۔ اگر اسماعیل علیہ السلام سے متعلق سمجھا جائے تو ان کا شیر خوار ہونا لازم آئے گا لیکن توراۃ کی نص اور تمام گزشتہ سیاق کے خلاف ہو گا۔ قرآن مجید سورۂ صافات آیات 100 تا 102 اور آیت 112 سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام علیحدگی سے پہلے سن تمیز کو پہنچ چکے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ: (درج ذیل ترجمہ سورہ صفت کی آیات 100`101`102 اور آیت 112 کا ہے)

> پروردگار! مجھ کو نیک فرزند عطا کر۔ ہم نے اس کو ایک متحمل المزاج فرزند کے تولد کی بشارت دی۔ لڑکا جب اس سن کو پہنچا کہ باپ کے ساتھ دوڑے، باپ نے کہا فرزند من! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ دیکھا (اب بتاؤ) تمہاری کیا رائے ہے؟۔ بیٹے نے کہا میرے باپ! جو حکم کیا گیا ہے کر گزرو۔ مجھے صابر پاؤ گے اور ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی کہ پیغمبر ہو گا اور نیکوں میں سے۔

ان مذکورہ بالا آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو بیٹوں کی بشارت دی گئی ہے۔ پہلے بیٹے کا نام مذکور نہیں۔

دوسرے کا نام اسحاق مذکور ہے۔ اس لئے پہلی بشارت میں لامحالہ اسماعیل مراد ہوں گے۔ اس بناء پر نص آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام باپ ہی کے زیر سایہ اسحاق علیہ السلام سے بہت پہلے سن رشد کو پہنچ چکے تھے۔

دوسری جگہ قرآن میں جہاں وہ دعا مذکور ہے جو اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں آباد کرتے ہوئے انہوں نے کی تھی کہ

اے میرے ربّ میں نے اپنی کچھ اولاد ایک نالے میں بسائی ہے جس میں کھیتی نہیں ہوتی تیرے حرمت والے گھر کے پاس (سورۂ ابراہیم آیت 37)

اس کے بعد آیت 39 میں ہے کہ

''شکر ہے اس خدا کا جس نے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق (علیہ السلام) مجھ کو بخشے۔

(سورۂ ابراہیم آیت 39)

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کے مکہ میں آنے کے وقت اسحاق علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے۔ تورات سے ثابت ہے کہ اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام سے تیرہ برس بڑے تھے۔ بخاری کی کتاب الرؤیا اور کتاب الانبیاء میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی جو حدیث اسماعیل علیہ السلام کی شیر خواری کے متعلق ہے وہ مرفوع نہیں ہے یعنی اس کا سلسلہ حضور انور نبی کریم ﷺ تک نہیں پہنچتا (بجز چند خاص ضمنی فقروں کے) بخاری میں اس کے متعلق جو طویل حدیث ہے وہ بجز جرہم اور مکہ کے ذکر کے مدراش اور تالمود (توریت) میں بعینہٖ حرف بحرف مذکور ہے۔ مدراش اور تالمود (توریت) بحوالہ بائبل میں اصل عبارت یوں ہے:

1- ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابرہام کو آزمایا اور کہا اے ابرہام! اس نے کہا۔

2- میں حاضر ہوں تب اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اسحاق (علیہ السلام) کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا کر وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔ (کتاب مقدس صفحہ 21 مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی انار کلی لاہور)

اس عبارت میں اکلوتا کا لفظ غور طلب ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ یوں درج ہے۔ اکلوتا (مذکر) اکیلا بیٹا، جس کا کوئی اور بہن بھائی نہیں (فرہنگ کارواں) ظاہر ہے وہ حضرت اسحاق نہیں ہو سکتے کیونکہ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) جوان سے تیرہ سال بڑے تھے وہ موجود تھے۔ اکلوتا کا لفظ صرف حضرت اسماعیل (علیہ السلام) پر صادق آتا ہے کیونکہ آپ پہلے پیدا ہوئے تیرہ چودہ سال کی عمر تک ان کی کوئی بہن تھی نہ بھائی۔ اکلوتا کے لفظ کے ساتھ اسحاق (علیہ السلام) نام کا اضافہ علماء بنی اسرائیل کی تحریف ہے جس کے وہ عادی تھے۔

اس کے علاوہ ایک حدیث مرفوع بھی ہمارے مؤقف کی تائید کرتی ہے۔

حاکم نے مستدرک میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

''ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اپنے پیچھے ایک ایسا وطن چھوڑ آیا ہوں جو خشک سالی کا شکار ہے۔ پانی کے ذخیرے خشک ہو گئے ہیں

میں اپنے پیچھے ایسا مال چھوڑ آیا ہوں جو خستہ حال ہے قحط کے باعث مال ہلاک ہو گیا اور اہل و عیال ضائع ہو گئے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے جو آپ کو عطا فرمایا ہے اس سے مجھے بھی کچھ مرحمت فرمائیے''۔

اے ذبیحین کے فرزند، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن ذبیحین کا لفظ سن کر رسول کریم ﷺ نے تبسم فرمایا اور اس کی تردید نہیں کی اور ذبیحین سے مراد حضرت عبداللہ اور حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہم السلام ہیں''۔ (السیر النبویہ احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 37)

اصحاب الرس، اصحاب الحجر، اصحاب الایکہ، انصار اور قریش

حضرت اسماعیل علیہ السلام

آپ کا ذکر جمیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ ان واقعات کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ یہاں صرف ان امور کا ذکر کیا جائے گا جو آپ کی ذات یا صفات کے مختص ہیں اور ان کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔

آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کہ آپ کی پہلی شادی بنی جرہم کی ایک خاتون سے ہوئی جس کو آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرمان کے مطابق طلاق دے دی۔ دوسری خاتون جس کو حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی رفیقہ حیات بننے کا شرف نصیب ہوا ان کا تعلق بھی اسی قبیلہ بنی جرہم کے ساتھ تھا۔ ان کا نام السیدہ بنت مضاض بن عمرو الجرہمی تھا۔ ان کے بطن سے آپ کے بارہ فرزند تولد ہوئے۔ علامہ طبری کی تحقیق کے مطابق ان کے نام یہ ہیں۔ نابت، ادبیل، میشا، مسمع، دما، ماس، ادو، وطور، طما، قیدمان۔ آپ کی عمر ایک سو تیس سال بتائی جاتی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو عمالیق اور قبائل یمن کے لئے نبی بنا کر معبوث فرمایا۔ دیگر مؤرخین نے آپ کے فرزندوں کی تعداد تو بارہ ہی بتائی ہے لیکن ان کے ناموں میں اختلاف ہے اور وہ بھی معمولی نوعیت کا مثلاً بعض نے قیدر کی جگہ قیدار، ادبیل کی جگہ ادبال اور میشا کی جگہ میشان لکھا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کی ایک صاحب زادی بھی تھی۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بھائی حضرت اسحاق (علیہ السلام) کو وصیت کی کہ ان کی بیٹی کی شادی اپنے بیٹے ''عیصو'' سے کریں۔ وفات کے بعد آپ کو اپنی والدہ ماجدہ حاجرہ کے پہلو میں حجر میں دفن کیا گیا۔ (تاریخ طبری جلد 1 صفحہ 161 تا 162)

آپ کے دو فرزندوں نابت اور قیدر کی اولاد میں بڑی برکت ہوئی اور عرب کے کثیر التعداد قبائل ان کی نسل سے ہیں۔

ہم حضرت اسماعیل (علیہ السلام) اور عدنان کے درمیان جتنی پشتیں ہیں ان کے ذکر سے اجتناب کرتے ہیں کیونکہ ان کے بارے میں ہمارے پاس ایسی معلومات نہیں جن کی صداقت پر اعتماد کیا جا سکے۔ ہم حضور پرنور سرور کائنات ﷺ کے ان اجداد کے حالات کا سرسری تذکرہ کریں گے جو عدنان اور حضرت عبداللہ کے درمیان ہیں کیونکہ اس شجرہ کو پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے خود بیان فرمایا ہے۔ ان کی صحت

کے بارے میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

اولاد حضرت اسماعیل

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تیرہ اولادیں تھیں۔ 12 بیٹے اور ایک بیٹی۔ خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی تھی:

''اور اسماعیل (علیہ السلام) کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اس میں برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اس کو بہت بڑھاؤں گا۔ اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اس کو بڑی قوم بناؤں گا''۔ (تکوین 17-32 بحوالہ تاریخ الارض القرآن)

آخر یہ بشارت استجابت کو پہنچی اور اسماعیل (علیہ السلام) کا گھرانہ آباد ہوا۔ بیٹی کا نام توراۃ میں ایک جگہ باسمہ (تکوین 3036) اور دوسری جگہ محلاۃ (تکوین 28-9) لکھا ہے۔ خدا جانے ان میں سے صحیح کون سا ہے؟ یہ صاحبزادی اپنے عمزاد بھائی ادوم ابن اسحاق سے بیاہی گئی تھیں۔ ادوم اپنے باپ (اسحاق علیہ السلام) سے ناراض ہو کر اپنے چچا اسماعیل کے پاس چلے آئے تھے اور ان ہی کے ساتھ یہیں بادیہ میں رہتے تھے۔

بنو اسماعیل

حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے بارہ بیٹوں کے نام یہ تھے:

نبایوط، قیدار، ادبیل، مشام، مشماع، دوما، شاجدر، تیماء، بطور، نفیس، قیدماہ اور ادد۔

یہ بارہ بیٹے حسب بشارت ربانی اپنے خاندان کے بارہ رئیس تھے۔ ان میں سب سے بڑے نبایوط اور ان سے چھوٹے قیدار تھے اور یہی دونوں پچھلی تاریخ میں سب سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ تمام بھائی اپنے والد حضرت اسماعیل کے زمانہ میں اور اس کے ایک عرصہ بعد تک حجاز میں آباد رہے اور چچازاد بھائی کے بیٹوں یعنی فرزندان مدین کے ساتھ مل کر یمن و حجاز سے شام و مصر تک تجارتی قافلوں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے اور دیگر عرب تاجروں کی طرح خوشبودار چیزوں کی تجارت کرتے تھے۔

خوشبودار چیزیں یمن سے حجاز کی راہ سے مصر اور شام کو جاتی تھیں۔ شام اور یمن کے بیچ میں درمیانی منزل شہر مکہ تھا۔ اس لئے بنو اسماعیل بہت جلد تجارت میں فروغ حاصل کر سکے ہوں گے۔ بنو اسرائیل اسماعیلیوں کو کبھی اسماعیلی اور کبھی ماں کی نسبت سے حاجری کہتے ہیں اور توراۃ میں انہی ناموں سے ان کا ذکر ہے۔ بنو اسماعیل کا توراۃ میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں (تقریباً 2000 سال قبل از مسیح) تجارت کے حوالہ سے نام آتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے ایک کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔ اتفاقاً ایک کاروان کا گزر ہوا جس نے یوسف (علیہ السلام) کو کنوئیں سے نکالا اور مصر میں ایک امیر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ یہ کارواں اسماعیلی اور مدیانی تھا (تکوین 37) تاریخ میں

تجارت کا یہ سب سے پہلا قافلہ نظر آتا ہے۔

بنو اسماعیل کا مذہب

ہمارے ارباب روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیل کے بعد ان کی اولاد دین ابراہیمی پر قائم تھی۔ ان میں رفتہ رفتہ بت پرستی کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ خانہ کعبہ جو پتھروں سے بنا تھا ان کے نزدیک مقدس تھا۔ جب وہاں سے کسی اور مقام پر جانے لگتے تو اس کا ایک پتھر تبرکاً اٹھا لیتے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ کے پتھر کا امتیاز بھی ختم ہو گیا۔ پھر جو پتھر اچھا سا چکنا پڑا مل جاتا اس کو اٹھا لیتے اور اس کو اپنے گھر کا دیوتا بنا لیتے۔ (سیرت ابن ہشام ذکر اصنام العرب)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹوں کے نام تاریخ ارض القرآن میں علامہ طبری کے مطابق حسب ذیل ہیں۔

1- نبایوط یا نابت یا نبط (نابت)
2- قیدار (قیدر)
3- تیما (طما)
4- قیدماہ (قیدمان)
5- دوما (دما)
6- ادبائیل (ادبیل)
7- مشا (میشا)
8- مشام (ماس)
9- مشماع (مسمع)
10- نافیش (نفیس)
11- حدر یا حدد (ادد)
12- یطور (وطور)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹوں کے مندرجہ بالا نام تاریخ ارض القرآن سے لکھے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ جو نام بریکٹ میں ہیں وہ محقق علامہ طبری کی تحقیق کے مطابق ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تین بیٹوں کی آل کے علاوہ باقی نو (9) بیٹوں کے بارے میں بہت کم تاریخی معلومات حاصل ہیں۔ وہ کتاب کے موضوع سے بھی زیادہ متعلقہ نہیں ہیں اس لئے ان کا ذکر نہیں ہوگا۔ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق قیدماہ (قیدمان) کی آل وہ تھی جس کو قرآن حکیم نے اصحاب الرس کہا ہے اور گنہگار قوموں میں عاد و ثمود کے ساتھ ان کا نام آیا ہے جبکہ آل نبایوط یا نابت یا نبط اور آل قیدار کے بارے میں آپ آگے مناسب تفصیل سے پڑھ سکیں گے۔

نبایوط یا نبط

اصحاب الحجر

نبایوط کو اہل عرب عموماً نابت کہتے ہیں۔ان کی روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ کی تولیت حضرت اسماعیل کے سب سے بڑے بیٹے نابت کے حصہ میں آئی ہے۔(اخبارالطوال ابوحنیفہ دینوری المتوفی 281ھ صفحہ 11)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبایوط نے حجاز ہی میں قیام کیا لیکن بعض حوالوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ فرزندان نبایوط عراق میں موجود تھے لیکن اصل یہ ہے کہ بدویانہ زندگی کے ساتھ وہ حجاز سے عراق تک خانہ بدوشانہ پھیلے ہوئے ہوں گے۔

انباط اور روایات عرب

مؤرخین عرب فرزندان نبایوط یا انباط سے زیادہ واقف نہیں ہیں۔وہ صرف انباط کے نام اور ان کے مسکن تخمینی سے البتہ واقف ہیں۔ان کا نام کبھی نبط اور کبھی آرامی بتاتے ہیں اور ان کا مسکن شام وعراق ظاہر کرتے ہیں۔ابن خلدون نے لکھا ہے:

جہاں تک ہم کو معلوم ہے عربوں کی پہلی حکومت شام میں عمالقہ کی تھی پھر ارم بن سام کی حکومت جوار مانی کے نام سے مشہور ہیں۔(تاریخ ابن خلدون جلد 2 صفحہ 278)

انباط اور عہد اسلام

تقریباً 53 برس کے بعد جب اسلام آیا تب بھی انباط دنیا سے معدوم نہ تھے۔ملک شام میں ان کا پیشہ غلہ اور روغن فروشی رہ گیا تھا۔(زرقانی المواہب للدنیہ، صحیح بخاری غزوہ تبوک)

اوپر کے (شمالی) شہر تدمر معان بصریٰ وغیرہ آل غسان کے ہاتھ میں اور نیچے کے (جنوبی) حجر، تیماء خیبر وغیرہ جو نبطیوں کے گھر اور قلعے تھے ان سب پر یہود قابض تھے (معجم یاقوت میں ان شہروں کے حالات پڑھیں) نبطیوں کی بقیہ آبادی قومی حیثیت کھو کر یہودیوں، یونانیوں اور رومیوں میں اس طرح گھل مل گئی تھی کہ عہد اسلام میں ان اطراف میں جب عرب پھیلے تو کوئی ایک دوسرے کو پہچان نہ سکا۔عربوں نے ہمیشہ ان کو ایک اجنبی قوم سمجھا اور یہ خود بھی اپنے کو نبطی کہتے تھے۔ان ہی میں سے حسان نبطی ہے جو ہشام بن عبدالملک کا ایک درباری تھا۔(ابن خلکان ذکر خالد القسری)

انباط ہی اصحاب الحجر ہیں

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ کم از کم 160 ق م سے 106ء تک انباط ان مقامات پر قابض تھے۔اب ڈائیڈ رس اور پلینی کی شہادیوں کو باہم پیش نظر رکھو۔ڈائیڈ رس 80 ق م کہتا ہے:

''اوپر گزرتے ہوئے تم خلیج ایلہ (عقبہ) میں داخل ہو گئے جس کی حدود پر ان عربوں کی بہت سی

آبادیاں ہیں جن کو لوگ ''نبط'' کہتے ہیں۔ وہ نہ صرف سواحل کے بڑے حصہ پر بلکہ اندرون ملک میں بھی دور دور تک پھیل گئے ہیں''۔(ڈائیڈرس، فصل انباط کا رقبہ حکومت)

اصحاب الرس واصحاب الحجر

اسماعیلی قبائل کے بارہ سلسلوں میں صرف تین کی نسبت ہم کو کچھ حالات معلوم ہیں۔ قیدما (اصحاب الرس) نبایوط (اصحاب الحجر) اور قیدار۔ اصحاب الرس کی مذہبی حالت کی قرآن نے کوئی تفصیل نہیں کی صرف مجرم قوموں کی فہرست میں ان کا نام لیا ہے۔ تاریخ کے دوسرے ذرائع بھی اس ظلمت کدہ کو روشن نہیں کرتے۔ انباط یعنی اصحاب الحجر کی نسب قرآن سورۂ حجر آیت 1 میں فرماتا ہے ''حجر والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا''

آلِ غسان

نابت بن اسماعیل کی ایک اور شاخ

انباط کے مٹنے کے بعد حدود شام میں ایک اور عرب خاندان نے ظہور کیا جس کو عموماً آل غسان یا غساسنہ اور کبھی بانی خاندان کے نام سے آل جفنہ کہتے ہیں۔

آل غسان کا نسب

عام علمائے انساب کی تشریح کی بناء پر آل غسان قحطانی سبا کے خاندان کہلان سے تھے۔ کہلان کے سردار و سر براہِ خاندان عمر مزیقیاء کو پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ سدِ عرم ٹوٹے گا اور سبا برباد ہو جائیں گے۔ اس لئے وہ یمن سے نکل کر حجاز کی راہ سے شام آیا۔ بعض حجاز و تہامہ میں رہ گئے اور وہ اوس خزرج وغیرہ ہیں۔ بقیہ حصہ شام و عراق چلا گیا لیکن اصول تحقیق کی رو سے یہ تمام تر افسانہ ہے۔ گزشتہ ابواب میں قحطانی و اسماعیلی خاندانوں کی تشخیص و تمیز کی اتنی علامتیں بیان کی جا چکی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے با آسانی دونوں سلسلوں میں امتیاز کیا جا سکتا ہے۔

1- سبا حمیر کے بیان میں قحطانی اور انباط کی فہرست میں اسماعیلی ناموں کی طویل فہرست گزر چکی ہے۔ آل غسان کے ناموں کو دونوں کے درمیان رکھ کر دیکھ لو۔ تم فوراً کہہ دو گے کہ یہ یقیناً اسماعیلی تھے اور اسماعیلیوں میں بھی نابتی۔

2- آل غسان کی زبان اور خط تحریر دونوں اسماعیلی ہیں۔ زبان شمالی عربی زبان ہے اور خط تحریر نبطی ہے۔ اگر یہ قحطانی خاندان ہوتا تو زبان وخط دونوں حمیری ہوتے۔

3- خود عرب مؤرخین کی شہادت ہے کہ آل جفنہ پہلے تہامہ میں نہر غسان کے پاس آباد تھے اور اسی لئے ان کو غسانی کہتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ تہامہ خاص اسماعیلی عربوں کا مرکز تھا۔ عربوں کے علاوہ یونانیوں نے بھی دوسری صدی کے وسط میں تہامہ اور سواحل بحر احمر پر ان کی سکونت بیان کی ہے۔

ابو الفدا نے ان کی حکومت کی مدت 400 سال قرار دی ہے اور قرائن مذکورہ بالا کے لحاظ سے یہ تقریباً صحیح ہے۔ اس بناء پر ان کی حکومت کا ابتدائی زمانہ تیسری صدی مسیح کا اوائل ہوگا۔ عرب مؤرخین کا بیان ہے کہ غسان سے پہلے یہاں عرب قبیلہ قضاعہ کی شاخ تنوخ اور سلیح (ضجم) برسرِاقتدار تھی۔ اس بناء پر ان کا زمانہ 106ء عیسوی (زوال انباط) سے 200 عیسوی عروج غسان تک ہوگا۔

عرب وشام کے درمیان جو حدود ہیں ان کو "حواران" کہتے ہیں اور انہی کا "اذرعات" بھی نام ہے۔ یہ قدیم زمانہ میں موآب عمان اور ادوم سے متعلق تھا اور اس عہد سے پہلے یہاں انباط کی حکومتی تھی۔ موآب گورومیوں کے زیرِ اقتدار تھا تاہم اصلاً آلِ غسان کی حکومت تھی، تدمر، رقیم، عمان، معان وغیرہ شہر اس میں آباد تھے۔ مشہور شہر بصریٰ اس کا دارالحکومت تھا۔ حضور انور نبی کریم ﷺ قبل بعثت اسی حکومت کے زمانہ میں بغرض تجارت شام کے اسی شہر بصریٰ میں وارد ہوئے تھے۔ بحیرہ راہب کا جو قصہ بیان کیا جاتا ہے وہ بھی یہیں کا واقعہ ہے۔

اوس وخزرج

نابت بن اسماعیل کی ایک اور شاخ

انصار

اوس وخزرج عرب کے دو مشہور قبیلوں کے نام ہیں جو اسلام کے پہلے سے مدینہ میں سکونت پذیر تھے۔ اسلام آیا تو وہ اس کے پُرزور دست وبازو تھے اور انصار ان کا خطاب تھا۔

اوس وخزرج کا نسب

عام طور سے ان کو بھی الاھل اور کہلان کے خاندان سے قرار دیا گیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے بھی صحیح نہیں ہے۔ زبان مذہب اور اخلاقی قدروں کے علاوہ روایات سے بھی ان کے اسماعیلی ہونے پر مستحکم دلائل قائم ہیں۔

1- بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے انصار کے ایک مجمع کو مخاطب کر کے حضرت حاجرہ رضی اللہ عنہ کا قصہ سنایا۔ آخر میں کہا تلك امكم يا بنی ماء السماء (اے پاک نسبو! یہ تھیں تمہاری ماں) محدثین کو اس حدیث کی تاویل میں نہایت دقتیں تھیں لیکن آج جدید تحقیق نے تاویل واشتباہ کا پردہ چاک کر دیا۔

2- تمام علمائے انساب اس پر متفق ہیں کہ اوس وخزرج غسان کے ہم نسب ہیں اور خود اوس وخزرج کا بھی بجائے خود یہی دعویٰ ہے۔ اس بناء پر اگر ہمارے دلائل غسان کے نابتی الاصل ہونے پر صحیح ہیں تو وہی بعینہ اوس وخزرج کے نابتی ہونے پر بھی ثبوت ہیں۔

3- اوس وخزرج کے اسماعیلی ہونے پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ قریش سے ان کے رشتے ناطے تھے۔ ہر سال پابندی کے ساتھ وہ حج کو آتے تھے۔

4- منذر بن حرام (حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا دادا) جو خزرج کے قبیلہ سے تھا زمانہ جاہلیت میں اپنا نسب ثابت بن اسماعیل تک پہنچاتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے۔

وہ اپنے اشعار میں کہتا ہے: (دو اشعار کا اُردو ترجمہ حسب ذیل ہے)

(i)-عمرو بن عامر اور حارثہ دونوں غسانی اور اوس وخزرج کے پدر اعلیٰ تھے۔

(ii)-غسان نے شام کا رخ کیا اور اوس وخزرج نے حجاز کے شہر یثرب (مدینہ) میں سکونت اختیار کی۔

یثرب نہایت قدیم شہر تھا۔ یونانیوں نے اس کا ''اثھرپا'' کے نام سے ذکر کیا ہے۔ (جغرافیہ عرب جلد 1) اسلام آیا تو مدینہ طیبہ اور مدینۃ النبی ﷺ (پیغمبر کا شہر) نام قرار پایا۔ پہلے یہاں عرب سامیہ اولی آباد تھے ان کے بعد یہاں یہود آئے اور آخر میں اوس وخزرج کے قبیلے آ کر بسے۔

اوس وخزرج کی شاخیں

توالدو مرور زمانہ (افزائش نسل اور زمانہ گزرنے) سے یہ دو قبیلے متعدد فروع اور شاخوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔

اوس

عمرو بن مالک-نبیست، عبدالاشہل، بنوظفر (کعب بن خزرج بن مالک بن اوس)

عوب بن مالک-بنوعمرو بن عوف (اہل قبا) بنوجحجی، مرۃ بن مالک (جعادرہ اور اوس اللہ بھی اس کا نام ہے)

سالم بن مالک-بنوواقف

سالم بن مالک-قبیلۂ سعد بن خثیمہ

عبداللہ بن مالک-بنوخطمہ

خزرج

جشم بن خزرج-بنوتزید، بنوسلمہ، بنوبیاضہ

عوف بن خزرج-بنوالحبلیٰ (قبیلہ عبداللہ بن ابی سلول رَأس المنافقین) بنوقراقل بنوسالم

حارث بن خزرج

عمرو بن خزرج-بنونجار (آپ ﷺ کے ننھیالی لوگ)

کعب بن خزرج-بنوساعدہ (جن کا سقیفہ مشہور ہے) یہی سعد بن عبادہ رضی اللہ علیہ کا قبیلہ ہے۔

اوس وخزرج کی تاریخ

اوس وخزرج کی تاریخ ان کے ہم وطن یہودیوں کے ساتھ مخلوط ہے۔ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ مدینہ اور اطراف مدینہ کے یہود اصلاً بنی اسرائیل تھے یا یہودی المذہب عرب تھے تاہم شمالی عرب میں نہایت کثرت سے اصل یہود آباد تھے۔ مدینہ کے اطراف میں بنوقریظہ، بنونضیر اور بنوقینقاع پرزور ومضبوط یہود خاندان آباد تھے۔

تجارت زرگری، مہاجنی، لین دین، قرض دینا، رہن رکھنا، سود پر پیسہ لگانا یہ ان کے پیشے تھے۔ بدوی عربوں سے حفاظت اور ملک میں سیاسی رعب پیدا کرنے کے لئے ہر تجارتی گودام پورا جنگی قلعہ تھا۔ جنوب میں مدینہ ان کی آخری سرحد تھی۔ مدینہ سے لے کر حدود شام تک خیبر، فدک، تبوک، تیماء، مدین، وادی القری، حجر وغیرہ میں ان کے قلعے (کتب جغرافیہ اور مغازی) اور بڑی بڑی آبادیاں تھیں۔ مدینہ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کے مضبوط اور مستحکم قلعے تھے۔ اسلام آیا تو یہی ان کا مایہ غرور تھا۔ ان جنگی اسباب و تدابیر کے ساتھ ان کے مالی کاروبار کا جو جال تمام ملک میں پھیلا ہوا تھا زنجیریں تھیں جو تمام باشندوں کے پاؤں میں انہوں نے ڈال رکھی تھیں۔

غرض یہ اسباب تھے کہ اوس وخزرج یہاں آ کر ابھی نکلے بھی نہ تھے کہ وہ ان کے جال میں گرفتار ہو گئے۔ اوس و خزرج گو بدویانہ زور و قوت میں ان سے زیادہ تھے لیکن سامان، دولت، ہنر اور دیگر قوائے معنوی میں ان سے فروتر (کم) تھے۔ اس بناء پر وہ یہودیوں سے بہت متاثر ہونے لگے یہاں تک کہ اس سے مذہبی اثر پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ اوس وخزرج نذر مانتے تھے کہ بچہ جیتا رہا تو یہودی بنا دوں گا۔ (ذ تفسیر اکراہ فی الدین سورۂ بقرہ آیت 256)

اوس وخزرج اس زبوں حالی سے تنگ آ کر بنو غسان سے (جو ان کے ہم نسب تھے) مدد کے طالب ہوئے۔ غسانیوں نے آ کر یہودیوں کا زور توڑا۔ تاہم مالی تعلقات ایسی چیزیں نہیں ہیں جو تلوار سے کاٹ دی جاسکیں۔ یہودی حقیقت میں جن اسلحہ سے لڑتے تھے ان کا جواب فوجوں سے نہیں ہو سکتا تھا اس لئے ظہور اسلام تک ان کی زبردستی قائم رہی۔

اوس وخزرج اور ان کے ہم نسب قبائل کا مذہب

ہم نے مدینہ کے قبائل اوس وخزرج کو جن کا اسلام میں نام انصار ہے ان ہی انباط کی شاخ قرار دیا ہے۔ اس دعوٰی کا ایک مزید ثبوت یہ بھی ہے کہ ان دونوں کے بتوں کے نام ایک ہی ہیں یا یہ کہہ لیں کہ ایک ہی دیوتاؤں کو دونوں پوجتے تھے۔ ان میں سے ان کی مخصوص دیوی مناۃ تھی جس کو انباط منوت کہتے تھے۔ یہی دیوی اسی شکل میں قدید کے پاس ساحل بحر احمر کے قریب نصب تھی۔ حج میں احرام اتارنے کی رسم اوس وخزرج یہیں ادا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، طواف صفا مروہ زرقانی، ابن سعد)

یاقوت نے معجم میں لکھا ہے کہ مناۃ ایک پتھر کی چٹان تھی۔ شاہان غسان اس کے نام سے نذرانے بھیجتے تھے اور ازد کے روساء اس کے پجاری تھے اور اس کا اہتمام و انتظام ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس کو قربانیاں دی جاتی تھیں۔ اوس وخزرج میں امراء القیس (قیس کا آدمی) کا نام متعدد دفعہ ملتا ہے (سیرت ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ) کیا اس سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ قیس بھی ان کے معبودوں میں داخل تھا؟ عبداللہ اور اوس اللہ بھی ان کی زبان سے سنتے ہیں۔ (سیرت ابن ہشام، بیعت عقبہ و ہجرت)

لوگوں کے گھروں میں دیوتاؤں کی مورتیں رہتی تھیں۔ مناۃ کی مورت، لکڑی کی تراشی ہوئی اتنی بڑی یثرب کے ایک گھر میں تھی کہ چند آدمی مل کر اس کو اٹھاتے تھے۔ (سیرت ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ)

ایک شخص ان دیوتاؤں کے اہتمام وانتظام پر مقرر ہوتا تھا۔ظہور اسلام کے وقت جو شخص اس عہدہ پر مامور تھا اس کا نام عمر بن قیس تھا۔(سیرت ابن ہشام ذکر منافقین)

اوس وخزرج بہ روایات عرب اور دیگر قیاسات عقلی کی بناء پر ازد اور غسان کی شاخ تھی۔اس بناء پر مذہبی حیثیت سے بھی ان میں اتحاد پایا جاتا ہے۔چنانچہ مناۃ دیگر قبائل ازد اور غسان کا معبود بھی تھا۔اس کے علاوہ ان قبائل اور ان کی شاخوں میں اور بھی چند دیوتا تھے۔

قیدار

قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دوسرا بیٹا تھا۔شہرت اور اعزاز میں اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ ممتاز تھا۔ لفظ ''قیدار'' کے عربی زبان میں معنی سیاہی اور غم کے ہیں۔عربی میں بھی لفظ ''کدر'' اور کدورت'' ہے۔شاید حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ نام باپ سے جدائی اور صحرانوردی کے غم کی یاد میں رکھا ہو۔قیدار بر بنائے روایات توریت وعرب، حجاز میں آباد ہوا تھا۔

فارسٹر صاحب جن کی موافقانہ شہادت نہایت مشکل سے میسر آسکتی ہے وہ لکھتے ہیں:

''اشعیا نبی نے قیدار کے جس ملک کا ذکر کیا ہے اس کو ہر شخص جو جغرافیہ عرب سے واقف ہے فوراً کہہ دے گا کہ وہ عرب کے صوبہ حجاز کا صحیح نقشہ ہے جس میں مکہ اور مدینہ کے مشہور شہر واقع ہیں۔عربوں کی قومی روایت بھی تاریخی رتبہ حاصل کر لیتی ہے جب ایک طرف اس کی تصدیق کتب مقدسہ سے ملتی ہے جس سے قیدار کا اسی حصہ ملک میں ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسری طرف اریانوس بطلیموس اور پلینی کے بیان سے ملتی ہے جو کیداری قوم کی اسی صوبہ میں موجودگی کی غیر مشتبہ شہادت دیتے ہیں۔

قیدار کی اہمیت وعظمت کے لئے یہ دلائل کافی ہیں کہ اس کا نام توراۃ کے صفحات میں اسیریا کے کتبات میں اور یونان کے جغرافیہ میں ہر جگہ موجود ہے لیکن اس سے بھی عظیم الشان عزت اس کو یہ حاصل ہے کہ وہ نورِ الٰہی جو آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو ودیعت ہوا تھا اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے قیدار کی پشت سے دنیا میں جلوہ افروز ہوا یعنی پیغمبر اوّل وآخر اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نسل قیدار کی شاخ عدنان سے پیدا ہوئے۔

ایک قوم ہونے کی حیثیت سے قیدار کا نام سب سے پہلے 1100ء ق م میں حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں نظر آتا ہے۔بنو قیدار اس زمانہ میں خیموں میں رہتے تھے۔حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہی سے پہلے بہت دنوں تک بنو قیدار کے خیموں میں رہے تھے اشعیا (120-5)۔1000ء ق م میں حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اپنی غزل میں قیدار کے خیموں کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ کالے رنگ کے ہوتے ہیں اور میں قیدار کے خیموں کے مانند سیاہ ہوں۔یہ سیاہ خیمے کالے کملوں کے ہوتے تھے۔جو اب تک بدوی عربوں کے لئے صحرا میں قصرو کاشانہ ہیں۔خود مکہ معظمہ کا شہر حضور پُر نور نبی کریم ﷺ سے چند پشت پہلے صرف خیموں کا شہر تھا کوئی پتھر یا مٹی کی عمارت موجود نہ تھی۔

توراۃ میں اشعیا نبی جو تقریباً اسی زمانہ میں تھے یعنی آٹھویں صدی ق م میں وہ بیان کرتے ہیں کہ ''قیدار'' ایک شاندار اور بہادر قوم ہے (اشعیا 20-16)۔گاؤں میں ان کی بہت سی آبادیاں ہیں (اشعیا 42-11)۔بھیڑ بکری ان کی دولت ہے۔اسی کی وہ تجارت کرتے ہیں۔(اشعیا 60-70)

قیدار کے متفرق رؤسا میں سے عربوں کے نزدیک سب سے زیادہ مشہور عدنان ہے۔قیدار کی نسل کی تمام شاخیں شجرہ انساب میں اسی عدنان تک منتہی ہوتی ہیں۔چھٹی صدی ق م میں بنوخذنصر (شداد بن عاد) (605ق م-562ق م) جس کو عرب بخت نصر کہتے ہیں اسیریا کے تخت پر جلوہ نما ہوتا ہے اور عراق سے لے کر شام، مصر اور عرب تک کی خاک اڑا دیتا ہے۔اہل عرب کا بیان ہے کہ اس وقت عربوں کا رئیس کل معد بن عدنان تھا۔

اشعیا (750ق م) حزقیال (597ق م) اور یرمیاہ (586ق م) نبیوں نے خانوادہ قیدار کو اس خونخوار اور سفاک بادشاہ کے خروج سے ہشیار و خبردار کیا ہے۔سب سے پہلے اشعیا نبی کہتے ہیں:

''قیدار کا تمام جاہ وجلال مٹ جائے گا۔تیرانداز اور بہادر فرزندان قیدار کی تعداد گھٹ جائے گی''۔

(اشعیا 21،17،16 بحوالہ تاریخ ارض القرآن)

باب 42 درس 11 میں ہے۔

ان دیہاتوں میں آواز دو جن میں قیدار رہتے ہیں (اشعیا: 21،42،11)

باب 60 درس 7 میں ہے۔

''قیدار کے گلے اور نبایوط کی بھیڑیں اکٹھی کی جائیں گی'' (اشعیا: 21-7،60)

یرمیا نبی نے کہا:

''قیدار پر اور حضورا کی حکومتوں پر افسوس ہے جن کو بابل کا بادشاہ بنوخذنصر (شداد بن عاد) تباہ کرے گا۔اس طرح خدا کہتا ہے اٹھو اور قیدار کے پاس جاؤ اور اہل مشرق کو برباد کرو''۔

(یرمیا:-21-49-28 بحوالہ تاریخ ارض القرآن)

اہل عرب کی روایت ہے کہ بنوخذنصر حملہ کرتا ہوا حجاز تک پہنچ گیا تھا اور معد بن عدنان برسر مقابلہ ہوا اور ایک غیر فیصلہ کن جنگ کے بعد دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔بعض روایتوں میں ہے کہ یرمیا نبی نے معد کو بچالیا اور شاید اس شکست سے بنوقیدار کو کچھ زیادہ صدمہ نہیں پہنچا۔حزقیال نبی جو بنوخذنصر کی ان جہاں سوزیوں کے زمانہ میں موجود تھے اور فلسطین سے بغرض تبلیغ 597ق م میں بابل گئے تھے قیدار کی جوانوں کا ذکر کرتے ہیں ''عرب اور قیدار کے تمام شہزادوں نے بھیڑ بکری کا تجھ سے بیوپار کیا تھا''۔(حزقیال 27-21 بحوالہ تاریخ ارض القرآن)

ان انبیا کرام کی معاصرانہ شہادتوں سے بنوقیدار کی معاشرت یہ ظاہر ہوتی ہے کہ وہ خیموں اور گاؤں میں آباد تھے۔بہادر اور شجاع تھے، قبائل کے سردار تھے، بدویانہ جاہ وجلال اور شان وشکوہ ان کو حاصل تھا۔تجارت ان کا پیشہ تھا اور بعینہ یہی نقشہ ان کا زمانہ اسلام تک موجود تھا۔

معد کے دو بیٹے تھے ایک کا نام نزار تھا۔ نزار کے پانچ بیٹے تھے یا نزار کی پانچ مشہور شاخیں ہیں۔ انمار، ایاد، ربیعہ، قضاعہ، مضر۔ عرب کے تمام قیداری قبائل ان ہی کے فروغ اولاد ہیں شاخیں ہیں۔ میلاد مسیح سے پس و پیش (قریب کے) زمانہ میں یہ لوگ طول میں یمن سے شام تک اور عرض میں حجاز و نجد سے بحرین و عراق تک پھیلے ہوئے تھے اور زمانۂ اسلام تک ان کا یہی نقشہ باقی تھا۔

یہ پانچوں شاخیں پھر چھوٹے چھوٹے مختلف خاندانوں پر منقسم ہیں۔ ان کا مجموعی نام مورث اوّل کے انتساب سے عدنان، معد اور نزار ہے۔ حیرہ کے بادشاہ امراء القیس بن عمرو المتوفی 328ء کی قبر کی لوح شام کے حدود میں ملی ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

یہ امراء القیس بن عمرو بادشاہ عرب، صاحب تاج کی قبر ہے جو اسد اور نزار اور ان کے بادشاہوں کا بادشاہ تھا۔ اس نے معد پر بادشاہی کی اور اپنے آپ کو تمام قبائل کے درمیان اتارا۔ (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا مضمون "عرب")

قیدار کی شاخیں

اس کتبہ سے معد اور نزار کی شخصیت کا تاریخی ثبوت اس قدر قدیم عہد میں ثابت ہوتا ہے۔

نزار کے پانچ خاندانوں میں سے انمار اور ایاد نے کوئی بڑی وقعت حاصل نہیں کی۔ ربیعہ قضاعہ اور مضر نے کثرت تعداد دنیاوی اعزاز اور سیاسی اقتدار میں بڑی ناموری حاصل کی اور حجاز و نجد و عراق میں ان کی عظیم الشان حکومتیں اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں۔ بنو عبد القیس کی بحرین میں' بکر و تغلب اور کندہ نسیا" کندہ میں' عدنانی اور قبائل معد کی نجد میں اور آل منذر کی عراق و حیرہ میں۔

بنو قیدار یا عدنانی قبائل کا مذہب

بنو قیدار کے قدیم مذہبی خیالات کا مختصر اً ذکر اوپر گزر چکا۔ اس قدر مسلم ہے کہ ابتداً یہ اپنے باپ دادا حضرت اسماعیل اور ابراہیم علیہم السلام کے مذہب پر تھے۔ خانہ کعبہ کا رسم (سنت) ابراہیمی کے مطابق حج کیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ مسئلہ حج کی غلط فہمی سے ان میں سنگ پرستی کا آغاز ہوا (اخبار مکہ ارزقی مقدمہ سیرت ابن ہشام) صحیح روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ اور حجاز میں بت پرستی کا بانی ایک شخص عمرو بن لحی ہے (صحیح بخاری ابن ہشام) اس کے ملک شام سے تعلقات تھے اور وہیں سے بت لا لا کر اس نے خانہ کعبہ اور اطراف مکہ میں پھیلا دیئے تھے (ابن ہشام) اس روایت کی موجودہ تحقیقات سے بھی تائید ہوتی ہے۔

ہوٹل اسلام کی انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے:

"شمالی مغربی عرب میں مکہ سے پٹرا (رقیم) بلکہ اس سے آگے صحرائے شام (تدمر اور حوران) تک ایک ہی تخیل (بت پرستی) کسی قدر پرانے اور بعض نئے ناموں کے ساتھ پھیلا تھا"۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد 1 صفحہ 380)

عدنانی قبائل کا سب سے بڑا بت یا دیوتا ہبل تھا جو خاص خانہ کعبہ میں نصب تھا' لات کا ہیکل شہر طائف میں تھا۔

مکہ سے چند میل دور مقام نخلہ عزیٰ نام کی ایک دیوی کا مسکن تھا۔ عدنانی قبائل کے یہ تین سب سے بڑے دیوتا تھے' ان پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے' قربانیاں ہوتی تھیں' ان کی نذریں مانی جاتی تھیں' لوگ ان کی زیارت کو آتے تھے۔

قریش

مضر بن نزار بن عدنان بن قیدار بن اسماعیل کا ایک خاندان

سلسلہ نسب

مضر کی شاخ متعدد وسیع خاندانوں میں منقسم ہوگئی جن میں سے ایک قریش کا خاندان ہے۔ بانی خاندان کا نام فہر تھا' عدنان تک اس کا سلسلہ نسب یہ ہے:

فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان

عدنان تک یہ سلسلہ نسب حرف بحرف صحیح اور ناقابلِ شک ہے۔ صحیح روایات سے ثابت ہے۔ احادیث میں مروی ہے اور اشعار عرب میں مذکور ہے۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کا سلسلہ نسب بھی ان ہی واسطوں سے عدنان تک پہنچتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی ہے۔

لفظ ''قریش''

فہر بن مالک کا لقب قریش تھا اس بناء پر اس کی نسل نے ''قریش'' اپنا خاندانی علم قرار دیا۔ لفظ قریش کے عربی میں متعدد معنی ہیں اس کا ایک ماخذ تقریش و تقرش ہے جس کے معنی ''اکتساب و تحصیل'' ہیں۔ خیال ہے کہ چونکہ اس خاندان کا اصلی پیشہ تجارت تھا اس لیے قریش کے نام سے موسوم ہے۔ قریش ایک دریائی درندہ صفت جانور کا بھی نام ہے جو دریائی جانوروں کا شکار کرتا ہے۔ فہر نے اپنے استیلاء و قوت کے اظہار کے لیے یہ لقب اختیار کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی دوسری تاویل کو اختیار کیا ہے۔

مستشرقین یورپ جن کو ہماری تاریخ سے خود غرضانہ محبت ہے' وہ بھی دوسری رائے کو پسند کرتے ہیں لیکن اس لیے نہیں کہ وہ روایتاً صحیح تر ہے بلکہ اس لیے کہ ان کے ہاتھ ٹوٹمزم (Totemism) کے ثبوت کے لیے ایک سند ہاتھ آتی ہے۔ (لائف آف محمد مارگیولیوتھ) حالانکہ اس کی تردید کے لیے اتنا ہی کہنا کافی ہے۔

کہ اس خاندان میں قریش کے نام کی نہ پوجا ہوتی تھی نہ اس نام کا دیوتا پوجا جاتا تھا۔

قریش کی شاخیں

قریش بھی کوئی ایک قبیلہ نہ تھا' چھوٹے چھوٹے دس مختلف خاندانوں پر منقسم تھا۔ ہاشم' امیہ' نوفل' عبدالدار اسد' تیم' مخزوم' عدی' جمع' سہم۔ ان کا باہمی سلسلہ نسب' اس شجرہ سے' جو آگے بیان اجدادِ کرام از عدنان تا سیدنا عبداللہ کا ہوگا' اس سے بالکل واضح ہوجائے گا۔

قریش و فہر

حارث
بنوحارث ہی کے خاندان سے ابوعبیدہؓ بن جراح فاتح
شام اور عقبہ نافع فاتح افریقہ تھے

غالب

محارب
پدر بنومحارب ضحاک بن قیس اضرار بن
الخطاب کرز بن جابر وغیرہ صحابہؓ اسی خاندان سے تھے

لوی
تیم الادرم، عبداللہ بن خطل اسی خاندان سے تھے

عامر

کعب

قرینہ

سعد

جشم

بنومعیص
خاندان بسر بن ارطاۃ
صاحب امیر معاویہ

بنوحصل
خاندان عابن عبداللہ
والی افریقہ و مصر
و کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حصص
خاندان عاصی

مرہ
ابن وائل و بعض کفار قریش

عدی
خاندان زید بن عمرو بن نفیل موحدؓ و سعیدؓ بن زید
احد عشرہ المبشرہ و حضرت عمر فاروقؓ و صحابہ دیگر

تیم
خاندان عبداللہ بن جدعان و حضرت
ابوبکر صدیق و حضرت طلحہؓ

کلاب

یقیظہ
خاندان و حضرت ارقم ان کا گھر قریش کی مخالفت کے زمانہ میں مسلمانوں کا
دار الملاقاۃ تھا ابو سلمہ شوہر اول ام المومنین ام سلمہؓ و خالد بن ولید

زہرہ
آمنہ بنت وہب آنحضرت کی ماں کا خاندان، حضرت
سعد بن ابی فاتح عراق بھی اسی خاندان سے تھے

قصی

عبدالدار
خاندان نضر بن حارث

عبدمناف

عبدالعزیٰ
عثمان بن وغیرہ صحابہ کا خاندان تھا
خانہ کعبہ برداری اسی خاندان میں تھی

بنوعبدشمس
خاندان بنوامیہ دمشق و اندلس
حضرت عثمانؓ، ابوسفیان و امیر معاویہ

ہاشم
عبدالمطلب

نوفل

جحل — قثم — ابولہب — حضرت عباسؓ — عبداللہ — حضرت حمزہ — ابوطالب — زبیر — مقوم — ضرار

حضرت عباسؓ: خاندان عباسیہ

عبداللہ: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت فاطمہؓ

ابوطالب: بنوفاطمہ — حضرت علی — علویین

قریش کی ایک اور تقسیم

قریش کی جن شاخوں کا اوپر ذکر ہوا' وہ طرزِ زندگی کے لحاظ سے دو جماعتوں میں منقسم تھے۔قریش الظواہر' قریش البطائح۔قریش الظواہر دیگر بادیہ نشین قبائل کی طرح مکہ کے آس پاس صحرا میں خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔قریش البطائح شہری زندگی کے عادی تھے اور چونکہ ان کا خاص پیشہ تجارت تھا' اطراف کے متمدن ممالک میں ان کا گزر ہوتا رہتا تھا اس لیے ایک منتظم آبادی کی حیثیت انہوں نے پیدا کرلی تھی۔ذیل کی فہرست سے قریش کے خاندانوں کی تقسیم ظاہر ہوگی ۔

قریش الظواہر (بدو)

1-بنومجارب
2-بنوتیم الادرم
3-خزیمہ بن لوی
4-سعد بن لوی
5-جشم بن لوی
6-بنوحارث

قریش البطائح (شہری)

1-بنوقصی بن کلاب
2-بنوکعب بن لوی

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنوقصی بن کلاب اور بنوکعب بن لوی کے سوا قریش کی اور تمام شاخیں قریش ظواہر تھیں۔اصل یہ ہے کہ تمام تاریخیں اس بات پر متفق ہیں کہ قریش کی سیاسی عظمت وجلال کا بانی قصی تھا۔قصی سے پہلے قریش میں کسی قسم کا کوئی سیاسی' مذہبی' جنگی' عدالتی نظام نہ تھا' مکہ ایک مرکز تھا اور اس کے دائرے میں قریش کے تمام خاندان چکر لگاتے تھے۔قصی سب سے پہلا شخص ہے جس نے قریش میں قومی ہیرو کی حیثیت پیدا کی۔

قریش کا زمانہ

قریش دنیا کی تاریخ میں کب ظاہر ہوئے اور اس خاص خاندان کی کب بناء پڑی' تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں۔بس اس قدر معلوم ہے کہ عبدالمطلب چھٹی صدی عیسوی کے اواسط میں موجود تھے۔عبدالمطلب سے فہر تک 10 پشتیں ہوئیں۔ایک پشت کے لیے 25 برس کا زمانہ اگر فرض کیا جائے تو اڑھائی سو برس کی مدت قرار پاتی ہے اس بناء پر قریش کے اعاظم رجال کے لیے حسب ذیل تقریبی سنیں (ان کے زمانے کے اندازاً صحیح سال) ہم متعین کرسکتے ہیں:

نام	سنہ وجود تقریباً
فہر و قریش	۳۲۵ء
غالب	۳۵۰ء
لوی	۳۷۵ء
کعب	۴۰۰ء
مرّہ	۴۲۵ء
کلاب	۴۵۰ء
قصی	۴۷۵ء
عبد مناف	۵۰۰ء
ہاشم	۵۲۵ء
عبدالمطلب	۵۵۰ء

قصی کی نسبت بعض ارباب تاریخ نے لکھا ہے کہ وہ منذر بن نعمان شاہ حیرہ 431ء تا 473ء کا معاصر تھا۔ (معجم البلدان یاقوت لفظ ''مکہ'') قیاس بالا کی رو سے بھی یہی تاریخ ظاہر ہوتی ہے۔

قریش کا نظام سیاسی واجتماعی

قصی نے مکہ میں جو چھوٹی ریاست قائم کی تھی اس کی حیثیت ایک شہری جمہوریت کی تھی۔ یونان کے شہر ایتھنز اور اسپارٹا کے طرزِ حکومت کا ایک دُھندلا سا خاکہ قریش کی سرزمین میں نظر آتا تھا اس شہری حکومت میں کل چودہ عہدے تھے جو دس عہدہ داروں پر منقسم تھے۔ دس عہدہ دار قریش کے دس قبائل سے منتخب ہوتے تھے۔ ظہورِ اسلام کے وقت ان چودہ عہدوں کی حسب ذیل تقسیم تھی:

مذہبی

شمار	عہدہ	توضیح خدمات	نام قبیلہ	عہدہ دار
1-	سقایہ	حاجیوں کے کھانے پینے کا سامان	بنو ہاشم	عباسؓ بن عبدالمطلب
2-	عمارہ	خانہ کعبہ کا انتظام	بنو ہاشم	عباسؓ بن عبدالمطلب
3-	رفادہ	حاجیوں کی مالی اعانت کا انتظام	بنو نوفل	حارث بن عامر
4-	حجابت	خانہ کعبہ کی دربانی وکلید برداری	بنو عبدالدار	عثمان بن طلحہ
5-	ایسار	بتوں سے استخارہ کی خدمت	بنو جمح	صفوان
6-	اموالِ محجرہ	بتوں کے نذرانوں اور جائیدادوں کا انتظام	بنو سہم	حارث بن قیس

عدالتی

-7	ندوہ	عدالت خانہ اور مشورہ گاہ کا انتظام	بنوعبدالدار	عثمان بن طلحہ
-8	مشورہ	امورِ مہمہ میں مشورہ	بنواسد	یزید بن زمعہ
-9	اشناق	خوں بہا' جرمانہ اور مالی تاوان کا انتظام	بنوتمیم	ابوبکر صدیقؓ
-10	حکومتہ	مقدمات کا فیصلۂ عدل	بنوسہم	حارث بن قیس

جنگی

-11	عقاب	نشان قومی کو علم برداری	بنواُمیہ	ابوسفیان
-12	قبہ	فوجی معسکر (کیمپ) کا نظم وضبط	بنومخزوم	خالد بن ولیدؓ
-13	اعنہ	سواروں کے رسالہ کی سپہ سالاری	بنی مخزوم	خالد بن ولیدؓ
-14	سفارت	سفارت کاری	بنوعدی	عمر بن الخطابؓ

اس چھوٹی سی شہری جمہوریت کا ایوانِ حکومت دارالندوہ کے نام سے موسوم تھا اس کا بانی قصی تھا' ہر قسم کے اجتماعی' تجارتی' عدالتی اور سیاسی احکام اور فیصلے قریش اسی عمارت میں بیٹھ کر صادر کرتے تھے یہاں تک کہ شادی بیاہ بلوغ کے مراسم' قافلوں کی روانگی و داخلہ امور یہیں انجام پاتے تھے۔ (ابن خلدون جلد 1 صفحہ 39)

قریش نے داعی اسلام کے قتل کا مجرمانہ فیصلہ بھی اسی ایوانِ عدالت میں بیٹھ کر صادر کیا تھا۔
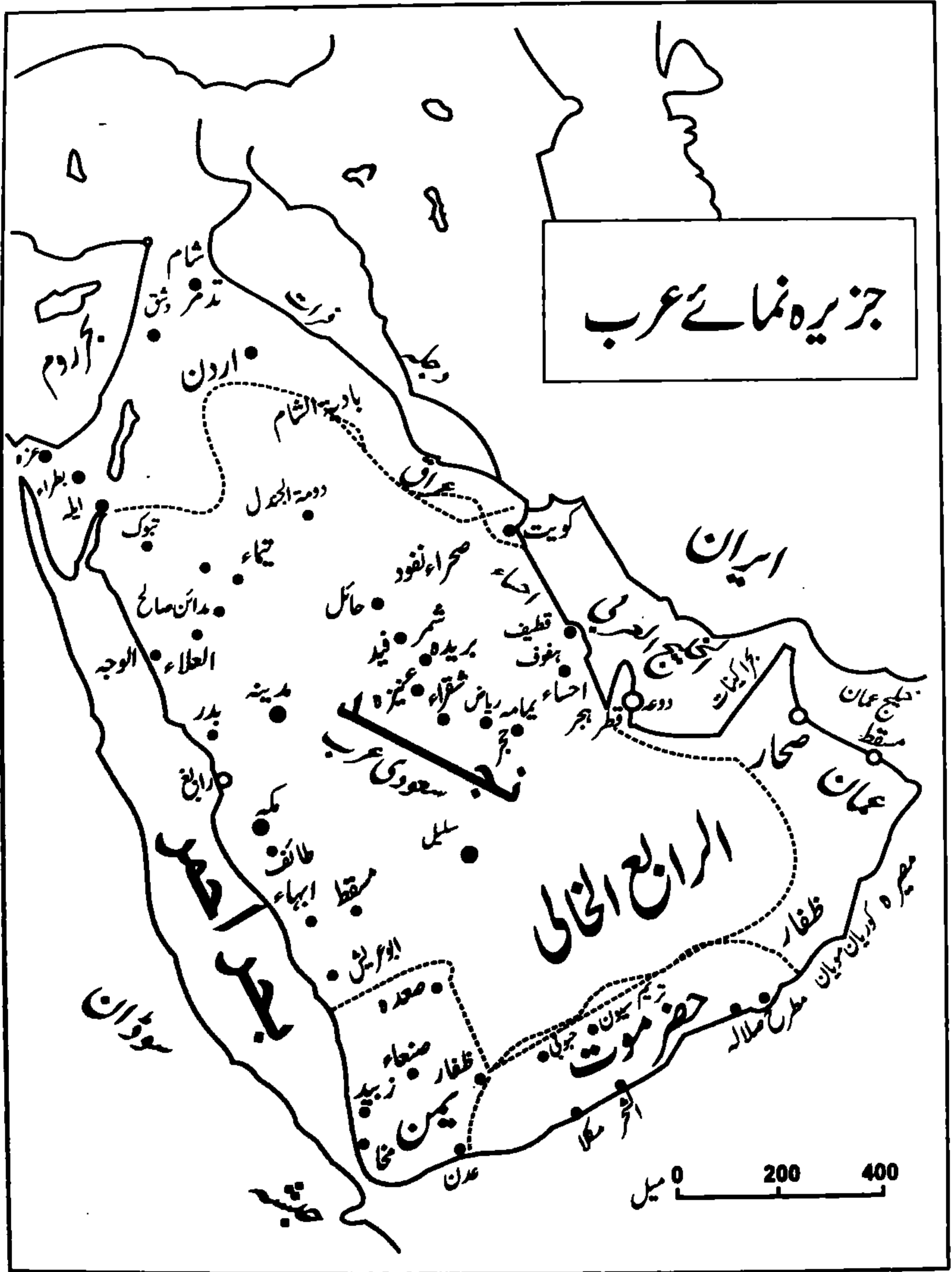
عرب حکومتیں اور سرداریاں

قارئینِ کرام! اب جزیرہ عرب کے چھٹی صدی عیسوی میں جو مذہبی' معاشی' معاشرتی' سیاسی اور وہاں کی حکومتوں' سرداریوں کے حالات کا ذکر کرنا مقصود ہے اس باب میں حکومتوں اور سرداریوں کا ذکر مختصر اور مصدقہ تاریخ کے حوالے سے بیان کیا جائے گا۔

میں جیسا کہ پہلے بھی گزارش کر چکا ہوں کہ مذاہب' تہذیب وتمدن' رسم ورواج وغیرہ کے قائم ہونے' پھلنے پھولنے' پھوٹنے اور مٹنے میں کئی صدیاں لگ جاتی ہیں' ان کے لیے پچاس ساٹھ سال کا عرصہ اہم یا معنی خیز نہیں ہوتا اس لیے حکومتوں اور سرداریوں کے بیان میں چھٹی صدی عیسوی کی بریکٹ زمانہ کو کلیتاً لاگو نہیں کیا جا سکتا۔

اور پھر تاریخ تو ہمیشہ ہی گزشتہ سے پیوستہ ہوتی ہے اس لیے تاریخ کے بارے میں یہ بھی ناممکن ہے کہ اسے زمانہ کے لحاظ سے ایک مخصوص بریکٹ میں رکھ کر قابلِ فہم طریقے سے بیان کیا جا سکے اس لیے جزیرۂ عرب کی حکومتوں اور سرداریوں کا تھوڑا تھوڑا مختصر سا ذکر قبل مسیح سے کیا جائے گا اور پھر مکمل یا مفصل چھٹی صدی عیسوی کے دوران کا ہوگا۔

چھٹی صدی عیسوی میں جزیرۂ عرب میں دو قسم کے حکمران تھے' ایک تاج پوش بادشاہ جو درحقیقت مکمل طور پر آزاد وخود مختار نہ تھے اور دوسرے قبائلی سردار جنہیں اختیارات وامتیازات کے اعتبار سے وہی حیثیت حاصل تھی جو تاج پوش بادشاہوں کی تھی لیکن ان کی اکثریت کو ایک مزید امتیاز یہ بھی حاصل تھا کہ وہ پورے طور پر آزاد وخود مختار تھے۔ تاج پوش حکمران یہ تھے:

شاہانِ یمن' شاہانِ آلِ غسان (شام) اور شاہانِ حیرہ (عراق) بقیہ عرب حکمران تاج پوش نہ تھے۔

یمن کی بادشاہی

عرب عاربہ میں سے جو قدیم ترین یمانی قوم معلوم ہو سکی وہ قوم سبا ہے اور عراق سے جو کتبات برآمد ہوئے ہیں' ان میں اڑھائی ہزار سال قبل مسیح اس قوم کا ذکر ملتا ہے لیکن اس کے عروج کا زمانہ گیارہ صدی قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے اس کی تاریخ کے اہم ادوار یہ ہیں:

1- 650ء ق م سے پہلے کا دور

اس دور میں شاہانِ سبا کا ''لقب مکرب سبا'' تھا۔ ان کا پایہ تخت صرواح تھا جس کے کھنڈر آج بھی مآرب کے مغرب میں ایک دن کی راہ پر پائے جاتے ہیں اور خریبہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی دور میں مآرب کے مشہور بند کی بنیاد رکھی گئی جسے یمن کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس دور میں سلطنت سبا کو اس قدر عروج حاصل ہوا کہ انہوں نے عرب کے اندر اور عرب کے باہر جگہ جگہ اپنی نوآبادیاں قائم کرلی تھیں۔

2- 650ء ق م سے 115 ق م تک کا دور

اس دور میں سبا کے بادشاہوں نے مکرب کا لفظ چھوڑ کر ملک (بادشاہ) کا لقب اختیار کرلیا اور صرواح کے بجائے مآرب کو اپنا دارالسلطنت بنایا اس شہر کے کھنڈر آج بھی صنعاء کے 60 میل (96 کلومیٹر) مشرق میں پائے جاتے ہیں۔

3- 5 ق م سے 300ء تک کا دور

اس دور میں سبا کی مملکت پر قبیلہ حمیر کو غلبہ حاصل رہا اور اس نے مآرب کے بجائے ریدان کو اپنا پایہ تخت بنایا پھر ریدان کا نام ظفار پڑ گیا جس کے کھنڈرات آج بھی شہر یریم کے قریب ایک پہاڑی پر پائے جاتے ہیں۔

یہی وہ دور ہے جس میں قوم کا زوال شروع ہوا۔ پہلے نبطیوں نے شمالی حجاز پر اپنا اقتدار قائم کر کے قوم سبا کو ان کی نوآبادیوں سے نکال باہر کیا۔ پھر رومیوں نے مصر و شام اور شمالی حجاز پر قبضہ کر کے ان کی تجارت کے بحری راستے کو مخدوش کر دیا اور اس طرح ان کی تجارت رفتہ رفتہ تباہ ہوگئی ادھر قحطانی قبائل خود بھی باہم دست و گریبان تھے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ قحطانی اپنا وطن چھوڑ کر اِدھر اُدھر بکھر گئے۔

4- 300ء کے بعد سے آغازِ اسلام تک کا دور۔

اس دور میں یمن کے اندر مسلسل اضطراب وانتشار برپا رہا' انقلاب آئے' خانہ جنگیاں ہوئیں اور بیرونی قوموں کو مداخلت کے مواقع ہاتھ آئے حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ یمن کی آزادی سلب ہوگئی۔ چنانچہ یہی دور ہے جس میں رومیوں نے عدن پر فوجی تسلط قائم کیا اور ان کی مدد سے حبشیوں نے حمیر و ہمدان کی باہمی کشاکش کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے 360ء میں پہلی بار یمن پر قبضہ کیا جو 378ء تک برقرار رہا۔ اس کے بعد یمن کی آزادی تو بحال ہوگئی مگر ''مآرب'' کے مشہور بند میں رخنے پڑنا شروع ہوگئے یہاں تک کہ 450ء یا 451ء میں بند ٹوٹ گیا اور وہ عظیم سیلاب آیا جس کا ذکر قرآن مجید (سورۂ سبا) میں سیل عرم کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ بڑا زبردست حادثہ تھا اس کے نتیجے میں بستیوں کی بستیاں ویران ہوگئیں اور بہت سے قبائل اِدھر اُدھر بکھر گئے۔

پھر 523ء میں ایک سنگین حادثہ پیش آیا یعنی یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس نے نجران کے عیسائیوں پر ایک ہیبت ناک حملہ کر کے انہیں عیسائی مذہب چھوڑنے پر مجبور کرنا چاہا اور جب وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے تو ذونواس بادشاہ نے خندقیں کھدوا کر انہیں بھڑکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں جھونک دیا۔ قرآن مجید نے سورۂ بروج کی آیات 4 تا 8 میں اسی لرزہ خیز واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس واقعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیت جو رومی بادشاہوں کی قیادت

میں بلادعرب کی فتوحات اور توسیع پسندی کے لیے پہلے ہی سے چست وچابکدست تھی وہ انتقام لینے پر تل گئی اور حبشیوں کو یمن پر حملے کی ترغیب دیتے ہوئے انہیں بحری بیڑہ مہیا کیا۔ حبشیوں نے رومیوں کی شہ پا کر 525ء میں ارباط کی زیرقیادت 70 ہزار فوج سے یمن پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ قبضہ کے بعد ابتدا میں تو شاہ حبش کے گورنر کی حیثیت سے ارباط نے یمن پر حکمرانی کی لیکن پھر اس کی فوج کے ایک ماتحت کمانڈر ابرہہ نے اسے قتل کر کے خود اقتدار پر قبضہ کرلیا اور ابرہہ نے شاہ حبش کو بھی اپنے بادشاہ' حکمرانِ اعلیٰ ہونے پر راضی کرلیا۔

یہ وہی ابرہہ ہے جس نے بعد میں خانہ کعبہ کو ڈھانے کی کوشش کی اور ایک لشکر جرار کے علاوہ چند ہاتھیوں کو بھی فوج کشی کے لیے ساتھ لایا جس کی وجہ سے یہ لشکر اصحاب فیل کے نام سے مشہور ہوگیا۔ ادھر واقعہ فیل میں حبشیوں کی جو تباہی ہوئی اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اہلِ یمن نے حکومتِ فارس سے مدد مانگی اور حبشیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے ''سیف ذی یزن حمیری'' کے بیٹے ''معدیکرب'' کی قیادت میں حبشیوں کو ملک سے نکال باہر کیا اور ایک آزاد خودمختار قوم کی حیثیت سے معدیکرب کو اپنا بادشاہ منتخب کرلیا۔ یہ 575ء کا واقعہ ہے۔

آزادی کے بعد معدیکرب نے کچھ حبشیوں کو اپنی خدمت اور شاہی جلو کی زینت کے لیے روک لیا لیکن یہ شوق مہنگا ثابت ہوا۔ ان حبشیوں نے ایک روز معدیکرب کو دھوکے سے قتل کر کے ذی یزن کے خاندان سے حکمرانی کا چراغ ہمیشہ کے لیے گُل کردیا۔ ادھر کسریٰ نے اس صورتِ حال کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے صنعاء پر ایک فارسی النسل گورنر مقرر کر کے یمن کو فارس کا ایک صوبہ بنالیا اس کے بعد یمن پر یکے بعد دیگرے فارسی گورنروں کا تقرر ہوتا رہا یہاں تک کہ آخری گورنر باذان نے 628ء میں اسلام قبول کرلیا اور اس کے ساتھ ہی یمن فارسی اقتدار سے آزاد ہو کر اسلام کی عملداری میں آ گیا۔ (تاریخ ارض القرآن جلد 1 صفحہ 133 سے آخر تک' قوم سبا کے حالات)

حیرہ کی بادشاہی

عراق اور اس کے نواحی علاقوں پر کوروش کبیر (خورس یا سائرس ذوالقرنین 557ء ق م سے 529ء ق م) کے زمانے ہی سے اہلِ فارس کی حکمرانی چلی آ رہی تھی' کوئی نہ تھا جو ان کے مدمقابل آنے کی جرأت کرتا یہاں تک کہ 326ء ق م میں سکندر مقدونی نے دارا اوّل کو شکست دے کر فارسیوں کی طاقت توڑ دی جس کے نتیجے میں ان کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور طوائف الملو کی شروع ہوگئی۔ یہ انتشار 330ء تک جاری رہا اور اسی دوران قحطانی قبائل نے ترکِ وطن کر کے عراق کے ایک بہت بڑے شاداب سرحدی علاقے پر بودوباش اختیار کی پھر عدنانی تارکین وطن کا ریلا آیا اور انہوں نے لڑ بھڑ کر جزیرہ فراتیہ (دریائے فرات کی وادی) کے ایک حصے کو اپنا مسکن بنالیا۔

ادھر ایران میں 226ء میں اردشیر نے جب ساسانی حکومت کی داغ بیل ڈالی تو رفتہ رفتہ فارسیوں کی طاقت ایک بار پھر پلٹ آئی۔ اردشیر نے فارسیوں کی شیرازہ بندی کی اور اپنے ملک کی سرحد پر آباد عربوں کو زیر کیا اسی کے نتیجے میں قضاعہ نے ملک شام کی راہ لی جبکہ حیرہ اور انباء کے عرب باشندوں نے باجگذار بننا گوارا کیا۔

اردشیر کے عہد میں حیرہ بادیۃ العراق اور جزیرہ کے ربیعی اور مضری قبائل پر جذیمۃ الوضاح کی حکمرانی تھی۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردشیر نے محسوس کر لیا تھا کہ عرب باشندوں پر براہِ راست حکومت کرنا اور انہیں سرحد پر لوٹ مار سے باز رکھنا ممکن نہیں بلکہ اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ خود کسی ایسے عرب کو ان کا حکمران بنا دیا جائے جسے اپنے کنبے کی تائید و حمایت حاصل ہو۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ بوقتِ ضرورت رومیوں کے خلاف ان سے مدد لی جا سکے گی اور شام کے روم نواز عرب حکمرانوں کے مقابل عراق کے ان عرب حکمرانوں کو کھڑا کیا جا سکے گا۔
شاہانِ حیرہ کے پاس فارسی فوج کی ایک یونٹ ہمیشہ رہا کرتی تھی جس سے بادیہ نشین (بدووں) عرب باغیوں کی سرکوبی کا کام لیا جاتا تھا۔
268ء کے عرصے میں جذیمہ فوت ہو گیا اور عمرو بن عدی بن نصر لخمی اس کا جانشین ہوا۔ یہ قبیلہ لخم کا پہلا حکمران تھا اور شاپور اردشیر کا ہم عصر تھا اس کے بعد قباذ بن فیروز کے عہد تک حیرہ پر لخمیوں کی مسلسل حکمرانی رہی۔
قباذ کے عہد میں مزدک کا ظہور ہوا جو اباحیت (عورت اور جائیداد کسی کی بھی ملکیت نہیں) کا علمبردار تھا۔ قباذ اور اس کی بہت سی رعایا نے مزدک کی ہم نوائی کی۔ پھر قباذ نے حیرہ کے بادشاہ منذر بن ماء السماء کو پیغام بھیجا کہ تم بھی یہی مذہب اختیار کر لو۔ منذر بڑا غیرت مند تھا' انکار کر بیٹھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قباذ نے اسے معزول کر کے اس کی جگہ مزدک کی دعوت کے ایک پیروکار حارث بن عمرو حجر کندی کو حیرہ کی حکمرانی سونپ دی۔
قباذ کے بعد فارس کی بھاگ دوڑ کسریٰ نوشیرواں کے ہاتھ آئی' اسے اس مذہب سے سخت نفرت تھی اس نے مزدک اور اس کے ہم نواؤں کی ایک بڑی تعداد کو قتل کروا دیا۔ منذر کو دوبارہ حیرہ کا حکمران بنا دیا اور حارث بن عمرو کو اپنے ہاں بلا بھیجا لیکن وہ بنو کلب کے علاقے میں بھاگ گیا اور وہیں اپنی زندگی گزار دی۔
منذر بن ماء السماء کے بعد نعمان بن منذر کے عہد تک حیرہ کی حکمرانی اسی کی نسل میں چلتی رہی پھر زید بن عدی نے کسریٰ سے نعمان بن منذر کی جھوٹی شکایت کی۔ کسریٰ بھڑک اُٹھا اور نعمان کو اپنے پاس طلب کیا' نعمان چپکے سے بنو شیبان کے سردار ہانی بن مسعود کے پاس پہنچا اور اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کو اس کی امانت میں دے کر کسریٰ کے پاس گیا۔ کسریٰ نے اسے قید کر دیا اور قید ہی قید میں فوت ہو گیا۔
ادھر کسریٰ نے نعمان کو قید کرنے کے بعد اس کی جگہ ایاس بن قبیصہ طائی کو حیرہ کا حکمران بنایا اور اسے حکم دیا کہ ہانی بن مسعود سے نعمان کی امانت طلب کرے۔ ہانی غیرت مند تھا اس نے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ اعلانِ جنگ بھی کر دیا پھر کیا تھا ایاس اپنے جلو میں کسریٰ کے لاؤ لشکر اور مرزبانوں کی جماعت لے کر روانہ ہوا اور ذی قار کے میدان میں فریقین کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں بنو شیبان کو فتح حاصل ہوئی اور فارسیوں نے شرمناک شکست کھائی۔ یہ پہلا موقع تھا جب عرب نے عجم پر فتح حاصل کی تھی۔ یہ واقعہ حضور انور نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے تھوڑے ہی دنوں بعد کا ہے۔ آپ ﷺ کی پیدائش حیرہ پر ایاس کی حکمرانی کے آٹھویں مہینے میں ہوئی۔

تھی۔

ایاس کے بعد کسریٰ نے حیرہ پر ایک فارسی حاکم مقرر کیا لیکن 632ء میں لخمیوں کا اقتدار پھر بحال ہو گیا اور منذر بن معرور نامی اس قبیلے کے ایک شخص نے باگ دوڑ سنبھال لی مگر ابھی اس کو برسر اقتدار آئے صرف آٹھ ماہ ہوئے تھے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کا سیل رواں لے کر حیرہ میں داخل ہو گئے۔

شام کی بادشاہی

جس زمانے میں عرب قبائل کی ہجرت زوروں پر تھی' قبیلہ قضاعہ کی چند شاخیں حدود شام میں آ کر آباد ہو گئیں' ان کا تعلق بنی سلیم بن حلوان سے تھا اور ان ہی میں ایک شاخ بنو ضجعم بن سلیم تھی جسے ضجاعمہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ قضاعہ کی اس شاخ کو رومیوں نے صحرائے عرب کے بدوؤں کی لُوٹ مار روکنے اور فارسیوں کے خلاف استعمال کرنے کے لیے اپنا ہم نوا بنایا اور اسی کے فرد کے سر پر حکمرانی کا تاج رکھ دیا۔ اس کے بعد مدتوں ان کی حکمرانی رہی۔ ان کا مشہور ترین بادشاہ زیاد بن ہیولہ گزرا ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے ضجاعمہ کا دور حکومت پوری طرح دوسری صدی عیسوی پر محیط رہا ہے اس کے بعد اس علاقے میں آل غسان کی آمد آمد ہوئی اور ضجاعمہ کی حکمرانی جاتی رہی۔ آل غسان نے بنو ضجعم کو شکست دے کر ان کی ساری قلمرو (حکمرانی) پر قبضہ کر لیا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر رومیوں نے بھی آل غسان کو دیارِ شام کے عرب باشندوں کا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ آلِ غسان کا پایہ تخت دومۃ الجندل تھا اور رومیوں کے آلہ کار کی حیثیت سے دیارِ شام پر ان کی حکمرانی مسلسل قائم رہی یہاں تک کہ خلافت فاروقی میں سن 13 ہجری میں یرموک کی جنگ پیش آئی اور آلِ غسان کا آخری حکمران جبلہ بن ایہم حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ (محاضرات خضری جلد 1 صفحہ 34' تاریخ ارض القرآن جلد 2 صفحہ 80 تا 82)

حجاز کی امارت

یہ بات تو معروف ہے کہ مکہ میں آبادی کا آغاز حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہوا۔ آپ نے 137 سال کی عمر پائی۔ (پیدائش مجموعہ بائبل 25-17) اور تا حیات مکہ کے سربراہ اور بیت اللہ کے متولی رہے۔ (قلب جزیرۃ العرب صفحہ 230 تا 237) آپ کے بعد آپ کے دو صاحب زادگان...... نابت پھر قیدار یا قیدار پھر نابت...... یکے بعد دیگرے مکہ کے والی ہوئے' ان کے بعد ان کے نانا مضاض بن عمرو جرہمی نے زمام کار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس طرح مکہ کی سربراہی بنو جرہم کی طرف منتقل ہو گئی اور ایک عرصے تک انہیں کے ہاتھ میں رہی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام چونکہ (اپنے والد کے ساتھ مل کر) بیت اللہ کے بانی و معمار تھے اس لیے ان کی اولاد کو ایک باوقار مقام ضرور حاصل رہا لیکن اقتدار و اختیار میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 111 تا 113)

وقت گزرتا گیا' صدیاں گزر گئیں لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد گوشہ گم نامی سے نہ نکل سکی یہاں تک کہ بُختِ نصّر (شداد بن عاد) کے ظہور سے کچھ پہلے بنو جرہم کی طاقت کمزور پڑ گئی اور مکہ کے اُفق پر عدنان کا

سیاسی ستارہ جگمگاتا شروع ہوا اس کا ثبوت یہ ہے کہ بخت نصر نے عربوں سے جو کہ معرکہ آرائی کی تھی اس میں عرب فوج کا کمانڈر جرہمی نہ تھا۔ (قلب جزیرۃ العرب صفحہ 230)

پھر بُختِ نَصر نے جب 587ء ق م میں دوسرا حملہ کیا تو بنوعدنان مصلحتاً یمن چلے گئے اس وقت بنواسرائیل کے نبی حضرت یرمیاہ علیہ السلام تھے۔ وہ عدنان کے بیٹے معد کو اپنے ساتھ ملک شام لے گئے اور جب بخت نصر کا دور ختم ہوا اور معد مکہ آئے تو انہیں مکہ میں قبیلہ جرہم کا صرف ایک شخص جرشم بن جلہمہ ملا۔ معد نے اس کی لڑکی معانمہ سے شادی کی اور اسی کے بطن سے نزار پیدا ہوا۔ (رحمتہ اللعالمین جلد 2 صفحہ 48)

اس کے بعد مکہ میں جرہم کی حالت خراب ہوتی گئی' انہیں تنگ دستی نے آ گھیرا' نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے زائرین بیت اللہ پر زیادتیاں شروع کر دیں اور خانہ کعبہ کا مال کھانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ (قلب جزیرۃ العرب صفحہ 231) ادھر بنوعدنان اندر ہی اندر ان کی حرکتوں پر کُڑھتے رہے اسی لیے جب بنوخزاعہ نے مرالظہر ان میں پڑاؤ کیا اور دیکھا کہ بنوعدنان' بنوجرہم سے نفرت کرتے ہیں تو اس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ایک عدنانی قبیلے (بنوبکر بن عبدمناف بن کنانہ) کو ساتھ لے کر بنوجرہم کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور انہیں مکہ سے نکال کر اقتدار پر خود قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ دوسری صدی عیسوی کے وسط کا ہے۔

بنوجرہم نے مکہ چھوڑتے وقت زمزم کا کنواں پاٹ دیا اور اس میں کئی تاریخی چیزیں دفن کر کے اس کے نشانات بھی مٹا دیئے۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عمرو بن حارث مضاض جرہمی (یہ وہ مضاض جرہمی نہیں ہے جس کا زمانہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ہے) نے خانہ کعبہ کے دونوں ہرن (مروج الذہب جلد 1 صفحہ 205) اور اس کے کونے میں لگا ہوا پتھر ''حجر اسود'' نکال کر زمزم کے کنویں میں دفن کر دیا اور اپنے قبیلہ بنوجرہم کو ساتھ لے کر یمن چلا گیا۔ بنوجرہم کو مکہ سے جلاوطنی اور وہاں کی حکومت سے محروم ہونے کا بڑا قلق تھا۔ چنانچہ عمرو مذکور نے اسی سلسلے میں یہ اشعار کہے (دو شعروں کا اُردو ترجمہ حسب ذیل ہے)

1- لگتا ہے حجون سے صفا تک کوئی آشنا تھا ہی نہیں اور نہ کسی قصہ گو نے مکہ کی شبانہ محفلوں میں قصہ گوئی کی۔

2- کیوں نہیں! یقیناً ہم ہی اس کے باشندے تھے لیکن زمانہ کی گردشوں اور ٹوٹی ہوئی قسمتوں نے ہمیں اُجاڑ پھینکا۔ (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 114'115)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا زمانہ تقریباً دو ہزار برس قبل مسیح ہے اس حساب سے مکہ میں قبیلہ جرہم کا وجود کوئی دو ہزار ایک سو برس قبل مسیح تک رہا ہے اور ان کی حکمرانی لگ بھگ دو ہزار برس تک رہی۔ بنوخزاعہ نے مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد بنوبکر کو شامل کیے بغیر تنہا اپنی حکمرانی قائم کی البتہ تین درج ذیل' اہم اور امتیازی مناصب ایسے تھے جو مضری قبائل کے حصے میں آئے۔

1- حاجیوں کوعرفات سے مزدلفہ لے جانا اور یوم النصر 13 ذی الحجہ کو جو کہ حج کے سلسلے کا آخری دن ہے' منیٰ سے روانگی کا پروانہ دینا۔ یہ اعزاز الیاس بن مضر کے خاندان بنوغوث بن مرہ کو حاصل تھا جوصوفہ کہلاتے تھے اس اعزاز کی توضیح یہ ہے کہ 13 ذی الحجہ کو حاجی کنکری نہ مار سکتے تھے جب تک کہ پہلے صوفہ کا ایک ایک آدمی کنکر نہ مار لیتا پھر حاجی کنکری مار کر فارغ ہو جاتے اور منیٰ سے روانگی کا ارادہ کرتے تو صوفہ کے لوگ منیٰ کے واحد گزرگاہ عقبہ کے دونوں جانب گھیرا ڈال کر کھڑے ہو جاتے اور جب تک خود گزر نہ لیتے کسی کو گزرنے نہ دیتے۔ ان کے گزر لینے کے بعد بقیہ لوگوں کے لیے راستہ خالی ہوتا جب صوفہ ختم ہو گئے تو یہ اعزاز بنوتمیم کے ایک خاندان بنوسعد بن زید مناۃ کی طرف منتقل ہو گیا۔

2- 10 ذی الحجہ کی صبح کو مزدلفہ سے منیٰ کی جانب افاضہ (روانگی) یہ اعزاز بنوعدوان کو حاصل تھا۔

3- حرام مہینوں کو آگے پیچھے کرنا' یہ اعزاز بنوکنانہ کی ایک شاخ بنوتمیمہ بن عدی کو حاصل تھا۔

(ابن ہشام جلد 1 صفحہ 44' 119' 122)

مکہ پر بنوخزاعہ کا اقتدار کوئی تین سو برس تک قائم رہا۔ (معجم یاقوت' مادۃ مکہ) اور یہی زمانہ تھا جب عدنانی قبائل مکہ اور حجاز سے نکل کر نجد اطراف عراق اور بحرین وغیرہ میں پھیلے اور مکہ کے اطراف میں صرف قریش کی چند شاخیں باقی رہیں جو خانہ بدوش تھیں۔ ان کی الگ الگ ٹولیاں تھیں اور بنوکنانہ میں ان کے چند گھرانے تھے مگر مکہ کی حکومت اور بیت اللہ کی تولیت میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا یہاں تک کہ قصی بن کلاب کا ظہور ہوا۔

(محاضرات خضریٰ جلد 1 صفحہ 35' ابن ہشام جلد 1 صفحہ 117)

قصی کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ ابھی گود میں ہی تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا اس کے بعد اس کی والدہ نے بنوعذرہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے شادی کر لی۔ یہ قبیلہ چونکہ ملک شام کے اطراف میں رہتا تھا اس لیے قصی کی والدہ وہیں چلی گئیں اور وہ قصی کو بھی اپنے ساتھ لیتی گئی۔ جب قصی جوان ہوا تو مکہ واپس آیا اس وقت مکہ کا والی حلیل بن حبشیہ خزاعی تھا۔ قصی نے اس کے پاس اس کی بیٹی حبی سے نکاح کے لیے پیغام بھیجا۔ حلیل نے منظور کر لیا اور شادی کر دی۔ (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 117' 118) اس کے بعد جب حلیل کا انتقال ہوا تو مکہ اور بیت اللہ کی تولیت کے لیے خزاعہ اور قریش کے درمیان جنگ ہوگئی اور اس کے نتیجے میں مکہ اور بیت اللہ پر قصی کا اقتدار قائم ہو گیا۔

قصی کے ابتدائی حالات' شادی تولیتِ کعبہ دیگر اصلاحات اور دارالندوہ کی تعمیر وغیرہ کے بارے میں آپ مزید باب بنام ''خاندان نبوت'' نبی کریم ﷺ کے اجداد کرام از عدنان تا سیدنا حضرت عبداللہ میں سب ٹائٹل ''قصی'' کے تحت پڑھیں گے۔

عرب سرداریاں

ہم پچھلے صفحات میں عدنانی قبائل کے ترکِ وطن کا ذکر کر چکے ہیں اور بتلا چکے ہیں کہ پورا ملک عرب ان

قبائل کے درمیان تقسیم ہوگیا تھا اس کے بعد ان کی امارتوں اور سرداریوں کا نقشہ کچھ یوں تھا کہ جو قبائل حیرہ کے اردگرد آباد تھے' انہیں حکومت حیرہ کے تابع مانا گیا اور جن قبائل نے بادیۃ الشام میں سکونت اختیار کی تھی' انہیں غسانی حکمرانوں کے تابع قرار دیا گیا مگر یہ ماتحتی صرف نام کی تھی' عملاً نہ تھی' ان دو مقامات کو چھوڑ کر اندرون عرب آباد قبائل بہر طور آزاد تھے۔

اور ان قبائل میں سرداری نظام رائج تھا' قبیلے خود اپنا سردار مقرر کرتے تھے اور ان سرداروں کے لیے ان کا قبیلہ ایک مختصر سی حکومت ہوا کرتا تھا۔ سیاسی وجود و تحفظ کی بنیاد قبائلی وحدت پر مبنی عصبیت اور اپنی سرزمین کی حفاظت و دفاع کے مشترکہ مفادات تھے۔

قبائلی سرداروں کا درجہ اپنی قوم میں بادشاہوں جیسا تھا' قبیلہ صلح و جنگ میں بہرحال اپنے سردار کے فیصلے کے تابع ہوتا تھا اور کسی حال میں اس سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا تھا۔ سردار کو وہی مطلق العنانی اور استبداد (اطاعت و قوت حکمرانی) حاصل تھی جو کسی ڈکٹیٹر کو حاصل ہوا کرتی ہے حتیٰ کہ بعض سرداریوں کا یہ حال تھا کہ اگر وہ بگڑ جاتے تو ہزاروں تلواریں یہ پوچھے بغیر بے نیام ہو جاتیں کہ سردار کے غصے کا سبب کیا ہے۔

تاہم چونکہ ایک ہی کنبے کے چچیرے بھائیوں میں سرداری کے لیے کشاکش بھی ہوا کرتی تھی اس لیے اس کا تقاضا تھا کہ سردار اپنے قبائلی عوام کے ساتھ رواداری برتے' خوب مال خرچ کرے' مہمان نوازی میں پیش پیش رہے' کرم و بردباری سے کام لے' شجاعت کا عملی مظاہرہ کرے اور غیرت مندانہ امور کی طرف سے دفاع کرے تاکہ لوگوں کی نظر میں عموماً اور شعراء کی نظر میں خصوصاً خوبی و کمالات کا جامع بن جائے کیونکہ شعراء اس دور میں قبیلے کی زبان ہوا کرتے تھے اور اس طرح سردار اپنے مدمقابل حضرات سے بلند و بالا درجہ حاصل کرلے۔

سرداروں کے کچھ مخصوص اور امتیازی حقوق بھی ہوا کرتے تھے جنہیں ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے

ترجمہ: ہمارے درمیان تمہارے لیے (سردار کے لئے) مالِ غنیمت کا چوتھائی ہے اور منتخب مال ہے اور وہ مال ہے جس کا تم فیصلہ کردو اور جو سرِراہ ہاتھ آجائے اور جو تقسیم سے بچ رہے۔

مرباع: مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ

صفی: وہ مال جسے تقسیم سے پہلے ہی سردار اپنے لیے منتخب کرلے۔

نشیطہ: وہ مال جو اصل قوم تک پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں سردار کے ہاتھ لگ جائے۔

فضول: وہ مال جو تقسیم کے بعد بچ رہے اور غازیوں کی تعداد پر برابر تقسیم نہ ہو۔ مثلاً تقسیم سے بچے ہوئے اونٹ گھوڑے وغیرہ ان سب اقسام کے مال پر سردار قبیلہ کا حق ہوا کرتا تھا۔

سیاسی حالت

جزیرہ عرب میں بادشاہوں' حکومتوں' امارتوں اور سرداریوں کے تحت ایک مخصوص قسم کے سیاسی و معاشرتی

حالات اُبھرآئے تھے‘ان کامختصر سابیان حسب ذیل ہے:

جزیرۃ العرب کے وہ تینوں سرحدی علاقے جو غیر ممالک کے پڑوس میں پڑتے تھے‘ان کی سیاسی حالت سخت اضطراب وانتشاراور انتہائی زوال وانحطاط کا شکار تھی۔انسان‘مالک اور غلام یا حاکم اور محکوم کے دوطبقوں میں بٹا ہوا تھا‘ سارے فوائد سربراہوں اور خصوصاً غیر ملکی سربراہوں کو حاصل تھے اور سارا بوجھ غلاموں کے سر تھا‘ اسے زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ رعایا درحقیقت ایک کھیتی تھی جو حکومت کے لیے محاصل اور آمدنی فراہم کرتی تھی اور حکومتیں اسے لذتوں‘ شہوتوں‘ عیش رانی اور ظلم وجور کے لیے استعمال کرتی تھیں۔

اوران پر ہر طرف سے ظلم کی بارش ہورہی تھی مگر وہ حرف شکایت زبان پر نہ لاسکتے تھے بلکہ ضروری تھا کہ طرح طرح کی ذلت ورسوائی اور ظلم وچیرہ دستی برداشت کریں اور زبان بند رکھیں کیونکہ جبرواستبداد کی حکمرانی تھی اور انسانی حقوق نام کی کسی چیز کا کہیں کوئی وجود نہ تھا۔

ان علاقوں کے پڑوس میں رہنے والے قبائل تذبذب کا شکار تھے‘انہیں اغراض وخواہشات ادھر سے ادھراور ادھر سے ادھر پھینکتی رہتی تھیں‘ کبھی وہ عراقیوں کے ہم نوا ہو جاتے تھے اور کبھی شامیوں کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔

جو قبائل اندرون عرب آباد تھے‘ ان کے بھی جوڑ ڈھیلے اور شیرازہ منتشر تھا‘ ہر طرف قبائلی جھگڑوں‘ نسلی فسادات اور مذہبی اختلافات کی گرم بازاری تھی‘جس میں ہر قبیلے کے افراد بہرصورت اپنے اپنے قبیلے کا ساتھ دیتے تھے خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر مثال کے طور پر درج ذیل فقرہ ان کے خیالات وانداز کی خوب ترجمانی کرتا ہے اور ان میں انتہا کی قبائلی عصبیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

''میں بھی تو قبیلہ غزیہ ہی کا ایک فرد ہوں اگر وہ غلط راہ پر چلے گا تو میں بھی غلط راہ پر چلوں گا اور اگر وہ صحیح راہ پر چلے گا تو میں بھی صحیح راہ پر چلوں گا۔''

اندرونِ عرب کوئی بادشاہ نہ تھا جو ان کی آواز کو قوت پہنچاتا‘ ہروقت مدد کرتا اور نہ کوئی مرجع ہی تھا جس کی طرف مشکلات وشدائد میں رجوع کیا جاتا اور جس پر وقت پڑنے پر اعتماد کیا جاتا۔

ہاں حجاز کی حکومت کو قدرواحترام کی نگاہ سے یقیناً دیکھا جاتا تھا اور اسے مرکز دین کا قائد وپاسبان بھی تصور کیا جاتا تھا۔یہ حکومت درحقیقت ایک طرح کی دنیاوی قیادت اور دینی پیشوائی کا معجون مرکب تھی۔اسے اہلِ عرب پر دینی پیشوائی کے نام سے بالادستی حاصل تھی اور حرم اور اطراف حرم پر اس کی باقاعدہ حکمرانی تھی۔وہی زائرین بیت اللہ کی ضروریات کا انتظام اور شریعتِ ابراہیمی کے احکام کا نفاذ کرتی تھی اور اسے کے پاس پارلیمانی اداروں جیسے ادارے اور تشکیلات بھی تھیں لیکن یہ حکومت اتنی کمزور تھی کہ اندرون عرب کی ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھانے کی طاقت نہ رکھتی تھی جیسا کہ حبشیوں کے حملے کے موقع پر ظاہر ہوا۔

جزیرہ عرب کے مذاہب

عرب میں دیگر مذاہب کا وجود

بت پرستی کے علاوہ عرب میں بعض اور مذاہب بھی موجود تھے بلکہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو ملحد اور بے دین تھے۔ عربوں میں قیامت اور دوبارہ زندگی کے انکار کا خیال عام طور سے پایا جاتا تھا۔ عام مذاہب میں سے چار مذاہبوں کا وجود عرب میں غیر مشکوک طریقہ سے تھا۔ صابیت' مجوسیت' یہودیت اور عیسائیت' صائبیت یعنی ستارہ پرستی زیادہ تر اہلِ یمن میں نظر آتی ہے اور کسی قدر شمالی عرب میں بھی اس کا سراغ ملتا ہے اور نہایت قدیم زمانے سے اس کا عرب میں موجود ہونا معلوم ہوتا ہے۔

مجوسیت (زرتشتی' آتش پرستی)

مجوسیت اصل میں ایران کا مذہب تھا جو وہاں قدیم زمانے سے موجود تھا اس کا بانی زرتشت تھا۔ زرتشتی خود اپنے آپ کو مجوس نہیں کہتے' عربی میں یہ لفظ یونانی زبان سے آیا ہے' یونان ان کو میجوس کہتے ہیں اس لفظ کی اصل فارسی لفظ مغ ہے۔ زرتشت نے ابتدا میں ایک خدا اہورامزدا پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ساسانی دورِ حکومت میں مجوس ''یزدان'' اور ''اہرمن'' دو خداؤں کے قائل تھے۔ یزدان (اھورامزدا) کو فاعل خیر کہتے اور اہرمن کو فاعل شر کہتے تھے۔ قرآنِ کریم ان کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اور اللہ نے کہا کہ تم دو معبود نہ ٹھہراؤ بس معبود تو ایک ہی ہے۔ سو تم مجھ ہی سے ڈرو۔''

(سورہ نحل وسجدہ آیت 51)

عرب کے مغربی اور شمالی علاقے روم کے زیر اثر تھے اور مشرقی وجنوبی علاقے ایران کے زیر اثر تھے' طاقت اور شان وشوکت میں دنیا کی کوئی حکومت ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی' تہذیب وتمدن پر بھی انہی کی اجارہ داری تھی۔

ایران کی حکومت نہایت قدیم زمانے سے قائم تھی اور انہوں نے دنیا کی ایک تہائی آبادی پر اپنی سلطنت قائم کر رکھی تھی مگر بعثت سے ڈیڑھ سو برس پہلے مسلسل بغاوتوں' خون ریزی اور سیاسی بدامنیوں نے ایران کو تہ وبالا کر دیا تھا۔ بعثت سے قبل قباد اوّل بن فیروز ایران کا حاکم بنا مگر بیرونی حملے اور اندرونی بدنظمیاں بڑھتی گئیں' آخر لوگوں نے قباد کو قید کر دیا۔ قباد نے قید خانے سے بھاگ کر اپنی جان بچائی اور کچھ عرصے بعد کوشش کر کے دوبارہ حکومت

حاصل کرلی۔

اسی کے عہد میں مزدک نامی ایک شخص پیدا ہوا' وہ اس بات کی تعلیم دیتا تھا کہ دولت اور عورت کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں بلکہ ان کو سب کے لیے مشترک ہونا چاہیے۔ چنانچہ عیش پرست امراء اور عوام دونوں نے اس فلسفے کو بخوشی قبول کیا اور بہت جلد یہ نظریہ سرکاری سرپرستی میں ترقی حاصل کرنے لگا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سارا ملک عیش پرستی کا شکار ہو کر رہ گیا۔

531ء میں قباد کی جگہ خسرو نوشیرواں نے لے لی اس کی عدل پروری ایرانیوں میں اب تک مشہور ہے اس نے 579ء میں وفات پائی اور ایران کا پایہ تخت ہرمز چہارم کے حصے میں آیا' بیرونی دست اندازیوں اور اندرونی بدنظمی' امراء کی عیش پرستی اور عوام کے اخلاقی انحطاط میں برابر ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ 636ء میں سلطنت فارس کی یہ ٹمٹاتی ہوئی شمع مجاہدینِ اسلام کے سامنے ہمیشہ کے لیے گل ہوگئی۔

(سیرت النبی جلد 4 صفحہ 120 تا 122' رحمۃ اللعالمین جلد 3 صفحہ 70'71)

جہاں تک مجوسی مذہب کا تعلق ہے تو اسے زیادہ تر اہلِ فارس (پرشیا' ایران) کے ہمسایہ عربوں میں فروغ حاصل ہوا تھا۔ مثلاً عراق عرب، بحرین (الاحساء) حجر اور خلیج عربی کے ساحلی علاقے ان کے علاوہ یمن پر فارسی قبضے کے دوران وہاں بھی اِکا دُکا افراد نے مجوسیت قبول کی۔

اہلِ ایران کی اکثریت آتش پرست تھی' انہوں نے اہم مقامات پر آگ کی پرستش کے لیے عظیم آتش کدے تعمیر کر رکھے تھے جہاں آگ ہر وقت جلتی رہتی تھی اور ایک لمحہ کے لیے بھی اسے بجھنے نہ دیا جاتا تھا۔ عرب کے وہ علاقے جو ایران کی حدود کے قریب واقع تھے اور جو قبائل وہاں آباد تھے' ان میں آتش پرستی کی وباء پھیلی ہوئی تھی۔ چنانچہ بنی تمیم کے سردار زرارہ بن عدس تمیمی اور اس کے بیٹے حاجب نے مجوسیت کو اختیار کیا اگرچہ اہلِ عرب اپنی بیٹی کے ساتھ نکاح کو حرام اور فعل شنیع خیال کرتے تھے لیکن مجوسیوں کا اتباع کرتے ہوئے حاجب نے اپنی بیٹی کے ساتھ نکاح کیا اس سے اس کی اولاد بھی ہوئی۔ اقرع بن حابس' یہ آتش پرست تھے اور وکیع بن حسان کا دادا ابوالاسود بھی مجوسی تھا۔

قبیلہ بنو تمیم مجوسی تھا' یہ لوگ عملاً آتش پرست تھے' آگ ہی کو سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے اس کفر و شرک اور فسق و فجور کے ماحول میں خال خال فطرت سلیم کے حامل افراد بھی ملتے تھے۔

نصرانیت یا عیسائیت

عرب میں دوسرا اہم مذہب نصرانیت تھا اس کا اصل گڑھ مکہ کے جنوب میں یمن کا علاقہ نجران تھا۔

جہاں تک عیسائی مذہب کا تعلق ہے تو بلادِ عرب میں اس کی آمد حبشی اور رومی قبضہ گیروں اور فاتحین کے ذریعے ہوئی۔ ہم بتا چکے ہیں کہ یمن پر حبشیوں کا قبضہ پہلی بار 340ء میں ہوا اور 378ء تک برقرار رہا اس دوران

یمن میں مسیح مشن کام کرتا رہا تقریباً اسی زمانے میں ایک مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات زاہد جس کا نام فیمیون تھا' نجران پہنچا اور وہاں کے باشندوں میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کی۔ اہلِ نجران نے اس کی اور اس کے دین کی سچائی کی کچھ ایسی علامات دیکھیں کہ وہ عیسائیت کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 31 تا 34)

پھر ''ذونواس'' کی کارروائی کے ردعمل کے طور پر حبشیوں نے دوبارہ یمن پر قبضہ کیا اور ابرہہ نے حکومتِ یمن کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے لی تو اس نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ بڑے پیمانے پر عیسائیت کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ اسی جوش و خروش کا نتیجہ تھا کہ اس نے یمن میں ایک کعبہ تعمیر کیا اور کوشش کی کہ اہلِ عرب کو (مکہ اور بیت اللہ سے) روک کر اسی کا حج کرائے اور مکہ کے بیت اللہ شریف کو ڈھا دے لیکن اس کی اس جرأت پر اللہ تبارک تعالیٰ نے اسے ایسی سزا دی کہ اوّلین و آخرین کے لیے عبرت بن گیا۔

دوسری طرف رومی علاقوں کی ہمسائیگی کے سبب آلِ غسان بنو تغلب اور بنوطی وغیرہ عرب قبائل میں بھی عیسائیت پھیل گئی تھی بلکہ حیرہ کے بعض عرب بادشاہوں نے بھی عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔

ربیعہ' غسان اور بعض قضاعہ نے نصرانیت کو قبول کر لیا کیونکہ ان کے علاقے رومی مملکت کی سرحدوں سے بالکل قریب تھے اور اہلِ عرب تجارت کے لیے بار بار ان ممالک میں جایا کرتے تھے۔ بنو تغلب جو عرب کا بڑا طاقت ور اور ذی شوکت قبیلہ تھا' اس نے بھی عیسائیت کو قبول کر لیا۔

عرب میں عیسائیت کا وجود

عیسائیت شام کا شاہی مذہب تھا اسی لیے شمالی عرب کے وہ قبائل جو حدودِ شام میں جا کر آباد ہو گئے تھے' انہوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ لخم' جذام' عاملہ' مذحج' بہراء' سلیح وغیرہ قبائل میں عیسائیت کی تبلیغ عام تھی۔ حدودِ شام سے نکل کر عیسائیت کی تبلیغ حدودِ عراق تک پہنچ چکی تھی' تغلب اور تنوخ کے قبیلے جو عراق کی سمت میں پھیلے ہوئے تھے' وہ قبیلے عیسائی تھے۔ حیرہ کے عرب بادشاہوں نے گو مستقل طور سے عیسائیت قبول نہیں کی تاہم اس بناء پر کہ ان کے حرم میں عیسائی عورتیں تھیں' ان میں متعدد بادشاہ عیسائی ہو گئے تھے۔ حیرہ میں ان ہی عورتوں نے دیر اور کلیسے (عبادت گاہیں) بنوائے تھے یہاں راہب لوگ رہتے تھے اور ان کے ذریعے سے یہاں نوشت و خواند (پڑھنے لکھنے) کا کسی قدر رواج تھا۔ چنانچہ سلاطین حیرہ کے حالات ان ہی دیروں اور کلیساؤں میں مؤرخین اسلام نے قلم بند پائے تھے۔

اندرونِ عرب میں بھی عیسائیت کے نشانات ملتے ہیں۔ طے کا قبیلہ جو نجلا کے قریب آباد تھا' عیسائی تھا' قبیلہ قریش کے خاندان بنی اسد میں چند آدمی عیسائی ہو گئے تھے جن میں ورقہ بن نوفل کا نام تو احادیث صحاح میں مذکور ہے۔ عثمان بن حویرث بھی اسی خاندان کے ایک عیسائی تھے۔ اوس و خزرج میں بھی ایک دو آدمی عیسائی تھے۔ جنوبی عرب میں نجران ایک مقام ہے وہاں تمام تر لوگ عیسائی تھے وہاں کلیسا بھی تھا جس میں راہب رہا کرتے تھے۔

خاص یمن کے اندر باوجود اس کے کہ عیسائی حبشیوں نے 40-50 برس حکومت کی عیسائیت فروغ نہ پاسکی، تمام سلاطین یمن میں صرف عبد کلال نام کا ایک بادشاہ عیسائی تھا۔

گو کہ اس سرزمین پر کثرت مشرکین کی ہی تھی مگر کہیں کہیں یہودی، عیسائی اور مجوسی بھی آباد تھے، قبیلہ ربیعہ اور غسان دونوں نصرانیت کے پیروکار تھے۔ بنو قضاعہ میں بھی کچھ لوگ عیسائیت قبول کر چکے تھے مکہ معظمہ میں ورقہ بن نوفل اور کچھ اور لوگ بھی عیسائی ہو گئے تھے۔

دین یہودیت

جب فلسطین میں بابل اور آشور کی حکومت کی فتوحات کے سبب یہودیوں کو ترک وطن کرنا پڑا اس حکومت کی سخت گیری اور بخت نصر کے ہاتھوں یہودی بستیوں کی تباہی و ویرانی، ان کے ہیکل کی بربادی اور ان کی اکثریت کی ملک بابل کو جلاوطنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہود کی ایک جماعت فلسطین چھوڑ کر حجاز کے شمالی اطراف میں آبسی۔

(قلب جزیرۃ العرب صفحہ 251)

دوسرا دور اس وقت شروع ہوتا ہے جب ٹائیٹس رومی کی زیر قیادت 70ء میں رومیوں نے فلسطین پر قبضہ کیا اس موقع پر رومیوں کے ہاتھوں یہودیوں پر ظلم و ستم اور ان کے ہیکل کی بربادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ متعدد یہودی قبیلے حجاز بھاگ آئے اور یثرب، خیبر اور تیماء میں آباد ہو کر یہاں اپنی باقاعدہ بستیاں بسالیں اور قلعے اور گڑھیاں تعمیر کر لیں۔ ان تارکین وطن یہود کے ذریعے عرب باشندوں میں کسی قدر یہودی مذہب کا بھی رواج ہوا اور اسے بھی ظہور اسلام سے پہلے اور اس کے ابتدائی دور کے سیاسی حوادث میں ایک قابلِ ذکر حیثیت حاصل ہو گئی۔

ظہورِ اسلام کے وقت مشہور یہودی قبائل یہ تھے۔ خیبر، نضیر، مصطلق، قریظہ اور قینقاع۔ سمہودی نے وفا الوفا صفحہ 116 میں ذکر کیا ہے کہ یہود قبائل کی تعداد 20 سے زیادہ تھی۔ (قلب جزیرۃ العرب صفحہ 251)

یہودیت کو یمن میں بھی فروغ حاصل ہوا یہاں اس کے پھیلنے کا سبب تبان اسعد ابو کرب تھا۔ یہ شخص جنگ کرتا ہوا یثرب پہنچا وہاں یہودیت قبول کر لی اور بنو قریظہ کے دو یہودی علماء کو اپنے ساتھ یمن لے آیا اور ان کے ذریعے یہودیت کو یمن میں وسعت اور پھیلاؤ حاصل ہوا۔ ابو کرب کے بعد اس کا بیٹا یوسف ذونواس یمن کا حاکم ہوا تو اس نے یہودیت کے جوش میں نجران کے عیسائیوں پر ہلہ بول دیا اور انہیں مجبور کیا کہ یہودیت قبول کریں مگر انہوں نے انکار کر دیا اس پر ذونواس نے خندق کھدوائی اور اس میں آگ جلوا کر بوڑھے، بچے مرد عورت سب کو بلاتمیز آگ کے الاؤ میں جھونک دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس حادثے کا شکار ہونے والوں کی تعداد 20 سے 40 ہزار کے درمیان تھی۔ یہ اکتوبر 523ء کا واقعہ ہے۔ قرآن مجید نے سورۂ بروج آیات 4 تا 8 میں اسی واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 20 تا 36)

حمیر میں پہلے اکثریت مجوسیوں اور آفتاب پرستوں کی تھی، ان کے بعد یہاں یہودی مذہب کو قبولِ عام اور

غلبہ حاصل ہو گیا اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب تبع شام وغیرہ ممالک کو فتح کرنے کے بعد واپس لوٹا تو اس کا گزر یثرب کی بستی کے پاس سے ہوا اس نے احد کی ترائی (وادی‘ میدان) میں اپنے خیمے نصب کیے اور یثرب پر حملہ کر کے ساڑھے تین سو باشندوں کو قتل کر دیا‘ اس نے چاہا کہ وہ یثرب کو نیست و نابود کر دے۔ یثرب کا ایک یہودی عالم جس کی عمر اڑھائی سو سال کے قریب تھی‘ وہ اس کے قریب آیا اور کہا اے بادشاہ! غصہ سے بے قابو ہو کر تو ہمیں قتل نہ کر‘ ہمارے بارے میں جھوٹی افواہوں کو قبول نہ کر‘ تو کچھ بھی کرے اس بستی کو اُجاڑ نہیں سکتا۔ تبع نے پوچھا‘ کیوں؟ تو اس بوڑھے یہودی نے کہا‘ یہ وہ جگہ ہے جہاں اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ایک نبی مکرم ہجرت کر کے تشریف لائے گا جس کو مکہ سے جلاوطن کیا جائے گا۔ تبع اپنے ارادہ سے باز آ گیا اس یہودی عالم اور ایک دوسرے یہودی عالم کی معیت میں مکہ کی طرف روانہ ہوا وہاں پہنچ کر خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا پھر وہ اپنے وطن یمن کو واپس لوٹا اس کے ساتھ یہ دونوں یہودی عالم بھی تھے‘ وہ ان کی تبلیغ سے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا جب یہ خبر اہلِ یمن نے سُنی تو انہوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔

آخرکار فیصلہ یہ ہوا کہ آگ جلائی جائے اور اس میں یہ دو یہودی عالم بھی داخل ہوں اور اہلِ یمن کے چند لوگ بھی داخل ہوں‘ آگ جن کو جلا دے‘ وہ جھوٹے اور جو محفوظ رہیں‘ وہ سچے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب یہ دونوں فریق اس آتش کدے میں داخل ہوئے تو آگ کے شعلوں نے یمنیوں کو جلا کر خاکستر کر دیا اور دونوں یہودی عالم صحیح سلامت آگ سے باہر آ گئے۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر اہلِ یمن نے یہودیت کو اختیار کیا‘ ان کے علاوہ بنی کنانہ‘ کندہ‘ بنی حارث سے بھی چند لوگوں نے یہودیت کو قبول کر لیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پڑوس میں یثرب اور خیبر میں یہودی آباد تھے‘ ان کی تبلیغ اور تعلیم سے یہ لوگ متاثر ہوئے اور یہودی بن گئے۔

(بلوغ الارب جلد 2 صفحہ 240‘241)

بنو حمیر کنانہ‘ حرث اور بنو کندہ‘ یہ یہودی قبائل تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کا کافی عمل دخل تھا‘ انہوں نے وہاں کئی درس گاہیں جنہیں بیت المدارس کہتے تھے‘ کھول لی تھیں جن میں باقاعدہ یہودیت کی تعلیم دی جاتی تھی‘ خیبر کی ساری آبادی یہود پر مشتمل تھی۔

یہودیت کا وجود

جزیرۂ عرب میں یہودیت نے بڑا برگ و بار پیدا کیا۔ حمیر یہودی تھے بنی کنانہ‘ بنی الحارث بن کعب اور کندہ میں بھی یہودیت تھی۔ یثرب سے شام تک عرب کے اکثر سبز مقامات یہودیوں کے قبضہ میں تھے۔ بنو قریظہ‘ بنو قینقاع‘ اہلِ خیبر تمام کے تمام یہودی تھے۔ (معارف ابن قتیبہ اور یعقوبی جلد 1 صفحہ 298)

یثرب یعنی مدینہ منورہ میں یہودیوں کی آبادی تھی یہاں ان کا ایک بیت المدارس تھا جہاں علمائے یہود اپنی مذہبی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کر کے سامعین کو سنایا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری) یثرب میں یہودیوں کے مذہبی

تقدس کا اتنا اثر تھا کہ اوس و خزرج کے قبیلوں میں لوگ نذر مانتے تھے کہ بچہ اگر زندہ رہا تو اس کو یہودی بنائیں گے۔

(ابوداؤد)

یہودی ایشیا، یورپ اور افریقہ کے مختلف حصوں میں آباد تھے، ان کے پاس اللہ تبارک تعالیٰ کی کتاب تورات تو تھی مگر اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہر جگہ ذلیل و خوار تھے۔ تورات میں تحریف کرتے تھے، سودی کاروبار ان کی رگ و پے میں رچا بسا ہوا تھا، مال کی حرص اور سنگ دِلی ان کا مزاج بن گئی تھی، اخلاقی طور پر اتنے پست اور ذلیل ہو چکے تھے کہ اگر کوئی غیر عورت ان کے بازار کی طرف جانکلتی تو اس کے لیے عزت بچانا مشکل ہو جاتا۔ کسی بچے کو معمولی زیور کے لالچ میں موقع پاتے ہی بے دردی سے قتل کر کے زیور اُتار لیتے۔

ان کی دینی حالت بھی نہایت بدتر تھی، انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر ایک نبی و پیغمبر کی تکذیب کی تھی۔ تورات کا ان کے پاس وجود ہی نہ رہا تھا اس لیے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا دارومدار احبار (یہود کے مذہبی پیشوا) کے بیانات پر رہ گیا تھا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کی رہنمائی کے لیے بکثرت انبیاء و رسل مبعوث فرمائے مگر وہ اس قدر بدبخت تھے کہ انہوں نے انبیاء کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔

یہود کے علماء اور دینی رہنماؤں کی حالت بھی ابتر تھی۔ ظاہری دین داری کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا، روحانی اور اخلاقی اقدار ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ یہ لوگ رشوت لینے، مردار خوری اور سود کھانے میں اس قدر جری ہو چکے تھے کہ معمولی سی حرام کمائی کی خاطر مسائل حقہ اور احکامِ شرعیہ کو تبدیل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

ان کے نزدیک اسلام عربوں کے مشرکانہ عقائد سے زیادہ بُرا تھا، عیسائیوں کی تقلید میں وہ بھی حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا (نعوذ باللہ) کہتے تھے۔ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے یہ لوگ آپ ﷺ کی بعثت کا بے تابانہ انتظار کر رہے تھے، تورات آپ ﷺ کے بارے میں پیشین گوئیوں سے بھری پڑی تھی۔ مدینہ منورہ (اس وقت کے یثرب) میں اوس و خزرج کے لوگ انہی سے سُن سُن کر ایک نبی کی آمد کے منتظر تھے۔

(رحمۃ اللعالمین جلد 3 صفحہ 66 سیرت النبی جلد 4 صفحہ 135، 136)

دہریت یا لادینیت

یہ وہ لوگ ہیں جو کائنات کے خالق کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم قدیم ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا جس میں کوئی جوہری تغیر و تبدل وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ عالم بذات خود کائنات کے تمام اجزا کو آپس میں وابستہ کیے ہوئے ہے۔ انہیں معطلہ بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ بھی کائنات کے خالق کے منکر ہیں اور قیامت کو بھی نہیں مانتے۔ نبوت کا بھی انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں طبیعت زندہ کرتی ہے اور دہر (زمانہ) فنا کرتا ہے، ان کے اس عقیدہ کے بارے میں اللہ تبارک تعالیٰ نے سورۂ جاثیہ آیت 24 میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ

عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝

''ہماری صرف یہ دنیاوی زندگی ہے اس میں ہم مرتے اور زندہ رہتے ہیں اور ہمیں گردش لیل ونہار ہلاک کرتی ہے۔'' (سورہ جاثیہ آیت 24)

اہلِ عرب میں بعض ایسے لوگ تھے جو یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ عالم رنگ وبو یہ آسمان اور زمین پانی اور ہوا اور ساری کائنات اپنے تنوع کے باوجود از خود پیدا ہوگئی ہے اس کو کسی ایسی ذات نے پیدا نہیں کیا جو قدیر علیم' حکیم کی صفات سے متصف ہو۔ ہماری بس یہی زندگی ہے' ہم اس میں جتنی عیش وعشرت کر لیں جتنے اعلیٰ سے اعلیٰ منصب پر فائز ہو جائیں یہی کچھ ہماری کامیابی ہے۔ مرنے کے بعد نہ کوئی برزخ ہے نہ عالم نہ آخرت اور نہ کہیں ہمارے اعمال نیک وبد کا محاسبہ ہوگا اسی اندازِ فکر یا عقیدہ کا نام دہریت ہے۔

صائبیت یا صابی مذہب

صائبیت کی لغوی تشریح

لفظ صابی کی لغوی تشریح بھی کسی قدر تفصیل طلب ہے۔ کہتے ہیں کہ صبا عربی لفظ صبع کا آرامی تلفظ ہے۔ صبع عربی لفظ ''صبع'' کے ہم معنی ہے جس سے عربی میں دوسرا لفظ اصطباغ بنا ہے اس کے اصلی معنی نہانے اور دھونے کے ہیں اور اصطلاحاً بپتسمہ کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ چونکہ یہ فرقہ مذہباً دن میں کئی دفعہ غسل کرتا ہے اس لیے ان کا آرامی نام صابی پڑا اور اسی سے عربی میں آیا۔ لیکن ہمارے سامنے ایک اور لغوی تشریح اس سے زیادہ سہل اور بامعنی موجود ہے۔ اصل یہ ہے کہ سامی زبانوں میں صبا کا لفظ ستاروں کے مفہوم میں عام طور پر مستعمل ہے۔ عبرانی میں اس کے معنی جماعت ستارگان کے ہیں (لسان العرب) عربی میں صبا کے معنی ستارے کے طلوع ہونے اور نکلنے کے ہیں۔ (مفاتیح العلوم خواندی صفحہ 36) چنانچہ قاضی بیضاوی نے صابی کا اشتقاق اسی لفظ سے کیا ہے۔

باقی رہا صابی مذہب تو عراق وغیرہ کے آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران جو کتبات برآمد ہوئے ہیں' ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کلدانی قوم کا مذہب تھا۔ دورِ قدیم میں شام ویمن کے بہت سے باشندے بھی اسی مذہب کے پیرو تھے لیکن جب یہودیت اور پھر عیسائیت کا دور دورہ ہوا تو اس مذہب کی بنیادیں ہل گئیں اور اس کی شمع فروزاں گل ہو کر رہ گئی تاہم مجوس کے ساتھ غلط ملط ہو کر یا ان کے پڑوس میں عراق عرب اور خلیج عربی کے ساحل پر اس مذہب کے کچھ نہ کچھ پیروکار باقی رہے۔

صائبہ

دراصل یہ وہ قوم ہے جس کو دعوتِ حق دینے کے لیے اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا' ان کا مرکز ''حران'' میں تھا۔ حران دجلہ اور فرات کے دوآبہ میں ایک قدیم شہر کا نام ہے جو بلاد مضر کا مرکز تھا۔ یہ اپنے فلاسفہ اور علماء کی وجہ سے بہت مشہور ہے' ثابت بن قرہ اور اس کی اولاد اور البتانی وہاں کے علماء کے

سر برآوردہ ہیں۔(المنجد)

ان صائبین کی دو قسمیں تھیں' ایک موحدین اور دوسرے مشرکین۔ مشرک وہ ہیں جو سات سیارگان اور بارہ برجوں کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں' ہر ایک کے لیے انہوں نے الگ الگ ہیکل (عبادت گاہیں) تعمیر کی ہوئی ہیں جن میں اس سیارہ کی ایک تصویر ہوتی ہے۔ شمس' قمر' زہرہ' مشتری' مریخ' عطارد' زحل کے لیے الگ الگ ہیکل ہیں' سب سے بڑا ہیکل آفتاب کا ہے۔ وہ ان ستاروں کی پوجا کرتے ہیں' ان سے دعائیں مانگتے ہیں' ان کے لیے قربانیاں دیتے ہیں اور مسلمانوں کی طرح دن میں پانچ نمازیں ادا کرتے ہیں۔

ان میں سے بعض فرقے ایسے بھی ہیں جو ماہِ رمضان المبارک کے روزے رکھتے ہیں' نماز ادا کرتے وقت کعبہ کی طرح رُخ کرتے ہیں' مکہ کی تعظیم کرتے ہیں اس کا حج کرتے ہیں جن چیزوں کو قرآن کریم میں حرام کہا گیا ہے' ان کو حرام سمجھتے ہیں اور محارم سے نکاح مسلمانوں کی طرح حرام اور ناجائز سمجھتے ہیں' ان کے دین کا اصل یہ ہے کہ وہ اپنے خیال میں کسی ایک دین کی پابندی نہیں کرتے بلکہ ہر دین سے جو چیز ان کے نزدیک مستحسن ہوتی ہے اس کو اخذ کر لیتے ہیں اس لیے اس کو صابی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ کسی ایک مذہب کے اصولوں کی پابندی سے اپنے آپ کو آزاد کر لیتے ہیں۔

ان میں سے جو مشرک ہیں' ان کا عقیدہ یہ ہے:

"ہمارے لیے اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات تک رسائی حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں بجز ان واسطوں کے پس ہم پر واجب ہے کہ ہم اس کا قرب حاصل کریں' ان روحانیات کے توسط سے جو اس کے قریب ہیں اور وہ روحاسین ہیں' مقربین ہیں جو جسمانی مادوں اور جسمانی قوتوں سے پاک ہیں۔ پس یہ روحاسین ہمارے رب ہیں' ہمارے اللہ ہیں اور رب الارباب (سب خداؤں کے خدا) کے پاس ہمارے شفیع ہیں' ہم ان روحاسین کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ تبارک تعالیٰ کا قرب بخش دیں۔" (بلوغ الارب جلد 2 صفحہ 225' 226)

اہلِ عرب میں بھی بعض لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے عقائد پر قائم تھے' وہ ستاروں کی پوجا کرتے اور ان کے لیے عبادت گاہیں تعمیر کرتے تھے۔

صائبیت کا مختصر حال

صائبین کا اصل مولد بابل تھا' آغاز باب میں بتایا جا چکا ہے کہ اس ملک میں ستارہ پرستی کا رواج مدت سے تھا اسی کے ساتھ ان میں ارواح پرستی بھی تھی' ستاروں کے ہیکل ان کے معبد تھے' عربی اور انگریزی دونوں شہادتوں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ یہ عراق کا نہایت قدیم مذہب تھا' رفتہ رفتہ سیاسی انقلابات کے ساتھ ساتھ ان پر جو مذہب غالب آتا گیا' ان کے کچھ اجزاء اس میں شامل ہوتے گئے۔

ان میں بنی اسرائیل کی یہودیت' ایرانیوں کی مجوسیت' یونانیوں کا فلسفہ' رومیوں کی عیسائیت ہر چیز میں سرایت کر گئی تھی۔ خدائے واحد پر ان کا اعتقاد تھا لیکن ستاروں کی ارواح کو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ سمجھتے تھے۔ تین وقت ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ صبح کو طلوعِ آفتاب' دوپہر کو عین زوال کے وقت' شام کو آفتاب ڈوبنے کے وقت۔ اسی لیے ان تین اوقات میں اسلام میں نماز' سجدہ جائز نہیں تا کہ تشابہ (نقل ومشابہت) نہ ہو۔ ان کا اعتقاد تھا کہ تمام ستاروں کا مرکز قطب شمالی ہے' تمام ستارے آغازِ عالم سے ہر وقت اپنی جگہ سے ہٹتے اور بڑھتے رہتے ہیں لیکن قطب کا ستارا ہمیشہ ایک حال پر اپنی جگہ قائم رہتا ہے اس لیے وہ قبلہ ہے اسی طرف منہ کر کے وہ اپنی دعا اور مناجات پڑھا کرتے ہیں' دن میں تین دفعہ ہر نماز کے لیے ان کو غسل کرنا پڑتا ہے۔

صابئی کون لوگ ہیں اور ان کا مذہب کیا ہے اس کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ستارہ پرست تھے اور یہ عراق کا قدیم مذہب تھا مگر رفتہ رفتہ ان میں مختلف تبدیلیاں پیدا ہو گئیں اور یہودیت مجوسیت' عیسائیت اور یونانیوں کے فلسفے کے بہت سے اجزاء ان میں شامل ہو گئے۔ یہ تین اوقات میں خاص طور سے ستاروں کی پوجا کرتے تھے' طلوعِ آفتاب' زوال اور غروبِ آفتاب کے وقت۔ صابئی ستاروں کی پرستش کے ساتھ ساتھ اللہ پر بھی یقین رکھتے تھے اور وہ ستاروں کو خدا کا مظہر سمجھ کر ان کی تعظیم کرتے تھے۔

مذہب صابئی اور قرآن مجید

قرآن مجید میں صابئی مذہب کا نام بقرہ' مائدہ اور حج تین سورتوں میں آیا ہے اس کے علاوہ اس مذہب کا کوئی اور ذکر مذکور نہیں چونکہ ہم کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا اصل ابتدائی مذہب بعد کی آمیزشوں سے پہلے خدا کے اقرار کے ساتھ ساتھ ستاروں' روحوں اور ان کے مجسموں کی پرستش ہے تو باآسانی یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ان عقائد کی تردید وابطال میں قرآن مجید نے جو کچھ کہا ہے اس کا اصلی تخاطب انہی سے ہے۔

قرآن بتاتا ہے کہ صابئی قوم کی ہدایت واصلاح کے لیے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام مامور ہوئے۔ توراۃ میں تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عراق کے شہر اذر اور حران سے تعلق تھا (تکوین) اور ان کا خاندان غیر خداؤں کو سجدہ کرتا تھا۔ (یوشع 2-24) قرآن مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی انہی صابئی مجسمہ پرستوں کو خطاب کر کے کہتا ہے:

کیا بتوں کو خدا ٹھہراتے ہو۔ (سورۂ انعام آیت 4)

دین حنیف' حنفیت یا ملتِ حنیف

صائبیت کے انکشاف حقیقت کے بعد حنفیت یا ملتِ حنیف کے معنی بالکل روشن ہو جاتے ہیں۔ ہمارے مفسرین کو اس باب میں (اس سے متعلق) اس لیے تزلزل رائے ہے کہ لفظ ''حنیف'' کی لغوی تحقیق میں انہوں نے قرآن مجید سے اعانت نہیں لی۔ حنیف ''حنف'' سے مشتق ہے۔ حنف کے معنی ہٹنے اور ٹیڑھے ہونے کے

ہیں۔

اہلِ عرب کے نزدیک حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب تھا اس لیے ان کے مذہب کا نام ملتِ حنیف انہوں نے رکھا تھا۔ عرب کے بعض نیک دل لوگ جو عرب کے تمام موجودہ مذاہب بت پرستی، یہودیت اور عیسائیت کے مفاسد سے گھبرا کر تلاش مذہب میں نکلتے تھے، وہ آخر اسی آستانہ دین حنیف پر آ کر تسلی اور اطمینان پاتے تھے۔

حنفیت کی لغوی تحقیق

حنیف ''حنف'' سے مشتق ہے، عربی میں اس کے معنی مڑنے اور جھکنے کے ہیں۔ اس لیے ''حنیف'' وہ شخص ہے جو ایک طرف سے جھک کر اور مڑ کر دوسری طرف جائے۔ یہ لفظ اچھے اور بُرے دونوں معنوں میں استعمال ہو سکتا ہے اگر یہ فرض کیا جائے کہ اس نے اچھی بات کو چھوڑ کر بُری بات اختیار کی ہے تو حنیف کے وہ معنی ہو سکتے ہیں جس میں عبرانی وسریانی میں وہ مستعمل ہے یعنی کافر ومنافق اور اگر یہ سمجھا جائے کہ بُرے کام کو ترک کر کے اس نے کوئی اچھا کام پسند کیا ہے تو اس کا وہ مفہوم ہو گا جس میں اہلِ عرب اس کو بولتے ہیں یعنی دین دار اور خدا پرست اس بناء پر اس لفظ کے اچھے یا بُرے مفہوم کی تعین موقع استعمال اور حرفِ صلہ سے ہو گی۔ اصل میں اس کا ابتدائی استعمال للہ یاللدین کی تخصیص کے ساتھ ہوتا تھا یعنی الحنیف للہ (خدا کی طرف جھکنے والا) الحنیف للدین (سچے مذہب کی طرف جھکنے والا) کثرت استعمال اور زبان زندگی عام سے اس قید کی ضرورت نہ رہی اور مطلق حنیف (جھکنے والا) کے معنی بھی حنیف للہ (خدا کی طرف جھکنے والا) یا حنیف للدین (سچے مذہب کی طرف جھکنے والا) ہی کے سمجھے جانے لگے۔

قرآن مجید میں اس لفظ کا دونوں طرح استعمال ہوا ہے۔ سورۂ حج میں ہے حنفاء للہ (خدا کی طرف مڑنے والا بن کر) لیکن سورۂ بینہ میں بغیر صلہ کے آیا ہے مخلصین لہ الدین حنفاء (اپنے اعتقاد کو خدا کے لیے خالص کر کے مڑنے والے بن کر) یہاں حنفاء کے معنی حنفاء للہ سمجھنے چاہئیں۔

قرآن مجید سے استدلال لغوی

اصل یہ ہے کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت صابی قوم کے اندر ہوتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دلائل اور عمل دونوں طریقوں سے ان کے مذہب کی تردید کی۔ باطل پرستوں سے سخت تنفر ظاہر کیا اور خدائے برحق پر ایمان لائے اسی بناء پر انہوں نے خود یا آپ بعد کو آپ کے پیروؤں نے اپنا لقب ''حنیف'' اختیار کیا یعنی ستارہ پرستی وغیرہ سے مڑ کر خدا پرستی کی طرف آنے والا۔ اس قول کی صحت قرآن مجید کے موقع استعمال سے ثابت ہوتی ہے۔ ستارہ پرستی کی تردید میں ایک ایک ستارہ کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس کی ربوبیت سے انکار کرنا جہاں قرآن میں مذکور ہے اس کے آخر میں ہے۔ سورۂ انعام آیات 78 اور 79

میں یوں فرمایا گیا ہے:

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

''ابراہیم علیہ السلام نے کہا'لوگو! میں ان سے بے زاری ظاہر کرتا ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ میں اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر کر اس ذات پاک کی طرف جھکتا ہوں جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا۔حنیف بن کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔'' (سورۂ انعام آیات 78'79)

حضرت ابراہیم کا یہ اعلان گویا دینِ ابراہیمی کی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے اس اعلان کی یہ عبارت کہ:

''میں ہر طرف سے منہ پھیر کر خالق ارض وسما کی طرف منہ کرتا ہوں۔''

اور اس کے بعد یہ کہنا کہ حنیف بن کر اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ میں اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر کر اس ذات پاک (اللہ) کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا) اور ''حنیفاً'' کے ایک ہی معنی ہیں یعنی کہ جو ستارہ وغیرہ کی باطل پرستیوں سے ہٹ کر اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف رُخ کرے۔قرآن مجید کی دو اور آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ''حنیف'' کے معنی اوّل یہی ہیں۔

سورۂ یونس آیت 105 میں ارشاد رب العالمین ہے:

''سچے مذہب کی طرف اپنا منہ کرو (باطل پرستیوں سے) منہ موڑ کر''

حنفیت اور اہلِ عرب

باپ کی یہ وراثت بیٹوں میں موجود تھی اس مذہب کے قبول کی رسمی علامتوں میں سب سے بڑی علامت ختنہ ہے جو اولادِ ابراہیم کے ساتھ مخصوص ہے۔عربوں میں یہ رسم ہمیشہ سے موجود تھی۔عبادت کی چیزوں میں بیت الرہیم یعنی بیت اللہ کا طواف' دینِ ابراہیمی کی سب سے پرانی یادگار ہے۔عرب نے اپنے باپ کی اس پرانی یادگار کو بھی ہمیشہ باقی رکھا باقی توحید وغیرہ کے اصلی عقائد واکثر سینوں سے مٹ کر محو ہو گئے تھے اسی بناء پر عرب میں حنیف کے معنی صرف یہ رہ گئے تھے کہ ''جو مختون ہو اور جس نے حج کیا ہو۔'' (عربی زبان میں وہ حنیف کہلایا)

اسلام سے کچھ پہلے یہودی اور عیسائی اپنا مذہب عربوں میں پھیلانے کے لیے ہر طرح سے کوشاں تھے' پرانے مذہب کو جس کا صرف ڈھانچہ رہ گیا تھا' بعض نیک دل اور دانشور عربوں نے نئے سرے سے زندہ کرنا چاہا لیکن اس کی صورت اس قدر مسخ ہو گئی تھی کہ خود صناع عالم خالق و مالک کائنات کی کارفرمائی کے بغیر انسانی مسیحائی اس کو حیاتِ ثانی نہیں بخش سکتی تھی۔

آغازِ اسلام میں جن چند نیک لوگوں کے نام' حنفاء کے لقب سے لیے جاتے ہیں' وہ خود اپنے مذہب سے

آ گاہ نہ تھے اور حق کے متلاشی تھے۔ قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عثمان بن حویرث، اُمیہ بن صلت، زید بن عمرو نفیل، قیس بن شیبہ، عبداللہ بن جحش وغیرہ بت پرستی سے بے زار ہو کر حق کی راہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے یا عیسائی ہو گئے (جیسے قس اور ورقہ) یا اصل حقیقی مذہب کی تلاش میں سر ٹکرا کر مر گئے جیسے (زید اور اُمیہ) اور ان میں سے خوش نصیبوں نے اسلام کی روشنی جب چمکی تو حق کو دیکھا اور دین حنیف کا سراغ پایا اور قبول کیا۔ (مثلاً عثمان اور عبداللہ بن جحش اور قیس بن شیبہ وغیرہ)

زمانہ جاہلیت میں ایسے متعدد شعراء گزرے ہیں جن کے کلام میں حق کی باتیں الفاظ کی تاریکی میں ستاروں کی طرح چمکتی ہیں۔ مثلاً لبید (قبل اسلام) زہیر، اُمیہ بن الصلت، علاف بن شہات تمیمی، قس بن ساعدہ الایادی وغیرہ شعراء کے کلام میں توحید، حشر ونشر اور محاسن اخلاق کی تعلیم ملتی ہے۔ آج کل کے بعض عرب عیسائی مصنفوں نے اس قسم کے عرب شاعروں کو عیسائی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے اپنی کوشش کی بنیاد ریت پر قائم کی اور ایک دلیل بھی وہ دعوے کی صداقت میں پیش نہ کر سکے۔ میرے خیال میں یہ شعراء حنفی العقائد تھے۔ چنانچہ ان میں سے بعض کے کلام میں اس کی تصریح بھی ملتی ہے۔

دینِ ابراہیمی میں قریش کی بدعات

دورِ جاہلیت کے بُرے عقائد و اعمال کے ساتھ ہی ان کے اندر دین ابراہیمی کے کچھ باقیات بھی موجود تھیں یعنی کہ کچھ اہلِ عرب نے دین حنیف پورے طور پر نہیں چھوڑا تھا۔ چنانچہ وہ بیت اللہ کی تعظیم اور اس کا طواف کرتے تھے، حج وعمرہ کرتے تھے، عرفات ومزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور ہدی کے جانوروں کی قربانی کرتے تھے البتہ انہوں نے اس دینِ ابراہیمی میں بہت سی بدعتیں ایجاد کر کے شامل کر دی تھیں۔

مثال کے طور پر قریش کی ایک بدعت یہ تھی کہ وہ کہتے تھے ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، حرم کے پاسبان بیت اللہ کے والی اور مکہ کے باشندے ہیں، کوئی شخص ہمارا ہم مرتبہ نہیں اور نہ کسی کے حق ہمارے حقوق کے مساوی ہیں اور اسی بناء پر یہ اپنا نام حمس (بہادر اور گرم جوش) رکھتے تھے لہٰذا ہمارے شایانِ شان نہیں کہ ہم حدودِ حرم سے باہر جائیں۔ چنانچہ حج کے دوران یہ لوگ عرفات نہیں جاتے تھے اور نہ وہاں سے افاضہ کرتے تھے بلکہ مزدلفہ ہی میں ٹھہر کر وہیں سے افاضہ کر لیتے تھے۔ (صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 226، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 199)

اللہ تبارک تعالیٰ نے اس بدعت کی اصلاح کرتے ہوئے سورۂ بقرہ آیت 199 میں ارشاد فرمایا:

ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ○

ترجمہ: ''تم لوگ بھی وہیں سے افاضہ کرو جہاں سے سارے لوگ افاضہ کرتے ہیں۔''

ان کی ایک بدعت یہ بھی تھی کہ وہ کہتے تھے حمس (قریش) کے لیے احرام کی حالت میں پنیر اور گھی بنانا درست نہیں اور نہ یہ درست ہے کہ سایہ حاصل کرنا ہو تو چمڑے کے خیمے کے سوا کہیں اور سایہ حاصل کریں۔

(ابن ہشام جلد 1 صفحہ 202)

ان کی ایک بدعت یہ بھی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ بیرون حرم کے باشندے حج یا عمرہ کرنے کے لیے آئیں اور بیرون حرم سے کھانے کی کوئی چیز لے کر آئیں تو اسے ان کے لیے کھانا درست نہیں۔(ابن ہشام جلد 1 صفحہ 202)

ایک بدعت یہ بھی تھی کہ انہوں نے بیرون حرم کے باشندوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ حرم میں آنے کے بعد پہلا طواف حمس سے حاصل کیے ہوئے کپڑوں ہی میں کریں۔ چنانچہ اگر ان کا کپڑا دستیاب نہ ہوتا تو مرد ننگے طواف کرتے اور عورتیں اپنے سارے کپڑے اُتار کر صرف ایک چھوٹا سا کھلا ہوا کرتا پہن لیتیں اور اسی میں طواف کرتیں اور دورانِ طواف یہ شعر پڑھتی جاتیں:

ترجمہ: آج کچھ یا کل شرم گاہ کھل جائے گی لیکن جو کھل جائے میں اسے (دیکھنا) حلال نہیں قرار دیتی"

اللہ تبارک تعالیٰ نے اس خرافات کے خاتمے کے لیے سورۂ اعراف آیت 31 میں فرمایا کہ:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○

اے آدم کے بیٹو! ہر مسجد کے پاس اپنی زینت اختیار کرلیا کرو۔"

بہر حال اگر کوئی عورت یا مرد برتر اور معزز بن کر بیرون حرم سے لائے ہوئے اپنے ہی کپڑوں میں طواف کر لیتا تو طواف کے بعد ان کے کپڑوں کو پھینک دیتا' ان سے نہ خود فائدہ اُٹھاتا نہ کوئی اور۔

(ابن ہشام جلد 1 صفحہ 202' 203' صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 226)

قریش کی ایک بدعت یہ بھی تھی کہ وہ حالتِ احرام میں گھر کے اندر دروازے سے داخل نہ ہوتے تھے بلکہ گھر کے پچھواڑے سے ایک بڑا سا سوراخ بنالیتے اور اسی سے آتے جاتے تھے اور اپنے اس اُجڈ پنے کو نیکی سمجھتے۔

قرآنِ کریم سورۂ بقرہ آیت 189 میں اللہ تبارک تعالیٰ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے۔

ارشاد خالق و مالک کائنات' حاکم الحاکمین یوں ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

"اور یہ کچھ بھلائی نہیں کہ گھروں میں پچھواڑے سے توڑ کر آؤ ہاں بھلائی تو پرہیز گاری ہے اور گھروں میں دروازوں سے آؤ۔" (سورۂ بقرہ آیت 189)

یہی دین یعنی شرک و بت پرستی اور توہمات و خرافات پر مبنی عقیدہ و عمل والا دین عام اہلِ عرب کا دین تھا۔

دیگر خرافات

کچھ اہلِ عرب ہمیشہ سے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملتِ حنیفیہ پر کاربند تھے' اللہ تبارک تعالیٰ کی

وحدانیت پر ان کا محکم یقین تھا۔ عمرو بن لحی خزاعی بلقاء سے چند بت لے آیا اور یہاں ان کی پرستش کو مروج کیا اس کے علاوہ اور بھی کئی ایسی خرافات تھیں جن کا اس نے آغاز کیا۔ بحیرہ، وصیلہ اور حام وغیرہ کے بارے میں نئے نئے قوانین نافذ کیے جن کو اہلِ عرب نے آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا اور اس پر کار بند ہو گئے۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی تشریح میں کوئی متفقہ قول نہیں بلکہ ان کی توضیح مختلف اقوال سے کی گئی ہے۔ ممکن ہے ہر قبیلے نے ان الفاظ کو مخصوص معانی میں استعمال کیا ہو اور اسی وجہ سے ایک لفظ کی تشریح میں علماء لغت نے متعدد اقوال نقل کیے ہوں۔ بہر حال ہم ان اقوال میں سے قوی اور احسن قول سے ان کی تشریح کرتے ہیں۔

بحیرہ

اس کا وزن فصیلہ ہے، یہ مفعول کے معنی میں مستعمل ہے، یہ بحر سے مشتق ہے، بحر کا معنی چیرنا ہے۔

اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اونٹنی جو دس بچے جنتی اس کا کان چیر دیا جاتا اور اس کو آزاد چھوڑ دیا جاتا، وہ جہاں پھرے، چرے اسے منع نہ کیا جاتا، وہ جہاں سے بھی پانی پئے اسے روکا نہ جاتا۔

سائبہ

یہ سیبہ کے مادہ سے فعل ثلاثی مجرد کا اسم فاعل ہے اس کا معنی ترکتہ واہملتہ ہے یعنی کہ "میں نے اس کو چھوڑ دیا" اگر اونٹ ہو تو اس کو سائب اور اونٹنی ہو تو اسے سائبہ کہتے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے اس کی تشریح یوں منقول ہے:

"یعنی یہ وہ اونٹنی ہے جو بتوں کے لیے چھوڑ دی جاتی ہے اور ان بتوں کے خدمت گاروں کو دے دی جاتی ہے اس کا دودھ مسافروں اور ضرورت مندوں کے بغیر (کے علاوہ) اور کوئی نہیں پی سکتا۔"

اس کو پانی اور گھاس سے بھی نہ روکا جاتا اس پر سواری بھی نہ کی جاتی اور بوجھ بھی نہ لادا جاتا نہ اس کی اون کاٹی جاتی۔

وصیلہ

یہ اس بھیڑ کو کہا جاتا جو سات مرتبہ دو دو مادہ بچے جنتی اور آخری مرتبہ ایک مادہ اور ایک نر جنتی تو کہا جاتا، وصلت اخاھا کہ اس نے اپنے بھائی کو ملا دیا ہے اس طرح کی بھیڑ کا دودھ صرف مرد پی سکتے تھے، عورتیں نہیں پی سکتی تھیں اس کو بھی سائبہ کی طرح آزاد چھوڑ دیا جاتا جہاں چاہے، چرے جہاں سے چاہے، پانی پئے۔

الحام

یہ حمی سے مشتق ہے جس کا معنی روکنا، منع کرنا ہے۔ فراء نے اس کا معنی یہ بتایا ہے کہ وہ نر اونٹ جس کا بچہ جفتی کے قابل ہو جائے تو کہتے ہیں کہ اس نے اپنی پشت کو محفوظ کر لیا ہے اس پر نہ سواری کی جائے گی نہ بوجھ لادا جائے گا نہ کہیں اسے چرنے اور پانی پینے سے روکا جائے گا۔

قارئینِ کرام!

فراء نے جوالحام کے معنی یا تعریف بتائی ہے وہ مجھے (اس کتاب کے مصنف کو) قابلِ قبول نہیں لگتی کیونکہ اونٹ کا بچہ جفتی کے قابل آٹھ دس سال میں تو ہو جاتا ہوگا اس تعریف کی رو سے ایسے آزاد کردہ اونٹوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہو جاتی ہوگی اور وہ اونٹ بھی ابھی جوان (پندرہ بیس سال کی عمر کے) ہی ہوتے ہوں گے' اتنے سارے جوان آوارہ یا آزاد اونٹ تو سماج کے لیے بہت سارے اور مسائل پیدا کر دیتے اس لیے الحام کے بارے میں درج ذیل صحیح لگتا ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ جس کی پشت سے دس بچے پیدا ہو جاتے' عرب کہتے اس نے اپنی پیٹھ کو محفوظ کر لیا ہے اس پر سواری نہ کی جائے گی نہ بوجھ لادا جائے گا نہ کہیں اسے چرنے اور پانی پینے سے روکا جائے گا۔

جزیرۂ عرب کی اجتماعی دینی حالت

جس وقت اسلام کا نیر تاباں طلوع ہوا ہے یہی مذاہب وادیان تھے جو عرب میں پائے جاتے تھے لیکن یہ سارے ہی مذاہب شکست و ریخت سے دوچار تھے۔ مشرکین جن کا دعویٰ تھا کہ ہم دینِ ابراہیمی پر ہیں' شریعت ابراہیمی کے اوامر ونواہی سے کوسوں دُور تھے۔ اس شریعت نے جن مکارم اخلاق کی تعلیم دی تھی' ان سے ان مشرکین کو کوئی واسطہ نہ تھا۔ ان میں گناہوں کی بھرمار تھی اور عرصہ دراز گزر جانے کے سبب ان میں بھی بت پرستوں کی وہی عادات ورسوم پیدا ہو چکی تھیں جنہیں دینی خرافات کا درجہ حاصل ہے۔ ان عادات ورسوم نے ان کی اجتماعی سیاسی اور دینی زندگی پر نہایت گہرے اثرات ڈالے تھے۔

یہودی مذہب کا حال یہ تھا کہ وہ محض ریاکاری اور تحکم بن گیا تھا۔ یہودی پیشوا اللہ کے بجائے خود رب بن بیٹھے تھے' لوگوں پر اپنی مرضی چلاتے تھے اور ان کے دلوں میں گزرنے والے خیالات اور ہونٹوں کی حرکات تک کا محاسبہ کرتے تھے۔ ان کی ساری توجہ اس بات پر مرکوز تھی کہ کسی طرح مال وریاست حاصل ہو خواہ دین برباد ہی کیوں نہ ہو اور کفر الحاد کو فروغ ہی کیوں نہ حاصل ہو اور ان تعلیمات کے ساتھ تساہل ہی کیوں نہ برتا جائے جن کی تقدیس کا اللہ تبارک تعالیٰ نے ہر شخص کو حکم دیا ہے اور جن پر عمل درآمد کی ترغیب دی ہے۔

عیسائیت ایک ناقابلِ فہم بت پرستی بن گئی تھی اس نے اللہ اور انسان کو عجیب طرح سے غلط ملط کر دیا تھا پھر جن عربوں نے اس دین کو اختیار کیا تھا' ان پر اس دین کا کوئی حقیقی اثر نہ تھا کیونکہ اس کی تعلیمات ان کے طرزِ زندگی سے میل نہیں کھاتی تھیں اور وہ اپنی طرزِ زندگی چھوڑ نہیں سکتے تھے۔

باقی ادیانِ عرب کے ماننے والوں کا حال مشرکین ہی جیسا تھا کیونکہ ان کے دل یکساں تھے' عقائد ایک سے تھے اور رسم ورواج میں ہم آہنگی تھی۔

شرک کا ظلم عظیم

عرب کے لوگوں کا مذہب شرک تھا اور شرک کا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ ایک خدا (اللہ تبارک تعالیٰ) پر ایمان لا کر آسمانوں اور زمین کا کاروبار چلانے کے لیے خدا کے مددگار بھی مانتے تھے۔ گویا اللہ تبارک تعالیٰ بادشاہِ حقیقی ہے اور اس کا عملہ بھی ہے جو اس کے حکم اور دیئے گئے اختیارات سے مہمات سرانجام دیتے ہیں اس عقیدہ کی بناء پر اہلِ عرب دیوتاؤں اور دیویوں کے ماننے والے تھے' جنوں' فرشتوں کو نذریں دیتے اور بتوں کو سجدے کرتے تھے۔

عرب اعظم پرست بھی تھے یعنی جو چیز ان کی نظر میں بڑی دِکھائی دی اس کی پرستش کرنے لگ گئے' سورج کی حدت و تابانی دیکھی تو اسے پوجنے لگے۔ چاند بڑا اور روشن نظر آیا تو اس کے آگے گر پڑے۔ ستاروں کو روشن دیکھا تو زحل' مریخ' عطارد' مشتری' زہرہ کی نیاز دینے لگے۔ ایسے ہی وہ آگ' درخت' پہاڑ' دریا اور اس قسم کی بڑی چیزوں کی عبادت کرنے لگے۔

ان کے علاوہ غیر مرئی روحوں کا تصور کر کے ان کی خیالی تصویریں اور مجسمے بنا کر بت خانوں اور ہیکلوں میں رکھ لیے' ان کے نام کی نیازیں دینے لگے۔ چنانچہ خانہ کعبہ میں جو 360 بت رکھے ہوئے تھے' ان میں سے سونے' چاندی' دوسری دھاتوں اور پتھر' لکڑی کے علاوہ بزرگوں کی تصویریں بھی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی شبیہیں کعبہ کی دیواروں پر نقش تھیں جن کو خوش کرنے کے لیے وہ لوگ ان کے نام کی قربانیاں اور نذریں دیتے تھے۔

غرض سارے عرب میں مختلف حاجتوں' ضرورتوں' مہموں' مصیبتوں کے لیے بے شمار دیوتا (بت) پوجے جاتے تھے اس اعتقاد کے ساتھ کہ ان سب کا مالک اللہ ہے اور اللہ ہی کے یہ پیارے ہیں جن کو چاندی' سونا اور مختلف قسم کے کھانوں کی نذروں اور بخورات (خوشبودار پانی) سے خوش کر کے اللہ کو خوش کیا جا سکتا ہے' تمام ملک میں ہزاروں بت خانے' ہیکل مذبحے تھان' سجدوں اور نیازوں کے لیے بنائے ہوئے تھے جہاں ہر ہر قبیلہ کے لوگ اپنی حاجت روائیوں کے لیے آتے تھے۔

شرک کی قسمیں

عرب معاشرہ مکمل طور پر مشرک بن چکا تھا' ان میں شرک کی بہت سی قسمیں موجود تھیں۔ مثلاً بت پرستی' ارواح پرستی' اعاظم پرستی' قبر پرستی' توہم پرستی وغیرہ سب ان میں رائج تھیں۔

اعاظم پرستی

اہلِ عرب کے ہاں اعاظم پرستی کا خیال پوری طرح موجود تھا اور ہر بڑی نظر آنے والی چیز کو پوجنے کا تصور بہت واضح ہو چکا تھا۔ یہ تصور بہت قدیم ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بت جن کی قوم نوح پوجا کرتی تھی' بعد میں عرب میں بھی پوجے جانے لگے تھے۔ ''وَدّ'' دومتہ الجندل میں بنو کلب کا

بت تھا۔ ''سواع'' بنی حذیل کا بت تھا۔ ''یغوث'' بنی مراد کا تھا اور مراد کی شاخ بنی غطیف کا جو بطن وادی میں قوم سبا کے پاس رہتے تھے۔ ''یعوق'' بنی ہمدان کا تھا اور ''نسر'' حمیر کا تھا جو ذوا کلاع کی آل میں سے تھے۔

یہ پانچوں نام ودٗ سواعٗ یغوثٗ یعوق اور نسر قوم نوح کے نیک لوگوں کے نام تھے جب وہ وفات پا گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں ڈالا کہ وہ اپنی مجلسوں میں جہاں وہ بیٹھتے تھےٗ بت نصب کر دیں اور ان بتوں کے نام ان نیک لوگوں کے نام پر رکھ دیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اس وقت تو ان بتوں کی عبادت ہوئی لیکن جب ان بتوں کو نصب کرنے والے بھی مر گئے اور لوگوں کو اصل قصے کا علم نہ رہا تو ان کی عبادت عام ہونے لگی۔

(بخاری جلد 3 صفحہ 149)

مذہب کی ابتدائی تاریخ کا مظہر ''اعاظم پرستی'' عرب میں موجود تھی۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''عرب کے مشہور بت لاتٗ ودٗ یغوث وغیرہ پہلے زمانے کے بزرگوں کے نام ہیں۔ بعد میں اہلِ عرب ان کی مورتیں بنا کر پوجنے لگے۔''

دنیا میں بت پرستی کے آغاز کا سبب

انسانی فطرت پر جب ان ستاروں کی کمزوری کا راز افشا ہوا۔ تو ان کے بدلے غیر محسوس روحوں کا تسلط شروع ہوا اور چونکہ وہ بھی آنکھوں سے اوجھل تھیںٗ تصور و خیالات نے جن اشکال میں چاہاٗ ان کی تصویر کھینچ کر سامنے رکھی۔ ان کی عظمت واقتدار کے لحاظ سے ان کے مٹیٗ پتھرٗ چاندیٗ سونے اور جواہرات کے مجسمے تیار کیے۔ ان کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ان پر خون کے چھینٹے دیئے گئےٗ ان کو خوش رکھنے کے لیے ان کو بیش قیمت نذرانے پیش کیے گئے۔

اس اثناء میں انسان کی مختلف آبادیوں میں کے مرتبہ فہم اور درجہ ترقی کے مناسب تعلیمات لے کر انبیاء اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں آتے رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلامٗ حضرت موسیٰ علیہ السلامٗ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اپنے وقت میں فرزندانِ سام میں مبعوث ہوتے رہےٗ کچھ لوگوں نے ان کو مانا اور ان کی الگ الگ اُمتیں بنیں کچھ ایسے مغرور انسان بھی ہمیشہ رہے ہیں جو اپنے زعم باطل میں اپنی ہستی سے بڑی کوئی دوسری چیز نہیں مانتےٗ یہ ملحد اور دہریہ ہیں۔

عرب کی سرزمین عجب سرزمین تھی یہاں انسان کے مذہبی ارتقاء کے ہر درجے کی مجسم تاریخ موجود تھی۔ [اجر]ام پرستٗ ستارہ پرستٗ بت پرستٗ ارواح پرست نیز ابراہیمیٗ موسویٗ عیسوی اور ملحد و دہریہ فرقہ کے لوگ [مو]جود تھے لیکن مختلف مذاہب کے گہرے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عام قومی مذہب ستاروں اور روحوں کے [خ]یالی مجسموں کی پرستش کی تھی۔

جزیرہ عرب میں بت پرستی کا آغاز کرنے والے کا مختصراً شجرہ نسب یوں ہے:

نزار بن معد کی اولاد

ابن اسحاق کے قول کے مطابق نزار بن معد کے تین بیٹے تھے۔

(1) مضر بن نزار

(2) ربیعۃ بن نزار

(3) المارس بن نزار

ابن ہشام کہتا ہے کہ ایک اور لڑکا بھی تھا جس کا نام ایاد بن نزار تھا۔ مضر اور ایاد کی والدہ کا نام سودۃ بنت عک بن عدنان تھا اور ربیعۃ اور انمار کی ماں کا نام شقیقہ بنت عک بن عدنان تھا۔

مضر کی اولاد

مضر کے دو بیٹے ہوئے الیاس بن مضر اور عیلان بن مضر اور ان کی والدہ قبیلہ جرہم سے تھی۔ پھر الیاس کے تین بیٹے ہوئے:

الیاس کی اولاد

(1) مدرکہ

(2) طابخہ

(3) قمعہ

ان کی والدہ کا نام خندف تھا جو یمن کی رہنے والی تھی اور ابن ہشام کے قول کے بموجب خندف بنت عمران بن حلف بن قضاعہ ہے۔

الیاس کے تیسرے بیٹے قمعہ سے ایک لڑکا لحی پیدا ہوا اور لحی سے عمرو اور عمرو سے عرب میں بت پرستی کی بنیاد پڑی۔

عرب میں بت پرستی کا آغاز

عہد جاہلیت کے اہلِ عرب کے مؤرخین نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ عمرو بن لحی الخزاعی سے پہلے عدنانی اور قحطانی دونوں عربی قبائل خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے اور آپ کی تعلیمات کے مطابق عبادات سرانجام دیتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تبارک تعالیٰ ایک ہے اور اس کی ذات و صفات میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں، وہ قادر مطلق ہے، کائنات کی تخلیق، اس کی نشوونما اور اس کی بقاء کے لیے اسے کسی وزیر اور مشیر کی امداد کی ضرورت نہیں۔ حیاۃ، قدرت، ارادہ، علم، سمع، بصر اور کلام وغیرہ تمام صفات کمال سے وہ بذاتِ خود متصف ہے، تمام خامیوں، کمزوریوں اور عیوب سے مبرا اور منزہ ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ کی توحید پر ایمان کامل کے ساتھ ساتھ روزِ قیامت پر بھی ان کا محکم یقین تھا۔ وہ جانتے تھے کہ روزِ محشر آئے گا جب اللہ تبارک تعالیٰ کائنات کی ہر زندہ مخلوق کو موت کا ذائقہ چکھانے کے بعد اور برزخ کی زندگی گزارنے کے بعد پھر زندہ کرے گا' تمام انسان اس کی بارگاہِ عالی میں حاضر ہوں گے اور وہ اپنے عدل' فضل و احسان کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

دینِ ابراہیمی کی ہدایات کے مطابق وہ نمازیں پڑھتے' روزے رکھتے' حج کرتے' زکوٰۃ ادا کرتے' رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرتے۔ غریبوں' مسکینوں کی امداد اور مہمانوں کی عزت وتکریم ان کا شعار تھا لیکن جب عہد نبوت سے ان کا زمانہ بہت دُور ہو گیا تو تعلیماتِ ابراہیمی کی روشنی مدہم پڑنے لگی' جہالت اور نفس پرستی نے اپنے پنجے گاڑھ دیئے' احکامِ الٰہی کے بجائے وہ اپنی نفسانی خواہشات کے بندے بن گئے۔ ان میں غلط افکار جڑ پکڑنے لگے اور باطل عقائد کو پذیرائی حاصل ہونے لگی اس اثناء میں عمرو بن لحیٰ الخزاعی کا واقعہ پیش آیا جس نے ایک قیامت برپا کر دی۔

عمرو جب بالغ ہوا تو اس نے بنو اسماعیل کے ساتھ مل کر بنی جرہم کے ساتھ جنگ کی' ان کو شکست فاش دی اور انہیں مکہ سے جلاوطن کر دیا اور خود خانہ کعبہ کا متولی بن گیا' پھر اسے کوئی سنگین نوعیت کا مرض لاحق ہو گیا۔ کسی نے اسے بتایا کہ ملک شام میں بلقاء کے مقام پر ایک گرم پانی کا چشمہ ہے اگر تم وہاں جا کر اس پانی سے غسل کرو گے تو تم شفایاب ہو جاؤ گے۔ یہ بلقاء پہنچا اس چشمہ کے پانی سے غسل کیا اور صحت یاب ہو گیا۔ وہاں کے رہنے والوں کو اس نے دیکھا کہ وہ بتوں کی پرستش کر رہے ہیں۔ اس نے ان سے پوچھا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم ان کے ذریعے سے بارش طلب کرتے ہیں اور ان کے ذریعے سے دشمن پر فتح حاصل کرتے ہیں۔ اس نے کہا مجھے بھی ان بتوں سے چند ایک بت دو۔ انہوں نے اس کو چند بت دیئے' وہ ان کو لے کر مکہ آیا اور خانہ کعبہ کے اردگرد انہیں نصب کر دیا اس روز سے اہلِ عرب میں بت پرستی کا آغاز ہوا۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ

''عمرو بن لحیٰ وہ پہلا شخص ہے جس نے دین اسماعیل کو تبدیل کیا اور بتوں کی پرستش شروع کی اور اہلِ عرب کو ان بتوں کی عبادت کا حکم دیا۔ اسی کے بارے میں پیغمبر اوّل و آخر و اعظم نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے عمرو بن لحیٰ کو دیکھا کہ وہ آتشِ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا''۔

(ابن خلدون جلد 2 صفحہ 651)

علامہ علی بن برہان الدینؒ اپنی کتاب السیرۃ الحلبیہ میں رقم طراز ہیں کہ

''اس بات پر علمائے کرام کی بکثرت تصریحات ہیں کہ اہلِ عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر عمرو بن لحیٰ کے زمانے تک آپ کے عقائد پر ہی ثابت قدم رہے۔ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے دینِ ابراہیمی کو تبدیل کیا اور اہلِ عرب کے لیے طرح طرح کی گمراہیاں شروع کیں اس نے بتوں

کی پوجا کی' سائبہ اور بحیرہ کی بدعت کا آغاز کیا۔'' (سیرت حلبیہ جلد 1 صفحہ 10)
اس کی لائی ہوئی گمراہی کی مقبولیت کی وجہ بتاتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں:
''عمرو اہلِ عرب کے لیے رب بن گیا' دین میں جس نئی بات کا وہ آغاز کرتا تھا' لوگ اسے دین سمجھ لیتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ موسم حج میں لوگوں کو کھانا کھلایا کرتا اور انہیں لباس پہنایا کرتا اور بسا اوقات وہ موسم حج میں دس ہزار اونٹ ذبح کرتا اور دس ہزار ناداروں کو لباس پہناتا۔ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو بدلا۔'' (سیرت حلبیہ جلد 1 صفحہ 10)
وہ مزید رقم طراز ہیں کہ
''یہ (دین ابراہیمی میں بدعات پیدا کرنے والا خرافات کا موجد) عمرو بن لحی تین سو چالیس سال (340) تک زندہ رہا اس نے اپنے بیٹوں اور اپنے پوتوں سے ایک ہزار جنگجولڑکوں کو دیکھا اس خاندان کی حکمرانی کی مدت پانچ سو سال ہے۔'' (سیرت حلبیہ صفحہ 11)
قصی بن کلاب نے 440 عیسوی میں بنی خزاعہ کو شکست دے کر مکہ سے نکال دیا اور حکومت پر قبضہ کرلیا۔
پھر یہ بت پرستی کا مرض ایسا پھیلا کہ ہر قبیلے نے اپنا اپنا الگ خدا بنالیا' ہر ہر گھر میں اپنے اپنے خداؤں کی پوجاپاٹ ہونے لگی اور عرب کے عوام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف اور ملتِ حنفیہ کو ترک کر کے بت پرستی کو اپنے مذہب کے طور پر اختیار کرلیا۔

قرآن میں اصنام کا ذکر

عرب کے ان اصنام' بتوں میں سے چند قرآن مجید میں بھی مذکور ہیں جن میں سے لات' عزیٰ اور منات کا ذکر سورۂ نجم میں آیا ہے:
''کیا تم نے لات' عزیٰ اور تیسرے بت مناۃ کو دیکھا۔'' (سورۂ نجم آیات 19' 20)
سورۂ صفات میں بعل کا نام ہے:
''بعل کو پکارتے ہو اور اس سب سے اچھے پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو۔''
(سورۂ صفت آیت 125)
سورۂ نوح میں ود' سواع' یغوث' یعوق اور نسر کے نام آئے ہیں۔
''اور بولے ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو' اور ہرگز نہ چھوڑنا ود' سواع' یعوق اور نسر۔
(سورۂ نوح آیت 23)

ان کے پرستار قبائل

لات اور عزیٰ قریش کے دیوتا تھے۔ قاعدہ تھا کہ سونے سے پہلے قریش ان کی پوجاپاٹ کرلیتے تب سوتے

(مسند امام حنبل جلد 4 صفحہ 222)۔قریش انہی کی قسم کھایا کرتے تھے۔(صحیح بخاری تفسیر سورۂ نجم) مناۃ کو اوس وخزرج سے خصوصیت تھی' وہ حج میں اسی کا طواف کرتے تھے۔(صحیح بخاری تفسیر سورۂ نجم) حج میں ان تینوں کی جے پکاری جاتی تھی۔قریش طواف کے وقت کہتے:

''لات اور عزیٰ اور تیسرا مناۃ' بزرگ لوگ ہیں' ان کی سفارش کی امید ہے۔'' (معجم یاقوت لفظ عزی)

سورۂ نوح میں مذکور بتوں کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عرب کے مختلف قبائل میں ان کی پرستش ہوتی تھی' ''ود'' قبیلہ کلب کا بت تھا' ''سواع'' کی ہذیل پرستش کرتے تھے۔''یغوث'' مراد اور بنی غطیف کے قبیلوں کا دیوتا تھا۔''یعوق'' ہمدان میں پوجا جاتا تھا' ''نسر'' حمیر کے خاندان ذی الکلاع کا معبود تھا۔(صحیح بخاری تفسیر سورۂ نوح) ''بعل'' کی پرستش شام میں ہوتی تھی۔(تفسیر بیضاوی تفسیر سورۂ صافات)

بنو قحطان کے آخری مقتدر قبائل جن کا زمانہ زمانۂ اسلام سے قریب ہے' حمیر اور ہمدان ہیں۔ان کے مختلف قبائل ہیں۔مؤرخین عرب کی تشریح کے مطابق حسب ذیل بتوں یا دیوتاؤں کی پرستش ہوتی تھی:

نام قبیلہ	جسے پوجتے تھے
حمیر	شمس (آفتاب)
اہلِ جرش (واقع یمن)	یغوث (فریاد کو پہنچتا ہے)
خیوان (قبیلہ جدان)	یعوق (رفع کرتا ہے یا روکتا ہے)
ذوالکلاع (حمیر)	نسر (گدھ' ایک ستارے کا نام ہے)
خولان (یمن کا قبیلہ)	عمیانس' یا عم انس (انسان کا چچا یا محافظ)
عبدالمدان (یمن کا قبیلہ)	مدان
اہلِ صنعاء (واقع یمن)	کعیت اور اس کی بیوی (یہ دونوں بت صنعاء کے کلیسا میں تھے)
حضرموت وکیندہ	جلسد
اہلِ بخیر (واقع حضرت موت)	ذریح

اہلِ نجران ایک درخت کو پوجتے تھے اس کو سالانہ تہوار میں کپڑے اور زیور پہناتے تھے۔

مندرجہ بالا کے حوالہ جات درج ذیل ہیں:

(۱) طبقات الامم ابن صاعد اندلسی' ص ۴۲ بیروت (۲) اوپر ہول کی رائے پڑھو' یاقوت نے عمسانس لکھا ہے اور ابن ہشام نے عم انس (۳) یہ فہرست سیرۃ ابن ہشام کی فصل اصنام العرب سے ماخوذ ہے۔صحیح بخاری تفسیر سورۂ نوح میں اسی قسم کی روایت ہے۔(۴) ان پانچ بتوں کا ذکر معجم یاقوت میں ان ناموں کے تحت میں ہے۔کعیت کا ذکر ''قلیس'' ہے۔(طبری صفحہ ۲۲ مطبوعہ یورپ)

ان دیوتاؤں کے لیے چھوٹے چھوٹے ہیکل یوں تو ہر جگہ ہوں گے لیکن ان میں چند نہایت مشہور اور ممتاز ہیکل تھے مثلاً غمدان، ریام، ذوالخلصہ، قلیس۔

غمدان صنعاء میں ایک مشہور عمارت تھی۔ شہرستانی کا بیان ہے کہ وہ ستارہ زہرہ کا ہیکل تھا۔ یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ شتار کے نام سے یمن میں زہرہ کی پرستش عام طور سے ہوتی تھی، یاقوت نے معجم میں لکھا ہے کہ اس عمارت کا بانی الیشرح بن یحصب تھا۔ اس میں سات منزلیں تھیں اور ایک میں ایک شیر کا مجسمہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عمارت کو منہدم کرا دیا۔

غمدان کی سات منزلیں ممکن ہے کہ سات آسمانوں کا تخیل ہو یا ہفتہ کے سات دن کی مناسبت سے ہوں۔ شیر کا مجسمہ ہونا تو اس بات کو واضح کرتا ہے کہ شاید اسد کی صورت کواکب سے اس کو تعلق ہو۔ مارگولیوتھ نے لائف آف محمد میں یمن کا ایک کتبہ شائع کیا ہے جس میں کتبہ کے پہلو میں ایک شیر کی شکل ہے۔

ریام کا ہیکل بھی یمن میں واقع تھا اس سے پہلے مولر کی شہادت گزر چکی ہے کہ ریام کے ہیکل میں چاند اور سورج کی مورتیں تھیں۔ ہمدانی نے اس کو عرب کی قدیم مذہبی عمارتوں میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ قبیلہ ہمدان کی آبادی میں واقع تھا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اہلِ یمن اس ہیکل کی بڑی عزت کرتے تھے اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔ دوسری صدی ہجری تک اس عمارت پر قربانی کے خون کے نشانات موجود تھے۔

(صفۃ جزیرۃ العرب صفحہ 27)

یہ نہیں معلوم کہ یہ ہیکل کس بت کا مسکن تھا لیکن اکثر ائمۃ الغت نے اسے ''رام'' سے مشتق کیا ہے جس کے معنی ''شفقت اور مہربانی'' کے ہیں اس لیے یہ ممکن ہے کہ یہ ''ود'' کا مترادف ہے۔

ذوالخلصہ کا ہیکل مکہ سے سات منزلیں یمن کی جانب واقع تھا اس کی وقعت اہلِ عرب میں اتنی تھی کہ اس کو یمن کا کعبہ کہتے تھے۔ اس میں سفید سنگِ مرمر کا ایک بت استادہ تھا اس کے سر پر پھول بوٹے کاٹ کر ایک تاج سا بنا تھا اس کے گلے میں ہار ڈالے جاتے تھے۔ شتر مرغ کے انڈے لٹکائے جاتے تھے، چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ دوس، خثعم، بجیلہ اور ازد السراۃ کے قبائل اس کے پجاری تھے۔ (معجم یاقوت لفظ خلصہ)

فتح مکہ کے بعد حضرت جریر بن عبداللہ بجلی نے حضورِ انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کے حکم سے اس کو جلا کر خاک کر دیا۔ (صحیح بخاری سریہ ذی الخلصہ) حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی وفات کے بعد جب یہ قبائل مرتد ہوئے تو انہوں نے ذوالخلصہ کو پھر زندہ کرنا چاہا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت نے اس کو ہمیشہ کے لیے فنا کر دیا۔ (تاریخ طبری)

قلیس کلیسا کا معرب ہے، یہ کلیسا اہلِ حبش نے جو عیسائی تھے، صنعاء میں بنوایا تھا۔ کہتے ہیں اس میں دو بت نصب تھے جو میاں بیوی کہلاتے تھے، مرد کا نام کعیت تھا۔ یہ ساٹھ ہاتھ لمبا لکڑی کا ایک بت تھا۔ دوسری صدی ہجری میں خلیفہ سفاح کے زمانے میں یہ ہیکل برباد ہوا۔

ان بت خانوں کی آبادی اور مصارف کے لیے لوگ اپنی پیداوار اور کمائی کا مخصوص حصہ نذر کیا کرتے تھے۔ ہمارے مفسرین اور ارباب سیر لکھتے ہیں کہ حضر موت والے اس اصول کے بہت پابند تھے۔

چنانچہ قرآن کی یہ آیت ان ہی کے متعلق ہے:

''خدا نے جو کھیتی اور جانور پیدا کیے ہیں' یہ کافر خدا کا ایک حصہ خدا کے لیے کرتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ تو خدا کا ہے اور یہ ہمارے دیوتاؤں کا ہے۔'' (سورۂ انعام آیت 136)

اوس وخزرج عرب اور دیگر قیاسات عقلی کی بناء پر ازد اور غسان کی شاخ تھی اس بناء پر مذہبی حیثیت سے بھی ان میں اتحاد پایا جاتا ہے۔ چنانچہ مناۃ دیگر قبائل ازد اور غسان کا معبود بھی تھا اس کے علاوہ ان قبائل اور ان کی شاخوں میں اور بھی چند دیوتا تھے۔

جنوبی عرب کے بت

نام	مقام	پرستار یعنی کہ پوجا کرنے والا قبیلہ
1-اقیصر	حدود شام میں	قضاعہ'لخم'جذام'عاملہ'غطفان
2-عائم	-	ازد السراۃ
3-فلس	جبس	طی
4-ذوالشریٰ	-	دوس'ازد
5-ذوالکفین	-	دوس
6-باجر	-	ازد
7-ود	-	کلب بن دبرہ (شاخ قضاعہ)
8-یغوث	-	انعم (شاخ طی)

عدنانی قبائل کا سب سے بڑا بت یا دیوتا ہبل تھا جو خاص خانہ کعبہ میں نصب تھا۔ لات کا ہیکل شہر طائف میں تھا۔ مکہ سے چند میل دُور مقامِ نخلہ عزیٰ نام کی ایک دیوی کا مسکن تھا۔ عدنانی قبائل کے یہ تین سب سے بڑے دیوتا تھے' ان پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے' قربانیاں ہوتی تھیں' ان کی نذریں مانی جاتی تھیں' لوگ ان کی زیارت کو آتے تھے' ان کے علاوہ مختلف قبائل کے کچھ مقامی دیوتا تھے جن کے نام یہ ہیں:

بت کا نام	مقام	پرستار یعنی کہ پوجا کرنے والا قبیلہ
سواع	دومتہ الجندل	قبیلہ ہذیل
سعد	ساحل جدہ	بنی ملکان بن خزیمہ بن مضر
اساف	مکہ	

نائلہ	مکہ	
رضاء	-	بنی ربعیہ بن کعب
ذوالکعبات	سنداد (حدود عراق)	قبیلہ ایاد
جبار	عکاظ	ہوازن
مناف	-	قریش
ادال	-	بکروتغلب
محرق	-	بکرور بیعہ
یالیل	طائف	ثقیف
ذوالخلصہ	بتالہ	خثعم وبجیلہ
سعیر	-	غزہ
فراص	-	سعدالعشیرہ

بعض قبائل ستارہ پرست تھے‘ قیس جو عدنانی قبائل میں بہت بڑا قبیلہ تھا‘ شعیریٰ کو پوجتا تھا۔ قبیلہ کنانہ چاند کا پرستار تھا‘ اسد کا قبیلہ عطارد کی پرستش کرتا تھا۔ تمیم ستارہ وبران کو پوجتے تھے۔ (ابن صاعد اندلسی صفحہ 43‘ طبع بیروت) قریش اوران کے دیگر ہم نسب قبائل جس ہبل کو پوجتے تھے‘ ہمارے قدیم علمائے لغت تو کچھ نہیں بتاتے مگر حسبِ جدید تحقیقات وہ درحقیقت ستارہ زحل تھا۔

چند اور بتوں کے نام

لغت کی کتابوں میں متعدد ایسے بتوں کے نام ملتے ہیں جن کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ کس قبیلے کے معبود تھے اور عرب کے کس بت خانے میں ان کی پرستش ہوتی تھی۔ مثلاً کسعہ جہہ‘ جریش شارق‘ عوف‘ بجہ‘ یہ نام علامہ فیروز آبادی کی تصنیف قاموس سے لیے گئے ہیں۔

عرب میں ایک اور بت تھا جس کو دوار کہتے تھے‘ عورتیں اور نوجوان لڑکیاں اس کے چاروں طرف طواف کرتی تھیں۔ چنانچہ امراء القیس کہتا ہے:

”ہمارے سامنے ہرنوں کا گلہ آیا جس کی ہرنیاں‘ دوار کی ناکتخدا لڑکیاں معلوم ہوتی تھیں جو بڑے بڑے دامن کی چادریں اوڑھے ہوں۔“

گزشتہ صفحات میں جن بتوں اور دیوتاؤں کے نام لکھے گئے ہیں‘ گو یہ بہت تحقیق وجستجو اور تلاش سے جمع کیے گئے ہیں تاہم ان کی اصلی تعداد کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔ بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب حضورِ انور نبی کریم ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے ہیں تو اس وقت خانہ کعبہ 360

بتوں کا مسکن تھا۔ (صحیح بخاری فتح مکہ) یہ خانہ کعبہ کے اندر کے بتوں کی تعداد ہے اس کے علاوہ ملک کے گوشہ گوشہ میں جو بت پوجے جا رہے تھے ان کی کثرت کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے۔

قاعدہ کے مطابق خاص بنائے ہوئے بتوں کے علاوہ عربوں کی جہالت کا یہ عالم تھا کہ راستہ چلتے چلتے جو اچھا پتھر بھی ان کو مل جاتا اس کو دیوتا بنا لیتے تھے اگر کبھی اس سے اچھا مل گیا تو پہلے کو چھوڑ کر اس کے آگے سر جھکا دیتے تھے اگر بدقسمتی سے کوئی پتھر ہاتھ نہ آتا تو مٹی کا گول پنڈا بنا کر بکری کا دودھ اس پر ڈالتے تھے اور پھر وہ دیوتا بن جاتا تھا۔ (صحیح بخاری وفد بنی حنیفہ) عرب میں ایک قبیلہ تھا جس نے آٹے کی مورت بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔

(سیرت نبوی ابن ہشام مقدمہ)

حرب صرف چند ایک بتوں کی ہی پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ جزیرۂ عرب کے اطراف واکناف میں مختلف شکلوں کے بتوں کی پوجا شروع ہو گئی تھی۔ بعض کسی مکان کی شکل میں، بعض درختوں کے جھنڈ کی شکل میں، بعض گھڑے ہوئے پتھر اور بعض اَن گھڑے پتھر۔ الغرض بت پرستی شرک عظیم کی ایک وباء پھوٹ پڑی تھی یہاں تک کہ کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت نصب کر دیئے گئے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب کے سارے قبائل کعبہ کا حج کرنے کے لیے آیا کرتے تھے اس لیے قریش نے ان تمام قبائل کے معبودان باطل کے مجسمے یہاں یکجا کر دیئے تھے تاکہ کسی قبیلے کا آدمی بھی حج کرنے کی نیت سے آئے تو اپنے معبود کے بت کو یہاں دیکھ کر اس کی عقیدت میں اور اضافہ ہو اور قریش کی ریاست مذہبی سمجھ بوجھ کو تسلیم کرنے میں وہ کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے۔

عرب کے بت مؤنث تھے

اہلِ عرب دیوتاؤں کے نام زیادہ مؤنث رکھتے تھے کیونکہ وہ ان کو مونث سمجھتے تھے۔ مثلاً لات، عزیٰ، مناۃ وغیرہ سب مؤنث ہیں۔ فرشتوں کو بھی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ غرض خدائی کا کارخانہ زیادہ تر عورتوں ہی کے ہاتھ میں دے رکھا تھا اسی لیے قرآن مجید نے کہا:

''خدا کو چھوڑ کر یہ عورتوں (بیبیوں) و پکارتے ہیں۔'' (سورۂ نسا آیت 10)

ان اصنام کی شکلیں

ایک غیر مرفوع روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بت گزشتہ بزرگوں کے مجسمے تھے جن کو اہلِ عرب نے بعد میں پوجنا شروع کر دیا تھا۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ نجم ونوح) ممکن ہے کہ ان میں بعض ایسے بھی ہوں لیکن زیادہ صحیح خیال یہ ہے کہ اصل میں مختلف ستاروں کی خیالی صورتیں تھیں۔ ''نسر'' کے متعلق تو یہ تحقیق ثابت ہے کہ وہ ایک آسمانی شکل کا نام ہے اسی پر دوسرے بتوں کو بھی قیاس کرنا چاہیے۔ بعد میں مرورِ زمانہ (زمانہ گزر جانے) سے ان کی اصلیتیں ذہنوں سے اُتر گئیں اور وہ صرف پتھر اور مٹی کا ڈھیر بن کر رہ گئے۔ چنانچہ لات، عزیٰ اور مناۃ کی یہی صورت تھی۔

نام بت	صورت کیا تھی
لات	گول سپید اور اس پر ایک عمارت بنی تھی
عزیٰ	ایک درخت تھا اس کے نیچے ایک بت تھا' چاروں طرف چار دیواری تھی
مناۃ	پتھر کی ایک چٹان تھی

دوسرے بتوں کی مختلف صورتیں تھیں۔

وُدّ' دراز قد مرد کی مورت' ایک تہمد کمر میں لپیٹے' ایک چادر اوڑھے' گلے میں تلوار حمائل' کمان لٹکی ہوئی ایک طرف ترکش پڑا ہوا سامنے نیزہ اس میں جھنڈ بندھا ہوا۔ ستارہ جبار کی تقریباً یہی شکل ہے۔

سواع کی شکل عورت کی تھی' آسمان میں مرۃ سلسلہ ذات الکرسی وغیرہ عورت کی شکلیں ہیں۔ یغوث (فریاد رس) کی شکل شیر کی تھی (ستارہ اسد ہوگا) ایک فریادرس اور مددگار کی مورت شیر سے بہتر کیا خیال کی جا سکتی ہے۔ یعوق (مصیبتوں کو روکنے والا) کی صورت گھوڑے کی تھی' ستاروں کی ایک شکل فرس بھی ہے۔ عربوں کے نزدیک تو فرس (گھوڑا) حقیقتاً ان کے مصائب کا چارہ گر ہے۔ نسر ایک پرندہ کی شکل پر تھا' نسر طائر اور واقع ستاروں کی دو مشہور شکلیں ہیں۔ بابل میں نسروک کی جو ننگی مورت ملی ہے' وہ بالکل گدھ کی شکل ہے۔

منات

بت کا نام منات تھا۔

یہ بت قدید کے قریب ساحل سمندر پر کوہِ مشلل کے نواح میں نصب تھا۔

قبیلہ اوس وخزرج' ہذیل وخزاعہ' ازد کے قبیلے اس کی پوجا کرتے تھے۔

قریش اور باقی تمام عرب اس کی عبادت کرتے تھے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔ اوس وخزرج جب مدینہ سے حج کرنے آتے تو ارکانِ حج ادا کر کے اپنے سر اس بت کے پاس منڈواتے تھے اور اس کے بغیر حج کو ناتمام سمجھتے تھے۔

بتوں میں سب سے پرانا بت مناۃ کے نام سے مشہور تھا اس کے پجاری اپنے بیٹوں کے نام اظہارِ عقیدت کے لیے عبد مناۃ' زید منات وغیرہ رکھا کرتے تھے۔ یہ بت ساحل سمندر پر قدید کے مقام پر نصب تھا جو مکہ اور یثرب کے درمیان ایک قصبہ تھا۔ ازد' اوس اور خزرج کے قبائل اس کی پوجا کرتے تھے' یہ سلسلہ 8ھ تک جاری رہا۔ حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ جب فتح مکہ کے لیے تشریف لائے تو حضورِ انور نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ مناۃ کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیں۔

مناۃ اس لفظ کا اشتقاق چند ماخذوں سے ہوسکتا ہے۔ سب سے کمزور پہلو یہ ہے کہ وہ منیٰ سے مشتق ہو جس کے معنی بہانے کے ہیں اسی سے مکہ کے مقام منیٰ کا نام ماخوذ ہے یعنی خون بہانے کی جگہ۔ مناۃ شاید قربانی کا دیوتا

تھا جس کے نام سے خون بہایا جاتا ہوگا لیکن بجز قیاس کے اس اشتقاق کی صحت کی اور کوئی دلیل نہیں۔ یاقوت نے اس کے مختلف اشتقات بتائے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان میں سے سب سے صحیح یہ ہے کہ وہ منا سے مشتق ہے اس کے معنی تقدیر کے ہیں اور اس کے معنی ثانی موت کے ہیں۔ صاحب لسان العرب نے بتایا ہے کہ مناۃ تقدیر اور موت کی دیوی تھی، نبطی کتبات میں یہی منات' منوت کی صورت میں ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس کا املا منوۃ ہے۔

ہبل

بت کا نام ہبل تھا۔

یہ بت مکہ میں خانہ کعبہ میں تھا۔ (نصب تھا' رکھا تھا)

یہ قریش کا بت تھا لیکن خانہ کعبہ میں نصب ہونے کی وجہ سے تمام عرب اس کی پوجا کرتے تھے۔

کعبۃ اللہ جو خانہ خدا ہے' بت خانہ بنا ہوا تھا اس میں تین سو ساٹھ بت تھے جن میں ہبل بہت بڑا اور جوف کعبہ میں نصب کیا ہوا تھا۔ یہ بت بشکل انسان عقیق احمر کا بنا ہوا تھا اس کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا' قریش کو اسی حالت میں ملا تھا۔ انہوں نے اس کے لیے سونے کا ہاتھ بنا دیا تھا اس کے سامنے سات تیر رکھے ہوئے تھے جن سے پجاری قرعہ اندازی کیا کرتا تھا۔

تاریخ الاسلام میں حسب ذیل مرقوم (لکھا ہوا) ہے

قبیلہ قریش کے اپنے مخصوص بت تھے' ان میں سے کچھ کعبہ کے اندر رکھے ہوئے تھے اور بعض کو کعبہ کے باہر نصب کر دیا گیا تھا۔ قریش کے تمام بتوں میں بڑا بت' ہبل تھا۔ یہ سرخ عقیق کا بنا ہوا تھا اس کی صورت انسان کی تھی اس کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ قریش نے اس کی جگہ سونے کا ہاتھ بنا کر اس کے ساتھ پیوست کر دیا تھا۔ ہبل کے بت کو سب سے پہلے خزیمہ بن مدرکہ نے نصب کیا تھا اس لیے اس کو ہبل خزیمہ کہتے تھے۔ عہد جاہلیت میں اہلِ عرب کی یہ عادت تھی کہ اگر وہ کسی کام کا ارادہ کرتے تو عملی قدم اُٹھانے سے قبل وہ ان تیروں کے ذریعے فال نکالتے جو ایک بوری میں رکھے ہوئے تھے۔ اگر ایسا تیر نکلتا جس پر نعم یعنی ہاں لکھا ہوتا تو وہ اس کام کو کرنے کے لیے عملی اقدامات کرتے اور اگر ایسا تیر نکلتا جس پر لا یعنی نہیں لکھا ہوتا تو وہ اس کے کرنے سے باز رہتے۔

ابن الکلبی سے مروی ہے کہ ہبل کعبہ شریف کے اندر تھا اس کے سامنے فال نکالنے والے سات تیر تھے' ایک پر صریح کا لفظ تھا اور دوسرے پر ملصق یعنی زبردستی ملایا گیا اگر انہیں کسی بچہ کے نسب پر شک ہوتا تو وہ ہبل کے سامنے ہدیہ پیش کرتے اور پھر فال نکالتے اگر وہ تیر نکلتا جس پر صریح کا لفظ لکھا ہوتا تو اس مولود کو اس کے باپ کی طرف منسوب کرتے اور اگر ایسا تیر نکلتا جس پر ملصق کا لفظ ہوتا تو اس کو مسترد کر دیتے اور اس کو حرامی قرار دیا جاتا۔ مختلف نوعیت کی فال کے لئے مختلف تیر ہوتے تھے۔ اسی طرح میت کے لیے بھی تیر تھے اور شادی کے بارے میں فال نکالنے کے تیر تھے۔ تین تیر ایسے تھے جن کی حقیقت کے بارے میں مؤرخین لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں۔

(تاریخ الاسلام از حسن ابراہیم جلد 1 صفحہ 69'70)

تاریخ ارض قران میں حسب ذیل تحقیق بھی ہے۔

ہبل قریش کا معبودِ اعظم تھا' اس کی انسان کی مورت تھی' عقیق سرخ سے بنایا گیا تھا اس کا داہنا ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا' قریش کو اسی حالت میں ملا تھا' انہوں نے سونے کا ہاتھ بنوا کر لگایا تھا۔ یہودیوں کے بعل کی شکل بھی یہی تھی۔ فرق یہ ہے کہ یہ تمام تر سونے کا تھا' ہبل خاص خانہ کعبہ میں نصب تھا' ہر طرح کی فال کے پانسے اسی کے آگے ڈالے جاتے تھے۔

بعل

بعل کی نسبت بہ تحقیق گزر چکا ہے کہ یہ دیوتا شام کا معبود تھا' قرآن مجید نے بھی اسی ضمن میں اس کا ذکر کیا ہے۔ بعل کے لغوی معنی قوت کے ہیں اسی سے مجازاً آقا کے معنی اور اس کے بعد شوہر کے معنی میں یہ لفظ مستعمل ہوا۔ چنانچہ دوسرے معنی میں یہ لفظ قرآن میں بکثرت آیا ہے۔ عرب کا مشہور دیوتا ہبل جو قریش کا خدائے اعظم تھا اسی بعل کی تحریف ہے' عبرانی میں کلمہ تعریف ہے۔ بعل کو وہ ہبل کہتے تھے۔ عمرو بن لحی شام کے دیوتاؤں کو جب عرب سے لے کر چلا تو مکہ پہنچتے پہنچتے بعل کی لفظی صورت "ھبعل" سے بدل گئی اور پھر وہ لفظ وقت رفتہ کے ساتھ ہبل بن گیا۔

عزیٰ

بت کا نام عزیٰ تھا۔

یہ بت وادی حراض واقع نخلہ شامید (مکہ سے جانب شمال کوئی 75 کلومیٹر دور) نصب تھا۔

یہ قریش کا بت تھا۔

یہ ایک شیطانہ تھی جس کا تھان ببول کے تین درختوں میں تھا۔ فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان درختوں کو کاٹ دیا اور عزیٰ کو قتل کر دیا۔ قریش دیگر اصنام کی نسبت اس کی تعظیم زیادہ کرتے تھے۔ انہوں نے حرمِ کعبہ کی طرح وادی حراض میں ایک درہ کو اس کا حرم قرار دیا تھا اس درہ کا نام سقا تھا اور قربانیوں کے لیے ایک مذبح بنایا تھا جسے غبغب کہتے تھے۔ عرب لات و منات و عزیٰ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ ہماری شفاعت کریں گی۔

عربوں کی بتوں سے عقیدت

ان کے بتوں میں سے ایک کا نام عزیٰ تھا' یہ مناۃ اور لات کے بعد بنایا گیا تھا۔ یہ وادی نخلہ میں درختوں کے ایک جھنڈ کی شکل میں تھا جب کوئی مسافر مکہ سے عراق کی طرف جاتا تو درختوں کا یہ جھنڈ اس کے دائیں جانب پڑتا۔ عرب ان بتوں کے ساتھ بھی اپنی قلبی عقیدت کے اظہار کے لیے اپنے بیٹوں کے نام زید لات تیم لات' عبدالعزیٰ وغیرہ رکھا کرتے۔ قریش جب کعبہ کا طواف کرتے تو بلند آواز سے یہ نعرہ لگاتے:

"لات' عزیٰ اور تیسری مناۃ یہ مقرب ہیں اور شفاعت کرنے والیاں ہیں۔"

اللہ تبارک تعالیٰ نے سورۂ نجم کی آیات 19 تا 22 میں ان کی اس حماقت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝

ترجمہ: ''(اے کفار) کبھی تم نے غور کیا لات وعزیٰ کے بارے میں اور مناۃ کے بارے میں جو تیسری ہے' کیا تمہارے لیے تو صرف بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے نری بیٹیاں' یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے۔''

(سورۂ نجم آیات 19 تا 22)

تاریخ ارض القران سے مزید تحقیق کے ساتھ عزیٰ کے متعلق تو یہ ظاہر ہے کہ یہ عز سے مشتق ہے جس کے معنی غلبہ کے ہیں۔ عز کا اسم تفصیل مؤنث عزیٰ ہے یعنی بہت غالب آنے والی دیوی۔ عجب نہیں کہ یہ قریش اور ان کے ہم نسب قبائل کی لڑائی کی دیوی ہو اور غالباً یہی سبب ہے کہ جنگِ احد میں جب مسلمانوں کو دفاعی پوزیشن میں جانا پڑا اور وہ کوہِ احد پر چڑھ گئے تو ابوسفیان نے دامنِ کوہ میں کھڑے ہو کر مسلمانوں کو خطاب کر کے عزیٰ کی جے پکاری تھی کہ لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم (ہماری طرف عزیٰ ہے' تمہاری طرف کوئی عزیٰ نہیں) حضورِ انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی تعلیم سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا:

اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم ۔ (اللہ ہمارا آقا ہے' تمہارا کوئی آقا نہیں'' (صحیح بخاری غزوۂ احد)

سواع

بت کا نام سواع تھا۔

یہ مقامِ رباط جو ینبع کا علاقہ ہے' میں نصب تھا۔

بنولحیان اس بت کے خادم یا پجاری تھے۔

ان کے دیگر مشہور معبودوں میں سے ایک کا نام سواع تھا جو ینبع کی سرزمین میں تھا اور بنولحیان اس کے خدام تھے۔ بنی کلب نے دومۃ الجندل کے مقام پر وُدّ نام کا ایک بت نصب کر رکھا تھا۔ مذحج اور اہلِ جرش نے یغوث کو' اہلِ خیوان نے یعوق کو' حمیر نے نسر کو اپنا اپنا خدا بنا رکھا تھا۔ یہ وہی بت ہیں جن کی پوجا نوح علیہ السلام کی قوم کے مشرکین کیا کرتے تھے۔

سواع اس لفظ کا مشتق منہ کلام عرب میں نہیں ملتا۔ ممکن ہے کہ سوع سے مشتق ہو جس کے معنی زمانے کے ہیں۔

اساف اور نائلہ

ان بتوں کا نام اساف اور نائلہ تھا۔

یہ دونوں بت مکہ میں آبِ زمزم کے کنویں کے قریب رکھے ہوئے تھے۔

یہ قریش کے بت تھے لیکن مکہ خانہ کعبہ میں جتنے بھی بت تھے' انہیں سارا عرب پوجتا تھا کیونکہ خانہ کعبہ میں اور اس کے اردگرد عرب کے تمام قبائل کے بت رکھے جاتے تھے تاکہ مکہ خانہ کعبہ میں جو عبادت و زیارت کے لیے

آئیں وہ سب ایک جگہ پر اپنے اپنے انداز سے (ان بتوں سے) بھی مستفید ہوسکیں۔

اساف اور نائلہ دونوں زمزم کی جگہ پر تھے۔ قریش ان کے پاس قربانیاں دیا کرتے تھے۔ قریش کا ایک بت مناف تھا۔ علاوہ ان کے مکہ کے گھر گھر میں ایک ایک بت تھا جب کوئی سفر کو جاتا تو بطور تبرک اس کو مسح کرتا جب واپس آتا تو گھر میں داخل ہو کر سب سے پہلے اس کو مسح کرتا۔

اہلِ مکہ کے دو معبودوں کے نام اساف اور نائلہ تھے ان کا قصہ یہ تھا کہ اساف بنی جرہم کا ایک مرد تھا جس کا پورا نام اساف بن یعلی تھا اور نائلہ ایک عورت تھی اس کا پورا نام نائلہ بنت زید تھا۔ یہ بھی جرہم قبیلہ سے تھی یہ دونوں یمن میں رہتے تھے قافلے کے ساتھ حج کرنے کے لیے یہ دونوں مکہ آئے اس اثناء میں کعبہ میں داخل ہوئے وہاں اور کوئی آدمی نہیں تھا اس تنہائی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انہوں نے خانہ کعبہ میں بدفعلی کا ارتکاب کیا۔ اس پر اللہ تبارک تعالیٰ نے ان دونوں کو پتھر بنا دیا۔ جب دوسرے لوگ کعبہ کے اندر گئے تو ان کو اس مسخ شدہ حالت میں دیکھ کر انہوں نے انہیں وہاں سے اُٹھایا اور باہر رکھ دیا تاکہ ان کے دردناک انجام سے لوگ عبرت حاصل کریں لیکن کچھ عرصہ بعد ان دونوں کی بھی پوجا ہونے لگی۔

حج کے لیے آنے والے ان دو بدکاروں کی پوجا کرتے اور ان سے اپنی حاجتیں مانگتے ان کا مسخ شدہ ضمیر اس کمینگی پر انہیں ملامت بھی نہ کرتا۔ ان کے علاوہ اور بہت سے بت تھے جن کی وہ پرستش کیا کرتے۔ ابن کلبی نے کتاب الاصنام میں ان کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔

لات

بت کا نام لات تھا۔
یہ بت طائف میں نصب تھا۔
بنی ثقیف اس بت کے خدمت گزار اور پجاری تھے۔

ان کے معبودوں میں سے ایک بت کا نام لات تھا اس کا اصل مجسمہ طائف میں تھا۔ یہ ایک مربع شکل کی چٹان تھی جس پر ایک مکان تعمیر کر دیا گیا تھا۔ بنی ثقیف اس بت کے خدمت گزار اور محافظ تھے۔

تاریخ ارض القرآن سے تحقیق درج ذیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر راویوں سے مروی ہے کہ لات لت سے مشتق ہے جس کے معنی گھولنے کے ہیں۔ عرب میں ایک شخص تھا جو زمانہ حج میں ایک چٹان پر بیٹھ کر ستو گھول گھول کر حاجیوں کو پلاتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اسی چٹان کو پوجنا شروع کر دیا اور اس کا نام لات یعنی ھولنے والا رکھا۔ لیکن اس بیان سے علاوہ اس کے کہ یہ ایک غیر معقول توجیہ ہے یہ لازم آتا ہے کہ لات (بالتخفیف) کے بجائے لات (تشدید) کے ساتھ ہو۔ یاقوت نے معجم میں اس کو لیت سے مشتق کیا ہے جس کے معنی پھیرنے کے ہیں۔ ''لات'' یعنی مصیبتوں کا ٹالنے والا لیکن اس معنی کے لیے اس اصول پر اس لفظ کو لائت ہونا چاہیے تھا۔

یغوث اور یعوق

اس بت یا ان بتوں کے نام یغوث اور یعوق تھے۔
یغوث مقامِ مذحج جو کہ یمن میں ایک ٹیلہ ہے' پر نصب تھا۔
یعوق مقامِ خیوان جو کہ صنا (یمن) سے مکہ کی طرف اندازاً 75 کلومیٹر دور ہے' پر نصب تھا۔
یغوث کو قبیلہ مذحج اور اہلِ جرش پوجتے تھے اور یعوق کو ہمدان اور اس کے قرب وجوار کے لوگ پوجتے تھے۔
یغوث و یعوق کی تحقیق تاریخ ارض القران کے مطابق

یعوق

عوق سے (روکنا) مضارع کا صیغہ ہے۔ اہلِ یمن میں یہ بت پوجا جاتا تھا' ان کے ہاں صیغہ مضارع کو بطورِ علم استعمال کرنے کا خاص دستور تھا۔ چنانچہ یعرب یشجب یکرب' یعفر' یھرعش' یوھیمن وغیرہ اصلی نام کے ساتھ صفت کے طور پر مستعمل ہوئے ہیں۔ یعوق کے معنی روکنا ہے یعنی مصیبتوں کو روکتا ہے۔

یغوث

یغوث بھی یعوق کے قاعدہ سے علم ہے۔ غوث (فریاد کو پہنچنا) اس کا مصدر ہے۔ یغوث کے معنی فریادرسی کرنا ہے۔ یغوث دیوتا کا نام کتبہ میں بھی ملتا ہے۔

وُدّ

بت کا نام وُدّ تھا۔
یہ مقام دومتہ الجندل جو دمشق اور مدینہ کے تقریباً وسط میں ہے' پر نصب تھا۔
بنی کلب اس کے خدمت گزار یا پجاری تھے۔
یہ بت بشکل انسان بزرگ جثہ تھا جس پر دو حلہ منقوش تھے۔ ایک حلہ بطورِ ازار اور دوسرا بطورِ چادر۔ تلوار آڑے لٹکائے ہوئے اور کمان شانے پر' سامنے ایک تھیلے میں نیزہ اور جھنڈا تھا اور ایک ترکش تھی جس میں تیر تھے۔
حارثہ اجداری اپنے بیٹے مالک کو دودھ دے کر اس بت کے پاس بھیجا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اپنے معبود کو پلاؤ۔
تاریخ ارض القران سے وُدّ کی تحقیق درج ذیل ہے:
ود کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ یہ وُدّ سے ہے جس کے معنی محبت کے ہیں اور اس کے مقابل دوسری دیبی نکرہ تھی جس کے ناپسندیدگی اور عداوت کے معنی ہیں۔ یہ بت بھی کتبات میں مذکور ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ وُدّ کی اصل اد ہے جو بابلی میں آفتاب کو کہتے ہیں۔

فلس

اس بت کا نام فلس اور انسان کی شکل کا تھا۔

یہ بت ایک پہاڑ ''اجا'' جو کہ مدینہ سے اندازاً 100 کلومیٹر جانب شمال میں وہاں نصب تھا' پہاڑ اجا اور سلمی قبیلہ طئی کا علاقہ تھا۔

اس بت کے محافظ اور پجاری' خدمت گزار قبیلہ طئی تھا۔

قبیلہ طئی کے دو پہاڑ اجا و سلمی مدینہ منورہ سے جانب شمال تین مرحلہ کے فاصلہ پر ہیں اس بت پر قربانی چڑھاتے تھے اگر کوئی جانور بھاگ کر اس کی پناہ میں آتا تو وہ اسی کا ہو جاتا۔ ایک روز اس کا پجاری صیفی نام ایک عورت کی اونٹنی بھگا لایا اور اس بت کے پاس لا کر باندھ دی' عورت نے اپنے ہمسایہ سے شکایت کی۔ وہ اونٹنی کو کھول کر لے گیا' پجاری نے بت سے فریاد کی مگر کچھ نہ بنا۔ عدی بن حاتم نے یہ دیکھ کر بت پرستی چھوڑ دی اور عیسائی ہو گئے پھر 9ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نسر

بت کا نام نسر تھا۔

یہ بت مقامِ ''بلخع'' سرزمین سبا واقع یمن میں نصب تھا۔

قبیلہ حمیر اس کا پجاری و خدمت گزار تھا۔

بلخع سرزمین سبا واقع یمن میں ہے۔ حمیر نسر کو پوجتے رہے۔ یہاں تک کہ ذونواس نے ان کو یہودی بنا لیا اسی طرح حمیر کے لیے تبدیلی مذہب سے پہلے صنعاء یمن میں ایک مندر ''رنام'' تھا جس پر وہ قربانیاں چڑھاتے تھے۔

تاریخ ارض القران سے درج ذیل تحقیق حاضر ہے۔

نسر کے لغوی معنی گدھ کے ہیں اسی شکل کا ایک مجموعہ کواکب آسمان میں ہے جس کو نسر کہتے ہیں۔ نسر دیوتا کی حیثیت سے سامی قوموں میں بہت مدت سے پوجا جاتا تھا۔ اہلِ بابل کے دیوتاؤں میں ایک نسروک تھا اب بابل میں اس دیوتا کا مجسمہ بھی نکلا ہے۔

عمیانس

بت کا نام عمیانس تھا۔

یہ بت موضع ''خولان' واقع یمن میں نصب تھا۔

اس کا پجاری قبیلہ خولان تھا۔

مویشیوں کو اس بت اور اللہ تبارک تعالیٰ کے درمیان تقسیم کیا کرتے تھے۔ بقول ہشام کلبی'' وجعلو اللہ مما ذرا من الحرث والانعام الایہ'' سورۂ انعام کی آیت مبارکہ 136 خولان ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

ترجمہ: ''اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کئے' ان میں اسے ایک حصہ ٹھہرایا' تو بولے یہ اللہ کا ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کا۔ تو وہ جو ان کے شریکوں کا ہے۔ وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا' اور جو اللہ

کا ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچتا ہے' کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں۔ (سورہ انعام آیت 136)

ذوالکفلین

بت کا نام ذوالکفلین تھا۔

یہ ارض ''دوس'' یمن میں نصب تھا۔

اس کا پجاری قبیلہ دوس تھا۔

مالک وملکان پسران کنانہ ساحل جدہ اس کے پجاری تھے۔

فتح مکہ کے بعد حضرت طفیل بن عمرو دوسی نے اس بت کو بحکم رسول اللہ ﷺ آگ لگا کر جلا دیا تھا۔

ذوالخلصہ

بت کا نام ذوالخلصہ تھا۔

یہ بت ''تبالہ'' کے مقام پر نصب تھا۔

اس کے پجاری قبیلے خشم' بجلہ اور ازدسراۃ تھے۔

تبالہ مکہ ویمن کے درمیان مکہ سے سات یا آٹھ دن کی راہ ہے۔ یہ بت سفید پتھر پر منقوش تھا جس پر تاج کی مثل کوئی شے تھی۔

ذوالشریٰ

بت کا نام ذوالشری تھا۔

یہ بت ذوالشری کے مقام پر نصب تھا۔

اس کا پجاری قبیلہ بنو حارث بن یشکر ازدی تھا۔

ذوالشری مکہ معظمہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔

اقیصر

بت کا نام اقیصر تھا۔

یہ بت مقام ''مشارف شام'' پر نصب تھا۔

اس کے پوجنے والے قبیلے قضاعہ' لخم' جزام' عاملہ اور غطفان تھے۔

اس کا حج کرتے' قربانی دیتے اور اس کے پاس اپنا سر منڈوایا کرتے' سر منڈوانے والا ہر بال پر گیہوں کے آٹے کی ایک مٹھی پھینکا کرتا تھا۔

نہم

بت کا نام نہم تھا۔
اس کا مقام نصب معلوم نہیں۔
اس کا پجاری مزینہ ''قبیلہ'' تھا۔
اس کا پجاری خزاعی بن عبد نہم مزنی تھا اس نے جب رسول اللہ ﷺ کا حال سنا تو اس بت کو توڑ کر حاضر خدمت ہوا اور ایمان لایا۔

رضاء یا رضی

بت کا نام رضاء یا رضی تھا۔
اس کا مقام نصب نامعلوم ہے۔
اس کے پجاری بنو ربیعہ بن کعب بن سعد تمیمی قبائل تھے۔
اس بات کا ذکر صنعاء کے پرانے کتبوں میں بھی پایا جاتا ہے اس کو مستوغر یعنی عمرو بن ربیعہ تمیمی نے زمانہ اسلام میں منہدم کر دیا۔

سعد

بت کا نام سعد تھا۔
یہ بت ساحل جدہ پر نصب تھا۔
مالک و ملکان پسران کنانہ اس کے پجاری تھے۔
یہ ایک طویل پتھر تھا اس پر خون بہایا جاتا تھا۔

سعیر

بت کا نام سعیر تھا۔
اس کا مقام نصب نامعلوم ہے۔
اس کے پجاری قبیلہ غزہ تھا۔
اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے

عائم

بت کا نام عائم تھا۔
اس کا مقام نصب نامعلوم ہے۔
اس کا پجاری قبیلہ ازدسراۃ تھا۔

مزید اس کے بارے معلومات حاصل نہیں ہے۔

مندرجہ بالا بتوں کے علاوہ عرب میں اور بھی بت تھے' ستاروں کی بھی پوجا ہوتی تھی۔ چنانچہ قبیلہ حمیر سورج کی پرستش کرتا تھا' کنانہ چاند کی' بنو تمیم وبران کو' قیس شعری کو اسد عطارد کو اور لخم وجذام مشتری کو پوجتے تھے۔

(طبقات الامم لابن مساعد الاندلسی صفحہ 43 مطبوعہ بیروت 1912)

عرب میں درخت پرستی بھی پائی جاتی تھی' مکہ مشرفہ کے قریب ایک بڑا سبز درخت تھا' جاہلیت میں لوگ سال میں ایک دفعہ وہاں آتے اور اس درخت پر اپنے ہتھیار لٹکاتے اور اس کے پاس حیوانات ذبح کرتے۔ کہتے ہیں کہ عرب جب حج کو آتے تو اپنی چادریں اس درخت پر لٹکا دیتے اور حرم میں بغرض تعظیم بغیر چادروں کے داخل ہوتے اس لیے اس درخت کو انواط کہتے تھے۔ (معجم البلدان یاقوت حموی' تحت الواط)

ابن اسحاق نے حدیث وہب بن منبہ میں ذکر کیا ہے کہ جب فیمیون نصرانی اپنی سیاحت میں نجران میں بطورِ غلام فروخت ہوا تو اس وقت اہلِ نجران ایک بڑے درخت کی پوجا کیا کرتے تھے اس درخت کے پاس سال میں ایک دفعہ عید ہوا کرتی تھی۔ وہ عید کے موقع پر اپنے اچھے سے اچھے کپڑے اور عورتوں کے زیورات اس درخت پر ڈال دیا کرتے تھے پھر وہ فیمیون کی کرامت دیکھ کر عیسائی ہو گئے۔ (سیرت ابن ہشام' اصحاب الاخدود)

بتوں پر عموماً حیوانات کا خون بہایا جاتا تھا مگر بعض دفعہ انسان کو بھی ذبح کر دیتے تھے۔ چنانچہ "نیلوس" ایک قسم کی قربانی کا ذکر جو 410ء میں دی گئی تھی' ان الفاظ میں کرتا ہے:

"حجاز کے وحشی عربوں کے ہاں دیوتا کی کوئی صورت نہ تھی' صرف ان گھڑ پتھروں کی ایک قربان گاہ ہوا کرتی تھی اس پر وہ ستارہ صبح (زہرہ) کے لیے کوئی انسان یا سفید اونٹ بڑی جلدی سے ذبح کیا کرتے تھے۔ یہ قربانی طلوع آفتاب سے پہلے بظاہر اس وجہ سے ہوا کرتی تھی کہ وہ ستارہ اس عمل میں پیش نظر رہے۔ وہ مقام متبرک کے گرد بھجن گاتے ہوئے تین بار طواف کرتے تب سردار قوم یا بوڑھا پجاری اس بھینٹ پر پہلا وار کرتا اور اس کا کچھ خون پیتا۔ بعد ازاں حاضرین کود پڑتے اور اس جانور کا کچا اور صرف نیم پوست کندہ گوشت طلوع آفتاب ہونے سے پہلے کھا جاتے۔ خود نیلوس کا بیٹا زہرہ کی بھینٹ چڑھنے کو تھا کہ ایک اتفاقی امر سے بچ گیا۔ نیلوس سے پیشتر "پورفری" بیان کرتا ہے کہ عرب میں دومہ کے باشندے سال میں ایک بار ایک لڑکے کی بھینٹ دیتے اور اسے قربان گاہ کے نیچے دفن کر دیتے۔ (مذہب واخلاق کی انسائیکلوپیڈیا تحت عرب قدیم)

بتوں کے بارے میں ان کا رویہ

اپنے بتوں کے بارے میں ان کا رویہ بڑا مضحکہ خیز تھا۔ ابو رجاء العطاردی کہتے ہیں زمانہ جاہلیت میں ہمارا طریقہ یہ تھا کہ ہم ایک پتھر کو پوجتے رہتے اور جب ہمیں اس سے کوئی خوب صورت پتھر مل جاتا تو ہم پہلے معبود پتھر کو پھینک دیتے اور نئے پتھر کی پوجا شروع کر دیتے۔ اگر کسی مقام پر کوئی پتھر دستیاب نہ ہوتا تو ہم مٹی کی ایک ڈھیری بناتے اسی کے اوپر بکری کھڑی کر کے اس کا دودھ دوہتے اور اس میں ڈال دیتے پھر ہم اس ڈھیری کی عبادت کرنے لگتے۔ (بلوغ الادب جلد 2 صفحہ 211)

ابو عثمان النہدی کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ہم ایک بت کی پوجا کیا کرتے تھے ایک روز ہم نے ایک اعلان سنا کوئی کہہ رہا تھا اے لوگو! تمہارا خدا ہلاک ہو گیا ہے اب کوئی نیا رب تلاش کرو۔ ہم نکلے اور وادی کے سارے نشیب وفراز کو چھان کر مارا تاکہ ہمیں کوئی ایسا پتھر مل جائے جس کو ہم اپنا خدا بنا لیں۔ اسی اثناء میں ہم نے ایک منادی کرنے والے کی بلند آواز سنی انا قد وجدنا ربکم لوگو آجاؤ! ہم نے تمہارے لیے ایک خدا ڈھونڈ لیا ہے۔ جب ہم آئے تو وہاں ایک پتھر رکھا ہوا تھا ہم نے اس پر جانور ذبح کیے اور ان کے خون سے اس کو لت پت کر دیا اس کے بعد اس کی پوجا شروع کر دی۔

مکہ کے بیت اللہ شریف کے علاوہ لوگوں نے مختلف مقامات پر کئی اور کعبے بنا رکھے تھے۔ بنی حارث نے نجران میں ایک کعبہ بنایا تھا جس کی وہ تعظیم بجالایا کرتے تھے اسی طرح ابرہہ الاشرم نے یمن کے دارالحکومت صنعاء میں سنگ مرمر اور قیمتی لکڑی سے ایک بڑا شاندار مکان تعمیر کیا۔ اس کو سونے کے نقش ونگار سے مزین کیا اور اس کا نام القلیس رکھا۔ اس نے چاہا کہ اہل عرب کو مجبور کرے کہ وہ حج کے لیے مکہ جانے کے بجائے صنعاء میں آئیں اور اس کے تعمیر کردہ کعبہ کا طواف کریں۔

بتوں کے بارے میں کفار کا جو عقیدہ تھا آیات قرآنی نے اسے جابجا وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنے بتوں کو الہٰ مانتے تھے۔ یہ چیز ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ ایک ذات واحد کائنات کے گوناگوں ان گنت امور کا احاطہ کیونکر کر سکتی ہے۔ نظام عالم کو چلانے کے لئے ان کے نزدیک یہ ضروری تھا کہ متعدد خداؤں کو تسلیم کرے، کوئی تخلیق وآفرینش کا کام کرے کوئی رزق رسانی کی ذمہ داری سنبھالے، کوئی بیماروں کو صحت دے، کوئی مفلوک الحالوں کو غنی کرے' کوئی کمزوروں کو طاقتور بنائے۔ کسی کی ذمہ داری جنگوں کا فیصلہ کرنا' کسی کو شکست سے دوچار کرنا اور کسی کو فتح وکامرانی سے ہمکنار کرنا ہو' کوئی خدا بارش برسانے والا ہو' کوئی کھیت اگانے والا' اور کوئی اولاد دینے والا۔ کوئی خدا زمین کے ہر لحظہ تغیر پذیر احوال پر نظر رکھنے والا ہو اور کوئی عالم بالا کے نظم ونسق کو برقرار رکھنے والا ہو۔ ان کے نزدیک یہ بات عقل کے خلاف تھی کہ ایک ہی ذات ان مختلف اور متضاد قسم کی ذمہ داریوں اور فرائض کی انجام دہی سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے۔

اہل مکہ میں' بلکہ سارے جزیرہ عرب میں بت پرستی کی وبا اس طرح عام تھی کہ ہر اہل خانہ کا الگ بت ہوا کرتا جسے وہ اپنے گھر میں ایک محترم جگہ پر سجا دیا کرتے اور جس کی وہ پوجا پاٹ کیا کرتے۔ ان میں سے اگر کوئی شخص سفر کے لیے جاتا تو اپنے بال بچوں کو الوداع کہنے کے بعد آخری کام وہ یہ کرتا کہ گھر سے نکلنے سے قبل وہ اس بت کو برکت حاصل کرنے کے لیے چھوتا اور جب سفر سے واپس آتا تو سب سے پہلا کام یہ کرتا کہ اس بت کی خدمت میں حاضر ہو کر آداب بندگی بجالاتا۔ اثنا سفر اگر وہ کسی جگہ قیام کے لئے اترتا تو اردگرد بکھرے ہوئے پتھروں میں سے چار پتھر چن کر لاتا ان میں سے جو پتھر خوبصورت ہوتا اس کو اپنا رب بنا لیتا اور تین پتھروں سے اپنا چولہا تیار کرتا۔ وہ ان بتوں کے لئے ان بتوں کے نام لے کر جانور ذبح کرتے اور ان جانوروں کو ذبح کر کے ان بتوں

سے تقرب و مدد کے امیدوار ہوتے۔

شرک کی قسمیں

عرب معاشرہ مکمل طور پر مشرک بن چکا تھا، ان میں شرک کی بہت سی قسمیں موجود تھیں مثلاً بت پرستی (جو کہ سارے عرب میں وبا کی طرح پھیلی ہوئی تھی)، ستارہ پرستی، ارواح پرستی، اعاظم پرستی، قبر پرستی، توہم پرستی وغیرہ سب ان میں رائج تھیں۔

اعاظم پرستی

اہل عرب کے ہاں اعاظم پرستی کا خیال پوری طرح موجود تھا اور ہر بڑی نظر آنے والی چیز کو پوجنے کا تصور بہت راسخ ہو چکا تھا یہ تصور بہت قدیم ہے۔

اوہام پرستی

اوہام پرستی بھی ان کے اعتقاد کا حصہ تھی' ان کا عقیدہ تھا کہ اگر سانپ کو مارا جائے تو اس کا جوڑا آکر بدلہ لیتا ہے' اس لئے وہ سانپ کو نہیں مارتے تھے۔ اسی طرح ان کا عقیدہ تھا کہ آدمی کے پیٹ میں ایک سانپ رہتا ہے جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے۔ اونٹنی جب دس بچے جن لیتی تو اس کو آزاد چھوڑ دیتے۔ جب قحط پڑتا تو بھیڑ یا دنبہ کی دم میں گھاس پھونس باندھ کر آگ لگا دیتے ان کے خیال میں ایسا کرنے سے بارش ہوگی۔ سفر میں راستہ بھول جاتے تو کپڑے الٹ کر پہن لیتے اور سمجھتے کہ اس سے راستہ مل جائے گا۔ اسی قسم کے بے شمار اوہام ان میں پھیلے ہوئے تھے۔

بحوالہ تاریخ ارض القرآن، مذہب کی ابتدائی تاریخ کا پہلا منظر ''اعاظم پرستی'' ہے اور اس کے بعد دوسرا درجہ ''قومی پرستی'' اور تیسرا درجہ ''ستارہ پرستی'' کا ہے۔

ستارہ پرستی

تیسرا درجہ ''ستارہ پرستی'' کا ہے جس میں چاند اور سورج کو اپنی عظمت کے لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں ستارہ پرستی کی نہایت روشن دلائل کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔

مخصوص ستاروں کی پرستش کے متعلق اوپر گزر چکا ہے کہ مشہور قبیلہ قیس ستارہ شعری کا پرستار تھا۔

اللہ تبارک تعالیٰ کا سورۃ نجم آیت 49 میں ارشاد ہے

اور وہی خدا شعری کا مالک ہے۔ (سورۃ نجم آیت 49)

عرب کے مختلف قبائل میں ستارہ پرستی بھی عام تھی

قبیلہ کنانہ چاند کو اور حمیر آفتاب کو پوجتے تھے۔ قرآن مجید ان کو خطاب کر کے کہتا ہے: اور اس (اللہ تعالیٰ) کی نشانیوں میں سے رات، دن اور سورج و چاند میں (اس لیے تم) سورج و چاند کو سجدہ نہ کرو

(بلکہ) تم اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

(سورۃ حم سجدہ آیت 37)

اہل عرب میں سے کچھ لوگوں نے ستاروں کی پرستش شروع کی اور ان کو اپنا الہ اور معبود بنالیا۔ بنی تمیم میں سے ایک گروہ الدبران نامی ستارہ کی پوجا کیا کرتا تھا اور لحم، خزاعہ قریش کے بعض قبائل الشعری ستارہ کی پوجا کیا کرتے۔ بنی طے قبیلہ کے چند لوگ ''ثریا'' کی عبادت کیا کرتے اور بنی کنانہ چاند کے پجاری تھے اور انس کو اپنا الہ اور معبود مانتے تھے۔ (بلوغ الارب جلد 2 صفحہ 215 تا 240)

فرشتوں کے پجاری

اہل عرب میں قلیل تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جو فرشتوں کی پوجا کیا کرتے تھے اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے اس عقیدہ کی بڑی شدت سے تردید کی ہے۔

مشرکین عرب اللہ تبارک تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ اس کے بال بچے ہیں، اسی عقیدے کے تحت وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے قرآن کریم نے اسی کے بارے میں کہا ہے۔

''جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کے عورتوں جیسے نام رکھتے ہیں۔ (سورۃ نجم آیت 27)

''تمہارے تو لڑکے ہوں اور خدا کے لڑکیاں؟ یہ تو کوئی اچھی تقسیم نہیں'' (سورۃ نجم آیت 22'21)

مشرکین کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ فرشتوں کی پوجا پاٹ کرنے سے فرشتے خدا کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن حکیم سورۃ نجم آیت 26 میں اس بدخیالی کی بھی تردید کی ہے اور فرمایا:

''آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ان کی سفارش کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی.'' (سورۃ نجم آیت 26)

جنات کے پجاری

مختصر سا گروہ اہل عرب سے جنات کی عبادت کیا کرتا تھا۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ان کے اس عقیدہ باطلہ کی سختی سے مذمت اور تردید کی گئی ہے۔

عرب کے مشرکین اللہ کے ساتھ فرشتوں کی طرح جنوں کے بھی رشتے لگاتے تھے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور کافروں نے اللہ تبارک تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ داری ٹھہرائی۔'' (سورۃ صفت آیت 158)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا حالانکہ اللہ ہی نے جنوں کو پیدا کیا ہے اور انہوں نے کچھ جانے بغیر اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ دیں۔'' (سورۃ انعام آیت 100)

ایام جاہلیت میں مشرکین عرب اللہ تبارک تعالیٰ کے ساتھ جنوں کی رشتہ داری کے عقیدے کی بنا پر ہی جنوں کو پوجا کرتے تھے۔

سورج کے پجاری

اہل عرب میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جو سورج کی پوجا کیا کرتے تھے۔ سورج کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ ایک فرشتہ ہے جس کا نفس بھی ہے اور عقل بھی' چاند اور ستارے اسی سے اکتساب نور کرتے ہیں۔ عالم سفلی کی تمام موجودات اس سے پیدا ہوئی ہیں۔ ان کے نزدیک سورج افکال وسموات کا بادشاہ ہے یہ اس قابل ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے۔ اس کو سجدہ کیا جائے اور اس سے دعائیں مانگی جائیں۔ انہوں نے اس کا ایک ہیکل تیار کیا تھا۔ انسانی مجسمہ جس کے ہاتھ میں ایک موتی ہے جس کا رنگ آگ کی طرح سرخ ہے۔ اس ہیکل کے لئے خاص معبد (مندر) تعمیر کیا جسے اس کے نام سے موسوم کیا۔ اس معبد کے لئے کثیر التعداد گاؤں اور زرعی زمینیں وقف کیں اس کی خدمت اور دیکھ بھال کے لئے باقاعدہ خدام مقرر تھے۔ سورج کے پرستار اس معبد میں روزے رکھتے نمازیں پڑھتے اور دعائیں مانگتے۔ سورج جب طلوع ہوتا غروب ہوتا تو اس کے سارے پجاری اس کو سجدہ کرتے اور اسی طرح دوپہر کے وقت بھی جب سورج نصف النہار پر ہوتا۔ کیونکہ یہ تینوں اوقات سورج کے پرستاروں کی پرستش کے ہیں اس لیے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم ﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے اور سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

چاند کے پجاری

بعض لوگ چاند کی تعظیم اور پرستش کرتے تھے ان کا یہ اعتقاد تھا کہ عالم سفلی کی تدبیر کا کام چاند کے سپرد ہے۔ انہوں نے اس کا ایک ہیکل (بت) بنایا ہوا تھا جس کی شکل بچھڑے کی تھی اور اس کے ہاتھ میں بھی ایک موتی ہوا کرتا تھا۔ وہ اس کی عبادت کرتے سجدہ کرتے۔ مہینہ میں اس کے لئے چند روز روزہ رکھتے جب روزوں کے دن ختم ہوتے تو کھانا اور شراب لے کر وہ اس بت کے پاس حاضر ہوتے اور کھانا تناول کرتے اس کے بعد وہ رقص وسرود میں مصروف ہو جاتے بعض نے دوسرے ستاروں کے ہیکل بنا رکھے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔

بت پرستی کے انداز

قارئین کرام! آپ نے گزشتہ اوراق میں پڑھ لیا ہے کہ عمرو بن لحی کا لایا ہوا بت پرستی کا شرک عظیم کس طرح سے بہت جلد سارے جزیرہ عرب میں پھیل گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے شرک کی تمام موجودہ قسموں میں سے بت پرستی سرفہرست آ گئی۔ اب درج ذیل میں آپ پڑھیں گے کہ اہل عرب نے کن کن مختلف انداز اور کس شدومد سے بت پرستی کو اپنا لیا اور اگے بڑھایا اور اسے عروج بخشا اور اتنا عروج بخشا کہ مشرکین نے مسجد حرام کو بھی بتوں سے بھر دیا۔ چنانچہ جب مکہ فتح کیا گیا تو بیت اللہ کے گرداگرد تین سو ساٹھ بت تھے جنہیں خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست

مبارک سے توڑا۔ آپ ہر ایک کو چھڑی سے ٹھوکر مارتے جاتے تھے اور وہ گر جاتا تھا پھر آپ ﷺ نے حکم دیا اور ان سارے بتوں کو مسجد حرام سے باہر نکال کر جلا دیا گیا۔ (سیرۃ الرسول از شیخ محمد بن عبد الوہاب صفحہ 50 تا 54)

غرض شرک اور بت پرستی اہل جاہلیت کے دین کا سب سے بڑا مظہر بن گئی تھی ان لوگوں میں جنہیں گھمنڈ تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔

پھر اہل جاہلیت کے یہاں بت پرستی کے کچھ خاص طریقے اور مراسم بھی رائج تھے جو زیادہ تر عمرو بن لحی کی اختراع تھے۔ اہل جاہلیت سمجھتے تھے کہ عمرو بن لحی کی اختراعات دین ابراہیمی علیہ السلام میں تبدیلی نہیں بلکہ بدعت حسنہ ہیں۔ ذیل میں اہل جاہلیت کے اندر رائج بت پرستی کے چند اہم مراسم کا ذکر پیش خدمت ہے۔

1- دور جاہلیت کے مشرکین بتوں کے پاس مجاور بن کر بیٹھتے تھے ان کی پناہ ڈھونڈتے تھے انہیں زور زور سے پکارتے تھے اور حاجت روائی و مشکل کشائی کے لئے ان سے فریاد اور التجائیں کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ اللہ سے سفارش کر کے ہماری مراد پوری کرا دیں گے۔

2- بتوں کا حج وطواف کرتے تھے ان کے سامنے عجز و نیاز سے پیش آتے تھے اور انہیں سجدہ کرتے تھے۔

3- بتوں کے لئے نذرانے اور قربانیاں پیش کرتے تھے اور قربانی کے ان جانوروں کو کبھی بتوں کے آستانوں پر لے جا کر ذبح کرتے تھے اور کبھی کسی بھی جگہ ذبح کر لیا کرتے تھے مگر بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ ذبح کی ان دونوں صورتوں کا ذکر اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے۔ (سورۃ مائدہ آیت 3 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''وہ جانور بھی حرام ہیں جو آستانوں پر ذبح کئے گئے ہوں۔'')

اور سورۃ انعام آیت 121 میں ارشاد رب العالمین ہے یعنی کہ ''اس جانور کا گوشت مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔''

4- بتوں سے تقرب کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ مشرکین اپنی صوابدید کے مطابق اپنے کھانے پینے کی چیزوں اور اپنی کھیتی اور چوپائے کی پیداوار کا ایک حصہ بتوں کے لئے خاص کر دیتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کا دلچسپ رواج یہ تھا کہ وہ اللہ کے لئے بھی اپنی کھیتی اور جانوروں کی پیداوار کا ایک حصہ خاص کرتے تھے پھر مختلف اسباب کی بنا پر اللہ کا حصہ تو بتوں کی طرف منتقل کر سکتے تھے لیکن بتوں کا حصہ کسی بھی حال میں اللہ کی طرف منتقل نہیں کر سکتے تھے۔

اس بارے میں سورۃ انعام آیت 136 میں حاکم الحاکمین کا ارشاد ہے:

''اللہ نے جو کھیتی اور چوپائے پیدا کئے ہیں اس کا ایک حصہ انہوں نے اللہ کے لئے مقرر کیا اور کہا یہ اللہ کے لئے ہے، ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شرکاء (شریکوں، بتوں) کے لئے ہے۔ تو جو ان کے شریکوں کے لئے ہوتا ہے وہ تو اللہ تک نہیں پہنچتا (مگر) جو اللہ کے لئے ہوتا ہے وہ ان کے شریکوں تک پہنچ جاتا ہے۔ کتنا برا ہے وہ فیصلہ جو یہ لوگ کرتے ہیں۔'' (سورۃ انعام آیت 136)

5- بتوں کے تقرب کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ مشرکین کھیتی اور چوپائے کے لئے مختلف قسم کی نذریں مانتے تھے۔اس سے متعلق اللہ تبارک تعالیٰ نے سورۃ انعام کی آیت 138 میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

''ان مشرکین نے کہا کہ یہ چوپائے اور کھیتیاں ممنوع ہیں۔انہیں وہی کھا سکتا ہے جسے ہم چاہیں،ان کے خیال میں اور یہ کچھ چوپائے ہیں جن کی پیٹھ حرام کی گئی ہے (نہ ان پر سواری کی جا سکتی ہے نہ سامان لادا جا سکتا ہے) اور کچھ مویشی کے ذبح پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔'' (سورۃ انعام آیت 138)

6- ان ہی جانوروں میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، اور حامی تھے۔ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بحیرہ، سائبہ کی بچی کو کہا جاتا ہے اور سائبہ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس سے پے در پے مادہ بچے پیدا ہوں، درمیان میں کوئی نر نہ پیدا ہو۔ایسی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اس پر سواری نہیں کی جاتی تھی اس کے بال نہیں کاٹے جاتے تھے۔اور مہمان کے سوا کوئی اس کا دودھ نہیں پیتا تھا۔

اس کے بعد یہ اونٹنی جو مادہ بچہ جنتی اس کا کان چیر دیا جاتا اور اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ آزاد چھوڑ دیا جاتا۔اس پر سواری نہ کی جاتی۔اس کے بال نہ کاٹے جاتے اور وصیلہ اس بکری کو کہا جاتا جو پانچ دفعہ پے در پے دو دو مادہ بچے جنتی یعنی پانچ بار میں دس مادہ بچے پیدا ہوتے درمیان میں کوئی نر نہ پیدا ہوتا۔اس بکری کو اس لیے وصیلہ کہا جاتا ہے کہ وہ سارے مادہ بچوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتی تھی۔اس کے بعد اس بکری سے جو بچے پیدا ہوتے انہیں صرف مرد کھا سکتے تھے عورتیں نہیں کھا سکتی تھیں۔البتہ اگر کوئی بچہ مردہ پیدا ہوتا تو اس کو مرد عورت بھی کھا سکتے تھے۔

حامی اس نر اونٹ کو کہتے تھے جس کی جفتی سے پے در پے دس مادہ بچے پیدا ہوتے، درمیان میں کوئی نر نہ پیدا ہوتا۔ایسے اونٹ کی پیٹھ محفوظ کر دی جاتی۔نہ اس پر سواری کی جاتی تھی نہ اس کا بال کاٹا جاتا تھا بلکہ اسے اونٹوں کے ریوڑ میں جفتی کے لئے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔اور اس کے سوا اس سے کوئی دوسرا فائدہ نہ اٹھایا جاتا تھا۔دور جاہلیت کی بت پرستی کے ان طریقوں کی تردید کرتے ہوئے اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا:

''اللہ نے نہ کوئی بحیرہ نہ کوئی سائبہ نہ کوئی وصیلہ اور نہ کوئی حامی بنایا ہے لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔'' (سورۃ مائدہ آیت 103)

اور اسی سے متعلق سورۃ انعام آیت 139 میں ربّ کائنات نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

''ان (مشرکین) نے کہا کہ ان چوپایوں کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ خاص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے۔البتہ اگر وہ مردہ ہو تو اس میں مرد عورت سب شریک ہیں۔''

(سورۃ انعام آیت 134)

چوپایوں کی مذکورہ اقسام یعنی بحیرہ سائبہ وغیرہ کے کچھ دوسرے مطالب بھی بیان کیے گئے ہیں (سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 89'90) جو ابن اسحاق کی مذکورہ تفسیر سے قدرے مختلف ہیں۔

(آپ اس سے پہلے وہ پڑھ آئے جو سیرت ابن ہشام سے لیا گیا ہے۔ روایات میں اس فرق کا آپ برا محسوس نہ کریں کیونکہ یہ اتنی اہم روایات نہیں ہیں)

حضرت سعید بن میسّب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یہ جانور ان کے طاغوتوں کے لئے تھے۔

(صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 499)

اور صحیح بخاری میں مرفوعاً مروی ہے کہ عمرو بن لحی پہلا شخص ہے جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑے۔

(صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 499)

عرب اپنے بتوں کے ساتھ یہ سب کچھ اس عقیدے کے ساتھ کرتے تھے کہ یہ بت انہیں اللہ کے قریب کر دیں گے اور اللہ کے حضور ان کی سفارش کر دیں گے۔

اس کے بارے میں قرآن حکیم سورۃ زمر آیت 3 میں اللہ تبارک تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

''ہم ان کی عبادت محض اس لئے کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔''

اور اسی بارے میں اسی سے متعلق سورۃ یونس آیت 18 میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

''یہ مشرکین اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نفع پہنچا سکیں نہ نقصان اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔'' (سورۃ یونس آیت 18)

مشرکین عرب ازلام یعنی فال کے تیر بھی استعمال کرتے تھے۔ (ازلام، زلم کی جمع ہے۔ اور زلم اس تیر کو کہتے ہیں جس میں پر نہ لگے ہوں) فال گیری کے لئے استعمال ہونیوالے یہ تیر تین قسم کے ہوتے تھے۔ ایک وہ جن پر صرف ''ہاں'' یا ''نہیں'' لکھا ہوتا تھا۔ اس قسم کے تیر سفر اور نکاح وغیرہ جیسے کاموں کے لئے استعمال کیے جاتے تھے۔ اگر فال میں ''ہاں'' نکلتا تو مطلوبہ کام کر ڈالا جاتا اگر ''نہیں'' نکلتا تو سال بھر کے لئے ملتوی کر دیا جاتا اور آئندہ پھر فال نکالی جاتی۔

فال گیری کے تیروں کی دوسری قسم وہ تھی جن پر پانی اور دیت وغیرہ درج ہوتے تھے اور تیسری قسم وہ تھی جس پر یہ درج ہوتا تھا کہ ''تم میں سے ہے'' یا ''تمہارے علاوہ سے ہے'' یا ''ملحق'' ہے۔ ان تیروں کا مصرف یہ تھا کہ جب کسی کے نسب میں شبہ ہوتا تو اسے ایک سو اونٹوں سمیت ہبل کے پاس لے جاتے۔ اونٹوں کو تیر والے مہنت کے حوالے کرتے اور وہ تمام تیروں کو ایک ساتھ ملا کر گھماتا جھنجھوڑتا، پھر ایک تیر نکالتا۔ اب اگر یہ نکلتا 'تم میں سے ہے' تو وہ ان کے قبیلے کا فرد قرار پاتا اور اگر یہ برآمد ہوتا کہ ''تمہارے غیر سے ہے'' تو حلیف قرار پاتا اور اگر یہ نکلتا کہ ''ملحق'' ہے تو ان کے اندر اپنی حیثیت پر برقرار رہتا، نہ قبیلے کا فرد مانا جاتا نہ حلیف۔

(محاضرات خضری جلد 1 صفحہ 56 'ابن ہشام جلد 1 صفحہ 103'102)

اسی سے ملتا جلتا ایک رواج مشرکین میں جواء کھیلنے اور جوئے کے تیر استعمال کرنے کا تھا اسی تیر کی نشاندہی پر وہ جوئے کا اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت بانٹتے تھے۔

اس کا طریقہ یہ تھا کہ جوا کھیلنے والے ایک اونٹ ذبح کر کے اسے دس یا اٹھائیس حصوں پر تقسیم کرتے۔ پھر تیر سے قرعہ اندازی کرتے۔ کسی تیر پر جیت کا نشان بنا ہوتا اور کوئی تیر بے نشان ہوتا جس کے نام پر جیت کے نشان والا تیر نکلتا وہ تو کامیاب مانا جاتا اور اپنا حصہ لیتا اور جس کے نام پر بے نشان تیر نکلتا اسے اونٹ کی قیمت دینی پڑتی۔

مشرکین عرب کاہنوں، عرافوں اور نجومیوں کی خبروں پر بھی ایمان رکھتے تھے۔ کاہن اسے کہتے ہیں جو آنے والے واقعات کی پیش گوئی کرے اور رازہائے سربستہ سے واقفیت کا دعویدار ہو۔ بعض کاہنوں کا یہ بھی دعوی تھا کہ ایک جن ان کے تابع ہے جو انہیں خبریں پہنچاتا رہتا ہے۔ اور بعض کاہن کہتے تھے کہ انہیں ایسا فہم عطا کیا گیا ہے جس کے ذریعے وہ غیب کا پتا لگا لیتے ہیں۔ بعض اس بات کے مدعی تھے کہ جو آدمی ان سے کوئی بات پوچھنے آتا ہے اس کے قول وفعل سے یا اس کی حالت سے کچھ مقدمات اور اسباب کے ذریعے وہ جائے واردات کا پتا لگا لیتے ہیں۔ اس قسم کے آدمی کو عراف کہا جاتا تھا۔ مثلاً وہ شخص جو چوری کے مال، چوری کی جگہ اور گمشدہ جانور وغیرہ کا پتا ٹھکانا بتاتا۔

نجومی اسے کہتے ہیں جو تاروں پر غور کر کے اور ان کی رفتار و اوقات کا حساب لگا کر پتا لگاتا ہے کہ دنیا میں آئندہ کیا حالات و واقعات پیش آئیں گے۔ (مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح جلد 2 صفحہ 3'2)۔ ان نجومیوں کی خبروں کو ماننا درحقیقت تاروں پر ایمان لانا ہے اور تاروں پر ایمان لانے کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ مشرکین عرب پچھتروں (مبارک، بھاگواں جگہ ستارے گھڑی) پر ایمان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم پر فلاں اور فلاں پچھتر سے بارش ہوئی ہے۔ (صحیح مسلم مع شرح نووی، کتاب الایمان جلد 1 صفحہ 95)

مشرکین میں بدشگونی کا بھی رواج تھا۔ اسے عربی میں طیرۃ کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ تھی کہ مشرکین کسی چڑیا یا ہرن کے پاس جا کر اسے بھگاتے تھے۔ پھر اگر وہ داہنے جانب بھاگتا تو اسے اچھائی اور کامیابی کی علامت سمجھ کر اپنا کام کر گزرتے اور اگر بائیں جانب بھاگتا تو اسے نحوست کی علامت سمجھ کر اپنے کام سے باز رہتے۔ اسی طرح اگر کوئی چڑیا یا جانور راستہ کاٹ دیتا تو اسے بھی منحوس سمجھتے۔

اسی سے ملتی جلتی ایک حرکت یہ بھی تھی کہ مشرکین خرگوش کے ٹخنے کی ہڈی لٹکاتے تھے اور بعض دنوں مہینوں، جانوروں، گھروں اور عورتوں کو منحوس سمجھتے تھے۔ بیماریوں کی چھوت کے قائل تھے اور روح کے الو بن جانے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ یعنی ان کا عقیدہ تھا کہ جب تک مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے اس کو سکون نہیں ملتا اور اس کی روح الو بن کر بیابانوں میں گردش کرتی رہتی ہے اور ''پیاس، پیاس'' یا ''مجھے پلاؤ'' کی صدا لگاتی رہتی ہے۔ جب اس کا بدلہ لے لیا جاتا ہے تو اسے راحت اور سکون مل جاتا ہے۔ (صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 851 تا 857 مع شروح)

جزیرہ عرب کی اجتماعی، اقتصادی، سیاسی معاشی، معاشرتی، سماجی اور اخلاقی حالت

برائیوں کا سیلاب

سرور دو عالم حضور پُرنور پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کے ظہور سے پہلے صرف مکہ میں ہی برائیوں کا زور نہ تھا بلکہ سارا عرب ہر قسم کی بدیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان لوگوں کی مذہبی، اخلاقی، تمدنی، معاشی اور معاشرتی زندگی موت سے بدتر تھی۔ وہاں سے انسانیت رخصت ہو چکی تھی۔ شرافت، دیانت، شرم، حیا، انصاف، محبت، اخوت، ہمدردی، خودداری، خیر خواہی اور ہر اچھی خصلت کا نام ونشان نہ تھا۔ ہاں زنا، شراب نوشی، جواء بازی، اغواء، بردہ فروشی، ڈکیتی، راہزنی، لوٹ مار، مکر، فریب، دھوکہ، دجل، چوری، کم تولنا، کم ناپنا، حسد، بغض، لڑائی، جدال، قتال، فساد، خون ریزی، دختر کشی، ظلم ستم، بدخواہی، ہر بری خصلت اور رذالت کی تاریک رات چھائی ہوئی تھی۔ ایسی کہ صدیاں گزر گئی تھیں کسی نے نیکی کی روشنی دیکھی نہیں تھی اور اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات اور صفات میں غیر اللہ کو شریک کرنا ان تمام برائیوں میں سرفہرست تھا۔

جزیرۃ العرب کے سیاسی اور مذہبی حالات بیان کر لینے کے بعد اب وہاں کے اجتماعی، اقتصادی، معاشی، معاشرتی، سماجی اور اخلاقی حالات کا خاکہ مختصراً پیش کیا جا رہا ہے۔ یعنی کہ اس جاہلی معاشرہ کی مختصراً چند جھلکیاں دکھائی جا رہی ہیں۔

مقام عورت

عرب آبادی مختلف طبقات پر مشتمل تھی اور ہر طبقے کے حالات ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف تھے چنانچہ طبقہ اشراف میں مرد عورت کا تعلق خاصا ترقی یافتہ تھا۔ عورت کو بہت کچھ خود مختاری حاصل تھی۔ اس کی بات مانی جاتی تھی اور اس کا اتنا احترام اور تحفظ کیا جاتا تھا کہ اس راہ میں تلواریں نکل پڑتی تھیں اور خونریزیاں ہو جاتی تھیں۔ آدمی جب اپنے کرم وشجاعت پر جسے عرب میں بڑا بلند مقام حاصل تھا اپنی تعریف کرنا چاہتا تو عموماً عورت ہی کو مخاطب کرتا۔ بسا اوقات عورت چاہتی تو قبائل کو صلح کے لئے اکٹھا کر دیتی اور چاہتی تو ان کے درمیان جنگ اور خونریزی کے شعلے بھڑکا دیتی، لیکن ان سب کے باوجود بلا نزاع مرد ہی کو خاندان کا سربراہ مانا جاتا تھا اور اس کی بات فیصلہ کن ہوا کرتی تھی۔ اس طبقے میں مرد اور عورت کا تعلق عقد نکاح کے ذریعے ہوتا تھا اور یہ نکاح عورت کے

اولیاء کی زیرنگرانی انجام پاتا تھا۔عورت کو یہ حق نہ تھا کہ ان کی ولایت (ولی) کے بغیر اپنے طور پر اپنا نکاح کر لے۔

ایک طرف طبقہ اشراف کا یہ حال تھا تو دوسری طرف دوسرے طبقوں میں مرد وعورت کے اختلاط کی اور بھی کئی صورتیں تھیں، جنہیں بدکاری بے حیائی اور فحش کاری وزنا کاری کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں تھیں۔ایک تو وہی صورت تھی جو آج بھی لوگوں میں رائج ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اس کی زیر ولایت لڑکی کے لئے نکاح کا پیغام دیتا۔ پھر منظوری کے بعد مہر دے کر اس سے نکاح کر لیتا۔

دوسری صورت یہ تھی کہ عورت جب حیض سے پاک ہوتی تو اس کا شوہر کہتا کہ فلاں شخص کے پاس پیغام بھیج کہ اس سے اس کی شرمگاہ حاصل کرو (یعنی زنا کراؤ) اور شوہر خود اس سے الگ تھلگ رہتا اور اس کے قریب نہ جاتا۔ یہاں تک کہ واضح ہو جاتا کہ جس آدمی سے شرمگاہ حاصل کی تھی (یعنی زنا کرایا تھا) اس سے حمل ٹھہر گیا ہے۔ جب حمل واضح ہو جاتا تو اس کے بعد اگر شوہر چاہتا تو اس عورت کے پاس جاتا۔ایسا اس لئے کیا جاتا تھا کہ لڑکا شریف اور باکمال پیدا ہو۔اس نکاح کو نکاح استبضاع کہا جاتا تھا (اور اسی کو ہندوستان میں نیوگ کہتے ہیں)۔

نکاح کی تیسری صورت یہ تھی کہ دس آدمیوں سے کم کی ایک جماعت اکٹھا ہوتی۔سب کے سب ایک ہی عورت کے پاس جاتے اور بدکاری کرتے۔جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ پیدا ہوتا تو پیدائش کے چند رات بعد وہ عورت سب کو بلا بھیجتی اور سب کو آنا پڑتا مجال نہ تھی کہ کوئی نہ آئے۔اس کے بعد وہ عورت کہتی کہ آپ لوگوں کا جو معاملہ تھا وہ تو آپ لوگ جانتے ہی ہیں اور اب میرے بطن سے بچہ پیدا ہوا ہے اور اے فلاح وہ تمہارا بیٹا ہے۔وہ عورت ان میں سے جس کا نام چاہتی لے لیتی اور وہ اس کا لڑکا مان لیا جاتا۔

چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہوتے اور کسی عورت کے پاس جاتے۔وہ اپنے پاس کسی آنے والے سے انکار نہ کرتی۔ یہ رنڈیاں ہوتی تھیں جو اپنے دروازوں پر جھنڈیاں گاڑے رکھتی تھیں تاکہ یہ نشانی کا کام دے اور جو ان کے پاس جانا چاہے بے دھڑک چلا جائے۔جب ایسی عورت حاملہ ہوتی اور بچہ پیدا ہوتا تو سب کے سب اس کے پاس جمع ہوتے اور قیافہ شناس کو بلاتے۔قیافہ شناس اپنے رائے کے مطابق اس لڑکے کو کسی بھی شخص کے ساتھ ملحق کر دیتا۔ پھر یہ اسی سے مربوط ہو جاتا اور اسی کا لڑکا کہلاتا۔وہ اس سے انکار نہ کر سکتا تھا۔

جب اللہ تبارک تعالیٰ نے پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو جاہلیت کے سارے نکاح منہدم کر دیئے۔صرف اسلامی نکاح باقی رہا جو آج رائج ہے۔

(صحیح بخاری کتاب النکاح جلد 2 صفحہ 769 - ابوداؤد باب وجوہ النکاح)

عرب میں مرد وعورت کے ارتباط کی بعض صورتیں ایسی بھی تھیں جو تلوار کی دھار اور نیزے کی نوک پر وجود میں آتی تھیں۔یعنی قبائلی جنگوں میں غالب آنے والا قبیلہ مغلوب قبیلے کی عورتوں کو قید کر کے اپنے حرم میں داخل کر لیتا

تھا لیکن ایسی عورتوں سے پیدا ہونے والی اولاد زندگی بھر عار محسوس کرتی تھی۔

زمانۂ جاہلیت میں کسی تحدید کے بغیر متعدد بیویاں رکھنا بھی ایک معروف بات تھی۔ لوگ ایسی دو عورتیں بھی بیک وقت نکاح میں رکھ لیتے تھے جو آپس میں سگی بہن ہوتی تھیں۔ باپ کے طلاق دینے یا وفات پانے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیتا تھا۔ طلاق کا اختیار مرد کو حاصل تھا اور اس کی کوئی حد معین نہ تھی۔

(ابوداؤد۔ نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلث اور کتب تفسیر متعلقہ ''الطلاق مرتان'')

زنا کاری تمام طبقات میں عروج پر تھی۔ کوئی طبقہ یا انسانوں کی کوئی قسم اس سے مستثنیٰ نہ تھی البتہ کچھ مرد اور عورتیں ایسی ضرور تھیں جنہیں اپنی بڑائی کا احساس اس برائی کے کیچڑ میں لت پت ہونے سے باز رکھتا تھا۔ پھر آزاد عورتوں کا حال لونڈیوں کے مقابل نسبتاً اچھا تھا۔ اصل مصیبت لونڈیاں ہی تھیں۔ اور ایسا لگتا ہے کہ اہل عرب کی غالب اکثریت اس برائی کی طرف منسوب ہونے میں کوئی عار بھی محسوس نہیں کرتی تھی چنانچہ سنن ابی داؤد وغیرہ میں مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ ﷺ فلاں شخص میرا بیٹا ہے۔ میں نے جاہلیت میں اس کی ماں سے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام میں ایسے دعوے کی کوئی گنجائش نہیں۔ جاہلیت کی بات گئی، اب تو لڑکا اسی کا ہوگا جس کی بیوی، یا لونڈی ہو اور زنا کار کے لئے پتھر ہے۔'' اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبد بن زمعہ کے درمیان زمعہ کی لونڈی کے بیٹے، عبدالرحمٰن بن زمعہ، کے بارے میں جو جھگڑا پیش آیا تھا وہ بھی معلوم و معروف ہے۔

(صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 999 تا 1065 ابوداؤد ''الولد للفراش'')

اس موضوع کے لحاظ سے درج ذیل معلومات ضیاء النبی جلد 1 صفحہ 360 اور 361 سے لی گئی ہیں۔

1- ایک طریقہ یہ تھا کہ بدکار عورتیں اپنے مکانوں کے اوپر جھنڈے لہراتیں۔ ہر شخص کے لئے روز و شب ان کے دروازے کھلے رہتے اور بدکاری کا کاروبار جاری رہتا۔ اگر کوئی بچہ پیدا ہوتا تو پھر قیافہ شناس کو بلایا جاتا اور جس طرف وہ اس کے نسب کی نسبت کر دیتا اس کا وہ فرزند قرار پاتا۔

عصمت فروشی کا کاروبار کرنے والی یہ عورتیں نہ قبیلہ قریش سے تھیں اور نہ کسی خالص عربی النسل قبیلہ سے بلکہ عام طور پر وہ لونڈیاں ہوتیں جن کو خرید کر ان کے مالک ان سے یہ بدکاری کراتے تھے۔

2- پوشیدہ نکاح:- ایسی بدکاری جو لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو وہ بری نہیں سمجھی جاتی تھی لیکن ایسی بدکاری جس کا عام چرچا ہو اور کھلم کھلا ہو اسی کو عیب اور کمینگی سمجھا جاتا تھا۔

3- نکاح متعہ: اس کا بھی عام رواج تھا۔ اس میں گواہوں کے بغیر عورت اور مرد مقررہ وقت کے لئے معینہ مال کے عوض بیاہ کر لیتے تھے اور میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے تھے۔

4- نکاح بدل:- ان کے ہاں ازدواج کا یہ حیا سوز طریقہ بھی تھا کہ دو مرد آپس میں یہ طے کر لیتے ایک دوسرے کو کہتا تو اپنی عورت کو میرے پاس بھیج دے میں اپنی بیوی کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

5- نکاح شغار:- ایک آدمی اپنی لڑکی کا بیاہ کسی مرد کے ساتھ کر دیتا اس شرط پر کہ وہ اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دے دے گا اور دونوں اپنی بیویوں کو مہر وغیرہ ادا نہیں کریں گے۔

یہ چند وہ طریقے تھے جو ان میں مروج تھے اور جس پر کسی کو کوئی بھی مہتمم نہیں کرتا تھا' (جس کو کوئی بھی برا نہیں سمجھتا تھا) (ضیا النبی جلد 1 صفحہ 361'360)

یقیناً اس جاہلی معاشرہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو لڑکیوں کو رسوائی اور خرچ کے خوف سے زندہ دفن کر دیتے تھے اور بچوں کو فقر و فاقہ کے ڈر سے مار ڈالتے تھے۔ اس برائی و جرم کا ذکر سورۃ نحل ایات 59'58 اور سورۃ بنی اسرائیل آیت 31، سورۃ تکویر آیت 18 میں کیا گیا ہے۔

ایک انتہائی ظالمانہ اور سنگدلانہ رسم جو ان میں مروج تھی اور جس کو عز و شرف سمجھا جاتا تھا ''وادالبنات'' کی رسم تھی یعنی جب کسی کے ہاں بچی پیدا ہوتی تو ان کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی اور جب وہ چند سال کی ہو جاتی تو باپ اس کو بہترین کپڑے پہنا تا مزین و آراستہ کر کے جنگل میں لے جاتا۔ اپنے ہاتھوں سے ایک گہرا گڑھا کھودتا پھر اس میں دھکا دے کر اس بچی کو پھینک دیتا اور اس پر مٹی ڈال کر اس گڑھے کو بھر دیتا۔ وہ بیچاری چیختی چلاتی رہ جاتی لیکن اس سنگدل باپ پر ذرا اثر نہ ہوتا۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی یہ قبیح رسم تقریباً عرب کے تمام قبائل میں کم و بیش رائج تھی لیکن بنو تمیم میں اس کا رواج مقابلتاً زیادہ تھا۔

(اس سنگ دلانہ رسم کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ سنگ دلی بڑے پیانے پر رائج تھی کیونکہ عرب اپنے دشمن سے اپنی حفاظت کے لئے دوسروں کی بہ نسبت کہیں زیادہ اولاد کے محتاج تھے اور اس کا احساس بھی رکھتے تھے)

اپنے قبیلے کی حرمت و حمایت

جہاں تک سگے بھائیوں، چچیرے بھائیوں اور کنبے قبیلے کے لوگوں کے باہمی تعلقات کا معاملہ ہے تو یہ خاصے پختہ اور مضبوط تھے کیونکہ عرب کے لوگ قبائلی عصبیت ہی کے سہارے جیتے اور اسی کے لئے مرتے تھے۔ قبیلے کے اندر باہمی تعاون اور اجتماعیت کی روح پوری طرح کارفرما ہوتی تھی۔ جسے عصبیت کا جذبہ مزید دو آتشہ رکھتا تھا۔ درحقیقت قومی عصبیت اور قرابت کا تعلق ہی ان کے اجتماعی نظام کی بنیاد تھا۔ وہ لوگ اس مثل پر اس کے لفظی معنی کے مطابق عمل پیرا تھے کہ (انصر اخاك ظالما او مظلوما)، اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اس مثل کے معنی میں ابھی وہ اصلاح نہیں ہوئی تھی جو بعد میں اسلام کے ذریعے کی گئی یعنی ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے باز رکھا جائے۔ البتہ شرف و سرداری میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کا جذبہ بہت سی دفعہ ایک ہی شخص سے وجود میں آنے والے قبائل کے درمیان جنگ کا سبب بن جایا کرتا تھا جیسا کہ اوس و خزرج، عبس و ذبیان اور بکر و تغلب وغیرہ کے واقعات میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مختلف قبائل کے باہمی تعلقات

جہاں تک مختلف قبائل کے ایک دوسرے سے تعلقات کا معاملہ ہے تو یہ پوری طرح شکستہ وریختہ تھے۔ قبائل کی ساری قوت ایک دوسرے کے خلاف جنگ میں فنا ہو رہی تھی۔ البتہ دین اور خرافات کے آمیزے سے تیار شدہ بعض رسومات وعادات کی بدولت بسا اوقات جنگ کی حدت وشدت میں کمی آجاتی تھی اور بعض حالات میں موالاۃ، حلف اور تابعداری کے اصولوں پر مختلف قبائل یکجا ہو جاتے تھے۔ علاوہ ازیں حرام مہینے ان کی زندگی اور حصول معاش کے لئے سراپا رحمت ومدد تھے۔

خلاصہ یہ کہ اجتماعی حالت ضعف وبے بصیرتی کی پستی میں گری ہوئی تھی۔ جہالت وگمراہی ہر طرف چھائی ہوئی تھی اور خرافات کا دور دورہ تھا۔ لوگ جانوروں جیسی زندگی گزارتے تھے۔ عورت بیچی اور خریدی جاتی تھی اور بعض اوقات اس سے مٹی اور پتھر جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔ قوم کے باہمی تعلقات کمزور بلکہ ٹوٹے ہوئے تھے اور حکومتوں کے سارے عزائم اپنی رعایا سے خزانے بھرنے یا مخالفین پر فوج کشی کرنے تک محدود تھے۔

اقتصادی حالت

اقتصادی حالت' اجتماعی حالت کے تابع تھی۔ اس کا اندازہ عرب کے ذرائع معاش پر نظر ڈالنے سے ہو سکتا ہے کہ تجارت ہی ان کے نزدیک ضروریات زندگی حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ تھی۔ اور معلوم ہے کہ تجارتی آمد ورفت امن وسلامتی کی فضا کے بغیر آسان نہیں اور جزیرۃ العرب کا حال یہ تھا کہ سوائے حرمت والے مہینوں کے امن وسلامتی کا کہیں وجود نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صرف حرام مہینوں میں ہی عرب کے مشہور بازار عکاظ' ذی المجاز مجنہ وغیرہ لگتے تھے۔

جہاں تک صنعتوں کا معاملہ ہے تو عرب اس میدان میں ساری دنیا سے پیچھے تھے۔ کپڑے کی بنائی اور چمڑے کی دباغت وغیرہ کی شکل میں جو چند صنعتیں پائی بھی جاتی تھیں وہ زیادہ تر یمن' حیرہ اور شام کے متصل علاقوں میں تھیں۔ البتہ اندرون عرب کھیتی باڑی اور گلہ بانی کا کسی قدر رواج تھا۔

ساری عرب عورتیں سوت اون کاتتی تھیں' لیکن مشکل یہ تھی کہ سارا مال ومتاع ہمیشہ لڑائیوں کی زد میں رہتا تھا۔ فقر اور بھوک کی وبا عام تھی اور لوگ ضروری کپڑوں اور لباس سے بھی بڑی حد تک محروم رہتے تھے۔

سیاسی حالت

ریگزار عرب میں ظہور اسلام سے قبل کوئی مرکزی حکومت نہ تھی نہ ہی کسی قسم کا کوئی سیاسی اتحاد معرض وجود میں آیا تھا۔ سرداری نظام اپنی تمام تر قباحتوں کے ساتھ عرب کی سیاسی، سماجی اور تمدنی زندگی میں موجود تھا۔ قبائل اکثر آپس میں دست وگریباں رہتے جنگ وجدل اور قتل وغارت گری روزمرہ کا معمول تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر بھویں تن جاتیں اور تلواریں نیام سے باہر نکل آتیں۔ یہ قبائل وسیع ریگستانوں میں بکھرے ہوئے تھے اور شاید اسی لیے یہ

بیرونی حملوں سے محفوظ و مامون رہے۔ اس وقت عالمی سطح پر دو سپر پاورز روم اور ایران کا سکہ چلتا تھا۔ شاہانہ جاہ وجلال اور اقتدار کا کروفر وہ جادو تھا جو سر چڑھ کر بول رہا تھا طاقت کے نشے میں سرشار یہ دونوں عالمی قوتیں پوری دنیا کے مقدر کا فیصلہ کرتیں، خود کو آزاد تصور کرتیں اور اپنی عسکری قوت کے بول بوتے پر کسی کو خاطر میں نہ لاتیں تھیں۔

ملوکیت کی گرفت انسانی معاشروں پر بہت مضبوط تھی۔ زنا، شراب، جواء اور حرام کاری حکام بالا کا امتیازی نشان بن کر رہ گیا تھا۔ نفس کی تسکین کے سوا ان کا کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا۔ اخلاقی قدریں دم توڑ چکی تھیں آسائشات کو ہی مقصود زندگی ٹھہرایا گیا تھا۔ اخلاقی قدریں پستی ذہنی انتشار اور فکری پراگندگی معاشرے کو گھن کی طرح چاٹ رہی تھی لیکن خواب غفلت میں مدہوش حکمران اپنے عشرت کدے آباد کیے ہوئے تھے، وہ اپنی ذات کے حصار سے نکل کر توقیر وعظمت آدم کی بحالی کے کسی تصور سے آشنا تک نہ تھے۔ ان کی اس تعیش پرستانہ زندگی اور عرب کے مخصوص جغرافیائی حالات اور بے آب وگیاہ صحراء میں استعماری طاقتوں کے لئے کوئی کشش اور دلچسپی نہ تھی۔

قیصر روم، عرب پر حملہ کرنے کے باوجود ناکام رہا۔ عربوں کی اس کامیابی یا خوش قسمتی کا سب سے بڑا سبب یہاں کا صحرائی وریگستانی علاقہ بنا، دوسرا مرکزی حکومت ونظام کا فقدان رکاوٹ بن گیا کوئی بھی قوت انہیں شکست نہ دے سکی اور نہ ہی ان پر غلبہ پا سکی۔ ان کا نظام قبائلی تھا۔ قبیلہ سردار کا انتخاب قابلیت وصلاحیت، شجاعت وبہادری، عمر و تجربہ کاری اور فہم وفراست کی بنا پر ہوتا تھا۔ انتخاب کے بعد قبیلے کے تمام افراد شیخ کی اطاعت اور اس کے فیصلوں کے پابند ہوتے تھے مگر وہ فیصلہ کرنے سے قبل قبیلے کے بااثر، سن رسیدہ اور تجربہ کار افراد سے مشورہ کر لیتا تھا۔ اپنے قبیلے کو متحد ومنظم رکھتا تھا۔ ہر قبیلے میں عصبیت کا جذبہ بہت زیادہ تھا اور ہر قبیلہ دوسرے قبائل سے خود کو اعلیٰ وارفع تصور کرتا تھا۔ مرکزی نظام کے نہ ہونے کی وجہ سے جملہ قبائل کو متحد رکھنے کا کوئی اصول وضابطہ نہ تھا، ہر کوئی اپنی من مانی کرتا تھا جس کے نتائج کا بسا اوقات وہ عرصہ دراز تک سامنا کرتا رہتا تھا۔

معاشی حالت

معاشی اعتبار سے عرب میں ہر قسم کے طبقات موجود تھے قرآن نے عرب کو وادی غیر ذرع فرمایا ہے۔ اس خطے کا بیشتر حصہ بنجر، خشک اور بے آب وگیاہ تھا۔ عربوں کی اکثریت غربت کا شکار تھی۔ یہاں کے باسیوں کے عام پیشے زراعت، تجارت اور گلہ بانی تھے۔ عرب وسیع وعریض ریگستان پر مشتمل ہے جہاں کہیں کہیں سبزہ اور پانی کے آثار ملتے ہیں، وہیں کھیتی باڑی بھی ہوتی تھی زیادہ تر آبادی نخلستانوں، چراگاہوں اور پانی کے چشموں کے قریب مقیم تھی البتہ مکہ میں ایسی صورتحال نہ تھی۔ طائف اور مدینہ منورہ میں کھیتی باڑی ہوتی تھی جنوبی علاقے میں یمن کی خوشحالی کا راز زراعت کی ترقی میں تھا عام طور پر جو بھی کسی زمین کو آباد کرتا تھا وہی اس کا مالک بن جاتا تھا۔

عربوں کی اکثریت تجارت کو اپنا مرغوب اور محبوب پیشہ سمجھتی تھی۔ مکہ اور طائف کے باشندے بالعموم تاجر

تھے۔ حضور پُر نور نبی اکرم ﷺ کے جد امجد ہاشم نے قیصر روم، کسریٰ ایران اور نجاشی حبشہ سے ان کے ملکوں میں تجارت کے لئے اجازت نامے حاصل کر لئے تھے جس کے باعث قریش کے تجارتی قافلے آزادانہ طور پر عراق، عمان، فلسطین، شام، مصر، یمن اور حبشہ میں سال میں دو مرتبہ بلا خوف وخطر جاتے رہتے تھے مذہبی قیادت وسیادت کی بنا پر قریش کے قافلے ڈاکہ و رہزنی سے محفوظ رہتے تھے۔

گلہ بانی بھی عربوں کا اہم ترین پیشہ تھا بہت سے معزز لوگ اس پیشے سے وابستہ تھے بدوی عربوں کا یہ واحد ذریعہ معاش تھا۔ مجموعی طور پر عربوں کی اقتصادی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ غربت نے اپنے سائے بہت دراز کئے ہوئے تھے۔ کھانے کو روٹی، پہننے کو کپڑا آسانی سے میسر نہ تھا۔ اس معاشی کسمپرسی اور تنگی نے انہیں غارت گر اور راہزن بنا دیا تھا۔ لوٹ مار میں اس قدر آگے بڑھے کہ یہ ان کا قومی شعار بن کر رہ گئی اور یہ نہ صرف ان کا ''ذریعہ معاش'' تھی بلکہ ''شہرت'' کا سبب بھی بن گئی تھی۔ قبیلہ طے اسی وجہ سے پورے عرب میں مشہور تھا۔ دیگر قبائل میں سے بھی ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کے مال و دولت، مویشی اور اہل وعیال پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ سوداگروں کے قافلے کسی بھاری انعام کے بغیر کبھی بھی سلامتی سے نہیں گزر سکتے تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کی عورتوں، بچوں اور غلاموں کو پکڑ کر فروخت کر دیتا تھا۔

معیشت سود در سود کی زنجیر میں جکڑی ہوئی تھی، غربت اور سود نے عام آدمی کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ سودی نظام کے بطن سے پھوٹنے والی تمام قباحتیں، برائیاں عرب معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی تھیں۔ سرمایہ داروں نے سود کا جال اس طرح پھیلا رکھا تھا کہ اس سے نکلنا عام آدمی کے بس کی بات ہی نہ تھی۔ کاشتکار اور غریب طبقہ بری طرح اس ظلم کی چکی میں پس رہا تھا۔ سود در سود کی لعنت کی وجہ سے وہ اس حد تک قرض کے بوجھ میں دب گئے تھے کہ قرض کی عدم ادائیگی پر ان کی جائیداد اور جملہ اثاثے ضبط ہو جاتے تھے، حتیٰ کہ یہ خود غلام بن کر رہ جاتے تھے اور ان کے بیوی بچے بھی غلام بنا لیے جاتے تھے۔

معاشرتی وسماجی حالت

عرب کا معاشرہ جو جاہلیت وعصبیت کی عملی شکل اختیار کیے ہوئے تھا۔ معاشرہ مختلف طبقات اور الگ الگ حیثیت کے خاندانوں اور گھرانوں پر مشتمل تھا۔ نسلی تفاخر اور برتری کا احساس اس معاشرے کا اساسی رویہ تھا بعض خاندان دوسرے خاندانوں کے ساتھ بہت سی رسوم وعادات میں شرکت تک پسند نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حج کے کچھ مناسک بعض قبائل کے ساتھ سرانجام نہیں دیئے جاتے تھے۔ خود کو ہر قیمت پر ممتاز رکھنا عربوں کی فطرت میں شامل ہو چکا تھا۔ میدان عرفات میں عام لوگوں کے ساتھ ٹھہرنا عار سمجھتے تھے۔

ایک طبقہ آقاؤں، ظالموں، جابروں کا تھا تو دوسرا طبقہ کمزور ونحیف اور مظلوموں کا تھا۔ طبقاتی کشمکش اپنے عروج پر تھی، غریبوں اور بے سہارا لوگوں کی عزت آبرو محفوظ تھی اور نہ ہی جان ومال حتیٰ کہ انہیں بنیادی انسانی

حقوق سے محروم کر دیا گیا تھا۔ صدائے احتجاج بلند کرنے اور اپنے غصب شدہ حقوق کی بازیابی کے لئے عملی جدوجہد کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ جنگل کا قانون ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' جاری وساری تھا۔

امن وامان نام کی کسی چیز کا وجود تک نہ تھا ہر کسی کی مرضی وخواہش ہی قانون کا درجہ رکھتی تھی۔ پورا معاشرہ بدامنی وبے اطمینانی، خوف وہراس اور ناحق قتل وغارت گری کی آگ میں جل رہا تھا، نیکی وبھلائی کی بجائے بدی اور شر کی قوتوں نے سارے معاشرے کو اپنے آہنی شکنجوں میں لے لیا تھا۔ بدی غالب تھی جبکہ نیکی مغلوب اور شرافت بزدلی کے مترادف تھی۔ یہ آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ ہی آئے ہیں کہ عورت کو معاشرے میں کوئی مقام حاصل نہ تھا اسے وراثت سے محروم رکھا جاتا بلکہ بذات خود اسے مال وراثت سمجھا جاتا تھا۔ باپ کے مرجانے پر اس کی کل بیویاں سوائے حقیقی ماں کے سب بیٹے کے تصرف میں آجاتی تھیں۔

نکاح کی کوئی حد نہ تھی دو حقیقی بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ طلاق دینے میں کوئی پابندی وقدغن نہ تھی۔ بات بات پر طلاق دیتے اور اسے لٹکائے رکھتے۔ عورت جب بیوہ ہوجاتی تو ایک سال تک گھر سے باہر تنگ کوٹھڑی میں قید بامشقت کی زندگی گزارتی۔ عورت کا مہر اس کے باپ کو ملتا تھا جبکہ اس کا خود اس سے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا۔ شعراء کے اشعار کا زیادہ تر موضوع عورت تھی۔ وہ اشعار میں بڑے فخریہ انداز سے انتہائی سفلی اور غلیظ جذبات کا اظہار کرتے تھے۔

عورت مجموعی طور پر بدترین مخلوق تھی اور ہر قسم کے ظلم وستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی، رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ لڑکی پیدا ہوتی تو اہل خانہ کے چہرے غم وغصے سے سرخ وسیاہ ہوجاتے۔ شرم کے مارے لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے حتیٰ کہ اسے زندہ درگور کرنے کے لئے کمربستہ ہوجاتے۔

قرآن حکیم نے ان کی اس حالت کو سورۃ نحل آیات 58 اور 59 میں یوں بیان کیا ہے۔

''اور (صورتحال یہ ہے کہ) جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی بشارت ملتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ پی کر رہ جاتا ہے (دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے) (اور) اس خبر پر (کہ اس کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی) وہ اپنی قوم کے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (کہ ان کو کیا منہ دکھائے اور سوچتا ہے) کہ آیا اسے ذلت کے ساتھ لئے رہے یا اسے مٹی میں دبا دے۔''

(سورۃ نحل آیات 58'59)

گناہوں کی دلدل میں ڈوبے ہوئے معاشرے میں مالک ومملوک کا تعلق انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں پر مبنی تھا۔ جانوروں کی طرح غلاموں کی خرید وفروخت ہوتی، ان کی منڈیاں لگتیں، ان سے قبیح وگھناؤنے جرائم کرائے جاتے۔ عریانی وفحاشی اور بے حیائی نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا سارا سماج گھٹن کا شکار تھا۔

اخلاقی حالت

عربوں کی اخلاقی حالت پستی و زوال کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ عفت و عصمت، تہذیب و شرافت کے تصورات قصہ پارینہ بن چکے تھے۔ معمولی معمولی سی بات پر لڑ مرنا ایک دوسرے کا سر اڑا دینا ان کے نزدیک کوئی بری بات نہ تھی۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلے سے اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسر پیکار تھا۔ ہر بچہ اپنے باپ اور عزیزوں کے قاتل سے انتقام لینے کے جذبے میں پرورش پاتا تھا۔ جوان ہو کر اپنے جذبہ انتقام کی آگ کے سرد کرنے کو ہی اپنا مقصد اولیں بنا لیتا تھا۔ یوں ایک ایک لڑائی کا سلسلہ برسوں تک قائم اور جاری رہتا تھا۔ جنگ و جدال کے اس ماحول میں لڑنا مر جانا اور مارنا جاہلیت کا شرف اور قبیلے کی آن سمجھی جاتی تھی۔ ان لڑائیوں میں سفاکی، بے رحمی اور قتل و غارت کی بدترین مثالیں پیش آتی تھیں۔ اسیران جنگ کا ایک ایک عضو کاٹ کر اور انہیں مسلسل اذیت میں مبتلا کر کے موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا۔ دشمنوں کا جگر نکال کر کچا چبا لیا جاتا تھا اور ان کا کاسہ سر (کھوپڑی کے پیالے) میں شراب پی جاتی۔

عربوں میں حیوانی اور انسانی جان کا احترام بالکل ختم ہو چکا تھا۔ حرام و حلال کی قطعاً انہیں کوئی تمیز نہ تھی۔ وحشت و بربریت، جہالت و تاریکی کا دور دورہ تھا۔ زندہ جانوروں کے حصے کاٹ کر کھائے جاتے تھے، بعض نجس جانوروں کا گوشت کھانے میں عار محسوس نہ کرتے تھے۔ درندوں کے نوچے ہوئے جانور کو بھی کھانے سے احتراز نہ کرتے تھے۔ اہل عرب میں عریانی و بے حیائی، قمار بازی، زنا کاری جیسے اخلاقی جرائم عام تھے۔ مادر زاد ننگے خانہ کعبہ کا طواف کرتے۔ کھلے میدانوں میں بالکل ننگے نہاتے حتیٰ کہ بھری محفل میں از راہ مذاق ستر کھول دیتے تھے۔

شراب اور جوا ان کے محبوب مشغلے تھے، شراب نوشی کا اس قدر رواج تھا کہ ہر گھر میکدہ بنا ہوا تھا، مست مے ہو کر طرح طرح کی خرافات اور واہیات بکنا ان کا معمول بن چکا تھا۔ عرب نہایت سنگدل واقع ہوئے، جانوروں کو درختوں سے باندھ کر تیر اندازی کی مشق کرتے، حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر دیتے تھے۔ مجرموں کو حد درجہ وحشیانہ سزائیں دیتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مجموعی طور پر عربوں کو بت پرستی، فسق و فجور، قتل و غارت گری، چوری و راہزنی، شراب نوشی، قمار بازی، بدکاری و سود خوری، فحاشی و بے حیائی، بداخلاقی و بے راہروی، بربریت و خونخواری، بے رحمی و سفا کی جیسی بیماریوں اور برائیوں نے ہر ہر جہت سے زوال و پستی کا شکار کر دیا تھا۔ قرآن حکیم نے سورۃ روم آیت 41 میں بڑے جامع انداز میں ان کی مجموعی حالت کی تصویر کشی یوں کی ہے۔

''خشکی اور تری میں (ہر طرف) فساد پھیل گیا تھا'' (سورۃ روم آیت 41)

عرب کی عام برائیاں

اہل عرب بت پرستی اور شرک کے علاوہ بھی بہت سی برائیوں اور خرابیوں کا شکار تھے یہ برائیوں اعتقاد اور مذہب سے بھی تعلق رکھتی تھیں اور اخلاق سے بھی۔

کہانت

کاہن آئندہ ہونے والے واقعات اور آسمانی خبروں کے بارے میں بتاتے تھے۔ یہ کام عورتیں بھی کرتی تھیں۔ کاہنوں کے بارے میں عربوں کا عام اعتقاد یہ تھا کہ ان کے ساتھ ایک جن رہتا ہے جو ان کو سب خبریں دیتا رہتا ہے۔ یہ لوگ حضور پُرنور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی کاہن خیال کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے ساتھ بھی کوئی جن یا شیطان رہتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تبارک تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اتراتے ہیں۔ شیطان ہر جھوٹے، گنہگار پر اتراتے ہیں۔ وہ سنی سنائی بات القا کرتے ہیں اور اکثر وہ جھوٹے ہوتے ہیں۔'' (سورۃ شعراء آیت 221 تا 223)

کاہن بت خانوں میں رہتے تھے اور کسی خاص بت کی پوجا کرتے تھے۔ مستقبل کی پیش گوئی اور غیب کی باتیں بتاتے وقت یہ لوگ اپنے اوپر خاص کیفیت طاری کرتے۔ یہ لوگ اجرت اور نذرانے کے طور پر بڑی بڑی رقمیں لیتے تھے۔ ظہور اسلام کے بعد کاہنوں میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے وہ علانیہ طور پر اپنے فریب اور دھوکے کا اعتراف کرتے تھے۔

فال

کہانت کی طرح اہل عرب کی ایک عادت فال یا شگون لینے کی بھی تھی، وہ مختلف طریقوں سے اچھا یا برا شگون لیتے تھے مثلاً کبھی پرندے اڑا کر فال نکالتے۔ اگر وہ دائیں جانب اڑ کر جاتا تو اسے نیک گمان کیا جاتا اور اگر بائیں طرف مڑ جاتا تو اسے بدشگونی سے تعبیر کیا جاتا۔ اسی طرح اچانک کان میں پڑنے والی آواز اور اچانک نظر آنے والی چیزوں سے بھی فال لیتے تھے، فال نکالنے کے لئے انہوں نے تیر بھی مخصوص کر رکھے تھے۔ انہیں ازلام کہا جاتا تھا قرآن کریم نے سورۃ مائدہ آیت 90 میں دیگر برائیوں کے ساتھ اس کا ذکر کر کے اسے شیطانی عمل قرار

دیا ہے۔(سورۃ مائدہ آیت90)

بت پرستی کی وبا

تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے کہ عرب کے طول وعرض میں بت پرستی کا جال بچھا ہوا تھا اس کے علاوہ یہودیت ونصرانیت ومجوسیت بھی کہیں کہیں رائج تھی۔ چنانچہ خیبر، کنانہ بنوحارث بن کعب اور کندہ میں یہودیت تھی۔مدینہ میں یہودیوں کا زور تھا۔خیبر میں بھی یہودی بستے تھے۔ربیعہ،غسان اور بعض قضاعہ میں نصرانیت تھی۔ مجوسیت بہت کم تھی۔ وہ بت پرستی ویہودیت وعیسائیت میں جذب ہوتے ہوتے صرف بنوتمیم میں رہ گئی تھی (حیوۃ الحیوان الدمیری جلد 1 صفحہ 169) جن کے منازل نجد سے یمامہ تک پائے جاتے تھے۔حضرت حاجب بن زرارہ تمیمی رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ سے تھے جنہوں نے کسریٰ کے ہاں اپنی کمان رہن رکھی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فک کرا کر (رہن سے چھڑا کر) بطور ہدیہ خدمت اقدس میں بھیجی تھی۔

کثرت ازدواج

عرب میں ازدواج کی کثرت تھی۔ چنانچہ جب حضرت غیلان ثقفی رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو ان کے تحت میں دس عورتیں تھیں۔جمع بین الاختین (دو سگی بہنوں کے ساتھ شادی کو) جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ ضحاک بن فیروز کا بیان ہے کہ جب میرا باپ اسلام لایا تو اس کے تحت دو سگی بہنیں تھیں۔ جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کا سب سے بڑا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کو میراث میں پاتا۔چاہتا تو اس سے شادی کر لیتا ورنہ اپنے کسی اور بھائی یا رشتہ دار کو شادی کے لئے دے دیتا۔

مروجہ عام زنا کاری بشکل نکاح

زنا کاری کا عام رواج تھا اور اسے جائز خیال کرتے تھے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جاہلیت میں نکاح چار طرح کا تھا (بحوالہ کشف الغمم للقطب اشعرانی جلد 2 صفحہ 56) ایک نکاح متعارف جیسا کہ آج کل ہے کہ زوج وزوجہ کے ولی مہر معین پر متفق ہو جائیں اور ایجاب وقبول ہو جائے۔ دوسرا نکاح استبضاع تھا۔اس طور پر شوہر اپنی عورت کو حیض سے پاک ہونے کے بعد کہتا کہ تو فلاں سے (استبضاع) (طلب ولد) کرلے اور خود اس سے مقاربت نہ کرتا۔ یہاں تک کہ اس شخص سے حمل ظاہر ہو جاتا۔اس وقت چاہتا تو وہ اپنی زوجیت سے مجامعت کرتا یہ استبضاع بغرض نجابت ولد کیا جاتا تھا۔

تیسرا نکاح جمع۔ یہ اس طرح کہ دس سے کم مرد ایک عورت پر یکے بعد دیگرے داخل ہوتے۔ یہاں تک کہ وہ حاملہ ہو جاتی۔وضع حمل کے چند روز بعد وہ عورت ان سب کو بلاتی اور ان سے کہتی کہ تم نے جو کیا وہ تمہیں معلوم ہے۔میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے کہتی کہ یہ تیرا بچہ ہے پس وہ اسی کا سمجھا جاتا تھا اور وہ شخص انکار نہ کرسکتا تھا۔

چوتھا نکاح بغایا' اس میں اس طرح کہ بہت سے مرد جمع ہو کر بغایا (زنا کار عورتیں) میں سے پر بے روک ٹوک داخل ہوتے۔ یہ بغایا بطور علامت کے اپنے دروازوں پر جھنڈے نصب کرتی تھیں۔ جو چاہتا ان کے پاس جاتا جب ان میں سے کوئی حاملہ ہو جاتی۔ وضع حمل کے بعد وہ سب مرد اس کے ہاں جمع ہوتے اور قافہ کو بلاتے وہ قافہ، قیافہ شناس اس بچہ کو (اس کے اعضاء دیکھ کر فراست سے) جس سے منسوب کرتا اسی کا بیٹا سمجھا جاتا اور اس سے انکار نہ ہو سکتا تھا۔

شراب خوری

عربوں میں شراب خوری عام تھی بلکہ اس کا نہ پینا نامانوس تھا۔ شراب پینے پلانے میں مال اڑا دینا ان کے ہاں بہادری کا کام سمجھا جاتا تھا۔ دوست واحباب جب کسی گھر میں جمع ہوتے تو شراب کا دور چلتا اور فاحشہ مغنیہ عورتیں گاتی بجاتیں اور کبھی نشہ میں سرشار ہو کر صاحب خانہ اس بے جا فیاضی پر فخر کرتے۔ غرض شراب خوری کا یہ عالم تھا کہ جب بدر میں قریش کے سردار مارے گئے تو ان کے مرثیے میں قریش کا ایک شاعر خاص طور پر ان کی بزم شراب اور مجلس رقص کی بربادی کا ماتم کرتا ہے۔ شراب کے عام ہونے کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ عربی زبان میں شراب کے ڈھائی سو نام ہیں۔

ملک عرب میں انگوروں یا کھجوروں وغیرہ سے جو شراب بناتے تھے وہ ان کے لئے کافی نہ تھی۔ اس لئے شراب کا بہت بڑا حصہ دیگر ممالک سے منگایا جاتا تھا۔ وہ بہت تیز ہوتی تھی۔ پانی ملا کر استعمال کیا کرتے تھے۔ شراب کی دکانوں پر جھنڈے لہرایا کرتے تھے۔ جب کسی دکان میں شراب کا ذخیرہ ختم ہو جاتا تو جھنڈا اتار لیا جاتا تھا۔ اشعار عرب میں جن مقامات کا شراب کی دستیابی کے سلسلہ میں ذکر آیا ہے ان کی تفصیل یوں ہے:

ملک کا نام	مقامات جو شراب کے لئے مشہور تھے	کیفیت
سیریا یعنی شام	جدر، حمص، بیت راس، خص، اندرین، بصریٰ، صرخد، مآب	بیت راس دو شہروں کا نام ہے۔ ایک بیت المقدس میں دوسرا نواح حلب میں ہے۔ دونوں میں انگور بکثرت اور شراب کی لئے مشہور تھے۔ جدر کی شراب کو جدریہ کہتے تھے۔
فلسطین	مقدر، عوز، بیسان	مقدر کی شراب کو مقدری یا مقدریہ اور بیسان کی شراب کو بیسانیہ بولتے تھے۔
الجزیرہ	عانہ	عانہ کی شراب کو عانیہ کہتے تھے۔
کلدیہ یا بابلونیا	بابل، صریفوں، قطربل	صریفوں عکبرا کے قریب ہے اور قطربل بغداد و عکبرا کے درمیان ہے۔ ان مقامات کی شراب کو بابلیہ وصریفیہ وقطربلیہ کہتے تھے۔

اوہام پرستی

اوہام پرستی بھی ان کے اعتقاد کا حصہ تھی، ان کا عقیدہ تھا کہ اگر سانپ کو مارا جائے تو اس کا جوڑا آ کر بدلہ لیتا ہے، اس لئے وہ سانپ کو نہیں مارتے تھے۔ اسی طرح ان کا عقیدہ تھا کہ آدمی کے پیٹ میں ایک سانپ رہتا ہے جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے۔ اونٹنی جب دس بچے جن لیتی تو اس کو آزاد چھوڑ دیتے۔ جب قحط پڑتا تو بھیڑ یا دنبہ کی دم میں گھاس پھونس باندھ کر آگ لگا دیتے ان کے خیال میں ایسا کرنے سے بارش ہو گی۔ سفر میں راستہ بھول جاتے تو کپڑے الٹ کر پہن لیتے اور سمجھتے کہ اس سے راستہ مل جائے گا۔ اسی قسم کے بے شمار اوہام ان میں پھیلے ہوئے تھے۔

جنگجوئی

بات بات پر لڑنا مرنا اور ایک دوسرے کو قتل کر دینا ان کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی۔ مختلف خاندان اور قبیلے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے۔ لڑکوں کو بچپن ہی سے ذہنی طور پر باپ اور عزیزوں کے قتل کا انتقام لینے کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ وہ جوان ہو کر اس کام کو مقدس فرض سمجھ کر سرانجام دیتے تھے۔ اس طرح ان میں لڑائی کا سلسلہ برسوں تک قائم رہتا۔ جنگوں کے تسلسل کی وجہ سے جنگجوئی عربوں کے مزاج میں داخل ہو گئی تھی۔ اس لئے وہ اس کی تیاریاں کرتے، اسلحہ اور گھوڑے جمع کرتے اور شعراء اس کا خوب تذکرہ کرتے تھے اسی لئے عربوں کی شاعری جنگوں اور جنگجوئی کے تذکرے سے بھری پڑی ہے۔

قمار بازی

شراب خوری کے ساتھ ساتھ قمار بازی بھی عام تھی جو اونٹوں کے ذریعے کی جاتی تھی۔ اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت کو دس حصوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور پھر انہیں حصوں پر جواء کھیلتے تھے۔ قمار بازی کی محفلوں میں شریک نہ ہونا ایک قومی عار تھا اور ایسے لوگوں کو نہایت بخیل سمجھا جاتا تھا اور ان سے شادی بیاہ کرنا ننگ و عار خیال کیا جاتا تھا اور جوئے میں شرکت کو سخاوت اور کشادہ دلی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

سود خوری

دوسری برائیوں کے ساتھ عربوں میں سود خوری بھی عام تھی۔ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تجارت نہایت وسیع پیمانے پر تھے، سود خوری میں بھی ان کی بہت شہرت تھی چنانچہ حجۃ الوداع میں جب آپ نے سود کی حرمت کا اعلان فرمایا تو سب سے پہلے انہی کے سود کو باطل قرار دیا۔

لوٹ مار

عرب کا ہر قبیلہ غارت گر اور رہزن بنا ہوا تھا وہ ایک دوسرے کا مال و دولت اور مویشی لوٹ لیتے تھے۔

تاجروں کے قافلے، بھاری تاوان ادا کیے بغیر کسی میدان سے سلامتی کے ساتھ گزر نہیں سکتے تھے۔حد تو یہ ہے کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کی عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر کسی اور قبیلے کے ہاتھ فروخت کر دیتا اور مویشیوں کو ہانک کر لے جاتا تھا۔اس طرح ملک میں مسلسل قتل وغارت اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری تھا۔

چوری

عرب بدوؤں میں چوری جتنی عام تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ ان مردوں اور عورتوں سے جو اسلام قبول کرنے آتے تھے دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ یہ عہد بھی لیتے تھے کہ آئندہ وہ چوری نہیں کریں گے۔قرآن کریم میں سورۃ ممتحنہ کی آیت نمبر 12 میں عورتوں سے اس عہد کا حکم موجود ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس برائی میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی مبتلا تھیں۔

سفاکی و بے رحمی

دن رات کی لوٹ مار اور کشت وخون سے ان میں درندگی کے اوصاف پیدا ہو گئے تھے مثلاً زندہ جانوروں کو درخت وغیرہ سے باندھ کر تیر اندازی کی مشق کرتے۔منت مانتے کہ دشمن کو قتل کر کے اس کی کھوپڑی میں شراب پئیں گے۔وہ درختوں کی ٹہنیوں کو جھکا کر مجرم کے اعضاء کو ان میں باندھ دیتے اور ٹہنیوں کو چھوڑ دیتے جس سے مجرم کا بدن چر کر ٹہنیوں کے ساتھ رہ جاتا۔عورتوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے جس سے ان کے جسم کے ٹکڑے اڑ جاتے۔کبھی آدمی کو کوٹھڑی میں قید کر کے اس کا کھانا پینا بند کر دیتے یہاں تک کہ وہ بھوک و پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔

جہالت

حرام وحلال کی تمیز نہ تھی ہر چیز کھاتے تھے۔حشرات الارض عام غذا تھی۔خون کو جما کر اس کی قاشیں تراش کر کھاتے، مردار کھانا عام بات تھی۔چمڑے کو آگ میں بھون کر کھا لیتے۔گردن مروڑ کر ڈنڈے سے مار کر اور درندوں کا مارا ہوا سب کھا جاتے۔گدھے کا گوشت بھی کھاتے تھے۔

فحاشی اور بے حیائی

عرب معاشرے میں شرم وحیا کا عام تصور موجود نہ تھا، خانہ کعبہ کا ننگے ہو کر طواف کیا کرتے تھے حتیٰ کہ عورتیں بھی طواف کرتے ہوئے ستر پوشی کا خیال نہ رکھتی تھیں۔(مسلم کتاب التفسیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

عام طور پر نہاتے ہوئے بھی پردہ کرنے کا رواج نہ تھا۔قضائے حاجت کے وقت بھی پردہ نہ کرتے تھے۔

بدکاری عام تھی اور ان کے ہاں اس کی بہت سی شکلیں رائج تھیں۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دور جاہلیت میں عرب اگرچہ علانیہ زنا کو جائز قرار نہیں دیتے تھے مگر چوری چھپے کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔

عورتوں پر مظالم

عورت کی حالت بھی نہایت قابل رحم تھی عورتیں ان کے ہاں مملوکہ املاک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ اس بناء پر باپ کے وفات پا جانے کے بعد اپنی حقیقی ماں کو چھوڑ کر اس کی دوسری بیویوں پر وراثتاً قبضہ کر لیا جاتا تھا۔ لڑائیوں میں مفتوحہ قبائل کی عورتیں فاتحین کے قبضے میں آ جاتی تھیں اور وہ ان پر ہر قسم کے تصرف کا حق رکھتے تھے، اسی طرح وہ وراثت کی حقدار بھی نہیں سمجھی جاتی تھیں۔

مختلف قبائل میں عورت کو باعث ننگ و عار قرار دے کر انہیں بچپن ہی میں زندہ درگور کر دینے کا رواج عام تھا اور بعض قبائل تو بھوک و افلاس کے ڈر سے مرد و عورت کی تخصیص کے بغیر بھی اپنی اولاد کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔

قرآن کریم میں دونوں گروہوں کا ذکر ہے پہلے گروہ کا ذکر سورہ تکویر آیت 9'8 میں ہے روز قیامت سوال ہو گا۔

''اور جب زندہ درگور کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ تو کس جرم میں قتل کی گئی؟''

(سورۃ تکویر آیات 8 اور 9)

اور دوسرے مقام پر بھوک کے خوف سے اولاد کو مار ڈالنے کی ممانعت کرتے ہوئے سورۃ بنی اسرائیل آیت 31 میں یوں ارشاد ربّ العالمین ہے۔

''اور اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے نہ مار ڈالو، ان کو بھی ہم روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی۔''

(سورۃ بنی اسرائیل آیت 31)

عورتوں کو ازدواجی تعلقات میں بھی کوئی حقوق حاصل نہ تھے، ایک مرد جتنی بیویاں چاہے اپنے عقد میں رکھ سکتا تھا۔ طلاق کے لئے بھی کوئی مدت مقرر نہ تھی۔ شوہر جب چاہے اور جتنی بار چاہے طلاق دے کر رجوع کر سکتا تھا اور وہ بیک وقت دو بہنوں کو بھی نکاح میں رکھ سکتا تھا۔

(بلوغ العرب جلد 3 صفحہ 43 - سیرت النبی صفحہ 144 تا 165 - تاریخ ادب عزلی صفحہ 39 تا 42 - جزیرۃ العرب صفحہ 173)

عربوں کی بعض خوبیاں

اہل عرب میں ان بہت سی خرابیوں کے باوجود کچھ ایسی خوبیاں بھی تھیں جو انہیں اقوام عالم میں ممتاز کرتی تھیں ان ہی فطری اور قدرتی خصوصیات کی بناء پر انہیں اللہ تبارک تعالیٰ نے نبوت و رسالت اور تعلیم شریعت کا اہل سمجھا، یہاں چند خصوصیات بیان کی جاتی ہیں۔

صحت نسب

پہلی خصوصیت ان کی صحت نسبی ہے۔ شمالی عرب کے تمام قبائل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور ان کی نسل سے تھے اور یہ اس قدر قوی دعویٰ ہے کہ کسی نے ان کی تردید کی ہمت نہ کی۔ خود قرآن کریم نے بھی سورۃ حج آیت 78 میں اہل عرب کو ان الفاظ میں مخاطب کیا ہے۔

''تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب۔''

اہل عرب کے ہاں اپنی اس خصوصیت کی بہت اہمیت تھی اور آباؤ اجداد کے ناموں اور شجروں کو یاد رکھنا ہر ایک کا خاندانی فریضہ تھا اسی لیے ان کی شاعری نسبی تفاخر سے بھری پڑی ہے۔

آزادی

ملک عرب شروع سے لے کر اسلام کی آمد تک ہر غیر قوم کی حکمرانی سے آزاد رہا اس نے کبھی کسی کی غلامی قبول نہیں کی، بابل کے بخت نصر اور یونانیوں و رومیوں سے لے کر اسکندر اور اس کے بعد آنے والے رومی سپہ سالاروں تک، جس کسی نے بھی اس طرف نظر اٹھائی تو قدرت نے ہمیشہ اسے شکست دی۔ ملک عرب اس وقت کی دنیا کی دو سپر طاقتوں ایران اور روم کی سرحدوں پر واقع تھا مگر دونوں طاقتیں اس کی طرف پیش قدمی سے قاصر رہیں۔

ایک بار حبشیوں نے ہاتھیوں کے ساتھ مکہ معظمہ پر چڑھائی کی کوشش کی تو قدرت نے انہیں تباہ کر دیا۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے یہ انتظام اس لئے تھا کہ کوئی دوسری طاقت ان کی صلاحیتوں کو استعمال نہ کر سکے اور ان کی آزادی کی روح برقرار اور فاتحانہ طاقت قائم رہے اور اسلام اور اسلامی حکومت کے قیام، بقا اور استحکام میں کام

آئے۔

کتابی تعلیم سے نا آشنا

قرآن کریم کے نازل ہونے تک وہ ہر قسم کے کتابی علم سے نا آشنا تھے اس بناء پر بھی وہ خارجی اثرات سے محفوظ تھے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی حکمت سے انہیں امی (ان پڑھ) رکھا تھا تا کہ وہ اُمی معلم حضور انور نبی کریم ﷺ کی ربانی تعلیم کو قبول کرنے کے لئے پوری طرح تیار رہیں۔

ادبی صلاحیتیں

عربوں کا ادب بنیادی طور پر ان کی شاعری تھی، ان کے ہاں شاعری کو جو اہمیت حاصل تھی وہ شاید ہی کسی اور قوم کے ہاں حاصل ہو۔ جاہل سے جاہل عرب شاعر، شعر فہمی میں مستند تھا۔ عربوں کے ادب کے چار بنیادی عناصر تھے۔ زبان دانی، شاعری، امثال وکہاوتیں اور ماضی کی لڑائیوں وغیرہ کے قصے کہانیاں۔

حجاز میں خاص طور پر مکہ مکرمہ، تجارت وادب کا بڑا مرکز تھا اور حج کے موقع پر اطراف وجوانب سے لوگ یہاں آتے تھے اس موقع پر ادبی محفلوں کا انعقاد ہوتا تھا اور شعر وادب کی محفلیں جمتی تھیں۔

عرب کی تجارت اور ان کی ادبی زندگی میں ان سالانہ میلوں کا بھی بڑا دخل تھا جو سال کے مختلف ایام میں مقررہ مقامات پر لگتے تھے جن کی تعداد 13 بیان ہوئی ہے۔ ان میں اہم میلے مجنہ' عکاظ اور ذوالمجاز وغیرہ کے تھے۔ ان کے ذریعے عربوں کو جہاں ایک طرف بڑے پیمانے پر خرید وفروخت کا موقع ملتا تھا وہیں اس موقع پر جمنے والی ادبی محفلوں کی وجہ سے ان کا ادبی ذوق بھی پروان چڑھتا تھا۔

خودداری وعزتِ نفس

اس پر قائم رہنا اور ظلم وجبر برداشت نہ کرنا بھی جاہلیت کے معروف اخلاق میں سے تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی شجاعت وغیرت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ فوراً بھڑک اٹھتے تھے اور ذرا ذرا سی بات پر جس سے ذلت واہانت کی بو آتی، شمشیر وسنان اٹھا لیتے اور نہایت خونریز جنگ چھیڑ دیتے۔ انہیں اس راہ میں اپنی جان کی قطعاً پروا نہ رہتی۔

حق گوئی

بہادری کے ساتھ ساتھ دل کے بھی صاف اور سچے تھے۔ جو بات ان کے دل میں ہوتی تھی وہی ان کی زبان پر ہوتی تھی۔ وہ نفاق سے واقف نہ تھے۔ اہل مدینہ میں جو نفاق کا عنصر پیدا ہو گیا تھا وہ یہود کا اثر تھا، ورنہ عرب یا تو کھلے دشمن تھے یا کھلے دوست اور جس بات کو وہ حق سمجھتے تھے اسے قبول کرنے اور اس کا اظہار کرنے میں انہیں کسی کا خوف نہیں ہوتا تھا۔

بدوی سادگی

یعنی تمدن کی آلائشوں اور داؤ پیچ سے ناواقفیت اور دوری۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان میں سچائی اور امانت پائی جاتی تھی۔ وہ فریب کاری وبدعہدی سے دور اور متنفر تھے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ جزیرۃ العرب کو ساری دنیا سے جو جغرافیائی نسبت حاصل تھی اس کے علاوہ یہی وہ قیمتی اخلاق تھے جن کی وجہ سے اہل عرب بنی نوع انسان کی قیادت اور رسالت عامہ کا بوجھ اٹھانے کے لئے چنا گیا۔

عزائم کی تکمیل

اہل جاہلیت کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جب وہ کسی کام کو مجد وافتخار کا ذریعہ سمجھ کرانجام دینے پر تل جاتے تو پھر کوئی رکاوٹ انہیں روک نہیں سکتی تھی۔ وہ اپنی جان پر کھیل کراس کام کوانجام دے ڈالتے تھے۔

پاسداران حرم کا احترام، یقین واعتبار

درج ذیل دو عدد تاریخی حقائق پر مبنی پیراگراف جن کو کہ میں نے ضیاء النبی جلد 1 صفحہ 346 اور 347 سے لیا ہے اور یہ دیگر سیرت مبارک اور تاریخ اسلام کی کتابوں میں بھی تقریباً اسی طرح اوران ہی الفاظ میں مذکور ہیں۔ جہاں یہ حقائق ایک طرف اہل عرب کی جہالت وسادگی کو ظاہر کرتے ہیں تو دوسری طرف وہ اس حقیقت کا بھی مظہر ہیں کہ اہل عرب کو پاسداران حرم کا خوب احترام یقین واعتبار تھا۔ اسی لئے تو وہ دین ابراہیم میں ان بدعات کو بلاچوں وچراں مان لیتے تھے۔ اوراسی حقیقت کو سمجھانے کے لئے درج ذیل کو دوبارہ لکھا جارہا ہے۔

''اہل مکہ اپنے آپ کو دوسرے قبائل سے اعلیٰ اور افضل سمجھتے۔ وہ کہتے ہم حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں حرم شریف کے باشندے ہیں۔ بیت اللہ شریف کے متولی ہیں۔ مکہ کے رہنے والے ہیں جو حقوق اور امتیازات ہمیں حاصل ہیں وہ اور کسی عرب کو حاصل نہیں۔ ہم صرف ان چیزوں کی تعظیم بجالائیں گے جو حرم کے اندر ہیں۔ جو مشاعر اور مواقف حرم سے باہر ہیں' دوسرے اہل عرب کے لئے تولازم ہے کہ وہاں حاضری دیں اوران کی تعظیم بجا لائیں لیکن ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اہل حرم ہوتے ہوئے ہم حرم سے باہر کی چیزوں کی تعظیم وتکریم کریں ورنہ ہمارے درمیان اور دوسرے قبائل کے درمیان وجہ امتیاز کیا باقی رہے گی۔''

''پھرانہوں نے یہ پابندی لگادی کہ اہل حل (حدود حرم سے باہر رہنے والے لوگ) جب وہ حج یا عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ میں آئیں توان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کھانا کھائیں جو اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔ اس طرح ان کے لئے یہ چیز بھی ناجائز قراردی گئی کہ وہ ان کپڑوں میں کعبہ شریف کا پہلا طواف کریں جو وہ اپنے گھر سے پہن کر آئے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ کعبہ کا طواف کرتے وقت اہل حرم سے کپڑے مستعار لے کر پہنیں اور اگر ان کے ہاں کپڑے دستیاب نہ ہوں تو وہ برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کریں۔ اگر کوئی مرد یا عورت انہیں کپڑوں میں

طواف کرے جو وہ گھر سے پہن کر آیا تھا تو طواف سے فارغ ہونے کے بعد اس پر لازم ہے کہ وہ ان کپڑوں کو اتار کر پھینک دے نہ خود ان کو پہنے اور نہ کوئی اور انہیں استعمال کرے۔''

قارئین کرام! غور کیجئے کہ اہل مکہ نے اہل عرب کو ان احکام کی پابندی کا حکم دیا اور انہوں نے بلا چون و چرا ان احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ وہ لوگ عرفات میں قیام کرتے وہاں سے طواف افاضہ کرنے کے لئے مکہ آتے۔ خانہ کعبہ شریف کا طواف برہنہ ہو کر کرتے' عورتیں بھی تمام کپڑے اتار دیتیں۔ ایک چھوٹی سی کھلی قمیض ان کے بدن پر ہوتی۔'' ان کا بے چون و چرا مان لینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اہل عرب کو پاسداران حرم کا بہت احترام، یقین و اعتبار تھا۔

قانون، معاہدوں کی پاسداری

درج ذیل تاریخی حقیقت جس کو کہ میں نے ضیاء النبی جلد 1 صفحہ 346 سے لیا ہے اور اس حقیقت کے بارے میں سیرت مبارک اور تاریخ اسلام کی اکثرت دیگر کتابوں میں بھی اسی طرح اور تقریباً ان ہی الفاظ میں لکھا ہوا ہے اور یہ مثال اہل عرب کی اس صفت کو کہ ان کی اکثریت عموماً اور عام حالات میں قانون پسند اور معاہدوں کی پاسداری کرنے والی تھی کو خوب ظاہر کرتی ہے۔

''اہل جاہلیت جب دور دراز علاقوں سے حج کی نیت سے روانہ ہوتے تو اپنے قربانی کے جانوروں کے گلوں میں بالوں سے بنا ہوا قلادہ ڈال دیتے۔ اس قلادہ کے باعث کوئی راہزن، کوئی ڈاکو نہ ان پر حملہ کرتا اور نہ ان کا مال متاع اڑا کرے جاتا۔ مسافر حرم کے لئے انہوں نے ہر طرح کی امان دے رکھی تھی۔ حرمت والے چار مہینوں میں وہ ملکی سطح پر جنگ و جدال۔ لوٹ مار، چوری اور ڈاکہ ان تمام حرکتوں سے کلیتاً اجتناب کرتے، ملک میں ہر طرح کا امن و امان قائم ہو جاتا۔ ان مہینوں میں تجارتی کارواں بڑی آزادی اور اطمینان سے ایک علاقہ سے دوسرے میں تجارتی مال لے کر جاتے، کاروبار کرتے، نفع حاصل کرتے اور ان سے کوئی تعرض نہ کرتا۔ حج کے جملہ ارکان کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے بایں ہمہ ان میں جہالت کی وجہ سے چند خرافات بھی رواج پا چکی تھیں۔''

ان کے اسی طرز عمل سے یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مجموعی طور پر اہل عرب قانون و معاہدوں کی پاسداری کرنے والے تھے۔

عقل، دانش و ذہانت

اہل عرب گو ظاہری اعتبار سے ان پڑھ تھے مگر فطری طور پر عقل دانش و ذہانت سے خوب بہرہ مند تھے اور بعض حضرات تو اس میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضیٰ، طلحہ زبیر، خالد ابوعبیدہ بن جراح، مغیرہ بن شعبہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم وغیرہ اور ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہنر، علم، مذہب اخلاق، اور سیاست میں نکتہ سنجیاں ان کی عقل، دانش و ذہانت کی شاہد ہیں۔

اہل عرب کی فراست وذہانت بے مثال تھی۔ مورخین نے بے شمار واقعات اپنی کتابوں میں تحریر کیے ہیں جن سے ان کی فراست وذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ لیجئے یہ واقعہ پڑھئے اوران کی ذہانت کی داد دیجئے کہ گھریلولڑکیوں نے کتنی جلد صحیح پیغام یاواقعہ کا پتہ چلالیااوراس پرعمل پیرابھی ہوگئیں۔ یقیناً بھیجنے والابھی بہت ذہین تھا۔

ایک دولت مند شخص اپنے دوغلاموں کی معیت میں سفر پرروانہ ہوا۔ جب وہ نصف راستہ طے کرچکے تو ان غلاموں نے اس کوقتل کرنے کامنصوبہ بنایا۔اس آدمی نے بھی تاڑلیا کہ یہ مجھے قتل کرنے کا منصوبہ بناچکے ہیں تواس نے انہیں کہا کہ اگرتم مجھے قتل کرنے کاعزم مصمم کرہی چکے ہوتو میرے ساتھ ایک حلفیہ وعدہ کروکہ جب تم واپس جاؤ تومیرے گھرجانااورمیری دونوں بچیوں کویہ شعرسنانا انہوں نے پوچھا کون ساشعراس شخص نے جواب میں یہ شعر پڑھا:

من مبلغ بنتی ان اباهما　　　　لله در کما و درا بیکما

ان دونوں غلاموں نے جب یہ سناتوایک نے دوسرے کوکہا کہ اس میں کوئی خطرہ والی بات نہیں' یہ بے ضررسا شعرہے جس سے اس کی آخری حسرت بھی پوری ہوجائے گی اورہمیں بھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ چنانچہ انہوں نے اس کے ساتھ وعدہ کیا کہ جب وہ لوٹیں گےتواس کے گھرجاکراس کی بیٹیوں کواس کی طرف سے یہ شعرسنادیں گے۔

جب وہ سفر سے لوٹے توحسب وعدہ اس کے گھرگئے اس کی بڑی لڑکی سے ملاقات کی اورکہاتمہارے والدکو اس چیزنے آلیاجس سے کسی کومفرنہیں یعنی موت۔ اس نے ہم سے قسم لی تھی کہ جب ہم واپس آئیں توتمہیں اس کا یہ شعرسنائیں۔ چنانچہ انہوں نے یہ شعرپڑھ کراس بڑی لڑکی کوسنایا۔ اس نے کہا کہ اس میں کوئی ایسی چیزنہیں جس سے باپ مجھے آگاہ کرناچاہتا تھالیکن تم ذراصبرکرو۔ میں اپنی چھوٹی بہن کوبلالاؤں۔ وہ اس کوبلاکرلے آئی اسے واقعہ بھی بتایااوراپنے باپ کاشعربھی سنایا۔

سنتے ہی اس نے اپنی اوڑھنی اتاردی اورآہ وفغان شروع کردی۔ اس نے کہااے گروہ عرب!ان دونوں نے میرے باپ کوقتل کردیاہے۔ لوگوں نے پوچھاتمہارے پاس اس کی کیادلیل ہے؟ وہ کہنے لگی اس شعرکے دونوں مصرعے نامکمل ہیں۔ دونوں مصرعے دوسرے مصرعے کے محتاج ہیں۔ اس شعرمیں پہلے اوردوسرے مصرعہ میں کوئی مناسبت نہیں۔ درحقیقت یہ دوشعرہیں اس شعرمیں دونوں شعروں کاایک ایک مصرعہ مذکورہےاوردوسرامصرعہ مقدر ہے۔ یعنی کہ غائب ہے اسے اپنی ذہانت سے بنانا ہوگا انہوں نے پوچھا پھر یہ شعرکیسے ہونے چاہئیں اس نے کہا پہلاشعریوں ہوناچاہیے۔

من مخبر بنتی ان اباهما　　　　امسی قتیلا بالفلاة مجندلا

''کون شخص ہے جومیری دونوں بچیوں کواطلاع دے کہ ان کاباپ قتل کردیاگیاہےاوراس کی لاش

جنگل میں مٹی سے آلودہ پڑی ہوئی ہے۔"

اور دوسرا شعر یوں ہونا چاہیے:

لله درکما و درابیکما　　　لن یبرح العبدان حتی تقتلا

"اے بچیو! تم دونوں کی خوبیاں اور تمہارے باپ کی خوبیاں اللہ کے لئے ہیں ان غلاموں کو ہرگز نہ چھوڑا جائے یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔"

لوگوں نے ان غلاموں کی تفتیش کی۔ انہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا چنانچہ بطور قصاص ان کو قتل کر دیا گیا۔ (بلوغ الارب جلد 1 صفحہ 32'33)

اس قوم کی فراست اور ذہانت کا آپ اندازہ لگایئے جس کی ایک کم عمر بچی نے ایسے سربستہ راز کا پردہ چاک کیا اور حقیقت حال کو آشکارا کر دیا۔

نزار کے چار بیٹے

اس قوم کی فراست و ذہانت نزار کے چار بیٹوں کی کہانی سے بھی بہت اشکار ہوتی ہے۔ درج ذیل بھی دانش و ذہانت کا ایک دلچسپ اور نادر نمونہ ہے جو کہ "تاریخ طبری" اور "اعلام النبوۃ الماوردی" دونوں میں بڑی تفصیل سے مرقوم ہے۔

نزار آپ ﷺ کے آباؤ اجداد کریم میں سے تھے۔ اس کا ذکر خیر آگے قدرے تفصیل سے آئے گا۔

نزار کے چار بیٹے تھے۔ مضر۔ ربیعہ۔ ایاد اور انمار۔ ان کے والد نزار جب فوت ہونے لگے تو انہوں نے وصیت کی اے میرے بیٹو! یہ سرخ رنگ کا قبہ اور اس سے متعلقہ چیزیں ایاد کی ہیں۔ ندوہ مجلس اور اس سے متعلقہ چیزیں انمار کی ہیں۔ اگر کسی بات پر تم میں اختلاف پیدا ہو تو تصفیہ کے لئے نجران کے افعی جرہمی کے پاس جانا اور اس سے اپنے جھگڑے کا فیصلہ طلب کرنا۔ باپ کی وفات کے بعد اتفاق سے تقسیم جائیداد میں باہمی اختلاف پیدا ہو گیا۔

باپ کی وصیت کے مطابق وہ نجران روانہ ہوئے تاکہ افعی جرہمی سے اس تنازعہ کا فیصلہ کرائیں۔

اثنائے سفر مضر نے گھاس دیکھی جس کو کسی اونٹ نے چرا تھا، وہ اس گھاس اور جگہ کو دیکھ کر ایک دوسرے سے کہنے لگے جس اونٹ نے اس گھاس کو چرا ہے وہ کانا ہے۔ ربیعہ نے کہا وہ لنگڑا ہے۔ ایاد نے کہا وہ دم بریدہ بھی ہے۔ انمار نے کہا وہ بھاگا ہوا ہے۔ اس گفتگو کے بعد وہ تھوڑی دور چلے تھے کہ انہیں ایک شخص ملا جس نے کجاوہ سر پر اٹھایا ہوا تھا اس نے ان سے اپنے اونٹ کے بارے میں دریافت کیا۔ مضر نے کہا کیا وہ کانا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ ربیعہ نے کہا کیا وہ لنگڑا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ ایاد نے پوچھا کیا وہ دم کٹا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ انمار نے کہا کیا وہ بھاگا ہوا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ خدارا مجھے بتایئے میرا اونٹ کہاں ہے انہوں نے کہا بخدا ہم نے اس کو

نہیں دیکھا۔ بدو نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دیکھے بغیر اس کے تمام نشانات تم نے بتا دیئے ہیں۔ وہ بھی ان کے ساتھ چل پڑا کہ رافعی سے اپنے اونٹ کا فیصلہ کرائے۔

جب اس کے پاس پہنچے تو سب سے پہلے اونٹ کے مالک نے اپنا دعویٰ پیش کیا کہ ان لوگوں نے میرا اونٹ دیکھا ہے لیکن مجھے بتاتے نہیں۔ کہتے ہیں ہم نے دیکھا ہی نہیں۔ افعی نے ان سے پوچھا اگر آپ لوگوں نے اسے دیکھا نہیں تو اس کی ساری نشانیاں کیسے گنوادی ہیں۔ مضر نے کہا میں نے جب اس گھاس کو دیکھا جس کو اس نے چرا ہے تو وہ ایک طرف سے چری ہوئی تھی دوسری طرف سے جوں کی توں لہلہا رہی تھی۔ میں نے سمجھ لیا کہ وہ کانا ہے جو دیکھا ہے اسے چر لیا اور دوسری طرف جو اس نے نہیں دیکھی چھوڑ دی۔ ربیعہ نے کہا کہ اس کے ایک پاؤں کے نشان بالکل واضح تھے دوسرے پاؤں کے نشان ادھورے تھے میں نے سمجھ لیا کہ یہ لنگڑا ہے۔

ایاد نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ اس کی مینگنیاں صحیح سالم ہیں تو میں نے سمجھ لیا کہ اس کی دم کٹی ہوئی ہے ورنہ اس کی مینگنیاں ٹوٹی ہوئی ہوتیں۔ انمار نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ اس نے گنجان گھاس چرنے کے لئے منہ ڈالا ہے لیکن اسے ادھورا چھوڑ کر آگے نکل گیا ہے۔ میں نے سمجھا کہ وہ بھاگا ہوا ہے اس لئے اطمینان سے گھاس کو نہیں چر رہا۔ یہ سن کر جرہمی نے اونٹ کے مالک کو کہا جاؤ اپنا اونٹ تلاش کرو ان کے پاس تمہارا اونٹ نہیں ہے۔

پھر اس نے پوچھا آپ لوگ کون ہیں اور کیوں آئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہم نزار بن معد کے فرزند ہیں اور اپنے باہمی جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے تمہارے پاس آئے ہیں۔ اس نے کہا بڑے تعجب کی بات ہے اس فہم وذکا کے مالک ہوتے ہوئے آپ میرے پاس آئے ہیں پھر اس نے ان کی پرتکلف دعوت کی۔

(اعلام النبوۃ الماوردی جلد 2 صفحہ 168'169 - تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 189'190)

ان کی اس حد درجہ ذہانت وفطانت کے باعث ان کے نبی کو ان کی ہدایت کے لئے جو معجزہ دیا گیا وہ قرآن کریم تھا جو اپنے اعجاز بیان اور اسلوب بلاغت میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ قرآن کریم کے کلمات طیبات میں فصاحت وبلاغت کے جو سمندر ٹھاٹھیں مار رہے ہیں ان کی صحیح قدرومنزلت کا بھی وہی لوگ اندازہ لگا سکتے تھے۔ ان کی اپنی فصاحت وبلاغت کے سبب قرآن فہمی کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات ایک آیت سن کر ہی پھڑک اٹھتے، ان کے دل کی دنیا بدل جایا کرتی تھی۔ احادیث مبارکہ میں بہت سے ایسے واقعات مذکور ہیں کہ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم کی ایک آیت تلاوت فرمائی اور اس کی برکت سے تاریک سینے بقعہ نور بن گئے۔

ایک اعرابی آیا۔ اس نے پیغمبر اوّل وآخر واعظم سرورِ دوعالم ﷺ سے سورۃ زلزال کی صرف یہ آیتیں سنیں۔

”پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا۔“ (سورۃ زلزال آیت 8'7)

وہ اٹھ کر چلا گیا اور کہنے لگا کہ اس کے بعد مجھے مزید کسی نصیحت اور موعظت کی ضرورت نہیں اور ایسی ہی بے

شمار مثالیں موجود ہیں جن میں اللہ تبارک تعالیٰ کے کلام پاک سے صرف چند کلمات سن کر سننے والے ایک دم بدل گئے اور اسی کے ہو کر رہ گئے۔

وفائے عہد

وفائے عہد بھی دور جاہلیت کے اخلاق فاضلہ میں سے ہے۔عہد کو ان کے نزدیک دین کی حیثیت حاصل تھی جس سے وہ بہر حال چمٹے رہتے تھے اور اس راہ میں اپنی اولاد کا خون اور اپنے گھر بار کی تباہی بھی ہیچ سمجھتے تھے۔اس وفائے عہد کی صفت کو سمجھنے کے لئے ہانی بن مسعود شیبانی، سموال بن حبان بن عادیہ، حاجب بن زرارہ، حنظلہ طائی کے واقعات کافی ہیں۔

اہل عرب کی گوناگوں خوبیاں جن میں سے چند ایک کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں ان میں سے ایک یہ خوبی بھی تھی کہ اگر وہ کسی سے وعدہ کرتے تو اس کو پورا کرتے۔خواہ اس سلسلہ میں ان کو مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا بلکہ جان کی بازی بھی ہارنی پڑتی۔طبعی طور پر وہ جھوٹ سے نفرت کرتے اور جھوٹے کو حقیر اور ذلیل سمجھتے اس طرح سچ بولنا ان کے نزدیک صفات محمودہ میں سے تھا اور سچے آدمی کی تعظیم و تکریم کرنا ان کا قومی شعار تھا۔عہد جاہلیت کی تاریخ میں ہمیں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں کہ اہل عرب نے مال و جان کی قربانی دے کر بھی اپنے قول کی لاج رکھی اور اس کو اپنا فرض سمجھا۔یہ چیز ان کے لئے باعث صد عزو شرف خیال کی جاتی تھی۔

ایام مرزوقی لکھتے ہیں کہ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے قبیلہ مضر کے لئے قحط سالی کی بددعا کی (قارئین کرام! میرا ایمان ہے اور دعویٰ سے یہ کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی، کہیں بھی، کسی کے لئے بھی بددعا نہیں کی۔یہ پیغمبر اوّل آخر واعظم ﷺ کے شایان شان نہیں ہے۔میں اپنے اس دعویٰ کو قرآن حکیم، سنت پاک اور احادیث کریم سے ثابت کروں گا اور انشاء اللہ اس کا مفصل بیان موقع محل کے لحاظ سے پیغمبر اوّل و آخر واعظم رحمۃ للعالمین ﷺ کی حیات طیبہ کے مکی دور کے اس واقعہ کے ساتھ ہوگا جس میں آپ ﷺ بغرض تبلیغ دین متین طائف تشریف لے گئے تھے۔اہل طائف نے اذیت دی اور آپ ﷺ بھاری دل کے ساتھ مکہ کے لئے واپس ہوئے تو اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ نے حاضر ہو کر دبے الفاظ میں علاقہ میں عذاب الٰہی کی اجازت چاہی)۔

قارئین کرام! ان مندرجہ (بریکٹ میں درج) بالا الفاظ' سوچ و ارادے کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد اللہ تبارک تعالیٰ کی خاص کرم نوازیوں کے طفیل میں مصنف کتاب ہذا نے اس موضوع کہ ''آپ ﷺ نے کبھی بھی بددعا نہیں کی'' پر قرآنی آیات' احادیث مبارک اور تاریخی حقائق پر مبنی ایک خاصا طویل' مفصل و مدلل اور مصدقہ باب لکھا ہے جو آپ انشاء اللہ اس کتاب کی پہلی جلد میں ہی پڑھ لیں گے۔اس لئے اب مندرجہ بالا پیرا میں ارادے پر یا پیرا کے مطابق عمل نہیں کیا جائے گا۔

سات سال گزر گئے بارش کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا ہر طرف ویرانی ہی ویرانی پھیل گئی۔گھاس خشک ہوگئی، درختوں کے پتے جھڑ گئے۔اکثر چشموں اور تالابوں میں پانی کی ایک بوند بھی باقی نہ رہی۔ان حالات سے مجبور ہو کران کے سردار حاجب بن زرارہ نے اپنی قوم کو جمع کیا کہ میں کسریٰ کے پاس جاتا ہوں اور اس سے اس کے ملک میں رہائش اختیار کرنے کی اجازت طلب کرتا ہوں تاکہ اس قحط کی تباہ کاریوں سے ہم اپنے آپ کو بچا سکیں۔قوم نے اس کی اس تجویز کو پسند کیا چنانچہ وہ کسریٰ کے پاس گیا اور اپنی تکالیف بیان کرنے کے بعد اس سے اجازت طلب کی کہ جب تک بارشیں نہیں برستیں اور قحط سالی کا خاتمہ نہیں ہوتا وہ اس کی قوم کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دے۔

کسریٰ نے کہا تم اہل عرب فتنہ وفساد کے خوگر ہو، غارتگری اور قزاقی تمہارا مرغوب پیشہ ہے اگر میں تمہیں اجازت دوں تو تم اپنی ان قبیح عادات کی وجہ سے میرے ملک وقوم کے امن وسکون کو تہ وبالا کر کے رکھ دو گے۔ حاجب نے کہا میں اس کی ضمانت دیتا ہوں جب تک میری قوم تیرے ملک میں سکونت پذیر رہے گی اس قسم کی کوئی نازیبا حرکت نہیں کرے گی۔کسریٰ نے کہا اس بات کا کوئی ضامن ہے کہ تم اس وعدہ کو پورا کرو گے۔حاجب نے کہا میں بطور ضمانت اپنی کمان تمہارے پاس رہن رکھتا ہوں۔جب وہ کمان لے کر آیا تو اس کو دیکھ کر اہل دربار ہنس پڑے لیکن کسریٰ نے کہا ہمیں منظور ہے تم یہ کمان لے لو۔چنانچہ جتنا عرصہ حاجب اپنی قوم کے ساتھ وہاں رہا قوم کے ہر فرد نے اپنے سردار کے اس قول کا پاس رکھا۔

حاجب کی موت کے بعد بنی مضر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اپنی غلطیوں کی معافی مانگی۔التماس کیا کہ حضور ﷺ ہمارے لئے بارش کی دعا فرمائیں۔حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی دعا سے موسلا دھار بارشیں ہوئیں اور ان کا ویران علاقہ پھر سرسبز وشاداب ہو گیا۔مضر کا قبیلہ ایران سے واپس آ کر اپنے علاقے میں آباد ہو گیا۔اس کے بعد حاجب کا بیٹا عطارد کسریٰ کے پاس گیا تاکہ اپنی باپ کی کمان اس سے لے آئے۔کسریٰ نے اسے دیکھ کر کہا تم وہ آدمی نہیں ہو جس نے میرے پاس کمان رکھی تھی۔عطارد نے کہا بیشک لیکن جس نے کمان رکھی تھی وہ مر گیا اور میں اس کا بیٹا ہوں اور اپنے باپ کی کمان لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں چنانچہ کسریٰ نے وہ کمان اسے واپس کر دی اور اسے خلعت فاخرہ پہنائی۔

جب وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو اس نے وہ خلعت بارگاہِ رسالت مآب میں ہدیہ کے طور پر پیش کی لیکن تاجدارِ کائنات سرور دوعالم ﷺ نے اسے قبول نہ فرمایا اس نے وہ خلعت ایک یہودی کو چار ہزار درہم میں فروخت کر دی۔

یہ خلعت کا وفائے عہد کے صلہ میں ملنا قبیلہ مضر کے لئے فخر ومباہات کا باعث بن گئی چنانچہ ایک شاعر ''ابوتمام'' کہتا ہے۔

شعر کا ترجمہ: ''اگر بنو تمیم (مضر کی ایک شاخ) اپنی کمان کے باعث فخر کرے جس کی وجہ سے اس کے مناقب مستحکم ہو گئے ہیں۔''

تو حقیقتاً یہ قابل فخر و ذکر بات ہے اور ان کا یہ کہنا بجا ہے کہ:

''اے میری قوم! تم وہ بہادر ہو جن کی تلواروں نے ذی قار کی جنگ میں ان بادشاہوں کے تختوں کو اوندھا کر دیا جنہوں نے حاجب بن زرارہ کی کمان کو اپنے پاس گروی رکھا تھا۔''

ان کے ایفاء عہد کا ایک اور حیرت انگیز واقعہ سماعت فرمائیے۔

منذر بن ماء السماء جو نعمان بن منذر کا دادا تھا اور حیرہ کا بادشاہ تھا اس نے سال میں دو دن مقرر کیے ہوئے تھے۔ ایک کو یوم نعیم، یعنی خوشی اور نعمت کا دن اور دوسرے کو یوم البوئس یعنی رنج والم کا دن کہا جاتا۔ یوم نعیم کو جس پر اس کی سب سے پہلے نظر پڑتی اس کو وہ شاہی اونٹوں میں سے سو اونٹ بطور انعام بخشتا اور یوم بوئس کو جو شخص سب سے پہلے اس کے سامنے آتا اس کو وہ قتل کر دیتا۔

ایک روز نعمان اپنے شاہی گھوڑے ''یکموم'' پر سوار ہو کر شکار کے لئے گیا۔ اس نے ایک جنگلی گدھے کے پیچھے گھوڑا دوڑایا۔ وہ اس کوشش میں ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں اس کا جاننے والا کوئی نہ تھا۔ لاؤ لشکر سارا پیچھے رہ گیا۔ بادل گھر کے آ گئے بارش شروع ہوئی اس نے سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ تلاش کرنا چاہی۔ وہ ایسے مکان تک پہنچا جس میں بنی طے قبیلہ کا حنظلہ نامی ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ سکونت پذیر تھا۔ نعمان نے ان دونوں سے پوچھا کیا تمہارے پاس سر چھپانے کی کوئی جگہ ہے۔ انہوں نے کہا ہاں تشریف لائیے۔

حنظلہ کے پاس صرف ایک بکری تھی وہ اپنے نو وارد مہمان کو پہچانتا بھی نہیں تھا کہ یہ حیرہ کا فرمانروا ہے لیکن اپنی طبعی مہمان نوازی کی عادت سے مجبور ہو کر اس نے اپنی بیوی کو کہا کہ یہ کوئی معزز شخص معلوم ہوتا ہے اس کے لئے کیا کیا جائے؟ اس نے کہا میں نے تھوڑا سا آٹا بچا رکھا ہوا ہے' میں روٹی پکاتی ہوں تم اپنی بکری ذبح کرو چنانچہ اس نے پہلے بکری کا دودھ دوہا پھر اسے ذبح کر کے اس کا گوشت پکایا۔ نعمان کو پہلے دودھ پلایا' پھر کھانا کھلایا اور رات بھر اس سے باتیں کرتے رہے۔ صبح نعمان وہاں سے روانہ ہوا تو اس نے بتایا میں نعمان حیرہ کا بادشاہ ہوں کبھی میرے پاس آنا میں تمہیں اس خدمت کا صلہ دوں گا۔ حنظلہ نے کہا انشاء اللہ۔

کافی عرصہ گزر گیا یہاں تک کہ انہیں قحط سالی نے آ لیا ان کی مالی حالت بڑی خستہ ہو گئی تو اس کی بیوی نے کہا کہ حیرہ کے بادشاہ نے تمہیں آنے کو کہا تھا اب اگر تم اس کے پاس جاؤ تو وہ تمہیں انعام واکرام سے نوازے گا اور ہماری بگڑی بن جائے گی۔ حنظلہ روانہ ہوا لیکن جس روز وہ نعمان کے دربار میں پیش ہوا وہ اس کا منحوس دن یوم البوئس تھا۔ نعمان نے اس کو پہچان لیا اور اس کو بہت دکھ ہوا کہ یہ آج کیوں اس کے پاس آیا ہے۔ حنظلہ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اسے کہا میں وہ ہوں جس کے پاس تم نے رات گزاری تھی۔ نعمان نے کہا میں نے پہچان لیا لیکن کاش تم اس دن کے علاوہ کسی اور دن میرے پاس آتے اس نے کہا مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔ نعمان نے کہا

میں مجبور ہوں آج اگر میرا بیٹا قابس میرے سامنے آجاتا تو میں اس کا سر قلم کرنے سے بھی باز نہ آتا' اس لئے میں مجبور ہوں' میرے لئے تمہیں قتل کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اگر تمہاری کوئی حاجت ہے تو مانگو وہ میں تجھے دوں گا۔

اس نے کہا میرے قتل کے بعد تمہارا انعام واکرام میرے کس کام آئے گا۔ اگر میرے قتل کے بغیر تمہیں کوئی چارہ نہیں تو مجھے مہلت دو تا کہ میں ایک مرتبہ اپنے گھر والوں سے مل آؤں ان کو آخری وصیتیں کر آؤں اور ان کے لئے جو انتظام کر سکتا ہوں وہ کروں پھر میں واپس آجاؤں گا۔ نعمان نے کہا اپنا کوئی ضامن دو۔ حنظلہ نے اردگرد نظر دوڑائی اس کی نگاہ شریک بن عمر پر پڑی۔ اس نے اس سے درخواست کی کہ وہ اس کا کفیل بنے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ بنی کلب کا ایک آدمی جس کا نام قراد بن اجدع تھا وہ کھڑا ہو گیا اور نعمان کو مخاطب کرکے بولا۔

''کہ میں اس کا ذمہ دار (ضامن) ہوں''۔

پھر نعمان نے حنظلہ کو پانچ سو اونٹنیاں دیں اور ایک سال کی میعاد مقرر کی۔ جب سال گزر گیا اور اس میعاد میں ایک دن باقی رہ گیا تو نعمان نے قراد بن اجدع کو کہا کہ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ کل تمہیں قتل کر دیا جائے گا کیونکہ جس کی تم نے ضمانت دی تھی وہ لوٹ کر ابھی تک نہیں آیا۔ قراد نے کہا:

''اگر دن کا پہلا حصہ منہ موڑ چکا ہے تو کل کا دن بھی قریب ہے زیادہ دور نہیں۔''

دوسرے دن نعمان اپنے دستور کے مطابق مسلح ہو کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اس جگہ پہنچا جہاں وہ اس روز پہلے نظر آنے والے شخص کو قتل کیا کرتا تھا۔ اس نے قراد بن اجدع کو کہا کہ سامنے آؤ اور جلاد کو اس کا سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ اس کے وزیروں نے کہا اے بادشاہ! جب تک یہ پورا دن ختم نہ ہو جائے' آپ اس کو قتل نہیں کر سکتے۔ اس نے اسے شام تک کی مہلت دے دی۔

نعمان دل سے یہ چاہتا تھا کہ قراد بن اجدع قتل ہو جائے اور حنظلہ جس نے اس ویرانے میں اس کی مہمان نوازی کی تھی وہ کسی طرح بچ جائے۔ سورج ابھی ڈوبنے کے قریب ہے' قراد کے کپڑے اتار دیئے گئے ہیں اس نے صرف چادر باندھی ہوئی ہے' اسے پکڑ کر نطع (تختہ دار' پھٹے) پر کھڑا کر دیا گیا۔ جلاد تلوار بے نیام کئے ہوئے اس کے پاس کھڑا ہے اور نعمان کے اشارہ کا منتظر ہے کہ اسی اثنا میں دور سے ایک آدمی آتا ہوا نظر آیا۔ نعمان نے قراد کو قتل کرنے کا حکم دیا لیکن اسے کہا گیا کہ جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ آنے والا شخص کون ہے؟ اس وقت تک تم اسے قتل نہیں کر سکتے۔ جب وہ قریب آیا تو وہ حنظلہ تھا۔ نعمان نے جب اس کو دیکھا تو اس کو ازحد پریشانی ہوئی اس نے کہا جب تم ایک بار قتل سے بچ کر نکل گئے تھے پھر تم واپس کیوں آئے ہو۔

اس نے جواب دیا ''الوفا'' یعنی جو وعدہ میں نے کیا تھا اس کو پورا کرنا مجھ پر لازم تھا۔ تمہیں وفا کا یہ درس کس نے دیا؟ نعمان نے پوچھا اس نے کہا میرے دین نے' پوچھا تیرا دین کیا ہے؟ اس نے کہا نصرانیت۔ نعمان نے کہا اس کی تعلیمات میرے سامنے پیش کرو چنانچہ اس نے نصرانیت کی تعلیمات اس کے سامنے پیش کیں۔ نعمان

نے اس روز اس دین کو قبول کیا اور حیرہ کے تمام باشندوں نے اپنے بادشاہ کی اقتداء کرتے ہوئے نصرانیت اختیار کر لی۔ اس دن سے نعمان نے اپنے اس طریقہ کار کو ختم کر دیا۔ اس نے قراد اور حنظلہ دونوں کو معاف کر دیا اور کہا۔

''بخدا میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ تم دونوں میں سے زیادہ باوفا اور زیادہ کریم کون ہے؟'' کیا یہ شخص جو ایک مرتبہ قتل ہونے سے بچا اور پھر لوٹ کر آ گیا یا وہ شخص جس نے اس کی ضمانت دی بہر حال میں ان دونوں سے زیادہ ذلیل اور خسیس نہیں بنا چاہتا۔ اس وقت حنظلہ نے کہا:

''میں اس کے اس ظن کو جو میرے بارے میں اسے تھا غلط ثابت نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

اور یہ کہ:

''میری گمراہی نے مجھے دعوت دی کہ میں وعدہ خلافی کروں لیکن میں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے شرف و کرامت پر حرف نہیں آنے دیا۔''

اس نے مزید کہا کہ:

''میں وہ شخص ہوں، وعدہ کو پورا کرنا جس کی فطرت ہے اور میں ہر احسان کا بدلہ دینے کے لئے اپنی جان کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوں۔ (بلوغ الارب جلد 1 صفحہ 130 تا 133)

سموائل بن حبان بن عادیہ

مورخین نے اس نام کو سموؤل بھی لکھا ہے یہ نام کے تلفظ کی وجہ سے ہے نام ایک ہی ہے اس کے تلفظ یا نام کی ادائیگی کے سبب مختلف معلوم دیتا ہے اور مختلف انداز سے لکھ دیا گیا ہے۔

اپنے وعدہ کا پاس کرتے ہوئے اپنے لخت جگر کو قربان کر دینا یہ بھی اہل عرب کا ہی شیوہ تھا۔ چنانچہ ایک مشہور واقعہ جس کو اہل عرب بڑے فخر و ناز سے پیش کرتے ہیں سموؤل بن حبان کا ہے۔

امراؤ القیس جب قیصر کی ملاقات کے لئے اپنے وطن سے روانہ ہوا تو اس نے اپنی زرہیں سموؤل کے پاس بطور امانت رکھیں۔ امرؤ القیس مر گیا تو شام کے کسی بادشاہ نے سموؤل پر چڑھائی کر دی۔ سموؤل قلعہ نشین ہو گیا اور اپنے قلعہ کے دروازے مضبوطی سے بند کر دیئے۔ اتفاق سے اس کا ایک لڑکا قلعہ سے باہر رہ گیا۔ اس حملہ آور بادشاہ نے اس لڑکے کو گرفتار کر لیا اور بلند آواز سے سموؤل کو ندا دی۔ سموؤل نے قلعہ کے اوپر سے جھانکا تو اس بادشاہ نے کہا یہ دیکھو تمہارا بیٹا میرے قبضہ میں ہے اور تمہیں اس بات کا بھی علم ہے کہ امراؤ القیس میرے چچا کا بیٹا تھا۔ میرے قبیلہ کا فرد تھا اور میں اس کی میراث کا دوسروں سے زیادہ حقدار ہوں اگر تو اس کی زرہیں میرے حوالے کر دے تو اچھا ہے ورنہ میں تیرے اس بیٹے کو ذبح کر دوں گا۔

سموؤل نے اس سے مہلت طلب کی اور اپنے اہل خانہ اور خواتین کو اکٹھا کیا۔ صورتحال سے انہیں آگاہ کیا اور ان سے رائے پوچھی ان حالات میں اسے کیا کرنا چاہیے؟ سب نے یہی مشورہ دیا کہ تم زرہیں اس کے حوالے

کردو اور اپنے بیٹے کی جان بچاؤ۔ جب صبح ہوئی تو اس نے قلعہ کی فصیل سے جھانک کر کہا۔

شعر کا ترجمہ: ''اے بادشاہ! میں کسی قیمت پر وہ زرہیں (جو امراؤالقیس تمہارے چچازاد نے میرے پاس امانت رکھی تھیں) تمہیں نہیں دے سکتا اب جو تیرا جی چاہے کرلو۔''

اس نے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے بیٹے کے گلے پر چھری چلادی اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن وہ بادشاہ زرہیں حاصل کرنے میں ناکام رہا اور اسے نامراد واپس آنا پڑا۔ سموئل وہ زرہیں لے کر امراؤالقیس کے اہل خانہ کے پاس گیا اور وہ امانت اس کے ورثاء کے سپرد کردی۔ اس سے متعلق اس کے اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے:

1- ''میں نے امراؤالقیس کندی کی زرہیں اس کے وارثوں کو پہنچادیں جن حالات میں دوسری قومیں خیانت کرنے پر مجبور ہوجاتی ہیں میں ان حالات میں بھی اپنا وعدہ پورا کرتا ہوں۔''

2- ''جب تک کسی شخص کی عزت کو خست اور کمینگی کا داغ نہ لگے اس وقت تک جو لباس بھی وہ پہنے وہی اسے خوبصورت لگتا ہے۔''

3- ''میری زوجہ مجھے عار دلاتی ہے کہ ہماری تعداد بہت کم ہے میں اسے کہتا ہوں بیشک شرفاء کی تعداد قلیل ہوتی ہے۔''

4- ''جن لوگوں کی اولاد ہم جیسی ہو وہ قلیل نہیں ہوا کرتے جن کے جواں اور عمر رسیدہ لوگ بلندیوں میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہیں انہیں کون قلیل کرسکتا ہے۔''

قوت حافظہ

اہل عرب کا ذہانت کے ساتھ ساتھ حافظہ بھی غضب کا تھا، ان کے شعراء بڑے بڑے قصیدوں کو زبانی پڑھتے تھے، اسی حافظہ کی وجہ سے جب قرآن کریم نازل ہوا تو صحابہ کرام بغیر تحریر کے قرآن پاک کی بڑی بڑی سورتوں کو زبانی یاد رکھتے تھے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم پورے قرآن کے حافظ تھے۔ اہل عرب کی اس خصوصیت کا فائدہ یہ ہوا کہ احادیث اور واقعات وسیر (سیرت طیبہ اسوۂ حسنہ) کا بہت بڑا سرمایہ تحریر کے بغیر ہی محفوظ ہوگیا اور ایک دوسرے کو پوری ذمہ داری اور حفاظت کے ساتھ منتقل ہوتا رہا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس خصوصیت نے اسلام کی حفاظت اور اس کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔

فہم و فراست کی نعمت کے علاوہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اہل عرب کو بلا کی قوت حافظہ ارزانی فرمائی تھی۔ اگر چہ وہ لکھنے اور پڑھنے سے عاری تھے لیکن اپنی یادداشت کے بل بوتے پر انہوں نے اپنی جنگوں اور دیگر اہم واقعات کی تفصیلات کو محفوظ رکھا۔ وہ صرف اپنے سلسلہ نسب سے ہی پوری طرح باخبر نہ تھے بلکہ اپنے گھوڑوں کے نام اور ان کے نسب ناموں کو بھی پوری طرح جانتے تھے۔ جو گھوڑا میدان جنگ میں غیر معمولی شجاعت اور کارکردگی کا مظاہرہ

کرتا اس کے نسب سے وہ پوری طرح واقف رہتے تھے۔

ان کے تہواروں میں جو ادبی محفلیں منعقد ہوتیں جن میں دور ونزدیک سے آئے ہوئے فصحاء وبلغاء اپنے قصیدے سناتے یا اپنے خطبات سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیتے۔ سننے والے ایک بار سننے سے وہ پورا قصیدہ اور پورا خطبہ ازبر کر لیتے، پھر وہ اس سے آگے روایت کرتے رہتے۔ اگر کسی کی زبان سے فی البدیہہ کوئی جملہ نکل جاتا تو وہ ضرب المثل بن جاتا اور جزیرہ عرب کے گوشہ گوشہ میں رواج پا جاتا۔ ضرب المثل کے ساتھ وہ واقعہ بھی اذہان میں نقش ہو جاتا جس کے پس منظر میں کسی کی زبان سے یہ جملہ نکلتا۔ ہر شاعر کا ایک ''راویہ'' ہوا کرتا جس کا کام یہ تھا کہ شاعر کی زبان سے نکلنے والا ہر شعر وہ یاد کر لیتا۔ ہر راویہ کو شعر کے مختلف اقسام، رجز، قصیدے وغیرہ اس قدر یاد ہوتے کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہوتا۔

اصمعی جو متاخرین میں ادب کا امام شمار کیا جاتا ہے وہ کہتا ہے کہ بالغ ہونے سے قبل مجھے اعراب بادیہ کے بارہ ہزار ارجوزے (اشعار، واقعات، قصائد وغیرہ) یاد تھے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا کی کوئی قوم قوت حافظہ میں اہل عرب کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

فرانس کے وزیر تعلیم ''دردی صاحب'' نے اعتراف کیا کہ عرب زبان میں جو وسعت ہے اور ہر چیز کے مختلف حالات اور مختلف صفات کے اعتبار سے الگ الگ نام ہیں وہ اور زبانوں میں کہاں۔ ان کے ہاں مترادفات کی بھرمار ہے اس لئے ان کے شعر وسخن کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان کے ہاں شہد کے اسی (80) نام ہیں، سانپ کے دو سو شیر کے پانچ سو، اونٹ کے ایک ہزار، تلوار کے بھی ایک ہزار اور الام ومصائب کی تعبیر کے لئے چار ہزار الفاظ ہیں۔ وزیر موصوف لکھتے ہیں کہ ان تمام اسماء کو یاد کر لینا قوی حافظہ کے بغیر ممکن نہیں۔ اہل عرب کو قدرت نے جو ذہانت اور قوت حافظہ عطا فرمائی تھی اس کا انکار ممکن نہیں۔ ان کے مشاہیر سے حماد نامی ایک راویہ تھا اس نے خلیفہ ولید کو کہا کہ وہ یہاں کھڑے کھڑے ایک سو قصیدہ زبانی سنا سکتا ہے اور ہر قصیدہ بیس سے سو اشعار پر مشتمل ہو گا۔ (بلاغ الارب جلد 1 صفحہ 40،39)

کلام کی اس وسعت اور ایک مادہ سے مختلف صیغوں کے اشتقاق کے قواعد نے اس لغت کو مزید وسعتیں بخش دی تھیں جس کی وجہ سے اہل عرب میں مافی الضمیر کے اظہار اور بیان کی وہ قوت پیدا ہو گئی تھی جس کے باعث دنیا کی کوئی قوم ان کے ساتھ برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔

غیرت وحمیت

عرب کے بادیہ نشین دیگر صفات حمیدہ سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ غیرت کے جذبہ سے بھی سرشار تھے۔ یہ اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کے لئے خون کے دریا بہا دینا اور کشتوں کے پشتے لگا دینا اپنا اہم ترین فریضہ سمجھتے تھے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کی ناموس کی طرف بری نگاہ سے دیکھ سکے اور وہ اسے خاموشی سے

برداشت کرلیں۔ اسی جذبہ سے سرشار ہونے کے باعث وہ اپنے نسب کی حفاظت کیا کرتے تھے اور اپنے شجرہ نسب کو یاد رکھا کرتے تھے۔ اور ہر وہ شخص جس میں شرافت وفضیلت کا ادنیٰ سا بھی حصہ پایا جاتا ہو وہ لازمی طور پر غیرت مند ہوتا ہے اور وہ قوم جو شجاعت، سخاوت اور پاس عہد میں اس بلند درجہ پر فائز تھی وہ بھلا اپنی عصمت، ناموس کی حفاظت میں کیونکر سہل پسندی کا مظاہرہ کرسکتی تھی۔

ان کی بڑی بڑی جنگوں کے پس منظر میں اکثر اسی قسم کے واقعات ہوا کرتے تھے۔ کسی بڑے سے بڑے سردار نے اگر کسی شخص کی ماں کو کوئی ایسی خدمت بجالانے کا حکم دیا جو اس کے مرتبہ سے فروتر ہوتی تو وہ خاتون اس تذلیل پر آتش زیر پا ہو جاتی اور اپنے خاوند، بھائیوں، فرزندوں کو للکارتی۔ ایک عورت کی للکار پر سینکڑوں تلواریں بے نیام ہو جاتیں اور آن واحد میں خون کے دریا بہنے لگتے ان کا جذبہ غیرت بھی ان کی شجاعت اور ان کی مروت کا ایک مظہر تھا۔ وہ قوم بزدل ہو جایا کرتی ہے جس میں مروت کا جذبہ موت کی نیند سو جایا کرتا ہے۔ وہاں غیرت بھی دم توڑ دیتی ہے پھر جو چاہے ان کی عصمتوں کے ساتھ کھیلا کرے جو چاہے ان کی بچیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنائے۔

اس لئے ان کے شرفاء اور نجباء اپنے لئے اور اپنے بچوں کے لئے ایسی بیویوں کا انتخاب کیا کرتے تھے جن کا دامن عصمت فسق وفجور کے بدنما داغوں سے پاک صاف ہوتا۔ وہ ظاہری حسن وجمال پر اس امر کو ترجیح دیتے کہ وہ خاتون جس نے ان کی اولاد کی ماں بننا ہے یا ان کی ہونے والی بہو رنگ وروپ میں اگر کسی سے کم ہو تو ہو لیکن شرافت اور عفت میں اس کا معیار بہت ہی بلند ہونا چاہیے۔

اکیم بن صیفی جو عہد جاہلیت کے حکماء اور دانشوروں میں ایک ممتاز مقام پر فائز تھا جس کی دانائی اور عقلمندی سے متاثر ہو کر کسریٰ نوشیرواں نے یہ کہا تھا ''اگر اہل عرب میں اس کے علاوہ کوئی اور مرد دانا نہ بھی ہوتا تو یہ ایک بھی ان کے لئے کافی تھا۔'' اس نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

''اے میرے بیٹو! عورتوں کا ظاہری حسن وجمال تمہیں نسب کی پاکیزگی سے غافل نہ کر دے کیونکہ کمینہ صفت اور بدکردار بیویاں خاندانی شرف کو خاک میں ملا دیتی ہیں۔ (بلوغ الارب جلد 2 صفحہ 21)

ابوالاسود الدوئلی نے اپنے بیٹوں کو کہا۔

''میں نے تم پر احسان کیا جب تم چھوٹے تھے اور جب تم بڑے ہوئے اور اس سے پہلے بھی کہ تم پیدا ہوتے''۔

انہوں نے پوچھا کہ ہماری پیدائش سے پہلے آپ نے ہم پر کیا احسان کیا ہے؟ تو اس نے کہا میں نے تمہارے لیے ایسی پاک دامن مائیں چنی ہیں جن کی وجہ سے تمہیں کوئی گالی نہیں نکال سکتا۔''

شجاعت وبہادری

اہل عرب جن خوبیوں سے متصف تھے ان میں سے ایک اعلیٰ ترین خوبی ان کی شجاعت اور بہادری تھی۔ اپنی

عزت وناموس کے لئے، اپنے حقوق کے تحفظ اور ان کی بازیابی کے لئے، اپنے قبیلہ کی سطوت کا ڈنکا بجانے کے لئے وہ اپنی متاعِ زیست کو قربان کرنے کے لئے بلا تامل تیار ہو جایا کرتے تھے۔ اپنا سر کٹا دینا، اپنے جسم کے پرزے اڑا دینا، عالم شباب میں موت کا تلخ پیالہ اپنے لبوں سے لگانا ان کے لئے ادنیٰ سی بات تھی۔ وہ زندگی اور اس کے عیش وطرب کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اپنی عزت اور اپنے قبیلہ کی آبرو کو بچانے کے لئے موت سے کھیل جانا ان کے لئے قطعاً کوئی خوفناک کھیل نہ تھا اور اپنے خیال کے مطابق اپنے اعلیٰ مقاصد کے لئے اپنی جان اور خون کا نذرانہ پیش کرنا اپنا فرض اولین سمجھا کرتے تھے۔

وہ حد سے زیادہ شجاع وبہادر اور خطرات سے بے خوف تھے، اسی وجہ سے انہوں نے تمام دنیا کی قوموں اور سلطنتوں کا تن تنہا اور نہایت ناموزوں قدیم اور معمولی سامان حرب کے ساتھ مقابلہ کیا اور انہیں شکست فاش دینے میں کامیاب رہے۔ شجاعت کے ساتھ پرجوش بھی تھے اس لیے جس دعوت وتحریک کو لے کر اٹھے اسے پوری دنیا کے گوشے گوشے مین پھیلا دیا اور ان کے عزم واستقلال کے آگے نہ پہاڑ رکاوٹ بن سکے نہ سمندر ان کے بڑھتے قدم روک سکے۔

ان کی ساری زندگیاں اپنے دشمنوں سے لڑتے ہوئے گزرتی تھیں۔ وہ میدان جنگ کی موت کو بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے پر ترجیح دیا کرتے۔ بستر کی موت ان کے لئے قابل مذمت تھی۔ ایک عرب کو اس کے بھائی کے قتل ہو جانے کی اطلاع دی گئی تو اس نے بڑے سکون سے کہا:

''اگر میرا بھائی قتل ہو گیا ہے تو کیا ہوا اس سے پہلے اس کا باپ اس کا بھائی اور اس کا چچا بھی میدان جنگ میں قتل ہوئے تھے۔ بخدا ہم بستر پر نہیں مرا کرتے بلکہ نیزوں کی انیوں سے ہمارے پرزے اڑائے جاتے ہیں اور ہم تلواروں کے سائے میں موت کا پیغام قبول کرتے ہیں۔''

ایک عرب شاعر سموؤل نے کیا خوب کہا ہے۔ سموؤل (سموائل) کے چند اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے

1- ''ہمارا کوئی سردار طبعی موت نہیں مرا اور نہ ہی ہمارے کسی مقتول کا خون ضائع ہوا۔

2- ''ہماری جانیں تلوار کی تیز دھار پر بہتی ہیں اس کے علاوہ وہ اور کسی چیز پر نہیں بہتیں۔

بنی قیس کا ایک شاعر کہتا ہے:

1- ''ہم جنگ کے روز اپنی جانوں کو ارزاں کر دیتے ہیں اگر امن کے دنوں میں ان کی قیمت لگائی جاتی تو وہ قیمت بہت گراں ہوتی۔''

2- ''اگر کسی باعزت مقصد کی طرف گھڑ دوڑ ہو تو پہلا نمبر بھی ہمارا ہو گا اور دوسرا نمبر بھی ہمارا ہو گا۔''

3- ''اگر بہادر جنگ جو تلوار کی تیز دھار کے سامنے سے ہٹ جائیں تو ہم آگے بڑھ کر اس کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتے ہیں۔'' (بلوغ الارب جلد 1 صفحہ 116)

اس میدان میں جن شعراء نے اظہار خیال کیا ہے اور داد فصاحت و بلاغت دی ہے انہوں نے شجاعت وبسالت کی ایسی دلکش منظر کشی کی ہے کہ سننے والے کی رگوں میں غیرت وحمیت کا خون بجلی بن کر دوڑنے لگتا ہے۔

شعراء عرب کی رزمیہ شاعری اس بلا کی اثر انگیز ہوتی ہے کہ اگر کوئی بزدل بھی اس کا مطالعہ کرے تو وہ بھی بہادر بن جاتا ہے اور شجاعت کا مظاہرہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

الغول الطھوی کا زورِ کلام ملاحظہ ہو۔

اس کے چند اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے:

1- ''میری جان بھی اور جو مال و دولت میرے پاس ہے وہ بھی ان سواروں پر قربان ہو جائے جنہوں نے میرے گمانوں کو سچا کر دکھایا۔''

2- ''ایسے شہسوار جو موتوں سے دلبرداشتہ نہیں ہوتے جب خوفناک جنگ کی چکی چلنے لگتی ہے۔''

3- ''وہ سوار جو اچھائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے اور نہ سختی کے مقابلہ میں نرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔''

4- ''ان سے دشمنوں کے حملوں کو دور کر دیا اور انہوں نے جنون کا علاج جنون سے کیا۔''

(بلوغ الارب جلد 1 صفحہ 104 تا 114)

سخاوت وفیاضی

اہل عرب ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ فیاض اور مہمان نواز بھی تھے، ہمسایوں اور پناہ گزینوں کی امداد میں اپنی جان تک لڑا دیتے تھے۔ کھڑے کھڑے اونٹوں کو ذبح کر کے کھلا دینا، جوئے میں جیتی ہوئی رقم کو دوستوں کی دعوت میں اڑا دینا اور شراب کی محفلوں پر سینکڑوں ہزاروں لٹا دینا ان کا قومی شعار تھا۔ ان کی یہ صفت بھی اسلام کے فروغ میں بہت کام آئی اور اسلام نے ان کے اس جذبے کی اصلاح کر کے اسے خدا کی راہ میں صدقہ وخیرات میں تبدیل کر دیا اور ان کا یہ اصلاح شدہ جذبہ اسلام کے لئے بہت معاون ثابت ہوا۔

جیسا کہ گزشتہ اوراق میں بیان کیا جا چکا ہے اس کے علاوہ ان کے ہاں امانت و دیانت کی بڑی قدر تھی۔ وہ وعدے اور عہد کے بڑے پکے تھے۔ جس سے کوئی عہد کر لیتے یا معاہدہ ہو جاتا اس سے انحراف وہ اپنے لئے باعث ذلت تصور کرتے تھے اور اپنے قول کی پاسداری کی خاطر وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے بھی تیار رہتے تھے۔

یہی وہ خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے اللہ تبارک تعالیٰ نے عرب کو اس نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کے لئے منتخب کیا جو قیام قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے ہادی ورہبر بنا کر مبعوث کئے جانے والے تھے۔

(تاریخ اسلام از حسن ابراہیم جلد 1 صفحہ 66'67 - جزیرۃ العرب صفحہ 174 - ہذا الحبیب صفحہ 32 - سیرت النبی جلد 4 صفحہ 166 تا 177)

یہ تو اپنی جگہ مسلم ہے ہی کہ اہل جاہلیت میں خسیس ورذیل عادتیں اور وجدان وشعور اور عقل سلیم کے خلاف

باتیں پائی جاتی تھیں لیکن ان میں ایسے پسندیدہ اخلاق فاضلہ بھی پائے جاتے تھے جنہیں دیکھ کر انسان دنگ اور ششدر رہ جاتا ہے۔مثلاً

کرم وسخاوت

یہ اہل جاہلیت کا ایسا وصف تھا جس میں وہ ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتے تھے اور اس پر اس طرح فخر کرتے تھے کہ عرب کے آدھے اشعار اسی کی نذر ہو گئے ہیں، اس وصف کی بنیاد پر کسی نے خود اپنی تعریف کی ہے تو کسی نے کسی اور کی۔

حالت یہ تھی کہ سخت جاڑے اور بھوک کے زمانے میں کسی کے گھر کوئی مہمان آجاتا اور اس کے پاس اپنی اس ایک اونٹنی کے سوا کچھ نہ ہوتا جو اس کی اور اس کے کنبے کی زندگی کا واحد ذریعہ ہوتی، تو بھی ایسی سنگین حالت کے باوجود، اس پر سخاوت کا جوش غالب آجاتا اور وہ اٹھ کر اپنے مہمان کے لئے اپنی اونٹنی ذبح کر دیتا۔ان کے اس صفتِ کرم وسخاوت ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ بڑی بڑی دیت اور مالی ذمہ داریاں اٹھا لیتے اور اس طرح انسانوں کو بربادی اور خونریزی سے بچا کر دوسرے رئیسوں اور سرداروں کے مقابل فخر کرتے تھے۔

اسی کرم کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ شراب نوشی پر فخر کرتے تھے۔اس لیے نہیں کہ یہ بذات خود کوئی فخر کی چیز تھی بلکہ اس لئے کہ یہ کرم وسخاوت کو آسان کر دیتی تھی کیونکہ نشے کی حالت میں مال لٹانا انسانی طبیعت پر گراں نہیں گزرتا۔اس لئے یہ لوگ انگور کے درخت کو کرم اور انگور کی شراب کو بنت الکرم کہتے تھے۔جاہلی اشعار کے پلندوں، کتابوں پر نظر ڈالئے تو یہ مدح وفخر کا ایک اہم باب نظر آئے گا۔

عنترہ بن شداد عبسی اپنے معلقہ میں کہتا ہے:ترجمہ اشعار

''میں نے دوپہر کی تیزی رکنے کے بعد ایک زرد رنگ کے دھاری دار جام بلوریں سے جو بائیں جانب رکھی ہوئی تابناک اور منہ بند خم کے ساتھ تھا نشان لگی ہوئی صاف شفاف شراب پی اور جب میں پی لیتا ہوں تو اپنا مال لٹا ڈالتا ہوں لیکن میری آبرو بھرپور رہتی ہے اس پر کوئی چوٹ نہیں آتی۔اور جب میں ہوش میں آتا ہوں تب بھی سخاوت میں کوتاہی نہیں کرتا اور میرا اخلاق وکرم جیسا کچھ ہے تمہیں معلوم ہے۔''

ان کے کرم کا ہی نتیجہ تھا کہ وہ جواء کھیلتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ یہ بھی سخاوت کی ایک راہ ہے کیونکہ انہیں جو نفع حاصل ہوتا یا نفع حاصل کرنے والوں کے حصے سے جو کچھ فاضل بچ رہتا اسے مسکینوں کو دے دیتے تھے۔اسی لئے قرآن پاک نے سورۃ بقرہ آیت 219 میں شراب اور جوئے کے ان کے اس طرح کے نفع کا انکار نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا''ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔''

جزیرہ عرب کا اکثر حصہ لق ودق صحراؤں اور ریگستانوں پر مشتمل تھا۔بارش بھی بہت کم مقدار میں برستی تھی۔

معیشت کے دیگر ذرائع کا بھی فقدان تھا۔اس لئے اہل عرب کی معاشی حالت اس وقت بڑی ناگفتہ بہ تھی لیکن اس غربت وناداری کے باوجود اللہ تبارک تعالیٰ نے سخاوت وفیاضی کی جو صفت ان کو عطا فرمائی تھی اس کی تفصیلات پڑھ کر انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ان کے اشعار کا بہترین حصہ وہ ہے جن میں انہوں نے اپنی فیاضیوں کا ذکر کیا ہے۔ان کا یہ دستور تھا کہ رات کو اونچے ٹیلوں پر آگ روشن کر دیتے تا کہ اگر رات کے وقت کسی مسافر کا وہاں سے گزر ہو تو وہ اس آگ کو دیکھ کر ان صحرا نشین بدوؤں کے خیموں تک پہنچ سکے اور جب کوئی بھٹکا ہوا مسافر آدھی رات کے وقت ان کے ہاں پہنچ جاتا تو اس کی خاطر مدارت کی حد کر دیتے۔

ایک شاعر اپنے غلام کو کہتا ہے:

ترجمہ:''اے واقد!اونچے ٹیلوں پر آگ کو جلا کیونکہ رات بہت ٹھنڈی ہے اور سرد ہوائیں چل رہی ہیں۔شاید کوئی گزرنے والا تیری آگ کو دیکھ لے اگر اس آگ نے کسی مہمان کو اپنی طرف کھینچ لیا تو تو آزاد ہوگا۔''(بلوغ الارب جلد 1 صفحہ 78)

وہ صرف اونچی جگہوں پر آگ ہی نہیں جلایا کرتے تھے بلکہ اس خیال سے کہ شاید رات کا مسافر بینائی سے محروم ہو اور وہ آگ کو نہ دیکھ سکے اس لئے وہ خوشبودار بخور آگ پر چھڑک دیتے تھے جس کی خوشبو دور دور تک پھیل جایا کرتی تھی۔اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اندھا مسافر اگر آگ کو دیکھنے سے قاصر ہے تو خوشبو سونگھ کر ہی وہ ان کے پاس پہنچ جائے۔

اس کے علاوہ وہ کتے پالا کرتے تھے اپنے ریوڑوں کی حفاظت کے علاوہ ان کتوں کے پالنے کا یہ مقصد بھی تھا کہ وہ رات کے سناٹے میں بھونکیں ان کی آواز دور دور تک پہنچے گی اور رات کے صحرا نورد مسافر ان کے خیموں تک بآسانی پہنچ جائیں گے۔

ایک شاعر اپنے کتے کے بارے میں اپنے بیٹے کو وصیت کرتا ہے:

''اے بیٹے!میں تجھے اس کتے کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ تم اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا کیونکہ اس میں ایسی خوبیاں ہیں جن کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔

یہ رات کی تاریکی میں میرے مہمان کو اس وقت میرے پاس لے آتا ہے جب آگ کو جلانے'روشن کرنے والا سو جایا کرتا ہے۔''(بلوغ الارب جلد 1 صفحہ 70)

ان کی سخاوت کے چند واقعات بھی ملاحظہ فرمائیں

سالم بن قحفان کے پاس اس کی بیوی کا بھائی آیا تو اس نے اسے اپنے اونٹوں سے ایک اونٹ دیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ جاؤ رسی لے آؤ تا کہ وہ اس اونٹ کو اپنے اونٹوں کی قطاروں کے ساتھ باندھ دے۔پھر اس کو اس نے دوسرا اونٹ دیا اور اپنی بیوی سے رسی طلب کی۔پھر تیسرا دیا اس کے لئے بیوی سے رسی طلب کی یہاں تک کہ

بیوی نے کہا میرے پاس تو اب کوئی رسی نہیں ہے تو سالم نے کہا کہ "اونٹ دیتے چلے جانا میرا کام ہے اور اونٹوں کے لئے رسیاں مہیا کرنا تیرا کام ہے۔" اس کی بیوی نے اوڑھنی اتار کر اس کی طرف پھینکی اور کہا کہ اس کو پھاڑ پھاڑ کر رسیاں بناتے جاؤ۔ تو سالم نے فی البدیہہ یہ اشعار کہے۔

"تو مجھے بخشش اور عطاء میں ملامت نہ کرنا اور اونٹ کا طلب کرنے والا جب بھی کوئی آئے تو اس کے لئے رسی مہیا کرنا۔"

"کیونکہ اونٹوں کے بچے جب تک انہیں چرنے کے لئے سبز گھاس ملتا رہے میری موت پر نہیں روئیں گے۔"

"میں اونٹوں کی مانند کوئی دوسرا مال نہیں دیکھتا جس کو بچا کر اپنے پاس رکھا جائے اور جب حق ادا کرنے کا وقت آئے تو ان سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"

اس کی بیوی بھی سخاوت اور فصاحت میں اپنے خاوند سے کم نہ تھی یہ شعر سن کر اس کی شاعری کی حس بھی بیدار ہوئی اور اس نے فی البدیہہ جواباً یہ شعر کہے: ترجمہ اشعار درج ذیل ہے۔

1- "اے قحفان کے فرزند! میں اس ذات کی قسم کھاتی ہوں جس نے میدانوں اور پہاڑوں میں ہر چیز کی رزق رسانی کا ذمہ لیا ہوا ہے۔"

2- "جب تک اونٹ اپنے پاؤں پر چلتے رہیں گے میں رسیاں بٹ کر تیار کرتی رہوں گی۔"

3- "تم دیتے چلے جاؤ اور جو مانگنے کے لئے آئے اس کے سامنے بخل کا مظاہرہ نہ کرو۔"

4- "میرے پاس ان اونٹوں کے لئے رسیاں موجود پاؤ گے اور ساری علتیں دور ہو جائیں گی۔"

(بلوغ الارب 1 صفحہ 52'51)

ایک اور عجیب و غریب واقعہ سنئے:

ابو ریاش لکھتا ہے کہ عمیلہ فزاری، ابن عنقا فزاری کے پاس سے گزرا وہ اپنی بکریوں کے لئے چارا کاٹ رہا تھا۔ عمیلہ نے پوچھا اے ابن عنقاء تمہاری یہ حالت کیسے ہوئی؟ اس نے جواب دیا گردش زمانہ، بھائیوں کی عدم توجہ معذرت اور تیرے جیسے لوگوں کے بخل کے باعث میری یہ حالت ہے۔ یہ سن کر عمیلہ نے جواب دیا، بخدا کل سورج طلوع ہونے سے پہلے تم ہماری طرح ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد دونوں اپنے اپنے گھروں کی طرف چل دیئے۔ عمیلہ اس وقت نوجوان تھا ابھی اس کی مونچھیں بھیگ رہی تھیں۔ ابن عنقاء نے ساری رات بستر پر پہلو بدلتے گزار دی اور اسے ایک لمحہ کے لئے بھی نیند نہ آئی وہ ساری رات عمیلہ کی بات پر غور کرتا رہا۔

ابن عنقاء کی بیوی نے اس بے قراری کی اس سے وجہ پوچھی' اس نے سارا واقعہ اسے کہہ سنایا بیوی نے اسے کہا۔ تم دیوانے ہو گئے ہو۔ تمہاری عقل جاتی رہی ہے تم نے اس نوخیزہ نوجوان کی بات کو اپنے پلے باندھ لیا ہے۔

رات یونہی گزر گئی جب صبح ہوئی تو ابن عنقاء کی بیٹی نے اسے کہا کہ اگر تم عمیلہ کے پاس چلے جاتے تو بہتر تھا۔اس نے تمہارے ساتھ مال بانٹنے کا وعدہ جو کیا تھا۔ابن عنقاء نے کہا بیٹی وہ نوجوان اس وقت مدہوش تھا۔اسے خبر ہی نہیں کہ اس نے اپنی زبان سے کیا کہا ہے۔باپ بیٹی ابھی یہ گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک سامنے سے اونٹوں، بکریوں،گھوڑوں کا جم غفیر انہیں آتا دکھائی دیا۔جب یہ ساری چیزیں وہاں پہنچ گئیں تو عمیلہ نے بآواز بلند کہا اے ابن عنقاء ادھر آؤ یہ میرا سارا مال ہے آؤ آپس میں برابر برابر بانٹ لیں۔چنانچہ اس نے نصف اونٹ،نصف گھوڑے،نصف بکریاں،نصف غلام،لونڈیاں اپنے پاس رکھ لیں اور دوسرا نصف ابن عنقاء کے حوالے کر دیا۔یوں برابر برابر تقسیم کر کے واپس چلا گیا۔(بلوغ الارب جلد 1 صفحہ 53)

ایک اور شاعر نے اپنے ممدوح کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے

''اگر موت نے مجھے مہلت دی تو میں عمرو کا ان نعمتوں پر شکریہ ادا کروں گا جو اگرچہ جلیل القدر ہیں لیکن اس نے کبھی مجھ پر ان کا احسان نہیں جتلایا۔''

''وہ ایسا جوان ہے کہ اپنے دوست سے اپنی دولت کو چھپا کر نہیں رکھتا اور اگر اس کا پاؤں پھسل جائے تو اس پر شکوہ سنج نہیں ہوتا۔''

''اس نے میری حاجت کو وہاں سے دیکھ لیا جہاں وہ عام لوگوں کی نگاہوں سے مخفی تھی۔میری وہ حاجت اس کی آنکھوں کا تنکا بنی رہی جب تک وہ پوری نہ کر دی گئی۔''(بلوغ الارب جلد 1 صفحہ 54)

عرب میں ایسے ایسے عدیم المثال عظیم المرتبت فیاض گزرے ہیں جن کی فیاضی اور سخاوت کے باعث تاریخ ان کو ہمیشہ یاد کرنے پر مجبور ہے۔اس طویل فہرست میں سے چند مشہور سخیوں کے نام درج ہیں۔

1-حاتم طائی 2- کعب بن مامہ الایادی 3-اوس بن حارثہ الطائی 4-ہرم بن سنان
5-عبداللہ بن جدعان التیمی وغیرہم۔

مندرجہ بالا نام کرم وسخا میں ضرب الامثال کے طور پر لیے جاتے ہیں۔

حاتم طائی

سخاوت وفیاضی کے بارے میں مندرجہ بالا مثالیں ہی کافی تھیں۔درج ذیل کا ذکر کرنے کی دو وجوہ ہیں۔
پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ زیب نہیں دیتا کہ سخاوت وفیاضی کا ذکر ہو اور اس میں حاتم طائی کا نام نہ آئے اس کا ذکر خیر نہ ہو۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اسی نام کے حوالے سے اس حدیث پاک کہ''اعمال کا بدلہ نیت پر ہے'' کا تھوڑا سا برمحل خوبصورت سا بیان یا تفسیر بھی ہو جائے گی،جو قارئین کرام کو بھلائے نہ بھولے گی۔
ماویہ،حاتم طائی کی بیوی نے اس کی سخاوت کا ایک واقعہ سنایا ہے جو قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

اس نے بیان کیا۔

ایک مرتبہ شدید قحط پڑا یہاں تک کہ بھوک سے سارے جانور بھی ہلاک ہو گئے۔ایک رات ہم سخت بھوکے تھے، بچے بھی بھوک کی شدت کے باعث رو رہے تھے۔حاتم نے اپنے بیٹے عدی کو بہلانا شروع کیا اور میں نے سفانہ بیٹی کو بہلانا شروع کیا یہاں تک کہ وہ سو گئے۔پھر حاتم نے باتوں سے میری دلجوئی شروع کی تا کہ میں بھی سو جاؤں۔مجھے اس کی حالت زار پر رحم آیا میں نے یوں ظاہر کیا گویا میں سو گئی ہوں۔اس نے بار بار پوچھا تم سو گئی ہو میں نے جواب نہ دیا تا کہ اسے میرے سو جانے کا یقین ہو جائے۔حاتم بھی یہ سن کر خاموش ہو گیا۔

اس نے خیمہ کے باہر نظر دوڑائی اس نے دیکھا کوئی چیز اس کے قریب آ رہی ہے۔اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ ایک عورت تھی جو یہ کہہ رہی تھی۔اے سفانہ کے باپ! میں بھوک سے بلکتے ہوئے معصوم بچوں کے پاس سے آئی ہوں حاتم نے کہا جاؤ ان بچوں کو لے آؤ بخدا میں ان کو پیٹ بھر کر کھلاؤں گا۔میں اٹھ بیٹھی، میں نے کہا حاتم! یہ تم نے کیا کہا ہے۔ان بچوں کو کیا کھلاؤ گے تمہارے اپنے بچے تو بھوک کے مارے روتے روتے سو گئے۔

وہ خاموشی سے اٹھا اپنے گھوڑے کے پاس گیا اسے ذبح کر ڈالا پھر آگ جلائی پھر اس پر گھوڑے کے گوشت کو بھونا اور اس عورت کو کہا اپنے بچوں کو خوب کھلاؤ اور خود بھی کھاؤ اور مجھے کہا تم بھی اپنے بچوں کو جگاؤ میں نے انہیں جگایا۔اس نے کہا بخدا یہ خست اور کمینگی کی انتہا ہے کہ تم لوگ کھاؤ اور میرے قبیلہ والے بھوکے رہیں چنانچہ وہ اپنے قبیلہ کے ہر گھر میں گیا اور ان کو دعوت دی کہ جہاں آگ جل رہی ہے وہاں آئیں اور ضیافت میں شامل ہوں سب جمع ہو گئے۔سب نے پیٹ بھر کر کھایا حاتم اپنی چادر سے منہ ڈھانپ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔تمام لوگوں نے خوب سیر ہو کر کھایا لیکن حاتم نے ایک لقمہ بھی اپنے منہ میں نہ ڈالا۔(بلوغ الارب جلد 1 صفحہ 74)

قارئین کرام!

اہل عرب کی خوبیوں کا مختصراً تذکرہ کیا ہے جو عرب کے صحرانشینوں کی فطرت میں قدرت نے ودیعت فرمائی تھیں لیکن یہ خوبیاں صحیح راہنمائی سے محروم تھیں اس لئے ان سے ان اچھے مقاصد کی تکمیل نہیں ہوتی تھی اور نہ منازل رفیعہ پر انسان کی رسائی ہو سکتی تھی۔صحیح راہنمائی کے فقدان کے باعث شجاعت ظلم و جبر کی صورت اختیار کر لیتی تھی اور اس بکثرت خونریزی کا مقصد کسی فساد کا استیصال یا قوم میں کسی اصلاح کی تکمیل نہیں تھی بلکہ اس سے اپنی بہادری جتانا، دوسروں پر دھاک بٹھانا یا دبدبہ اور رعب قائم کرنا تھا۔اسی طرح ان کی جود و سخا سے قوم کے معاشی مسائل حل نہیں ہوتے تھے۔وہ سخاوت کے دریا اس لئے بہاتے تھے کہ لوگ انہیں سخی کہیں۔ساری قوم میں بھی ان کی جود و سخا کی دھوم مچی رہے اور ان کا نام ہو۔

حاتم طائی کے بیٹے عدی طائی نے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! میرا باپ بڑا سخی اور بڑا با مروت تھا کیا اس کا اجر قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی سے اس کو ملے گا؟ حضور پُرنور نبی کریم

رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے باپ نے ایک مقصد کے لئے سخاوتیں کی تھیں مقصد یہ تھا کہ دنیا میں اس کی سخاوت کا چرچا ہو، اس نے یہ مقصد دنیا میں پالیا۔ چنانچہ قیامت تک اس کا ذکر رہے گا اور سخاوت کے باعث لوگ اس کی توصیف کرتے رہیں گے۔

اسی طرح ان کی فصاحت وبلاغت جس میں دنیا کی کوئی قوم ان کی مماثلت کا دعویٰ نہیں کرسکتی اس کے پیش نظر بھی برائیوں کے خلاف جہاد کرنا نہ تھا اور نہ نیکی کی طرف لوگوں کو دعوت دینا تھا بلکہ وہ اس کمال کو بھی اپنی ذات کو بڑا بنانے کے لئے اور اپنی فصاحت وبلاغت کا سکہ جمانے کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔

عالم انسانیت کی تقدیر بدلی جاسکتی تھی لیکن وہ انہیں حقیر مقاصد کے لئے بڑی فیاضی سے لٹا رہے تھے بلکہ انہیں ضائع کررہے تھے۔

حق کے متلاشی لوگ

عہد جاہلیت میں اہل عرب نے جس قسم کے عقائد باطلہ کو اپنا رکھا تھا اس کا سرسری جائزہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے لیکن اس دور میں جبکہ ہر طرف کفر و شرک اور فسق و فجور کی کالی رات چھائی ہوئی تھی بعض ایسے نفوس قدسیہ بھی تھے جو اگرچہ تعداد میں بہت کم تھے لیکن اللہ تبارک تعالیٰ کی توحید پر ان کا یقین محکم اور اس کی صفات کمال پر ان کا ایمان پختہ تھا۔ معبودان باطل سے وہ قطعاً بیزار تھے۔ تاریک رات میں آسمان پر جس طرح ستارے چمک رہے ہوتے ہیں اسی طرح ان بھیانک اندھیروں میں ان کا وجود منبع انوار تھا۔

ان میں سے کچھ کے نامِ گرامی یہ ہیں:

1- قس بن ساعدہ الایادی
2- ورقہ بن نوفل القرشی
3- عثمان بن حویرث
4- امیہ بن صلت
5- زید بن عمرو بن نفیل
6- قیس بن نشبہ
7- اسعد ابوکرب الحمیری
8- سیف بن ذی یزن
9- خالد بن سنان بن غیث العبسی
10- عبداللہ بن جحش
11- اور بعثت کے قریبی دور کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خاص طور پر سابقون اولالون رضوان اللہ علیہم اجمعین، ان سب کا تعلق راہ حق کے متلاشیوں سے ہے، وہ اسی گروہ کی مقدس و متبرک ہستیاں تھیں۔

درج ذیل میں ان میں سے چند مقابلتاً قدیم اور معروف برگزیدہ ہستیوں کے عقائد اور اطوار کے بارے میں مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔

قس بن ساعدہ الایادی

ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے طویل عمر پائی۔ ابی حاتم السجستانی نے اپنی تصنیف کتاب المعمرین میں لکھا ہے کہ ان کی عمر 380 سال تھی۔ انہوں نے ہمارے نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا۔ حضور پُر نور ﷺ کے ارشاداتِ مبارک سنے۔ عہد جاہلیت میں یہ پہلے شخص تھے جو قیامت پر ایمان لے آئے۔

(بلوغ الارب جلد 2 صفحہ 246)

امام ذہبی، علامہ ابن حجر اور دیگر علماء نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے لیکن ابن سکن نے صراحت سے لکھا ہے کہ قس بن ساعدہ نے حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل وفات پائی۔

ابن سید الناس نے اپنی تصنیف ''السیرۃ'' میں ایک واقعہ لکھا ہے جو انہوں نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا جارود بن عبداللہ جو اپنی قوم کے سردار تھے رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے تورات میں حضور کی صفت پڑھی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے آپ کی آمد کی بشارت دی ہے فانا اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وانک محمد رسول اللّٰہ ''پس میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ تبارک تعالیٰ کے اور آپ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔'' چنانچہ جارود بھی ایمان لایا اور اس کی قوم بھی مشرف باسلام ہوئی۔ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کو اس سے انتہائی مسرت ہوئی۔

حضور ﷺ نے پوچھا اے جارود! وفد عبدالقیس میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے جو ہمیں ''قس'' کا تعارف کرائے اور اس کے حالات سے آگاہ کرے۔ جارود نے کہا یا رسول اللہ! ہم سب اس کو جانتے ہیں اور میں تو وہ شخص ہوں جو اس کے پیچھے پیچھے چلا کرتا تھا۔ وہ عرب کے ایک شریف قبیلہ کا ایک شریف فرد تھا اس کی فصاحت مسلمہ تھی۔ اس کی عمر سات سو سال تھی اور اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے سمعان کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ تبارک تعالیٰ کی عبادت کی۔ میں گویا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ اللہ تبارک تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے:

یقیناً کتاب اپنی مقررہ مدت کو پہنچے گی اور ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کی پوری جزا دی جائے گی۔''

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جارود! اب تم صبر کرو، میں اس کو فراموش نہیں کر سکتا میں نے اس کو سوق عکاظ میں خاکستری رنگ کے اونٹ پر بیٹھے دیکھا، وہ گفتگو کر رہا تھا جو شاید مجھے پوری طرح محفوظ نہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اس دن سوق عکاظ میں موجود تھا اور جو خطبہ اس روز اس نے دیا وہ مجھے پوری طرح یاد ہے۔ آپ نے وہ خطبہ بارگاہ رسالت مآب میں عرض کیا جس میں عقیدہ توحید اور روز قیامت کے بارے میں قس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ آخر میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے قس بن ساعدہ

کے چند اشعار پڑھ کر سنائے۔آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے:

1- ''گزشتہ صدیوں میں جو لوگ ہم سے پہلے چلے گئے ہیں ان کے حالات میں ہمارے لئے عبرتیں ہیں۔''
2- ''میں نے موت کے ورود کی جگہیں تو دیکھی ہیں موت سے واپسی کے راستے مجھے نظر نہیں آئے۔''
3- ''میں نے اپنی قوم کو دیکھا ہے کہ ان کے بڑے اور چھوٹے سب اس کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔''
4- ''جو گزر گئے ہیں وہ واپس نہیں لوٹتے اور جو باقی رہ گئے ہیں وہ بھی ہمیشہ یہاں نہیں رہیں گے۔''
5- ''ان حالات کو دیکھ کر میں نے یقین کر لیا کہ جدھر میری قوم چلی گئی ہے مجھے بھی ادھر ہی لامحالہ جانا ہے۔''

(بلوغ الارب جلد 2 صفحہ 244 تا 246)

زید بن عمرو بن نفیل

اس خوش نصیب گروہ میں سے جنہوں نے گمراہی کی اندھیری رات میں بھی حق کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھا زید بن عمرو بن نفیل بھی ہیں۔ یہ اپنے اہل وطن کے مشرکانہ عقائد سے بچپن سے ہی متنفر تھے یہ نہ بتوں کی پوجا کرتے اور نہ ان کے لئے جانوروں کی قربانیاں دیتے۔

علامہ الفاکہی نے اپنی سند سے عامر بن ربیعہ سے روایت کیا۔عامر کہتے ہیں میری ملاقات زید بن عمرو سے ہوئی جب وہ مکہ سے نکل کر حراء کی طرف جا رہے تھے۔انہوں نے مجھے کہا اے عامر! میں نے اپنی قوم کے باطل عقیدہ کو ترک کر دیا ہے اور ملت ابراہیم کا اتباع اختیار کر لیا ہے میں اس خدا کی عبادت کرتا ہوں جس کی حضرت اسماعیل علیہ السلام اس کعبہ کی طرف منہ کر کے عبادت کیا کرتے تھے۔میں ایک نبی کا انتظار کر رہا ہوں جو حضرت اسماعیل کی اور پھر حضرت عبدالمطلب کی پشت سے ہو گا لیکن میرا خیال ہے کہ اس نبی کا زمانہ نہ پا سکوں گا۔سنو! میں اس نبی پر ایمان لے آیا ہوں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تبارک تعالیٰ کا سچا نبی ہے۔

واقدی کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ انہوں نے عامر کو کہا کہ اگر تیری عمر دراز ہو اور تو اس نبی کا زمانہ پائے تو اس کی بارگاہ اقدس میں میرا اسلام عرض کرنا۔عامر کہتے ہیں جب میں مشرف با سلام ہوا تو میں نے اس کا سلام بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا۔حضور پُرنور ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور اس پر رحمت بھیجی۔فرمایا میں اس کو جنت میں دیکھ رہا ہوں اس حالت میں کہ وہ اپنی چادر کا پلو گھسیٹتے چلے جا رہے ہیں۔

زید بن عمرو نے حضور ﷺ کی زیارت کا شرف تو حاصل کیا لیکن حضور ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے انتقال کر گئے۔

انہوں نے ایک بار حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے نصرانیت اور یہودیت کو سونگھا ہے لیکن میں نے ان میں وہ چیز نہیں پائی جس کی مجھے طلب تھی۔میں نے یہ بات ایک راہب کو بتائی تو اس نے مجھے کہا کہ تم شاید ملت ابراہیمی کے متلاشی ہو جو آج تمہیں کہیں نہیں ملے گی۔تم اپنے شہر کو واپس چلے جاؤ۔وہاں اللہ تبارک

تعالیٰ تیری قوم میں سے ایک نبی مبعوث فرمائے گا جوملت ابراہیمی کی دعوت لے کرآئے گا اور وہ اللہ تبارک تعالیٰ کی ساری مخلوق سے اس کی جناب میں زیادہ معزز ہوگا۔ان کے چند اشعار کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جن میں ان کا عقیدہ توحید صاف جھلک رہا ہے۔

1- ''جب معاملات منقسم ہیں تو کیا میں ربّ واحد کو اپنا ربّ بناؤں یا ہزار خداؤں کو اپنا ربّ بناؤں۔''

2- ''میں نے لات،عزیٰ اور تمام بتوں کو ترک کردیا ہے ایک بہادر صبر کرنے والا اسی طرح کیا کرتا ہے۔''

3- ''لیکن میں اپنے پروردگار کی عبادت کروں گا جو رحمٰن ہے تاکہ وہ ربّ جو بہت بخشنے والا ہے میرے گناہوں کو بھی بخش دے۔''

امام ابن اسحاق نے ان کے کچھ اور اشعار بھی اپنی سیرت کی کتاب میں لکھے ہیں جو ان کے عقیدہ توحید کی روشن دلیل ہیں۔

اشعار کا ترجمہ حاضر خدمت ہے:

4- ''میں نے اپنا چہرہ اس ذات کے لئے جھکا دیا ہے جس کے لئے زمین نے اپنا چہرہ جھکایا ہوا ہے جو بوجھل پہاڑوں کو اٹھائے ہوئے ہے۔''

5- ''میں نے اپنا چہرہ اس ذات کے لئے جھکا دیا ہے جس کے سامنے بادلوں نے سر اطاعت خم کیا ہوا ہے جو میٹھے اور صاف پانی کو اٹھائے ہوئے ہیں۔''

6- ''جب ان بادلوں کو کسی شہر کی طرف جانے کا حکم الٰہی ملتا ہے تو وہ اس کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے وہاں جاتے ہیں اور اپنے پانی کے ڈول وہاں جا کر انڈیل دیتے ہیں۔''

امیہ بن ابی صلت

اس کا نام عبداللہ بن ابی ربیعہ بن عوف الثقفی تھا، بڑا قادر الکلام شاعر تھا۔حضور پُرنور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ اس کے کئی اشعار کو بہت پسند فرمایا کرتے تھے۔صحیح مسلم میں ہے کہ رشید بن سوید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اللہ تبارک تعالیٰ کی پیارے رسول ﷺ کے ساتھ اونٹنی پر سوار تھا۔حضور ﷺ نے فرمایا کیا تجھے امیہ بن ابی الصلت کا کوئی شعر یاد ہے؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! بہت،فرمایا سناؤ۔میں نے ایک شعر سنایا فرمایا:اور سناؤ،اور شعر سنایا پھر فرمایا اور سناؤ یہاں تک کہ میں نے سو اشعار پڑھ کر سنائے۔حضور ﷺ نے فرمایا:''قریب تھا کہ وہ مسلمان ہو جاتا۔'' دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا''آمن شعرہ و کفر قلبہ ''''اس کے شعر تو مومن ہیں لیکن اس کا دل کافر ہے۔''

ابن قتیبہ طبقات الشعراء میں لکھتے ہیں کہ امیہ بن ابی صلت لوگوں کو بتایا کرتا تھا کہ ایک نبی تشریف لانے والا ہے۔اس کی بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔وہ اپنے دل ہی دل میں خود یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ اسے نبوت کے

منصب پر فائز کیا جائے گا لیکن جب حضور پرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو وہ مارے حسد کے جل گیا اور حضور ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔

الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ، میں علامہ ابن حجر، ابن ہشام سے نقل کرتے ہیں کہ امیہ حضور پرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ پر ایمان لے آیا تھا۔ وہ حجاز آیا تاکہ طائف میں اس کا جو مال ہے وہ لے اور مدینہ کی طرف ہجرت کرے۔ جب وہ بدر کے میدان تک پہنچا کسی نے اس سے پوچھا اے اباعثمان! کدھر جا رہے ہو؟ اس نے کہا میرا دل چاہتا ہے میں حضور ﷺ کی غلامی اختیار کر لوں۔ اسے کہا گیا کہ جانتے ہو، اس گڑھے میں کون دفن ہیں؟ اس نے کہا نہیں تو اسے بتایا گیا اس میں شیبہ، ربیعہ جو تیرے ماموں کے لڑکے ہیں اور ان کے علاوہ کئی دوسرے قریش مدفون ہیں۔ یہ سن کر اس نے اپنی اونٹنی کی ناک کاٹ دی اپنے کپڑے پھاڑ دیئے اور ان مقتولین پر رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ مدینہ طیبہ میں حاضری کا قصد ترک کر دیا واپس طائف آ گیا اور وہیں حالت کفر میں ہلاک ہو گیا اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

سورۃ اعراف آیت 175 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد پاک یوں ہے:

”پڑھ سنایئے انہیں حال اس کا۔ جس کو دیا ہم نے علم اپنی آیتوں کا تو وہ کترا کر نکل گیا ان سے، تب پیچھے لگ گیا اس کے شیطان تو ہو گیا وہ گمراہوں میں۔“ (بلوغ الارب جلد 2 صفحہ 254)

اسعد ابو کرب الحمیری

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اسعد ابو کرب حمیری، حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ پر ایمان لایا۔ حضور پرنور ﷺ کی بعثت سے سات سو سال قبل اس نے یہ شعر کہے:

1- ”میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت احمد اللہ کے رسول ہیں وہ اللہ جو روحوں کو پیدا کرنے والا ہے۔“

2- ”اگر میری عمر ان کے زمانہ تک باقی رہی تو میں ان کا وزیر بنوں گا اور ان کے چچا کے بیٹے کی طرح معاون ہوں گا۔“

انتخاب جزیرۃ العرب کی وجوہات

انبیاء سلف (حضور ﷺ سے پہلے) کے زمانوں میں کسی خاص قوم میں برائی کا عام ہو جانا دوسرے علاقوں اور اقوام پر اثر انداز نہیں ہوتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو اس وقت ذرائع نقل وحمل نہ ہونے کے برابر تھے، دوسرے دنیا کی آبادی بہت کم تھی اور ایک دوسرے سے خاصی دور دور تھی اور ہر علاقے کے لوگوں کی ضرورتیں مخصوص اور محدود تھیں، گویا ہر علاقے کے لوگ اپنی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل تھے اور وہ ہمارے زمانے کی طرح اپنی ضرورتوں کے لئے دوسروں کے محتاج نہیں تھے۔ اس لئے پرانے زمانے میں بین الاقوامی تعلقات بالکل ناپید تھے لہٰذا اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام اور پیغمبر ورسول علیہم السلام بھی کسی خاص علاقے اور

خاص قوم میں بھیجے جاتے تھے، وہ عالمگیر اور بین الاقوامی نہیں ہوتے ہیں۔

پھر لوگوں میں بتدریج بین الاقوامی تعلقات، روابط، ضروریات کی محتاجی پیدا ہوئی جو پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی آمد تک اپنے عبوری دور سے تقریباً گزر چکی تھی اور لوگوں کے مختلف قسم کے کارواں حبش، مصر، شام حتیٰ کہ ایران، ہندوستان اور چین بھی جانے لگے اور بین الاقوامی اور بین المملکتی تعلقات کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس بناء پر اب ایک ایسے نبی کی ضرورت تھی جس کی تعلیمات مکمل و مستقل ہوں اور تمام ممالک اور سب لوگوں کے لئے یکساں ہوں خواہ وہ شہری باشندے ہوں یا دیہاتی، آزاد ہوں یا غلام، تعلیم یافتہ ہوں یا جاہل اور جس کی حکمت و فصاحت یونان کی حکمت اور عرب کی فصاحت سے بلند تر ہو اور جس کا پیش کردہ قانون دنیا کے ہر قانون سے بالاتر ہو۔

چنانچہ اللہ تبارک تعالیٰ نے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ایک مکمل دین کے ساتھ قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لئے خاتم النبیین پیغمبر بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ کی بعثت کے لئے جزیرۃ العرب کا انتخاب فرمایا۔ جزیرۃ العرب کے انتخاب کی حکمت تو اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول ﷺ ہی بہتر ہی جانتے ہیں لیکن انسانی نکتہ نگاہ سے اس انتخاب کی درج ذیل 1 تا 14 وجوہات نظر آتی ہیں۔

جزیرۃ العرب کی طبعی اور جغرافیائی اہمیت

1- جزیرہ نمائے عرب طبعی اور جغرافیائی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اندرونی طور پر یہ ہر چہار جانب سے صحرا اور ریگستان سے گھرا ہوا ہے جس کی بدولت یہ ایسا محفوظ قلعہ بن گیا ہے کہ بیرونی قوموں کے لئے اس پر قبضہ کرنا اور اپنا اثر و نفوذ پھیلانا سخت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قلب جزیرۃ العرب کے باشندے عہد قدیم سے اپنے جملہ معاملات میں مکمل طور پر آزاد و خود مختار نظر آتے ہیں حالانکہ یہ ایسی دو عظیم طاقتوں کے ہمسایہ تھے کہ اگر یہ ٹھوس قدرتی رکاوٹ نہ ہوتی تو ان کے حملے روک لینا باشندگانِ عرب کے بس کی بات نہ تھی۔

2- اپنے وقوع کے لحاظ سے جزیرہ نمائے عرب دنیا کے تمام معلوم براعظموں کے بیچوں بیچ واقع ہے اور خشکی اور سمندر دونوں راستوں سے ان کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اس کا شمال مغربی گوشہ، براعظم افریقہ میں داخلے کا دروازہ ہے۔ شمال مشرقی گوشہ یورپ کی کنجی ہے۔ مشرقی گوشہ ایران، وسط ایشیا اور مشرق بعید کے دروازے کھولتا ہے اور ہندوستان اور چین تک پہنچاتا ہے۔ اسی طرح ہر براعظم سمندر کے راستے بھی جزیرہ نمائے عرب سے جڑا ہوا ہے اور ان کے جہاز عرب بندرگاہوں پر براہ راست لنگر انداز ہوتے ہیں۔

3- اس جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے جزیرۃ العرب کے شمالی اور جنوبی گوشے مختلف قوموں کی آماجگاہ اور تجارت و ثقافت اور فنون و مذاہب کے لین دین کا مرکز رہ چکے ہیں۔

تمدن، تہذیب، مادی ترقی، ثقافت اور شائستگی کی جو قندیلیں اس وقت ٹمٹما رہی تھیں وہ ان ممالک میں ہی

تھیں جو اس جزیرۃ العرب کے قرب وجوار میں آباد تھے۔ مشرق میں ایران ہے جس کے طویل وعریض خطہ پر کئی ہزار سال تک مختلف خاندانوں کی شہنشاہیت کا پرچم لہراتا رہا تھا۔ اس سے آگے مشرق کی طرف جائیں تو ہند کا برصغیر ہمیں نظر آتا ہے جہاں حکمت وفلسفہ کی درسگاہیں لوگوں میں علم وشعور کی دولت تقسیم کر رہی تھیں پھر اگر ایران وہند کے شمال کی طرف نگاہ اٹھائیں تو ہمیں چین کا وہ عظیم ملک نظر آتا ہے جس کے رقبہ کی وسعت آبادی کی کثرت علوم وفنون اور صنعت وحرفت کی ترقی اس وقت بھی قابل صد رشک تھی۔

4- اگر ہم جزیرۂ عرب کے مغرب کی طرف دیکھیں تو ہمیں بیزنطی شہنشاہیت کے قیصر اپنی عظمت وبرتری کا نقارہ بجاتے ہوئے نظر آتے ہیں جن کی وسیع وعریض سلطنت صدیوں سے دور دراز ممالک کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھی۔ جہاں بڑے بڑے علماء وفضلاء کی درسگاہیں جو درحقیقت علم وحکمت کی یونیورسٹیاں تھیں اپنی برتری کا سکہ جمائے ہوئے تھیں۔ جزیرۂ عرب کے جنوب میں افریقہ کا براعظم تھا، اس کا بیشتر حصہ اس وقت بھی جہالت، بربریت اور وحشت کے اتھاہ اندھیروں میں غرق تھا لیکن اس براعظم کا ایک ملک جسے ''مصر'' کہتے ہیں انسانی تاریخ کے تمام محققین کے نزدیک تہذیب وتمدن کا یہ اولین مرکز تھا۔ چھٹی صدی عیسوی میں اگرچہ اس کی آزادی چھن چکی تھی اور وہ رومی سلطنت کا ایک مفتوحہ صوبہ تھا لیکن علم وفضل اور فلسفہ وحکمت میں اب بھی وہ کسی کو اپنا ہمسر نہیں سمجھتا تھا۔ اس وقت کی دنیا کے یہ چند ایسے ممالک تھے جن کو متمدن، مہذب اور علم ودانش کا گہوارہ ہونے کا غرور تھا۔

مذہبی نکتہ نگاہ سے اہمیت

5- اللہ تبارک تعالیٰ نے عرب کو کرہ ارض پر ایشیا، یورپ اور افریقہ تینوں براعظموں کے عین وسط میں جگہ دی ہے اور جزیرۃ العرب بری اور بحری دونوں راستوں سے پوری دنیا کو ملا کر ایک کر رہا ہے اس لئے جہاں کرہ ارض کے ایسے حصے میں دنیا بھر میں پائے جانے والے تمام مذاہب اور عقائد کا پہنچ جانا ممکن ہے۔

6- وہیں یہ بھی عین قرین قیاس ہے کہ وہاں پر پیدا ہونے والی تحریکوں کے اثرات سے پوری دنیا متاثر ہو، اس لئے اگر تمام عالم کی ہدایت ورہنمائی کی خاطر ایک مرکز ہدایت قائم کرنے کے لئے کسی خطہ ارض کا انتخاب کیا جائے تو ہر اعتبار سے علاقہ عرب ہی موزوں قرار پائے گا، عرب کی اس خصوصیت کے اعتبار سے لغات کی کتب میں مکہ مکرمہ کو ناف زمین کہا گیا ہے جو کہ عرب کا بھی وسط ہے۔

7- جزیرۃ العرب اختلاف عقائد اور کثرت مذاہب کی بناء پر گویا کائنات مذہبی کا عالم اصغر تھا۔ ہر مذہب ملاور ہر طرح کے اصول وعقائد یہاں موجود تھے اور ان کے پیروکار عالم بھی موجود تھے۔ یہاں بحث ومناظرہ، تمحیص وتبلیغ کے لئے ہر قسم کے مخاطب موجود تھے اور نئے مذہب اسلام کی حقانیت سے ٹکرانے کے لئے، اسے سمجھنے کے لئے، اجاگر کرنے کے لئے، پرکھنے کے لئے ہر دین ومذہب کے علماء موجود تھے۔

8- نبوت نے اب آلِ اسحاق سے آلِ اسماعیل میں آنا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بچپن سے ہی مسکن مکہ رہا تھا اور آپ کی آل بھی آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مکہ، مکہ کے قرب وجوار سے سارے جزیرۃ العرب میں پھیلی۔

9- یہاں فرعون وقت موجود تھے اور اس قوم میں اپنے آباؤ اجداد کے دین سے چمٹے رہنے کی صلاحیت بری حد تک، جہالت کی آخری حد تک موجود تھی (یعنی ان کا ایک ہی نعرہ تھا ''ہم نے جس روش پر اپنے آباؤ اجداد کو گامزن پایا ہے صرف وہی طریق درست ہے'') جس قوم نے کہ اسلام، دین اسلام کی نوزائیدہ تحریک کے عمل کو خوب ڈٹ کر ردعمل دینا تھا تا کہ اس کے ردعمل کے بدلہ میں دین اسلام کی حقانیت خوب سے خوب تر انداز میں عیاں ہو، اس کا عمل اور قوی تر اور بھی زیادہ موثر کن ہو۔

10- اہل جزیرۃ العرب بہت حد تک بنیادی طور پر مذہب پسند لوگ تھے۔ وہ مختلف مذاہب کے پیروکار تھے۔ ان میں سے کچھ آبادی دین ابراہیم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چار ہزار سال بعد بھی کسی نہ کسی شکل میں چمٹے ہوئے تھی۔ انہوں نے حج، عمرہ، زیارت کرنا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ حج کرتے تھے، قربانی دیتے تھے، عمرہ کرتے تھے اور زیارت کے لئے دور دراز سے آتے تھے گو کہ وہ اصل دین ابراہیم سے بہت انحراف کر چکے تھے۔

اہل عرب کی صفات وخوبیاں

11- اہل عرب کو حرم مکہ اور پاسبان حرم کا خوب احترام تھا اور وہ پاسداران حرم کو دین کے ٹھیکیدار مانتے تھے۔ وہ یہ مانتے اور جانتے تھے کہ پاسداران حرم کی طرف سے حج، زیارت یا عمرہ کے لئے جو بھی کہا جاتا ہے، کیا جاتا ہے وہ صحیح دین وعبادت ہے اور قابل تقلید ہے۔

12- جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے اہل عرب مجموعی طور پر قانون ومعاہدہ کا احترام کرنے والے اور اصول پسند تھے۔ انہیں ان دینی، دنیاوی قوانین، معاہدوں، اصولوں رسم ورواج کا احترام تھا جو حرم اور اہل حرم کے لئے موجود تھے۔

13- جزیرۃ العرب میں حق یا راہ حق کے متلاشی مقابلتاً زیادہ پیدا ہوئے ہیں۔ درجنوں نام تاریخ میں بمع ان کے حالات وافکار کے محفوظ ہیں اور حق کے متلاشی، خدائے واحد کے پرستار، دنیا بھر کی بھلائی چاہنے والے تو آپ ﷺ کی بعثت کے وقت بھی جزیرۃ العرب بہت تھے۔ سابقون الاولون کے بارے میں خاص طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ سب کے سب حق کے متلاشی تھے کہ جیسے ہی انہیں حق نظر آیا انہوں نے اسے فوراً قبول کر لیا۔

14- بلاشبہ ان سب سے زیادہ اہم اہل عرب کی وہ خوبیاں تھیں جن کا ذکر پہلے تفصیل سے وہ چکا ہے۔ ان کی ان

صفات وخوبیوں کو صحیح راستہ دکھا دینے سے انہیں حقیقی اور مثبت خوبیوں سے بدلا جا سکتا تھا جیسا کہ ہوا بھی۔

یہ اخلاق اگر چہ بعض اوقات شر وفساد کا سبب بن جاتے تھے اور ان کی وجہ سے المناک حادثات پیش آ جاتے تھے لیکن یہ فی نفسہٖ (اپنی ذات وصفات میں) بڑے قیمتی اخلاق تھے جو تھوڑی سی اصلاح کے بعد انسانی معاشرے کے لئے نہایت مفید بن سکتے تھے اور یہی کام اسلام نے انجام دیا۔

غالباً ان اخلاق میں بھی ایفائے عہد کے بعد عزت نفس اور پختگی عزم سب سے گراں قیمت اور نفع بخش جوہر تھا کیونکہ اس وقت قوتِ قاہرہ (زبردست قوت) اور عزمِ مصمم کے بغیر شر وفساد کا خاتمہ اور نظام عدل کا قیام ممکن نہیں۔

قارئین کرام! اہل عرب میں بہت ساری خامیوں اور خرابیوں کے باوجود ایسی خوبیاں بھی وافر موجود تھیں جن کے باعث ان کو یہ امانت عظمیٰ تفویض کی گئی اور آنے والے حالات نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ قدرت کا یہ انتخاب بالکل درست تھا۔ ان صحرا نشینوں نے اپنے فرائض منصبی کو اس عمدگی سے انجام دیا کہ سارا عالم انگشت بدنداں ہو کر رہ گیا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کو فہم وفراست، قوت حافظہ، فصاحت وبلاغت، غیرت وشجاعت، سخاوت ودریا دلی، حق گوئی، جفاکشی، فنون جنگ میں مہارت اور دیگر کمالات سے اس فیاضی سے بہرہ ور فرمایا تھا کہ ان کی ہمعصر اقوام سے کوئی قوم کسی میدان میں بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔

خاندان نبوت

نسب

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ہادی انس و جان رہبر کائنات، رسول بحر و بر، اصل الموجودات، حاصل کائنات، سرور دوعالم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا سلسلہ نسب تین حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ کی صحت پر اہل سیر اور ماہرین انساب کا اتفاق ہے۔ یہ عدنان تک منتہی ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ جس میں اہل سیر کا اختلاف ہے کسی نے توقف کیا ہے اور کوئی قائل ہے۔ یہ عدنان سے اوپر ابراہیم علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ تیسرا حصہ جس میں یقیناً کچھ غلطیاں ہیں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اوپر حضرت آدم علیہ السلام تک جاتا ہے۔ ذیل مین تینوں حصوں کی قدرے تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔

پہلا حصہ

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبد مناف (مغیرہ) بن قصی (زید) بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (ان ہی کا لقب قریش تھا اور ان ہی کی طرف قبیلہ قریش منسوب ہے) بن مالک بن نضر (قیس) ابن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 201- تلقیح الفہوم صفحہ 6'5- رحمۃ للعالمین جلد 2 صفحہ 11 تا 52'14)

دوسرا حصہ

عدنان سے اوپر یعنی عدنان بن اد بن ہمیسع' بن سلامان بن عوص بن بوز بن قموال بن ابی بن عوام بن ناشد بن حزا' بن بلداس بن یدلاف بن طابخ بن جاحم بن ناحش بن ماخی بن عیض بن عبقر بن عبید بن الدعا' بن حمدان بن سنبر' بن شیربی بن یحزن بن یلحن بن ارعون بن عیض بن دیشان بن عیصر' بن افناد بن ایہام بن مقصر بن ناحث بن زارح بن سمی بن مزی ابن عوضہ بن عرام بن قیدار بن اسماعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام۔

(رحمۃ للعالمین جلد 2 صفحہ 14 تا 17)

بعض ناموں کے متعلق ان ماخذ میں اختلاف بھی ہے اور بعض نام بعض ماخذ سے ساقط بھی۔

نسب نامہ نبوی

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث نقل کی ہے جس میں حضور پُرنور

ﷺ نے اپنے نسب مبارک کی طہارت و پاکیزگی کا ذکر یوں کیا ہے۔ارشاد فرمایا:

میں محمد ﷺ بن عبداللہ، بن ہاشم، بن عبدالمطلب، بن عبدمناف، بن قصی بن کلاب، بن مرۃ، بن کعب، بن لوی، بن غالب بن فہر، بن مالک بن نضر بن کنانہ، بن خزیمہ، بن مدرکہ، بن الیاس بن مضر، بن نزار، بن معد بن عدنان ہوں۔

اس کے بعد فرمایا جب بھی نسل انسانی کو دو طبقات میں تقسیم کیا گیا تو مجھے (یعنی میرے نور کو) ان میں سے بہتر طبقہ میں رکھا گیا۔ پس میرے نسب کو ہر جگہ ایسے والدین (کی صلبوں اور رحموں) میں سے نکالا گیا کہ میرے نسب کو دور جاہلیت کی کسی برائی نے چھوا تک نہیں۔ میرے سلسلۂ نسب میں ہمیشہ نکاح قائم رہا ہے کبھی بھی میرے تولد (یعنی نور کی منتقلی) میں غلط کاری کا دخل نہیں ہوا۔ یہ پاکیزگی وطہارت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے حقیقی والدین (حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا) تک برقرار رہی ہے حتیٰ کہ (اسی طہارت نسبی کے ساتھ) میری ولادت ہوئی پس میں اپنے ذاتی شرف اور نسبی شرف دونوں میں تم سب سے بہتر ہو۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 1 صفحہ 174)

معد بن عدنان تک نسب نامہ نبوی میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ حصہ مستند طریقے سے ثابت ہے چونکہ یہاں تک نسب اطہر کو حضور پُر نور نبی اکرم ﷺ نے خود بیان فرمایا ہے لہٰذا ہم بھی سنت نبوی کی اتباع میں نسب نامہ نبوی کے باب میں معد بن عدنان تک اسمائے گرامی کا ذکر کرتے ہیں۔

1- حضور پُر نور نبی کریم حضرت محمد ﷺ

2- عبداللہ

3- عبدالمطلب (شیبہ)

4- ہاشم (عمرو)

5- عبدمناف

6- قصی

7- کلاب

8- مرۃ

9- کعب

10- لوی

11- غالب

12- فہر

13- مالک

14- نضر

15- کنانہ

16- خزیمہ

17- مدرکہ

18- الیاس

19- مضر

20- نزار

21- معد

22- عدنان

(ابن ہشام الروض الانف الطبقات الکبریٰ جلد 1 صفحہ 56)

اس سلسلۃ الذہب (سنہری زنجیر) کی کڑیوں کے اسماء مبارکہ یوں ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ ابن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی، بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان (بلوغ الارب جلد 2 صفحہ 286 محمد از محمد رضا صفحہ 10)

اب ان سادات کرام کے احوال اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔

قارئین کرام: اب ان سادات کرام عالی مقام شخصیات کا ذکر خیر ہو رہا ہے جن کے لئے مشیت ایزدی یہ ہوئی کہ نور نبی، پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کا وہ نور پاک جو قادر مطلق اللہ تبارک تعالیٰ نے بطور نور روح آدم علیہ السلام میں روز اوّل پیدا فرماتے وقت پھونک دیا تھا اور جس نور پاک نے بشری شکل میں مادی جامہ میں خاتم النبیین ﷺ کی صورت نور مجسم جلوہ افروز ہونا تھا وہ ان مقدس شخصیات کی پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا ہوا بالآخر حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی پشت پاک سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے رحم پاک میں منتقل ہو کر اس کائنات کے مرکز تخلیق دنیا کے مرکز مکہ میں مجسم ہوا اور اس کا نام محمد ﷺ اور احمد ﷺ رکھا گیا۔

وہ نور پاک جس کے سبب یہ کائنات بنی جس کے نور پاک سے کائنات کی ہر شے نے بمطابق مشیت ایزدی اور مخلوق ذی شعور نے بمطابق مشیت ایزدی اور بقدر استطاعت اپنا اپنا حصہ پایا۔ جس نور کے سبب یہ حسن، دلکشی، استقامت پاکیزگی و خوبصورتی کائنات ہے وہ نور پاک جن پاک پشتوں سے پشت در پشت آیا ہے ان معزز

ہستیوں کے بارے میں اب آپ کو ایسے تعریفی، تعظیمی اور احترام والے الفاظ، فقرے عبارت پڑھنے کو ملیں گے جن میں آپ کو مبالغہ لگے گا مثلاً

دینِ ابراہیمی کے متوالے، شرک و بت پرستی سے بیزار

مردانہ خوبصورتی کا نمونہ، خوبصورتی کا مجسمہ

پُرنور، چمکتا چہرہ

بہت ذہین و دلکش و مدبر

خوش اخلاق، تحمل مزاج، بردبار

دینِ ابراہیم پہ قائم، شرک، فسق و فجور سے دور

حق پرست، حق کے متلاشی، منصف

شیریں بیان، فصاحت و بلاغت کا نمونہ لاجواب

دلکش، بارعب شخصیت، ملنسار طبیعت

بہترین شاعر، بہترین خطیب

نڈر جنگجو، چست، ذہین و فطین وغیرہ

ان کو آپ مبالغہ نہ سمجھیں کیونکہ یہ کائنات، یہ دنیا، ذی شعور مخلوق اور غیر ذی شعور مخلوق، یہ سب کچھ ہی ربّ کریم، خلاق العلیم و عظیم نے اپنی مرضی اور اپنی پسند سے بنائے ہیں اور بامقصد بنائے ہیں۔

سورۃ انبیاء آیت 16:

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ○

''اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عبث (بے مقصد) نہ بنائے۔''

وہ قادر مطلق ہے سب کچھ کا خالق ہے، رازق ہے، مالک ہے، حاکم ہے وہ ہر کچھ کرنے پر ہمہ وقت قادر ہے۔ کسی ایک کو وہ کیا کیا خوبیاں عطا کر دیتا ہے اور کسی دوسرے میں وہ کیا کیا کمی کر دیتا ہے۔ کسی کو مال و دولت، زر و جواہر، آل اولاد سے نواز دیتا ہے اور کسی کو ان میں کم دیتا ہے اور کسی کو بہت ہی کم دیتا ہے یا بالکل نہیں دیتا۔

یہ اس کی شان ہے، حکمت ہے اس کی حکمت کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔

البتہ ہمیں اس حکمت کو کچھ سمجھانے کے لئے خالق و مالک کائنات، اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن حکیم کی سورہ انعام کی آیت 165 میں یہ فرما دیا گیا ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ

اتٰـکُمْ

ترجمہ: ''اور تم میں ایک کو دوسرے پر درجوں میں بلندی (بڑھایا) دی کہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں عطا کی۔''

یعنی اے میرے بندو! میری عنایتیں بھی آزمائش ہیں اور محرومی بھی آزمائش ہے اور عنایت محرومی سے بہت بڑی آزمائش ہے۔ جس کسی کو جتنا زیادہ ملا ہے اس سے اسی تناسب سے پوچھ گچھ زیادہ ہوگی کہ اے بندے میری نوازشوں، عنایتوں کو تو نے میری مخلوق کی بھلائی کے لئے یا میری رضا و خوشنودی کے لئے بھی استعمال کیا یا صرف دنیا میں اپنا ہی رعب و دبدبہ و عیاشی و آرام کے لئے استعمال کیا۔

قارئین کرام! نہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کچھ بھی بے مقصد ہے اور نہ ہی اللہ تبارک تعالیٰ کی نوازشات، عنایتیں، یا محرومیاں ہی بے مقصد و بے حکمت ہیں۔

یہ سب کچھ ہی ربّ العالمین کی شان ہیں اس کی پہچان ہیں پہچان کا ذریعہ ہیں۔ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کتنی ہی چیزیں ہیں جو ہمیں بے معنی بے اہم اور معمولی لگتی ہیں مثلاً ریت، گرد و غبار، لکڑی، تنکا کیڑے مکوڑے گھاس پھونس لیکن ان میں بھی کوئی ذرہ بھی بیکار، بے مقصد نہیں ہے۔ بس یہ ہے کہ ہمیں ان کی اہمیت کا پتہ نہیں ہے اور وہ اس لئے کہ ہم نے کبھی ان کی اہمیت بارے میں سوچا ہی نہیں ہے۔ ہم اپنی ذات کے خول سے باہر ہی نہیں نکلتے۔ ہر انسان بھی اللہ تبارک کی بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ زمین و آسمان اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے سب کچھ میں اللہ کی نشانیاں ہیں یعنی کہ اللہ کی پہچان ہیں۔ انہیں دیکھ کر، سمجھ کر یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کو بنانے والی ذات پاک تو صرف اور صرف ایک ہی ہے جو خالق بھی ہے، رازق، مالک بھی اور قادر مطلق بھی اور اسی ذات پاک کو اللہ کہتے ہیں۔

سورۃ یونس آیت 6 میں ارشاد ربّ العالمین ہے:

اِنَّ فِی اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَّقُوۡنَ ۝

''بے شک رات اور دن کا بدلتے آنا اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ان میں نشانیاں ہیں ڈر والوں کے لئے۔''

یہ سب کچھ اسی لئے ہے کہ ذی شعور مخلوق انس جان اپنے ربّ کو پہچانے، اس کا حکم مانے اور صبح شام اس کی پاکی کا ذکر کرے۔ اللہ کیا بناتا ہے؟ کیوں بناتا ہے؟ وہ تو مالک ہے قادر مطلق ہے وہ کسی کے لئے جواب دہ نہیں اور ہم سب اس کے سامنے جوابدہ ہیں۔ یہ سب کچھ ہی تو اپنے ربّ کی پہچان کرانے کے لئے ہے لیکن افسوس کہ ہم صاحب عقل ہوتے ہوئے بھی اپنے ربّ کو نہیں پہچانتے اور نہ پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

آپ ﷺ نے اپنے ربّ کی پہچان سب سے افضل طریقے و معیار سے کرائی اور آپ ﷺ اپنے ربّ کی

عطا کردہ 99 صفحات کا اعلیٰ ترین مظہر بنے اور انسان کامل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کو یہ خوبیاں یہ صفات عالم نور عالم ارواح میں بھی حاصل تھیں۔ یہ اللہ تبارک تعالیٰ کی عنایت خاص بھی تھی اور آپ کی روح پاک کی کمائی بھی یا دنیا پہ آپ ﷺ کی سچے ربّ کی تلاش اور اس کی طرف کائنات کی رہنمائی کا ثمر بھی۔ جس پاک ہستی، پاک نور، نور ام النور کے صدقے اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ کائنات بنائی اس پاک ہستی کو، پاک نور کو یہ صفات یہ خوبیاں عالم ارواح، عالم نور میں بھی حاصل تھیں اور بدرجہ اتم حاصل تھیں۔

اور اسی سبب' اسی نور پاک کی برکت کے سبب' یہ نور پاک حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک جن پاک پشتوں اور پاک رحموں سے پشت در پشت گزرتا آیا ہے ان سب میں اس نور پاک کی چند خوبیوں نے تو ظہور پذیر ہونا ہی تھا۔ جو خوبیاں وصفات بھی اللہ تبارک تعالیٰ نے انہیں دینی چاہیں وہ صفات وخوبیاں نور نبی ﷺ کی برکت سے ان میں جھلکتی ہی نہیں تھیں بلکہ ان سے چھلکتی بھی تھیں۔

اسی لئے قارئین کرام ان کو آپ مبالغہ نہ سمجھیں بلکہ ان سب مقدس ہستیوں کا صدق دل سے احترام کریں اور ان کے بارے میں جن جن خوبیوں صلاحیتوں کا ذکر کیا ہے اسے سچ مانیں اور جانیں اور اس کی پرچار کریں یعنی کہ اپنی تحریر وغیرہ میں ان کا خوب ذکر کریں۔ لیجئے بائیسویں پشت مبارک یعنی کہ سیدنا عدنان سے ان کا ذکر مبارک شروع ہو گیا ہے۔

22- سیدنا عدنان

آپ کے والد کا نام ''اُود'' یا ''اُد'' ہے آپ کے دو اور بھائی تھے جو باپ کی طرف سے سگے تھے ان کا نام نسط اور دوسرے کا عمرو تھا۔ آپ کے حالات کا تفصیلاً علم نہیں ہو سکا البتہ علامہ ابن جریر طبری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل عرب کے مسلمہ سردار تھے کیونکہ جب 587 قبل مسیح میں بخت نصر (شداد بن عاد) نے اپنے لشکر جرار کے ساتھ اہل عرب پر دھاوا بولا تو عربی لشکر کے قائد عدنان تھے۔

''علامہ طبری لکھتے ہیں:

ذات عرق کے مقام پر عدنان اور بخت نصر کا مقابلہ ہوا۔ بخت نصر نے عدنان کو شکست دی اور وہ عربی علاقہ میں پیش قدمی کرتا ہوا ''حضور'' کے مقام پر پہنچا۔ عدنان بھی وہاں پہنچ گئے اور عرب کے اکناف واطراف سے جنگ جو، بہادر عدنان کے جھنڈے کے نیچے مجتمع ہو گئے۔ آپ نے ''حضور'' کے اردگرد خندق کھودی اور فریقین میں جنگ شروع ہوئی لیکن عدنان نے اپنے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ اگر بخت نصر ان کے قابو میں آئے تو اسے قتل نہ کریں اس طرح بخت نصر نے بھی اپنی افواج کو حکم دیا کہ وہ عدنان کو قتل کرنے سے باز رہیں۔''

(تاریخ طبری جلد 1 صفحہ 292)

علامہ ابن خلدون نے اس واقعہ کو ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔ آپ ان کی تحقیق کو بھی پیش نظر رکھیں۔

''حضرت شعیب علیہ السلام بنی اسرائیل کے مشہور و معروف انبیاء میں سے ہوئے ہیں جن کا تذکرہ کئی بار قرآن کریم میں بھی آیا ہے آپ کو فصیح و بلیغ اور موثر اندازِ تبلیغ کے باعث خطیب الانبیاء کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے۔آپ کے علاقے کے مرکزی شہر کا نام حضور یا حضوراء تھا علامہ یاقوت حموی نے اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے:

یعنی حضور یا حضوراء یمن کے مشہور شہر زبید کی نواحی بستی کا نام ہے۔(معجم البلدان جلد 2 صفحہ 272)

المنجد میں ہے کہ''کوہ سراۃ کے طویل پہاڑی سلسلہ کے ایک پہاڑ کے نام ''حضور'' ہے جو بلاد عرب کے جنوب میں واقع ہے اسی مقام پر حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار ہے۔''(المنجد جلد 2 صفحہ 162)

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ جب حضور کے باشندوں نے اپنے نبی شعیب کو شہید کر دیا تو اللہ تبارک تعالیٰ نے ارمیاء اور ابرخیاء علیہما السلام جو بنی اسرائیل کے نبی تھے انہیں وحی فرمائی کہ وہ بخت نصر (شداد بن عاد) کو حکم دیں کہ وہ عرب پر چڑھائی کرے اور انہیں اس ظلم اور بغاوت کی سزا دے۔ نیز اس کو یقین دلائیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی نصرت اس کے شامل حال ہوگی اور وہ اس مہم میں کامیاب ہوگا۔اسے یہ حکم بھی دیں کہ وہ عرب کے سردار عدنان کے بیٹے معد کو (جس کی عمر اس وقت بارہ سال ہے) اپنے ہمراہ لے آئے اور اس کی حفاظت اور تربیت کا پورا پورا اہتمام کرے کیونکہ قدرت ان کی پشت سے ایک عظیم الشان نبی کو پیدا کرنا چاہتی ہے۔

جب بخت نصر نے ملک عرب پر یلغار کی تو عرب کے سارے جنگجو عدنان کی قیادت میں متحد و متفق ہو کر ان کے پرچم کے نیچے جمع ہو گئے اور ذات العرق کے مقام پر میدان کارزار گرم ہوا۔جس میں اہل عرب کو شکست ہوئی اور بخت نصر بے حساب مال غنیمت اور بے شمار جنگی قیدی مرد و زن لے کر لوٹا۔اس نے ان جنگی قیدیوں کو ابناء کے شہر میں آباد کیا۔ابناء ایک قدیم شہر کا نام ہے جو عراق میں دریائے فرات کے کنارے آباد تھا جس کو حضرت خالد نے 634 میں فتح کیا۔

فرمانِ الٰہی کے مطابق یہ دونوں پیغمبر عدنان کے بارہ سالہ فرزند معد کو اپنے ہمراہ لے آئے اور حران میں اپنے پاس ٹھہرایا۔اس عرصہ میں آپ کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ فرمائی اور اپنی آسمانی کتاب کی تعلیم دی۔

کچھ عرصہ بعد عدنان نے انتقال فرمایا۔ان کی وفات کے بعد عرب برباد اور ویران ہو گیا۔ جب بخت نصر وفات پا گیا تو معد انبیاء بنی اسرائیل کی معیت میں مکہ مکرمہ واپس آئے سب نے مل کر فریضہ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کی۔اس کے بعد معد نے اپنے خاندان کے افراد کو جو یمن اور دیگر ملکوں میں منتشر ہو گئے تھے ان کو واپس بلا کر مکہ مکرمہ میں آباد کیا۔(تاریخ ابن خلدون جلد 2 خلاصہ صفحہ 618)

''عدنان پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیت اللہ شریف کو غلاف پہنایا اور یہ بھی مذکور ہے کہ آپ کا نام عدنان اس لیے مشہور ہوا کہ یہ عدن سے مشتق ہے جس کا معنی قائم اور باقی رہنا ہے کیونکہ شیاطین جن

وانس کے شر سے ان کو محفوظ رکھنے کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کی حفاظت کے لئے فرشتے مقرر کر دیئے تھے اس لئے یہ عدنان کے نام سے موسوم ہوئے۔''

(السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان صفحہ 26)

عدنان نہایت وجیہہ، خوش خلق، بہادر اور سخی تھے۔ مجبوروں کی خبر گیری، مظلوموں کی امداد، بے کسوں کی دست گیری اور غم نصیبوں کی غم گساری ان کا شعار تھا۔ سخاوت کے دریا بہا دیتے تھے اسی لئے کسی شاعر نے ان کی شان میں کہا ہے۔

شعر کا ترجمہ:

''اور عدنان کی یہ شان اور خصوصیت آخر تک قائم رہی کہ جب اس کے فضائل و کمالات کا شمار کیا جاتا تو وہ یکتا ثابت ہوتا تھا۔''

مشہور شہر ''عدن'' کا نام ان ہی کے نام پر اصلاً عدنان رکھا گیا تھا جو زمانہ گزرنے کے بعد ''عدنان'' سے ''عدن'' بن گیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 197)

ان کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام معد اور دوسرے کا نام عک یا مک تھا۔ بعض نے دو اور بیٹوں کا ذکر بھی کیا ہے جن کا نام حارث اور مذہب تھا لیکن جس نیک بخت کو حضور نبی آخر الزمان ﷺ کے نسب مبارک میں سے ہونے کا شرف حاصل ہوا وہ معد تھے۔ معد کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے قریب تر ہے۔

(الروض الانف جلد 1 صفحہ 9)

21- سیدنا معد بن عدنان

یہ عدنان کے صاحبزادے تھے ان کے دوسرے بھائی عک یہاں سے تُرک وطن کر کے یمن چلے گئے۔ معد کی عمر ابھی بارہ سال تھی کہ بخت نصر (شداد بن عاد) نے قبائل عرب پر یلغار کر دی۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے دو نبیوں ارمیاء اور بلخیا (ابرخیاء) کو بذریعہ وحی مطلع کیا کہ میں نے اہل عرب پر بخت نصر کو مسلط کر دیا ہے تا کہ وہ ان انبیاء کے قتل کا ان سے انتقام لے جنہیں اہل عرب نے قتل کر دیا ہے اور تم عدنان کے بیٹے معد کو وہاں سے نکال لاؤ۔

تاریخ طبری میں ہے:

''تم معد بن عدنان کو یہاں سے نکال لے جاؤ کیونکہ ان کی نسل سے ''محمد'' ﷺ پیدا ہونے والے ہیں جن کو میں آخری زمانہ میں مبعوث کروں گا اور ان کی ذات سے سلسلہ نبوت ختم کر دوں گا اور ان کی برکت سے جو لوگ پستی میں گر پڑے ہیں ان کو بلندی تک پہنچاؤں گا۔'' (تاریخ طبری جلد 1 صفحہ 292)

چنانچہ وہ معد کو بحفاظت نکال لائے۔ بخت نصر نے ان کو قتل کرنا چاہا تو ان انبیاء نے اسے منع کیا اور اسے بتایا

کہ ان کی نسل سے ایک جلیل القدر نبی پیدا ہونے والا ہے۔ بخت نصر کے مرنے کے بعد دونوں نبی انہیں لے کر مکہ آئے اس طرح ایک بار اجڑ جانے کے بعد مکہ پھر آباد ہوا۔

علامہ احمد بن زینی وحلان لکھتے ہیں:

''اللہ تبارک تعالیٰ نے جب بخت نصر (شداد بن عاد) کو عرب پر مسلط کر دیا تو اللہ تبارک تعالیٰ نے ارمیاء علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ یہاں سے معد بن عدنان کو براق پر سوار کر کے نکال لے جائیں تا کہ انہیں کوئی اذیت نہ پہنچے۔ نیز اللہ تبارک تعالیٰ نے ارمیاء علیہ السلام کو بتایا کہ میں ان کی پشت سے ایک نبی کو پیدا کرنے والا ہوں۔ اس کے ذریعہ میں سلسلہ رسالت کو ختم کر دوں گا۔ پس حضرت ارمیاء علیہ السلام نے حکم الٰہی کی تعمیل کی اور معد کو اپنے ہمراہ شام لے گئے چنانچہ معد نے وہاں بنی اسرائیل کے درمیان پرورش پائی اور بخت نصر کی موت کے بعد جب فتنہ فرو ہو گیا تو پھر آپ واپس مکہ آ گئے۔ (السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی وحلان جلد 1 صفحہ 20)

علامہ ابن خلدون کی عبارت سے بھی یہی مفہوم نکلتا ہے، آپ لکھتے ہیں:

''اللہ تبارک تعالیٰ نے ارمیاء کی طرف وحی کی کہ وہ بخت نصر کو حکم دے کہ وہ اہل عرب سے انتقام لے اور ارمیاء کو حکم دیا کہ وہ معد کو اپنے ساتھ براق پر سوار کر کے لے جائے تا کہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے کیونکہ میں اس کی پشت سے ایک نبی کو نکالنے والا ہوں جو سب رسولوں کا آخری ہوگا۔''

(تاریخ ابن خلدون جلد 2 صفحہ 620)

اس واقعہ کے بعد علامہ ماوردی تحریر فرماتے ہیں:

''پہلا شخص جس نے بنی اسماعیل کے شرف ومجد کی بنیاد رکھی اور اس کا قلعہ تعمیر کیا وہ عدنان کے فرزند معد تھے۔ آپ نے تہامہ پر قبضہ کر لیا آپ کے ہر حکم کی تعلیم کی جاتی تھی عرب کا مشہور شاعر مہلہل انہیں کے بارے میں لکھتا ہے۔

''ہمارا علاقہ تہامہ کل اس وجہ سے غنی اور خوشحال ہو گیا کہ وہاں معد کی اولاد سکونت پذیر تھی۔''

(اعلام النبوۃ از ماوردی صفحہ 167)

20- سیدنا نزار بن معد

نسب نبوی کی خیر وبرکت سے بہرہ ور خاص اشخاص کی طرح نزار بھی نادر خصائص کے مالک تھے۔ ابو الفراج اصفہانی کہتے ہیں انہیں یہ لقب ہی اس لئے دیا گیا تھا کہ وہ یگانہ روزگار تھے۔

(فتح الباری جلد 7 صفحہ 164 باب مبعث النبی)

''آپ اپنے زمانہ میں تمام لوگوں سے حسین وجمیل تھے اور عقل وفہم میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔

(السیرۃ النبویہ زینی وحلان جلد 1 صفحہ 20)

ان کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے امام محمد بن یوسف الصالحی امام سہیلی کے حوالے سے رقمطراز ہیں۔

''جب ان کی ولادت ہوئی اور ان کے والد معد نے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان وہ نور نبوت چمکتا دیکھا جو پشت در پشت منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا تو ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ آپ نے کثیر تعداد میں اونٹ ذبح کئے پرتکلف دعوت طعام کا اہتمام کیا جس پر بڑا روپیہ خرچ ہوا۔ اس کے باوجود کہا کہ اس بیٹے کی صورت میں جو انعام اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھ پر کیا ہے اس کے مقابلہ میں جو کچھ میں نے خرچ کیا ہے کچھ بھی نہیں۔ اسی سے اس مولود مسعود کا نام نزار مشہور ہو گیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد جلد 1 صفحہ 345)

علامہ ماوردی ''اعلام النبوۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ فرزند بڑا بلند اقبال تھا جس شاہی دربار میں تشریف لے جاتے بادشاہ خود ان کا احترام کرتے اور بڑی محبت سے پیش آتے۔ (اعلام النبوۃ صفحہ 167)

جناب نزار نور کا تراشہ اور حسن و جمال کا پیکر تھے۔ اکہرے بدن کے ساتھ تیکھے نقوش نے ان کے قامت زیبا میں بے پناہ دلکشی پیدا کر دی تھی، لطافت و نزاہت کے اس مجسمے کو جو دیکھتا وہ بس دیکھتا ہی رہ جاتا۔

خاص بات یہ کہ بچہ کی مبارک پیشانی میں نور محمدی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر تھا۔ باپ کو جب اس نور تابان کا پتہ چلا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی ہزار جاں سے اپنے بیٹے پر فریفتہ ہو گیا۔ اسی خوشی میں ایک بہت بڑی دعوت کی جس میں انواع و اقسام کے کھانے پکوائے لیکن عقیدت و محبت اور نور کی قدر شناسی کا یہ عالم تھا کہ اتنا زبردست اہتمام کرنے کے باوجود ذہن پر یہ احساس غالب رہا کہ یہ سب کچھ اس نور کی عظمت و رفعت کے پیش نظر بالکل معمولی ہے۔ اس نور کے حصول پر خوشی منانے کا حق اور تقاضا تو یہ ہے کہ آسمان کے برابر دستر خوان بچھایا جائے اور دنیا بھر کی نعمتیں اس پر سجائی جائیں اور کل زمانہ مہمان ہو۔

مندرجہ بالا کو اب الروض الانف اور زرقانی کے مطابق پڑھیے۔

معد بن عدنان کے گھر جب بچہ پیدا ہوا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور نبوت درخشاں دیکھا جو پشتوں میں حضرت محمد ﷺ نور مجسم کا نور مبارک منتقل ہوتا رہا تو وہ بے حد خوش ہوا، قربانی کی، کھانا پکایا اور کہا اس بچہ کے حقوق و مرتبہ کے مقابلے میں تو یہ بہت حقیر و قلیل ہے۔ (الروض الانف جلد 1 صفحہ 8)

کہتے ہیں ان کو نزار کہنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کیونکہ نزار کا معنی قلیل بھی ہے باپ نے اس ساری شان و شوکت اور تزک و احتشام کو ان کی شان کے مقابلے میں قلیل تصور کیا تھا اور کہا تھا یہ سب کچھ ''نزار'' ہے۔ اسی سے ان کا نام نزار پڑ گیا۔

کہا جاتا ہے مدینہ طیبہ کے نزدیک ایک موضع کا نام ذات الجیش ہے نزار کی قبر وہیں ہے۔

(زرقانی جلد 1 صفحہ 79)

19- سیدنا مضر بن نزار

آپ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے۔

''یعنی یہ اپنے حسن و جمال کی وجہ سے دلوں کو اپنا شیدائی بنا لیتے تھی جو شخص بھی ان کو دیکھتا تھا ان پر فریفتہ ہو جایا کرتا تھا کیونکہ ان کے چہرے پر بھی نور مصطفوی کے جلوے ضوفشاں ہوا کرتے تھے۔''

(السیر النبویہ از احمد بن زینی دحلانی صفحہ 20)

دوسرے مورخین نے بھی ان کے حسن و جمال کی تعریف کی ہے۔

ان کے حکیمانہ اقوال میں سے یہ اقوال بہت معروف ہیں۔

بہترین بھلائی وہ ہے جو فوری کی جائے۔

اپنے نفسوں کو مشکل باتوں کا خوگر بناؤ اور ہوا و ہوس سے ان کا رخ پھیرے رکھو۔

صلاح اور فساد میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کسی شیر دار جانور کو دوبارہ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو جمال صورت کے ساتھ لحن داؤدی سے بھی نوازا تھا۔ حدی کا آغاز آپ نے ہی کیا تھا۔ کہتے ہیں ایک روز وہ اونٹ سے گر پڑے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی درد سے بے تاب ہو کر کہتے ''وایدیاہ وایدیاہ'' اے میرے ہاتھ! اے میرے ہاتھ! ان کے لحن کی کشش سے جو اونٹ دور چراگاہوں میں چر رہے تھے وہ بھی ان کے پاس جمع ہو گئے۔ جب آپ صحت مند ہو گئے تو حدی خوانی کا آغاز کیا۔

(السیر النبویہ الا بن کثیر جلد 1 صفحہ 83)

حسن کسی بھی چیز میں ہو وہ اظہار و نمائش کی راہیں خود تلاش کر لیتا ہے جو ہر کبھی چھپے نہیں رہتے اور مشک کی مہک پھیل کر ہی رہتی ہے۔

مضر، حسن و جمال کی دولت کی فراوانی کے ساتھ خوش آواز بھی تھے۔ بولتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے جل ترنگ بج رہے ہوں یا جھرنے مترنم لے میں گنگنا رہے ہوں اس ذاتی خوبی نے تخلیق کی راہ از خود نکال لی چنانچہ ان کی طبع موزوں نے ''حدی'' ایجاد کی۔ اونٹوں کو چلانے کے لئے جو گیت گائے جاتے ہیں انہیں حدی کہتے ہیں۔ عرب میں پہلے حدی خوانی کا رواج نہیں تھا مگر جب مضر نے اس کی بنیاد رکھی اور اہل عرب اور صحرائی ساربانوں نے اس کے مثبت فوائد و اثرات مشاہدہ کئے تو وہ دنگ رہ گئے۔ حدی کی لے پر وجد و طرب کے عالم میں اونٹوں نے ذوق وشوق کے ساتھ سفر کرنا شروع کر دیا اور ان کی کارکردگی میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔

مضر پہلے شخص ہیں جنہوں نے عربوں کے لئے حدی خوانی کو رواج دیا۔ (الروض الانف جلد 1 صفحہ 8)

مضر حسین صورت اور موزوں طبع و سیرت ہی کے مالک نہیں تھے بلکہ حکیم و دانا بھی تھے۔ ان کی فکر و دانش نے پورے عرب کو اپنا گردیدہ بنا لیا تھا جب گفتگو کے لئے لب کھولتے تو حکمت و بصیرت کے موتی بکھیرتے چلے جاتے۔

ان کے بہت سے حکیمانہ اقوال تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

جو بدی کا بیج بوتا ہے وہ ندامت کی کھیتی کاٹتا ہے۔

سب سے بہتر نیکی وہ ہے جو جلد کی جائے۔

18- سیدنا الیاس بن مضر

یہ قبائل عرب کے سربراہ اور سردار تھے اہل عرب انہیں سید العشیر ہ کے لقب سے ملقب کیا کرتے تھے۔ جملہ فیصلہ طلب اموران کی خدمت میں پیش کیے جاتے۔ سب سے پہلے قربانی کا جانور لے کر بیت اللہ شریف جانے والے یہی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

''الیاس کو برا بھلامت کہو وہ مومن تھے اہل عرب میں ان کی مثال ایسی تھی جیسے لقمان حکیم اپنی قوم میں۔''

(السیرۃ النبویہ از زینی دحلان جلد 1 صفحہ 20'19)

آپ کے حکیمانہ کلام سے ایک نمونہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

''جو خیر کو بوتا ہے وہ خوشی کی فصل کاٹتا ہے۔''

''جو برائی کو بوتا ہے وہ ندامت کی فصل کاٹتا ہے۔''

''ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ اپنے باپ کے وصی اور جانشین تھے اور بڑے خوبصورت تھے۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد از امام محمد بن یوسف جلد 1 صفحہ 341)

مشہور ماہر انساب ابن الزبیر سے منقول ہے کہ جب الیاس جوان ہوئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں ان پر انہیں سمجھایا اور تنبیہ اور تلقین کی کہ اپنے جلیل القدر باپ کی سنن اور اطوار کی پابندی کریں۔ آپ کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور آپ کی قوم نے ازسرنو راہ راست کو اختیار کرلیا جوان کے سلف صالح نے اپنے لئے پسند کیا تھا۔ قبیلہ کے سارے مردوزن آپ کی دل سے تعظیم کرتے اور آپ کو عزت واجلال کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد امام محمد بن یوسف جلد 1 صفحہ 341)

نسب نبوت کے فردِ خاص ہونے کے ناطے حضرت معد بن عدنان کی طرح حضرت الیاس کو بھی یہ خصوصیت حاصل تھی کہ وہ نور محمدی کی جلوہ آرائی کو باقاعدہ محسوس کرتے تھے اور لطف اندوز ہوتے تھے۔ لطف خاص نے ان کو ایک عظیم شرف بخشا ہوا تھا وہ شرف عظیم کیا تھا۔

''حج کے موقع پر جو تلبیہ پڑھا جاتا ہے سیدنا الیاس اپنی پشت سے اس کی آواز سنا کرتے تھے کہ نور محمدی وہ تلبیہ پڑھ رہا ہے۔'' (الروض الانف جلد 1 صفحہ 8)

ایک اور روایت ہے سیدنا الیاس وقتاً فوقتاً نور محمدی ﷺ کے تلبیہ کی شیریں آواز اپنی پشت سے سنا کرتے تھے۔ (زرقانی علی المواہب صفحہ 179)

اس اعزاز سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ الیاس پروقار شخصیت کے مالک، قبائلی سردار، پنچایت کے سربراہ اور معاشرے کے سربرآوردہ رکن بھی تھے۔ ان کے مشورے قول فیصل ہوتے تھے کہ جو کہہ دیتے قوم کے لئے قانون ہوتا۔ لوگوں کی نظروں میں وہ ایک ایسے مدبر حکمران، دانا وفہیم انسان اور دور اندیش قائد تھے جو صدیوں بعد پیدا

ہوتے ہیں۔اس لئے لوگ انہیں اپنے معاشرے میں وہ حیثیت دیتے تھے جو حکیم و باتدبیر اور تجربہ کار ہونے کے حوالے سے اپنے دور میں حکیم لقمان کو حاصل تھی۔

اور اہل عرب ان کی ایسی تعظیم کرتے تھے جیسے حضرت لقمان اور ان جیسے حکماء کی کی جاتی ہے۔

(زرقانی صفحہ 79)

17-سیدنا مدرکہ بن الیاس

علامہ طبری لکھتے ہیں ان کا اصلی نام عمرو تھا۔ان کی والدہ خندف کے لقب سے مشہور تھیں ان کا نام لیلی بنت حلوان تھا۔یہ یمن کے ایک قبیلہ کی ایک خاتون تھی اور اپنے اوصاف وشمائل کی وجہ سے بڑی قدرو احترام سے دیکھی جاتی تھیں یہاں تک کہ ان کی اولاد کو باپ کے بجائے ان کی (ماں) کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ایک روز عمرو اور عامر (آپ کا بھائی) جنگل میں اونٹ چرارہے تھے کہ انہیں شکار مل گیا وہ اسے پکانے میں مصروف ہو گئے۔اچانک ایک خرگوش چھلانگیں لگاتا ہوا وہاں سے گزرا۔اونٹ اس سے بدک گئے اور اونٹ بھاگ کھڑے ہوئے۔اس پر عمرو نے عامر سے پوچھا۔تم اونٹوں کو واپس لانے کے لئے جاؤ گے یا شکار کو پکاؤ گے اور میں اونٹوں کے پیچھے جاؤں؟ عامر نے کھانا پکانے (شکار پکانے) کی حامی بھرلی۔اب عمرو اپنے اونٹوں کے پیچھے دوڑے اور انہیں جا پکڑا اور ہانک کر واپس لائے شام کو دونوں واپس آئے اور باپ کو واقعہ سنایا۔انہوں نے عمرو کو کہا (تم ہو) انت ''مدرکہ'' (پکڑنے والے) اور عامر کو کہا (اور تم ہو) ''طابخہ'' (پکانے والے) اور پھر دونوں انہیں ناموں سے مشہور ہو گئے۔(تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 189)

16-سیدنا خزیمہ بن مدرکہ

ان کے بارے میں اتنا ہی معلوم ہوسکا ہے کہ ان کی والدہ کا نام سلمی بنت اسلم تھا۔ان کے سگے بھائی کا نام ہذیل تھا۔ماں کی طرف سے بھی ان کا ایک بھائی تھا،جس کا نام تغلب بن حلوان تھا۔

(تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 188)

امام محمد بن یوسف الصالحی ان کے بارے میں لکھتے ہیں ان کے چار بیٹے تھے جن کی والدہ کا نام برۃ بنت مر بن اُد بن طابخہ تھا۔پھر کہتے ہیں:

''یعنی لوگوں پر ان کے انعامات واحسانات کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ان کے فضائل ومکارم کے بارے میں کسی نے خوب کہا ہے۔فضائل ومکارم جتنے تھے وہ تو سب کے سب تیزی سے خزیمہ کی ذات میں جمع ہو گئے ہیں اور ان میں سے کوئی باقی نہیں رہ گیا۔'' (تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 188)

ابن حبیب سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ خزیمہ کی وفات ملت ابراہیمی پر ہوئی۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 1 صفحہ 338)

15- سیدنا کنانہ بن خزیمہ

کنانہ سیدنا الیاس کے پڑپوتے تھے۔

کنانہ اس تھیلے کو کہتے ہیں جس میں تیر جمع کر کے رکھے جاتے ہیں اور پھر بوقت ضرورت استعمال کیے جاتے ہیں۔انہیں یہ نام اس لئے دیا گیا تھا کہ وہ اپنی قوم کے پشت پناہ اور سہارا تھے، پوری قوم ان کے تدبر وشعور اور فہم وفراست پر بھروسہ کرتی اور ان کے زیر سایہ زندگی گزارنے میں عافیت،سکون اور امن وچین محسوس کرتی تھی۔ یہ وہ تاریخی شخصیت ہیں جنہیں اولاد اسماعیل اور قریش میں سنگھم کی حیثیت حاصل ہے ان کی اولاد کو بنو کنانہ کہا جاتا ہے لیکن آگے ان کے بیٹے نضر کی اولاد کو ''قریش'' کہتے ہیں۔گویا ان کی ذات پر آ کر اولاد اسماعیل دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور قدرت کی نظر میں بنو کنانہ کا منتخب حصہ قریش بن جاتا ہے۔

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بے شک اللہ تبارک تعالیٰ نے اولاد اسماعیل سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو منتخب فرمالیا۔

(صحیح مسلم جلد2 صفحہ 245)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد عرب کے اطراف واکناف میں پھیلی ہوئی تھی جن کے قبائل مختلف مقامات پر آباد تھے۔ایک دفعہ اشعث بن قیس کندی یمن سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

آقا ہم سمجھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں۔(فتح الباری جلد6 صفحہ 529 البدایہ والہدایہ جلد2 صفحہ 200)

گویا اولاد کنانہ کو ممتاز اور منفرد قرار دیا گیا ہے۔اس طرح یہ بتانا مقصود تھا کہ کنانہ پر آکر انتخاب قدرت نے آگے پھر ہمارے نسب میں امتیاز پیدا فرما دیا ہے۔

امام محمد بن یوسف تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز کنانہ حطیم میں سو رہے تھے کہ انہوں نے خواب دیکھا انہیں کہا گیا کہ ان چار چیزوں میں سے ایک چن لو۔گھوڑے،اونٹ،تعمیرات یا دائمی عزت۔

آپ نے عرض کی ''اے میرے رب،مجھے یہ ساری نعمتیں عطا فرما۔''

اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کی دعا کے طفیل قریش کو یہ ساری نعمتیں بہتات سے عطا فرما دیں۔

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد1 صفحہ 338)

14- سیدنا نضر بن کنانہ

ان کا نام قیس تھا اور اپنے چہرے کی دمک اور حسن وجمال کی وجہ سے یہ نضر کے لقب سے مشہور ہوئے۔ان کی والدہ کا نام برہ بنت مر، بن اد بن طابخہ تھا۔

ان کی والدہ کے بارے میں ایک غلط بات مشہور ہوگئی ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔کہتے ہیں کہ ان کی والدہ

برہ بنت مر پہلے نضر کے دادا خزیمہ کی منکوحہ تھیں۔خزیمہ کے وفات کے بعدان کے والد کنانہ نے عرب کے رواج کے مطابق ان سے بیاہ کرلیا۔اس کے نتیجہ میں نضر کی ولادت ہوئی۔بیٹے کا باپ کی بیوہ کے ساتھ نکاح کرنا اگرچہ وہ اس کی سگی ماں نہ ہو مکروہ اور قبیح فعل ہے۔اس لئے وہ لوگ جن کے دلوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ بغض کی بیماری ہے وہ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی نسب پاک پر طعنہ زنی کرنے کے لئے اس واقعہ کو بہت اچھالتے ہیں لیکن اللہ تبارک تعالیٰ رحمت فرمائے علماء محققین پر جنہوں نے اپنے نشترِ تحقیق سے اس جھوٹ کا پردہ چاک کیا اور حقیقت کا رخ زیبا سب کے سامنے آشکارا کردیا۔

ہم قارئین کی خدمت میں ابوعثمان الجاحظ کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں حقیقت حال واضح ہو جائے گی۔ جاحظ ایک آزاد منش محقق تھے اپنی تحقیق سے جس بات کی حقانیت ان پر واضح ہو جاتی اس کے اظہار میں وہ بڑے بے باک تھے اور کسی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔وہ لکھتے ہیں کہ:

''کنانہ کے والد خزیمہ کا جب انتقال ہوا تو زمانہ جاہلیت کے رواج کے مطابق انہوں نے اپنے باپ کی بیوہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا لیکن وہ جلد ہی فوت ہو گئیں۔ان کے شکم سے نہ کوئی بیٹا پیدا ہوا نہ کوئی بیٹی پیدا ہوئی اس کے بعد کنانہ نے اپنی پہلی بیوی کے بھائی کی بیٹی کے ساتھ نکاح کیا جس کا نام برہ بنت مر بن اد بن طابخہ ہے۔ان کے شکم سے کنانہ کے فرزند نضر پیدا ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے یہ سنا کہ کنانہ نے اپنے باپ کی بیوہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ کنانہ نے اپنے باپ کی بیوہ کو زوجیت میں لے لیا اور اس کے شکم سے نضر پیدا ہوا اور اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ دونوں بیویوں کے نام بھی ایک تھے اور ان کا باہمی رشتہ بھی بہت نزدیک کا تھا۔لیکن ہم اللہ تبارک تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہم اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کی نسب پاک پر ناپسندیدہ اور مبغوض نکاح کا داغ لگائیں حالانکہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ابتداء سے آخر تک اسلامی نکاح کے مطابق ایک پشت سے دوسری پشت میں منتقل ہوتا رہا۔''

(السیرۃ النبوۃ از زینی دحلان جلد 1 صفحہ 21)

سب تعریفیں اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنے حبیب کی ذات کو اور آپ کے سارے آباؤ اجداد کو ہر قسم کے عیبوں سے پاک صاف رکھا۔

13-سیدنا مالک بن نضر

ان کی والدہ کا نام عاتکہ ہے بعض نے عکرشہ کو ان کی والدہ بتایا ہے جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ کوئی دوسری خاتون ہے حالانکہ ایسا نہیں عاتکہ نام تھا اور عکرشہ ان کا لقب تھا اور یہی مالک کی والدہ تھیں۔

مورخین نے لکھا ہے کہ نضر بن کنانہ کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے اور اس کی متعدد وجوہ تسمیہ بیان کی گئی ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ ایک روز نضر بن کنانہ اپنی قوم کی مجلس میں آئے ان کے پرجلال چہرہ اور ان کی وجاہت و تمکنت کو

دیکھ کراہل مجلس ایک دوسرے کو کہنے لگے "نضر کی طرف دیکھو یوں معلوم ہوتا ہے گویا بڑا طاقتور سانڈ ہے۔"

دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ قریش ایک بحری جانور کا نام ہے جو تمام چھوٹے چھوٹے سمندری جانوروں کو ہڑپ کر جاتا ہے کیونکہ بنونضر قوت وہیبت کی وجہ سے سب پر چھا جاتے تھے اس لئے قریش کے لقب سے ملقب ہوئے۔

تیسری وجہ یہ بتائی گئی ہے اور یہی صحیح کے قریب تر ہے کہ نضر لوگوں کی ضروریات کے بارے میں ان سے دریافت کیا کرتے اور ان کو پورا بھی کیا کرتے۔ اس لئے ان کو قریش کہا گیا جو قرش سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی تفتیش کرنا ہے۔ اپنے نامدار والد کی طرح نضر کی اولاد بھی موسم حج میں حجاج کے پاس جاتی۔ یہ لوگ ان کی خیریت دریافت کرتے۔ انہیں اگر کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو انہیں مہیا کرتے اس لئے انہیں اس لقب سے نوازا گیا تقریش بمعنی تفتیش کے ہیں۔

بعض کی رائے یہ ہے کہ نضر کا نام قریش تھا اس لئے ان کی اولاد قریش کہلائی۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں بیشک نضر اور اس کی اولاد میں غریب پروری اور مسافر نوازی کی صفات تھیں' بایں ہمہ انہیں بنونضر ہی کہا جاتا تھا۔ یہ قبیلہ قریش کے لقب سے اس وقت معروف ہوا جب قصی نے اطراف عرب میں سے اپنے قبیلہ کے بکھرے ہوئے افراد اور خاندانوں کو مکہ میں اکٹھا کیا' اس وقت لوگوں نے کہا تقرش بنو نضر ای تجمعو کہ "نضر کی اولاد مجتمع ہوگئی ہے۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے فرزند حضرت ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

"کہ جب قصی، حرم میں اترا اور زمام اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پسندیدہ کام کئے اس وقت اس کو قرش کہا گیا اور قصی پہلے شخص ہیں جن کو قرشی کے نام سے منسوب کیا گیا۔" (تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 187)

ابن ہشام لکھتے ہیں:

"قریش کا لفظ تقرش سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے تجارت کرنا کاروبار کرنا کیونکہ اس خاندان کا کسب معاش کا ذریعہ تجارت و کاروبار تھا' ان کے قافلے دور دراز ملکوں تک تجارتی سامان لے کر جاتے تھے اور ضرورت کا سامان لے کر واپس مکہ مکرمہ آتے تھے اس لئے یہ قریش کے لقب سے معروف ومشہور ہوئے۔"

(الروض الانف جلد 1 صفحہ 116)

12- سیدنا فہر بن مالک

فہر نسبی حوالے سے کنانہ کے پڑپوتے تھے۔ خاندانی روایات کے پیکر اور قبائلی فضائل کے مظہر اتم تھے۔ قوت وطاقت وراثت میں ملی تھی اور شجاعت وبہادری جسم وجاں میں سرایت کیے ہوئے تھے۔ بڑے سے بڑا دشمن بھی زور بازو کی تاب نہیں لا سکتا تھا اور میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا تھا۔

یمن کا حکمران حسان ایک جاہ طلب توسیع پسند اور شان و شوکت کا دلدادہ متکبر شخص تھا۔ وہ دنیا بھر کے انسانوں کو اپنا مطیع اور غلام دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے مزاج میں اتنی رعونت اور طبیعت میں اس قدر خشونت تھی کہ اہل کاروں کو نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کرتا تھا۔ دماغ میں فطور آیا اور ذہن میں یہ سکیم آئی کہ یمن میں ایک مرکزِ ملت قائم کرنا چاہیے جہاں دنیا بھر کے لوگ حاضر ہوں اور اسے سلام کریں اور اپنا مقتدا و خدا مانیں۔

اس کی نظر خانہ کعبہ پر مرکوز ہوگئی وہ سوچنے لگا کہ لوگوں کو اس گھر کے ساتھ والہانہ عقیدت ہے اگر اس کے اینٹ پتھر اکھاڑ کر یمن میں لائے جائیں اور پھر انہیں چن کر از سرِ نو ایک گھر بنا دیا جائے تو وہ عوام کا مرجع اور مرکزِ عقیدت بن سکتا ہے اور یوں لوگ مکہ جانے کی بجائے ادھر آ جایا کریں گے۔

یہ سوچ کر اس نے مکہ پر چڑھائی کا فیصلہ کر لیا۔ فوج لی اور کعبہ کو ڈھانے کے لئے روانہ ہو گیا۔ فہر بن مالک کو اس کے مذموم اور خطرناک عزائم کا علم ہوا تو مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔ قرب و جوار میں آباد تمام قبائل کو اکٹھا کیا اور میدان میں آ گئے۔ زبردست جنگ ہوئی جس میں فہر نے جوش و جذبہ اور قوتِ بازو کے خوب جوہر دکھائے اور بڑی ہوشمندی اور شعور و تدبر کا مظاہرہ کیا۔ جنگی حکمتِ عملی سے کام لے کر دشمن کو شکست فاش دی۔ حسان کو گرفتار کر لیا، وہ تین سال تک جنگی قیدی رہا پھر فدیہ دے کر آزادی حاصل کی مگر یمن پہنچنے سے پہلے ہی مر گیا۔

(تاریخ کامل لابن اثیر)

اس کامیابی نے فہر کی نیک نامی اور اچھی شہرت میں بے حد اضافہ کیا اور تمام عرب نے اس کی سیادت پر اجماع کر لیا۔ اس طرح وہ بلا شرکتِ غیرے سب کا حکمران بن گیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اسی اجماع نے اس کو قریش بنا دیا تھا اور سب سے پہلے اسی کو یہ لقب دیا گیا۔

لیکن محققین کے نزدیک زیادہ ثقہ اور مستند بات یہ ہے کہ لقب قریش فہر کے دادا نضر کو دیا گیا تھا۔ بعض روایات بھی اسی دعویٰ کی تائید کرتی ہیں۔

ہشام بن کلبی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔

اہل مکہ گمان کرتے تھے کہ وہ قریشی ہیں نضر کی اولاد اس میں شامل نہیں وہ لوگ سفر کر کے حضور ﷺ کی بارگاہ میں آئے اور پوچھا حضور ﷺ کون لوگ قریشی ہیں؟ فرمایا نضر بن کنانہ کی اولاد۔ (فتح الباری جلد 6 صفحہ 534)

فتح الباری میں دوسری جگہ ہے۔

قریش کا نسب نامہ نضر بن کنانہ تک پہنچتا ہے۔ (فتح الباری جلد 6 صفحہ 534)

لقب قریش کی وجہ تسمیہ کے باب میں بہت سے اقوال ہیں لیکن جو قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے وہ بہت ہی معنی خیز ہے۔

بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

لفظ قریش قرش کی تصغیر ہے یہ ایک دریائی مخلوق ہے جو جدھر سے گزرتی ہے ہر چھوٹی بڑی چیز کا صفایا کر دیتی ہے۔ (فتح الباری جلد 6 صفحہ 534)

یہ وہیل مچھلی کی تعریف ہے سمندر میں تمام جانور جس سے خوف کھاتے ہیں جب یہ حرکت میں آتی ہے تو سمندر میں ہلچل مچ جاتی ہے اور جانور دہشت زدہ ہو کر پناہ گاہیں ڈھونڈنے لگتے ہیں یہ سب پر غالب آتی ہے لیکن اس کے ڈیل ڈول کی وجہ سے کوئی اس پر غالب نہیں آ سکتا۔ قریش کو بھی یہ لقب اسی لئے دیا گیا کہ وہ سب پر چھا جاتے ہیں اور کوئی ان کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ قریش کو اس لئے قریش کہا جاتا تھا کہ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر لوگوں کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ (فتح الباری جلد 6 صفحہ 534)

ایک دفعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو وہاں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے۔ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا:

قریش بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ آپ ان میں سب سے بڑے عالم ہیں اگر یہ بات ہے تو مجھے بتائیے قریش کو قریش کیوں کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفصیل بیان کر کے بتایا کہ قریش وہیل مچھلی کو کہتے ہیں۔

عمرو بن العاس رضی اللہ عنہ بولے:

مزہ تو تب ہے کہ آپ اپنے بیان کردہ معنی کی تائید میں کوئی عربی شعر بھی پیش کریں جس میں قریش کا معنی وہیل مچھلی کیا گیا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تائید میں فوراً شمرخ بن عمرو حمیری کے یہ اشعار پڑھ دیئے۔

اشعار کا ترجمہ: یعنی کہ "قریش ایک مچھلی ہے جو سمندر میں رہتی ہے اور چھوٹی موٹی ہر چیز کو کھا جاتی ہے اور کسی پر والے کا رگ وریشہ تک نہیں چھوڑتی۔ قریش کو بھی اسی لئے یہ لقب دیا گیا ہے۔"

11- سیدنا غالب بن فہر

ان کی کنیت ابوتیم تھی ان کے دو بیٹے تھے ایک کا نام لوی اور دوسرے کا تیم۔ بنو تیم کے قبیلہ کے جد اعلیٰ یہی تیم ہیں جو غالب کے لڑکے تھے۔

10- سیدنا لوی بن غالب

ان کی والدہ کا نام عاتکہ بن نضر بن کنانہ تھا۔ قریش میں عاتکہ نام کی خواتین جن کا ذکر حضور پُرنور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف میں آتا ہے ان میں سے یہ پہلی عاتکہ ہیں۔ لوی کے دو سگے بھائی تھے ایک کا نام تیم تھا۔ جن کی ٹھوڑی میں نقص کی وجہ سے تیم الادرم کہا جاتا تھا دوسرے بھائی کا نام قیس تھا ان کی کوئی اولاد باقی نہیں۔ ان کے

خاندان کے آخری فرد نے خالد بن عبداللہ القسری کے زمانہ میں وفات پائی ان کے گھرانے کا کوئی فرد زندہ نہ تھا جو ان کی میراث کا مستحق قرار پاتا۔ (تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 186)

"لوی کو اللہ تبارک تعالیٰ نے علم اور حکمت کی صفات سے نوازا تھا۔ بچپن میں ہی ایسے جملے آپ کی زبان سے نکلتے تھے جو ضرب المثل بن جایا کرتے تھے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 1 صفحہ 330)

9- سیدنا کعب بن لوی

حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے اجداد کرام میں سے کعب کی شخصیت بڑی ممتاز تھی۔ وہ ہر جمعہ کو اپنے قبیلہ قریش کو جمع کرتے اور انہیں خطاب فرماتے۔ ان کے خطبات ان کے ایمان صادق کی عکاسی بلکہ تصدیق کرتے ہیں۔ وہ انہیں اللہ تبارک تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیتے۔ عرفانِ الٰہی کی اہمیت کا انہیں احساس دلاتے، انہیں تلقین کرتے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق، گردش لیل ونہار اور دیگر مظاہر قدرت میں غور وفکر کریں۔ عقل وفہم کی جو بیش بہا نعمت انہیں بخشی گئی ہے اس کو بے کار نہ رہنے دیں بلکہ اس سے کام لیں۔ گزشتہ قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کریں۔ صلہ رحمی، وعدہ کی پابندی اور افشاء سلام (نیک کلمات) کو اپنا شعار بنائیں۔ فقراء ومساکین کو صدقہ دیا کریں۔ وہ انہیں موت اور اس کی ہولناکیوں کی یاد دلاتے۔ روز محشر کے حالات سے انہیں آگاہ کرتے۔

انہیں حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت کی بشارت دیتے اور یہ بتاتے کہ حضور (ﷺ) ان کی اولاد سے ہوں گے۔ اپنی قوم کو تاکید فرماتے کہ اگر انہیں حضور (ﷺ) کا عہد نصیب ہو تو فوراً ایمان لے آئیں اور ایسے شعر پڑھتے جن سے اس محبت ووارفتگی کی خوشبو آتی جو حضور (ﷺ) سے ان کے دل میں موجزن رہتی تھی اور اس شوق کا اظہار ہوتا کہ کاش انہیں حضور (ﷺ) کی زیارت نصیب ہو اور وہ حضور (ﷺ) کی دعوت کو عام کرنے کے لئے اپنی ساری قوتیں وقف کر دیں۔

امام محمد بن یوسف الصالحی نے سبل الہدیٰ والرشاد میں اس خطبہ کا متن نقل کیا ہے جو اپنی تاریخی اور دینی حیثیت سے اس لائق ہے کہ قارئین کی خدمت میں وہ خطبہ بعینہٖ پیش کیا جائے۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حضرت کعب کا خطبہ ان الفاظ سے مروی ہے:

سنو اور یاد رکھو۔

سمجھو اور سیکھو۔

رات کی تاریکی چھا جاتی ہے اور دن کی روشنی پھیل جاتی ہے۔

زمین پنگھوڑا ہے اور آسمان پختہ عمارت ہے۔

پہاڑ میخیں ہیں اور ستارے نشانات۔

یہ ساری چیزیں بے مقصد پیدا نہیں کی گئیں۔
کہ تم ان تکوینی آیات سے منہ پھیر لو۔
بعد میں آنے والوں کا حال بھی وہی ہو گا جو پہلوں کا ہوا۔
مرد بھی عورت کی طرح ہے۔
انسان جوڑا جوڑا اور تنہا فنا کی طرف بڑھ رہا ہے۔
پس صلہ رحمی کرو۔
اور اپنے وعدوں کو ایفا کرو۔
اپنے سسرال کی حفاظت کرو۔
اور اپنے مالوں میں اضافہ کرتے رہو۔ (خیرات کرنے کے لئے)
کیونکہ ان اموال پر ہی تمہاری مروت واحسان کا دارومدار ہے۔
کیا کسی ہلاک ہونے والے کو تم نے دیکھا ہے کہ وہ لوٹ آیا ہو۔
یا کسی مردہ کو دیکھا ہے کہ وہ قبر سے اٹھ کھڑا ہو۔
اور آخرت تمہارے سامنے ہے۔
اپنے حرم کو آراستہ کرو اور اس کی تعظیم بجالاؤ۔
اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔
اس سے ایک بہت شاندار اور اہم خبر آئے گی۔
اور اسی سے ایک نبی کریم ظاہر ہوں گے۔
یہی خوشخبری موسیٰ اور عیسیٰ نے اپنی امتوں کو دی۔
پھر آپ یہ کہتے:
ہر روز دن میں اور رات میں واقعات رونما ہوتے ہیں۔
ہم پر ان کی رات اور ان کا دن یکساں ہیں۔
اور اچانک نبی کریم جن کا اسم گرامی محمد (ﷺ) ہے تشریف لائیں گے۔
اور ہمیں ایسی خبروں سے آگاہ کریں گے جن کا خبر دینے والا سچا ہو گا۔
بخدا کاش اس وقت میرے کان اور آنکھیں میرے پاؤں اور ہاتھ صحیح ہوں۔
تو میں اس دعوت کو پھیلانے کے لئے سر بلند کر کے کھڑا ہوتا جیسے اونٹ کھڑا ہوتا ہے اور اس طرح فخر و ناز سے چلتا ہے جس طرح نر سانڈ چلا کرتا ہے۔

پھر ایک یہ شعر کہتے جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اے کاش میں اس وقت موجود ہوتا جب کہ قبیلہ (اپنے ہی خاندان والے قریش) حق کو نامراد کرنے کے لئے مصروف عمل ہوگا۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 1 صفحہ 330'329)

البدایہ النہایہ جلد 2 صفحہ 244 پر حضرت کعب کا ذکر خیر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

حضرت لوی کے بیٹے حضرت کعب تھے جب ان کا زمانہ آیا تو قدرت نے انہیں نور محمدی کا امین بنایا اس مقدس امانت کے سبب ان کے شب و روز مروجہ ماحول اور جاہلانہ رسوم ورواج سے بالکل مختلف ہو گئے اور وہ اپنی ہی دنیا میں مگن رہنے لگے جیسے کسی غیر مرئی سرمدی نشے سے سرشار ہوں اور دنیا کی کسی چیز کی پرواہ نہ ہو۔

جمعۃ المبارک کا دن اس ملت میں شروع ہی سے مقدس اور بابرکت گردانا جاتا تھا لیکن اسے جمعہ کی بجائے ''یوم العروبہ'' کہتے تھے۔ اس دن جناب کعب لوگوں کو ایک جگہ جمع کرتے اور انہیں ایمان افروز نصیحتیں فرماتے اور دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچتے۔ یہاں کی فانی لذات، دلکش خواہشات، بے کار انسانی تگ و دو، غفلت، سستی اور کبھی ختم نہ ہونے والی حرص و ہوس کا ذکر کرتے اور ان کے خوفناک انجام سے ڈراتے، تذکیر و نصیحت کے اس حسین معمول میں فرق نہ آنے دیتے جس کی بنیاد انہوں نے خود ڈالی تھی۔

ایک روز انہوں نے بڑا ہی انقلابی اور نشاط انگیز خطاب فرمایا جس سے سامعین کی روحیں جھوم اٹھیں اور سب وجد و طرب کے عالم میں خلاؤں میں گھورنے اور مسرت و انبساط کے عالم میں مستقبل کی روشنی دیکھنے لگے۔ انہیں آنے والے خوش نصیب انسانوں کی خوش نصیبی پر رشک آنے لگا، جب وہ اس بابرکت روشنی اور آسمانی ہدایت سے فیض یاب ہوں گے اور حسن و نور کے اس پیکر کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے جو شاہکار قدرت ہے اور جس کی مثل اس نے کوئی پیدا ہی نہیں کیا۔ جو عاشق دیکھے گا اسی کے نور میں کھو جائے گا اور کہے گا ایسا محبوب تو آج تک دیکھا ہی نہیں۔

کعب گویا ہوئے ''خدا کی قسم اگر میں اس وقت طاقتور ہوتا اور میرے ہاتھ پاؤں سلامت اور دیکھنے سننے کی قوتیں بحال ہوتیں تو میں اونٹ کی طرح سینہ سپر ہو جاتا اور بچھڑے کی طرح تیز دوڑ کر ان میں شامل ہو جاتا۔'' (البدایہ جلد 2 صفحہ 244)

''انہوں نے مزید فرمایا (اے کاش میں ان کی دعوت الی الحق کے وقت زندہ اور حاضر ہوتا جبکہ ان کا اپنا خاندان بھی حق و صداقت کا ساتھ چھوڑ دے گا۔''

اس نوعیت کا یہ پہلا خطبہ نہیں تھا ایسے حقیقت افروز اور دلکشا خطبات وہ اکثر ارشاد فرماتے رہتے تھے اور حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی آمد کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کرتے رہتے تھے۔

قریش جمعہ کے دن اکٹھے ہو جاتے تھے چنانچہ کعب انہیں خطبہ دیتے اور حضور ﷺ کی آمد و بعثت کا ذکر کیا کرتے تھے اور بتاتے تھے کہ وہ ان کی اولاد میں سے ہیں اور حکم دیا کرتے تھے کہ اگر ان کا زمانہ پالیں تو فوراً ان پر ایمان لے آئیں اور ان کی اتباع کریں۔ (زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 75- محمد از محمد رضا صفحہ 115)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے پاس ان معلومات کا ذریعہ کیا تھا وہ کس اساس پر ایسی خبریں دیتے اور مستقبل کی باتیں بتایا کرتے تھے۔

اس کا جواب زرقانی میں ہے۔

اس علم کی بنیاد وہ وصیت تھی جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہی سے سینہ بسینہ منتقل ہوتی چلی آ رہی تھی کہ جس ہستی میں یہ نور محمدی درخشاں ہو گا وہ اسے پاکیزہ پیکروں ہی کے سپرد کرے گا اور وہ نور خاتم الانبیاء والا ہو گا۔ (زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 75)

یہ پانچ سو ساٹھ سال پہلے کی باتیں ہیں حضرت کعب بن لوی کی موت کے 560 سال بعد حضور ﷺ کی بعثت ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 244)

حضرت کعب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آٹھویں دادا ہیں یہاں پہنچ کر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نسب حضور ﷺ کے نسب مبارک کے ساتھ مل جاتا ہے۔ (محمد رسول اللہ ﷺ 15 از محمد رضا)

اسی کو اب الکامل لابن اثیر کے مطابق پڑھیے:

کعب کی موت اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے درمیان پانچ سو ساٹھ (560) سال کا عرصہ ہے۔

ان کے یہ ارشادات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ دین ابراہیم پر کاربند تھے۔

ابن اثیر لکھتے ہیں۔

''کعب کی اہل عرب کے نزدیک بڑی قدرومنزلت تھی۔ اہل عرب نے اپنی تاریخ کا آغاز ان کے یوم وفات سے کیا۔ عام فیل تک یہی سن تاریخ استعمال کرتے رہے۔ عام الفیل کے بعد اس واقعہ سے اہل عرب نے تاریخ کا کام لینا شروع کیا۔ وہ حج کے ایام میں لوگوں کو خطبہ دیا کرتے تھے اور آپ کا خطبہ مشہور ہے اس خطبہ میں سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت کے بارے میں بھی لوگوں کو آگاہ کیا کرتے تھے۔'' (الکامل لابن اثیر جلد 2 صفحہ 25)

ان پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب حضور ﷺ کے ساتھ مل جاتا ہے۔

8- سیدنا مرہ بن کعب

ان کی کنیت ابو یقظہ تھی۔ یہ حضور ﷺ کے نسب میں چھٹے دادا ہیں۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر کے بھی چھٹے دادا ہیں۔ حضرت صدیق کا سلسلہ نسب یہاں آ کر حضور ﷺ کے ساتھ مل جاتا ہے۔

(محمد ﷺ از محمد رضا صفحہ 11)

مرہ، کعب کے بیٹے تھے انہیں یہ نام دشمن پر ہیبت و دہشت طاری کرنے کے لئے دیا گیا تھا۔ مرہ تلخ اور انتہائی کڑوی چیز کو کہتے ہیں۔ یہ سفاک دشمنوں کے حق میں واقعی کڑوے اور بہت تلخ تھے۔ مزاج میں تلخی اور سختی کے باعث دشمن ان سے خم کھاتے اور سامنے آتے ہوئے گھبراتے تھے۔

حضرت مرہ حضور نبی اکرم ﷺ کے چھٹے دادا ہیں اس طرح آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بھی چھٹے دادا ہیں اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا نسب مبارک بھی یہاں پہنچ کر حضور نبی اکرم ﷺ کے مبارک نسب کے ساتھ مل جاتا ہے۔ (محمد از محمد رضا صفحہ 15)

7- سیدنا کلاب بن مرہ

ان کی کنیت ابوزہرہ تھی۔ ان کا نام حکیم ہے اور بعض نے عروہ بتایا ہے ان کو کلاب کے لقب سے ملقب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کتوں کے ساتھ بکثرت شکار کیا کرتے تھے اور حضرت سیدہ آمنہ کے یہ تیسرے دادا تھے۔ یہاں آ کر حضور ﷺ کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ کا نسب جمع ہو جاتا ہے اور مشہور یہ ہے کہ عربی مہینوں کے موجودہ نام انہوں نے تجویز کیے تھے۔ (محمد رسول اللہ صفحہ 11)

حضرت کلاب کے بارے میں مزید زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 74 سے درج ذیل ہے۔

مرہ کے بیٹے کلاب تھے۔ ان کا اصل نام عروہ، مہذب یا حکیم تھا۔ مگر انہیں کلاب کے نام سے مشہور کیا گیا تھا۔ کلاب، کلب کی جمع ہے۔ کلب چیر پھاڑ کرنے والے خوفناک کتے کو کہتے ہیں۔ بڑی عجیب بات ہے اس دور میں عرب اپنے بیٹوں کے لئے ایسے خوفناک نام بڑی بے تکلفی سے تجویز کر لیتے تھے۔ لوی زبردست جنگلی سانڈ کو کہتے ہیں۔ مرہ میں تلخی کے معنی پائے جاتے ہیں۔

ایک شخص کو اسی قسم کا تعجب لاحق ہوا تو اس نے سوال کیا۔

تم اپنی اولاد کے اتنے برے نام کیوں رکھتے ہو؟ جیسے کتا اور بھیڑیا اور اپنے غلاموں کے بڑے اچھے اور خوبصورت نام رکھتے ہو؟ جیسے آسودہ حال، دولت مند، مفید اور نفع رساں۔ اس نے جواب دیا بیٹوں کے نام دشمنوں کے لئے اور غلاموں کے نام اپنے لیے رکھتے ہیں۔ (مطلب یہ تھا کہ بیٹوں کو دشمنوں سے ٹکر لینے کے لئے تیار کرتے ہیں اور ایسے خوفناک نام تجویز کرتے ہیں تاکہ خود اولاد اور دشمنوں دونوں پر اس کے نفسیاتی اثرات ہوں۔ (زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 74)

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ کلاب بن مرہ شکاری کتوں کے شوقین تھے شکار کے لئے بہت سے کتے اپنے پاس رکھتے تھے۔ اس لئے یہ نام پڑ گیا۔

کلاب بن مرہ حضور نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے تیسرے دادا ہیں۔ اس طرح یہاں پہنچ کر حضور ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ کا نسب اور حضور نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کا نسب دونوں آپس میں مل جاتے ہیں۔

کلاب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے عربی مہینوں کے نام رکھے جو آج تک جاری و ساری ہیں۔

6-سیدنا قُصَیّ بن کلاب

ان کا نام زید تھا' سن 400ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔

یہ قبیلہ قریش کے عالم تھے اور ان کو راہ راست پر ثابت قدمی سے چلتے رہنے کی تاکید کرتے رہتے یہ اپنی قوم کو جمعہ کے روز جمع کرتے اس وقت اس دن کو یوم العروبہ کہا جاتا تھا۔ انہیں وعظ ونصیحت کرتے اور انہیں آگاہ کرتے کہ عنقریب ان میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے جب وہ تشریف لائے تو اس کی دعوت کو قبول کرنے میں پس وپیش نہ کرنا فوراً اس پر عمل ایمان لے آنا۔ اگرچہ عمرو بن لحی الخزاعی کی بدبختی کے باعث اصنام پرستی کی بیماری اہل مکہ اور اہل عرب میں بھی قبول عام حاصل کر چکی تھی لیکن آپ اپنے خطبات میں اپنی قوم کو اصنام پرستی سے باز رہنے کی تلقین کرتے۔ (بلوغ الارب جلد 2 صفحہ 258)

ان کا اصلی نام زید اور کنیت ابومغیرہ تھی ان کو قصی کہنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب ان کے والد کلاب انتقال کر گئے تو انہوں نے اپنے پیچھے ایک بیوہ فاطمہ بنت سعد اور دو بچے چھوڑے۔ بڑے بچے کا نام زہرہ تھا۔ دوسرے یہ زید تھے جو اس وقت بہت کم سن تھے۔ ربیعہ بن حرام بن ضبہ نے ان کی والدہ فاطمہ کے ساتھ نکاح کر لیا جب وہ اپنی بیوی کو ہمراہ لے کر وطن (عذرہ' ملک شام کی سرحد کے قریب) لوٹنے لگا تو بڑے بھائی زہرہ کو مکہ میں چھوڑ دیا کیونکہ اب وہ جواں ہو رہے تھے اور زید کو کم سنی کی وجہ سے پیچھے چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ اپنے وطن ''عذرہ'' جو شام کی سرحد کے قریب ہے واپس جانے لگا تو زید کو ساتھ لے گیا۔

آپ نے اپنی زندگی کے ابتدائی سال اسی علاقے میں گزارے۔ ایک روز بنی قضاعہ کے کسی لڑکے نے انہیں غریب الوطنی کا طعنہ دیا جسے سن کر آپ کو بڑا دکھ ہوا اور افسردہ خاطر ہو کر اپنی ماں کے پاس آئے اور ان سے حقیقت حال دریافت کی۔ ماں نے کہا' بیٹا! آزردہ ہونے کی کیا بات ہے تو ایسے خاندان کا چشم وچراغ ہے جس کی سارے عرب میں عزت وتکریم کی جاتی ہے۔ تو اپنی ذات اور نسب کے اعتبار سے یہاں کے سب لوگوں سے اعلیٰ وارفع ہے۔ تو قریش کے مشہور سردار کلاب بن مرہ کا بیٹا ہے۔ تیرا قبیلہ مکہ مکرمہ میں اقامت گزیں ہے۔ انہوں نے کہا ماں، میں اب یہاں نہیں رہ سکتا۔ مجھے اجازت دو کہ میں اپنے قبیلہ والوں کے پاس چلا جاؤں مجھ سے غریب الوطنی کے طعنے نہیں سنے جا سکتے۔

ماں نے کہا بیٹا تھوڑی دیر انتظار کرو جب اشہر حرم (حج کے مہینے) آ جائیں گے یہاں سے حجاج کا جو قافلہ جائے گا ان کی معیت میں مکہ چلے جانا۔ سلامتی سے اپنے وطن پہنچ جاؤ گے چنانچہ جب حج کا موسم آیا تو یہاں کے حاجیوں کی معیت میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 67)

کیونکہ آپ کا بچپن کا سارا زمانہ اپنے وطن سے بہت دور گزرا تھا اس لئے قصی ''یعنی کہ دور افتادہ'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔

ان کی والدہ کے بطن سے ربیعہ کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رزاح بن ربیعہ تھا۔ ربیعہ کی دوسری بیوی سے بھی اس کے کئی بیٹے بیٹیاں تھیں۔

مکہ آ کر کچھ عرصہ اپنے بڑے بھائی زہرہ کے ساتھ رہائش پذیر رہے جب جواں ہوگئے تو بنی خزاعہ کے سردار حلیل بن حبشیہ کی لڑکی محبی بنت حلیل کا رشتہ طلب کیا۔ حلیل اس وقت کعبہ کا متولی تھا اس نے آپ کے خاندان کی شرافت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بصد مسرت یہ درخواست قبول کر لی اور اپنی بیٹی کا نکاح قصی سے کر دیا جس کے بطن سے آپ کے چار بیٹے تولد ہوئے۔ عبدالدار۔ عبدالمناف۔ عبدالعزیٰ۔ عبد بن قصی۔ حلیل بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہو گیا اس نے محسوس کیا کہ وہ کعبہ کی تولیت کے فرائض انجام دینے سے قاصر ہے اس نے اپنی بیٹی محبی کو اپنی جگہ متولی بنا دیا۔

محبی نے کہا میں تو کعبہ کا نہ دروازہ کھول سکتی ہوں اور نہ بند کر سکتی ہوں۔ اس (حلیل) نے دروازہ کھولنے اور بند کرنے کی ذمہ داری اپنے بیٹے ابوغبشان کے سپرد کر دی۔ قصی نے شراب کا ایک مشکیزہ اور سارنگی کے عوض ابوغبشان سے کعبہ کی تولیت کا حق خرید لیا۔ عرب میں ایک ضرب المثل مشہور ہے جب کوئی شخص گھاٹے کا سودا کرتا ہے تو کہتے ہیں اخسر صفقته من ابی غبشان یعنی "یہ سودا تو ابوغبشان کے سودے سے بھی گھاٹے والا ہے۔"

قارئین کرام! اب آپ قصی (زید) کے بارے میں جناب مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی کتاب رحیق المختوم کے چند اوراق پڑھیے جو کہ ابن ہشام کے حوالہ سے لکھے گئے ہیں۔ یہاں میرا مقصد تاریخ کے چند اوراق کو دہرانا نہیں ہے کیونکہ اس کا کچھ ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے اور ایک دوسرے انداز سے چند اوراق بعد بھی ہوگا بلکہ ایسا کرنے کی دو وجوہ ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ اسلوب بیان زیادہ جامع اور سہل ہے اس سے علم میں اضافہ ہی ہوگا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ میں ایک نقطہ کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں جو کہ اس میں ایک دو صفحے آگے ہے اور وہ وضاحت طلب ہے اور وہ فقرہ یہ ہے "کہ قصی نے سارے مناصب اور اعزازات کی وصیت عبدالدار کے لئے کر دی۔"

اس جملہ سے واضح ناانصافی کی بو آتی ہے جو کہ ایسی مقتدر ہستیوں میں نہ تھی۔ قصیؒ کے چار بیٹے تھے مجھے تو ایسا کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ یوں لگتا ہے کہ ابن ہشام سے ترجمہ کرتے وقت کہیں خامی رہ گئی ہے یا کوئی ایک دو وہ فقرے، جملے، جن میں قصی کے ایسا کرنے کی وضاحت تھی وہ اتفاقاً اس میں شامل ہونے سے رہ گئے یا کسی محقق نے انہیں غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

لیجئے رحیق المختوم سے وہ چند اوراق بمع اس مذکورہ فقرے کے حاضر خدمت ہیں۔

قصی کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ ابھی گود ہی میں تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی والدہ نے بنو عذرہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے شادی کر لی۔ یہ قبیلہ چونکہ ملک شام کے اطراف میں رہتا تھا

اس لئے قصی کی والدہ وہیں چلی گئی اور وہ قصی کو بھی اپنے ساتھ لیتی گئی۔ جب قصی جوان ہوا تو مکہ واپس آیا۔ اس وقت مکہ کا والی حلیل بن حبشیہ خزاعی تھا۔ قصی نے اس کے پاس اس کی بیٹی حبی سے نکاح کے لئے پیغام بھیجا۔ حلیل نے منظور کر لیا اور شادی کر دی۔ (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 117'118)

اس کے بعد جب حلیل کا انتقال ہوا تو مکہ اور بیت اللہ کی تولیت کے لئے خزاعہ اور قریش کے درمیان جنگ ہوگئی اور اس کے نتیجے میں مکہ اور بیت اللہ پر قصی کا اقتدار قائم ہوگیا۔

جنگ کا سبب کیا تھا؟ اس بارے میں تین بیانات ملتے ہیں: ایک یہ کہ جب قصی کی اولاد خوب پھل پھول گئی اس کے پاس دولت کی بھی فراوانی ہوگئی اور اس کا وقار بھی بڑھ گیا اور ادھر حلیل کا انتقال ہوگیا تو قصی نے محسوس کیا کہ اب بنوخزاعہ اور بنوبکر کے بجائے میں کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت کا کہیں زیادہ حقدار ہوں۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ قریش خالص اسماعیلی عرب ہیں اور بقیہ آل اسماعیل کے سردار بھی ہیں (لہٰذا سربراہی کے مستحق وہی ہیں) چنانچہ اس نے قریش اور بنوخزاعہ کے کچھ لوگوں سے گفتگو کی کہ کیوں نہ بنوخزاعہ اور بنوبکر کو مکہ سے نکال باہر کیا جائے ان لوگوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا۔ (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 117'118)

دوسرا بیان یہ ہے کہ......... خزاعہ کے بقول......... خود حلیل نے قصی کو وصیت کی تھی کہ وہ کعبہ کی نگہداشت کرے گا اور مکہ کی باگ دوڑ سنبھالے گا۔ (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 117'118)

تیسرا بیان یہ ہے کہ حلیل نے اپنی بیٹی حبی کو بیت اللہ کی تولیت سونپی تھی اور ابوغبشان خزاعی کو اس کا وکیل بنایا تھا۔ چنانچہ حبی کے نائب کی حیثیت سے وہی خانہ کعبہ کا کلید بردار تھا جب حلیل کا انتقال ہوگیا تو قصی نے ابوغبشان سے ایک مشک شراب کے بدلے کعبہ کی تولیت خرید لی لیکن خزاعہ نے یہ خرید وفروخت منظور نہ کی اور قصی کو بیت اللہ سے روکنا چاہا۔ اس پر قصی نے بنوخزاعہ کو مکہ سے نکالنے کے لئے قریش اور بنوکنانہ کو جمع کیا اور وہ قصی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جمع ہوگئے۔ (رحمۃ للعالمین جلد 2 صفحہ 55)

بہر حال وجہ جو بھی ہو واقعات کا سلسلہ اس طرح ہے کہ جب حلیل کا انتقال ہوگیا اور صوفہ نے وہی کرنا چاہا جو وہ ہمیشہ کرتے آئے تھے تو قصی نے قریش اور کنانہ کے لوگوں کو ہمراہ لیا اور عقبہ کے نزدیک جہاں وہ جمع تھے ان سے آکر کہا تم سے زیادہ ہم اس اعزاز کے حقدار ہیں۔ اس پر صوفہ نے لڑائی چھیڑ دی مگر قصی نے انہیں مغلوب کر کے ان کا اعزاز چھین لیا۔ یہی موقع تھا جب خزاعہ اور بنوبکر نے قصی سے دامن کشی اختیار کر لی۔ اس پر قصی نے انہیں بھی للکارا، پھر کیا تھا فریقین میں سخت جنگ چھڑ گئی اور طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔

اس کے بعد صلح کی آوازیں بلند ہوئیں اور بنوبکر کے ایک شخص یعمر بن عوف کو حکم بنایا گیا۔ یعمر نے فیصلہ کیا کہ خزاعہ کے بجائے قصی خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کے اقتدار کا زیادہ حقدار ہے۔ نیز قصی نے جتنا خون بہایا ہے سب رائیگاں قرار دے کر پاؤں تلے روندر ہا ہوں البتہ خزاعہ اور بنوبکر نے جن لوگوں کو قتل کیا ہے ان کی دیت ادا

کریں اور خانہ کعبہ کو بلا روک ٹوک قصی کے حوالہ کر دیں۔اسی فیصلے کی وجہ سے یعمر کا لقب شداخ پڑ گیا۔

(ابن ہشام جلد 1 صفحہ 123'124)

شداخ کے معنی ہیں پاؤں تلے روندنے والا۔اس فیصلے کے نتیجے میں قصی اور قریش کو مکہ پر مکمل نفوذ اور سیادت حاصل ہوگئی اور قصی بیت اللہ کا دینی سربراہ بن گیا جس کی زیارت کے لئے عرب کے گوشے گوشے سے آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔مکہ پر قصی کے تسلط کا یہ واقعہ پانچویں صدی عیسوی کے وسط یعنی 440ء کا ہے۔(قلب جزیرۃ العرب صفحہ 232)

قصی نے مکہ کا بندوبست اس طرح کیا کہ قریش کو اطراف مکہ سے بلا کر پورا علاقہ شہر مکہ ان پر تقسیم کر دیا اور ہر خاندان کی بودوباش کا ٹھکانا مقرر کر دیا۔البتہ مہینے آگے پیچھے کرنے والوں کو نیز آل صفوان، بنوعدوان اور بنومرہ بن عوف کو ان کے مناصب پر برقرار رکھا کیونکہ قصی سمجھتا تھا کہ یہ بھی دین ہے جس میں ردوبدل کرنا درست نہیں۔(ابن ہشام جلد 1 صفحہ 124'125)

قصی کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے حرم کعبہ کے شمال میں دارالندوہ تعمیر کیا۔(اس کا دروازہ مسجد کی طرف تھا) دارالندوہ درحقیقت قریش کی پارلیمنٹ تھی جہاں تمام بڑے بڑے اور اہم معاملات کے فیصلے ہوتے تھے۔قریش پر دارالندوہ کے بڑے احسانات ہیں کیونکہ یہ ان کی وحدت کا ضامن تھا اور یہیں ان کے الجھے ہوئے مسائل بحسن وخوبی طے ہوتے تھے۔(ابن ہشام جلد 1 صفحہ 125 - محاضرات خضری جلد 1 صفحہ 36)

قصی کو سربراہی اور عظمت کے حسب ذیل مظاہر حاصل تھے:

1- دارالندوہ کی صدارت جہاں بڑے بڑے معاملات کے متعلق مشورے ہوتے تھے اور جہاں لوگ اپنی لڑکیوں کی شادیاں بھی کرتے تھے۔

2- لواء......یعنی جنگ کا پرچم قصی ہی کے ہاتھوں باندھا جاتا تھا۔

3- حجابت.........یعنی خانہ کعبہ کی پاسبانی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ خانہ کعبہ کا دروازہ قصی ہی کھولتا تھا اور وہی خانہ کعبہ کی خدمت اور کلید برداری کا کام انجام دیتا تھا۔

4- سقایہ (پانی پلانا).........اس کی صورت یہ تھی کہ کچھ حوض میں حاجیوں کے لئے پانی بھر دیا جاتا تھا اور اس میں کچھ کھجور اور کشمش ڈال کر اسے شیریں بنا دیا جاتا تھا۔جب حجاج مکہ آتے تھے تو اسے پیتے تھے۔(محاضرات خضری جلد 1 صفحہ 36)

5- رفادہ (حاجیوں کی میزبانی).........اس کے معنی یہ ہیں کہ حاجیوں کے لئے بطور ضیافت کھانا تیار کیا جاتا تھا۔اس مقصد کے لئے قصی نے قریش پر ایک خاص رقم مقرر کر رکھی تھی جو موسم حج میں قصی کے پاس جمع کی جاتی تھی۔قصی اس رقم سے حاجیوں کے لئے کھانا تیار کراتا تھا جو لوگ تنگدست ہوتے یا جن کے پاس توشہ

نہ ہوتا وہ یہی کھانا کھاتے تھے۔(ابن ہشام جلد1 صفحہ 130)

ان کے علاوہ کچھ اور مناصب بھی تھے جنہیں قریش نے باہم تقسیم کر رکھا تھا۔ان مناصب اور انتظامات کے ذریعے قریش نے ایک چھوٹی سی حکومت، بلکہ حکومت نما انتظامیہ قائم کر رکھی تھی جس کے سرکاری ادارے اور تشکیلات کچھ اسی ڈھنگ کی تھیں جیسی آج کل پارلیمانی مجلسیں اور ادارے ہوا کرتے ہیں۔ان مناصب کا خاکہ حسب ذیل ہے:

1- ایسار..........یعنی فال گیری اور قسمت دریافت کرنے کے لئے بتوں کے پاس جو تیر رکھے رہتے تھے ان کی تولیت۔یہ منصب بنوجمح کو حاصل تھا۔

2- مالیات کا نظم..........یعنی بتوں کے تقرب کے لئے جو نذرانے اور قربانیاں پیش کی جاتی تھیں ان کا انتظام کرنا نیز جھگڑے اور مقدمات کا فیصلہ کرنا۔یہ کام بنوسہم کو سونپا گیا تھا۔

3- شوریٰ..........یہ اعزاز بنواسد کو حاصل تھا۔

4- اشناق..........یعنی دیت اور جرمانوں کا نظم۔اس منصب پر بنوتیم فائز تھے۔

5- عقاب..........یعنی قومی پرچم کی علمبرداری۔یہ بنوامیہ کا کام تھا۔

6- قبہ..........یعنی فوجی کیمپ کا انتظام اور شہسواروں کی قیادت۔یہ بنومخزوم کے حصے میں آیا تھا۔

7- سفارت..........بنوعدی کا منصب تھا۔(تاریخ ارض القران جلد2 صفحہ 104 تا 106)

توجہ طلب حسب ذیل ہے:

یہ سارے مناصب قصی کو حاصل تھے۔قصی کا پہلا بیٹا عبدالدار تھا مگر اس کے بجائے دوسرا بیٹا عبدمناف، قصی کی زندگی ہی میں شرف وسیادت کے مقام پر پہنچ گیا تھا۔

"اس لئے قصی نے عبدالدار سے کہا کہ یہ لوگ اگرچہ شرف وسیادت میں تم پر بازی لے جاچکے ہیں مگر میں تمہیں ان کے ہم پلہ کر کے رہوں گا۔چنانچہ قصی نے اپنے سارے منصب اور اعزازات کی وصیت عبدالدار کے لئے کردی۔یعنی دارالندوہ کی ریاست، خانہ کعبہ کی حجابت، لواء، سیقائیت اور رفادہ سب کچھ عبدالدار کو دے دیا۔"

چونکہ کسی کام میں قصی کی مخالفت نہیں کی جاتی تھی اور نہ اس کی کوئی بات مسترد کی جاتی تھی بلکہ اس کا ہر اقدام اس کی زندگی میں بھی اور اس کی موت کے بعد بھی واجب الاتباع دین سمجھا جاتا تھا اس لئے اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں نے کسی نزاع کے بغیر اس کی وصیت قائم رکھی۔

میں (اس کتاب کے مصنف) نے اسے مجبوراً یہاں لکھا ہے اور اسے چھوڑا اس لئے نہ جاسکا کہ یہ تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔قارئین کرام یہاں پر رحیق المختوم کے حوالہ سے لیا گیا زیر بحث موضوع ختم ہوا۔اب آپ دیکھئے کہ اسی نقطہ کے بارے میں جناب امام محمد بن یوسف الصالحی اپنی تصنیف "سبل الہدیٰ والرشاد جلد 1 کے صفحہ 325

پر کیا کہتے ہیں۔ مجھے تو درج ذیل حقیقت کے قریب تر لگتا ہے آپ اس بارے میں اپنی رائے قائم کریں۔

امام محمد بن یوسف الصالحی سبل الہدیٰ میں رقمطراز ہیں۔

''کہ قصی نے اپنے مناصب کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ سقایہ اور ندوہ عبد مناف کو تفویض کیا ان کی ذریت میں سے سرور دو عالم ﷺ ہوئے اور حجابہ اور لواء عبد الدار کو دیا یعنی خانہ کعبہ کی خدمت اور جھنڈا اور ایام منیٰ میں حاجیوں کی میزبانی کا فریضہ عبد العزیٰ کو سونپا۔ ان کی اجازت کے بغیر کوئی اپنا چولہا گرم نہیں کر سکتا تھا اور وادی کی حفاظت کی ذمہ داری عبد قصی کو سونپی۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 1 صفحہ 325)

میرے خیال میں یہی قول صحیح ہے کیونکہ قصی جیسے ذہین، انصاف پسند، نور نبی بردار اور خوشحال سردار قوم سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ سارے مناصب ایک بیٹے کو دے دیں اور باقی سب کو محروم کر دیں۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کو حجون میں دفن کیا گیا اور اس کے بعد سارے لوگ اپنی میتوں کو وہیں دفن کرنے لگے۔

لیکن جب عبد مناف کی وفات ہو گئی تو اس کے بیٹوں کا ان مناصب کے سلسلے میں اپنے چچیرے بھائیوں یعنی عبد الدار کی اولاد سے جھگڑا ہوا۔ اس کے نتیجے میں قریش دو گروہ میں بٹ گئے اور قریب تھا کہ دونوں میں جنگ ہو جاتی مگر پھر انہوں نے صلح کی آواز بلند کی اور ان مناصب کو باہم تقسیم کر لیا۔ چنانچہ سقایت اور رفادہ کے مناصب بنو عبد مناف کو دیئے گئے اور دار الندوہ کی سربراہی اور حجابت بنو عبد الدار کے ہاتھ میں رہی۔ پھر بنو عبد مناف نے اپنے حاصل شدہ مناصب کے لئے قرعہ ڈالا تو قرعہ ہاشم بن عبد مناف کے نام نکلا لہٰذا ہاشم ہی نے اپنی زندگی بھر سقایہ و رفادہ کا انتظام کیا۔ البتہ جب ہاشم کا انتقال ہو گیا تو ان کے بھائی مطلب نے ان کی جانشینی کی مگر مطلب کے بعد ان کے بھتیجے عبد المطلب بن ہاشم نے جو رسول اللہ ﷺ کے دادا تھے یہ منصب سنبھال لیا اور ان کے بعد ان کی اولاد ان کی جانشین ہوئی یہاں تک کہ جب اسلام کا دور آیا تو حضرت عباس بن عبد المطلب اس منصب پر فائز تھے۔ (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 129'132'137'142'178'179)

قصی نے بھی باپ ہی کی طرح نام پیدا کیا اور عرب کے طول و عرض میں اپنی عظمت کا پھریرا لہرا دیا اور قریش کو وہ عزت و شہرت اور اجتماعیت بخشی جو انہیں پہلے حاصل نہیں تھی۔

قصی بڑے ہی جہاندیدہ بزرگ اور دانا انسان تھے۔ اپنے پیشرو بزرگوں کی طرح اکثر نبی آخر الزمان ﷺ کی آمد اور قرب زمانہ بعثت کا ذکر کرتے رہتے تھے اور انہیں اشتیاق دلاتے تھے کہ وہ ذہنی طور پر تیار ہو جائیں۔

جمعہ کے روز اپنی قوم کو جمع کر کے نصیحت کرتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ حرم شریف کی تعظیم کریں اور بتاتے تھے کہ عنقریب ان میں ایک نبی تشریف لانے والے ہیں۔ (شرح الزرقانی جلد 1 صفحہ 73)

قصی وہ پہلے دوراندیش سردار ہیں جنہوں نے قریش کی منتشر افرادی قوت کومجتمع کرنے کی طرف سنجیدگی سے توجہ دی اورانہیں اطراف وجوانب سے اٹھا کر مکہ میں آباد کرنے کے لئے زمین الاٹ کی پلاٹ اور قطعات دیئے تاکہ وہ مکانات تعمیر کرکے حرم کعبہ کے قریب آباد ہوں اور جب انہیں ضرورت پڑے یہ ان کے لئے دست وبازو ثابت ہوں۔ان کی یہ تدبیر کارگر رہی اور قریش کوحرم شریف کی کلیدی آسامیوں پر بالادستی حاصل ہوگئی۔

انہوں نے سیادت کی باگ دوڑ ہاتھ میں لیتے ہی منصوبہ بندی کی،عوام اور حجاج کی ضروریات کا جائزہ لیا۔ لوگوں کوپیش آمدہ مشکلات کی فہرست تیار کی پھران کے حل کے لئے باقاعدہ رفاہی اور اصلاحی پروگرام وضع کئے جو تاریخ میں سقایہ،رفادہ،ندوہ اورحجابت کے نام سے مشہور ہیں۔

ان رفاعی کاموں کی تفصیل یہ ہے۔

سقایہ

آج کل کعبہ مکرمہ کے نزدیک زمزم کا کنواں موجود ہے جس میں پانی کی کثرت اور برکت کے باعث کسی کو قلت کا احساس نہیں ہوتا۔صرف وہاں کے زائرین سیراب ہی نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے ملکوں میں بھی تبرک کے طور پر لے جاتے ہیں۔اس وقت یہ کنواں معلوم نہیں تھا۔بنوجرہم نے اسے بند کردیا ہوا تھا۔کوئی نہیں جانتا تھا کہ زمزم کا کنواں کہاں ہے اس لئے پانی کی شدید قلت اور حجاج وزائرین کوبے حد تکلیف محسوس ہوتی تھی۔

قصی نے اس تکلیف کوشدت سے محسوس کیا اور وسیع پیمانے پر پانی کے ذخائر کے انتظامات کیے۔نتیجہ یہ نکلا کہ بے حد سہولت حاصل ہوگئی اور پانی کی قلت اور تنگی کی شکایت جاتی رہی اس انتظام کو''سقایہ'' کہتے ہیں۔

رفادہ

حجاج کے لئے کھانے وغیرہ کا بھی کوئی معقول اوران کی شایان شان انتظام نہیں تھا جس وجہ سے انہیں بے شماردشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا،قصی نے قریش کوجمع کیا اور فرمایا۔

''حجاج وزائرین اللہ تبارک تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ یہ لوگ ہر لحاظ سے قابل احترام ہیں۔ یہ انتہائی افسوسناک بات ہے کہ وہ یہاں آکر طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا ہوں اور ہم ان کا تماشا دیکھیں۔ یہ میزبانی کے اصولوں کے منافی ہے اوراحترام کے بھی خلاف ہے۔آپ لوگ یہاں کے معززمکین ہیں یہاں کے رہائشی اور مقیم ہونے کے حوالے سے ہمارا فرض بنتا ہے کہ آنے والوں کو ہرقسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں اور کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے دیں۔اس کی احسن صورت یہی ہے کہ ہم تمام قبائل پرلازم کردیں کہ وہ اس مقصد کے لئے فنڈ دیں تاکہ زائرین کی ضیافت ودعوت ہوسکے اوروہ اضافی خرچ سے بچ سکیں۔''

تمام لوگوں نے اس تجویز کوپذیرائی بخشی اسے بخوشی قبول کیا اور چندہ دینے کی ہامی بھری اس طرح حجاج کے لئے مفت کھانے کا انتظام ہونے لگا۔اس انتظام کو''رفادہ'' کہتے ہیں۔

ندوہ

اجتماعی اور قومی نوعیت کی تقریبات کے لئے ان کے پاس کوئی جگہ اور منصوبہ بندی نہیں تھی۔قصی نے اس کمی اور ضرورت کو پورا کرنے کے لئے لوگوں کو ''دارالندوہ'' قائم کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ایک عمارت مختص کی گئی جسے آج کی اصطلاح میں اسمبلی ہال کہہ سکتے ہیں۔قومی سطح کے فیصلے اور مشورے وہاں ہونے لگے اور انفرادی اور اجتماعی مشکلات کے حل کے لئے لوگ وہاں اپنے مسائل پیش کرنے لگے۔اس طرح اس عمارت نے عدالت کی حیثیت بھی اختیار کر لی۔شادی بیاہ کی تقریبات بھی وہاں انجام پذیر ہونے لگیں۔ اس طرح ان کی معاشرتی اور قبائلی زندگی میں اس عمارت کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی اور وہ اسے اپنی زندگی کا ناگزیر حصہ سمجھنے لگے۔اسے ''ندوہ'' کہتے ہیں۔

الروض الانف کے مصنف جلد 1 صفحہ 149 پر دارالندوہ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

دارالندوہ کی یہ وسیع عمارت قصی نے تعمیر کرائی۔قصی نے یہ دارالندوہ اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کے حوالے کر دی اس کی اولاد کے بعد حکیم بن حزام کی ملکیت میں آئی۔انہوں نے امیر معاویہ کے زمانہ میں اسے ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔امیر معاویہ نے ملامت کرتے ہوئے کہا۔

''کہ تو نے اپنے آباؤ اجداد کے شرف اور ان کی عزت کو فروخت کر دیا۔''

حکیم نے جواب میں کہا۔

''حکیم نے کہا کہ عزتوں کے سارے معیار ختم ہو گئے بجز تقویٰ کے۔بخدا میں نے اسے شراب کی ایک مشک کے عوض زمانہ جاہلیت میں خریدا تھا اور اب اسے ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا ہے اور آپ تمام کو اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ یہ ساری رقم اللہ کی راہ میں صدقہ ہے۔اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ خسارہ میں کون ہے۔

(الروض الانف جلد 1 صفحہ 149)

حجابت

کعبۃ اللہ اور مسجد حرام کی تعمیر اور تزئین کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی تھی حالانکہ صورتحال کے پیش نظر اس چیز کی بہت زیادہ ضرورت تھی اور وہ اولیں توجہ کی متقاضی تھی تاکہ وقت پر مسجد اور کعبہ کی صفائی اور مرمت ہوتی رہے اور دیکھ بھال کے لئے جو ضروری امور ہیں ان کی طرف باقاعدہ توجہ رہے۔چنانچہ اس مقصد کے لئے ایک نظام وضع کیا گیا جسے ''حجابہ'' کہتے ہیں۔

اللواء

اسے آپ موجود دور کی وزارت دفاع کا ہم معنی سمجھئے یہ منصب بھی قصی نے ایجاد کیا جب کوئی اجتماعی خطرہ

درپیش ہوتا تو قومی علم کا علمبردار اس کو کھلے میدان میں گاڑ دیتا۔ یہ گویا اس کی طرف سے اعلان ہوتا کہ اے اہل وطن! اپنے وطن اور قوم کی آزادی کا جو خطرہ درپیش ہے اس کا تدارک کرنے کے لئے سر بکف میدان میں نکل آؤ۔ جب علم لہرانے کا واقعہ رونما ہوتا قریش کے سارے سردار بلا استثناء جمع ہو جاتے۔

عرب کے مادر پدر آزاد اور خودسر معاشرہ میں ان اداروں کو قائم کر کے قصی نے بڑی دانشمندی کا ثبوت دیا۔ اہل عرب کو نظم وضبط کو پابند اور خوگر بنانے کے لئے یہ پہلی کامیاب کوشش کی تھی۔ کعبہ کی جو عمارت حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کی تھی وہ زمانہ دراز گزر جانے کے باعث بوسیدہ ہو رہی تھی۔ قصی نے اس کو گرا کر کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کیا۔ یہ شرف بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد قصی کو نصیب ہوا۔

حضرت قصی کو رفاہ عامہ کے ان کاموں کی بدولت عوام میں بے حد پذیرائی اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ انہیں ایک طرح کا سربراہ مملکت تسلیم کر لیا گیا اور وہ بلا شرکت غیرے سب کے حکمران بن گئے اور وفات تک ان تمام امور کے نگران وسرپرست رہے۔

حضرت قصی کعب کی اولاد میں پہلے شخص تھے جو حکومت کے سربراہ بنے اور ان کی قوم نے مکمل طور پر انہیں اپنی اطاعت کا یقین دلایا چنانچہ حجابہ، سقایہ، رفادہ، ندوہ اور لواء (جنگ کے لئے جھنڈا لہرانے) کے تمام انتظامات بھی انہی کے ہاتھ میں تھے۔ اس طرح انہوں نے مکہ میں مکمل شرف اور اقتدار حاصل کر لیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 207)

انہوں نے نزاعات کا فیصلہ اور ظلم کے ازالہ کے لئے ایک عمارت تیار کی جس کا نام "دارالندوہ" رکھا جب بھی کوئی مقدمہ پیش ہوتا تمام قبیلوں کے سردار اکٹھے ہو جاتے باہم مشورہ کرتے اور فیصلہ دیتے۔

جنگ کے لئے جھنڈا یہیں سے لہرایا جاتا اور نکاح بھی یہی کیا جاتا تھا۔ (البدایہ النہایہ جلد 2 صفحہ 207)

شراب کی لت بہت بری ہے پورا عرب اس کی زد میں آ چکا تھا۔ شراب کے رسیا، علانیہ محفلیں جماتے، خم لنڈھاتے اور جام گردش میں لاتے جب دور چلتے تو اخلاق وناموس کی دھجیاں اڑ جاتیں، فضائیں سائیں سائیں کرنے لگتیں اور نوجوانوں کی مستی خرمستی میں بدل جاتی۔

قصی نے اس آتش سیال کی تباہ کاریوں کو بھانپ لیا۔ انہوں نے اپنی اولاد کو سختی سے منع کر دیا کہ وہ اس منحوس بلا کے سائے سے بھی بچیں اور اس سے مکمل پرہیز کریں۔ انسانیت اور اخلاق کی بقا اسی میں ہے۔

ان کے نصائح آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

1- جو شخص کمینے کی عزت کرتا ہے وہ اس کی کمینگی میں حصہ دار بن جاتا ہے۔

2- جو اپنی حیثیت سے زیادہ مانگتا ہے وہ محروم رہتا ہے۔

3- حاسد مارِ آستین ہوتا ہے۔

4- جس کو عزت راس نہیں آتی پھر اسے ذلت ہی ٹھیک کرتی ہے۔

5- سیدنا عبد مناف بن قصی

ان کا نام مغیرہ تھا ان کے حسن و جمال کی وجہ سے انہیں قمر البطاء (بطحا کا چاند) کہا جاتا تھا۔ ایک پتھر ملا، جس پر ان کی تحریر کندہ تھی، اس میں ایک جملہ یہ تھا۔

''میں مغیرہ بن قصی ہوں۔ میں قریش کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ جل وعلا سے ڈرتے رہا کریں اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ نبی کریم ﷺ کا نور ان کے چہرے میں چمکتا تھا۔ ان کے ہاتھ میں نزار کا جھنڈا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کمان ہوا کرتی تھی۔''

(السیر النبویہ از احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 27)

ان کے بارے میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

''ان کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے بطحا کا چاند کہا جاتا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہیں ایک پتھر ملا جس میں یہ عبارت کندہ تھی۔ میں مغیرہ بن قصی ہوں میں قریش کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تبارک تعالیٰ سے ڈرتے رہا کریں اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ آپ بتوں سے بغض رکھتے تھے اور نبی کریم ﷺ کا نور ان کے چہرہ پر چمکتا تھا۔ (بلوغ الارب جلد 2 صفحہ 284)

اپنی سخاوت اور غیر معمولی سیاسی فہم وفراست کی وجہ سے اپنے والد کے بعد یہی اپنی قوم کے سردار مقرر ہوئے ان کے بارے میں ایک شاعر نے کہا ہے:

شعر کا ترجمہ: ''قریش ایک انڈا کی مانند ہیں اور جب اسے پھوڑا گیا تو اس کا مغز اور جوہر عبد مناف ہیں۔''

عبد مناف کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے علامہ سہیلی فرماتے ہیں:

اس لفظ کا وزن مفعل ہے۔ یہ اناف ینیف انافتہ سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے بلند و بالا ہونا۔ فضل اناف کا معنی ہے شرف و کرامت میں زیادتی۔ اسی وجہ سے آپ عبد مناف کے لقب سے مشہور ہوئے کیونکہ اپنے خصائل و مکارم کے باعث یہ اپنے ہمعصروں سے اعلیٰ وارفع تھے۔'' (سبل الهدیٰ والرشاد جلد 1 صفحہ 320)

زرقانی کے مصنف جلد 1 صفحہ 73 پر اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

عبد مناف، قصی بن کلاب کے بیٹے تھے ان کا اصل نام مغیرہ تھا۔ اس نام کے آخر کی ''ہ'' مبالغہ کے لئے ہے۔ جس کا معنی ہے دشمن پر تابڑ توڑ حملے کرنے والا۔

محققین کا خیال ہے مغیرہ ان کا لقب تھا جو دشمنوں کو مرعوب وخوفزدہ کرنے کے لئے دیا گیا تھا۔ اصل نام

عبد مناف ہی تھا جو اناف سے مشتق ہے اس کا معنی ہے ایسا شخص جو بہت ہی بلند مرتبہ افضل اور قوم میں معزز و قابل تکریم ہو۔

عبد مناف بڑے ہی فیاض، دریا دل اور غریب نواز انسان تھے۔ سائل کو بھی محروم اور خالی ہاتھ نہ جانے دیتے۔ حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت میں بھی یکتا تھے۔ جو رخ پُر نور کو دیکھتا انگشت بدنداں رہ جاتا اسی لئے لوگ ان کو ''قمر البطحاء'' بطحاء کا چاند کہا کرتے تھے۔

خوبصورتی کی وجہ سے انہیں ''چاند'' کہا جاتا تھا ان کی پیشانی میں ''نور محمدی'' جلوہ گر رہتا تھا۔

(زرقانی جلد 1 صفحہ 73)

شاید اسی حسن و جمال اور سیادت و کرامت کی وجہ سے ایک عربی شاعر نے کہا ہے:

شعر کا ترجمہ: ''قریش ایک انڈے کی مانند تھے جو پھٹ گیا اور اس میں سے عبد مناف ایک خالص زردی کی صورت میں نمودار ہوئے۔ وہی اس کا مغز بھی تھے۔ (زرقانی جلد 1 صفحہ 73)

درج ذیل کا ذکر حضرت قصی کے بیان میں ہو چکا ہے۔ عبد مناف کے تدبر و بصیرت کو ظاہر کرنے کی خاطر اور تسلسل قائم رکھنے کے لئے مختصراً دیگر الفاظ میں پھر لکھ دیا ہے۔

عبد مناف کے والد قصی بڑی باوقار اور جلالت مآب شخصیت کے مالک تھے۔ قریش میں انہوں نے نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا ان کے چار بیٹے تھے۔ تین بیٹے عبد، عبد شمس اور عبد مناف تو اپنی قابلیت، زور بازو، شرافت و نجابت اور دولت و ثروت کی وجہ سے شہرت اور اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ خاصے مالدار تھے اس لئے والد ہونے کے ناطے انہیں چوتھے بیٹے عبد الدار کی بڑی فکر تھی۔ وہ سب بھائیوں میں مالی اعتبار سے کمزور کم آمیز اور خاموش طبع تھے۔ اس وجہ سے قصی نے عمر کے آخری لمحات میں عبد الدار کو اپنا جانشین نامزد کر دیا اور حجابہ، رفادہ، سقایہ اور ندوہ جیسے اہم مناسب ان کے سپرد کر دیئے تاکہ معاشرے میں ان کا مقام بھی اونچا ہو جائے اور وہ اپنے بھائیوں سے مال و دولت اور مرتبے کے لحاظ سے کم تر نہ رہیں۔

ابتدا میں تو مفاہمت رہی سب نے عبد الدار کی سیادت و سربراہی تسلیم کر لی مگر کچھ عرصہ بعد اس میں دراڑیں پڑنا شروع ہو گئیں۔ یہاں تک کہ مخالفت تک نوبت پہنچ گئی اور دونوں گروہوں نے تلواریں سونت لیں۔

تین بھائی ایک طرف تھے انہوں نے مطالبہ کیا کہ شریک اقتدار ہونا ان کا موروثی حق ہے لہٰذا انہیں بھی اس میں سے حصہ دیا جائے لیکن دوسری طرف عبد الدار کا موقف یہ تھا کہ والد نے انہیں اپنا جانشیں نامزد کیا ہے اس لئے وہی اس منصب کے حقدار ہیں۔

جھگڑے نے طول کھینچا اور دو مخالف و متحارب گروپ بن گئے۔ کچھ قبائل عبد الدار کے ساتھ مل گئے اور کچھ قبائل نے باقی بھائیوں کی حمایت کا اعلان کر دیا اور دونوں دھڑے اپنے اپنے فریق کی حمایت میں مرنے مارنے پر

اتر آئے۔ عبد مناف کا پر جوش گروہ صحن کعبہ میں اکٹھا ہوا انہوں نے عزم وجذبہ کے ساتھ خوشبو میں ہاتھ ڈبوئے اور ارکان کعبہ کو چھو کر حلف اٹھایا کہ وہ اپنا حق لے کر رہیں گے یا اپنی جان دے دیں گے۔

ایک گروہ نے بنو عبد مناف کی بیعت کی اور حلف اٹھایا۔ حلف اٹھاتے وقت خوشبو میں ہاتھ ڈبوئے پھر جب کھڑے ہوئے تو ارکان کعبہ کو چھوا اس لئے ان کا نام ''خوشبو والے لوگوں کا حلف'' پڑ گیا۔

(البدایہ النہایہ جلد 2 صفحہ 290)

زبردست جنگ کے آثار پیدا ہو گئے، برابر کا جوڑ تھا۔ ہر فریق اپنی جگہ جرأت واستقلال کا پیکر نظر آ رہا تھا اور اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھا لیکن اہل دانش کی مداخلت اور حکمت عملی سے جنگ کا خطرہ ٹل گیا۔ جہاندیدہ اور دور اندیش افراد نے جنگ کے ہولناک نتائج سے آگاہ کیا اور فریقین کی مصالحت پر آمادہ کر لیا چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ رفادہ اور سقایہ کا انتظام بنو عبد مناف سنبھالیں اور لواء اور ندوہ بنو عبد الدار کے پاس رہنے دیں۔

اس طرح مناصب کی مساوی تقسیم سے معاملہ رفع دفع ہو یا اور جنگ کا خطرہ ٹل گیا۔ پھر عبد مناف نے حسن نظام کا ایسا مظاہرہ کیا کہ اپنے پرائے سب قائل ہو گئے اور ان کی قابلیت وسیادت کا دلوں پر سکہ بیٹھ گیا۔ تمام لوگوں نے اعتراف کیا کہ وہ واقعی عظیم قائد، مدبر رہنما اور باصلاحیت منتظم ہیں۔ نظم وضبط اور بصیرت وتدبر کے بے مثال مظاہرے دیکھ کر قریش بھی ان کی قیادت پر مطمئن ہو گئے اور ان کی ذات پر فخر کرنے لگے۔

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں۔

انہوں نے ایک پتھر پر لکھا ہوا دیکھا ''میں قصی کا بیٹا ہوں اور صلہ رحمی اور اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا ہوں۔''

(زرقانی جلد 1 صفحہ 73)

عبد مناف، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چوتھے دادا تھے اس لئے یہاں پہنچ کر ان کا نسب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف کے ساتھ مل جاتا ہے۔ آپ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نانویں دادا ہیں۔

4- سیدنا ہاشم بن عبد مناف

عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ سب سے بڑا ہاشم اور سب سے چھوٹا مطلب تھا تیسرے کو نوفل اور چوتھے کو عبد شمس کہتے تھے۔

چاروں بھائی نہایت زیرک، امور جہانبانی سے آگاہ، بین الاقوامی تعلقات کے ماہر، شاہی آداب اور درباری طور طریقوں سے واقف اور بادشاہوں کے مزاج شناس تھے۔ ان کے پاس آنے جانے کی وجہ سے انہیں درباروں میں بادشاہوں کا خاص قرب حاصل ہو گیا۔ چنانچہ اپنے اثر ورسوخ، فہم وتدبر اور علم وتجربہ سے انہوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور مختلف ممالک میں بادشاہوں سے تجارتی مراعات حاصل کیں اور ان سے خوب نفع کمایا۔

چنانچہ ہاشم نے شاہان غسان اور شاہ روم سے ملک شام میں، عبد شمس نے نجاشی سے حبشہ میں، نوفل نے

کسریٰ سے عراق میں اور مطلب نے حمیر سے یمن میں تجارتی اجازت نامے حاصل کیے اور کثرت سے مال تجارت لے کر ادھر ادھر آنے جانے لگے جس سے ان کی دولت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور کاروبار خوب پھلا پھولا ایک طرح سے یہ درآمد برآمد کا کاروبار تھا جو اس دور کے حوالے سے بہت نفع بخش تھا۔

(الکامل لابن اثیر جلد 1 صفحہ 16)

ہاشم اور مطلب دونوں بھائیوں کی آپس میں بے حد محبت تھی۔ یہ دونوں یکجان دو قالب تھے اور شکل وصورت میں بھی دوسرے بھائیوں سے مختلف تھے۔ حسن و جمال میں حیرت انگیز حد تک بے مثل اور پرکشش ہونے کے باعث اہل عرب ان دونوں کو ''بدران'' یعنی دو چاند کہا کرتے تھے۔

ہاشم اور مطلب کو ان کی خوبصورتی کی وجہ سے بدران کہہ کر پکارا جاتا تھا۔

(الکامل فی التاریخ لابن اثیر جلد 2 صفحہ 17)

ہاشم کا اصل نام ''عمرو'' تھا۔ قدرت نے سخی اور فیاض دل عطا فرمایا ہوا تھا اس لئے قوم کے غم میں پریشان رہتے۔ جب بھی قوم کو قحط اور بھوک کا سامنا ہوتا تو ہمیشہ امداد کے لئے میدان میں آتے۔ یہ ان کا دائمی معمول تھا اور وہ اس میں فرق نہیں آنے دیتے تھے۔

عرب کی پیداواری زمین کا طبعی مزاج کچھ اس قسم کا تھا کہ بارش کی ذرا سی تاخیر کے باعث قحط کے آثار پیدا ہو جاتے تھے اور لوگوں کی جان پر بن جاتی تھی اس لئے خشک سالی کی تلوار ہمیشہ سروں پر لٹکتی رہتی تھی اور سخاوت پیشہ لوگوں کے لئے سخاوت وفیاضی کے مواقع نکلتے رہتے تھے۔

پیدائشی سخی کبھی سخاوت سے منہ نہیں موڑتا خواہ اسے کتنی ہی بار آزمائش کے میدان میں اترنا پڑے بلکہ وہ ہر بار نئے ولولے اور جذبے کے ساتھ سامنے آتا ہے اور خوشی محسوس کرتا ہے۔ اس کی خوشی حالات کے مطابق سخاوت کرنے میں ہوتی ہے اس لئے وہ عطاوبخشش سے بالکل نہیں گھبراتا بلکہ ہر بار بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے۔

حضرت ہاشم اسی قسم کے پیدائشی اور فطری سخی تھے۔ ہر موقع پر مخلوق خدا کی خدمت کے لئے کمر کس کر میدان میں آجاتے اور سب جمع پونجی لٹا دیتے تھے۔

ایک دفعہ اسی معمول نے اسے ''عمرو'' سے ہاشم بنا دیا۔ ہوا یوں کہ بارش رک گئی، خشک سالی نے عوام کو بے حال وپریشان کر دیا۔ آہستہ آہستہ فاقوں تک نوبت آ گئی۔ عمرو سے غرباء ومساکین اور مفلوک الحال عوام کی یہ حالت نہ دیکھی گئی کچھ اونٹ ذبح کیے گوشت کا شوربہ بنایا، روٹی پکوا کر توڑ توڑ کر شوربے میں بھگوئی اور اسے ثرید کی شکل دے دی۔ پھر بھوکے لوگوں کو دعوت عام دی اور بلایا کہ آ کر ثرید کھالیں جب بھوکے پیٹوں میں روٹی گئی تو ان کے تن ناتواں میں جان آ گئی، زبان سے دعائیں نکلیں اور انہوں نے دعا دی، خدا ہاشم کو سلامت رکھے جس نے ہمیں یہ روٹی توڑ کر شوربے میں بھگو کر کھلائی ہے۔

''ہاشم'' توڑنے والے کو کہتے ہیں چونکہ انہوں نے عوام کو اپنے ہاتھوں سے روٹی توڑ توڑ کر کھلائی تھی اس لئے

انہیں عوام کی طرف سے حقیقت افروز لقب ملا جو قیامت تک ان کی اس حسین صفت انسان دوستی اور پاکیزہ خصلت کی یاد تازہ کرتا رہے گا۔ (زرقانی جلد 1 صفحہ 72)

حضرت ہاشم بھی نور نبوت کے امانت داروں میں سے تھے اس لئے ان پر حسن برستا تھا' نچھاور ہوتا تھا اور حقیقت شناس لوگ اس نور کو لوٹنے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔ اور نور محمدی کی شعاعیں ان کے چہرے پر درخشاں اور کرنیں ضوفشاں رہتی تھیں جب بھی کوئی پادری دیکھتا تو ہاتھ چوم لیتا تھا۔ حضرت ہاشم جدھر سے گزرتے اشیاء ان کے حضور جھک جاتیں اور سجدہ کرتیں۔ (زرقانی جلد 1 صفحہ 73)

جو خواتین حسن کی قدردان تھیں وہ محض اس لئے حضرت ہاشم سے شادی کرنا چاہتی تھیں کہ وہ ناقابل یقین حد تک حسین اور نہایت دلکش انسان تھے۔

کچھ خواتین حسن و جمال کی طالب ہونے کے ساتھ حقیقت شناس بھی تھیں وہ اس لازوال حسن کے منبع و مصدر کو بھی پہچانتی تھیں اور جانتی تھیں کہ یہ اس نور محمدی کا عکس ہے جو بصورت امانت ان کی ذات میں ودیعت ہے وہ ان سے شادی اس لئے کرنا چاہتی تھیں کہ اس نور سے فیضیاب ہوں اور اس کے امانت داروں کی برگزیدہ صف میں شامل ہو گئیں۔

شاہ روم، ہرقل تورات و انجیل کا بڑا ماہر اور بہت پڑھا لکھا بادشاہ تھا۔ ہاشم اس کے دربار میں آتے جاتے تھے اسے قرائن و احوال اور دلائل و شواہد سے پتہ چل گیا کہ ہاشم اس نور مبین کے امین ہیں اور اس دور میں اس امانت کو پیشانی مبارک میں اٹھائے پھر رہے ہیں۔ اس نے پیشکش کی کہ میری پاکباز لڑکی بڑی ہی حسین ہے۔ میں آپ کی شخصیت، شرافت اور تقویٰ و طہارت سے بے حد متاثر ہوں اور چاہتا ہوں کہ اسے آپ کی زوجیت میں دے دوں۔ اس لئے آپ میرے ملک میں تشریف لے آئیں۔ درحقیقت اس خواہش و پیشکش کے پس پردہ میں اس کا ارادہ اس نور مصطفیٰ کو حاصل کرنا تھا جس کا ذکر انجیل میں کیا گیا تھا۔ (زرقانی جلد 1 صفحہ 73)

عبد مناف کی وفات کے بعد بڑا بیٹا ہونے کے ناطے باپ کی جانشینی ہاشم کے حصے میں آئی جب رفادۃ و سقایہ کا انتظام انہوں نے سنبھالا تو ان کے حسن تدبیر کی سارے عرب میں دھوم مچ گئی۔ چونکہ طبیعت پہلے ہی سخی اور غریب نواز تھی اس لئے انہوں نے حجاج اور غریب عوام پر جود و کرم کی بارش کر دی۔ احسان مند طبیعتوں پر اس کا اثر ہونا لازمی تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شخص کی زبان پر ہاشم کا نام جاری ہو گیا۔ یہ کیفیت امیہ بن عبد شمس کی حاسد طبیعت پر گراں گزری اور اس کا آرام و سکون لٹ گیا۔

امیہ حضرت ہاشم کا بھتیجا اور مرتبے میں بہت چھوٹا تھا مگر مزاج میں خست تھی اس لئے ہاشم کی قدر و منزلت برداشت نہ کر سکا۔ اس لئے اس نے ایسی حرکات شروع کر دیں جس سے ہاشم کی بنی ہوئی ساکھ خراب ہو جائے اور عزت خاک میں مل جائے۔ وہ حسد کے باعث بہت ہی پست سطح پر اتر آیا۔

اس نے اپنے سسر ہمہمہ کو ساتھ ملایا اور اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا چونکہ عربوں میں دستور ہے کہ وہ نسبی برتری ثابت کرنے کے لئے دوسرے کو چیلنج کرتے ہیں اس لئے میں بھی ہاشم کے ساتھ مناظرہ کروں گا وہ میدان میں آ کر اپنی برتری ثابت کرے وگرنہ سخاوت کی نمائش سے باز آ جائے اور سستی شہرت حاصل کرنے کا یہ طریقہ ختم کر دے۔ سنجیدہ مزاج ہاشم کے نزدیک یہ ایک بے معنی سی بات تھی۔ اس طفلانہ حرکت کا اس نے کوئی نوٹس نہ لیا اور خاموش رہا مگر دوستوں نے کہا امیہ کی طبیعت میں چھچھوراپن ہے جواب ضروری ہے وگرنہ بات بڑھا دے گا۔

مقابلہ کی صورت یہ قرار پائی کہ کاہن خزاعی کو ثالث بنایا جائے وہ جو فیصلہ دے وہ فریقین کو قبول ہو۔ چنانچہ ایک روز پنچایت میں سب لوگ اکٹھے ہو گئے۔ کاہن خزاعی کو بیچ میں بٹھا دیا اس نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد فیصلہ دیا کہ دوستو! انصاف کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں جس میں اپنے پرائے، رشتہ دار اور اجنبی کو نہیں دیکھا جاتا۔ جو شخص عدالت کی کرسی پر بیٹھا ہو اس کا فرض ہوتا ہے کہ سچ بولے اور سچ کے سوا کچھ نہ کہے۔ اس وقت میرا بھی یہی منصب ہے اس لئے میں سچ کے سوا کچھ نہ کہوں گا۔

دوستو! حقیقت یہی ہے کہ ہاشم کا حسب و نسب آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ اس وقت وہ دنیا کا معزز ترین انسان ہے۔ نسب میں اس سے برتر ہونے کا دعویٰ کرنے والا بالکل جھوٹا اور افترا پرداز ہے۔ میں اس پر تاوان ڈالتا ہوں کہ ہاشم کو پچاس اونٹنیاں دے اور اس کے لئے سزا تجویز کرتا ہوں کہ دس سال کے لئے ملک چھوڑ دے۔ امیہ بن عبد شمس پر یہ بات بجلی بن کر گری۔ اس کی ساری شیخی دھری کی دھری رہ گئی اور شوخی کر کری ہو گئی، برتری کا خواب چکنا چور ہو گیا، منہ لٹکا کر اٹھا پچاس اونٹنیاں دیں اور دس سال کے لئے ملک شام چلا گیا۔ یہ پہلی عداوت تھی جو ہاشم اور امیہ کے درمیان واقع ہوئی۔ (الکامل جلد 2 صفحہ 17)

ہاشم بین الاقوامی تجارت کے ماہر تھے۔ کاروباری نکتے انہیں ازبر تھے اور وہ اچھے کاروبار کے لئے نت نئی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔ اس دور میں سفر کا تصور بھی سوہان روح تھا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی صعوبتیں اور دشواریوں کا تصور کر کے لوگ کانپ جاتے تھے۔ ایک ملک سے دوسرے ملک جانا تو جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ ان دشوار ترین حالات میں انہوں نے دو تجارتی سفروں کا انتظام اور آغاز کیا۔ ایک سفر موسم سرما میں اور ایک موسم گرما میں کیا جاتا تھا۔ جب تجارتی قافلے روانہ ہوتے تو پورے مکہ میں میلے کا سماں ہوتا اور جب مال لے کر واپس آتے تو پورے شہر میں گہما گہمی ہو جاتی۔ ان سفروں نے عرب کی معیشت پر گہرا اثر ڈالا اور ان کی کایا پلٹ دی۔ اور ان تجارتی سفروں میں ان کی دلچسپی اور بڑھ گئی۔

علامہ آلوسی بلوغ الارب میں لکھتے ہیں:

''آپ مسافروں کو سوار کیا کرتے تھے۔ لوگوں کے مالی حقوق اپنی جیب سے ادا کرتے۔ اللہ کے

رسول کا نور آپ کے چہرہ پر ضوفشاں رہتا تھا جو آدمی آپ کی زیارت کرتا آپ کے ہاتھ چوم لیتا جب بھی آپ کسی چیز کے پاس سے گزرتے تو وہ سجدہ میں گر جاتی۔ آپ کی سخاوت بطور ضرب المثل عرب میں مشہور تھی۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قریش کے دو سفروں کا آغاز کیا۔ ایک تجارتی سفر سردیوں میں دوسرا تجارتی سرگرمیوں میں۔" (بلوغ الارب جلد 2 صفحہ 283)

عبد مناف کے بیٹوں نے اہل مکہ کے لئے مختلف بادشاہوں سے اجازت نامے حاصل کیے تاکہ یہ لوگ تجارتی مقاصد کے لئے ان ممالک میں آزادی سے آمدورفت جاری رکھ سکیں اور کوئی ان سے تعرض نہ کرے انہیں اجازت ناموں کی وجہ سے اہل مکہ کے کاروبار کا دائرہ وسیع ہوا جہاں بھی یہ لوگ جاتے وہاں کی حکومت ان کی جانوں اور تجارتی کاروانوں کی حفاظت کی ضمانت دیتی۔ یہ لوگ آزادی سے خرید و فروخت کرتے اور خوب نفع کماتے۔ حضرت ہاشم نے شام، روم اور غسان کے حکمرانوں سے اجازت نامہ حاصل کیا۔ عبد شمس نے نجاشی والی حبشہ سے، نوفل نے کسریٰ شاہ ایران سے اور مطلب نے حمیر کے سلاطین سے اجازت نامے حاصل کیے تھے۔

(تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 180 - الکامل ابن اثیر جلد 2 صفحہ 16 - طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 75)

قرآن مجید نے سورۃ القریش میں اسی کا ذکر کیا ہے۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝

ترجمہ: قریش "قریش کے انس والفت کے باعث جو انس انہیں موسم سرما اور موسم گرما کے دونوں تجارتی سفروں کے ساتھ ہے (یہ انس ان کے حق میں راستے کے خطرات نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور ان خطرات کو ان کے ربّ نے مٹایا ہے) انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر کے ربّ کی عبادت کریں جس نے ان کی بھوک کو مٹایا اور خوف کو امن سے بدلا ہے۔" (سورۃ قریش)

ایک عربی شاعر نے ہاشم کی سخاوت اور تجارتی سفروں کا ذکر اپنے اشعار میں اس طرح کیا ہے۔

"ہاشم وہ شخص ہے جس نے مکہ مکرمہ میں اپنی قحط زدہ اور بھوک سے نڈھال قوم کے لئے ثرید تیار کیا اور موسم سرما اور موسم گرما میں وہ تجارتی سفروں کی بنیاد ڈالی۔" (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 136)

اب کچھ باہمی حق و حقوق کے حصول کے ساتھ آپ کا ذاتی صفات و فضائل کا مختصر اور مستند تذکرہ پیش خدمت ہے۔

اپنے ذاتی صفات و خصائل میں عبد مناف کا کوئی جواب نہ تھا۔ ساری قوم ان کو اپنا رئیس سمجھتی تھی۔ اپنے باپ کی تقسیم پر نہ عبد مناف نے کوئی اعتراض کیا اور نہ ان دونوں کی زندگی میں ان کے بیٹوں نے عبدالدار کے بیٹوں سے کوئی جھگڑا کیا۔ لیکن جب دونوں بھائی عبدالدار اور عبد مناف راہی ملک بقا ہوئے تو عبد مناف کے بیٹے اپنے عم

زاد کی شہرت و قابلیت پر زیادہ دیر خاموش نہ رہ سکے۔ وہ اپنے آپ میں شجاعت، شہامت اور سخاوت کی بلند پایہ خوبیاں دیکھتے تھے۔ اس بنا پر وہ سمجھتے تھے کہ اپنے عم زاد بھائیوں سے وہ ان مناصب کے زیادہ حقدار ہیں۔ آخر کار انہوں نے طے کر لیا کہ وہ اپنا حق لے کر رہیں گے۔ انہوں نے خوشبو سے بھرا پیالہ حرم میں رکھ دیا اور اعلان کیا کہ اس کشمکش میں جو قبائل ان کا ساتھ دینا چاہتے ہیں وہ اس پیالہ میں اپنے ہاتھ ڈبوئیں۔ چنانچہ بنو عبد مناف، بنو زہرہ، بنو اسد، بنو تیم بن مرہ اور بنو حارث، بنو فہر قبائل نے اس پیالہ میں اپنے ہاتھ ڈبوئے۔ اس طرح گویا انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اس نزاع میں بنو عبد مناف کا ساتھ دیں گے۔ خوشبو میں ہاتھ ڈبونے کے باعث یہ قبائل مطیبون (خوشبو والے) کے لفظ سے معروف ہوئے۔

بنو عبد الدار نے بھی زور و شور سے مقابلہ کی تیاری شروع کر دی اور اپنے حلیف قبائل کو امداد کے لئے بلایا انہوں نے خون سے بھرا ہوا ایک پیالہ رکھا اور کہا اس پیالہ میں جو شخص ہاتھ ڈالے گا اور اپنے خون آلود ہاتھ کی ایک انگلی چاٹ لے گا وہ ہمارے معاونین میں شمار ہوگا۔ خون آلود انگلی چاٹنے کی وجہ سے یہ قبائل لاعقتہ الدم (خون چاٹنے والے) کے نام سے مشہور ہوئے۔ جن قبائل نے ان کا ساتھ دینے کا عہد کیا وہ یہ ہیں۔ بنو مخزوم، بنو سہم، بنو جمح، بنو عدی بن کعب۔

بعض دانشمند اور نیک فطرت افراد کی کوششوں کے ان میں مصالحت کی صورت پیدا ہوگئی اور یہ طے پایا کہ رفادہ، قیادہ اور سقایہ کے مناصب عبد مناف کے بیٹوں کو ملیں گے۔ حجاب اور لواء کے منصب عبد الدار کے بیٹوں کے سپرد کیے جائیں گے اور دار الندوہ دونوں کے درمیان مشترک رہے گا۔

چنانچہ گھڑ سوار دستوں کی قیادت عبد شمس بن عبد مناف کو دی گئی۔ عبد شمس کے بعد امیہ امیہ کے بعد حرب اور حرب کے بعد ابوسفیان کو یہ منصب ملا۔ جنگ کے وقت لشکر کے سپہ سالار اس خاندان کے لوگ ہوا کرتے تھے۔ احد و خندق میں کفار کے لشکر کا سردار ابوسفیان تھا۔ بدر میں قیادت عتبہ کو تفویض کی گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابوسفیان اس وقت مکہ میں نہ تھا بلکہ قریش کے تجارتی کارواں کے ساتھ شام گیا ہوا تھا۔ عتبہ کیونکہ "تجربہ کار تھا" عمر میں ان سے بڑا تھا اور اہل مکہ کا سردار اور قریبی عزیز تھا اس لئے جنگ بدر کے لئے لشکر کفار کی قیادت انہیں دی گئی تھی۔ (السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان جلد 2 صفحہ 24، 25)

زبیر بن بکار نے اپنی کتاب "الموفقیات" میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قبیلہ قریش کے ہاں زمانہ جاہلیت میں ایک رسم 'اعتفاد' کے نام سے مروج تھی۔

جب کوئی خاندان مفلس و قلاش ہو جاتا تو وہ شہر سے دور صحرا میں نکل جاتے وہاں جا کر اپنے خیمے نصب کر دیتے پھر ان خیموں میں روپوش ہو جاتے۔ یہاں تک کہ وہ وہیں فاقہ کشی سے یکے بعد دیگرے دم توڑ دیتے اور کسی کو خبر نہ ہونے دیتے کہ وہ مفلس اور کنگال ہو گئے ہیں اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ انہیں ایک نوالہ تک

بھی میسر نہیں رہا۔ جب ہاشم جوان ہوئے اور انہیں اس ہولناک رسم کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنی قوم کو اکٹھا کر کے یہ خطبہ دیا۔

''اے گروہ قریش! قبیلہ کی عزت افراد کی کثرت سے ہوتی ہے۔ اہل عرب میں مال کی فراوانی اور افراد کی کثرت کے اعتبار سے تمہیں برتری حاصل ہے لیکن اعتفاد کی بری رسم نے تمہارے بہت سے خاندانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ میری ایک تجویز ہے اگر آپ لوگ اس کو سنیں تو، قوم نے کہا فرمایئے۔ آپ کی ہر تجویز بہت عمدہ ہوتی ہے۔ آپ ہمیں حکم دیں تا کہ ہم اس کی تعمیل کریں۔

ہاشم نے کہا میری رائے یہ ہے کہ تم میں سے جو مفلس اور کنگال ہے ان کو میں دولت مند خاندانوں کے ساتھ ملا دوں۔ ہر غنی کے ساتھ ایک فقیر' غریب مع اس کے کنبہ کے ملا دوں۔ جب تم لوگ اپنے تجارتی کارواں لے کر موسم گرما اور موسم سرما میں شام اور یمن کی طرف جاؤ تو تمہارے نادار بھائی تمہارا ہاتھ بٹائیں اور جب اس کاروبار میں تمہیں نفع ہو تو اس میں تم ان کو شریک کر لو تا کہ وہ تمہارے سایہ میں عزت اور خوشحالی کی زندگی بسر کریں۔ فاقہ کشی کے باعث انہیں مرنے کی نوبت نہ آ جائے۔ اس طرح یہ اعتفاد کی ظالم رسم ختم ہو جائے گی۔ سب نے اس رائے کو بہت پسند کیا۔ پس حضرت ہاشم نے ہر غنی کے ساتھ ایک مفلس خاندان کو ملا دیا اور اس حکمت عملی سے ساری قوم کو ایک دوسرے کے ساتھ مجتمع کر دیا۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد جلد 1 صفحہ 317)

ہاشم اور ان کے بھائیوں کو ''المجیرون'' یعنی پناہ دینے والے کہا جاتا تھا کیونکہ یہ لوگ اپنی سخاوت اور سیادت کے باعث سارے عرب کے لئے بہترین پناہ گاہ تھے۔

ایک دفعہ قحط سالی کے باعث شدید فاقہ تک نوبت پہنچ گئی۔ لوگوں کو کئی کئی روز تک کھانے کے لئے کچھ میسر نہ تھا۔ ہاشم مکہ سے شام گئے وہاں سے آٹا اور کعک (چھان بورا) خریدا اور حج کے ایام میں لدے ہوئے اونٹوں کے ساتھ مکہ واپس آئے۔ روٹیاں پکائی گئیں۔ اونٹ قطار در قطار ذبح ہوتے رہے ان کے گوشت کو پکایا گیا سالن کے شوربے میں روٹیاں کوٹ کوٹ کر ڈالی گئیں اور ثرید بنایا گیا تمام لوگوں کے لئے دستر خوان بچھا دیا گیا اور سب کو کھانے کی دعوت دی گئی۔ سب نے خوب کھایا یہاں تک کہ سیر ہو گئے اس وجہ سے آپ کو ہاشم کہا جانے لگا۔ ہاشم کا معنی ہے روٹیاں توڑ توڑ کر شوربے میں ملانے والا۔

آپ کو ابو البطحاء اور سید البطحاء بھی کہا جاتا عسر و یسر میں ان کا دستر خوان مہمانوں کے لئے بچھا رہتا تھا۔ آپ کی مہمان نوازی اور سخاوت کے بارے میں شعراء عرب نے مدح سرائی میں خوب طبع آزمائی کی ہے۔

حضرت ہاشم کا ایک خطبہ جو فصاحت و بلاغت کے علاوہ حکیمانہ اقوال کا مرقع زیبا ہے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اس کے مطالعہ سے حضرت ہاشم کی بلند نظری اور قوم کی اصلاح و فلاح کے لئے ان کے حکیمانہ انداز فکر کی گہرائیوں اور وسعتوں کا آپ اندازہ لگا سکیں گے۔ وہ مکارم اخلاق جن سے ان کی ذات متصف تھی اس

کا بھی آپ کو کچھ علم ہو جائے گا۔

قریش اور خزاعہ کے دو قبیلے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باہمی منافرت میں ان سے فیصلہ چاہا۔ اس صورت حال میں بجائے اس کے کہ آپ ایک قبیلہ کے فضائل بیان کرتے اور دوسرے کی کمزوریوں اور رذائل کا ذکر کرتے' آپ نے بڑے نرالے انداز سے ان کے متنفر دلوں کو جوڑنے کی اور اخوت و محبت کے رشتہ میں پرونے کی سعی مشکور فرمائی۔ اور وہ یوں:

"اے لوگو! ہم آل ابراہیم ہیں، اولاد اسماعیل ہیں، نضر بن کنانہ کے فرزند ہیں، قصی بن کلاب کے بیٹے ہیں اور مکہ کے مالک ہیں اور حرم میں رہنے والے ہیں۔ حسب کی بلندی اور بزرگی کی پختگی ہمارے لئے ہے۔ جس نے کسی کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا ہے اس کی مدد ضروری ہے اور اگر وہ پکارے تو اس کو لبیک کہنا لازمی ہے بجز اس کے کہ اس کی دعوت اپنے قبیلہ سے سرکشی اور قطع رحمی کی ہو۔ اے قصی کے بیٹو! تم اس طرح ہو جس طرح درخت کی دو ٹہنیاں ہوتی ہیں اگر ان میں سے ایک ٹوٹ جائے تو دوسری بھی وحشت اور نقصان سے دوچار ہوتی ہے۔ تلوار کی حفاظت اس کے نیام ہی سے ہو سکتی ہے جو آدمی اپنے قبیلے پر تیر اندازی کرتا ہے وہ خود بھی اپنے تیر کا نشانہ بنتا ہے۔ اے لوگو! حلم اور بردباری بزرگی ہے، صبر کامیابی کی کلید ہے۔ اچھائی ایک خزانہ ہے اور سخاوت سرداری ہے اور جہالت کمینگی ہے۔

دن بدلتے رہتے ہیں' زمانہ تغیر پذیر رہتا ہے اور ہر انسان کو اپنے کام کی طرف مناسب کیا جاتا ہے اور اپنے عمل کے باعث اس سے باز پرس کی جاتی ہے۔ اچھے کام کرو' لوگ تمہاری تعریف کریں گے۔ فضول باتوں سے دامن کش رہو' بے وقوف لوگ تم سے علیحدہ رہیں گے۔ اپنے ہم نشین کی عزت کرو' تمہاری مجلسیں آباد رہیں گی۔ اپنے شریک کار کی حفاظت کرو' لوگ تمہاری پناہ لینے کے مشتاق ہوں گے۔ اپنی ذات کے ساتھ بھی انصاف کرو' تم پر اعتماد کیا جائے گا۔ مکارم اخلاق کی پابندی کرو' کیونکہ اس میں تمہاری بلندی ہے اور کمینہ عادتوں سے دور رہو کیونکہ اس سے عزت خاک میں مل جاتی ہے اور ناموری کا قصر منہدم ہو جاتا ہے۔"

(اعلام النبوۃ الماوردی صفحہ 176'177)

ایک ایسا ہی تجارتی سفر درپیش تھا ہاشم پورے اہتمام کے ساتھ ملک شام کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ میں قیام کیا اس وقت اسے یثرب کہتے تھے۔ قبیلے کے سردار عمرو بن لبید خزرجی تھے۔ انہوں نے ہاشم کی بڑی خاطر مدارت کی اور انہیں مقام و منصب کے مطابق ٹھہرایا۔ عمرو بن لبید بڑے ہی باحیثیت حسب و نسب والے شخص تھے۔ انہیں اپنے پائے کا کوئی لڑکا نہیں مل رہا تھا جس سے وہ اپنی عفیفہ اور طاہرہ بیٹی سلمٰی کی شادی کر سکیں۔ قدرت کو یہ رشتہ و ملاپ منظور تھا' ہاشم نے اس سلسلہ میں پیشکش کی تو ان کا خاندانی پس منظر دیکھتے ہوئے عمرو بن لبید نے فوراً درخواست منظور کر لی اور شرط عائد کی کہ لڑکی اپنی اولاد کے ہمراہ میکے ہی میں رہے گی۔ یہ شرط ہاشم نے قبول کر لی

اور دونوں کی شادی ہوگئی۔

چند روز ہاشم وہاں رکے پھر تجارت کی غرض سے ملک شام تشریف لے گئے واپسی پر بیوی کو ساتھ لیا اور مکہ مکرمہ آ گئے۔ جب دوسرے تجارتی سفر کا موقع آیا تو پھر بیوی کو ساتھ لیا اور میکے چھوڑ کر خود آگے چلے گئے۔ پھر انہیں سلمٰی کو دوبارہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ نوجوان ہی تھے (تقریباً 25 سال کے تھے) کہ ملک شام کے سفر سے واپس آتے ہوئے مقام غزہ میں فوت ہو گئے آپ کو وہیں دفن کر دیا گیا۔

(زرقانی جلد 1 صفحہ 73- الکامل ابن اثیر جلد 1 صفحہ 17)

سلمٰی جوانی ہی میں بیوہ ہو گئیں۔ کچھ عرصہ بعد ان کے ہاں ہاشم کا بیٹا پیدا ہوا تو قدرے ان کا غم ہلکا ہوا، بیٹے میں انہیں مرحوم شوہر کی شبیہہ نظر آنے لگی۔ انہوں نے نومولود کا نام شیبہ رکھا۔ شیبہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کے بال سفید ہوں۔ یہ جب پیدا ہوئے تو اسی وقت ان کے کچھ بال سفید تھے اسے بزرگی، سیادت اور دانائی کی علامت سمجھا گیا اور یہ بچہ پیدائش کے وقت ہی سے سب کی آنکھوں کا تارا اور دل کا سہارا بن گیا جو دیکھتا قربان ہو جاتا۔ قدرت نے دل موہ لینے والے خصائل عطا فرمائے تھے۔ حرکات وسکنات اطوار وعادات اور باتوں میں ایک شان انفرادیت رکھی تھی جو بھانپنے والے کو فوراً محسوس ہو جاتی تھی۔

ماں نونہال کی یہ شان دیکھتی تو اپنا غم بھول جاتی۔ اسے بیٹے کا مستقبل درخشاں نظر آتا، وہ تصور میں اسے سیادت کی کرسی پر بیٹھا دیکھتی تو خوشی سے بے قابو ہو جاتی اور سینے سے چپکا کر خوب پیار کرتی۔ اسی طرح دن گزرتے رہے اور دیکھتے ہی دیکھتے شیبہ سات سال کا ہو گیا۔

3- سیدنا عبد المطلب بن ہاشم

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ سب سے بڑے بیٹے کا نام ہاشم تھا۔ سب سے چھوٹے کا نام مطلب تھا۔ ہاشم تجارت کے لئے شام جا رہے تھے راستہ میں ان کا گزر یثرب کی بستی سے ہوا۔ حضرت ہاشم یثرب میں عمرو بن لبید خزرجی جو خانوادہ بنی نجار کے سردار تھے ان کے ہاں چند روز کے لئے ٹھہرے۔ اس اثناء میں عمرو کی بیٹی سلمٰی کو دیکھا۔ ہاشم نے اس کا رشتہ اس کے باپ سے طلب کیا۔ عمرو نے بڑی خوشی سے اپنے بچی کا رشتہ مکہ کے قریشی سردار ہاشم کو دینا منظور کر لیا۔ شادی طے پائی لیکن رخصتی نہیں ہوئی البتہ عمرو نے یہ شرط لگائی کہ جب اس کی بچی کے ہاں اولاد پیدا ہونے کا وقت آئے گا تو وہ بچہ بچی اپنے گھر میں جنے گی۔ ہاشم اپنے کاروبار کے سلسلہ میں ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ اپنی کاروباری مصروفیتوں سے فارغ ہونے کے بعد واپسی پر اپنے سسرال آئے۔ عمرو نے اپنی بیٹی کو رخصت کیا۔ آپ اسے لے کر مکہ پہنچے۔ کچھ عرصہ وہاں رہے وہ حاملہ ہو گئیں جب بچے کی پیدائش کا وقت قریب آیا تو حسب وعدہ آپ نے اپنی زوجہ کو اس کے باپ کے پاس یثرب بھیج دیا۔ اس کے بعد آپ تجارتی کارواں کے ہمراہ شام گئے اور وہاں ہی داعی اجل کو لبیک کہی۔

شیبہ اپنی گفتگو، رکھ رکھاؤ اور وضع داری کے اعتبار سے اپنے ہمجولیوں میں بھی ممتاز نظر آتا تھا۔ کھیل کود کے دوران بھی وہ ایسے تحکمانہ انداز سے بات کرتا جیسے وہ کسی بادشاہ کا بیٹا ہو اور باقی بچے سب اس کی رعایا ہوں۔ اسے تیراندازی کے ساتھ بڑا شغف تھا۔ شاید قدرت کو بھی اس کی انفرادیت منظور تھی۔ اس لئے اس چھوٹی عمر میں بھی اس کا تیر سب ساتھیوں سے دور جا کر گرتا تھا جس نے اس میں خود اعتمادی پیدا کر دی۔

تیراندازی کے مقابلے میں جب اس کی باری آتی تو بڑی شان اور حوصلہ مندی کے ساتھ آگے بڑھتا جیسے اپنے جیت جانے کا پکا یقین ہو۔ پھر کمان میں تیر جوڑ کر بڑے فخر سے کہتا "میں بطحاء کے سردار کا بیٹا ہوں، میں ہاشم کا بیٹا ہوں، کس میں ہمت ہے کہ میرا مقابلہ کر سکے؟" پھر تیر چلاتا اور واقعی اس کا تیر سب سے آگے جا کر گرتا۔ اس کے شاہانہ انداز اور من موہ لینے والی باتوں کی وجہ سے سلمیٰ کے بھائی یعنی شیبہ کے ماموں اس سے بہت پیار کرتے تھے خصوصاً اس کے ماموں ابوسعید کو تو اس کے ساتھ والہانہ محبت تھی۔ اسے اس باکمال بچے کا مستقبل بڑا درخشاں اور سہانا نظر آتا تھا۔ وہ جب عالم تصور میں اسے اپنے باپ ہاشم کی جگہ مسند صدارت وسیادت پر متمکن دیکھتا تو اس پر عجیب سرور کا عالم طاری ہو جاتا اور فخر سے اس کی گردن تن جاتی جیسے شیبہ نے اسے پکڑ کر آسمان پر پہنچا دیا ہو۔

شیبہ ایک دن معمول کے مطابق محلے میں بچوں کے ہمراہ کھیل رہا تھا اس کے وہی انداز واطوار تھے۔ حاکمانہ وجاہت چہرے مہرے اور حرکات وسکنات سے عیاں تھی۔ مکہ مکرمہ کا حارثی (بنوحرث بن عبد مناف) کا ایک شخص (حرث بن عبد مناف) ادھر سے گزر رہا تھا وہ دیر تک یہ منظر دیکھتا رہا تھا اور مستقبل کے تصور میں کھو گیا۔ اس نے کھڑے کھڑے ایک فیصلہ کیا اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے وہ یہاں سے سیدھا مکہ مکرمہ میں شیبہ کے چچا اور ہاشم کے چھوٹے بھائی مطلب کے پاس پہنچا جو اس وقت حجر میں مجلس جمائے بیٹھے تھے۔ وہاں پہنچ کر وہ وہاں اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کرنے لگا۔ میں یثرب سے آ رہا ہوں، میں نے وہاں ہاشم کے بیٹے کو دیکھا ہے وہ جسمانی صحت اور شکل وصورت کے علاوہ ذہانت وفطانت اور عادات واطوار میں بھی سب سے زیادہ مختلف ہے۔ اسے ہاشم کا بیٹا ہونے کا احساس اور فخر ہے اور وہ بڑی شان سے اس کا اظہار کرتا ہے۔ ایسے بچے کا اس بدوی ماحول میں رہنا درست نہیں۔ یہاں آ کر وہ بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ اس میں ایک اعلیٰ پائے کا سردار اور قائد بننے کے تمام جوہر موجود ہیں۔ مجھے بڑا افسوس ہے کہ تم نے اتنے عرصہ سے اپنے بھائی کی اس یادگار کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ میں کہتا ہوں کہ تم وقت ضائع کیے بغیر ابھی جاؤ اور اسے ضرور اپنے وطن واپس لاؤ تا کہ وہ ہونہار بچہ اپنے خاندان کے بچوں میں پروان چڑھے۔

حارثی نے مطلب کے سامنے ایسی دلکش تصویر کھینچی اور ایسی ترغیب دی کہ اس کے لئے بیٹھنا دشوار ہو گیا۔ محبت کی ایسی آگ بھڑکائی کہ اشتیاق کے عالم میں اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور بولا اپنا گھوڑا مجھے دو میں ابھی یثرب جاتا ہوں اور اسے لے کر آتا ہوں۔ اس شوق وجلدی میں مطلب نے گھر جا کر کسی کو بتانا بھی گوارا نہ کیا اور یثرب

کی طرف روانہ ہو گیا۔

بچوں میں بیٹھے ہوئے شیبہ پر اس کی نظر پڑی تو حسین وجمیل بھتیجے کو پہلی ہی نظر میں پہچان گیا۔ وہ سب میں ممتاز اور انوکھا نظر آ رہا تھا۔ حارثی کی ایک ایک بات درست تھی۔ شیبہ اس کے دل میں اتر گیا۔ وہ اسے لے کر اپنی بھاوج سلمٰی کے پاس پہنچا اور آمد کا مدعا بیان کیا۔ ماں آبدیدہ ہو گئی مگر بچے کے مستقبل کا تصور کر کے دل کو تسلی دی اور اپنے راج دلارے کو بھیجنے کے لئے رضامند ہو گئی۔

اس بارے میں صحیح قول یہی ہے کہ آپ نے اپنے بھائی کی بیوہ سلمٰی کو کہا کہ وہ بچے سمیت ان کے ہمراہ مکہ چلے تاکہ بچہ کی صحیح ماحول میں مناسب تربیت اور پرورش ہو سکے۔ سلمٰی نے خود تو مکہ آنے سے انکار کر دیا لیکن اپنے بیٹے کے مستقبل کی خاطر بچے کو مکہ بھیجنے پر رضامند ہو گئیں۔

مطلب نے اپنے بھتیجے شیبہ کو اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھایا اور مکہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ چند روز بعد مطلب شیبہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ کی حدود میں داخل ہوئے تو تکان سے چور ہو چکے تھے۔ نازک اندام شیبہ اس طویل سفر سے مرجھا گیا تھا۔ کپڑے غبار آلود تھے، گرد سے چہرہ اٹا پڑا تھا اور وہ مضمحل نظر آ رہا تھا۔ شاید اس خستہ حالت کی وجہ سے یا ویسے ہی بطور مزاح مطلب سے جو شخص بھی پوچھتا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ تو وہ جواب دیتا یہ میرا عبد (غلام) ہے۔

جب وسط مکہ میں اپنے گھر کے قریب پہنچے تو دوپہر کا وقت تھا۔ بڑے بڑے رئیس اپنی اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے۔ جب مطلب ان کے پاس سے گزرے انہوں نے پوچھا آپ کے ساتھ یہ بچہ کون ہے؟ آپ نے جواب دیا یہ میرا عبد یعنی کہ غلام ہے۔ گھر پہنچے بیوی نے بچے کے بارے میں استفسار کیا تو اسے بھی یہی جواب دیا کہ یہ میرا غلام ہے۔ اس طرح ایک ہی دن میں سارے مکہ میں دھوم مچ گئی کہ مطلب کے ساتھ مطلب کا ''عبد'' آیا ہے جو بہت ہی خوبصورت ہے اور پھر سب اس ''عبدالمطلب'' (مطلب کے غلام) کو دیکھنے کے لئے آنے لگے اور یوں شیبہ، عبدالمطلب ہی بن گیا۔ وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا اور کسی کو یاد ہی نہ رہا کہ اس کا اصل نام شیبہ تھا۔ (تاریخ ابن کثیر جلد 2 صفحہ 11)

مطلب نے چچا نہیں باپ بن کر عبدالمطلب (شیبہ) کی ذہنی اور جسمانی تربیت کی اور خدمت ونگہداشت کا حق ادا کر دیا۔ اس خصوصی توجہ، محبت اور دلچسپی نے عبدالمطلب کی صلاحیتوں کو ایسی جلا بخشی کہ وہ ہم نشینوں اور ہم عصروں پر بازی لے گیا اور سب میں منفرد نظر آنے لگا۔ عبدالمطلب کے چچا مطلب کا مقصود بھی یہی تھا۔ اس نے اپنے بھائی اور عبدالمطلب کے باپ ہاشم کی چھوڑی ہوئی جائیداد اور مسند صدارت اس کے سپرد کی اور کہا! تم ہر لحاظ سے اس کے اہل ہو اب اپنی یہ موروثی سیادت اور قبائلی سرداری سنبھالو اور اس کے تقاضے پورے کرو۔ ہمارا جو فرض تھا وہ ہم نے پورا کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد مطلب کا انتقال ہو گیا۔

عبدالمطلب کے چچا نوفل کو اپنے بھتیجے کی یہ شان و شوکت اور سیادت ایک آنکھ نہ بھائی وہ حسد و عناد کا شکار ہو گیا اور رکاوٹیں کھڑی کرنے لگا۔ اس نے عبدالمطلب کی ایک حویلی کے صحن پر بھی غاصبانہ قبضہ جما لیا جس سے یہ اظہار مقصود تھا کہ ہم قوت و طاقت میں تم سے زیادہ ہیں۔ اس لئے حکومت کرنے کا حق بھی ہمیں کو ہے اور ہم تمہاری سرداری نہیں چلنے دیں گے۔

عبدالمطلب نے جب خود کو بے یار و مددگار پایا تو یثرب کی طرف اپنے ماموں ابوسعید کو لکھا اور اسے موجودہ صورتحال سے آگاہ کیا۔

ابوسعید کو نوفل کی اس حرکت پر بڑا غصہ آیا اسی وقت اپنے قبیلے کے اسی (80) نوجوان تیار کیے اور انہیں لے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

عبدالمطلب ماموں کے استقبال کے لیے آیا اور درخواست کی۔

المنزل یا خال (ماموں گھر چلیں)

ابوسعید غصہ سے بھرا ہوا تھا جواب دیا پہلے نوفل سے دو ہاتھ کر لیں پھر گھر چلیں گے۔ وہ حجر میں آ کر کھڑا ہو گیا، تلوار بے نیام کی۔ تمام قریش وہاں موجود تھے۔ وہ بلند آواز سے دھاڑا۔

''ہمارے بھانجے کی حویلی کا صحن جو تم نے چھینا ہے وہ اسے واپس کر دو ورنہ اس کعبہ معظمہ کے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں اس تیغ براں سے تمہارے پرخچے اڑا دوں گا۔''

ابوسعید کی آواز میں ایسی دندناہٹ اور گرج تھی جس نے سب کے پتے پانی کر دیئے۔ اس کا تمتماتا ہوا چہرہ دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ اگر ذرا سی بھی لیت و لعل کی تو ابھی خون کے دریا بہہ جائیں گے اور ابوسعید اور اس کے ساتھی چشم زدن میں سب کو تہہ تیغ کر دیں گے اس لئے نوفل نے فوراً کہا۔

''رب کعبہ کی قسم! میں اس کی زمین واپس کرتا ہوں'' (الکامل فی التاریخ جلد 2 صفحہ 11)

ابوسعید نے وہاں موجود لوگوں کو گواہ بنایا سب معاملہ صاف اور یہ فیصلہ ہو گیا تب اس نے کہا، عبدالمطلب بھانجے! اب چلو گھر چلتے ہیں۔

ماموں ابوسعید نے تین روز تک مکہ میں اپنے بھانجے عبدالمطلب کے ہاں قیام کیا پھر واپس چلا گیا۔

بئر زمزم کی دریافت

آب زمزم اہل عرب کے نزدیک بڑا ہی متبرک اور شفا بخش پانی تھا کیونکہ اس کا چشمہ صافی حضرت جبریل امین علیہ السلام کے تصرف اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مقدس ایڑیوں کی ضرب سے پھوٹا تھا۔ اس لئے محبت والے اسے محبت کے حوالے سے پیتے تھے اور اسے احترام و عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہ کنواں خاص و عام کے لئے چشمہ فیض اور صحرائے بے آب و گیاہ میں آب رسانی اور سیرابی کا واحد ذریعہ تھا۔ لوگ اسی پر آ کر پیاس

بجھاتے پھر یہاں مقیم قبیلہ بنو جرہم کو جلاوطن ہونا پڑا۔

بنو جرہم کو بنوخزاعہ نے جب مکہ سے جلاوطن کیا تو انہوں نے بیت اللہ شریف کے اندر سونے کے جو دو ہرن آویزاں تھے اور تلواریں، زرہیں اور دیگر قیمتی سامان' وہ سب زمزم کے کنویں میں پھینکا پھر اس کو مٹی سے بھر دیا تا کہ بنوخزاعہ وغیرہ ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ سینکڑوں سال زمزم بند پڑا رہا حتیٰ کہ لوگوں کے ذہنوں سے اس کی یاد اور اس کی اہمیت محو ہوگئی۔ لوگ مکہ کے دوسرے کنوؤں سے اپنی ضروریات پوری کرنے لگے۔

امام ابوالقاسم السہیلی اپنی کتاب الروض الانف میں لکھتے ہیں کہ:

''بنو جرہم کی بدکاریوں کے نتیجہ میں زمزم کا پانی خشک ہو گیا تھا اور اس نعمت سے اللہ تبارک تعالیٰ نے انہیں محروم کر دیا تھا۔'' (الروض الانف جلد 1 صفحہ 166)

بئر زمزم کو بند ہوئے صدیاں بیت چکی تھی۔ اب نئی نسل کے ذہنوں میں اس کا دھندلا سا تصور بھی موجود نہیں تھا یا اگر تھا تو وہ اسے عزم واستقلال سے دریافت کرنے اور کوشش سے پالینے کی ہمت نہیں پاتے تھے۔ وقت اسی طرح گزرتا رہا۔

ابن اسحاق، زرقانی اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز حضرت عبدالمطلب کعبہ معظمہ کے قریب موجود تھے کہ غنودگی سی طاری ہوگئی۔ انہوں نے خواب میں دیکھا جیسے کوئی ہاتف کہہ رہا ہو!

احفر طیبتہ! (طیبہ کو کھودو)

وہ خواب سے بیدار ہوئے مگر اس کی تعبیر سے قاصر رہے۔

دوسرے روز پھر وہی خواب آیا، اس دفعہ کسی نے کہا!

احفر برۃ (برہ کو کھودو)

وہ بیدار ہوئے مگر اس کا بھی مفہوم نہ سمجھ سکے۔

تیسرے روز پھر خواب آیا اس دفعہ ہاتف غیبی نے حکم دیا!

احفر مضنونتہ (مضنونہ کو کھودو)

وہ بیدار ہوئے مگر ان کی عقل میں کچھ نہ آیا کہ برہ، طیبہ اور مضنونہ کیا چیزیں ہیں؟ اور انہیں کون سی جگہ کھودنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ چوتھے روز بڑا واضح خواب آیا حکم ہوا' بئر زمزم کو کھودو! وہ مقدس پانی کا کبھی ختم نہ ہونے والا کنواں ہے جو حجاج وزائرین اور یہاں کے باشندوں کو سیراب اور ان کی پانی کی ضروریات پوری کرے گا۔ وہ تمہارے آباؤاجداد کی مقدس میراث ہے۔

الکامل لابن اثیر جلد 2 صفحہ 12 پر اس بارے میں یہ درج ہے۔

''زمزم تیرے پدر نامور کی میراث ہے۔ یہ چشمہ ہے کہ نہ اس کا پانی ختم ہوتا ہے اور نہ اس کی مرمت کی جاتی

ہے۔ اس سے حجاج کرام کو سیراب کیا جاتا ہے۔ یہ گوبر اور خون کے درمیان میں ہے جہاں کالا کوا چونچیں مار رہا ہے۔ چیونٹوں کی بستی کے بالکل قریب ہے۔"

ابن اسحاق، زرقانی اور بیہقی نے اس کو حضرت علی ﷛ کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے۔

"اگر تم اسے کھود و گے تو پالو گے تمہیں مایوس و پشیمان نہیں ہونا پڑے گا۔ وہ اساف و نائلہ کے چبوترے کے سامنے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر کے پاس ہے۔ اہم ترین نشانی یہ ہے کہ جب تم وہاں پہنچو گے تو ایک کوا زمین پر آکر چونچ مارے گا اسی کے نیچے 'چاہِ زمزم' ہے۔ (ابن اسحاق - ازرقی - بیہقی بہ روایت حضرت علی ﷛)

ان واضح خوابوں سے چاہِ زمزم کے بارے میں حضرت عبدالمطلب کو یقین ہو گیا وہ قریش کے پاس گئے اور اپنا خواب بیان کیا اور حوصلہ دینے کے لئے علامات وشواہد سے بھی آگاہ کیا' مگر سینکڑوں من ریت کا تصور کر کے قریش نے ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ وہ بے دلی سے بولے! اوّل تو خواب کا کوئی اعتبار ہی نہیں اور اگر یہ خواب سچا بھی ہو تو سینکڑوں من ریت ہٹانا' اس کے نیچے سے کنواں برآمد کرنا اور اسے قابل استعمال بنانا ایک مشکل بلکہ ناممکن بات ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

عبدالمطلب، قریش کی طرف سے کورا جواب پا کر بہت افسردہ ہوئے مگر چونکہ انہیں یقین تھا کہ یہ حکم ربانی ہے اور وہ ضرور مدد کرے گا اس لئے اپنے طور پر ہی کمر ہمت باندھ کر میدان میں آنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس وقت ان کا ایک ہی بیٹا حارث تھا اسے ساتھ لیا اور چاہِ زمزم کے محل وقوع پر پہنچے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ بتوں کے ایک چبوترے کے سامنے' قربان گاہ کے قریب اوجھری کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک کوا آیا اور اس نے اوجھری سے گوبر نکال کر بکھیرنا شروع کر دیا۔ گوبر میں گندم وغیرہ کے دانے تھے وہ انہیں چننے (چگنے' کھانے) کے لئے زمین پر ٹھونگے مارنے لگا۔

حضرت عبدالمطلب کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ سب خوابوں کی نئی اور پرانی تمام نشانیاں پوری ہو گئیں تھیں۔ انہوں نے بیٹے حارث سے کہا۔

"کمر ہمت باندھ لو یہی وہ جگہ ہے جس کی بشارت دی گئی ہے۔"

دونوں ہمت وحوصلہ سے کھدائی کے لئے تیار ہو گئے اور جب وہ جگہ کھودنے لگے تو قریش حوصلہ افزائی کی بجائے حوصلہ شکنی اور اعتراض کرنے کے لئے آ گئے کہ آپ لوگ بتوں کے چبوترے کی بے حرمتی کر رہے ہیں مگر حضرت عبدالمطلب نے ان کی کسی بات پر کان نہ دھرا اور باپ بیٹا سب سے بے نیاز ہو کر اپنے صفائی کھدائی کے کام میں لگے رہے۔ عبدالمطلب مٹی کھودتے تھے اور حارث ٹوکری' زمبیل بھر بھر کر وہ مٹی دور پھینک دیتا تھا۔ وہ دونوں باپ بیٹا اطاعت وفرمانبرداری کا پیکر بن کر شب وروز اس کام میں لگے رہے۔ آخر ان کی جدوجہد، خلوص بھری محنت اور دن رات کی عرق ریزی رنگ لائی۔ نیچے سے کنویں کی دیوار کے پتھر نظر آنے لگے۔ حارث خوشی

سے چیخ پڑا ابا جان! کنواں مل گیا۔

آناً فاناً پورے مکہ میں یہ خبر پھیل گئی کہ صدیوں پرانا مقدس کنواں مل گیا ہے۔ سب لوگ زیارت کے لئے امڈ پڑے۔

قریش چڑھ دوڑے اور بولے۔

اے عبدالمطلب! یہ ہمارے باپ اسماعیل کا کنواں ہے اس میں ہمارا بھی حق ہے لہٰذا ہمیں اس میں شریک کرو۔ (البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 245)

یہ بے جا دعویٰ سن کر حضرت عبدالمطلب کو بڑا دکھ ہوا، بولے!

بے انصافی اور ستم ظریفی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے، امداد و اعانت کے لئے کہا تھا تو کسی نے حامی نہیں بھری تھی، ایک ٹوکری تک اٹھانے کا کوئی روادار نہیں تھا سب دیکھتے، مذاق اڑاتے اور زیر لب مسکراتے رہے کہ اچھا ہے، باپ بیٹے مرکھپ رہے ہیں، اب کنواں مل گیا ہے تو حق جتانے کے لئے آ گئے ہیں۔

قریش اڑ گئے! خواہ کچھ ہو ہم اس میں برابر کے شریک ہیں۔

عبدالمطلب گویا ہوئے ''میں اس صریح ظلم و زیادتی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں تم لوگ عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ رہے ہو۔''

اس موقع پر حضرت عبدالمطلب کے دل سے ایک درد بھری آہ نکلی اور انہیں کثرت اولاد کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ سوچنے لگے کہ آج اگر ان کے جوان بیٹے ہوتے تو کسی کو ان کے سامنے دم مارنے اور اس طرح سینہ تان کر بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ انہوں نے اسی جگہ نذر مانی کہ اے اللہ! مجھے دس جوان بیٹے عطا فرما، میں ان میں سے ایک بیٹا تیری راہ میں قربان کروں گا جس طرح حضرت خلیل اللہ! ابراہیم علیہ السلام نے قربان کیا تھا۔

دل ہی دل میں یہ نذر مان کر وہ قریش سے مخاطب ہوئے!

تمہارا یہ مطالبہ کہ تم اس میں برابر کے شریک ہو ناحق ہے۔ میں تمہیں اس میں شریک نہیں کروں گا کیونکہ یہ انعام خاص اللہ تبارک تعالیٰ نے صرف مجھ پر کیا ہے اس میں کسی کی شرکت میں منظور نہیں کروں گا۔ انہوں نے کہا ہم آپ کو اس کے کھودنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ جب جھگڑا زیادہ بڑھا تو یہ طے پایا کہ دونوں فریق کسی کو اپنا ثالث مقرر کر لیں جو فیصلہ وہ دے اس پر سب عمل کریں۔ جنگ اور خونریزی سے بچنے کی یہی ایک صورت تھی چنانچہ قبیلہ سعد بن ہزیم کی کاہنہ کو حکم مقرر کیا گیا جو ملک شام میں رہتی تھیں۔

فریقین اپنے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس کی طرف روانہ ہوئے بنی سعد کا قبیلہ شام کی سرحد کے قریب رہائش پذیر تھا راستہ میں چٹیل میدان اور بے آب و گیاہ صحراؤں سے گزرنا پڑتا تھا۔ اثنائے سفر حضرت عبدالمطلب کے پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ انہوں نے دوسرے فریق سے پانی طلب کیا انہوں نے صاف انکار کر دیا اور یہ لوگ

شدت پیاس سے نڈھال ہوتے جا رہے تھے موت سامنے نظر آنے لگی۔

حضرت عبدالمطلب نے ساتھیوں سے مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ سب لوگ اپنی اپنی قبر کا گڑھا کھودیں جب کوئی دم توڑ دے تو اسے اس کے گڑھے میں دفن کر دیا جائے۔ آخر میں جو آدمی رہ جائے گا اگر اس کو کسی نے دفن نہ کیا تو کوئی حرج نہیں۔ بجائے اس کے کہ سب کی لاشیں بے گور و کفن پڑی رہیں' اس سے یہ بہتر ہے کہ آخری آدمی تجہیز و تکفین سے محروم رہ جائے چنانچہ ہر ایک نے اپنی اپنی قبر کا گڑھا تیار کر لیا اور موت کا انتظار کرنے لگے۔

حضرت عبدالمطلب نے پھر کہا یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اور موت کا انتظار کرنا کوئی جوانمردی نہیں۔ اٹھو جب تک جسم میں جان ہے قدم آگے بڑھاتے ہیں ممکن ہے اللہ تبارک تعالیٰ ہمارے بچانے کا کوئی سامان مہیا فرما دے۔ چنانچہ سب نے اپنے اونٹوں پر کجاوے کسے اور ان پر سوار ہو گئے۔ جب حضرت عبدالمطلب نے اپنا اونٹ اٹھایا تو اس کے پاؤں کے نیچے سے چشمہ ابل پڑا۔ پانی ٹھنڈا بھی تھا اور میٹھا بھی۔ سب نے خوب سیر ہو کر پیا اور اپنے مشکیزے بھی بھر لئے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا کہ دوسرے فریق کو بھی کہو وہ بھی اس چشمہ سے جی بھر کر پانی پی لیں اور اپنے برتن بھر لیں۔

بیس آدمی عبدالمطلب کے تھے اور بیس آدمی قریش کے تھے یعنی دونوں قافلوں میں کل چالیس آدمی تھے۔ عبدالمطلب کے بعض ساتھیوں نے اس پر اپنی ناگواری کا اظہار کیا کہ جب ہم نے ان سے پانی مانگا تو انہوں نے انکار کر دیا اب ہم انہیں اپنے پانی سے پینے کی اجازت کیوں دیں۔ عبدالمطلب نے فرمایا اگر ہم بھی ایسا ہی کریں تو پھر ہم میں اور ان میں کیا فرق باقی رہ جائے گا۔ آپ نے اپنے مدمقابل فریق کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور اس چشمہ سے اپنی پیاس بجھائیں۔ جب فریق ثانی نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو کہا عبدالمطلب اب آگے جانے کی ضرورت نہیں اللہ تبارک تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے۔ جب اس نے اس لق و دق صحرا میں تمہارے اونٹ کے پاؤں کی ٹھوکر سے چشمہ جاری کر دیا تو زمزم بھی صرف تمہارا ہے۔ ہم اس میں حصہ داری کا دعویٰ واپس لیتے ہیں چنانچہ دونوں گروہ واپس آ گئے۔

حضرت عبدالمطلب نے کھدائی مکمل کی' سونے کے دو ہرن، قیمتی تلواریں اور زرہیں بھی برآمد ہو گئیں۔ قوم نے ان چیزوں سے حصہ کا مطالبہ شروع کر دیا۔ جھگڑے نے پھر سنگین صورت اختیار کر لی آپ نے کہا آؤ بذریعہ فال اس کا فیصلہ کریں۔ فال کی صورت یہ تجویز ہوئی کہ دو حصے کعبہ کے دو حصے عبدالمطلب کے اور دو حصے باقی قوم کے۔ جب قرعہ اندازی کی گئی تو کعبہ کے حصہ کے دو تیر ہرنوں پر۔ حضرت عبدالمطلب کے دو تیر تلواروں اور زرہوں پر پڑے اور قوم کے دونوں تیر خالی نکلے۔ آپ نے سونے کے ہرنوں کو گلا کر سونے کے پترے بنوائے اور کعبہ شریف کے دروازے پر جڑ دیئے' منڈھ دیئے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل علیہ السلام والے مقدس مینڈھے کے دو سینگ بھی کنویں سے برآمد ہوئے تھے جو حضرت عبدالمطلب نے خانہ کعبہ میں

رکھوا دیئے جہاں سے بعد میں چوری ہو گئے۔ (الکامل لابن اثیر جلد 2 صفحہ 12 تا 14 دلائل النبوۃ بیہقی، السفر الاول صفحہ 86)

ابرہہ کا حملہ

آپ کی زندگی کا ایک عظیم واقعہ خانہ کعبہ پر ابرہہ کی لشکر کشی ہے۔ شاہ حبشہ نے یمن فتح کرنے کے بعد ارياط کو اپنا گورنر مقرر کیا اور ابرہہ کو اس کا نائب متعین کیا۔ جلد ہی ان میں اقتدار کی کشمکش شروع ہو گئی چنانچہ دونوں کے لشکر جنگ کے لئے صف آراء ہو گئے۔ ابرہہ نے تجویز پیش کی کہ بجائے اس کے کہ ہم اپنی فوجوں کو لڑائیں اور عوام کو موت کے گھاٹ اتاریں بہتر یہ ہے کہ ہم آپس میں زور آزمائی کریں۔ ہم میں سے جو غالب آ جائے ساری فوج اس کے پرچم کے نیچے جمع ہو جائے۔

ارياط نے ابرہہ کی تجویز کو پسند کیا دونوں اسلحہ سے آراستہ ہو کر میدان میں آئے اور باہمی جنگ شروع ہو گئی جس میں ارياط مارا گیا اور اقتدار ابرہہ کو منتقل ہو گیا۔ ابرہہ نے شاہ حبشہ کو مزید خوش کرنے کا سوچا اور یوں اسے بھی سرکش و مغرور حکمرانوں کی طرح ذاتی نمائش کا خیال آیا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ لوگ اسی کے گرد گھومیں اور صبح و شام اسی کا طواف کریں کسی کو اس کی ذات میں دلچسپی لینے اور دل میں اس کی عقیدت بسانے کے سوا اور کوئی کام نہ ہو۔

اس ضمن میں سوچتے سوچتے وہ سوچنے لگا لوگ مکہ میں فقط ایک کعبہ کی زیارت کے لئے لوگ ہزاروں کی تعداد میں جاتے ہیں۔ ان کا جوش و خروش، حیرت انگیز جذبہ، عقیدت سے لبریز ولولہ اور والہانہ پن دیدنی ہوتا ہے حالانکہ وہ ایک کچا کوٹھا ہے اور اس پر کالا غلاف چڑھا ہوا ہے اس میں آرائش و زیبائش نام کی کوئی چیز نہیں۔ اگر میں اپنے ملک یمن میں کعبہ کے مقابلہ میں انتہائی خوبصورت دیدہ زیب اور آراستہ و پیراستہ محل بنالوں اور پھر اہل عرب کو دعوت دوں کہ کعبہ کی بجائے وہ اس کی زیارت اور حج کے لئے آئیں تو مجھے یقین ہے وہ اس سادہ عمارت کی بجائے میرے محل کی زیارت کو ترجیح دیں گے اور دل و جان سے اس کا حج کرنے کے لئے آنے لگ جائیں گے۔

اس خام خیالی کو فوری طور پر عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے اپنے دل میں مصمم ارادہ کر لیا۔ ماہر ترین کاریگر، صاحب ہنر فنکار اور مانے ہوئے معمار کام پر لگا دیئے۔ انجینئرز اور مہندسین کو حکم دیا کہ اپنی تمام فنی صلاحیتیں بروئے کار لائیں اور ایسا محل تیار کریں جو کسی نے نہ دیکھا ہو۔ جو بھی اس کا نظارہ کرے دنگ رہ جائے اور اس کی رعنائی و زیبائی میں کھو جائے۔ تعمیر کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کام میں تیزی پیدا کرنے کے لئے مزدوروں کو حکم دیا گیا کہ سورج نکلنے سے پہلے زیر تعمیر عمارت پر پہنچ جایا کریں جو دیر کرے گا اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ دہشت کی فضاء قائم کرنے کے لئے اس ظالمانہ حکم پر عمل بھی کیا۔

ملکہ بلقیس کے محل کے کھنڈرات کے قریب ہی تھے۔ وہاں سے منقش پتھر منگوائے گئے۔ رخام سنگ مرمر، سنگ یشب، یاقوت، زر و جواہر چاندی، آبنوس اور تعمیر و آرائش میں کام آنے والی اشیاء اور دیگر خام مال کے ڈھیر لگا دیئے گئے۔ معماروں نے اپنے فن کے خوب جوہر دکھائے۔ یہاں تک کہ ایک نہایت ہی عالیشان شفاف اور

روشن محل تیار ہو گیا۔ جب ابرہہ نے اس کا جائزہ لیا تو اسے اپنے مقصد کے عین مطابق اور تسلی بخش پایا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب عرب اس کی زیارت کے لئے ضرور آئیں گے۔ اس نے ہر پہلو پر غور کر کے فیصلہ کیا کہ اتنے حسین وجمیل اور آراستہ وپیراستہ محل کے حج کی دعوت دینے میں کوئی حرج نہیں۔ عربوں کا فرض بنتا ہے کہ مکہ میں عمارت کعبہ کو بھول جائیں اور اس محل کو ترجیح دیں اور اسی کو قبلہ مقصود بنائیں۔

اس نے عرب کے طول وعرض میں اعلان کرا دیا کہ حج اور زیارت کے لئے ایک بہتر عمارت تعمیر کر لی گئی ہے اس لئے آئندہ زائرین ادھر کا رخ کریں اور حج کرنے کے لئے مکہ نہ جائیں۔ عربوں کے اندر اس اعلان سے بڑا اشتعال پیدا ہوا۔ بنو کنانہ کے ایک شخص کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے ابرہہ کو سبق سکھانے کی ٹھان لی۔ یمن گیا اور موقعہ پا کر اس عمارت میں غلاظت اور گندگی بکھیر دی اور ہر طرف تعفن پھیلا دیا۔ زینت کی اشیاء کو درہم برہم کر دیا۔ جب ابرہہ کو پتہ چلا کہ ایک عربی باشندے نے اس کے محل کی توہین کی ہے تو آگ بگولا ہو گیا۔ اشتعال میں آ کر قسم کھائی کہ وہ بھی اس گھر (خانہ کعبہ) کی اسی طرح بے حرمتی کرے گا جس طرح اس کے محل کی کی گئی ہے اور اسے منہدم کر دے گا۔

اس نے ساٹھ ہزار فوج کو تیار ہونے کا حکم دے دیا۔

اہل یمن بھی کعبہ شریف کی دل سے عزت وتکریم کرتے تھے انہوں نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے ابرہہ سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یمن کے ایک سردار ذونفر نے اپنی قوم کو ابرہہ کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی تا کہ وہ بیت اللہ شریف کو اس کی ناپاک کوششوں سے بچا سکے۔ فریقین میں زبردست جنگ ہوئی لیکن ذونفر اور اس کے ساتھیوں کو شکست ہوئی اور اس کو جنگی قیدی بنا کر ابرہہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ ذونفر نے کہا اے بادشاہ! تو مجھے قتل نہ کر کیونکہ میری زندگی تیرے لئے میرے قتل سے زیادہ فائدہ مند ثابت ہو گی۔ ابرہہ نے اس کی جان بخشی کی لیکن اس کو مقید رکھا۔

وہاں سے ابرہہ بدارادے کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہوا۔ بنی خثعم کے علاقے سے گزرا تو نفیل بن حبیب خثعمی نے قبائل عرب کو ساتھ ملا کر اس کے ساتھ جنگ کی لیکن اس دفعہ بھی فتح ابرہہ کو نصیب ہوئی۔ نفیل جب قیدی بنا کر اس کے سامنے پیش کیا گیا تو نفیل نے کہا اے بادشاہ! مجھے قتل نہ کر سرزمین عرب میں میں تمہارے لئے راہنما کا کام کروں گا اور میں خثعم کے دو قبیلوں شہران اور ناہن کی طرف سے اظہار اطاعت کے لئے اپنے دونوں ہاتھ تیری خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ابرہہ نے اس کو معاف کر دیا۔

جب ابرہہ نے مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی شروع کی تو نفیل بطور راہنما اس کے ہمراہ تھا۔ جب ابرہہ کا گزر طائف سے ہوا تو مسعود ثقفی اپنے قبیلے ثقیف کے ساتھ چند آدمیوں کو ہمراہ لے کر اس کی پیشوائی کی لئے نکلا اور اسے کہا اے بادشاہ! ہم تیرے غلام ہیں' ہم تیرے ہر حکم کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ ہمارے دلوں میں تیری

مخالفت کا کوئی شائبہ نہیں اور ہمارا یہ معبد وہ نہیں جس کو گرانے کے لئے تو نکلا ہے وہ معبد تو مکہ میں ہے۔ ہم تمہارے ساتھ ایسا آدمی بھیجیں گے جو تمہاری رہنمائی کرے گا۔ طائف میں جو معبد تھا اس میں انہوں نے لات کا بت رکھا ہوا تھا۔ اس کی پرستش کی جاتی تھی اور اس کے کوٹھے کا طواف کیا جاتا تھا۔ اہل طائف نے ابرہہ کے ساتھ ابورغال نامی ایک شخص کو بھیجا تا کہ وہ اسے مکہ جانے کا راستہ بتائے۔

ابرہہ ابورغال کی معیت میں طائف سے روانہ ہوا یہاں تک کہ مغمس پہنچا یہاں اس نے آرام کے لئے قیام کیا۔ اس مقام پر پہنچ کر ابورغال کی زندگی کی مہلت پوری ہوگئی وہیں وہ ہلاک ہوگیا اور اسے وہیں زمین میں دبادیا گیا۔ اہل عرب جب بھی وہاں سے گزرتے ہیں تو ابورغال کی قبر پر سنگ باری کرتے ہیں۔ اس اثناء میں ابرہہ نے ایک حبشی فوجی افسر جس کا نام اسود بن مقصود تھا جو اس کے گھڑ سوار دستے کا افسر تھا' اسے مکہ کی طرف بھیجا۔ تہامہ کی چراگاہوں میں قریش اور دیگر قبائل کے جو اونٹ چر رہے تھے ان کو ہانک کر وہ ابرہہ کے پاس لے آیا ان اونٹوں میں دو سو اونٹ حضرت عبدالمطلب کے بھی تھے۔ آپ اس وقت قریش کے سردار تھے۔ قریش' کنانہ اور ہذیل کے قبائل نے ارادہ کیا کہ ابرہہ کا مقابلہ کریں لیکن اس کی بے پناہ قوت کے سامنے اپنے آپ کو بے بس محسوس کیا اس لئے اس سے لڑائی کا ارادہ ترک کردیا۔

ابرہہ نے اپنا خاص قاصد اہل مکہ کی طرف روانہ کیا اس کا نام ''حباطہ حمیری'' تھا' (کچھ کتابوں میں اس کا نام حناط لکھا ہے) کہ تم جاؤ اور اس شہر کا جو رئیس ہے اس سے جا کر ملاقات کرو اور اسے یہ کہو کہ بادشاہ تمہیں کہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نہیں آیا، میں تو اس کعبہ کو گرانے کے لیے آیا ہوں۔ اگر تم میرے راستہ میں حائل نہ ہو تو مجھے تمہاری خونریزی کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر وہ میرے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو اس کو میرے پاس لے آنا۔

حباطہ جب مکہ میں داخل ہوا تو اس نے پوچھا کہ قریش کا سردار کون ہے اسے بتایا گیا کہ عبدالمطلب بن ہاشم اپنی قوم کے سردار ہیں۔ یہ شخص ان کے پاس گیا اور ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ اور ابن ہشام میں اس بارے میں یہ درج ہے۔

حباطہ بڑی ترنگ میں مکہ کی طرف آیا۔ اسے نشہ تھا کہ وہ ایک عظیم فوج کے مالک اور یمن کے تاجدار کا نمائندہ ہے مگر جب حضرت عبدالمطلب کے سامنے پہنچا، اور حضرت عبدالمطلب کے نورانی اور ضیابار چہرے پر نظر پڑی تو ساری شیخی بھول گیا۔ عظمت و وجاہت کے اس پیکر کو دیکھ کر کپکپی طاری ہوگئی، زبان لڑکھڑا گئی اور رعب حسن سے بے ہوش ہوگیا۔ اس کی حالت یہ ہوگئی' گویا اس پر نزع کا عالم طاری ہوگیا ہو اور ایسی آواز نکالنے لگا جیسی آواز ذبح کے بعد بیل نکالتا ہے۔ جب حواس ٹھکانے آئے عبدالمطلب کے سامنے سجدے میں گر گیا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ واقعی قریش کے سردار ہیں۔ (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ جلد 1 صفحہ 85)

جب حناطہ الحمیری اچھی طرح سنبھل گیا تو اس نے کہا مجھے ابرہہ نے یہ پیغام دے کر آپ کے پاس بھیجا ہے کہ ہم جنگ کے لئے نہیں آئے بلکہ فقط کعبہ کو گرانا چاہتے ہیں۔

ابن ہشام میں یوں درج ہے۔

جب حضرت عبدالمطلب کو علم ہوا کہ ابرہہ آ رہا ہے اور اس کے عزائم خطرناک ہیں تو بہت فکر مند ہوئے لیکن اطمینان تھا کہ اللہ تبارک تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا۔ ابرہہ نے مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر اپنے فوجیوں کو کھلی تباہی کا حکم دے دیا۔ وہ گئے اور گردونواح سے جانور پکڑ کر لے آئے۔ ان میں حضرت عبدالمطلب کے دوسو اونٹ بھی تھے۔ ابرہہ نے اپنے ایک امیر حناطہ کو بھیجا کہ وہ امیر مکہ عبدالمطلب سے جا کر ملے اور بتائے میں تمہارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نہیں آیا میرا مقصد فقط اس گھر کو گرانا ہے۔ اگر تم مجھ سے تعرض نہ کرو تو مجھے تمہارے خون بہانے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 48)

حضرت عبدالمطلب نے کہا بخدا ہم اس کے ساتھ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے اور نہ ہمارے پاس یہ طاقت ہے کہ اس کے ساتھ لڑائی کر سکیں۔ یہ اللہ تبارک تعالیٰ کا حرمت والا گھر ہے۔ اس گھر کو اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا ہے اگر وہ خود اس کی حفاظت کا بندوبست کرے تو یہ اس کا گھر ہے اور اس کا حرم ہے اور اگر وہ خود ابرہہ کی مزاحمت نہ کرے اور اس کو اپنا گھر گرانے دے تو اس کی مرضی۔ ہم میں یہ طاقت نہیں کہ ابرہہ کا مقابلہ کر سکیں جب حناطہ کو یقین ہو گیا کہ اہل مکہ ابرہہ کے ساتھ جنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تو اس نے حضرت عبدالمطلب کو ابرہہ کے پاس جانے کو کہا۔

عبدالمطلب اپنے چند لوگوں کے ہمراہ حناطہ کے ساتھ ابرہہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب اس کے لشکر میں پہنچے تو آپ نے ذونفر کے بارے میں پوچھا وہ آپ کا پرانا دوست تھا آپ کو اس کے پاس لے جایا گیا جہاں وہ قید تھا۔ اسے کہا اے ذونفر! جو مصیبت ہم پر نازل ہوئی ہے کیا اس میں تم ہمارے کسی کام آ سکتے ہو اس نے کہا میں ایک بے بس قیدی ہوں بادشاہ جب چاہے مجھے موت کے گھاٹ اتار دے اس حالت میں میں تمہاری کیا خدمت بجالا سکتا ہوں۔ البتہ ابرہہ کے ہاتھی کا سائیس جس کا نام انیس ہے وہ میرا دوست ہے میں اس کو بلا کر آپ کا تعارف کرا دیتا ہوں وہ بادشاہ سے آپ کی ملاقات کرا دے گا ممکن ہے اس مصیبت سے نجات کی کوئی صورت نکل آئے۔

چنانچہ اس نے انیس کو بلایا اور اسے عبدالمطلب کا تعارف کرایا کہ یہ قریش کے سردار ہیں اور مکہ کے تجارتی کارواں کے سربراہ ہیں ان کی سخاوت کی یہ کیفیت ہے کہ ان کا دسترخواں ہر وقت بچھا رہتا ہے۔ انسان تو انسان پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسیرا کرنے والے درندے پرندے بھی ان کے دسترخوان سے اپنے پیٹ بھرتے ہیں۔ بادشاہ کے ملازمین ان کے دوسو اونٹ ہانک کر لے آئے ہیں تم ان کی جو مدد کر سکتے ہو ضرور کرو۔ انیس نے وعدہ کیا' انیس ابرہہ کے پاس گیا اور عبدالمطلب کا تعارف کرایا اور ان کو ملاقات کی اجازت لے دی۔

حضرت عبدالمطلب حسن و جمال کے پیکر تھے' چہرے سے وجاہت اور شرافت کے آثار نمایاں تھے۔ ابرہہ نے جب آپ کو دیکھا آپ کی بڑی تعظیم کی بڑے آداب بجالایا اور یہ پسند نہ کیا کہ خود تخت کے اوپر بیٹھے اور انہیں نیچے بٹھائے اور یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ ان کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھائے۔ مبادا لشکر کے لوگ اس کا برا منائیں چنانچہ ابرہہ اپنے تخت سے نیچے اتر آیا اور قالین پر بیٹھ گیا اور آپ کو بھی اپنے پہلو میں ساتھ قالین پر بٹھایا پھر ترجمان کو کہا ان سے پوچھو یہ کس کام کے لئے آئے ہیں؟

ابن ہشام میں اس کا ذکر یوں ہے۔

حضرت عبدالمطلب عربی حسن و جمال اور عظمت وجلال کی ایک نمائندہ مثال تھے جب ابرہہ نے اس پیکر جمال کو دیکھا تو مبہوت ہو گیا۔ عزت و تکریم سے پیش آیا اور گوارا نہ کیا کہ دوسرے لوگوں کی طرح انہیں نیچے بٹھائے۔ (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 49)

المواہب اور سیرت حلبیہ میں یہ بھی ہے کہ آپ کے احترام میں ابرہہ کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہ اس کے برابر تخت پر بیٹھیں اس لئے خود نیچے اتر کر آپ کے پاس قالین پر بیٹھ گیا۔ المواہب اور سیرت حلبیہ وغیرہ میں یہ بھی مروی ہے کہ ابرہہ کا ہاتھی بھی حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں چمکتے ہوئے نور محمدی ﷺ کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اسے زبان دی اور ہاتھی نے قابل فہم زبان میں اس نور محمدی ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔

ابرہہ آپ کی شخصیت سے بے حد مرعوب و مسحور تھا' بولا! فرمایئے کس مقصد کے لئے تشریف لائے ہیں؟

آپ نے فرمایا: تمہارے فوجی میرے اونٹ ہانک کر لے آئے ہیں وہ واپس کر دیں۔

ابرہہ انگشت بدنداں رہ گیا، حیرت سے بولا میں تو آپ کی شخصیت و وجاہت سے بے حد متاثر ہوا تھا مگر آپ کی بات سن کر میری ساری عقیدت ختم ہو گئی ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ میں آپ کی عقیدتوں کے مرکز کعبہ کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں اور آپ کو دو سو اونٹوں کی پڑی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ آپ کعبہ کے موضوع پر مذاکرات کرتے مگر اونٹوں کو بیچ میں لا کر آپ نے انتہائی سطحیت کا ثبوت دیا ہے۔

حضرت عبدالمطلب مسکرائے فرمایا تم یہ راز نہیں سمجھ سکو گے میں فقط اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے ان کی سلامتی چاہتا ہوں۔

اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔

ابرہہ نے بڑے غرور سے کہا کوئی بھی میری زد سے کعبہ کو نہیں بچا سکتا آپ نے فرمایا تو جان اور وہ جانے' کعبہ کا مالک خود اس کی حفاظت کر لے گا اور تجھے بھی پتہ چل جائے گا۔ ابرہہ اس معنی خیز جواب کو تو نہ سمجھ سکا' البتہ اس نے عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دیئے۔ (المواہب و سیرت حلبیہ)

حضرت عبدالمطلب ابرہہ کی ملاقات کے بعد واپس آ گئے اور قریش کو سارے حالات سے آگاہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ مکہ سے نکل جائیں اور پہاڑوں کی غاروں اور چوٹیوں میں پناہ گزیں ہو جائیں۔ مبادا ابرہہ کا لشکر مکہ میں داخل ہو کر قتل و غارت گری کرے۔

ابن ہشام اور زرقانی میں اس کو یوں بیان کیا ہے۔

عبدالمطلب نے مکہ آ کر اپنے عوام کو حکم دیا وہ گھر بار چھوڑ دیں اور پہاڑوں پر نکل جائیں آپ نے پہاڑ پر پہنچ کر دعا کی۔

اے اللہ! ہر بندہ اپنے گھر بار کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر بار کی حفاظت کر۔ کل تیری قوت و طاقت پر ان کی قوت اور صلیب ہرگز غالب نہ آئے۔ صلیب کے پجاریوں اور ماننے والوں پر آج اپنے بندوں کی مدد فرما۔ (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 51)

پس آپ کی پیشانی پُر نور محمدی ﷺ کا دائرہ چاند کی طرح گھوما اس میں زبردست روشنی پیدا ہوئی۔ جو پھیلتی ہی چلی گئی یہاں تک کہ کعبۃ اللہ تک پہنچ گئی۔ (زرقانی جلد 1 صفحہ 85)

حضرت عبدالمطلب نے جب یہ نورانی منظر دیکھا تو فرمایا!

یا معشر عرب! خوش ہو جاؤ تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے۔ اس وقت نور مبارک کی یہ چمک اس بات کی علامت ہے کہ کامیابی اور خوشی تمہیں نصیب ہو گی اور تمہارا دشمن ذلیل و ہلاک ہو گا۔

پھر آپ اپنے ساتھ چند آدمیوں کو لے کر خانہ کعبہ کے پاس آئے اور اس کے حلقہ کو پکڑ کر اللہ تبارک تعالیٰ کی جناب میں فریاد کرنے لگے اور ابرہہ اور اس کے لشکر پر فتح و نصرت کی درخواست کرنے لگے۔ اس وقت عبدالمطلب نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی۔

''اے اللہ بندہ بھی اپنے کجاوے کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی صلیب کل تیرے گھر پر غالب آ جائے اور نصب کر دی جائے اور اگر تو ان کو اور ہمارے قبلہ کو آزاد چھوڑنے والا ہے تو جس طرح تیری مرضی ہو تو اس طرح کر۔''

اس دعا کے بعد عبدالمطلب بھی ایک پہاڑ کی غار میں چلے گئے۔

علامہ ملا علی قاری، حضرت عبدالمطلب کے فضائل میں لکھتے ہیں۔

''جب قریش حرم سے نکل گئے اور اصحاب فیل نے حملہ کیا تو حضرت عبدالمطلب نے کہا بخدا اللہ کے حرم سے ہرگز نہیں نکلوں گا تا کہ اس کے علاوہ کسی اور کے پاس عزت تلاش کروں۔ میں تو اللہ تبارک تعالیٰ کے بدلے میں اور کسی چیز کا متمنی نہیں ہوں۔'' (المورد الروی از ملا علی قاری صفحہ 68)

دوسرے دن صبح ابرہہ نے مکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا' اپنے ہاتھی کو جس کا نام محمود تھا اور اپنے لشکر کو تیار کیا۔

ابرہہ نے کعبہ کو منہدم کرنے کا پختہ عزم کر لیا تھا اور اس کے بعد وہ یمن واپس جانا چاہتا تھا۔ جب انہوں نے ہاتھی کو مکہ کی طرف متوجہ کیا تو نفیل بن حبیب آیا اور ہاتھی کے پہلو کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس کا کان پکڑ لیا پھر اسے کہا۔

''کہ اے محمود (ہاتھی کا نام) بیٹھ جاؤ یا جدھر سے آئے ہو لوٹ جاؤ کیونکہ تو اللہ تبارک تعالیٰ کے مقدس شہر میں ہے۔''

یہ سنتے ہی ہاتھی بیٹھ گیا۔ نفیل بن حبیب وہاں سے نکلا اور دوڑتا ہوا پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ انہوں نے ہاتھی کو مارا تا کہ وہ کھڑا ہو لیکن اس نے کھڑا ہونے سے گویا انکار کر دیا پھر انہوں نے اس کے سر میں تبرزین سے چوٹیں لگائیں لیکن پھر بھی وہ نہ اٹھا۔ پھر انہوں نے اس کے پیٹ کے نیچے ایسے عصا سے چرکے لگائے جس کا سنان ٹیڑھا کیا ہوا تھا۔ وہ لہولہان ہو گیا لیکن پھر بھی اٹھنے کا نام نہ لیا۔ پھر انہوں نے اس کا رخ یمن کی طرف کیا تو وہ بھاگنے لگا۔ جب پھر مکہ کی طرف انہوں نے اس کا منہ کیا تو پھر بیٹھ گیا۔

اسی اثناء میں ابابیل کی ایک ٹکڑی سمندر کی طرف سے اڑتی ہوئی آئی ہر پرندے کی چونچ اور دونوں پنجوں میں ایک ایک کنکری تھی جس کی مقدار چنے اور مسور کے دانوں کے برابر تھی۔ ابابیل لشکر کے اوپر آئیں اور ان پر کنکریاں گرانا شروع کر دیں جس کے سر پر وہ گرتی اس کے فولادی وجود کو چیرتی ہوئی اس کے جسم کے پار ہو جاتی۔ لشکر میں بھگدڑ مچ گئی وہ راستہ ڈھونڈنا چاہتے تھے جس پر چل کر وہ آئے تھے لیکن وہ انہیں مل نہیں رہا تھا۔ انہوں نے نفیل بن حبیب جوان کا رہنما بن کر ان کے ساتھ آیا تھا اس کو تلاش کیا تا کہ وہ انہیں یمن کا راستہ بتائے تو اس کا وہاں نام ونشاں ہی نہ تھا۔ وہ تو بھاگ کر چوٹی پر چلا گیا تھا اور ان پر خدا کے عذاب کا ہولناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

اس وقت اس نے کہا اشعار کا ترجمہ:

1- ''اب بھاگنے کا راستہ کہاں جب کہ اللہ تبارک تعالیٰ تمہارے تعاقب میں ہے اور ہونٹ کٹا ابرہہ مغلوب ہے اب اسے غلبہ نصیب نہیں ہو سکتا۔''

نفیل کے چند اور شعر بھی ہیں جس میں وہ اپنی محبوبہ ''ردینہ'' کو خطاب کر کے کہتا ہے:

2- ''اے ردینہ! ہماری طرف سے تمہیں سلام ہو جب کہ صبح ہوئی تو ہم نے اس وقت تمہاری خوشحالی کی دعائیں کیں۔''

3- ''اے ردینہ! کاش تم محصب کے پاس وہ منظر دیکھتی جو ہم نے دیکھا اور اچھا ہوا تم نے نہیں دیکھا۔''

4- ''پھر تو مجھے معذور سمجھتی اور میرے اس طرز عمل کی تعریف کرتی اور جو چیز ہم سے ضائع ہوئی ہے اس پر تو افسوس نہ کرتی۔''

5- ''میں اللہ تبارک تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے لگا جب میں نے پرندوں کے اس جھنڈ کو دیکھا اور جب ہم پر سنگ

باری ہورہی تھی تو میں لرزہ براندام تھا۔"

6- "اس لشکر کا ہر فرد پوچھ رہا تھا نفیل کہاں ہے گویا میں ان حبشیوں کا مقروض ہوں اس لئے مجھ پر لازم تھا کہ میں اس آڑے وقت میں ان کی خدمت کرتا۔"

اس واقعہ کا ذکر قرآن حکیم کی سورہ فیل میں ہے اور ہاتھی والوں سے مراد ابرہہ اور اس کا لشکر ہے۔

اب اس کا مختصر ساذ کرابن ہشام المواہب اللدنیہ اور الطبقات الکبری کے حوالہ پڑھیے۔

حضرت عبدالمطلب، مسعود ثقفی اور عمرو، پہاڑ پر کھڑے یہ حیرت انگیز منظر دیکھ رہے تھے۔اچانک عمرو نے حضرت عبدالمطلب کی توجہ ایک طرف مبذول کرائی۔

دیکھو تمہیں کچھ دکھائی دے رہا ہے؟ عبدالمطلب نے کہاہاں؟ میں پرندوں کی ڈاریں دیکھ رہا ہوں جو سمندر کی طرف سے آرہی ہیں۔ان کے رنگ زرد، سر کالے اور پاؤں اور چونچیں سرخ ہیں یہ قامت میں کبوتر سے چھوٹے ہیں۔(دلائل النبوۃ-ابونعیم صفحہ 106)

ہر پرندے کے پاس مسور کے دانے کے برابر تین تین کنکریاں تھیں۔یہ خدائی لشکر ٹڈی دل اور شہد کی مکھیوں کی طرح ابرہہ کے لشکر پر چھا گیا اور اسے ہر طرف سے گھیر لیا پھر اس نے لشکر پر کنکریوں کی بارش کر دی۔جسے کنکری لگی جسم کو چھیدتی ہوئی نیچے تک چلی گئی۔اس نے گرانڈیل طاقتور جسموں کو چھلنی کر دیا۔گوشت پوست اڑادیا اور وہ اس طرح ریزہ ریزہ ہو گئے جیسے چبایا ہوا بھوسا ہوتا ہے۔(کاصف ماکول)

ابرہہ بھی بھاگ اٹھا لیکن ہر منزل پر وہ ٹوٹتا اور بکھرتا رہا یہاں تک کہ جب اپنے گھر پہنچا تو سینہ پھٹ گیا اور دل باہر آ گیا۔اس کا وزیر ابو یکسوم حبشہ کی طرف بھاگا اس کے سر پر پرندوں کا ایک غول منڈلاتا رہا اسے کچھ پتہ نہیں تھا جب وہ نجاشی کے سامنے پہنچا تو ان پرندوں نے کنکریاں پھینک دیں اور وہ نجاشی کے سامنے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا اس طرح نجاشی نے اپنی آنکھوں سے اس عذاب کا منظر دیکھ لیا جس میں ابرہہ اور اس کا لشکر مبتلا ہوا تھا۔(شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ صفحہ 89-ابن ہشام جلد 1 صفحہ 54-الطبقات الکبری جلد 1 صفحہ 93)

کہتے ہیں کہ ابرہہ کے لشکر میں تیرہ ہاتھی اور تھے محمود کے علاوہ سارے ہاتھی ہلاک ہو گئے اور محمود نے کیونکہ حرم شرف کی طرف پیش قدمی سے انکار کیا تھا اس لئے وہ بچ گیا۔وہ وہاں سے بھاگ نکلے لیکن جن کو وہ کنکریاں لگیں ان میں سے کوئی سلامت نہ بچا۔ابرہہ کی حالت بڑی قابل رحم تھی۔اس کے ساتھی اس کو لے کر وہاں سے بھاگے لیکن راستہ میں اس کا انگ انگ گل کر گرنے لگا۔اس کے جسم میں پیپ اور خون سرایت کر گیا تھا جس سے غضب کی بدبو آتی تھی اور جب اس کو لے کر وہ صنعاء پہنچے تو وہ پرندے کے ایک چوزے کی طرح تھا(یعنی اس کے ہاتھ پاؤں گل کر گر چکے تھے)اور پھر مرنے سے پہلے اس کا سینہ پھٹا اور اس کا باقی ماندہ جسم بھی بکھر گیا اور اس کا دل باہر نکل آیا۔اس طرح وہ ایک اذیت ناک موت سے دوچار ہوا۔نعوذ باللہ من غضبہ وعذابہ

یہ واقعہ یکم محرم کو پیش آیا۔ ذی القرنین سے آٹھ سو بیاسی سال کی مدت گزر چکی تھی۔

(سیرۃ ابن ہشام الروض انف جلد ۱ خلاصہ صفحہ 63 تا 73)

ابرہہ کی لشکر کشی اور اس کی تباہی کا واقعہ حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں رونپذیر ہوا اور یہی وہ مبارک سال ہے جس میں اصل الموجودات، حاصل کائنات فخر آدم نبی آدم پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی ولادت باسعادت سے کائنات کے خزاں رسیدہ گلستاں میں بہار آئی۔

حضرت عبدالمطلب کی شادی

حافظ ابوسعید نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبکر بن ابی مریم اور سعید بن عمرو انصاری کے ذریعے سے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ کا نور مبارک حضرت عبدالمطلب میں منتقل ہوا اور وہ جوان ہو گئے تو ایک دن حطیم میں سو گئے۔ اٹھے تو آنکھ میں سرمہ اور بالوں پر تیل لگا ہوا تھا اور حسن و جمال میں بڑا اضافہ ہو چکا تھا۔ انہیں بڑی حیرت ہوئی ان کے چچا (عم) انہیں قریش کے کاہنوں کے پاس لے گئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے سن کر کہا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس جوان کی شادی کا حکم دیا ہے چنانچہ انہوں نے پہلا نکاح قیلہ سے کیا پھر ان کی وفات کے بعد فاطمہ سے نکاح کیا تو ان کے نصیب میں نور محمدی ﷺ آیا اور ان کے بطن سے حضرت عبداللہ متولد ہوئے۔

حضرت عبدالمطلب کے خصائص

حضرت عبدالمطلب کعبۃ اللہ کے خادم و متولی، نور محمدی کے امین و وارث اور امور حج و زیارت کے نگران و زمہ دار ہونے کی وجہ سے بڑے ہی جہاندیدہ اور صاحب معرفت تھے۔ آپ سے اکثر برکات اور فیوض و انوار کا ظہور ہوتا رہتا تھا۔ ان کے عقائد صائب، نظریات متوازن، خیالات بڑے ہی پاکیزہ تھے۔ سلیم الفطرت لوگ انہیں سنتے تو ان کی پاکیزگی، حقانیت اور صداقت کے قائل ہو جاتے تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ جاہلی عصبیت اور رسم و رواج کے خونی پنجے ان کی معاشرت کے رگ و ریشے میں گڑے ہوئے تھے اور بدعقیدگی و گندگی کے جراثیم معاشرے کے خون میں سرایت کیے ہوئے تھے اس لئے تعلیمات عبدالمطلب سے متاثر ہو جانے کے باوجود وہ عملی طور پر ان کو قبول نہیں کرتے تھے۔ تا آنکہ ان کی تعلیمات کو اسلام نے عام کیا اور اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ اسلامی تعلیمات فطرت کے عین مطابق ہیں اور جو بھی سلیم الفطرت ہے یہ اس کے دل کی آواز ہیں اور عبدالمطلب ان ہی لوگوں میں سے ہیں جو سلیم الفطرت ہیں اسی لئے تو انہوں نے انہیں حق جانا ہے اور لوگوں کے سامنے ان کی تبلیغ کی ہے۔

حضرت عبدالمطلب کے فیوض و برکات اور خصائص و امتیازات کی ایک جھلک یہ ہے:

حضرت عبدالمطلب خوشبو سے مہکتے رہتے تھے ان سے کستوری جیسی بڑی ہی دلآویز خوشبو آتی تھی اور

''نورِمحمدی'' مقدس پیشانی میں چمکتا رہتا تھا۔قریش جب بھی قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر ''کوہ شبیر'' پر لے جاتے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر دعا کرتے تھے کہ وہ انہیں ان کی برکت سے بارش عطا فرمائے چنانچہ حضورپُرنور نبی اکرم ﷺ کے نور پاک کی برکت اور وسیلہ سے انہیں اللہ تبارک تعالیٰ موسلادھار بارش سے سیراب کردیتے تھے۔(زرقانی جلد1 صفحہ 82)

''اپنی اولاد کو حکم دیتے کہ ظلم وزیادتی نہ کریں،انہیں اعلیٰ اخلاق کی ترغیب دیتے اور پست حرکتوں سے روکتے تھے۔ان سے ایسی باتیں بھی منقول ہیں جن کا حکم قرآن وحدیث نے دیا مثلاً یہ کہ جو نذر مانی ہوا سے پورا کیا جائے،محرم خواتین کے ساتھ نکاح سے اجتناب کیا جائے،چور کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں،بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے پرہیز کیا جائے،شراب اور بدکاری کو حرام جانا جائے۔برہنہ حالت میں کعبہ شریف کا طواف نہ کیا جائے۔(زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 82)

نورِمحمدی ﷺ کی برکت سے ان کی قوت ارادی،توکل واعتماداور حوصلہ مندی کا اظہاراس وقت بھی ہوا جب ابرہہ نے مکہ مکرمہ پرحملہ کردیا لیکن آپ نے اس موقعہ پر بڑے تدبروشعور،حلم وحوصلہ اور استقلال واستقامت سے حالات کا سامنا کیااور قوم کو ہراساں نہ ہونے دیااور ثابت کردیا کہ وہ ایک باتدبیر حکمران اور صاحب بصیرت سردار ہیں۔

علامہ محمد نور بخش توکلی اپنی کتاب ''سیرت رسول عربی ﷺ'' میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں حضوراکرم ﷺ کا نور چمکتا تھااور اس میں سے مشک اور کستوری کی خوشبو آتی تھی۔جب قریش کو کوئی حادثہ پیش آتا تھا تو وہ عبدالمطلب کو شبیر نامی ایک پہاڑ پر لے جاتے تھےاور ان کے وسیلے سے بارگاہ ربّ العزت میں دعا مانگتے تھے۔قحط کے زمانے میں ان کا واسطہ دے کر برسات کی جو دعا مانگی جاتی تھی وہ دعا قبول ہوجاتی تھی۔

حضرت عبدالمطلب پہلے شخص ہیں جو ہرسال رمضان کے مہینے میں حرا پہاڑ پر جا کر اللہ تبارک تعالیٰ کے دھیان اور یاد میں گوشہ نشین ہوجاتے تھے۔وہ موحد تھے(اللہ تبارک تعالیٰ کو وحدہ لاشریک لہ مانتے تھے) شراب اور زنا کو حرام سمجھتے تھے۔برہنگی کی حالت میں کعبہ کا طواف کرنے سے منع فرماتے تھے۔بیٹیوں کو قتل کرنے سے روکتے تھے،چور کے ہاتھ کاٹتے تھے،ان کی دعا قبول ہوجاتی تھی،وہ فیاض اور سخی تھے اپنے دسترخوان میں سے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پرندوں کو دانہ ڈالتے تھے۔اسی لئے انہیں مطعم الطیر یعنی پرندوں کو کھانا کھلانے والا کہتے تھے۔یہ سب کچھ نوری محمدی (ﷺ) کی برکت سے تھا۔''

عبدالمطلب اپنے عظیم الشان کارناموں،اپنی بے مثل جودوعطا،اپنی اولوالعزمی اور بلند ہمتی اور خصائل حمیدہ کے باعث ساری قوم کی آنکھوں کے تارےاور سارے عرب کے لئے وجہ فخر تھے۔ایک جلیل القدر باپ کے بیٹے تھے۔تاریخ عالم کا رخ پھیردینے کی صلاحیتوں سے مالامال دس بیٹوں کے باپ تھے۔ایک روز آپ حطیم میں

تشریف فرماتے۔آپ کے دس بیٹے شیروں کی طرح آپ کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے کہ ایک اعرابی وہاں سے گزرا یہ منظر دیکھ کر بیساختہ اس کی زبان سے نکلا۔

''اللہ تبارک تعالیٰ جب کوئی مملکت بنانا پسند کرتے ہیں تو اس کے قیام کے لئے اس قسم کے جوانمرد پیدا فرمادیا کرتے ہیں۔''

''حضرت عبدالمطلب کے چہرے سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں اور آپ کے خدوخال سے خیر و برکت کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔وہ اپنی اولاد کو سرکشی اور ظلم سے منع کرتے تھے۔مکارم اخلاق کو اپنانے کی انہیں ترغیب دیتے تھے اور گھٹیا کاموں سے انہیں روکتے تھے۔آپ کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی تھی۔آپ نے اپنے اوپر شراب کو حرام کردیا تھا۔آپ پہلے شخص ہیں جو غار حراء میں جا کر مصروف عبادت ہوا کرتے تھے۔جب ماہ رمضان کا چاند دیکھتے حراء میں تشریف لے جاتے' مسکینوں کو کھانا کھلاتے۔آپ کے دسترخوان سے پرندوں اور وحشی درندوں کے لئے بھی خوراک مہیا کی جاتی تھی۔آپ کے جسم اطہر سے خالص کستوری کی خوشبو آتی تھی۔قریش کو جب قحط کی مصیبت گھیر لیتی تو وہ آپ کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے اور اللہ تبارک تعالیٰ ان کی برکت سے موسلا دھار بارش برساتا۔(بلوغ الارب جلد2 صفحہ 283'282)

2-سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ

دنیا کا کوئی باپ آپ سے زیادہ خوش بخت اور بلند اقبال نہیں ہے۔آپ اس عظیم ہستی کے باپ ہیں جو باعث تکوین کائنات تخلیق کائنات قیام کائنات اور قائم کائنات ہے۔اولین و آخرین انبیاء، مرسلین اور ان کی امتیں جس کے فیض سے فیض یاب ہیں جو شفیع المذنبین ہے جو فلک نبوت و رسالت کا آفتاب عالم تاب ہے۔جس کے طلوع ہونے کے بعد ہدایت کی روشنی اتنی فراواں ہوگئی کہ اس کے بعد کسی دوسرے نور ہدایت کی ضرورت ہی نہ رہی۔جس نے اپنی شبانہ روز محنت سے انسان کا ٹوٹا ہوا رشتہ اپنے ربّ سے جوڑ دیا۔جس نے دل لوٹ لینے والی اپنی معصوم اداؤں سے اور دل لبھانے والی اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے انسان کے دل میں اللہ تبارک تعالیٰ کی سچی محبت کا چراغ روشن کیا۔جس نے اپنی نگاہ کرم سے جان بلب انسانیت کو حیات جاوداں سے بہرہ ور کیا۔ایسی بے مثال و بے نظیر ہستی کے باپ کا نام عبداللہ ہے۔

عدی بن نوفل نے حضرت عبدالمطلب کو بڑے غرور سے طعنہ دیا۔

اے عبدالمطلب! ہمیں اکڑ کر دکھاتے ہو حالانکہ تم اکیلے ہو تمہاری اولاد نہیں۔آپ کے دل پر چوٹ پڑی، حسرت اور عاجزی سے بارگاہ ربّ العزت میں دعا کی! اے اللہ! دس جوان بیٹے عطا فرما ان میں سے ایک تیری راہ میں قربان کردوں گا۔(محمد ﷺ از محمد رضا صفحہ 20)

جب چاہ زمزم کھودا جارہا تھا اس وقت انہوں نے یہ دعا کی تھی۔چند سال پہلے کی ہوئی دعا کی قبولیت آج عملی

صورت میں ان کے سامنے جلوہ گر تھی وہ سرور و انبساط اور شکر و عاجزی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ بچھے جا رہے تھے۔ مسرت کے آنسو رواں تھے اور وہ سراپا عجز و نیاز اور پیکر بندگی بنے اپنے ربّ کریم کا شکر ادا کر رہے تھے جس نے انہیں یہ روز سعید دکھایا تھا اور دس حسین و جمیل بیٹے عطا فرمائے تھے جو صحت مند، توانا بارعب اور سرو کی طرح بالا قامت تھے۔ جو انہیں دیکھتا یا تو رشک و حسد سے جل جاتا یا خوشی سے پھولے نہ سماتا۔ وہ خیر خواہ اور بدخواہ کی پہچان بن گئے تھے۔ بدخواہ کی بھنویں سکڑ جاتیں اور خیر خواہ کی باچھیں کھل جاتیں۔

حضرت عبدالمطلب نے سب کو پاس بلایا اور اپنی بے بسی کے ایام کہنہ کی داستان سنا کر اپنی نذر کا ذکر کیا۔ سب اطاعت و خلوص کی تصویر بن گئے گردنیں جھکا دیں اور نیاز مندی سے بولے! ہم حاضر ہیں جسے چاہیں قربان کر دیں۔ حضرت عبدالمطلب نے کعبہ کے قرعہ انداز کو حکم دیا قرعہ ڈالو، جس کے نام کا قرعہ نکلا اسے قربان کر دوں گا۔ عباس، حمزہ، ابو طالب، ابولہب، حارث، ضرار، مقوم، زبیر، غیداق اور عبداللہ سب بھائی ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ بعض نے قثم اور مغیرہ دو اور ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ ان کی بہنیں صفیہ، ام حکیم، عاتکہ امیمہ، اروی اور برہ بھی دھڑکتے دلوں کے ساتھ دوسری قطار میں کھڑی ہو گئیں۔ سب کی نظریں ایک ہی نقطے پر مرکوز تھیں دیکھیں کس بھائی کے نام قرعہ نکلتا ہے۔ سب عزیز اور پیارے تھے مگر جو سب سے پیارا اور سب سے چھوٹا تھا اس کے نام کا قرعہ نکل آیا۔ یہ حضرت عبداللہ تھے۔

حضرت عبدالمطلب کی جان ہوا ہو گئی مگر زباں سے اف تک نہ کی۔ یہ وعدہ خلافی اور شان تسلیم و رضا کے منافی بات تھی اس لئے چپکے سے حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور مذبح کی طرف چل پڑے۔ قریش اور ان کے بیٹے چیخ پڑے۔ سردار! اگر آپ نے اولاد ذبح کرنے کی ریت ڈال دی تو یہ ایک رسم پڑ جائے گی ہر کوئی اظہار بندگی کے لئے جواں اولاد کو ذبح کرنا اور اس کی قربانی دینا ضروری خیال کرنے لگ جائے گا اس لئے آپ ایسا نہ کریں اور ایسی ریت نہ ڈالیں جس کا ایفاء بعد میں مشکل ہو جائے۔ کوئی ایسا حل تلاش کریں جس سے آپ کی نذر بھی پوری ہو جائے اور عبداللہ کی جان بھی بچ جائے۔

عبداللہ بہنوں کا لاڈلا اور ان کی آنکھوں کا تارا تھا۔ انہوں نے مسئلے کے حل پر بہت زور دیا اور والد گرامی کو مجبور کیا کہ وہ کوئی اور قابل عمل صورت نکالیں قربانی کی رسم ڈالنا موزوں نہیں۔ آخر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی متبادل صورت بھی تو نکل آئی تھی۔ حضرت عبدالمطلب بڑے ہی زیرک، دانا و مدبر اور نکتہ رس انسان تھے۔ دماغ پر زور دیا، ممکنہ صورتوں کا جائزہ لیا لیکن انصاف پسند دماغ نے کسی صورت کو بھی قبول نہ کیا اور عبدالمطلب پہاڑ کی چٹان بنے کھڑے ہیں' ان کے ارادے میں کسی لچک کا دور دور تک نشان نہیں۔ اپنے ربّ سے انہوں نے جو وعدہ کیا تھا اس کو وہ ہر قیمت پر پورا کریں گے اپنے اس پختہ عزم کا اظہار وہ اس رجز سے کر رہے ہیں۔

''میں نے اپنے ربّ سے عہد کیا ہے اور میں اپنے عہد کو پورا کروں گا۔ بخدا کسی چیز کی ایسی حمد نہیں کی جاتی جس طرح اللہ تبارک تعالیٰ کی حمد کی جاتی ہے جب وہ میرا مولا ہے اور میں اس کا بندہ ہوں اور اس کے لئے میں نے نذر مانی ہے میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس نذر کو مسترد کر دوں۔ پھر مجھے زندہ رہنے کی کوئی خواہش نہیں۔'' (اعلام النبوت صفحہ 179)

فال نکالنے والے نے فال نکالی قرعہء فال حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ یہ درست ہے کہ عبداللہ بہت حسین ہیں۔ بوڑھے باپ کے یہ سب سے چھوٹے بیٹے ہیں اور سب بھائیوں سے زیادہ وہ انہیں محبوب ہیں لیکن یہاں معاملہ عبدالمطلب اور اس کے خدا کا ہے۔ اس میں کوئی پیاری سے پیاری چیز بھی حائل نہیں ہو سکتی اگر اس کے خالق نے قربانی کے لئے عبداللہ کو پسند فرمایا ہے تو عبداللہ کو اس کی رضا کے لئے ضروری قربان کر دیا جائے گا۔ چھری لائی جاتی ہے عبداللہ کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے کے لئے حضرت عبدالمطلب آستینیں چڑھا رہے ہیں اس کی اطلاع بجلی کی سرعت کے ساتھ مکہ کے ہر گھر میں گونجنے لگتی ہے۔ قریش کے رؤسا یہ سن کر اپنی مجلسوں سے دوڑے چلے آتے ہیں۔ مکہ کے ہر فرد پر سناٹا طاری ہے۔

مکہ کے سردار کہتے ہیں اے عبدالمطلب! ایسا ہرگز نہیں ہوگا چاند سے زیادہ من موہنے چہرے والا' پھول سے زیادہ نازک بدن والا عبداللہ ان کے سامنے ذبح کر دیا جائے ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ وہ ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ عبدالمطلب فرماتے ہیں یہ میرا اور میرے پروردگار کا معاملہ ہے اس میں دخل دینے والے تم کون ہو۔ بوڑھے باپ کے عزم کو دیکھ کر سارے سردار منت سماجت پر اتر آئے اور کہتے تھے اے ہمارے سردار! اگر بیٹوں کو ذبح کرنے کی رسم کا آغاز تمہاری جیسی ہستی نے کر دیا تو پھر اس رسم کو بند کرنا کسی کے بس کا روگ نہیں رہے گا۔ اپنی قوم کے نونہالوں پر رحم کرو۔ اس کے نتائج بڑے ہولناک ہوں گے۔

طویل کشمکش کے بعد یہ طے پایا کہ حجاز کی عرافہ کے پاس جاتے ہیں۔ (عرافہ کے بارے میں علامہ ابن اثیر نے الحجر کی کاہنہ (عرافہ) کا ذکر اپنی تصنیف کی جلد 2 صفحہ 6 اور 7 پر کیا ہے)

وہ جو فیصلہ کرے اس کو وہ سب تسلیم کریں چنانچہ سب مل کر یثرب پہنچتے ہیں وہاں اس عرافہ کے بارے میں دریافت کرتے ہیں پتہ چلتا ہے کہ وہ خیبر میں سکونت پذیر ہے وہاں جاتے ہیں اس کو اپنے آنے کے مقصد سے آگاہ کرتے ہیں۔ وہ کہتی ہے مجھے ایک دن کی مہلت دو میرا ''تابعی'' آئے گا میں اس سے پوچھ کر بتاؤں گی۔ دوسرے روز پھر اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں وہ کہتی میرا تابعی آیا تھا میں نے تمہارے سوال کے بارے میں اس سے پوچھا تھا۔ اس نے اس کا حل مجھے بتایا ہے پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہارے ہاں مقتول کی دیت کیا ہے؟ انہوں نے بتایا دس اونٹ۔ اس نے کہا کہ تم اپنے وطن واپس چلے جاؤ ایک طرف دس اونٹ کھڑے کر دینا اور دوسری طرف عبداللہ کو۔ پھر فال نکالنا۔ اگر قرعہ عبداللہ کے نام نکلے تو پھر دس دس اونٹ بڑھاتے جانا اور قرعہ نکالتے جانا یہاں

تک کہ قرعہ عبداللہ کے بجائے اونٹوں کے نام نکلے جتنے اونٹوں پر قرعہ نکلے ان کو ذبح کر دینا یوں تمہاری نذر پوری ہو جائے گی۔

سارا کارواں عرافہ کے اس فیصلہ کو سن کر مکہ واپس آ گیا اور اس کے کہنے کے مطابق قرعہ اندازی شروع کر دی۔ دس اونٹوں کے وقت بھی قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ دس دس اونٹ بڑھاتے گئے لیکن ہر بار قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلتا رہا یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی۔ اس وقت قرعہ اندازی کی گئی تو حضرت عبداللہ کے بجائے سو اونٹوں پر قرعہ نکلا۔ حضرت عبدالمطلب کو بتایا گیا آپ نے کہا تین بار قرعہ اندازی کرو اگر تینوں بار اونٹوں کے نام قرعہ نکلا تو تسلیم کروں گا ورنہ نہیں۔ عالم انسانیت کی خوش قسمتی تھی کہ تینوں بار قرعہ اونٹوں کے نام نکلا چنانچہ سو اونٹ ذبح کر دیئے گئے اور اس عمل سے حضرت عبدالمطلب کو اطمینان ہو گیا۔

(طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 89 - دلائل بیہقی صفحہ 87)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

اس زمانے میں فی کس دیت دس اونٹ تھی۔ حضرت عبدالمطلب پہلے شخص تھے جنہوں نے سو اونٹ دیت مقرر کی پھر قبیلہ قریش بلکہ پورے عرب میں یہی دیت مقرر ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے برقرار رکھا۔

(دلائل بیہقی صفحہ 87)

نجات بخشنے والے اس مسرت افروز واقعہ کے بعد حضرت عبداللہ لوگوں میں ذبیح کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ یہ لقب ان کے لئے نشان امتیاز اور خاندان بھر کے لئے وجہ افتخار بن گیا اور عبداللہ تمام قبیلے میں پہلے سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے۔

اس لقب کی شان انفرادیت یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے شرف قبولیت سے نوازا اور اس پر اظہار خوشنودی فرمایا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔

ہم نیازمندان بارگاہ نبوی ادب و نیاز کے ساتھ اپنے کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی آیا، قحط کی چیرہ دستیوں کی داستان خونچکاں اس کے اداس اور پژمردہ چہرے پر جلی عنوان سے لکھی ہوئی تھی۔ وہ بصد حسرت و یاس گویا ہوا۔

آقا! آبادیاں قحط کی لپیٹ میں آ گئی ہیں، پانی نایاب ہو گیا ہے، جانور، مال مویشی کمزور ہو گئے ہیں، بچے بھوک سے نڈھال ہیں اور چارا و اناج نہ ہونے کی وجہ سے مر رہے ہیں۔ اے حضرت اسماعیل ذبیح اور حضرت عبداللہ ذبیح کے بیٹے! اللہ پاک نے آپ کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان میں سے مجھے بھی کچھ عطا فرمایئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لقب سن کر تبسم فرمایا اور برا نہ منایا۔ (زرقانی جلد 1 صفحہ 97)

اس تبسم کا مطلب یہ تھا کہ آپ کو اس لقب پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور یہ ایک حقیقی واقعہ ہے جس کا اظہار

وابلاغ درست ہے اور اس کو خاندانی اعزاز کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے۔

ایک سو اونٹوں کی قربانی کے بعد اذان عام دے دیا گیا کہ ان کے گوشت کو جو چاہے جتنا چاہے لے جائے۔ کسی کو روکا نہ جائے یہاں تک کہ کسی گوشت خور پرندے اور درندے کو بھی ان کا گوشت کھانے سے منع نہ کیا جائے۔ حضرت عبدالمطلب نذر ایفا کرنے کی آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گزر گئے اور سو اونٹوں کے عوض حضرت عبداللہ کی جان بچ گئی تو ان کی مسرت و شادمانی کا اندازہ لگانا ہمارے لئے ممکن نہیں۔

اب انہیں یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اپنے اس خوش بخت اور جواں سال بچے کی شادی کی خوشی منائیں اور ایسی دلہن بیاہ کر لائیں جو اپنے دولہا کی طرح خصائل و شمائل میں اپنی نظر نہ رکھتی ہو۔ آپ کی حقیقت شناس نگاہ نے قریش کے بنو زہرہ خاندان کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ کی نور نظر حور شمائل لخت جگر ''آمنہ'' کا انتخاب کیا۔ قبیلہ بنو زہرہ مدینہ میں آباد تھا اور اس انتخاب کا ایک تاریخی پس منظر بھی تھا۔

اس تاریخی واقعہ کے راوی خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ فرماتے ہیں میں اور میرے والد حضرت عبدالمطلب یمن گئے۔ ایک یہودی کے پاس ٹھہرے۔ وہ بڑا دانا، قیافہ شناس اور پرانی کتب کا عالم تھا۔ والد گرامی سے مخاطب ہوا۔

تم کون ہو؟

''قریشی ہوں'' عبدالمطلب نے جواب دیا۔

قریش کی کس شاخ سے تعلق ہے؟ اس نے پوچھا۔

''بنو ہاشم سے'' عبدالمطلب نے کہا۔

یہ سن کر وہ چونک پڑا اور بولا!

''کیا آپ مجھے اپنی ناک دیکھنے کی اجازت دیں گے؟ اس نے کہا''

''عبدالمطلب نے اجازت دے دی''

اس نے بڑے غور سے دونوں نتھنے دیکھے اور پھر جچے تلے انداز میں اپنی رائے دی۔ تمہارے ایک ہاتھ میں حکومت اور دوسرے ہاتھ میں نبوت ہے۔ یہ دونوں صفتیں قبیلہ بنو زہرہ میں اکٹھی ہو جائیں گی۔

کیا تم نے ان سے رشتہ قائم کیا ہے؟

ابھی تک تو نہیں کیا عبدالمطلب نے جواب دیا۔

اس خاندان سے رشتہ قائم کر دیہ میری نصیحت ہے۔

حضرت عبدالمطلب کے ذہن پر یہ واقعہ نقش ہو گیا۔ اب حضرت عبداللہ کے لئے جب رشتہ ڈھونڈنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو ان کے ذہن میں وہ نقش تازہ ہو گیا۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس خاندان کے ساتھ ناطہ

جوڑیں گے۔

قبیلہ بنوزہرہ کے نامور سردار ''وہب'' وفات پا چکے تھے۔ ان کے بھائی وہیب اب ان کے جانشین اور پورے خاندان کے سربراہ تھے۔ ان کی بھتیجی اور وہب کی باکمال ونیک بخت صاحبزادی حضرت آمنہ انہی کی زیرنگرانی اور زیرکفالت پرورش پا رہی تھی۔ جن کے عروج اور بخت واقبال کے سامنے ہفت سماوات بھی سرنگوں ہونے والے تھے۔ انہیں قدرت نے ایک ایسے اعزاز کے لئے منتخب فرمالیا تھا جو نہ کسی کو نصیب ہوا اور نہ آئندہ نصیب ہوگا۔

سعادت وفیروزمندی اور رفعت وشادمانی کی ملکہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے مقدس روپ میں سمائی ہوئی تھی۔ اس سعادت وفیروزبختی اور عظمت ورفعت کو حاصل کرنے کے لئے حضرت عبدالمطلب وہاں پہنچ گئے اور وہیب سے حضرت عبداللہ کے لئے آمنہ بیٹی کی خواستگاری کی۔ اس رشتے کو وہیب نے بڑے فخر وانبساط کے ساتھ قبول کیا۔ (سیرت حلبیہ جلد 1 صفحہ 43'44 الطبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 95)

وہب مرحوم سردار قبیلہ کے بھائی وہیب نے بنوہاشم کے سردار کی اس خواہش کو بسروچشم قبول کرلیا۔ حضرت عبداللہ کی عمر اٹھارہ بیس سال تھی عنفوان شباب آغاز جوانی کا عالم تھا اس پر تقویٰ وپارسائی کے انوار کا ہجوم، آپ کا حسن وجمال حشر سامان تھا۔ آپ جس گلی سے گزرتے سینکڑوں دل سینوں میں مچلنے لگتے۔ صدہا نرگسیں آنکھیں قدموں میں بچھ جانے کے لئے بے چین ہوجاتیں۔ چھپ چھپ کر ایک جھلک دیکھنے کی آرزو معلوم نہیں کتنوں کو ماہی بے آب کی طرح تڑپا دیتی۔ علماء سیرت لکھتے ہیں۔

''حضرت عبداللہ کے زمانہ میں عورتوں کی طرف سے انہیں ایسے مشکل اور صبر آزما حالات کا سامنا کرنا پڑا جو حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے زمانہ میں عزیز مصر کی بیوی کی طرف سے پیش آئے۔''

(السیر النبویہ از احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 42)

اس سلسلہ میں مواہب الدینہ کے شارحین کا ایک اور جملہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

''حضرت عبداللہ قریش میں ایک تابندہ نور تھے اور سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔ قریش کی عورتیں ان کے دام محبت میں اسیر تھیں اور قریب تھا کہ وہ ان کی محبت میں ہوش وحواس کھو بیٹھتیں۔''

(السیر النبویہ از احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 42)

لیکن حضرت عبداللہ کی شرمگیں نگاہیں جھکی ہی رہتیں۔ روئے زیبا پر شرم وحیا شرافت ونجابت کے انوار برستے ہی رہتے اور اس کو مزید دلکش اور دل آویز بناتے رہتے۔

حضرت عبداللہ کے لئے قریش کے تمام قبائل، بنوعبدمناف، بنوعبدشمس اور مخزوم کی تمام جوان دوشیزائیں آس لگائے بیٹھی تھیں۔ ان کی پیشانی میں تاباں نور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لئے سب سے زیادہ وجہ کشش تھا۔ وہ اس کے حصول کے لئے تمام جائیداد اور مال ومتاع کی قربانی کے لئے بھی آمادہ تھیں۔ اس کے علاوہ شوق فراواں کا

باعث حضرت عبداللہ کی ذاتی وجاہت بھی تھی۔ وہ قریش کے جوان رعنا اور مردانہ حسن و جمال کا ایک مکمل نمونہ تھے اس لئے ان کا شریک حیات بننا خاندانی افتخار بھی تھا۔

حضرت عبداللہ پورے قریش میں سب سے زیادہ حسین وجمیل نظر آنے والے جوان تھے۔ نور نبوی ﷺ ان کے رخ انور میں روشن ستارے کی طرح چمکتا تھا اسی وجہ سے قریش کی لڑکیاں ان کے ساتھ شادی کرنے کی آرزومند تھیں اور حضرت عبداللہ کو ان کی وجہ سے خاصی دقت کا سامنا تھا۔ (سیرت حلبیہ جلد 1 صفحہ 38)

پتہ نہیں یہ خواہش کتنے دلوں میں دبی ہوئی تھی اور حرف مدعا بن کر زبانوں پر نہیں آ رہی تھی مگر جب یہ پتہ چلا کہ اب حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے کے نکاح کے لئے سوچنے لگے ہیں تو سب میدان میں آ گئیں اور حضرت عبداللہ کی خواستگار بن گئیں۔ قریش کی خواہش مند دوشیزاؤں کے علاوہ ایک ایسی خاتون کا نام بھی ملتا ہے جو علم وفضل کا پیکر اور تقویٰ وطہارت کا مجسمہ تھی۔ راوی اس کا نام قیلہ بنت نوفل یا فاطمہ بنت مر بتاتے ہیں۔ کچھ راویوں نے اس خاتون کا نام ام قتال بنت نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ لکھا ہے۔

ایک دن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ام قتال بنت نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس سے گزرے جو ورقہ بن نوفل کی بہن تھی۔ علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''مدارج النبوت'' (جلد دوم) میں لکھتے ہیں کہ اس عورت کا نام رقیصہ یا قیلہ بنت نوفل ہے لیکن ابن جوزی نے ''الوفا'' میں اس کا نام ام قتال لکھا ہے۔

ام قتال نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اپنے والد کے ساتھ ہوں جدھر وہ جائیں گے میں بھی ان ہی کے ساتھ ہوں۔ جیسا کہ نور محمدی ﷺ کی وجہ سے سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھے اس لئے قریش کی عورتیں ان کو بہت پسند کرتی تھیں لیکن اللہ تبارک تعالیٰ قادر مطلق نے ان کی عصمت اور پاکدامنی کو محفوظ رکھا۔

ام قتال نے ان سے کہا کہ ایک سو اونٹ آپ کے لئے قربان کیے گئے ہیں، اتنے ہی اونٹ مجھ سے لے لیں اور مجھے اپنی زوجہ یعنی بیوی بنا لیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے والد کے ساتھ ہوں اور ان سے جدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت عبدالمطلب اپنے لخت جگر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدھے بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ کے چھوٹے بھائی وہیب کے پاس پہنچے جنہوں نے اپنی بھتیجی سیدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

سیدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نسب اور شرف میں قریش کی تمام عورتوں میں افضل تھیں۔ شادی کے بعد نور مصطفیٰ ﷺ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ میں سے منتقل ہو کر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا میں جلوہ گر ہو گیا۔ شادی کے بعد جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ام قتال سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو انہوں نے آزمانے کی خاطر اس سے کہا کہ تم نے مجھے نکاح کی

جو پیشکش کی تھی وہ مجھے قبول ہے لہٰذا مجھ سے نکاح کرلو۔ام قتال نے جب آمادگی ظاہر نہ کی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کچھ عرصہ پہلے تم نے خود نکاح کی پیشکش کی تھی اور آج منہ موڑ رہی ہو۔اس پر ام قتال نے جواب دیا کہ جو نور اس وقت تمہاری پیشانی میں چمک رہا تھا اور جس کی ماں بننے کی تمنا پر میں اتنے اونٹ دینے کے لئے راضی تھی اب وہ نور تم سے جدا ہو گیا ہے۔اس لئے اب مجھے آپ سے نکاح کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں۔

ابن جوزی ''الوفا'' میں لکھتے ہیں کہ ام قتال کو اس علم ومعرفت کی وجہ یہ تھی کہ اس کے بھائی ورقہ بن نوفل نے نصرانی مذہب اختیار کیا تھا اور آسمانی کتب کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔اس مطالعے سے یہ ان کو معلوم ہوا کہ اس امت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک نبی آخرالزمان کا ظہور ہونے والا ہے۔ام قتال کو اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے جو معلومات حاصل ہوئیں اس کے مطابق اسے یہ معلوم ہوا کہ آخرالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد بھی ہیں اور ان کی پیشانی میں جس نور کا ظہور تھا وہ اسی نور مجسم رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔

(الوفا-ابن جوزی-مدارج النبوت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

وہب بن ربیعہ کی پھوپھی سے روایت ہے کہ جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا حاملہ ہوئیں تو فرمایا مجھے کچھ بھی خبر نہ ہوئی کہ میں حاملہ ہوں یا نہیں؟ اس لئے کہ مجھے نہ تو کسی قسم کا بوجھ اور ثقل محسوس ہوا اور نہ متلی وغیرہ جیسا کہ اس دوران عورتوں کو یہ حالتیں پیش آتی ہیں۔صرف اتنا ہوا کہ حالت حیض منقطع ہوگئی اور مجھے اس پر حیرانی ہوئی۔

ابونعیم سے خرائطی اور ابن عساکر نے بطریق عطاء حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبدالمطلب اپنے فرزند حضرت عبداللہ کو لے کر ایک کاہنہ کے پاس سے گزرے جو تورات،انجیل اور کتب سابقہ کی عالمہ تھی۔اس کا نام فاطمہ شمعیہ تھا۔اس نے حضرت عبداللہ کے چہرے (پیشانی) پر نور محمدی چمکتا ہوا دیکھا تو حضرت عبداللہ کو نکاح کی دعوت دی مگر آپ نے انکار کردیا۔پھر مذکور ہے کہ آپ کا نکاح حضرت آمنہ سے ہوگیا اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بطن میں منتقل ہو گیا۔

تو ایک روز حضرت عبداللہ اسی فاطمہ نامی کاہنہ کے پاس سے دوبارہ گزرے،اس نے آپ کی طرف توجہ تک نہ کی۔حضرت عبداللہ آزمانے کی خاطر نے پوچھا کیا بات ہے اس وقت مجھے دعوت نکاح دیتی تھی اور آج توجہ تک نہیں کرتی۔اس خاتون نے جواب دیا جس نور کی خاطر میں آپ کی طرف راغب ہوئی تھی وہ کوئی اور خوش نصیب لے گئی۔اب مجھے آپ سے شادی کی حاجت نہیں۔میری خواہش تھی کہ وہ نور مبارک میرے نصیب میں ہوتا مگر اب ایسا ممکن نہیں رہا۔وہ نور اب آپ سے جدا ہو چکا ہے۔

بتایا گیا ہے کہ جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نکاح ہو گیا تو قریش کے قبائل بنومخزوم،بنوعبدشمس اور بنوعبدمناف کی وہ لڑکیاں جو نکاح کی خواہش مند تھیں غم سے بیمار ہوگئیں اور نکاح سے محروم رہ جانے پر انہیں سخت صدمہ پہنچا۔(سیرت حلبیہ جلد 1 صفحہ 38)

حضرت عبدالمطلب عظیم المرتبت اور سراپا یمن وسعادت بہو کو لے کر گھر آئے۔ محمد بن سائب کلبی سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے شادی کے بعد حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس صرف تین دن قیام کیا اور بعد ازاں دستور عرب کے مطابق قافلہ تجارت کے ساتھ ملک شام روانہ ہو گئے۔ شادی اوائل ماہ رجب میں پیر کے دن عمل میں آئی۔ ان ہی اگلے تین چار دنوں کے دوران وہ بابرکت گھڑی بھی آئی جب نور محمد کی گراں بار اور درخشاں امانت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے سپرد ہوئی اور ان کی مقدس پیشانی اس نور سے جگمگا اٹھی جو حضرت عبداللہ کی پیشانی میں جلوہ گر تھا۔ مروی ہے کہ جس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور حضرت آمنہ کے بطن میں منتقل ہوا وہ شب جمعہ تھی۔

اس انتقال نور کے بعد حضرت آمنہ بنت وہب کی زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں اور آپ نے کیا روح پرور بشارتیں سنیں ہم ان کا ذکر بعد میں کریں گے۔ دستور قریش کے مطابق حضرت عبداللہ کو تجارت کی غرض سے قافلہ کے ہمراہ ملک شام جانا پڑا۔ سامان بیچا' اپنا کام مکمل کیا' واپس آ رہے تھے کہ راستے میں بیمار پڑ گئے۔ جب مدینہ کے قریب پہنچے تو قافلے سے کہا میری طبیعت زیادہ خراب ہو گئی ہے سفر جاری نہیں رکھ سکتا۔ میں یہاں اپنے ننھیال میں ٹھہر جاتا ہوں۔ آپ لوگ جائیں۔

حضرت عبداللہ وہاں ایک مہینہ رہے مگر صحت یاب نہ ہو سکے اور انتقال فرما گئے۔ اپنے والد گرامی حضرت عبدالمطلب کے اخوال بنی عدی بن نجار کے ہاں مدفون ہوئے۔ (انا للّٰہ وانا الیہ راجعون) قدرت کو یہی منظور تھا کہ اس کا محبوب جب اس دنیا میں تشریف لائے تو باپ کا سایہ اس کے سر پر نہ ہو۔ یہ ازل سے مقدر تھا اور کتب قدیمہ میں اعلان کر دیا گیا تھا کہ نبی آخر الزمان یتیم پیدا ہوں گے اور یہود ونصاریٰ کے ہاں اس آخری نبوت کی صداقت کی ایک علامت یہ بھی تھی جو پوری ہوگئی۔

واپسی پر حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کو قافلے کے ہمراہ نہ پا کر بے قرار ہو گئے۔ فوراً اپنے بیٹے حارث کو بھیجا کہ جا کر چھوٹے بھائی کو لے آئے مگر وہاں پہنچ کر انہیں اندوہناک خبر کے سوا کچھ نہ ملا۔

جب حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا تک اپنے شوہر کے انتقال اور اپنی بیوگی کی روح فرسا خبر پہنچی تو دنیا ان کی آنکھوں میں اندھیر ہوگئی۔ غم فرقت سے نڈھال ہو کر گر پڑیں۔ ہوش آیا تو درد نہاں اور جذبات غم اشعار میں ڈھل گئے۔

کچھ اشعار کا اُردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

1- ''بطحا وادی کے کنارے نے ہاشم کے بیٹے کو موت کی نیند سلا دیا وہ مختلف پردوں میں لپٹا ہوا مکہ سے باہر لحد کا پڑوسی بن گیا۔''

2- ''موت نے اسے اچانک دعوت دی جسے اس نے قبول کر لیا اور موت نے لوگوں میں ہاشم کے اس بیٹے کا کوئی مثیل باقی نہ چھوڑا۔''

3- ''وہ ایک حسرت ناک شام تھی جب اس کے دوست اس کی چارپائی کو اٹھا کر لے جا رہے تھے تو وہ انبوہ (احباب کے ہجوم) کی وجہ سے باری باری کندھا بدل رہے تھے۔''

4- ''اگرچہ موت اور اس کی مشکلات (چیرہ دستی) نے اس کو جھپٹ لیا ہے لیکن وہ درحقیقت بہت سخی، دریادل، ہردلعزیز، کریم دوست اور بہت رحم کرنے والا تھا۔'' (السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 44)

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان کی عمر پچیس برس تھی۔ (الطبقات الکبریٰ جلد 1 صفحہ 99)

حضرت عبداللہ نے ترکہ میں بکریوں کا ایک ریوڑ اور پانچ اونٹ چھوڑے۔ اس کے علاوہ ایک کنیز چھوڑی جس کا نام ''ام ایمن'' تھا۔ اس خاتون نے نبی آخرالزمان ﷺ کو گود کھلایا اور بہت خدمت کی جس کا حضور ﷺ نے بعد میں اعتراف بھی فرمایا اور اس کی بہت قدر افزائی فرمائی۔

علامہ احمد بن زینی دحلان السیرۃ النبویہ میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا نبی کریم ﷺ کو یتیم پیدا کرنے میں کیا حکمت تھی؟ آپ نے فرمایا اس کی متعدد حکمتیں ہیں، ان میں سے ایک حکمت یہ ہے تاکہ کسی مخلوق کا حق آپ پر نہ رہے۔ یعنی وہ حقوق جو بالغ ہونے کے بعد کسی پر ان کی ادائیگی لازم ہوتی ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی اس وقت انتقال فرمایا جب کہ حضور ﷺ کی عمر صرف چھ سال تھی۔ نیز یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ معزز وہ ہے جس کو اللہ تبارک تعالیٰ عزت عطا فرمائے۔ نیز آپ کی قوت، آپ کے آباؤ اجداد اور ماؤں کے ذریعہ سے نہیں اور نہ مال کے ذریعہ سے بلکہ آپ کی قوت وطاقت کا راز اللہ تبارک تعالیٰ کی نصرت ہے اور اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ حضور کو جب یتیمی کی تکلیفوں کا ذاتی تجربہ ہوگا تو حضور فقیروں اور یتیموں پر مزید رحم فرمائیں گے۔''

(السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 44)

پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضور پُرنور حبیب کبریاء ﷺ ابھی شکم مادر میں ہی تھے کہ والد ماجد کا ظل عاطفت سر سے اٹھا لیا گیا اور آپ یتیم ہو کر رہ گئے۔ علامہ احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب السیرۃ النبویہ میں لکھتے ہیں۔

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ نے وفات پائی تو فرشتوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی اے ہمارے اللہ! ہمارے سردار، تیرا نبی یتیم ہو گیا اس کا باپ نہ رہا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ ہم اس کے حافظ اور مددگار ہیں۔ دوسری روایت میں ہے اللہ تبارک تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا میں اس کا دوست ہوں، نگہبان ہوں، مددگار ہوں، پروردگار ہوں، اس کی مدد کرنے والا ہوں اس کو رزق دینے والا ہوں اور ہر بات میں اس کے لئے کافی ہوں۔ پس تم اس پر درود پڑھا کرو اور اس کے نام سے برکت حاصل کیا کرو۔ (السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 44)

پیش گوئیاں، بشارتیں

یہودی علماء کو احبار اور عیسائی علماء کو رہبان کہتے ہیں۔ اُس دور ''فساد و ابتلاء'' میں یہی لوگ اہل کتاب اور اہل علم تھے ان کے سوا پوری دنیا جہالت، بت پرستی، ضعیف الاعتقادی اور شرک و گمراہی کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کسی کو ہوس و نفس کے مکروہ تقاضے پورے کرنے اور حیوانیت و درندگی کا مظاہرہ کرنے کے سوا کسی اور چیز سے سروکار نہ تھا۔ باطل پرستی میں مگن اور بتوں کے آگے سرنگوں وہ اپنے ہی حال میں مست تھے۔ جانوروں جیسی زندگی گزار رہے تھے جس میں علم و ہنر کی روشنی کا کوئی دخل نہ تھا۔

لیکن احبار و رہبان کا ایک خاص طبقہ اس تاریکی سے تقریباً محفوظ تھا۔ ان کے پاس سابقہ آسمانی کتب کے علوم کی صورت میں ایک قندیل نور تھی جس کی روشنی میں انہیں راہ ہدایت صاف اور واضح نظر آ رہی تھی۔

وہ اپنی اولاد کو بھی یہ روشنی تقسیم کرتے رہتے تھے اور شوق دلایا کرتے تھے کہ جب بعثت محمدی ﷺ کا وقت آئے تو وہ کسی سے پیچھے نہ رہیں تاکہ فوز و فلاح، دائمی سعادت اور ابدی کامیابی ان کے قدم چومے اور وہ اللہ کے مقبول بندوں میں سے ہو جائیں۔

یہ قندیلِ نور دراصل صدیوں سے نسل در نسل منتقل ہونے والا ایک خاص پیغام تھا جو یہ ہے۔

''فارقلیط، منحمنا، برقلیطس، محمد اور احمد ﷺ آنے والے ہیں۔''

وہ نبی آخر الزماں ﷺ اور کائنات کے نجات دہندہ ہیں۔ ناروا بوجھ اور طوق و سلاسلِ غلامی سے چھڑانے والے ہیں۔ اے لوگو! اس مسیحا کا انتظار کرو اور اس کی غلامی، اطاعت اور پیروی کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لو 'اب وہی سلسلۂ نبوت کا آخری نشان رہ گئے ہیں' ان کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ وہ آئیں گے تو کائنات کو اجالوں، برکتوں، رحمتوں اور سعادتوں سے بھر دیں گے۔ جو ان کا قرب پائے گا وہ امن و اطمینان کے مضبوط حصار میں آ جائے گا' جو ان کے حضور بیٹھے گا وہ رحمتِ الٰہی کی آغوش میں چلا جائے گا۔ وہ سکون و قرار کا مخزن، امن و عافیت کا گہوارہ اور رحمت و شفقت کا سمندر ہوں گے۔ گندگی میں لتھڑے ہوئے بدبودار انسانوں کو آبِ حیات سے دھو کر ''امر'' کر دیں گے۔ انہیں سرور سرمدی اور حیاتِ جاودانی عطا کریں گے۔ انہیں اخلاق و شرافت اور تہذیب و تمدن کے اعلیٰ مناصب تک پہنچا دیں گے وہ سیرت و کردار کا اعلیٰ معیار پیش کریں گے۔

اس دور میں اللہ والے بہت کم رہ گئے تھے اور جو اللہ والے تھے ان میں ہر حبر، راہب، پادری اور عالم اپنی جگہ ایک مکمل درسگاہ تھا۔ اور ہر طرف سے منہ موڑ کر اسی کام اور تبلیغ میں لگا ہوا تھا اور اسے زندگی کی سب سے بڑی متاع تصور کرتا تھا۔ جو ضلالت ظلمت و گمراہی میں گھرے لوگ اُن کے حضور پہنچ کر من کی روشنی کے لئے ان کے علم سے اکتسابِ فیض کرنا چاہتے اور آسمانی ہدایت کے طالب ہوتے تو وہ بڑی فراخدلی سے اس کی رہنمائی کرتے اور حق وصداقت کی راہ دکھاتے۔

درج ذیل میں اللہ تبارک تعالیٰ کے محبوب خاص، پیغمبر اوّل و آخر و اعظم اصل الموجودات' حاصل کائنات' حضور پُرنور نبی کریم' رؤف ورحیم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آسمانی (توریت پاک، انجیل مبارک) اور غیر آسمانی (کہانت، خواب اور ان کی تعبیر) پیش گوئیاں، بشارتیں، خوشخبریاں آپ ﷺ کی صفات مبارک کا ذکر خیر' تعظیم وتکریم کے احکامات منزہ وغیرہ کا ایک ترتیب سے بیان ہوگا اور اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ کی میلاد مبارک کے وقت جن عجائب قدرت الٰہی کا ظہور ہوا، ان کا بھی مصدقہ اور مفصل ذکر پاک کیا جائے گا۔

توریت پاک، پیش گوئیاں اور یہودی

قارئین کرام! درج ذیل قرآنی آیات مبارک اور روایات مصدقہ سے پہلے یہ درج ذیل نکات' یہ حقیقت خوب واضح ہو جائے گی کہ:

1- اللہ تبارک تعالیٰ نے روز اوّل سے عالم ارواح میں ہی اپنے محبوب خاص پیغمبر اوّل واعظم وآخر، خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کا اعلان بین الانبیاء ورسول فرمادیا اور تمام انبیاء کرام علیہ السلام کو اس امر کا پابند کیا کہ وہ حضور پُرنور خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لائیں اور حضور ﷺ کی آمد پر نصرت کریں۔ اسی لئے تمام انبیاء کرام علیہ السلام نے اپنے اپنے وقت میں حضور ﷺ کی آمد مبارک کی خوشخبری سنا کر اپنی امتوں کو شاد کام کیا اور منتظر بنایا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے جس آن بان شان سے اپنے محبوب خاص ﷺ کے محاسن، جمالات، کمالات وصفات کا تذکرہ سابقہ آسمانی کتابوں میں فرمایا انبیاء کرام نے بھی اسی شدومد سے اپنی اپنی امت میں ذکر خیر فرمایا۔

2- سابقہ آسمانی کتابوں توریت، زبور وانجیل پاک اور صحیفوں میں اللہ تبارک تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کا ذکر پاک بار بار خوب وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے۔

3- یہودی علماء خاص طور پر اور یثرب کے یہودی عام طور پر آپ ﷺ کو بمطابق ارشادات وفرمودات حضرت موسیٰ علیہ السلام وتعلیمات توریت پاک بہت اچھی طرح مکمل وضاحت کے ساتھ پہچانتے تھے۔ یہودی علماء فی الحقیقت آپ ﷺ کو ایسے پہچانتے تھے جیسے بقول قرآن حکیم آدمی اپنے بیٹوں کو لاکھوں میں پہچانتا ہے۔ بس مشیت ایزدی یہ ہوئی کہ وہ اپنے بغض وعناد وحسد کے باعث اس رحمت پاک سے دور رہے

اوران میں سے جن خوش نصیبوں کے نصیب میں اس رحمت پاک، رحمت رب العالمین، رحمۃ للعالمین کا پانا لکھا تھا وہ بلا چوں چراں آپ ﷺ کے جمالات کمالات وصفات کی ایک جھلک پاتے ہی ایمان لے آئے۔

سورۃ بقرہ آیت 146 میں ارشاد ربّ العالمین ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: ''جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس نبی کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے''اور بے شک ان میں ایک گروہ جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔''

اس آیت مبارکہ کی تفسیر یوں ہے کہ توریت وانجیل مبارک میں خاتم النبیین ﷺ کے اوصاف ایسے واضح اور صاف بیان کیے گئے ہیں کہ ان کے جاننے کے بعد علماء اہل کتاب کو حضور ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں کچھ شک وشبہ باقی نہیں رہ سکتا اور علماء اہل کتاب نبی کریم ﷺ کے اس منصب عالی کو مکمل یقین کے ساتھ جانتے ہیں، پہچانتے ہیں۔

احبار یہود میں سے عبداللہ بن سلام جب اسلام لائے یا مشرف با اسلام ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ ''یعرفونہ'' (وہ ایسے پہچانتے تھے) میں جو معرفت بیان کی گئی ہے اس کی کیا شان ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اے عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا تو پورے یقین کے ساتھ پہچان لیا اور میرا حضور کو پہچاننا، اپنے بیٹوں کو پہچاننے سے بدرجہا زیادہ مکمل اور یقینی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ کیسے؟ انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور اللہ کی طرف سے اس کے بھیجے ہوئے رسول ہیں ان کے اوصاف اللہ تبارک تعالیٰ نے ہماری کتاب توریت میں بہت واضح بیان فرمائے ہیں۔ بیٹے کی طرف سے ایسا یقین کس طرح ہو، عورتوں کا حال ایسا قطعی کس طرح معلوم ہوسکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خوبصورت وضاحت پر ان کا سر چوم لیا۔

میرے خیال میں تو یہودیوں کی دین اسلام اور بانی دین کے بارے میں سوچ رویہ انداز فکر اور حقیقت حال کو مکمل واضح طور پر بیان کرنے کے لئے سورۃ بقرہ کی مندرجہ بالا آیت مبارک ہی کافی ہے۔

بس اس میں سے اس حصہ کو'' کہ وہ اس نبی کو ایسے پہچانتے تھے جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے'' مزید آسان اور زود فہم انداز میں بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ قارئین کرام اس کو اور آسان اور خوبصورتی سے سمجھنے کے لئے کچھ دیر کے لئے آپ اپنے بارے میں یا کسی اور خوش قسمت دوست کے بارے میں یوں تصور کرلیں کہ آپ حج ادا کرنے کے لئے اپنے ایک پچیس سالہ بیٹے کے ساتھ مکہ معظمہ آئے ہوتے ہیں۔

آپ پہلی دفعہ آئے ہیں اور زبان و مقام و شہر مکہ سے بالکل ناواقف ہیں۔ دوسرے دن ہی آپ کا بیٹا آپ سے بچھڑ جاتا ہے اور بھیڑ میں گم ہو جاتا ہے۔ نووارد ہونے کی وجہ سے سڑکوں، مقامات اپنی رہائش کی جگہ کے بارے میں بھی آپ کا بیٹا بھی مناسب درکار واقفیت نہیں رکھتا اور وہ اس سبب از خود آپ کو تلاش نہیں کر سکتا۔ آپ کے پاس نہیں پہنچ سکتا۔ اب آپ نے ہی اسے تلاش کرنا ہے، پہچان کر اپنے پاس لانا ہے۔

الحمدللہ کہ آپ حج پر ہیں اور مکہ معظمہ میں ہیں اس لئے بیٹے کا گم ہو جانے کا خوف و خطرہ تو آپ کو لاحق نہیں ہوگا جو عموماً اور ممالک میں گم ہو جانے کی صورت میں فوراً پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً کسی بردہ فروش نے اغواء نہ کیا ہو، کسی نے تاوان کے لئے اغوا نہ کیا ہو کسی دشمن نے مار نہ ڈالا ہو، کوئی حادثہ پیش نہ آ گیا ہو۔

ان وسوسوں کے برخلاف حج کے موقع پر آپ کو یقین واثق ہے کہ بیٹا اتفاقیہ بچھڑ گیا ہے جہاں بھی ہوگا، خیریت سے ہوگا ایک دو دن میں مل ہی جائے گا لیکن پھر بھی باپ ہونے کے ناطے اپنے جذبات پدری کے تحت آپ بہت بے قرار ہیں، بے چین ہیں اور جلدی سے جلدی اپنے بیٹے کو پا لینے کے لئے کوشاں ہیں اور یوں آپ کسی لوکل، مقامی آدمی یا ایسے شخص کے ساتھ جو مکہ معظمہ کے مختلف مقامات اور سڑکوں، راستوں سے اچھی طرح واقف ہو، بیٹے کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں۔ یہ اپنے بیٹے کی تلاش کا کام آپ کسی اور کے حوالے نہیں کر سکتے کیونکہ آپ ہی اپنے بیٹے کو پہچان سکتے ہیں۔

ماشاءاللہ 25'20 لاکھ کے قریب حج کا مجمع ہے اور پھر اہل مکہ بھی ہیں یعنی کہ 35'30 لاکھ میں سے آپ نے اپنا بیٹا پہچاننا ہے، تلاش کرنا ہے۔ حاجی صاحبان مکہ منیٰ مزدلفہ میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر کوئی اپنی سہولت کے مطابق مناسک حج ادا کر رہا ہے اور یوں حاجی صاحبان مکہ منیٰ اور راستوں میں تقریباً برابر برابر بٹے ہوئے ہیں۔ آپ اسے تلاش کر رہے ہیں اور انشاءاللہ اس جم غفیر میں اسے پہچان بھی لیں گے کیونکہ شب و روز آپ کا ساتھ رہا ہے۔ آپ بیٹے کی عمر، قد کاٹھ، چال، ڈھال باریک سے باریک بات نشانیاں، چہرہ مہرہ، رنگ، پسند ناپسند، زبان، طرز کلام، عادت و طبیعت مختلف حالات میں اس کا ردّ عمل غرضیکہ آپ اتنا زیادہ جانتے ہیں کہ یقیناً اسے ہزاروں میں لاکھوں میں دیکھ کر فوراً پہچان لیں گے۔

آپ نے ایک دن پورا تلاش میں لگا دیا۔ منیٰ، مزدلفہ میں گھومے، حرم پاک میں طواف و سعی کے مقامات پر بہت دیر تک تلاش کیا۔ لاکھوں چہرے ایک دن میں نظر کے سامنے گزر گئے لیکن آپ کا بیٹا نہ ملا۔

آپ کو حج کے منتظمین اس بڑی وسیع عمارت میں بھی لے گئے جہاں بچھڑے ہوئے یا گمشدہ اشخاص کو رکھا جاتا ہے۔ وہاں دو ڈھائی سو ایسے افراد موجود تھے آپ نے سب پر ایک نظر ڈالی اور کہہ دیا کہ ان میں میرا بیٹا نہیں ہے۔

دوسرے دن بھی آپ کا یہی معمول رہا۔ لاکھوں چہرے دیکھ ڈالے بیٹا نہیں ملا۔ شام کے قریب آپ کو پھر

منتظمین حج بچھڑے ہوئے، گمشدہ لوگوں کی جگہ پر لے گئے کہ ان دو تین سو اشخاص میں آپ کا بیٹا بھی ہو تو دیکھ لیں۔ حسن اتفاق سے آپ نے ان بچھڑے ہوئے تھکے ماندہ، غمزدہ چہروں میں سے اپنے بیٹے کو فوراً پہچان لیا اور اپنے ساتھ جائے رہائش پر لے آئے۔

آپ نے اپنا بیٹا 35'30 لاکھ کے مجمع میں سے پہچان لیا ہے کیوں؟

کیونکہ جیسا اوپر بیان کیا جاچکا ہے آپ اس کے بارے میں باریک سے باریک نشانی بھی بہت اچھی طرح جانتے تھے اور آپ میں اسے جلد پالینے کا فطری شوق، جذبہ جذبہ محبت بھی تھا۔

بعین ہی (بالکل اسی طرح) علماء یہود بھی آپ ﷺ کے عرصہ دراز سے منتظر تھے اور آپ ﷺ، خاتم النبیین پر ایمان لانے کا جذبہ وشوق رکھتے تھے اور تاریخ کی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے (مرقوم ہے) کہ اسی جذبہ وشوق اور اس خاص بشارت ''کہ نبی آخرزمان کا دارالہجرت یثرب ہوگا'' کے تحت کچھ یہودی عالم دور دراز کے آبائی علاقوں کو چھوڑ کر یثرب میں آکر آباد ہو گئے۔

یہودی علماء بہت اچھی طرح جانتے تھے

یہودی علماء حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمودات وارشادات توریت شریف اور انجیل مبارک کے سبب آپ ﷺ کا اسم مبارک، آل وخاندان یا قبیلہ، جائے ولادت، زمانہ ولادت، حسن نبوی، جمال مصطفیٰ، جمال فضائل خلق وکلام وجامع صفات حمیدہ، زمانہ بعثت، بعثت، خدائے واحد کی عبادت کا فرمانا، شرک وبت پرستی کا خاتمہ، خدائے وحدہ لاشریک کے دین کا پرچار تبلیغ اور اس کے ساتھ ہی مصائب ومشکلات کا تحمل صبر وسکون سے مقابلہ، پھر آپ کا ہجرت فرمانا اور دارالہجرت یثرب کا ہونا وغیرہ وغیرہ کو بہت تفصیل، وضاحت ویقین کے ساتھ جانتے تھے پہچانتے تھے۔ کیونکہ یثرب میں یہودیوں کے کئی عالم موجود تھے اور وہ وقتاً فوقتاً آپ ﷺ کا ذکر خیر کرتے رہتے تھے اس لئے یثرب کے تقریباً ہر خاص وعام یہودی آپ ﷺ کی مبارک آمد کا انتظار کر رہا تھا۔

درج ذیل آیت مبارک سورۃ آل عمران آیات 82'81 سے بھی یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہ السلام نے اپنی اپنی امتوں کو نبی کریم ﷺ کے محاسن، جمالات کمالات وصفات سے حد درجہ آگاہ کیا تھا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

''اور یاد کرو جب لیا اللہ تبارک تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ (عہد) لیا کہ (قسم ہے تمہیں اس کی) جودوں میں تم کو کتاب وحکمت سے پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو

ان کتابوں کی جو تمہارے پاس ہیں تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی (اس کے بعد) فرمایا کیا تم نے اقرار کرلیا اور اٹھالیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں پھر جو کوئی پھرے اس پختہ عہد کے بعد تو وہی لوگ فاسق ہیں۔'' (سورۃ آل عمران: 81-82)

اس کی تشریح میں: سیدنا حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ہر ایک نبی سے یہ پختہ وعدہ لیا کہ اگر ان کی موجودگی میں سرور دوعالم سرور کون ومکان محمد رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوں تو اس نبی پر لازم ہے کہ وہ حضور کی رسالت پر ایمان لاکر آپ کی امت میں شمولیت کا شرف حاصل کرے اور ہر طرح سے دین کی تائید ونصرت کرے اور تمام انبیاء نے یہی عہد اپنی امتوں سے لیا۔

السید المحقق محمود آلوسی صاحب روح المعانی تحریر فرماتے ہیں۔

''یعنی اسی لئے عارفین نے فرمایا ہے کہ نبی مطلق، رسول حقیقی اور مستقل شریعت کے لانے والے حضور نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور جملہ انبیاء حضور علیہ السلام کے تابع ہیں۔''

(ضیاء القرآن)

ان دو آیات میں دو امور کی وضاحت کی گئی ہے ایک تو دکھی انسانیت کو سرکار دوعالم ﷺ کی آمد کا مژدہ جاں فزا سنایا گیا۔ دوسرا حضور کی شان کو اس طرح واضح کیا گیا کہ حضور ﷺ کی ذات پاک وہ پاک ذات ہے جس پر ایمان لانا اور اس کے دین کی نصرت کے لئے سرگرم عمل رہنا تمام انبیاء کرام پر لازم کیا گیا ہے۔

قرآن حکیم سورۃ بقرہ آیت 89 میں ارشاد حاکم الحاکمین ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ هُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ لا وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ (سورۃ بقرہ: 89)

ترجمہ: ''اور وہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبی کے وسیلہ سے) تو جب تشریف فرما ہو ان کے پاس وہ نبی جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا اس کے ماننے سے سو پھٹکار ہو اللہ کی (دانستہ) کفر کرنے والوں پر۔''

صاحب روح المعانی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یہود کی ہٹ دھرمی اور دانستہ کفر کی ایک اور مثال بیان فرمائی جارہی ہے۔

حضور کریم ﷺ کی تشریف آوری سے پیشتر یہود کا شعار تھا کہ جب بھی کفار ومشرکین سے ان کی جنگ ہوتی اور ان کی فتح کے ظاہری امکانات ختم ہوجاتے تو اس وقت توریت مبارک کو سامنے رکھتے اور وہ مقام کھول کر جہاں حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی صفات وکمالات کا ذکر ہوتا وہاں ہاتھ رکھتے اور ان الفاظ سے دعا کرتے۔

''اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے اس نبی کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں جس کی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے آج ہمیں اپنے دشمنوں پر فتح دے۔ تو حضور پُر نور ﷺ کے صدقے اللہ تبارک تعالیٰ انہیں فتح دیتا۔'' (روح المعانی۔قرطبی وغیرہ)

علامہ ابن جوزی رقمطراز ہیں۔

''معاذ بن جبل اور بشر بن براء رضی اللہ عنہما نے فرمایا اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو۔ تمہیں وہ بات بھول گئی جب ہم مشرک تھے تو تم حضور ﷺ کے وسیلہ سے ہم پر فتح حاصل کرتے تھے اور ہمیں بتاتے تھے کہ وہ مبعوث ہونے والے ہیں اور ان کی صفات کے بارے میں بھی ہمیں بتایا کرتے تھے۔ سلام بن مشکم نے کہا نہیں یہ وہ نہیں ہیں جن کا ہم ذکر کرتے تھے یہ کوئی ایسی چیز لے کر نہیں آئے جسے ہم جانتے ہوں۔''

(الوفا جلد 1 صفحہ 44)

حقیقت کے اس کھلے انکار کو بجز حسد اور بغض باطنی کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

بہت سی ایسی روایات بھی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اہل کتاب حضور نبی کریم ﷺ کو پہچانتے تھے لیکن محض حسد اور عناد کی وجہ سے ایمان لانے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے۔

علامہ ابن قیم کہتے ہیں۔

حضرت صفیہ (جن کو بعد میں ام المومنین رضی اللہ عنہا بننے کا شرف حاصل ہے) یہ حی بن اخطب، رئیس یہود کی بیٹی تھیں ان کے چچا کا نام ابو یاسر بن اخطب تھا۔ آپ کہتی ہیں کہ میرے والد اور میرے چچا تمام بچوں سے زیادہ میرے ساتھ محبت کرتے تھے۔ جب بھی میں ان سے ملاقات کرتی تو مجھے اٹھا کر سینے سے لگا لیتے۔ جب اللہ کے پیارے رسول قبا میں تشریف لائے اور بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں قیام فرمایا تو میرا والد اور میرا چچا صبح اندھیرے منہ حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گئے اور سورج غروب ہونے کے بعد واپس لوٹے۔

جب وہ واپس آئے میں نے محسوس کیا کہ وہ تھکے ہوئے ہیں' افسردہ خاطر ہیں اور بڑی مشکل سے ہولے ہولے چل رہے ہیں۔ میں نے حسب معمول ان کو محبت بھرے کلمات سے مرحبا کہا لیکن ان دونوں میں سے کسی نے میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ میں نے اپنے چچا ابو یاسر کو اپنے باپ سے یہ کہتے ہوئے سنا کیا یہ وہی ہیں؟ اس نے کہا بیشک خدا کی قسم! پھر چچا نے پوچھا کیا تم نے ان کو تورات میں بیان کردہ نشانیوں اور صفات سے پہچان لیا ہے؟ اس نے جواب دیا بے شک خدا کی قسم' پھر چچا نے پوچھا بتاؤ اب کیا خیال ہے میرے باپ نے جواب دیا۔''عداوته واللّٰه مابقیت'' ''خدا کی قسم جب تک زندہ رہوں گا ان سے عداوت کرتا رہوں گا۔''

(ہدایہ الحیاری از ابن قیم صفحہ 40)

بنو قریظہ یہودی قبیلہ تھا جو یثرب میں دوسرے یہودی قبائل کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ عاصم بن عمر بن قتادہ

بیان کرتے ہیں کہ بنی قریظہ قبیلہ کے ایک رئیس نے مجھ سے پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ شعبہ کے دونوں بیٹے اسد اور ثعلبہ اور عبید کا بیٹا اسد کیونکر مسلمان ہوئے؟ میں نے کہا نہیں! اس نے کہا کہ ملک شام سے ایک یہودی ہمارے پاس آیا ہے۔ اس کا نام ''ابن الہیبان'' تھا اور ہمارے پاس آ کر رہائش پذیر ہو گیا۔ بخدا ہم نے اس سے بہتر کوئی اور نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا۔ وہ حضور ﷺ کی بعثت سے دو سال قبل یہاں آیا تھا جب کبھی ہم قحط سالی کا شکار ہوتے تو ہم اس سے دعا کی درخواست کرتے۔ وہ ہمیں صدقہ دینے کے لئے کہتا پھر وہ کھلے میدان میں جا کر دعا مانگتا جب وہ دعا مانگ رہا ہوتا تو بادل گھر کر آ جاتے اور بارش برسنے لگتی۔ یہ ہمارا بار ہا کا تجربہ تھا۔

وہ جب مرنے لگا تو ہم سب اس کے اردگرد اکٹھے ہو گئے اس نے کہا اے گروہ یہود تم جانتے ہو کہ سرزمین شام جو ہر طرح کی آسائشوں اور فراوانیوں کی سرزمین ہے اسے چھوڑ کر میں تمہارے اس شہر میں کیوں آیا جہاں افلاس اور بھوک کے سوا کچھ نہیں؟ ہم نے جواب دیا اس کی وجہ تو تو ہی بہتر جانتا ہے اس نے کہا کہ میں اس لئے اپنا وطن چھوڑ کر یہاں غریب الوطنی کی زندگی بسر کرتا رہا اور اب اسی حالت میں مر رہا ہوں کیونکہ مجھے ایک نبی کے ظہور کی توقع تھی اور اس کے ظہور کا زمانہ بالکل قریب آ گیا ہے اور یہ شہر اس کی ہجرت گاہ ہے۔

اے گروہ یہود! جب وہ تشریف لائے تو اس کی پیروی اختیار کرنا اور خیال رکھنا کوئی اور تم سے اس معاملہ میں بازی نہ لے جائے۔ پھر وہ مر گیا۔ پس جب وہ رات آئی جب بنو قریظہ کی گڑھیاں فتح ہوئیں وہ تینوں جوان آئے وہ بالکل نو عمر تھے۔ انہوں نے کہا اے گروہ یہود! یہ نبی وہی ہے جس کا ذکر تمہارے سامنے ابن الہیبان نے کیا تھا۔ یہودیوں نے کہا یہ وہ نہیں ہے ان نوجوانوں نے کہا بخدا! یہ وہ ہے اور اس میں وہ تمام صفات پائی جاتی ہیں جن کا ذکر اس نے کیا تھا۔ وہ اترے اور حضور پُرنور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ اپنے بال بچے اور مال و دولت کی انہوں نے ذرا پرواہ نہ کی جو یہودیوں کے قبضہ میں تھا۔

(ہدایہ الحیاری از ابن قیم صفحہ 18'17 الوفا لابن الجوزی صفحہ 55)

ابن ابی نملہ سے منقول ہے کہ یہود بنی قریظہ اپنی کتابوں میں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا ذکر پڑھا کرتے تھے اور اپنی اولاد کو بھی حضور ﷺ کی صفات مبارک سے آگاہ کرتے اور یہ بھی بتاتے کہ مدینہ حضور ﷺ کی ہجرت گاہ ہے لیکن جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو مارے حسد و عناد کے حضور پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ (الوفا لابن الجوزی صفحہ 42)

مالک بن سنان کہتے ہیں کہ میں ایک روز (ایک یہودی قبیلہ) بنی عبدالاشہل کے ہاں آیا کہ گفتگو کروں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہمارے درمیان اور بنی عبدالاشہل کے درمیان عارضی جنگ بندی کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ میں نے یوشع یہودی کو کہتے سنا کہ ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے اس کا نام احمد ہو گا جو حرم سے نکلے گا۔ خلیفہ بن ثعلبہ الاشہلی نے از راہ استہزاء کہا کہ اس کا حلیہ تو بتاؤ۔ یوشع نے کہا نہ وہ پست قد ہو گا نہ طویل قامت اس

کی آنکھوں میں سرخی ہوگی' وہ دستار باندھے گا۔ اونٹ پر سوار ہوگا' اس کی تلوار اس کی گردن میں حمائل ہوگی۔ یہ شہر (یثرب) اس کی ہجرت گاہ ہے۔

مالک کہتے ہیں' میں یہ سن کر اپنی قوم کے پاس گیا مجھے یوشع کی بات سے حیرت ہو رہی تھی۔ ہم میں سے ایک آدمی بولا یہ بات صرف یوشع تو نہیں کہتا بلکہ یثرب کا ہر یہودی کہتا ہے۔ مالک بن سنان کہتے ہیں کہ وہاں سے میں بنی قریظہ کے پاس آیا وہاں ان کے چند آدمی جمع تھے۔ انہوں نے حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کا ذکر شروع کر دیا۔

''زبیر بن باطا نے کہا کہ وہ سرخ ستارہ طلوع ہو گیا ہے یہ ستارہ صرف اس وقت طلوع ہوتا ہے جب کسی نبی کا ظہور ہو اور اب سوائے احمد کے اور کوئی نبی باقی نہیں رہا اور یہ شہر اس کی ہجرت گاہ ہے۔'' (ہدایۃ الحیاری صفحہ 27)

الغرض اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے کتب تاریخ بھری پڑی ہیں جو اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہودیوں میں سے جو اہل علم تھے وہ ان علامات کی وجہ سے حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کو خوب پہچانتے تھے جو تورات میں مذکور تھیں لیکن حسد کی بنا پر وہ ایمان لانے سے محروم رہے۔

انجیل پاک، بشارتیں، پیش گوئیاں

عیسائیوں میں بھی ان کے علماء حضور پُرنور ﷺ کی آمد کے بارے میں پوری طرح باخبر تھے اور حضور انور نبی کریم ﷺ کی علامات اور صفات ان کے ذہن میں نقش تھیں۔ چنانچہ اہل نجران کا جو وفد مدینہ طیبہ حاضر ہوا ان میں ابی حارثہ بن علقمہ ان کا سب سے بڑا عالم، امام اور مدرس تھا۔ اس کے علم و فضل کی وجہ سے روم کے عیسائی بادشاہ اس کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور اس پر وقتاً فوقتاً انعامات کی بارش کرتے رہتے تھے جس سے اس کی مالی حالت بڑی مستحکم ہو گئی تھی۔ ایک روز وہ اپنے خچر پر سوار ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضری دینے کے لئے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا بھائی کرز بن علقمہ بھی جا رہا تھا۔

اچانک ابی حارثہ کا خچر پھسلا تو کرز نے کہا (تعس الابعد) ''جو بہت دور ہے وہ ہلاک ہو۔'' اس کا اشارہ حضور ﷺ کی ذات پاک کی طرف تھا۔ ابی حارثہ غصہ سے بے قابو ہو گیا کہنے لگا (بل انت تعست) ''وہ نہیں بلکہ تم ہلاک ہو۔'' کرز نے پوچھا میرے بھائی یہ تم نے کیا کہا؟ ابو حارثہ نے کہا بخدا یہ وہی نبی ہے جس کا ہم انتظار کر رہے تھے۔ کرز نے کہا اگر حقیقت یہ ہے تو پھر تم حضور (ﷺ) پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ اس نے کہا ہماری قوم ہماری بڑی عزت افزائی کرتی ہے انہوں نے مالی طور پر ہمیں خوشحال بنا دیا وہ ان پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں۔ اگر ان پر میں ایمان لے آؤں گا تو مجھے اس اعلیٰ منصب سے بھی محروم کر دیا جائے گا اور مالی نوازشات کا سلسلہ بھی بند ہو جائے گا۔ پھر مسلسل اس کا بھائی کرز اس کو ایمان لانے کے لئے دلائل دیتا رہا۔ مجبور کرتا رہا جب وہ مایوس ہو گیا تو کرز نے حضور ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کر لی۔ (ہدایۃ الحیاری صفحہ 27)

اسی طرح نجاشی کو جب حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا گرامی نامہ ملا تو اس نے بلا تامل حضور ﷺ

کی دعوت کو منظور کر لیا اور اس بات پر بڑی حسرت کا اظہار کیا کہ حکومت کی مجبوریاں اس کے لئے زنجیر پا ہیں ورنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور کفش برداری (حضور ﷺ کے جوتے سنبھالنے) کی خدمت بجالاتا۔

عہد قدیم کے کئی ملوک وسلاطین (بادشاہ سلطان، سربراہ مملکتہ، قوم کے سردار) ایسے گزرے ہیں جنہوں نے حضور کی تشریف آوری سے پہلے حضور کی نبوت پر ایمان لے آنے کا اعلان کیا۔

اب مزید بیان سے پہلے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ سابقہ آسمانی کتابوں میں حضور کے محامد وکمالات کا ذکر خیر ہے یا نہیں۔ اس وقت عیسائیوں کے پاس چار انجیلیں ہیں جن کو مستند قرار دیا گیا ہے۔ انجیل متی۔ انجیل مرقس۔ انجیل لوقا۔ انجیل یوحنا۔ ان میں سے کوئی انجیل بھی 70 عیسوی سے پہلے مدون نہیں ہوئی۔ (یعنی کہ ان میں سے کوئی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پردہ فرما جانے کے ستر (70) سال بعد تک نہیں لکھی گئی تھی)۔ انسائیکلو پیڈیا کے یہ الفاظ غور طلب ہیں۔

''اس کی متعین تاریخ اور اس کے معرض وجود میں آنے کا صحیح مقام غیر یقینی ہے لیکن ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق پہلی صدی کے آخری سالوں سے ہے۔'' (انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا جلد 3 صفحہ 513)

اس کے چند سطر بعد اسی کالم میں رقمطراز ہیں۔

''ہمارے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہے کہ یہ چار مستند انجیلیں کیسے اور کہاں معرض وجود میں آئیں۔'' (انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا جلد 3 صفحہ 513)

جن لوگوں نے انہیں (لکھا، جمع کیا) مرتب کیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ میں سے نہ تھے بلکہ اس وقت انہوں نے نصرانیت کو قبول ہی نہیں کیا تھا اور نہ ان مرتب کرنے والوں نے ان لوگوں کا نام بتایا ہے جن کے واسطہ سے ان تک یہ اناجیل پہنچی ہیں۔ آپ خود سوچئے کہ ستر سال تک جو کتاب مرتب (لکھی) نہیں ہوئی اور اس طویل عرصہ کے بعد جن لوگوں نے اسے مرتب کیا انہوں نے یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ کن لوگوں سے انہیں یہ چیز ملی ہے تاکہ ان کے بارے میں جانچ پڑتال کی جاسکے تو ایسے مجموعہ پر کس طرح اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

اس پر ستم ظریفی یہ کہ وہ اصلی نسخے جو سریانی زبان میں لکھے گئے تھے وہ غائب ہیں، ان کا سراغ تک نہیں ملتا تاکہ ان تراجم کا اصل کے ساتھ موازنہ کیا جاسکے۔ ان سریانی اناجیل کا ترجمہ بعد میں یونانی زبان میں کیا گیا لیکن ان تراجم کا بھی کوئی اصلی نسخہ دستیاب نہیں۔ اناجیل کا جو سب سے قدیم یونانی ترجمہ ملتا ہے وہ چوتھی صدی کا تحریر شدہ ہے۔

جہاں صورتحال یہ ہو وہاں آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اناجیل (انجیل پاک کی اصل تعلیم) کیا سے کیا بن گئی ہو گی اور ان میں کس طرح کے تصرفات (غیر آفاقی الفاظ وخیالات) راہ پا چکے ہوں گے اس لئے اگر ایسی انجیلوں میں یہ بشارت نہ ملے تو قرآن پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ کی شان

اللہ تبارک تعالیٰ کی شان ملاحظہ ہو کہ تحریف و بگاڑ کے اس سیلاب کے باوجود جو صدیوں موجزن رہا اب بھی کچھ بڑی صریح، واضح عبارتیں موجود ہیں جن میں حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی آمد کے بارے میں پیشین گوئیاں کی گئی ہی یہاں بطور نمونہ انجیل کی چند آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔

1- اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ (انجیل یوحنا باب 14 آیت نمبر 16-17)

مددگار کے لفظ پر بائبل کے حاشیہ میں یا وکیل یا شفیع بھی تحریر ہے۔

2- اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔

(انجیل یوحنا باب 14- آیت 13)

3- لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔

(یوحنا باب 15- آیت 27-26)

4- لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ (یوحنا باب 16 آیت 8-9)

5- اس باب کی تیرہویں اور چودہویں آیت ملاحظہ فرمائیں۔

مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ (کتاب مقدس مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کوئی آنے والا ہے جس کی آمد کی خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بار بار اپنے امتیوں کو دے رہے ہیں۔ اس آنے والے کی جن صفات و خصوصیات کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے ان کا مصداق بجز ذات پاک حبیب کبریا حضور پُرنور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

اب مندرجہ بالا کا بیان حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی سنیئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی۔

''میرے محمد ﷺ کی تصدیق کرو اور اپنی امت کو کہہ دو! جو بھی ان کو پائے ان پر ایمان لے آئے کیونکہ اگر

محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں جنت اور دوزخ کو بھی پیدا نہ کرتا جب میں نے عرش پیدا کیا تو اس پر اضطراب طاری ہو گیا میں نے اس پر کلمہ طیبہ لکھ دیا تو وہ ساکن ہو گیا۔

(الوفا با حوال المصطفیٰ صفحہ 60)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک طویل خطبہ دیا جس کے اسلوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ بنی اسرائیل کے رویئے سے نالاں تھے اور ان کیخلاف کسی مددگار کے خواہاں تھے۔ بڑے حسرت بھرے لہجے میں آپ نے فرمایا:

اے کاش! وہ منحمنا ابھی آ جاتا جو اللہ تبارک تعالیٰ تہماری طرف بھیجے گا۔"

"سریانی زبان میں محمد کو منحمنا اور رومی زبان میں برقلفیس کہتے ہیں۔" (السیرۃ النبویہ ابن ہشام صفحہ 233)

یوحنا اور برناباس کی اناجیل میں بھی بہت سی بشارات کا ذکر ہے۔ مثلاً

15- If you love me keep my commandments.

16- And I will pray the father, and he will give you another counselor to be with you for-ever.

(St. John. Ch.14, Nalson' New York)

اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میرے احکام پر عمل کرو اور میں باپ کی بارگاہ میں دعا کروں گا۔ (چنانچہ) وہ تمہیں ایک دوسرا راحت رساں عطا فرمائے گا جو تمہارے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔

(انجیل یوحنا باب 14، آیات 15'61)

30- I will not longer talk much with you, for the ruler of this world is coming, and he has nothing in me.

(St. John, Ch.14 Nelson New York)

بہت سی باتیں تم سے نہیں کروں گا کیونکہ کائنات کا حاکم و مختار آ رہا ہے اور اس جیسی کوئی شان مجھ میں نہیں۔ (انجیل یوحنا باب 14 آیت 30)

Neverthless I tell you the truth; it is to your advantage that I go away; for if I do not go away, the comforter will not come to you but if I depart, I will send him to you.

(St. John, Ch.16 Nelson, New York)

تاہم میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ تمہارے ہی لئے مفید ہے کہ میں جاؤں کیونکہ اگر میں نہیں جاؤں گا تو وہ راحت رساں تمہارے پاس نہیں آئے گا لیکن اگر میں چلا گیا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

(انجیل یوحنا باب 16 آیات 9'8)

13- Howbelt when he, the spirit of truth, comes, he will guide into

all the truth; for he shall not speak of himself, but what soever he shall hear, that shall he speak and he will shew you things to come.

(St. John, Ch.16)

تاہم جب وہ سراپا صدق تشریف لائے گا تو وہ سچائی کی راہ دکھائے گا کیونکہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں بولے گا بلکہ جو کچھ سنے گا وہی آگے بیان کرے گا۔اور وہ تمہیں آنے والی چیزوں کی خبر دے گا۔

(انجیل یوحنا باب 16 آیت 13)

لیکن از راہ تعصب اگر کوئی اصرار کرے کہ مجھے انجیل میں حضور کا اسم مبارک دکھاؤ تو ہم اب اس کی یہ خواہش بھی پوری کرنے کے لئے تیار ہیں کیونکہ ہمیں ایک قابل اعتماد مقابلتاً تحریف سے محفوظ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابی سے منسوب، لکھی ہوئی انجیل پاک مل گئی ہے۔

لیکن یہ بات پھر بھی ذہن نشین رہے کہ انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی سریانی زبان میں تھی کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سریانی تھی۔اس اصلی نسخے کا کہیں کوئی نام ونشان نہیں۔70 عیسوی میں اس کا یونانی میں ترجمہ ہوا ہے اور یہ یونانی ترجمہ بھی نایاب ہے۔

انجیل کے جو یونانی ترجمے اس وقت موجود ہیں وہ چوتھے صدی عیسوی کے لکھے ہوئے ہیں۔ان یونانی تراجم کا پھر ترجمہ لاطینی زبان میں کیا گیا جو سلطنت رومہ کی علمی زبان تھی۔اس لاطینی ترجمہ سے دنیا بھر کی زبانوں میں انجیل کے ترجمے کیے گئے۔ترجمہ در ترجمہ کے اس عمل سے اس انجیل میں جو ردو بدل اور تحریف وقوع پذیر ہوئی ہوگی وہ محتاج بیان نہیں اگر ان تراجم میں حضور انور نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی نہ ملے تو قطعاً تعجب کی بات نہیں۔

قارئین کرام درج ذیل گرانقدر تحقیق اور خاص طور پر برناباس رحمۃ اللہ علیہ کی انجیل برناباس اور اس کے حوالہ جات کو راقم الحروف نے (میں نے) مختصراً لیکن کلیتاً جناب محترم پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز کتاب ضیاء النبی کی جلد 1 صفحہ 500 سے 512 تک سے لیا ہے۔امید ہے کہ پیر کرم شاہ صاحب کی یہ کاوش آپ سب کو بھی میری طرح بہت پسند آئے گی اور دین متین کو سمجھنے اور سمجھانے میں بہت مدد و معاون ثابت ہوگی۔

طالبان حق کی خوش قسمتی

طالبان حق کی خوش قسمتی ملاحظہ ہو کہ جب مسلمانوں نے فلسطین وغیرہ کے ممالک کو فتح کیا تو اس وقت وہاں کے لوگوں کی زبان بدستور سریانی تھی۔مسلمان علماء اہل کتاب کے علماء سے وقتاً فوقتاً ملاقات کرتے رہتے تھے اور ان ملاقاتوں میں جو افادہ اور استفادہ حصول ومعلومات کا سلسلہ ان کے علماء اہل کتاب سے حاصل ہوا۔وہ اصل سے زیادہ قریب تھیں کیونکہ وہ انہیں سریانی سے بلاواسطہ عربی میں منتقل کرتے تھے۔ترجمہ در ترجمہ کے جو حجابات عیسائیوں کو درپیش آئے، مسلمان علماء کو ان سے سابقہ نہیں پڑا اس لئے جب ہم سیرت ابن ہشام کا مطالعہ کرتے

ہیں تو حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

یاد رہے کہ علامہ ابن ہشام نے جن کی وفات 213ھ میں ہوئی محمد بن اسحاق سے جن کی وفات 151ھ میں ہوئی اپنے استاد ابو محمد البکائی العامری کے واسطہ سے نقل کی ہے۔ بکائی کی وفات کا سال 183ھ ہے۔ اس میں یوحنا کے باب 15 کی آیت 26 کا عربی متن یوں ہے۔ ''اور جب منحمنا آئے گا جسے اللہ تبارک تعالیٰ رسول بنا کر بھیجے گا اور وہ اللہ تبارک تعالیٰ کے پاس سے آئے گا تو وہ میری سچائی کا گواہ ہوگا اور تم بھی میری سچائی کے گواہ ہو کیونکہ تم عرصہ دراز سے میرے ساتھ ہو میں نے تم سے یہ باتیں اس لئے کہی ہیں تا کہ تم شک میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔'' (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 251 مطبع حجازی مصر)

اس کے بعد لکھتے ہیں:

المنحمنا بالسريانية محمد ﷺ وهو بالرومية البر فليطس یعنی منحمنا سریانی لفظ ہے اور اس کا معنی محمد ہے۔ رومی زبان میں اس کا ترجمہ برقلیطس ہے۔ برقلیطس کا رومی ہجہ اگر یہ ہو (PERKLYTOS) پھر تو معاملہ صاف ہے اور اس کا معنی ہے تعریف کیا گیا اور ''محمد'' کا بھی بعینہ یہی معنی ہے لیکن اگر اس کا ہجہ یوں ہو (PARACLETUS) تو اس کا مطلب ہوگا وکیل یا شفیع۔ اگرچہ دونوں لفظوں کے تلفظ میں بہت دقت پیش آئی۔ اس کے حل کے لئے اُردو کی بائبل کو دیکھا گیا۔ اُردو کی بائبل کے متن میں اس کا ترجمہ ''مددگار'' کیا گیا ہے اور حاشیہ پر ''یا وکیل یا شفیع'' مرقوم ہے۔ کسی نے اس کا ترجمہ (CONSOLATOR) ''تسلی دینے والا'' کسی نے سمجھانے سکھانے والا (TEACHER) ٹیچر، استاد اور آرگسٹائن نے (ADVOCATE) وکیل کیا ہے۔ (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 251 مطبع حجازی مصر)

کیا خبر الفاظ کا یہ ہیر پھیر عیسائی علماء کے معمول کا کرشمہ ہو اور اسی وجہ سے وہ خود بھی پریشانی کا شکار ہو گئے ہوں۔

برناباس اور انجیل برناباس

مندرجہ بالا صورتحال تو اس وقت ہے جب کہ ان چار انجیلوں پر اعتماد کیا جائے لیکن صدیوں کی گمنامی کے بعد پردہ غیب سے ایک انجیل ظہور میں آئی ہے جس کو انجیل برناباس کہتے ہیں۔ اس کے مطالعے سے بڑے بڑے پیچیدہ عقدے حل ہو جاتے ہیں اور شکوک وشبہات کا غبار خود بخود چھٹ جاتا ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیسیوں ایسے ارشادات موجود ہیں جن میں نام لے لے کر حضور ﷺ کی آمد کی بشارتیں دی گئی ہیں اور بار بار اپنے امتیوں کو حضور ﷺ کا دامن رحمت مضبوطی سے تھام لینے کے لئے تاکیدی احکام دیئے گئے ہیں۔ اس سے پیشتر کہ ہم وہ ایمان افروز حوالہ جات آپ کے سامنے پیش کریں، پہلے برناباس اور اس کی انجیل کے بارے میں کچھ وضاحتیں ضروری ہیں تا کہ کوئی شخص بلاوجہ اور نامعقول اعتراض کر کے آپ کو پریشان نہ کر سکے۔

برنا باس قبرص کا باشندہ تھا۔ اس کا پہلا مذہب یہودیت تھا۔ اس کا نام JOSES تھا، لیکن دینِ عیسوی کی اشاعت اور ترقی کے لئے اس نے سردھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ حواری اس کو برنا باس کے نام سے پکارتے تھے جس کا معنی ہے ''واضح نصیحت کا فرزند'' برنا باس بڑا کامیاب مبلغ تھا۔ جاذب قلب ونظر شخصیت کا مالک تھا۔ حضرت مسیح کے ساتھ مدت العمر جو قرب اسے نصیب رہا اس نے اس کو اپنے حلقہ میں بڑا اہم مقام عطا کر دیا تھا۔

سیاست اور انجیل برنا باس

اس کا مختصر ترین بیان یوں ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لایا ہوا دین، عیسائیت پہلی نصف صدی کے دوران بہت کم پھیلا تھا اور آپ کے ماننے والے سب ہی توحید پرست تھے۔ یہاں تک کہ سینٹ پال نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ پال یہودی تھا اور وہ طرسوس کا باشندہ تھا۔ وہ کافی عرصہ روم میں رہا۔ وہ روم کے فلسفہ اور مشرکانہ عقائد سے بہت متاثر تھا۔ اس نے عیسائیت کو بھی مشرکانہ سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ اس نے حلال وحرام کے موسوی احکام کو بالائے طاق رکھ دیا اور ختنہ کی رسم ابراہیمی کو بھی نظر انداز کر دیا اور یوں توحید پرست برنا باس سینٹ پال کے ہم خیال نہ رہے اور اس سے دین کے معاملہ میں کنارہ کش یا علیحدہ ہو گئے۔

مذہب عیسائیت عقائد کے لحاظ سے پہلی صدی عیسوی میں ہی زوال پذیر ہو گیا۔ 843 عیسوی میں کسٹنٹائن ششم کی والدہ نے مجسمہ پرستی کی تائید میں فرمان شاہی جاری کر دیا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 19 صفحہ 438'439)

قسطنطنیہ کی تیسری کونسل جو 860 عیسوی میں منعقد ہوئی اس میں عقیدہ توحید سے ہٹ کر یہ عقیدہ مان لیا گیا کہ مسیح دو مشیتوں کا مالک ہے ایک خدائی اور دوسری انسانی۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 5 صفحہ 677'687) اور پھر دوسری صدی عیسوی میں عقیدہ تثلیث بھی نمایاں ہو گیا۔

چوتھی صدی عیسوی کے ابتدائی سالوں میں بھی عیسائیت میں توحید پرست لوگ کافی تعداد میں موجود تھے۔ انطاکیہ کا بشپ لوسیان (LUCIAN) توحید پرست تھا جس کو 312 عیسوی میں تثلیث کی مخالفت میں شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کے شاگرد اریس (ARIUS) نے توحید کا پرچم بلند کیا۔ 325 عیسوی میں ''نیقیا'' کے مقام پر ایک مذہبی کانفرنس ہوئی اس میں شاہ قسطنطین نے امن وامان کی خاطر کلیسا کا ساتھ دیا اور یوں عقیدہ توحید کے بجائے تثلیث کا عقیدہ ملک کا مذہب بن گیا اور اس کے تحت انجیل پاک کے سب موجود پرانے نسخوں کو فوری جلا دینے کا حکم دے دیا گیا اور اس حکم پر عمل کرایا گیا۔

341 عیسوی میں پھر انطاکیہ میں ایک مذہبی کانفرنس ہوئی اور عقیدہ توحید کو پھر عیسائی مذہب کا بنیادی عقیدہ قرار دے دیا گیا۔ (عیسائیت میں یہ توحید کا عقیدہ 680 عیسوی تک قائم رہا اور پھر عیسائیت نے تثلیث کا عقیدہ اپنا لیا)

چنانچہ 359ء میں سینٹ جیروم (S. JEROME) نے لکھا کہ ایریس کا مذہب مملکت کے تمام باشندوں نے قبول کرلیا۔ پوپ ہونوریس (HONORIOUS) (یہ پوپ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کا ہم عصر تھا) کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ 638ء میں اس نے وفات پائی لیکن 680 میں پھر تثلیث کے حق میں ایک لہر اٹھی۔ قسطنطنیہ میں پھر اجلاس ہوا جس میں پوپ ہونوریس کو ملعون اور مردود قرار دیا گیا اور اس کے نظریات کو مسترد کردیا گیا۔ اگرچہ آج عیسائی دنیا تثلیث کو ایک مسلمہ اصول کی حیثیت سے تسلیم کرتی ہے، اس کے باوجود ان میں ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جو اللہ تبارک تعالیٰ کی توحید کے قائل ہیں لیکن اس کے اظہار سے کتراتے ہیں۔

برناباس کی انجیل 325ء تک مستند انجیل تسلیم کی جاتی رہی۔ ایرانیس IRANAEUS نے جب سینٹ پال کے مشرکانہ عقائد کے خلاف مہم شروع کی تو اس نے برناباس کی انجیل سے بکثرت استدلال کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی دو صدیوں میں یہ انجیل معتبر تسلیم کی جاتی تھی اور اپنے دین کے بنیادی مسائل ثابت کرنے کے لئے اس کی عبارتوں کو بطور حجت پیش کیا جاتا تھا لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے 325ء میں جو کانفرنس نیقیا میں ہوئی اس میں یہ طے پایا کہ عبرانی زبان میں جتنی انجیلیں موجود ہیں ان سب کو ضائع کردیا جائے۔ جس کے پاس یہ انجیل ملے اس کی گردن اڑادی جائے۔

383ء میں پوپ نے انجیل برناباس کا نسخہ حاصل کیا اور اپنی ذاتی لائبریری میں اسے محفوظ کرلیا۔ زینو بادشاہ کی حکمرانی کے چوتھے سال برناباس کی قبر کھودی گئی۔ اس انجیل کا ایک نسخہ جو اس نے اپنے قلم سے لکھا تھا اس کے سینے پر رکھا ہوا ملا۔ پوپ (SIRITUS) (90-1585ء) کا ایک دوست تھا، جس کا نام فرامارینو (FRAMARINO) تھا۔ اسے پوپ کی ذاتی لائبریری میں برناباس کا وہ نسخہ ملا۔ فرامارینو کو اس سے بڑی دلچسپی تھی کیونکہ اس نے ایرانیس کی تحریروں کا مطالعہ کیا تھا جس میں اس نے برناباس کی انجیل کے بکثرت حوالے دیئے تھے۔ اطالوی زبان میں لکھا ہوا یہ مسودہ مختلف لوگوں سے ہوتا ہوا ایمسٹرڈم (AMSTERDAM) کی ایک مشہور ومعروف ہستی کے ہاں پہنچا۔ یہاں سے پرشیا کے بادشاہ کے مشیر جے۔ ایف کریمر کو ملا۔ اس سے سیوے کے ایک علم دوست شہزادے یوگین (EUGENE) نے 1713ء میں حاصل کیا۔ 1783ء میں شہزادے کی پوری لائبریری کے ساتھ یہ نسخہ بھی وائنا پہنچا۔ اب بھی یہ (برناباس کی انجیل) نسخہ وہاں (وائنا میں) محفوظ رکھا ہے۔

ٹولینڈ (TOLAND) نے اپنی تصنیف "MISCELLANEOUS WORKS" جو اس کی وفات کے بعد 1747ء میں شائع ہوئی کی جلد اوّل صفحہ 380 پر ذکر کیا کہ انجیل برناباس کا قلمی نسخہ اب بھی محفوظ ہے۔ اسی کتاب کے پندرھویں باب میں لکھا ہے کہ 496ء میں ایک حکم کے ذریعے اس انجیل کو ان کتب میں شامل کیا گیا۔ جن کو کلیسا نے ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اس سے پہلے 465ء میں پوپ انوسینٹ (POPE INVECENT) نے بھی اسی قسم کا حکم جاری کیا تھا۔ نیز 382ء میں مغربی کلیسا نے متفقہ طور پر اس پر بندش عائد کی تھی۔

مسٹر اور مسز ریگ (RAGG) نے 1907ء میں ایک لاطینی نسخے سے اس کا (انجیل برناباس کا) انگریزی میں ترجمہ کیا جواب ہمارے سامنے ہے۔ آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس نے اسے چھاپا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے اسے شائع کیا۔ جب اس کا انگریزی ترجمہ چھپ کر بازار میں آیا تو اس کے سارے نسخے پراسرار طریقے پر بازار سے غائب کر دیئے گئے۔ صرف دو نسخے محفوظ رہے۔ ایک برٹش میوزیم میں اور دوسرا واشنگٹن کی کانگریس لائبریری میں۔ یہ پیش نظر انگریزی ترجمہ مائیکروفلم کے ذریعے پبلشر نے ایک دوست کی وساطت سے واشنگٹن کی کانگریس لائبریری سے حاصل کیا ہے۔

برناباس نے اپنے رسول کی تعلیمات کو بلاکم وکاست بیان کیا۔ اسی طرح حضور پُرنور سرورِ دوعالم ﷺ کے بارے میں جو بشارتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بار نہیں بلکہ بار بار دی تھیں ان کا اس میں مندرج ہونا بھی قدرتی امر ہے۔ چنانچہ ان بے شمار بشارتوں میں سے صرف چند پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ ان کا مطالعہ کیجئے اپنے ایمان کو تازہ کیجئے اور انہی کی روشنی میں اس آیت کی صحیح تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

1- انجیل برناباس کے باب 17 کا ایک حوالہ سماعت فرمایئے:

"لیکن میرے بعد وہ ہستی تشریف لائے گی جو تمام نبیوں اور نفوس قدسیہ کے لئے آب و تاب ہے اور پہلے انبیاء نے جو باتیں کی ہیں ان پر روشنی ڈالے گی کیونکہ وہ اللہ کا رسول ہے۔"

(انجیل برناباس باب 17)

باب 42 میں یوں ذکر مبارک ہے:

"یعنی جس ہستی کی آمد کا تم ذکر کر رہے ہو میں تو اللہ کے اس رسول کی جوتیوں کے تسمے کھولنے کے لائق نہیں، جس کو تم مسیحا کہتے ہو۔ اس کی تخلیق مجھ سے پہلے ہوئی اور تشریف میرے بعد لے آئے گا۔ وہ سچائی کے الفاظ لائے گا اور اس کے دین کی کوئی انتہاء نہ ہوگی۔" (انجیل برناباس باب 42)

2- حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "بے شک میں تو فقط اسرائیل کے گھرانے کی نجات کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، لیکن میرے بعد مسیحا تشریف لائے گا جسے اللہ تبارک تعالیٰ سارے جہاں کے لئے مبعوث فرمائے گا۔ اسی کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے ساری کائنات کی تخلیق کی ہے اور اسی کی کوششوں کے باعث ساری دنیا میں اللہ تبارک تعالیٰ کی پرستش (عبادت) کی جائے گی اور اس کی رحمت نصیب ہوگی۔

(انجیل برناباس باب 82)

آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) پریشان ہیں کہ لوگوں نے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا ہے۔ رومی گورنر اور بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے ہیں کہ ہم روم کے شہنشاہ سے ایک ایسا فرمان جاری کروائیں گے جس میں سب کو آپ کے متعلق ایسی باتیں کہنے سے روک دیا جائے گا۔ ان کے جواب میں آپ

فرماتے ہیں مجھے تمہاری ان باتوں سے اطمینان حاصل نہیں ہوا۔

4- ''بلکہ میرا اطمینان تو اس رسول کی تشریف آوری سے ہوگا جو میرے بارے میں تمام جھوٹے نظریات کو نیست ونابود کر دے گا۔ اس کا دین پھیلے گا اور سارے جہاں کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمارے باپ ابراہیم سے اسی طرح کا وعدہ کیا ہے۔''

5- اس کے بعد پادری (شاگرد یا سامعین میں سے کسی نے) ایک اور سوال پوچھا کہ کیا اس رسول کی آمد کے بعد اور نبی بھی آئیں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ''یعنی آپ کے بعد اللہ کا بھیجا ہوا کوئی سچا نبی نہیں آئے گا البتہ کثرت سے جھوٹے نبی آئیں گے جنہیں شیطان کھڑا کرے گا۔''

اس پادری (پیروکار یا سامعین میں سے کسی) نے دوسرا سوال کیا: اس مسیحا کا نام کیا ہوگا اور کن علامات سے اس کی آمد کا پتہ چلے گا؟ اس کے جواب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

6- ''مسیحا کا نام قابل تعریف'' ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے جب ان کی روح مبارک کو پیدا کیا اور آسانی آب وتاب میں رکھا تو خود ان کا نام رکھا۔ اللہ نے فرمایا: ''اے محمد! انتظار کرو میں نے تیری خاطر جنت کو پیدا کیا ہے۔ ساری دنیا کو پیدا کیا ہے اور بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو تمہیں نجات دہندہ رسول بنا کر بھیجوں گا۔ تیری بات سچی ہوگی۔ آسمان اور زمین فنا ہو سکتے ہیں لیکن تیرا دین کبھی فنا نہیں ہوسکتا۔'' آپ نے کہا کہ محمد اس کا بابرکت نام ہے۔

7- پھر تمام سامعین نے یہ سن کر یہ کہتے ہوئے فریاد کرنی شروع کی۔

COME QUICKLY FOR THE SALAVATION OF HE WORLD O GOD

SEND US THY MESSENGER' O MOHAMMED, اے خدا! اپنے رسول کو ہماری طرف بھیج۔ یارسول اللہ! دنیا کی نجات کے لئے جلدی تشریف لے آیئے۔ (انجیل برناباس باب 97)

8- حضرت مسیح اپنے حواری برناباس سے اپنے آخری حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میرے قتل کی سازش کی جائے گی۔ چند ٹکوں کے عوض مجھے میرا ایک حواری گرفتار کرا دے گا لیکن وہ مجھے پھانسی نہیں دے سکیں گے۔ اللہ تبارک تعالیٰ مجھے زمین سے اٹھالے گا اور جس نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے اس کو میرے بجائے سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔'

فرماتے ہیں:

9- ''طویل عرصہ تک لوگ مجھے بدنام کرتے رہیں گے لیکن جب محمد تشریف لائیں گے جو خدا کے مقدس رسول ہیں تب میری یہ بدنامی اختتام پذیر ہوگی اور اللہ تبارک تعالیٰ یوں کرے گا کیونکہ میں اس مسیحا کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں، وہ مجھے یہ انعام دے گا۔ لوگ مجھے زندہ جاننے لگیں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ

اس رسوا کن موت سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں ۔''

10- آپ نے متعدد مقامات پر اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ ذی شان رسول حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہوگا۔

بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری

ابھی ساری کائنات پر سارے عالموں پر ظلمت کا بسیرا ہے ہر سو تاریکی چھائی ہوئی ہے کہ افق آسمان پر صبح صادق کا اجالا نمودار ہوتا ہے اور اس کی سہانی روشنی یہ اعلان کرنے لگتی ہے کہ شب تاریک کا طلسم ٹوٹنے والا ہے جلد ہی آفتاب عالم تاب طلوع ہوگا اور سارا جہان اس کے انوار سے جگمگانے لگے گا۔

جیسے طویل خشک سالی کے باعث گلشن ہستی کی رونقیں جب دم توڑ دیتی ہیں۔ لہلہاتے ہوئے کھیتوں، سرسبز وشاداب وادیوں میں خاک اڑنے لگتی ہے چیونٹیاں بھی پانی کی ایک بوند کے لئے ترسنے لگتی ہیں تو ربّ العالمین جو ارحم الراحمین ہے بارانِ رحمت سے ہر تشنہ لب کو سیراب کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو پہلے ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں سے اپنی رحمت کی خوشخبری سناتا ہے۔

قرآن حکیم سورۃ اعراف آیت 57 میں ارشاد ربّ کائنات ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

''وہی خدا ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو اپنی بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری سنانے کے لئے۔''

(الاعراف 57)

بعینہٖ (بالکل اسی طرح) مطلع نبوت وہدایت پر آفتاب محمدی کے طلوع ہونے سے پہلے' بہت پہلے بشارتوں، پیشین گوئیوں، شہادتوں اور اعلانات صادقہ کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ پے در پے ایسے واقعات ظہور پذیر ہونے لگے جو اس ابر رحمت کی آمد کی نوید سنا رہے تھے کہ جب وہ گھر کر آئے گا اور برسے گا تو اس سے انسانی زندگی کا کوئی ایک مخصوص شعبہ ہی نہیں بلکہ اس کا ہر شعبہ اور ہر پہلو سیراب ہوگا۔ اس کا ہر قطرہ حیات بخش ہوگا۔ ہر دل گرفتہ غنچہ اس کے فیض سے کھل کر پھول بنے گا۔ ہر افسردہ کلی مسکرانے لگے گی۔ حرماں نصیبوں اور غمزدوں کے گھروں میں مسرت کے چراغ روشنی پھیلانے لگیں گے جس کے بابرکت چھینٹوں سے ہر چیز کی خفتہ صلاحیتیں جاگ اٹھیں گے۔ سب سے اہم یہ کہ مخلوق ذی شعور کے شکستہ پروں کو قوت پرواز عطا ہوگی۔ وہ جو خود فراموش ہے وہ خود شناس بن جائے گی اور اپنے مقام رفیع پر خیمہ زن ہونے کی لگن اس کو بیتاب کر دے گی اور انسان اس کے لئے کمر باندھ کر مصروف عمل ہو جائے گا۔

یہ نوید رحمت سنانے کے لئے ان بشارتوں سے شکستہ دلوں کو شاد کام کرنے کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر انبیاء اور اولوالعزم رسولوں کو منتخب فرمایا۔ ان پر جو آسمانی کتب اور صحیفے نازل کیے گئے تھے ان میں جگہ جگہ ایسی خوشخبریاں درج تھیں اور ایسی صفات وعلامات کا تفصیلی بیان تھا جو اس آنے والے رسول گرامی میں پائی جانے والی تھیں۔

نبی آخر الزماں ﷺ کی ولادت وبعثت کا واقعہ تاریخ انسانی کا سب سے اہم واقعہ ہے جسے پہلی امتوں کے ہر دور میں بھی سب سے زیادہ شہرت ومقبولیت حاصل رہی۔ خواص وعام اپنی دینی محفلوں میں بڑی دلچسپی اور محبت سے اس کا ذکر کرتے اور ایمان کی حرارت سے اپنے دلوں کو گرماتے تھے۔

حضرات انبیاء کرام اور رسولان عظام ارباب صدق وصفا اور اہل علم وبصیرت نے بڑی محبت اور وارفتگی کے ساتھ اس کو عام کیا، اس کی جزئیات وتفصیلات بیان کیں اور اپنی اپنی قوموں اور اولادوں کو اسے توجہ سے سننے، یاد رکھنے، آگے سنانے اور عام کرنے کا حکم دیا یہاں تک کہ یہ زبانوں پہ چڑھ گیا۔ تسلسل کے ساتھ اس کی تشہیر کی وجہ سے ہر قوم کو ہر دور میں یہ معلوم تھا کہ آخری زمانے میں ایک عظیم نبی تشریف لانے والے ہیں جو جملہ انبیاء کرام کے بھی سردار اور کائنات کے تاجدار ہوں گے۔ وہ سب سے برگزیدہ، عظیم اور آخری رسول ہوں گے جن کی مثل کوئی نہ ہوگا۔ قدرت نے انہیں شاہکار تخلیق' حاصل کائنات بنایا ہے۔ جب آئیں گے تو حسن ونور اور نگہت وزیبائی سے دلوں کی کائنات کو بدل کر رکھ دیں گے۔

اپنے اپنے زمانہ میں مقربین بارگاہِ الٰہی اپنی خانقاہوں میں' علماء ربانیین درسگاہوں میں اس محبوب کریم کی دلنواز اداؤں کو بیان کر کے آشفتہ دلوں اور پریشان حالوں کی تسکین کا سامان فراہم کرتے تھے۔

اس کی آمد کی منادی کرنے والوں میں' خواب دیکھنے والوں میں، خوابوں کی تعبیر پانے والوں میں' اور تعبیر بتانے والوں میں اہل کتاب کے احبار ورہبان بھی تھے اور زمانہ جاہلیت کے کاہن بھی ملوک وسلاطین یعنی کہ سلطان وشہنشاہ قیصر وکسریٰ سربراہان مملکت مشہور ومعروف سرداران قوم بھی تھے اور فلک علم وحکمت کے آفتاب وماہتاب بھی۔

اہل علم وفکر نے امتوں میں یہ چرچے کیسے پھیلائے کس انداز سے نبی آخر الزماں کا تعارف کرایا اور آپ کی آمد وبعثت کا ذکر کیا اس کی چند جھلکیاں خوبصورت بیان آپ اگلے صفحات میں پڑھیں گے لیکن اس سے پہلے مجھے آپ سے پورے یقین، ذوق وشوق اور وثوق کے ساتھ یہ گزارش کرنی ہے کہ:

جن کے واسطہ سے یہ بشارتیں اور خوشخبریاں ہم تک پہنچیں وہ پیشہ ور داستان گو، چرب زباں، قصہ گو نوعیت کے لوگ نہیں تھے بلکہ سربرآوردہ مفسرین، نامور محدثین، عالمی شہرت کے مالک مؤرخین، ادب ولغت کے مسلمہ ائمہ، صوفیاء اور فقہاء کا ایک مقدس گروہ تھا۔ جنہوں نے امت احمدیہ تک ان حقائق کو بڑی دیانتداری سے پہنچایا۔ ان پاکباز حضرات نے اللہ تبارک تعالیٰ کے حبیب اور اس کی مخلوق کے ہادیٔ برحق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی

حیاتِ طیبہ کے موضوع پر پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ بڑی گراں قیمت کتابیں تالیف کیں اور انہیں اپنی نجات اور بخشش کا ذریعہ سمجھا اور اپنی ان تالیف میں انہوں نے ان بشارتوں، پیش گوئیوں، اعلانات و واقعات اور حادثات جن کا تعلق بعثت نبوی سے تھا کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا۔

البتہ جو روایات علمی معیار پر پوری نہ اتری تھیں ان کی نشاندہی کی۔ جس روایت کی سند میں کوئی غیر ثقہ راوی در آیا تھا اس سے قارئین کرام کو آگاہ کیا اور اگر کوئی واقعہ فن روایت و درایت کے معیار پر پورا نہیں اترتا تھا تو کھل کر اس کو بیان کر دیا جاتا تاکہ کوئی پڑھنے والا ان غلط اور ضعیف روایات و حکایات کے باعث کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے۔ یہ ان کی علمی اور دینی ذمہ داری تھی جسے انہوں نے بلاخوف و خطر ڈنکے کی چوٹ پر پورا کیا اور کوئی بڑی سے بڑی شخصیت بھی ان کو اظہار حق سے نہ روک سکی۔

کاہنوں کی پیش گوئیاں

ہماری کتب تاریخ اور کتب ادب میں ایسی ان گنت روایات ہیں جن میں وہ پیش گوئیاں درج ہیں جو اس عہد کے کاہنوں نے نبی رحمت ﷺ کی آمد کے بارے میں وقتاً فوقتاً کی ہیں ان پیشین گوئیوں میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں لیکن ان کے ذکر سے پہلے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ میں تشریح کروں کہ:

کہانت کسے کہتے ہیں؟

کاہن کون ہوتا ہے؟

اس کے علم اور فراست کی کیا حیثیت ہے؟

اس کی پیشین گوئیوں کا منبع اور ماخذ کیا ہے؟

جزیرہ عرب میں بسنے والے قبائل کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں کے جاہل معاشرہ میں کاہنوں کو بڑا اہم مقام حاصل تھا۔ قبائل کے سردار اور علاقوں کے حکمران اپنے پیچیدہ معاملات میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے۔ باہمی تنازعات کا فیصلہ کرنے کے لئے ان کو اپنا حکم تسلیم کرتے، ان کا فیصلہ حتمی اور آخری ہوا کرتا۔ فریقین میں سے کوئی فریق ان کے فیصلہ سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

علامہ محمد فرید وجدی مصری، جن کا شمار عصر حاضر کے اکابر علماء اور محققین میں ہوتا ہے انہوں نے ''دائرۃ المعارف القرن العشرین'' میں کہانت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> ''امور غیبیہ کے جاننے کے لئے جنوں کی خدمات حاصل کرنے کو کہانت کہتے ہیں۔ یہ پیشہ اہل عرب میں بہت معروف و مشہور تھا۔ جب کسی کو کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آتا اور وہ اس کی تہہ تک رسائی حاصل کرنا چاہتا اور مستقبل کے حالات پر مطلع ہونا چاہتا تو وہ شخص کاہن کے پاس جاتا اور اپنی مشکل اس کے سامنے پیش کرتا۔ جزیرہ عرب کے کاہنوں میں سے ہر کاہن کا ایک جن ماتحت ہوا کرتا، جو کاہن

کے طلب کرنے پراس کے پاس حاضر ہو جاتا اور کاہن جس معاملے کے بارے میں اس سے استفسار کرتا وہ جن اس کو اس سے آگاہ کرتا۔'' (دائرہ المعارف جلد 6 صفحہ 225)

علامہ فرید وجدی اس کے بعد لکھتے ہیں:

کہ یہ امر بعد از عقل نہیں کیونکہ آج کل یورپ میں فوت شدہ لوگوں کی روحوں کو حاضر کرنے کا علم اہم علوم میں شمار ہونے لگا ہے اور یورپ کے ممتاز اور محقق سائنسدان پروفیسر ڈاکٹر اس کی سچائی کو تسلیم کرنے لگے ہیں۔ اگر مرنے والوں کی ارواح کو حاضر کیا جا سکتا ہے تو جنات کو حاضر کرنا کیونکر بعید از عقل ہوگا۔

امام نووی شارح صحیح مسلم نے کہانت اور کاہن کی جو تشریح کی ہے وہ مندرجہ بالا وضاحت سے بھی زیادہ بصیرت افروز ہے۔ فرماتے ہیں:

''اہل عرب کے نزدیک کہانت کی تین قسمیں ہیں۔''

پہلی قسم

یہ کہ کوئی جن کسی انسان کے ماتحت ہو اور وہ ماتحت جن آسمانی باتیں چوری چھپے سن کر اپنے دوست کو پہنچا دے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد کہانت کی یہ قسم ختم ہو گئی۔

دوسری قسم

وہ جن اپنے انسان دوست کو ان واقعات سے آگاہ کرے جو کسی ملک یا علاقہ میں ظہور پذیر ہوئے ہوں۔ یہ امر محال نہیں۔ وہ لوگ تھوڑے سے سچ کے ساتھ کئی سو گنا جھوٹ کی ملاوٹ کر دیتے ہیں۔ اس لئے ان کی بات سننا اور اس کو سچ ماننا سب ممنوع ہے۔

تیسری قسم

منجمین۔ یہ وہ لوگ ہیں جن میں اللہ تبارک تعالیٰ نے ایک مخصوص قوت ودیعت کر دی ہوتی ہے لیکن یہ لوگ بھی سچ کی قلیل مقدار کے ساتھ جھوٹ کے انبار ملا دیا کرتے ہیں۔ اس کی ایک قسم کو عرافہ کہا جاتا ہے جو اس فن کا ماہر ہوتا ہے اسے عراف کہتے ہیں۔ عراف وہ شخص ہے جو اسباب اور مقدمات کی مدد سے مخفی امور پر استدلال کرتا ہے اور ان امور کے جاننے کا دعویٰ کرتا ہے۔'' (شرح مسلم صفحہ 270'271)

تاج العروس، لغت کی ایک مستند کتاب القاموس کی شرح ہے اس میں کہانت کی تشریح بایں الفاظ کی گئی ہے۔

''توشیح (لغت کی ایک کتاب) میں ہے کہ کہانت کا معنی علم غیب جاننے کا دعویٰ کرنا ابن اثیر کہتے ہیں کہ کاہن وہ ہوتا ہے جو کائنات کے بارے میں مستقبل کی خبریں دے اور اسرار کے جاننے کا مدعی ہو۔ عرب میں متعدد کاہن تھے جیسے شق۔ سطیح اور ان کے علاوہ اور کئی۔ ان کاہنوں میں سے بعض وہ تھے جو گمان کرتے تھے کہ ایک جن جس کو وہ رئی کہتے ہیں ان کا تابع ہے اور اسے خبریں پہنچاتا ہے اور ان میں سے بعض وہ تھے جو خیال کرتے تھے کہ

وہ امور کے مقدمات اور اسباب کے واسطہ سے جان لیتے ہیں۔ سائل کی گفتگو سائل کے افعال اور اس کے حالات سے وہ حقیقت حال پر مطلع ہو جاتے ہیں ایسے شخص کو خاص طور پر عراف کہا جاتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص کاہن یا عراف کے پاس جاتا ہے تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمائی یعنی جس نے کاہن کی بات کو سچا جانا۔ اسی طرح ہر دقیق علم کے جاننے والے کو بھی کاہن کہتے ہیں۔'' (تاج العروس)

علماء کی ان مندرجہ بالا تصریحات اور اقتباسات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ جو لوگ کہانت کا کام کیا کرتے تھے ان کو اللہ تبارک تعالیٰ نے ایک خاص ملکہ اور قوت عطا فرمائی تھی جس سے وہ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے جزوی واقعات کا علم حاصل کر لیتے تھے اور ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں کئی افراد کو ایک انوکھی قسم کی قوت عطا کی جاتی ہے جس سے وہ اپنے بنی نوع میں ایک ممتاز مقام پر فائز ہوتا ہے۔

وہ لوگ جو ''کھوجی'' کہلاتے ہیں وہ کسی انسان یا حیوان کے پتھریلی زمین پر بھی پاؤں کا نشان دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ فلاں شخص کا یا فلاں جانور کے پاؤں کا نشان ہے حالانکہ ہم لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ علم نہیں ہوتا بلکہ اکثر اوقات ہم وہ نشان دیکھ بھی نہیں پاتے۔ بعض لوگوں کو اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ قوت عطا فرمائی ہوتی ہے کہ وہ زمین کو سونگھ کر یہ بتا سکتے ہیں کہ یہاں پانی دستیاب ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کتنی گہرائی پر۔ راقم الحروف نے ان لوگوں کو اپنے کمالات دکھاتے دیکھا ہے اور کھوجیوں کو تو اپنی مہارت دکھاتے ہوئے کئی بار بہت تفصیل سے دیکھا ہے۔ وہ لوگ جزئیات کا علم حاصل کر لیتے تھے۔

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

''کاہنوں میں سے عہد جاہلیت میں شق بن انمار اور سطیح بن ماذن کو بڑی شہرت نصیب ہوئی۔ ان کی حکایات میں سے یہ حکایت مشہور ہے کہ انہوں نے ربیعہ بن مضر کے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا تھا کہ یمن پر حبشیوں کی حکومت ہوگی ان کے بعد قبیلہ مضر حکمران ہوگا اور ان کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کے مبعوث ہونے اور آپ کے دین کے غالب آنے کی پیش گوئی کی تھی۔ اسی طرح کسریٰ نے موبذان کو جب اپنا خواب سنایا تو اس نے عبدالمسیح کو سطیح کے پاس اس خواب کی تعبیر پوچھنے کے لئے بھیجا۔ سطیح نے اسے بتایا کہ تمہاری مملکت تباہ و برباد ہوگی اور نبی آخر الزماں کے نور نبوت سے ایک عالم منور ہوگا۔ یہ سارے واقعات ایسے ہیں جو درجہ شہرت کو پہنچے ہوئے ہیں۔'' (مقدمہ ابن خلدون صفحہ 189)

حضرت دانیال کی بشارت

حضرت دانیال علیہ السلام اور بخت نصر (شداد بن عاد) دونوں ہی حضرت عدنان (جد امجد نبی کریم ﷺ) کے ہم عصر ہیں۔ بخت نصر کی مملکت بہت وسیع تھی۔ وہ بہت بے رحم، جابر، بہادر اور جنگجو اور مقدر کا فاتح تھا۔ اس نے عربوں کو بہت بری شکست دی تھی اور بہت مال غنیمت کے ساتھ لوٹا تھا۔

بادشاہت کی تاریخ میں بخت نصر ایک عجیب متضاد کردار ہے جس کے مزاج میں وہ تمام باتیں سمائی ہوئی تھیں جو بادشاہت کا خاصہ ہوتی ہیں اور جو ایک مطلق العنان شخص کو کیا سے کیا بنا دیتی ہیں۔ بخت نصر نے ایک حکم جاری کیا جس نے اہل دربار کا سکون چھین لیا' ہر طرف بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ ہوا یوں کہ بخت نصر نے ایک خواب دیکھا مگر بیدار ہوتے ہی خواب کو بھول گیا صرف اتنا یاد رہا کہ خواب بڑا حیرت انگیز اور عجیب وغریب تھا۔ اس نے اسی صبح ارکان سلطنت کو بلا کر ایک نہایت آمرانہ شاہی حکم جاری کیا کہ بتاؤ! میں نے کیا خواب دیکھا ہے؟ دربار میں موجود اہل علم و دانش و ہنر نے دست بستہ عرض کیا ''ہم کیا کہہ سکتے ہیں''؟

بخت نصر نے درباریوں کو حکم دیا کہ تمہیں مہلت دی جاتی ہے تین دن کے اندر خواب مع تعبیر پیش کر دو ورنہ سب کو قید حیات سے رہائی دلا دی جائے گی۔ سب کو جان کے لالے پڑ گئے، موت آنکھوں کے سامنے ناچنے لگی۔ یہ شاہی حکم نامہ حضرت دانیال علیہ السلام کے کانوں تک بھی پہنچ گیا۔ آپ نے اپنے ایک ساتھی سے کہا! بادشاہ کو جا کر بتا دو! میں خواب مع تعبیر بیان کر سکتا ہوں۔ ساتھی نے کہا! مزاج شاہاں بہت نازک ہوتا ہے، خدانخواستہ خواب بادشاہ کے مزاج پر گراں گزرا' یا اسے پسند نہ آیا تو آپ کی ذات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور میں آپ کے لئے یہ خطرہ مول لینے کو تیار نہیں اگرچہ میں جانتا ہوں یہ خواب مع تعبیر اگر کوئی بیان کر سکتا ہے تو وہ صرف آپ ہیں۔

حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا:

تو کوئی اندیشہ نہ کر! میرا رب میرے ساتھ ہے، ضرورت پڑنے پر وہ مجھے حسب خواہش ہر چیز کا علم دے دیتا ہے۔ (دلائل النبوۃ الابی نعیم صفحہ 45)

پیغام رسانی کے بعد حضرت دانیال علیہ السلام کو دربار شاہی میں طلب کر لیا گیا۔

بخت نصر اپنے سر پر تاج شاہی رکھے، تخت پر پورے جاہ وجلال کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ دربار کے آداب میں یہ بات داخل تھی کہ ہر آنے والا بادشاہ کے حضور سجدے میں گر جاتا تھا۔

حضرت دانیال علیہ السلام گئے لیکن سجدہ نہ کیا۔

یہ عمل بادشاہ بخت نصر کے خلاف بغاوت کے مترادف تھا جسے بادشاہ نے بطور خاص محسوس کیا اور وقار شاہی قائم رکھتے ہوئے سب کے سامنے پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ تخلیہ کا حکم دیا۔ جب سب لوگ چلے گئے تو حضرت دانیال علیہ السلام سے پوچھا۔

تو نے شاہی آداب اور درباری تقاضے ملحوظ نہیں رکھے، کیا وجہ ہے؟

حضرت دانیال علیہ السلام نے جواب دیا:

میرے علم (کہ میں تیرے بھولے خواب کو بمع تعبیر بتا دوں) کی ایک خاصیت ہے، جو تو نے سن لی ہے (یعنی تو نے میرے اس علم کے بارے میں جان کر مجھے بلایا ہے)۔ یہ علم عطا کرنے والا میرا ایک رب ہے۔ اس کا

حکم ہے میں اس کے سوا کسی کو سجدہ نہ کروں۔ مجھے خوف ہوا کہ اگر میں نے تجھے سجدہ کر دیا تو وہ میرا علم مجھ سے چھین لے گا پھر میں تیرے سامنے بے علم رہ جاؤں گا اور تو مجھے قتل کر دے گا۔ اس لئے میں نے قتل کی بجائے سجدہ نہ کرنے کو آسان سمجھا۔ (دلائل النبوۃ، الابی نعیم صفحہ 46)

بخت نصر خوش ہو گیا اور بولا اپنے مالک کے وفادار اور اطاعت گزار لوگ مجھے بہت پسند ہیں۔ اپنے ربّ کو راضی رکھنے کے لئے تو نے جو کچھ کیا میں اس سے بہت خوش ہوں۔ اب اس نے خواب کی بات کی۔

تمہارا خواب یہ ہے کہ ''تو نے ایک بہت بڑا بت دیکھا ہے، جس کے پاؤں زمین پر تھے مگر سر آسمان تک پہنچا ہوا تھا۔ اس کا بالائی حصہ سونے کا، پیٹ چاندی کا اور نچلا حصہ تانبے کا تھا۔ پاؤں مٹی کے بنے ہوئے تھے، اچانک آسمان سے ایک پتھر گرا جس نے بت کے تمام حصوں کو پاش پاش کر دیا، پھر وہ پتھر بڑھنے لگا۔ بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھ گیا اور ہر طرف اس طرح پھیل گیا کہ اور چیزیں نظر آنا بند ہو گئیں۔''

حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا:

یہ تو ہے تیرا بھولا ہوا خواب اور اب اس کی تعبیر سن۔ تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ بت سے مراد مروجہ مذاہب و رسوم اور بت پرستی کے طور طریقے ہیں، پتھر سے مراد اللہ کا دین ہے جو باطل ادیانِ عالم کو مٹا کر رکھ دے گا اور خود ہر طرف پھیل جائے گا۔

اللہ تبارک تعالیٰ ایک نبی اُمی، نبی آخر الزماں (ﷺ) عرب میں مبعوث فرمائے گا۔ اور وہ تمام جھوٹے ادیان و اَمم کا قلع قمع کر دے گا۔ اللہ تبارک تعالیٰ اس نبی کے ذریعے حق کو خالص کرے گا، باطل کو مٹائے گا۔ گمراہوں کو ہدایت اور ان پڑھوں کو علم عطا کرے گا۔ اس کی بدولت ضعیفوں کو قوت اور ذلیلوں کو عزت بخشے گا اور کمزور و ناتواں لوگوں کی مدد فرمائے گا۔

مختلف ممالک کے حکمرانوں کی خوشخبریاں

مملکت حمیر کے سلاطین جنگ جو اور فتوحات کے شیدائی تھے۔ ان میں ایسے بادشاہ گزرے ہیں جو نامور سپہ سالار بھی تھے۔ انہوں نے اپنی مملکت کے دائرے کو وسیع کیا، اہل ایران اور اہل حبشہ کے ساتھ ان کی جنگوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس خاندان کا مشہور ترین بادشاہ ''شمر یرعش'' نام کا تھا۔ عرب مؤرخین نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے عراق۔ فارس خراسان کو فتح کیا۔ صغد کے شہر کو برباد کیا جو دریائے جیحون کے پار واقع تھا۔ پھر وہاں ایک نیا شہر آباد کیا جس کا نام اپنے نام پر رکھا جو اب سمرقند کے نام سے مشہور ہے۔

ان میں ایک دوسرا نامور بادشاہ اسعد ابو کرب (385 تا 420 عیسوی) تھا۔ اس کے بارے میں عرب مورخین کا یہ خیال ہے کہ اس نے آذربائیجان پر حملہ کیا اور ایران کے بادشاہ کو شکست دی اس طرح سمرقند کے بادشاہ کو بھی شکست دی اور اسے قتل کر دیا۔ اس نے اپنے لشکر جرار کے ساتھ چین پر حملہ کیا اور مال غنیمت سے لدھا

ہوا کامیاب واپس ایا۔ اس کی افواج نے رومہ کا محاصرہ کیا یہاں تک کہ قسطنطنیہ کے بادشاہ نے اسے جزیہ دینا قبول کیا۔ اسی اسعد ابو کرب نے یثرب پر حملہ کیا اور کعبہ شریف کو غلاف پہنایا۔ یہ اہل عرب میں پہلا شخص ہے جس نے یہودی مذہب اختیار کیا۔ (تاریخ الاسلام از حسن ابراہیم جلد 1 خلاصہ صفحہ 28 تا 30)

سید محمود شکری آلوسی بلوغ الارب میں لکھتے ہیں:

ان بادشاہوں میں سے ایک کا نام ''الحرث'' تھا جو حمیر کی پندرہویں پشت میں تھا اس سے قبل ان کی مملکت یمن تک محدود تھی۔ یہ یمن سے نکلا اور دیگر ممالک کو فتح کیا اور وہاں سے کثیر تمدار میں مال غنیمت حاصل کیا۔ اس کا عہد حکومت ایک سو پچیس سال رہا۔ اس نے اپنے اشعار میں حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کا ذکر خیر بڑی عقیدت ومحبت سے کیا ہے اس کا ایک شعر ہے۔

''حضور ﷺ کا اسم گرامی احمد ہے کاش میری زندگی وفا کرے اور حضور ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد مجھے صرف ایک سال زندہ رہنے کی مہلت میسر آ جائے۔''

شمر یرعش کے بعد اس کا بیٹا اقرن تخت حکمرانی پر متمکن ہوا۔ پھر اس کا بیٹا کلیکرب بادشاہ بنا اس کا دور حکومت پینتیس سال تھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے تبع نے تخت شاہی پر جلوس کیا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ان اہل ایمان میں سے ہے جنہوں نے رحمت دوعالم ﷺ کی بعثت سے قبل حضور کے دین کو قبول کیا اور پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضور انور ﷺ کی رسالت پر ایمان لائے۔ اس سے یہ اشعار منقول ہیں۔

اس کے چند اشعار کا اُردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

1- میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد ﷺ اس اللہ تبارک تعالیٰ کے رسول ہیں جو تمام روحوں کو پیدا کرنے والا ہے۔

2- اگر میری عمر نے حضور کی تشریف آوری تک وفا کی تو میں حضور کا وزیر ثابت ہوں گا اور چچازاد بھائی کی طرح معاون اور مددگار بنوں گا۔''

3- ''کہ ذوالقرنین مجھ سے پہلے گزرا اور وہ مسلمان تھا وہ ایک بادشاہ تھا کہ زمانہ کے سارے بادشاہ اس کے تابع فرمان تھے اور اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوتے تھے۔

4- اس کے بعد بلقیس کا دور آیا' جو میری پھوپھی تھی۔ یہ اس وقت تک اپنے قبیلہ کی بادشاہ رہی جب ہدہد حضرت سلیمان کا مکتوب گرامی لے کر اس کے پاس آیا۔'' (المفصل فی احوال العرب جلد 2 صفحہ 514)

بادشاہ ربیعہ بن مضر کا خواب

اور سطیح وشق کی کمال کی تعبیر

قارئین کرام! درج ذیل دونوں واقعات تقریباً تاریخ اسلام وجزیرۃ العرب کی ہر معتبر وقابل ذکر کتاب میں معمولی ردوبدل کے ساتھ درج ہیں۔ ان دونوں واقعات میں حضور انور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے

متعلق اس قدر جامع، خوبصورت اور مطمئن کن پیش گوئیاں موجود ہیں کہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی شان کھلے عام نظر آتی ہے۔ اللہ ہی علم وسمجھ، عقل ودانش، پیش بینی ودیگر صلاحیتیں دینے والا ہے وہ جس کو چاہے دے دے۔ اس کی حکمت وہی جانے، بس آپ انہیں پڑھ کر مسرور وممنون ومشکور ہوں۔

ان دونوں واقعات میں خواب دیکھنے والے اور اپنے خواب کی تعبیر جاننا چاہنے والے دونوں ہی اپنے اپنے وقت کے بڑے نامور بادشاہ ہیں جن میں سے کسریٰ کی مملکت تو اس وقت اپنی وسعت وطاقت کے لحاظ سے ایک واضح مانی ہوئی سپر پاور (دنیا کی ایک بڑی طاقت) تھی۔ ان دونوں واقعات میں رحمت دو عالم ﷺ کی ولادت اور بعثت کے جاں فزا مژدے ہیں۔ اس لئے مستند مؤرخین کی تصنیفات سے ان واقعات کا ذکر خیر حاضر ہے۔

ان کا ذکر مشہور سیرت نگار امام ابن ہشام اپنی سیرت نبویہ میں تحریر فرماتے ہیں اور علامہ ابوالقاسم سہیلی نے سیرت نبویہ کی جو شرح ''الروض الانف'' کے نام سے تحریر کی ہے انہوں نے حرف بحرف ابن ہشام کی روایت کی توثیق کی ہے اور اسے اپنی شرح میں نقل کیا ہے اور یہ دونوں واقعات اوّل تا آخر ابن ہشام سے ہی لئے گئے ہیں اور کہیں کہیں دوسری کتابوں سے بھی حوالے دیئے گئے تاکہ صداقت وخوبصورتی میں اضافہ ہوا۔

یمن میں تبع خاندان کے حکمرانوں کے بعد ربیعہ بن مضر یمن کا فرمانروا مقرر ہوا۔ ربیعہ نے اپنے عہد فرمانروائی میں ایک خواب دیکھا جس نے اس کو پریشان اور خوفزدہ کر دیا۔ اس نے اپنی مملکت کے سارے کاہنوں، جادوگروں، ماہرین نجوم اور اہل قیافہ کو اپنے دربار میں طلب کر لیا اور انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں اپنا خواب سنائیں ہم پھر اس کی تعبیر بیان کریں گے۔ ربیعہ نے کہا مجھے اس طرح اطمینان نہیں ہو گا تم یہ بھی بتاؤ کہ میں نے خواب کیا دیکھا اور یہ بھی بتاؤ کہ اس کی تعبیر کیا ہے تب مجھے اطمینان ہو گا۔

انہوں نے کہا اگر تم اپنا خواب بتائے بغیر اس کی تعبیر پوچھنا چاہتے ہو تو ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو اس کی قدرت رکھتا ہو۔ اس وقت جزیرہ عرب میں دو شخصیتیں ہیں جو بن بتائے تمہارے خواب اور خواب کی تعبیر بیان کر سکتے ہیں وہ شق بن انمار اور سطیح بن مازن ہیں۔ شق بنی انمار کا ایک فرد ہے اور سطیح کا تعلق قبیلہ غسان سے ہے۔ حکمران یمن ربیعہ بن مضر نے ان دونوں کو اپنے دربار میں بلا لیا۔ سطیح بن مازن، شق سے پہلے پہنچا۔ ربیعہ نے اسے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے خوفزدہ اور پریشان کر دیا ہے۔ یہ بھی بتاؤ کہ میں نے کیا خواب دیکھا ہے اور یہ بھی بتاؤ کہ اس کی تعبیر کیا ہے۔ سطیح نے کہا میں آپ کی دونوں فرمائشیں پوری کرنے کے لئے تیار ہوں۔

خواب کے بارے میں اس نے کہا:

''اے بادشاہ تو نے بھڑکتے شعلے اور انگارے دیکھے ہیں جو تاریکی میں سے نکلے اور سرزمین تہامہ میں آ گرے اور وہاں ہر کھوپڑی والی چیز کو ہڑپ کر گئے۔''

بادشاہ نے کہا اے سطیح تم نے بالکل صحیح خواب بیان کیا ہے۔ اب اس کی تعبیر بتاؤ۔ اس نے کہا۔ میں حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ تمہارے ملک میں اہل حبشہ اتریں گے اور ابین سے جرش تک قابض ہو جائیں گے۔ بادشاہ نے کہا اے سطیح! تیرے باپ کی قسم! یہ امر ہمارے لئے بڑا المناک ہے یہ کب ہوگا۔ کیا میرے دور حکومت میں یا اس کے بعد۔ سطیح نے کہا: تیرے عہد کے ساٹھ ستر سال بعد۔ پھر ربیعہ نے پوچھا کیا ان کا ملک و بادشاہی ہمیشہ قائم رہے گا یا ختم بھی ہوگا؟ اس نے جواب دیا ستر پچھتر سال کے بعد ان کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد ان کو یمن سے جلاوطن کر دیا جائے گا۔

اس نے پوچھا کون ایسا کرے گا؟ سطیح نے جواب دیا۔ ذی یزن کی اولاد میں سے جو عدن سے خروج کریں گے اور حبشہ کے کسی فرد کو یمن میں باقی نہیں چھوڑیں گے۔ (یمن سے قابض حبشیوں کو باہر نکال دیں گے۔)

ربیعہ نے پوچھا کیا اس کی بادشاہی ہمیشہ رہے گی؟ سطیح نے کہا نہیں۔ وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ بادشاہ نے پوچھا اسے کون ختم کرے گا؟ سطیح نے جواب دیا۔

''ایک نبی جو پاک نہاد ہوگا جس کی طرف خداوند بزرگ کی طرف سے وحی نازل ہوگی۔''

بادشاہ نے پوچھا وہ کس قبیلہ سے ہوگا؟ سطیح نے کہا کہ وہ غالب بن فہر بن مالک کی اولاد میں سے ہوگا اور اس کی قوم کی حکومت زمانے کے اختتام تک (تا قیامت) باقی رہے گی۔ بادشاہ نے پوچھا کیا زمانے کی انتہا بھی ہے؟ سطیح نے کہا بے شک وہ دن جب اولین اور آخرین کو جمع کیا جائے گا، نیکوکار اس میں سعادت مند ہوں گے اور بدکار شقی و بدبخت ہوں گے۔ (سیرت ابن ہشام مع الروض الانف مطبوعہ بیروت صفحہ 29)

قارئین کرام! درج ذیل ایک دو صفحوں میں مندرجہ بالا واقعہ ہی ''البدایہ والنہایہ'' کے مطابق بیان ہے اور یہ اس خیال سے یہاں دوبارہ لکھا گیا ہے کہ قاری کو پتہ چلے کہ ہر معتبر کتاب میں ان واقعات کا ذکر الفاظ کے معمولی ردو بدل کے ساتھ پوری صداقت سے موجود ہے اور یہ کہ اچھے لکھنے والوں کی کتابیں بے حد ایمان افروز ہیں۔

سطیح بن مازن کی زبان سے اپنا خواب سن کر بادشاہ (ربیعہ بن معز) اچھل پڑا۔ بالکل یہی خواب تھا اب اس کی تعبیر بتاؤ۔ ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے سطیح آنے والے دور میں جھانک رہا ہو۔

وہ بولا ابتدائی دور جنگوں اور آویزشوں میں گزرے گا۔ تمہارے ملک پر حبشی اور پھر ذی یزن کے لوگ حملہ آور ہوں گے۔ پھر ایک سہانا دور آئے گا جب تمام حکومتیں ختم ہو جائیں گی۔

انہیں کون ختم کرے گا۔ بادشاہ نے حیرت سے پوچھا۔

سطیح نے جواب دیا!

وہ ایک نبی پاک ہوگا جس پر ربّ اعلیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوگی۔ (البدایہ النہایہ جلد 2 صفحہ 27)

اس نے مزید کہا کہ پھر اس نبی کا چرچا زمانے کے آخر تک رہے گا۔ کیا زمانے کا آخر بھی ہے؟ بادشاہ نے

تعجب سے پوچھا۔اس نے کہاہاں' کائنات کااختتام قیامت سے ہوگا۔

اس میں اگلے پچھلے سب لوگ جمع کردیئے جائیں گے۔نیکوکار سعادت اندوز ہوں گےاور بدکردار شقاوت وبدبختی سے دوچار ہوں گے۔(البدایہ النہایہ جلد2 صفحہ 27)

بادشاہ چکرا گیا تمام باتیں اس کے لئے نئی اور باعث حیرت تھیں اتنے میں دوسرا عالم ''شق'' بھی آ گیا بادشاہ نے اسے بھی آزمانے کافیصلہ کرلیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہماراوی ہیں۔

سطیح عجیب وغریب شخصیت کا مالک تھا۔ایسے پتہ چلتا تھاجیسے علوم اس پر القاء ہوتے ہیں۔وہ عبدشمس اور عبدمناف کے دور میں مکہ مکرمہ آیاتھااوراس سرزمین کودیکھ کرکہتاتھا۔

اس سرزمین سے اللہ کے سنوارے ہوئے ہدایت یافتہ نبی ظاہر ہوں گے جواصلاح وارشاد کادرس دیں گے۔ بت پرستی اور جھوٹ کی قریب بھی نہیں جائیں گےاوروحدہ لاشریک ربّ کی عبادت کریں گے۔

(البدایہ النہایہ جلد2 صفحہ 27)

اس کے بعد شق بن انمار آیااس سے بھی سوال جواب ہوااس کے جوابات میں اور سطیح کے جوابات میں ربیعہ نے مکمل یکسانیت پائی۔

علامہ ابوالقاسم السہیلی لکھتے ہیں کہ سطیح نے لمبی عمر پائی۔ یہاں تک کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کاواقعہ اس کی زندگی میں ظہور پذیر ہوا۔

کسریٰ کاخواب اور سطیح کی تعبیر

اس رات(حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک والی رات) کوکسریٰ نوشیروان نے خواب میں دیکھا کہ اس کے قصرابیض میں زلزلہ آیاہےاوراس کے چودہ کنگرے گرگئے ہیں اور ایران کے آتش کدے کی آگ بجھ گئی ہے حالانکہ ایک ہزار سال سے وہ روشن تھی اور ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں بجھی تھی۔

جب صبح ہوئی اور کسریٰ بیدار ہواتو اس خوفناک خواب نے اس کا صبر وسکون چھین لیا۔اس کے باوجود اس نے اپنا شاہی دربار لگایااور حسب سابق اپنا تاج سجا کراپنے تخت شاہی پرجلوس کیا۔جب اہل دربار جمع ہوگئے اس نے پوچھا کہ تم جانتے ہوآج میں نے کیوں تمہیں یہاں طلب کیا ہے؟انہوں نے کہانہیں۔کسریٰ نے انہیں خواب سنانا شروع کیا' ابھی کسریٰ معجزین کواپنا خواب سنا ہی رہاتھا کہ اس کے پاس خط پہنچا(لکھی ہوئی اطلاع پہنچی) کہ اس کے آتش کدوں کی آگ بجھ گئی ہے' حالانکہ جب سے اہل ایران نے آتش پرستی قبول کی تھی،اس وقت سے آج تک کبھی آگ بجھی نہ تھی۔یہ اطلاع سن کراس کے غم واندوہ کی کوئی حدنہ رہی۔اسی اثناء میں موبذان(مملکت ایران کا قاضی القضاۃ یامفتی اعظم) نے کہا اللہ تبارک تعالیٰ بادشاہ کوسلامت رکھے۔میں نے بھی آج ایک ڈراونا

خواب دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ آگے آگے سرکش اونٹ ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے عربی گھوڑے ہیں جنہوں نے دریائے دجلہ کو عبور کیا اور ہمارے ملک میں پھیل گئے۔

کسریٰ نے پوچھا اے موبذان! ان خوابوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا یوں معلوم ہوتا ہے کہ جزیرہ عرب میں کوئی حادثہ رونما ہوا ہے چنانچہ کسریٰ کی طرف سے ایک خط نعمان بن منذر کو لکھا گیا جس میں ہدایت کی گئی کہ شاہی دربار میں کسی ایسے عالم اور سمجھ دار، دور اندیش، دانا آدمی کو بھیجے جو اس کے سوالوں کا جواب دے سکے۔ نعمان بن منذر نے اس کے جواب میں عبدالمسیح بن عمرو بن حیان الغسانی کو روانہ کیا۔

جب عبدالمسیح کسریٰ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کسریٰ نے پوچھا کہ جس امر کے بارے میں، میں تجھ سے پوچھنا چاہتا ہوں کیا اس کا تمہیں علم ہے؟ عبدالمسیح نے کہا یا تو آپ مجھے بتائیں یا جو آپ چاہتے ہیں وہ مجھ سے پوچھیں، اگر میرے پاس آپ کے استفسار کا جواب ہوا تو میں بتا دوں گا ورنہ ایسے آدمی کی طرف آپ کی راہنمائی کروں گا جو آپ کے سوال کے جواب کو جانتا ہو۔ بادشاہ نے اپنا اور موبذان کا خواب اسے بتایا اس نے کہا کہ شام کی سرحد کے پاس میرا ایک ماموں رہتا ہے جس کا نام سطیح ہے وہ اس سوال کا جواب دے سکتا ہے۔ کسریٰ نے اسے کہا اس کے پاس جاؤ اور جواب لے کر آؤ۔

جب عبدالمسیح، سطیح کے پاس پہنچا تو وہ بستر مرگ پر اپنے وقت مقررہ کا انتظار کر رہا تھا۔ عبدالمسیح نے اسے سلام دیا لیکن سطیح نے کوئی جواب نہ دیا پھر اس نے اشعار میں اپنے آنے کی غرض و غایت بیان کی اس وقت سطیح نے سر اٹھایا۔

"عبدالمسیح کہتا ہے کہ جب وہ تیز رفتار اونٹ پر سوار ہو کر سطیح کے پاس آیا جبکہ وہ جاں بلب تھا اور قبر کے کنارے پر پہنچ چکا تھا۔ اس وقت سطیح نے اسے کہا کہ تجھے بنو ساسان (ایران) کے بادشاہ نے بھیجا ہے اور تم قصر شاہی کے زلزلے، آگ کے یکلخت بجھ جانے اور موبذان کے خواب کے بارے میں مجھ سے دریافت کرنے آئے ہو۔ موبذان نے خواب میں تند و تیز اونٹوں کو دیکھا جن کا تعاقب عربی النسل گھوڑے کر رہے تھے وہ عربی گھوڑے دجلہ کو عبور کر کے ملک کے مختلف اطراف میں پھیل گئے تھے۔"

ان جامع، مختصر اور واضح چھوٹے چھوٹے فقروں میں سطیح نے کسریٰ اور اس کے قاضی القضاۃ (موبذان) کے خوابوں کا ذکر کر دیا۔

اس کے بعد اسی طرز کی عبارت سے وہ خوابوں کی تعبیر بیان کرتا ہے۔

"(سطیح نے کہا) اے عبدالمسیح جب تلاوت کثرت سے کی جائے گی اور عصا والا ظاہر ہوگا اور سادہ کی وادی بہنے لگے گی اور سادہ کا بحیرہ خشک ہو جائے گا' فارس کی آگ بجھ جائے گی تو یہ شام سطیح کا نہیں رہے گا اور محل کے گرنے والے کنگروں کی تعداد کے مطابق ان کے بادشاہ اور سلطان تخت نشین ہوں

گے۔ ہر آنے والی چیز آ کر رہتی ہے۔'' (سیرت ابن ہشام شرح الروض الانف)

جب ملک شام میں سطیح کے پاس سے ضروری معلومات حاصل کر کے عبدالمسیح کسریٰ کے پاس آیا اور اسے سطیح کی تعبیر سے آگاہ کیا تو کسریٰ نے اسے بغور سنا۔ جب اس نے یہ سنا کہ ہمارے خاندان سے ابھی چودہ بادشاہ اور ہوں گے تو اس کا خوف و ہراس دور ہو گیا اور کہنے لگا۔ اس کے لئے مدت دراز درکار ہو گی اور ابھی ہماری حکومت طویل عرصہ تک برقرار رہے گی۔ فوری تخت و تاج سے محروم ہونے کا جو خوف اس پر مسلط ہو گیا تھا وہ وقتی طور پر دور ہو گیا۔

لیکن اللہ تبارک تعالیٰ کی قدرت کے انداز عجیب ہوتے ہیں ان چودہ میں سے دس کی حکومتیں چار سال کے اندر اندر ختم ہو گئیں اور باقی چار کا عہد حکومت حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اختتام پذیر ہوا کیونکہ آخری بادشاہ یزدجرد آپ کے زمانہ میں مقتول ہوا اور تین ہزار ایک سو چونسٹھ سال حکومت کرنے کے بعد ایرانیوں کی حکومت کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا اور سرورِ دو عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ درج ذیل ارشاد چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود آفتاب جہاں تاب کی طرح چمک رہا ہے اور تا ابد چمکتا رہے گا۔

''جب موجودہ کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی اور کسریٰ نہیں ہو گا۔'' (تاریخ ابن کثیر)

علامہ ابن کثیر نے السیرۃ النبویہ میں بواسطہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ سطیح مکہ مکرمہ میں آیا اور قریش مکہ کے رؤسا نے اس سے ملاقات کی۔ ان میں قصی کے دو فرزند عبدشمس اور عبد مناف بھی تھے۔ انہوں نے بطور امتحان اس سے مختلف سوالات کئے۔ اس نے ان کے صحیح جوابات دیئے۔ انہوں نے اس سے دریافت کیا کہ آخر زمانہ میں کیا ہو گا۔

اس نے کہا'

''اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے جو الہام کیا ہے وہ مجھ سے لے لو۔ اے گروہ عرب! تم اب پیرانہ سالی میں ہو۔ تمہاری بصیرتیں اور اہل عجم کی بصیرتیں یکساں ہو گئی ہیں، نہ تمہارے پاس علم ہے اور نہ سمجھ۔ تمہاری اولادوں میں ارباب عقل و فہم پیدا ہوں گے جو طرح طرح کے علوم حاصل کریں گے۔ بتوں کو توڑ دیں گے، عجمیوں کو قتل کریں گے اور بھیڑ بکری کو تلاش کریں گے۔ اس نے مزید کہا ابد تک باقی رہنے والے کی قسم۔ اس شہر سے ایک ہدایت یافتہ نبی ظاہر ہو گا جو لوگوں کو حق کی طرف راہنمائی کرے گا۔ یغوث اور دیگر بتوں کا انکار کر دے گا اور ان کی عبادت سے برأت کا اظہار کرے گا اور اس ربّ کی عبادت کرے گا جو ایک ہے اس کے علاوہ اور بھی اس نے بہت سی باتیں بتائیں۔'' (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 1 صفحہ 219)

سطیح نے بڑی طویل عمر پائی کسی نے اس کی عمر سات سو سال کسی نے پانچ سو سال اور کسی نے تین سو سال بیان کی ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 1 صفحہ 221)

بادشاہ یمن، سیف بن ذی یزن کا ایک راز کا افشا کرنا

تقریباً 534 عیسوی میں یمن پر حبشیوں نے قبضہ کرلیا اور وہ یمن پر حکومت کرتے رہے۔ اس کے بعد اللہ تبارک تعالیٰ نے سیف بن ذی یزن کو یمن پر غلبہ عطا فرمایا اور اس نے اہل حبش کو یمن سے جلاوطن کردیا۔ یہ سیف ذی یزن کے غلبہ والا واقعہ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کے دو سال بعد رو پذیر ہوا۔ عرب کے قبائل کے سرداروں اور شعراء کے کئی وفد سیف بن ذی یزن کو اس کامیابی پر مبارک پیش کرنے کے لئے یمن حاضر ہوئے، ان میں مکہ کے قریش کا بھی ایک وفد تھا جس میں عبدالمطلب بن ہاشم۔ امیہ بن عبدشمس، عبداللہ بن جدعان وغیرہ، اکابر قریش شامل تھے۔ یہ وفد صنعاء پہنچا، معلوم ہوا کہ سیف غُمدان نامی محل میں سکونت پذیر ہے۔ انہوں نے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی، انہیں بازیابی کی اجازت ملی۔ جب یہ لوگ سیف بن ذی یزن کے دربار میں حاضر ہوئے تو اس کے دائیں بائیں مختلف ممالک کے بادشاہ، شہزادے اور رؤساء کا ایک جمگھٹا تھا۔ عبدالمطلب اس کے قریب پہنچے اور گفتگو کرنے کا اذن طلب کیا۔

سیف نے کہا۔ اگر تمہیں بادشاہوں کے دربار میں لب کشائی کا سلیقہ آتا ہے تو ہم تمہیں اجازت دیتے ہیں۔

حضرت عبدالمطلب نے کہا۔ اے بادشاہ! اللہ تبارک تعالیٰ نے تجھے جلیل القدر مقام پر فائز کیا ہے۔ تو حسب اور نسب کے اعتبار سے قابل رشک ہے۔ تو سارے عرب کا سردار ہے۔ تو اس کی وہ بہار ہے جس سے سارا عرب سرسبز و شاداب ہوتا ہے۔ تیرے بزرگ ہمارے لئے بہترین سلف تھے اور تو ان کا بہترین خلف ہے۔ جس کا جانشین تیرے جیسا ہو وہ فنا نہیں ہوگا (بھلایا نہیں جائے گا)۔ اور جس کے آباؤ اجداد تیرے آباؤ اجداد کی طرح ہوں وہ کبھی گمنام نہیں ہوتا۔ اے بادشاہ! ہم اللہ تبارک تعالیٰ کے حرم کے رہنے والے ہیں اور اس کے گھر کے خدام ہیں۔ ہم تیری خدمت میں ہدیہ تہنیت پیش کرنے کے لئے آئے ہیں۔

سیف نے کہا:۔ اے گفتگو کرنے والے! تم اپنا تعارف کراؤ۔

آپ نے کہا:۔ میں عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہوں۔

بادشاہ نے کہا:۔ پھر تو تم ہمارے بھانجے ہو۔

آپ نے فرمایا:۔ بے شک

بادشاہ نے کہا:۔

مرحباً واھلاً وناقۃً ورحلاً ومستناخاً سھلاً وملکار بحلاً

''مرحبا اور خوش آمدید! تمہارے لئے یہاں اونٹنی بھی ہے اور کجاوہ بھی۔ اور خیمہ زن ہونے کے لئے کشادہ میدان بھی۔'' اور ایسا بادشاہ جو عظیم الشان ہے جس کی جود و عطا کی حد نہیں۔ میں نے تمہاری گفتگو سنی اور تمہاری قریبی رشتہ داری کو پہچانا اور تمہارے وسیلہ کو قبول کیا ہے۔ جب تک تم یہاں اقامت گزیں رہو گے تمہاری ہر طرح

عزت وتکریم کی جائے گی اور جب تم سفر کرو گے تو تمہیں انعامات سے نوازا جائے گا۔اب تم مہمان خانے میں تشریف لے جاؤ وہاں تمہاری ہر طرح مہمان نوازی کی جائے گی۔

وہ ایک مہینہ وہاں ٹھہرے۔نہ انہیں وہ واپس جانے کی اجازت دیتا اور نہ انہیں اپنی ملاقات کا موقع دیتا۔ پھر اچانک اس نے ایک روز علیحدگی میں عبدالمطلب کو بلایا اور اسے اپنی مخصوص محفل میں شرف باریابی بخشا۔

اور اسے کہا:۔اے عبدالمطلب! میں اپنا ایک راز تمہارے سامنے افشا کرنا چاہتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ تم اسے پوشیدہ رکھو گے یہاں تک کہ اللہ تبارک تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے کی اجازت دے۔

ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس کو ہم سب سے مخفی رکھتے ہیں ہم نے اسے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے کسی غیر کو اس پر آگاہ نہیں ہونے دیتے۔اس میں آپ کے لئے ایک خصوصی فضیلت مرقوم ہے۔

عبدالمطلب نے کہا:۔اے بادشاہ! خدا تمہیں خوش رکھے اور نیکی کی توفیق دے۔وہ کیا ہے؟

بادشاہ نے کہا: کہ تہامہ میں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے کندھوں کے درمیان ایک نشان ہوگا۔وہ سارے عرب کا سردار ہوگا اور اس کے ذریعہ سے تمہیں بھی سارے عرب کی قیادت نصیب ہوگی، روزِ قیامت تک۔

عبدالمطلب نے کہا:۔اگر بادشاہ! سلامت اجازت دیں تو میں درخواست کروں گا کہ وہ اس بشارت کی تفصیل بیان کریں تاکہ میری خوشی میں اضافہ ہو۔

سیف نے کہا: اس بچے کی پیدائش کا زمانہ آگیا ہے، یا وہ پیدا ہو چکا ہے۔اس کا نام نامی محمد ہے اس کے دونوں کندھوں کے درمیان نشان ہے۔اس کا والد اور ماں اس کی پیدائش کے بعد جلد فوت ہو جائیں گے اور اس کا دادا اور چچا اس کی کفالت کرے گا۔وہ خداوند رحمٰن کی عبادت کرے گا اور شیطان کو ٹھکرا دے گا۔آگ کو بجھا دے گا۔بتوں کو توڑ دے گا۔اس کی بات فیصلہ کن ہوگی۔اس کا حکم سراپا انصاف ہوگا۔

عبدالمطلب نے کہا، اے بادشاہ! تیرا ہمسایہ ہمیشہ باعزت رہے اور تو ہمیشہ سعادت مند رہے۔تیری عمر لمبی ہو۔تیری حکومت ہمیشہ رہے کیا تو مزید وضاحت کی زحمت گوارا کرے گا۔

سیف بن یزن نے کہا: اسی غلافوں والے گھر کی قسم! اے عبدالمطلب! تو اس کا دادا ہے اس میں ذرا جھوٹ نہیں۔

عبدالمطلب سجدے میں گر پڑے۔

بادشاہ نے کہا: سر اٹھایئے۔تیرا سینہ ٹھنڈا ہوگیا۔کیا تو نے محسوس کیا ہے جس کا میں نے تیرے سامنے ذکر کیا۔

عبدالمطلب نے کہا: بے شک اے بادشاہ! بے شک میرا بیٹا تھا جس پر میں فریفتہ تھا۔میں نے اس کی شادی ایک عفت خاتون سے کی جس کا نام آمنہ بنت وہب ہے۔اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا میں نے نام محمد رکھا۔

اس کا باپ اور والدہ فوت ہو چکے ہیں۔ میں اور اس کا چچا اس کی کفالت کرتے ہیں اس کے کندھوں کے درمیان ایک نشان ہے اس میں تمام وہ علامتیں موجود ہیں جن کا تو نے ذکر کیا ہے۔

سیف نے کہا، پھر اپنے اس بچے کی حفاظت کیا کرو اور یہود سے محتاط رہا کرو کیونکہ وہ اس کے دشمن ہیں اور اللہ تبارک تعالیٰ انہیں کبھی اس پر غالب نہیں ہونے دے گا اور جو باتیں میں نے تمہارے ساتھ کی ہیں ان سے اپنے ساتھیوں کو مت آگاہ کرنا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ حسد نہ کرنے لگیں اور اگر مجھے یہ علم نہ ہوتا کہ عنقریب ان کی بعثت سے قبل میں اس دار فانی سے رخصت ہو جاؤں گا تو میں اپنے گھڑ سوار دستوں اور پیدل سپاہیوں کے ساتھ یہاں سے ترک سکونت اختیار کر کے یثرب کو اپنا وطن بناتا کیونکہ میری (ہماری) کتاب میں یہ لکھا ہے کہ یثرب میں اس کا دین مستحکم ہوگا اور اسی شہر میں آپ کا مدفن ہوگا اور وہاں کے لوگ آپ کے انصار ہوں گے۔

اس کے بعد سیف بن ذی یزن نے قریش کے وفد کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ ہر ایک کو سو سو اونٹ، دس دس غلام، دس دس کنیزیں، دس رطل چاندی، دس رطل سونا، عنبر کا بھرا ہوا ایک ایک ظرف دیا لیکن عبدالمطلب کو ہر چیز دس دس گنا زیادہ دی اور رخصت کرتے وقت کہا کہ آئندہ سال آنا اور مجھے اس مولود مسعود کے حالات سے آکر آگاہ کرنا لیکن سال کے ختم ہونے سے پہلے ہی سیف بن ذی یزن وفات پا گیا۔

عبدالمطلب جب روانہ ہوئے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

اے گروہ قریش! بادشاہ نے تم سے دس گنا مجھے جو انعامات دیئے ہیں تم اس پر رشک نہ کرنا کیونکہ بہر حال یہ ساری چیزیں ختم ہونے والی ہیں لیکن اگر رشک کرنا ہے تو اس چیز پر کرو جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے آپ نے فرمایا کہ کچھ عرصہ بعد اس کا اعلان کیا جائے گا۔

اس روایت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ سیف بن ذی یزن جو یمن کا فرمانروا تھا اس کو بعثت محمدی کا پوری طرح علم تھا۔ (سیرت ابن کثیر جلد 1 صفحہ 335 - الروض الانف مطبوعہ بیروت صفحہ 161 - الوفا باحوال المصطفیٰ لابن جوزی مکتبہ نوریہ لاہور جلد 1 صفحہ 125 تا 128)

ہرقل، شہنشاہ رومہ کا علم اور اس کی خواہش

ہرقل سلطنت رومہ کا شہنشاہ تھا۔ خسرو پرویز نے حملہ کر کے اس کی مملکت کا بہت بڑا حصہ اس سے چھین لیا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ روم کی ابتدائی آیتوں میں پیشین گوئی فرمائی۔ ذکر فرمایا کہ چند سال بعد حالات کا پانسہ پلٹ جائے گا اور آج کا شکست خوردہ روم کا بادشاہ کل خسرو ایران کو شکست فاش دے کر اپنی ساری مملکت اس سے واپس لے لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہرقل کی شجاعت، اولو العزمی کا سکہ سارے عالم پر بیٹھ گیا اور س کی رعایا اس پر جان چھڑکنے لگی۔

انہی دنوں کا ذکر ہے جب کہ وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی کامیابیاں حاصل کر چکا تھا اور اس کی سطوت کا

ڈنکا ہر طرف بج رہا تھا۔

ابن ناطور بیان کرتا ہے کہ ایرانیوں پر فتح کامل حاصل کرنے کے بعد ایلیا آیا تا کہ وہ مقدس صلیب جو ایرانی چھین کر لے گئے تھے اور اس نے اپنے زور بازو سے اسے واپس لیا تھا اسے ایلیا میں لوٹا دے۔ ایک دن وہ صبح بیدار ہوا۔ اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار نمایاں تھے اس کے بعد اس کے ایک پادری نے کہا آج آپ کی طبیعت درست معلوم نہیں ہوتی۔ ہرقل نے کہا میں نے آج رات دیکھا ہے کہ وہ ستارہ طلوع ہو گیا جو اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ اس قوم کا بادشاہ ظاہر ہو گیا ہے، جس قوم کا شعار ختنہ کرانا ہے۔

اسی اثناء میں غسان کے بادشاہ کا قاصد پہنچا اور اس نے ہرقل کو مطلع کیا کہ رسول اللہ حضور ﷺ کا ایک صحابی اس کے لئے حضور پرُنور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ حضور ﷺ کا ایک گرامی نامہ لے کر آیا ہے۔ ہرقل نے کہا اس قاصد کو لے جاؤ اور دیکھو کہ کیا یہ مختون ہے یا نہیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ تو ختنہ شدہ ہے۔ ہرقل نے کہا بے شک اس امت کا بادشاہ ظاہر ہو گیا ہے لیکن مزید تحقیق کے لئے اس نے ایک اور عالم کو روم کے شہر سے بلا بھیجا جو علم و فضل میں اس کا ہم پلہ تھا۔ ہرقل وہاں سے روانہ ہو کر حمص آ گیا اور اسی عالم کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اس عالم کا خط آیا کہ مکہ میں نبوت کا دعویٰ کرنے والے واقعی نبی ہیں۔ (فتح الباری جلد 1 صفحہ 82 تا 85)

انہی دنوں میں اتفاقاً اہل مکہ کا ایک قافلہ وہاں آیا ہوا تھا۔ ہرقل نے انہیں بلایا اور ان سے پوچھا تم میں کون آدمی رتبہ میں حضور ﷺ کے زیادہ قریب ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں۔ ہرقل نے ابوسفیان کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور اس کے رفقاء کو ابوسفیان کی پیٹھ کے پیچھے کھڑا کر دیا اور انہیں کہا میں ابوسفیان سے چند سوالات پوچھنا چاہتا ہوں اگر یہ غلط جواب دے تو تم اشارہ سے بتا دینا۔ ہرقل نے پوچھا ان کے خاندان کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے۔ ابوسفیان نے بتایا خاندان کے اعتبار سے وہ ہم میں اعلیٰ و ارفع ہے۔

ہرقل: کیا نبوت کا دعویٰ اس سے پہلے کبھی تم میں سے کسی نے کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا اس شخص کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ ہو گزرا ہے؟

ابوسفیان: نہیں

ہرقل: کیا رؤسا اس کی پیروی کرتے ہیں یا ضعیف لوگ؟

ابوسفیان: ضعیف لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں۔

ہرقل: کیا وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟

ابوسفیان: وہ بڑھ رہے ہیں

ہرقل: کیا کوئی شخص اس کے دین سے ناراض ہو کر اس سے مرتد بھی ہوا؟

ابوسفیان: کوئی نہیں

ہرقل: کیا ان کے اس دعویٰ سے پہلے تم ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟

ابوسفیان: نہیں

ہرقل: کیا اس نے کبھی دھوکا کیا ہے؟

ابوسفیان نے اس کے جواب میں بڑا پیچ و تاب کھایا اور چاہا کہ جھوٹ بولے لیکن جرأت نہ ہوئی۔ کہنے لگا۔ نہیں لیکن اب ہمارا ان کے ساتھ معاہدہ ہوا ہے معلوم نہیں وہ اس کو پورا کرتے ہیں یا نہیں۔

ہرقل: کیا تم نے کبھی اس سے لڑائی بھی کی ہے؟

ابوسفیان: ہاں

ہرقل: اس لڑائی کا نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان: کبھی ہم جیتے ہیں کبھی وہ

ہرقل: وہ تمہیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟

ابوسفیان کو اپنے اوپر جبر کرتے ہوئے یہ کہنا پڑا کہ وہ کہتے ہیں ایک خدا کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ۔ ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ سچ بولنے، پاکدامن رہنے، صلہ رحمی کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

ہرقل نے ان تمام سوالات کا جواب سن کر کہا۔ اگر تم یہ سچ کہتے ہو تو وہ اس جگہ کے بھی مالک بن جائیں گے جہاں میں نے اپنے دونوں قدم رکھے ہوئے ہیں۔ میں جانتا تھا کہ ایسا نبی تشریف لانے والا ہے لیکن میرا یہ گمان نہیں تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اگر میں یہ جانتا کہ میں ان کے لئے مخلص ہو سکتا ہوں تو میں ان کی ملاقات کے لئے سفر کی زحمتیں برداشت کرتا اور میں ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کر سکتا تو میں اس کے پاؤں دھو کر پیتا۔

ہرقل نے اپنے وزراء، ورؤسا اور مذہبی علماء کو طلب کیا۔ جب وہ آ گئے محل کے دروازے بند کر دیئے گئے اور انہیں کہا اے گروہ روم! کیا تم کامیابی اور ہدایت کے متلاشی ہو؟ کیا اگر تمہاری خواہش ہے کہ تمہارا ملک سلامت رہے تو اس نبی کی بیعت کرلو۔ ہرقل کے منہ سے جونہی یہ جملہ نکلا وہ لوگ وحشی گدھوں کی طرح دولتیاں جھاڑنے لگے اور دروازوں کی طرف بھاگے لیکن جب انہیں مقفل پایا تو رک گئے۔ ہرقل نے جب اسلام سے نفرت کی یہ کیفیت دیکھی تو ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا اور کہا انہیں میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ آ گئے تو ان سے کہا کہ میں نے یہ بات صرف تمہارے ایمان کی پختگی کو پرکھنے کے لئے کی تھی اور یوں تخت و تاج کے لالچ نے اس کو ایسے حق کو قبول کرنے سے محروم کر دیا جس کی حقانیت اس پر روز روشن کی طرح واضح ہو چکی تھی۔

(فتح الباری جلد 1 صفحہ 88 - زاد المعاد جلد 2 صفحہ 155'156)

مقوقس، حاکم اسکندریہ کا استفسار

مغیرہ بن شعبہ اسکندریہ پہنچے تو اسکندریہ کے حکمران اور قبطیوں کے سربراہ مقوقس نے انہیں اپنے دربار میں طلب کیا اور مکہ میں مبعوث ہونے والے نبی کے بارے میں استفسار کیا۔

مغیرہ نے جواب دیا۔

''میں اس نئے دین میں دلچسپی نہیں لے رہا اس لئے تفصیلات بتانے سے قاصر ہوں، البتہ اتنا جانتا ہوں وہ خدا کی وحدانیت کے اقرار پر بہت زور دیتے ہیں اور شرک و بت پرستی سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ بدکاری، سودخوری، قتل وغارت، ظلم وستم اور بچیوں کو زندہ درگور کرنے کے خلاف بھی ان کا مؤقف بہت سخت ہے۔ مجموعی طور پر ان کی تعلیمات اخلاقیات پر مبنی ہیں۔''

مقوقس بڑا عالم اور توراۃ وانجیل کے مندرجات سے آگاہ تھا۔ بڑے حکیمانہ اور نصیحت آموز انداز میں گویا ہوا۔

''وہ نبی مرسل ہیں اور تمام مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اگر وہ قبط اور روم میں تشریف لاتے تو اس علاقے کے سب لوگ ان کے پیروکار بن جاتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ان لوگوں کو یہی حکم دیا تھا۔ نیز جن تعلیمات کا تو نے ذکر کیا ہے وہ انبیاء کرام کی تعلیمات ہیں، وہ انہی کے ساتھ مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ یاد رکھو! آخر کار وہ کامیاب ہوں گے کوئی ان کے ساتھ ٹکر لینے والا نہ رہے گا اور ان کا دین غالب آ جائے گا۔''

(دلائل النبوۃ جلد 1 صفحہ 48)

یہ سن کر مغیرہ مرعوب ہو گیا کہ بادشاہ بھی ان کی تعریف وستائش کرتے ہیں اور ان کے مستقبل کے بارے میں پرامید ہیں وہ سوچنے لگا۔

> ''عجم کے بادشاہ ان کو سچا جانتے ہیں، اور ان سے ڈرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ ان کے رشتہ دار نہیں اور ہم ان کے پڑوسی اور قریبی رشتہ دار ہیں پھر بھی ان پر ایمان نہیں لائے حالانکہ وہ ہمارے گھر میں داعی بن کر آئے ہیں۔'' (دلائل النبوۃ جلد 1 صفحہ 48)

مقوقس کی اس بات سے مغیرہ کے دل میں جستجو پیدا ہوئی کہ اسکندریہ آئے ہوئے ہیں اب ان کے بارے میں تمام معلومات جمع کر لینے کا بہترین موقع ہے یہ سوچ کر اسکندریہ کا ہر کلیسا اور گرجا چھان مارا۔

ایک پادری بہت ہی ریاضت پسند، عبادت گزار اور پرہیزگار تھا۔ مغیرہ کہتے ہیں میں اس کے پاس گیا اور پوچھا:

مجھے بتاؤ کیا کوئی نبی باقی رہ گیا ہے؟ اس نے جواب دیا، ہاں اور وہ خاتم النبیین ہیں، ان کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیں ان کی اتباع کا حکم دیا ہوا ہے۔ وہ نبی

امی اور عربی ہیں اور ان کا اسم گرامی ''احمد'' ہے۔ (دلائل النبوۃ جلد 1 صفحہ 49)

''اس نے مزید بتایا کہ ان کا قد مبارک درمیانہ اور آنکھوں میں سرخی ہے۔ موٹا کپڑا پہننا پسند فرماتے ہیں، ان کے دوست احباب ان کے عاشق اور فدا کار ہیں، اپنی اولاد سے بھی زیادہ ان سے پیار کرتے ہیں۔''

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میرے دل پر ان تصریحات کا ایسا مثبت اثر ہوا کہ میں واپس آتے ہی مسلمان ہو گیا پھر میں نے حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقوقس اور پادری کی باتیں سنائیں، آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا!

اپنے دوستوں کو بھی یہ سب باتیں سناؤ۔ (دلائل النبوۃ، ابونعیم جلد 1 صفحہ 49)

راہب کی نصیحت

تجارتی قافلے ملک شام جاتے رہتے تھے۔ عدی بن ربیعہ، یزید بن عمرو، سفیان بن مجاشع اور اسامہ بن مالک شام گئے تو ایک تالاب کے کنارے اترے۔ قریب ہی ایک گرجا تھا اس کا پادری غیر ملکی عرب سواروں کو دیکھ کر قریب آ گیا۔ اس کے چہرے پر شفقت کی شفق پھوٹ رہی تھی جیسے وہ ان پر محبت اور پیار کے سمندر انڈیلنا چاہتا ہو۔ وہ بڑے ملائم اور دلکش لہجے میں بولا۔

میں تمہیں ایک بہت بڑی حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ غور سے سنو!

''عنقریب تم میں ایک نبی مبعوث ہوں گے ان پر جلدی سے ایمان لے آنا۔ ہم نے پوچھا ان کا نام کیا ہے جواب دیا ''محمد''۔ (فتح الباری شرح البخاری جلد 6 صفحہ 556)

امیہ بن ابی الصلت کی باتیں

امیہ بن ابی الصلت عرب کا ایک زاہد مزاج اور اپنے زعم میں بڑا عبادت گزار شخص تھا۔ موٹے کھردرے کپڑے پہنتا اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتا۔ اس کی ابوسفیان کے ساتھ دوستی تھی۔ اس دوستی کے ناطے اس نے ایک دفعہ ابوسفیان کو بتایا! ''میں کتب سابقہ میں ایک نبی کا تذکرہ پاتا ہوں جو ہمارے ملک میں مبعوث ہوں گے۔''

(فتح الباری شرح البخاری جلد 6 صفحہ 583)

ابتداء میں میرا تصور یہ تھا کہ میں ہی وہ نبی ہوں۔ اپنی عبادت و ریاضت، دین و دانش، راست بازی اور اخلاقی برتری دیکھتے ہوئے مجھے پکا یقین تھا کہ کسی موزوں موقع پر خدا کی طرف سے مجھ پر وحی نازل ہو گی اور میں نبی کی حیثیت سے مبعوث کر دیا جاؤں گا۔ مگر بعد میں مجھ پر یہ راز منکشف ہوا کہ وہ نبی ''بنوعبد مناف'' سے ہو گا۔ میں نے اس قبیلے (قبیلہ عبد مناف) کے افراد کا جائزہ لینا شروع کیا کہ کون اخلاقیات عالیہ کا حامل ہے اور نبوت کے مزاج اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قریب تر ہے۔ میری نظر ''عتبہ'' پر جا کر اٹک گئی۔ مجھے وہ بڑا اصول پسند، رکھ رکھاؤ والا وضعدار آدمی دکھائی دیتا تھا مگر جب چالیس سال سے تجاوز کر گیا اور اس پر وحی نازل نہ ہوئی تو

میرا خیال بدل گیا اور ذہن نے کہا یہ بھی وہ نہیں ہے۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو میں امیہ بن ابی الصلت کے پاس گیا اور حضور کے بارے میں اس کی رائے پوچھی اس نے جواب دیا اما انه حق فاتبعه خبردار! بے شک وہ سچے ہیں تم ان پر ایمان لے آؤ۔ میں نے کہا تم کیوں ایمان نہیں لاتے؟

بولا! میں لوگوں کو بتایا کرتا تھا کہ میں ہی وہ نبی ہوں اب دوسرے کو نبی ماننے اور اس کی پیروی کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔(فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد 6 صفحہ 583)

ساموک یہودی کا بیان

تبع یمن کا بادشاہ تھا۔قوم تبع کا ذکر سورہ قاف میں بھی ہے۔ یہ بادشاہ کسی بات پر ''اہل مدینہ'' سے بگڑ گیا اور دہاں آباد ''یہودیوں'' کو تباہ و برباد کرنے کا پکا ارادہ کرلیا۔اس نے پیش قدمی کی اور شہر کا محاصرہ کرلیا۔تمام انسانی اور اخلاقی ضابطے بالائے طاق رکھ کر انہیں واضح الفاظ میں بتادیا کہ اب تمہاری مکمل تباہی و بربادی کا وقت آ گیا ہے میں تمہاری نسلوں کو مٹادوں گا۔

ساموک یہودی بڑا دانا اور صاحب علم شخص تھا۔وہ بادشاہ کے پاس گیا اور کہا۔

''اے بادشاہ! غور سے سن! حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے مکہ مکرمہ میں ایک نبی پیدا ہوں گے ان کا نام احمد ہوگا یہ مقدس شہر ان کی ''ہجرت گاہ'' ہے۔'' (صلی اللہ علیہ وسلم)

''جس جگہ تم موجود ہو (علاقہ احد) یہاں ان کے اصحاب اور دشمنوں کے درمیان زبردست جنگ ہو گی اور دونوں طرف سے کافی لوگ مارے جائیں گے اور زخمی ہوں گے۔''

بادشاہ نے کہا:

اے ساموک! دشمن کہاں سے آئیں گے جبکہ تم کہہ رہے ہو وہ نبی ہوں گے؟ اس نے جواب دیا:

ان کی قوم ہی ان کی دشمن ہوگی اور قتال کے لئے یہاں تک آ جائے گی۔

بادشاہ نے پوچھا: اچھا یہ بتاؤ پھر انجام کیا ہوگا؟

ساموک نے جواب دیا: ان جنگوں میں حضور پُرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو مکمل فتح حاصل ہوگی مگر کبھی جزوی طور پر انہیں بظاہر نقصان بھی ہوگا لیکن بالآخر مکمل کامیابی انہیں ہی نصیب ہوگی۔

بادشاہ نے پوچھا: اب یہ بتاؤ! وہ نبی اکرم نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کہاں وصال فرمائیں گے اور ان کی آخری آرام گاہ کہاں ہوگی۔

ساموک نے جواب دیا: وہ اسی شہر میں وصال فرمائیں گے اور اسی جگہ ان کا روضہ اقدس ہوگا۔

بادشاہ نے اشتیاق سے پوچھا: اچھا اب ان کا حلیہ مبارک بھی بیان کرو!

سامو ک نے اسے بتایا:

ان کا قد مبارک درمیانہ ہوگا بالکل کوتاہ قامت یا بہت لمبے قد والے نہیں ہوں گے ان کی دونوں آنکھوں میں سرخ ڈورے ہوں گے، زیادہ تر اونٹ کی سواری فرمائیں گے، شملہ لٹکائیں گے، تیغ بدست ہوں گے، دین کے معاملے میں بھائی، چچا ان کی اولاد وغیرہ کسی بھی رشتے کی پرواہ نہیں کریں گے یہاں تک کہ انہیں غلبہ حاصل ہو جائے گا۔"

تبع بادشاہ نے جب یہ حقیقت افروز باتیں سنیں تو بے حد متاثر ہوا اور آنے والے عظیم نبی آخرالزماں ﷺ کے احترام میں اس شہر کو گرانے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے وطن یمن کی طرف واپس چلا گیا۔

(الطبقات الکبریٰ، جلد 1 صفحہ 159)

ایک ایمان افروز اتفاق

بعض خوش قسمت اور نیک بخت مریض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی چارہ گری کے لئے خود مسیحا چل کر ان کے پاس پہنچ جاتا ہے۔

یہودیوں کے معبد میں ان کا روحانی پیشوا درس تورات دے رہا تھا۔ کونے میں ایک مریض بیٹھا بڑے انہماک سے وہ درس سن رہا تھا۔ اتنے میں اتفاقاً کائنات کے تاجدار حضور انور نبی کریم ﷺ اپنی تمام تر جلوہ آرائیوں کے ساتھ تشریف لے آئے۔ یہودی عالم کے اپنے اس وقت جو صفحات تھے ان میں آپ ﷺ سے متعلق صفات حمیدہ تفصیل سے مرقوم تھیں، اچانک "مبشرِ تورات" (حضور انور نبی کریم ﷺ) کو سامنے پا کر یہودی عالم کی زبان گنگ ہوگئی اور اس نے درس بند کر دیا۔

حضور انور، سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا تم چپ کیوں ہو گئے؟ سلسلہ درس جاری رکھو! مگر وہ یہودی عالم خاموش ہی رہا جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ کونے میں بیٹھا ہوا مریض گھسٹتا ہوا آگے آیا تورات اس کے ہاتھ سے لی اور عرض کی:

یارسول اللہ! یہ تورات میں اس وقت اپنے سامنے آپ کا ذکر دیکھ کر چپ ہو گیا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کی صفات اور آپ کی امت کے اوصاف اس میں تفصیل سے درج ہیں پھر اس نے کلمہ طیبہ پڑھا اور جان دے دی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

یہ ایک حسین، دلچسپ اور ایمان افروز اتفاق تھا جیسے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اسے جنت میں داخل کرنے ہی کے لئے تشریف لے گئے ہوں۔ آپ نے اس کی میت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اپنے بھائی کے کفن دفن کا انتظام کرو۔

یہود کا اعتراف

پیغمبر اوّل وآخر واعظم ہادیٔ دو جہاں، رہبر کائنات رسول بحروبر، اصل الموجودات، حاصل کائنات حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی باطل شکن للکار اور نبوت کی برہنہ تلوار نے عرب کے صدیوں پرانے طاغوتی افکار وعقائد پر ضرب کاری لگائی تو مشرکین بوکھلا گئے۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ ان کے آباؤاجداد باطل پرست کیسے ہوسکتے ہیں؟ وہ ذہین وفطین دانشور مانے ہوئے خطباء اور سکہ بند شعراء تھے پورے عرب میں ان کی ذہانت، شعرگوئی، خطابت اور فصاحت وبلاغت کا ڈنکا بجتا تھا اور سب ان کے فہم وبصیرت کو سلام کرتے تھے۔ لیکن اس دعوتِ حق کی بھی اپنی کشش تھی، اس لئے انہوں نے سوچا اس سلسلے میں کسی سے رہنمائی لینی چاہیے۔ ان کے نزدیک مدینہ کے یہود پڑھے لکھے اور صاحبِ کتاب تھے اور ہر لحاظ سے قابل اعتبار بھی۔ انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ مدینہ جا کر ان سے پوچھتے ہیں کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے اپنے دعویٰ میں سچے ہیں یا نہیں۔ اپنے طور پر انہوں نے باور کرلیا کہ یہودِ مدینہ ضرور ہمارے حق میں بات کریں گے اور بتائیں گے کہ تمہارے باپ دادا ہی راہِ حق پر تھے اور ان کے عقائد ونظریات درست تھے۔ نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط ابھرتے، ڈوبتے جذبات کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے اور علماءِ یہود کو بتایا

ہم تمہارے پاس ایک مسئلہ لے کر آئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہمارے شہر مکہ میں ایک عجیب اور نئی صورتحال پیدا ہوگئی ہے، ایک یتیم نوجوان نے بہت بڑی بات کا دعویٰ کردیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

یہود نے کہا ذرا ان کے اوصاف بیان کرو! انہوں نے تمام باتیں تفصیل سے بتادیں۔ انہوں نے پوچھا: کس قسم کے لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے؟ نضر اور عقبہ نے جواب دیا: یہی تو عجیب بات ہے ہمارے معاشرے کے بالکل نادار، بے حیثیت اور غربت میں سسکنے والے لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے مگر وہ پھر بھی خود کو سچا کہتا ہے حالانکہ امراء اور بڑے بڑے لوگ اسے رسول مانتے تو بات بھی تھی۔ یہود یہ سن کر ہنس پڑے اور بولے:

یہی تو وہ عظیم نبی ہیں جن کا ذکر تورات میں موجود ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی اپنی قوم ہی ان کی سب سے بڑی دشمن ہوگی۔ (الطبقات الکبریٰ جلد 1 صفحہ 165)

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کا یہودی پڑوسی

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن سلامہ راوی ہیں۔

''عبدالاشہل'' خاندان کا ایک یہودی ہمارا پڑوسی تھا جو اپنے علم وفضل کے حوالے سے بڑا شہرت یافتہ اور عوام کا منظورِ نظر تھا لوگ اس کی علمیت کی وجہ سے اس کا بہت احترام کرتے تھے۔

حضور پُرنور ﷺ کی بعثت سے چند روز پہلے کی بات ہے وہ عجیب جوش وجذبے اور عزم ووقار کے ساتھ اپنے حجرے سے برآمد ہوا اور بڑی تمکنت سے چلتا ہوا ہجوم یاراں کے پاس کھڑا ہوگیا۔ اس کے چہرے پر بلا کی

سنجیدگی اور متانت چھائی ہوئی تھی اور پیشانی پر عمیق فکر کی لکیریں نمایاں تھیں جیسے آج بہت سے راز فاش کرنا چاہتا ہو اور سب کچھ انڈیلنے کے لئے آ گیا ہو۔

اس نے بڑے فلسفیانہ اور ناصحانہ انداز میں بت پرست قوم کے سامنے جو حقائق بیان کیے وہ ان کے لئے بڑے عجیب اور بالکل نئے تھے اور وہ ایسے افکار و عقائد سے قطعی نا آشنا تھے۔ سن کر دنگ رہ گئے۔ مقرر نے بڑے عزم و وثوق سے کہا:

لوگو! ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے جب ہم سب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ زندگی میں جو کچھ کیا ہے اس کا محاسبہ ہوگا۔ اعمال تولے جائیں گے۔ اس کے بعد آگ یا باغ میں ٹھکانا ہوگا۔ برے لوگ آگ میں جلیں گے اور پھر جلتے ہی رہیں گے اور اچھے لوگ بہشت بریں میں پہنچیں گے اور پھر ہمیشہ وہیں رہیں گے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ حاضرین نے بے یقینی سے کہا: مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور اپنے کئے کی جزا و سزا پانا سمجھ میں نہیں آتا۔

مقرر یہودی نے زور دے کر کہا: یہ سب ممکن ہے۔

جو لوگ آگ میں دھکیلے جائیں گے وہ اس آگ کی حدت اور ہوشربا منظر سے بہت ہراساں ہوں گے اور اذیت محسوس کریں گے۔ اس کی اذیت اور تکلیف سے پریشاں ہو کر وہ یہ تمنا کریں گے کہ بے شک انہیں دنیا جیسی آگ کے تنور میں ڈال کر بند کر دیا جائے مگر اس دوزخ کی آگ سے نجات دی جائے۔

حاضرین اس انکشاف پر حیران رہ گئے اور پوچھنے لگے آپ کے پاس اس دعویٰ کی کیا دلیل ہے؟ یہودی نے مکہ مکرمہ اور یمن کی طرف اشارہ کر کے کہا: ایک نبی اس شہر میں مبعوث ہوں گے اور یہی کہیں گے جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے۔ وہ کب مبعوث ہوں گے؟ ان کی تشریف آوری میں کتنی دیر ہے؟ مقرر یہودی نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا: اگر اس بچے کی عمر نے وفا کی تو یہ ان کو ضرور دیکھ لے گا۔

پھر ہوا یہ کہ حضور پُرنور رحمت دو عالم نبی کریم رسول معظم ﷺ بصد انداز محبوبی و زیبائی جاہ و جلال کے ساتھ تشریف لے آئے۔ وہ پڑوسی یہودی ابھی زندہ ہی تھا مگر "غیر قوم" آل اسماعیل سے نبی کی آمد کا سن کر اس کا دل جل گیا۔ سارے جذبے سرد پڑ گئے اور حرارت ایمانی بخشنے والا خون رگوں میں منجمد ہو گیا۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے مگر اس نے حسد و عناد کی وجہ سے انکار کر دیا۔ ہم نے اسے کہا کیا تو ہمیں مبعوث ہونے والے نبی کے بارے میں نئی نئی باتیں نہیں بتایا کرتا تھا اب ایمان کیوں نہیں لاتا؟

اس نے ڈھیلے منہ سے جواب دیا، ہاں میں تمہیں بتایا کرتا تھا مگر یہ وہ نہیں ہیں۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام، جلد 1: صفحہ 231- دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 2: صفحہ 78)

ابن الہیبان

یثرب کے یہودیوں میں ’’ابن الہیبان‘‘ توریت کا ایک بہت بڑا اور محترم عالم تھا اور وہ نبی آخرالزماں ﷺ کے ظہور و آمد کا شدت سے منتظر تھا کہ نبی آخرالزماں مبعوث ہوں، اعلان نبوت فرمائیں یہ ایمان لانے والوں میں پہل کریں۔ وہ اللہ کا نیک بندہ اپنی قوم کو بھی وقتاً فوقتاً نبی آخرالزماں کے ظہور، آمد و صفات حمیدہ اوصاف جلیلہ سے آگاہ کیا کرتا تھا اور شدید خواہش رکھتا تھا کہ وہ خود اور اس کی قوم ایمان لانے والوں میں مقدم ہوں۔

جب اس منتظرِ نبی آخرالزماں خاتم النبیین ﷺ کی موت کے دن قریب آ گئے تو اس نے آخری بار حجت تمام کی خاطر آخری بار پھر قوم یہود کو خطاب کیا اور بڑے واضح الفاظ میں کہا کہ میں، میرا خاندان یثرب میں آ کر اس لئے آباد ہوا تھا کہ یہاں ان کا انتظار کروں کیونکہ یہ شہر ان کی ’’ہجرت گاہ‘‘ ہے۔ مجھے توقع تھی کہ وہ میری زندگی ہی میں مبعوث ہو جائیں گے اور میں ان کی پیروی کر لوں گا مگر افسوس ایسا نہ ہو سکا۔ دیکھو! اے گروہِ یہود! میں تم کو وصیت و نصیحت کرتا ہوں کہ ان کے ظہور میں آتے ہی فوراً ان پر ایمان لے آنا ایسا نہ ہو دوسرے لوگ سبقت لے جائیں اور تم پر برتری حاصل کر لیں اور تم دیکھتے ہی رہ جاؤ!‘‘

...................ایک بات اور ذہن نشین کر لو شیطان انسان کو بہت ورغلاتا اور طرح طرح کے وسوسے اور اندیشے ذہن میں ڈالتا ہے ان سے بچو! غور سے سنو! وہ نبی دشمنوں کی تمام آل اولاد ان کے بیوی بچوں کو بھی قیدی بنا لیں گے، یہ منظر دیکھ کر کہیں شیطان کے دھوکے میں نہ آ جانا کہ وہ تمہیں اس کی آڑ میں ایمان لانے کی سعادت ہی سے محروم کر دے۔‘‘

یہود نے یہ بات پلے باندھ لی اور ابن الہیبان کی وفات کے بعد شد و مد سے نبی آخرالزماں ﷺ کا انتظار شروع کر دیا۔ جب حضور ﷺ مبعوث ہو گئے اور انہیں پتہ چلا کہ وہ قومِ یہود کی بجائے عرب سے تشریف لے آئے ہیں تو انکار کر دیا۔

اسدٗ اسید اور ابن عبید حق پسند اور حقیقت شناس نوجوان تھے، انہیں حق و صداقت کی جستجو تھی۔ قومی عصبیت، انانیت اور خود پسندی سے کوئی سروکار نہ تھا وہ اپنے یہودی بزرگوں کے پاس گئے اور کہا، ابن الہیبان بزرگ کی وصیت کو یاد کرو ان کی پیش گوئی کے مطابق یہ نبی تشریف لے آئے ہیں ان پر ایمان لاؤ۔ وہ بڑی سرد مہری اور ڈھٹائی سے بولے، تم بچے ہو! چپ رہو یہ وہ نہیں ہیں۔ تینوں نوجوانوں کو اس سفید جھوٹ اور جواب سے بہت صدمہ پہنچا انہوں نے جرأت سے کہا۔

یہ وہی ہیں آپ لوگ غلط بیانی اور ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہیں۔ اگر آپ لوگ اسی طرح اپنی ضد پر قائم رہے تو ہم بغاوت کر کے چلے جائیں گے اور ایمان لے آئیں گے۔ ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی صفات و علامات اور نشانیں ہمارے سامنے بیان کی گئی ہیں۔

وہ جذبے سے اٹھے اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر دولتِ ایمان سے مشرف ہو گئے۔

(الطبقات الکبریٰ، 160 - السیرۃ النبویہ لابن ہشام: 213 - الوفا لابن جوزی، 55)

راہب کی پیشین گوئی

بعض لوگ طبعی طور پر خدا خوفی میں مبتلا رہنے والے، انصاف پسند، رحمدل، انسانیت دوست اور حلیم الطبع ہوتے ہیں۔ اپنے دشمن پر بھی ظلم وزیادتی روا نہیں رکھتے۔

حضرت جبیر بن مطعم اسی طبیعت کے آدمی تھے۔ اہل مکہ کو حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ پر ستم ڈھاتے دیکھ کر اپنا عیش وآرام بھول گئے انہیں جفا کاری سے روکنے کی کوششیں کرنے لگے۔ انہوں نے اس سلسلے میں کوئی کسر نہ چھوڑی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ جوانوں، بوڑھوں اور ہر نسل ومزاج کے لوگوں کو سمجھایا کہ بے جا ظلم بری بات ہے اس سے باز آئیں مگر ان کی نصیحت اور بزرگانہ مشوروں کا ان کی وحشیانہ خصلت پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ظلم کی انتہائی حدوں کو چھونے لگے۔ جب حضرت جبیر (رضی اللہ عنہ) کو یہ پتہ چلا کہ یہ سفاک لوگ آپ ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبے بنانے لگے ہیں تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے یہ روح فرسا اور ہولناک خبر سنتے ہی وہاں سے کوچ کرنے کا فیصلہ کر لیا تا کہ ان کے کانوں کو ایسی اذیت رساں خبر سننا نصیب نہ ہو لہٰذا رختِ سفر باندھا اور عازمِ شام ہو گئے۔

راستے میں مقام بصریٰ پر قیام کی۔ ان دنوں چہار دانگ عالم میں "ظہورِ نبوت" کی خبر گرم تھی۔ جب اہلِ دیر نے دیکھا کہ وضع قطع سے عرب لگتے ہیں تو وہ انہیں اپنے "دیر" (اپنی عبادت گاہ) میں لے گئے۔

راہب نے خوش آمدید کہا اور کہا، آپ حرم شریف کے باشندے لگتے ہیں؟ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیا۔ انہوں نے پوچھا، کیا وہاں کسی صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں ایک صاحب کو ہم امین وصادق کہا کرتے تھے انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ نبی ہیں۔ اگر تمہیں ان کی تصویر دکھائی جائے تو کیا تم پہچان لو گے؟ ضرور پہچان لوں گا میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں اور شکل وصورت سے متعارف ہوں۔ راہب ایک کمرے میں لے گیا جہاں بہت سی تصاویر پڑی تھیں اس نے پوچھا کیا تمہیں یہاں ان کی شکل کوئی تصویر نظر آ رہی ہے۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا مگر ان میں حضور ﷺ کی تصویر نظر نہ آئی انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

راہب انہیں ایک اور کمرے میں لے گیا وہاں پہلے سے بھی زیادہ تصاویر موجود تھیں۔ ان میں ایک حضور پُر نور حضرت محمد ﷺ کی تصویر مبارک بھی تھی جس میں آپ تمام تر جمال وکمال کے ساتھ جلوہ گر تھے۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے اس پر انگلی رکھ دی اور بتایا یہ ان کی تصویر ہے۔ پاس ہی ساتھ ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تصویر تھی جس میں آپ نہایت ادب ونیاز مندی کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کے پاؤں مبارک پکڑ کر بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ یہ تصاویر دیکھ کر دنگ رہ گئے جان لیا کہ ان لوگوں کی معلومات آخری نبی ﷺ کے بارے میں بہت زیادہ ہیں اس لئے جذبہ تجسس پیدا ہوا مگر چپ رہے کہ دیکھیں اب یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟

راہب گویا ہوا: یہ آخرالزمان نبی ﷺ کی تصویر ہے اور جو صاحب مجسمہ عقیدت بن کر ان کے قدموں میں بیٹھے ہیں وہ ان کے یار وفا شعار ہیں ان کے وصال کے بعد وہ خلیفہ ہوں گے۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے لوگ تو ان کے خون کے پیاسے ہیں خلافت تک نوبت کیسے آئے گی؟ میرا تو خیال ہے وہ اب تک انہیں شہید کر چکے ہوں گے۔ راہب بولا: تمہارا خیال غلط ہے۔

''خدا کی قسم! وہ لوگ انہیں قتل نہیں کر سکتے خدا ان کا محافظ ہے بلکہ جو لوگ ان کے قتل کے در پے ہیں وہ خود قتل ہو جائیں گے۔ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے نبی کو ہر صورت غلبہ واقتدار عطا فرمائے گا۔''

(الوفا باحوال المصطفیٰ صفحہ 57)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

آپ نے دین حق کی تلاش میں گھربار، آرام وعیش وعشرت، ماں باپ، عزیز واقارب اور اپنے ملک ایران کو چھوڑ دیا۔ راہِ حق میں سرگردان عراق اور شام کے ملکوں میں کوئی آدھ درجن سے زائد مختلف پادریوں کی خدمت میں رہے۔ ان کا ساتھ باری باری اسی وقت چھوڑا جب وہ ایک ایک کر کے وفات پا گئے۔ آپ نے بہت طویل عمر پائی۔ کچھ تاریخ دانوں نے آپ کی عمر تین سو سال بیان کی ہے۔ آپ نے کوئی ساٹھ ستر سال تو راہِ حق کی تلاش میں سرگرداں، گھومتے ہوئے گزارے ہیں اور اس دوران ہزاروں میل لمبے سفر پیدل طے کئے ہیں۔ اس دوران کتنے ہی دینی رہنماؤں کی خدمت کی ہے۔ طویل راستوں، سفروں کی صعوبتیں اٹھائی ہیں، لٹے ہیں بکے ہیں اور بار بار نوکر، خادم بنائے گئے ہیں لیکن دین حق کی تلاش میں کوئی کمی نہ آئی بلکہ ان مشکلات نے اس جذبہ کو اور رسوا کیا۔ یہ بشارتوں، پیش گوئیوں کا باب ہے اور خیال تھا کہ اس میں صرف اس پیش گوئی کا ذکر ہوگا جو نبی آخرالزماں کے بارے میں تھی اور عموریہ کے معزز پادری نے آپ (سلمان فارسی) کو تفصیل سے بتائی اور جس کے سبب آپ نے راہِ حق اور حق کو پایا۔

لیکن حضرت سلمان فارسی کی یہ تلاشِ حق کی داستان اتنی ایمان افروز ہے کہ میں اسے دوبارہ مکمل تفصیل کے ساتھ الف سے لے کری تک بیان کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔

اور کیوں نہ ہو آپ کی یہ تلاش حق کی داستان سن کر پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے بھی یہ فرمایا کہ اے سلمان! اپنی یہ داستان سب موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی سناؤ۔ اور اسی کے صلہ عظیم میں پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا: ''سلمان میرے اہل بیت میں سے ہے۔''

لیجئے اب اس داستان تلاش حق کو درایتی انداز سے سنیے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اصفہان کے باشندے تھے۔ طبیعت میں حق وصداقت تک رسائی کی تڑپ تھی اس لئے بچپن ہی میں گھر سے نکل گئے اور مختلف مقامات پر احبار ورہبان کے پاس رہے۔ راہ حق میں اتنی صعوبتیں جھیلیں اور مصیبتیں برداشت کیں کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے ہونے کے ناطے شہزادوں کی طرح بڑے ناز ونعم میں پرورش پا رہے تھے۔ معاشرے کے غلط رسوم ورواج اور سوسائٹی کے بداثرات سے بچانے کے لئے مہربان باپ نے ان کی تربیت کا خصوصی انتظام کیا ہوا تھا۔ وہ انہیں ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھتا تھا۔ کہیں جانے آنے کی اجازت نہیں دیتا تھا جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ عرصہ بعد سلمان اپنے ماحول سے کٹ کر رہ گئے۔

ان کا آتش پرست باپ، بہت بڑا جاگیردار اور مجوسیوں کا مذہبی پیشوا تھا۔ بیٹے کو بھی اپنے نقش قدم پر چلایا اور اسے آگ کا نگران بنا دیا۔ سلمان کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ آتش کدے سے آگ نہ بجھنے دیں اور ایسے انتظامات کریں کہ وہ ہر وقت جلتی ہی رہے۔

باپ جاگیر وغیرہ کی دیکھ بھال خود کرتا تھا لیکن ایک روز اسے کوئی ضروری کام پڑ گیا۔ ایک دن کے لئے اس نے دانا وبینا اور ہوشیار بیٹے کو انتظامی امور کی انجام دہی سپرد کی اور شام تک واپسی کی تاکید کر کے فرض کی ادائیگی کے لئے روانہ کر دیا۔

سلمان نے باپ کو تسلی دی اور جاگیر کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کڑی نگرانی یا پیار بھری حفاظت اور محبت سے لبریز حراست سے پہلی بار آزاد ہوئے تھے اس لئے باہر کی دنیا عجیب سی لگی اور گرد وپیش کا جائزہ لینے کی سوجھی۔ ایک گرجا کے قریب سے گزرے تو دیکھا لوگ عبادت کر رہے ہیں چونکہ طبیعت متجسس پائی تھی اس لئے رک گئے اور ان کی حرکات وسکنات کو دلچسپی سے دیکھنے لگے۔ یہ منظر انہیں اتنا اچھا لگا کہ وقت کا پتہ ہی نہ چلا۔ سورج غروب ہونے کے قریب آ گیا۔ انہوں نے پادری سے پوچھا۔

اس دین کی اصل تعلیمات کہاں میسر ہیں؟

اس نے جواب دیا: ملک شام میں ایسے ماہرین اور تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں جن سے اس دین کی تعلیم حاصل کی جا سکتی ہے۔

سلمان ایک انوکھی کیفیت سے سرشار نئی دھڑکنیں لئے واپس آئے تو دیکھا باپ بہت پریشان ہے اور سارے کام چھوڑ کر ان کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

بیٹے کی من موہنی صورت دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ پوچھا: ''تم کہاں تھے، تاکید کی تھی کہ جلد

آ جانا۔‘‘

سلمان نے سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا:

’’میں راستے میں ایک گرجا کے قریب سے گزرا لوگ وہاں عبادت کر رہے تھے۔ مجھے ان کا دین اور طریقہ بہت اچھا لگا۔ میں انہی کے پاس رہا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔‘‘

یہ سن کر باپ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے وہ فکر مند ہو گیا بولا:

بیٹا ہمارا دین ان سے بدرجہا بہتر ہے۔

مگر سلمان نے ٹوک جواب دیا نہیں ان کا دین ہم سے بہتر ہے۔ جب باپ نے یہ خیالات سنے اور وہ حالت دیکھی، طیور دیکھے تو باپ نے ان کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی کہ کہیں یہ بھاگ نہ جائے۔ سلمان نے گرجا والوں سے خفیہ رابطہ قائم کیا اور کہلا بھیجا کہ جب کوئی قافلہ ملک شام جانے والا آئے تو مجھے مطلع کر دیں۔

وقت گزرتا رہا آخر ملک شام سے ایک قافلہ آیا اور اپنا مال تجارت فروخت کرتا رہا۔ جانے لگا تو سلمان بھی چپکے سے باپ کو بتائے بغیر اس میں شامل ہو گئے۔

شام پہنچے تو کسی بڑے عالم کا پتہ پوچھا۔ انہوں نے ایک مشہور راہب کا پتہ بتا دیا۔ یہ اس کے پاس گئے۔ مقصدِ آمد بیان کیا اس نے قیام کی اجازت دے دی اور آپ وہیں رہنے لگے۔

بہت جلد آپ نے محسوس کر لیا کہ راہب اندر سے پکا دنیا دار اور ہوس پرست ہے۔ وہ عوام سے کہتا کہ غرباء و مساکین کے لئے صدقات دو! جب وہ لوگ دے کر چلے جاتے تو سب مال ہضم کر لیتا۔ مستحقین کو کچھ بھی نہ دیتا۔ اس طرح اس نے سونے چاندی سے سات گھڑے بھر لئے اور حفاظت کے نقطہ نظر سے اپنے کمرے میں گڑھا کھود کر دفن کر دیئے۔ اس پر حرص اتنی غالب تھی کہ گور کنارے پہنچنے پر بھی اسے یہ دولت تقسیم کرنے اور غرباء تک ان کا حق پہنچانے کا خیال نہ آیا، بالآخر وہ مر گیا۔

لوگوں کے نزدیک وہ ایک خدادوست، نیک سیرت اور زاہد و عابد انسان تھا۔ اس لئے نہایت عقیدت سے اس کی تجہیز و تکفین میں لگ گئے۔ سلمان نے انکشاف کیا کہ وہ راہب کے روپ میں نوسر باز اور ٹھگ تھا۔ پھر انہیں سونے چاندی کے گھڑے برآمد کر کے دیئے۔ اس انکشاف پر وہ بپھر گئے اور اس کی میت کو سولی پر لٹکا دیا اور اظہار نفرت کے لئے پتھر مارے۔

اس کی جگہ جو راہب آیا وہ حقیقتاً عابد، شب بیدار، متقی اور دنیا سے بے نیاز انسان تھا۔ اسے مال و دولت اور نام و نمود سے کوئی دلچسپی نہ تھی ہر وقت یادالٰہی میں مصروف رہتا اور عوام کی صحیح رہنمائی کرتا تھا۔

سلمان بھی اسی راستے کے مسافر تھے اس سے بے حد انس ہو گیا اور جان توڑ کر اس کی خدمت کی۔ وہ راہب بوڑھا آدمی تھا چراغ سحر ثابت ہوا۔ سلمان بے تاب ہو گئے امید کی کرن ہاتھ سے جا رہی تھی بے قراری سے پوچھا:

''اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپ مجھے کس کے سپرد کرتے ہیں اس نے کہا: اے بیٹے بخدا! اچھے اور نیک خدا خوفی کرنے والے لوگ ہلاک ہو چکے ہیں اور کوئی بھی اس راہ پر نہیں ہے جس پر میں چل رہا ہوں سب لوگ دین کا زیادہ حصہ چھوڑ چکے ہیں البتہ ''موصل'' میں ایک شخص ہے جو میری طرح ''راہ حق'' پر ہے تم اس کے پاس چلے جاؤ۔''

سلمان اس کے پاس پہنچے اور دل و جان سے اس کی خدمت میں لگ گئے مگر جلد ہی اس کا بھی آخری وقت آ پہنچا اور وہ نصیبین جانے کا مشورہ دے کر فوت ہو گیا۔

حالات و واقعات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے اس وقت حق پرست ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے تھے اور دنیا گمراہی کی تاریکیوں میں ڈوب رہی تھی چنانچہ جب سلمان ہدایت کے مطابق نصیبین پہنچے اور ایک اچھے رہنما کی صحبت میں زندگی گزارنے لگے تو اللہ تبارک تعالیٰ کی شان و حکمت کہ نصیبین والے راہب کا بھی آخری وقت آ گیا اور وہ عموریہ جانے کی نصیحت کر کے فوت ہو گیا۔

تلاش حق کی ایسی دھن سوار تھی کہ سلمان عموریہ بھی پہنچ گئے اور اپنے مقصودِ نظر راہب کی خدمت و اطاعت کے ساتھ ساتھ کچھ کاروبار بھی شروع کر دیا تاکہ کسی کا دست نگر نہ ہونا پڑے اس طرح کچھ بکریاں اور گائیں جمع کر لیں۔

ابھی مصائب و آلام اور گردش کے دن ختم نہیں ہوئے تھے یہاں بھی وہی صورتحال پیدا ہو گئی اور اس انتہائی نیک سیرت اور خدارسیدہ راہب پر جانکنی کا عالم طاری ہو گیا۔ مایوسی اور بے بسی سے سلمان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ لب پر وہی سوال تھا کہ فلاں نے فلاں اور اس نے فلاں کے پاس بھیجا لیکن سب داغ مفارقت دے گئے اور اب آپ بھی جا رہے ہیں۔ اب میں نورِ حق ڈھونڈنے کے لئے کس کے پاس جاؤں؟

راہب نے بتایا: اب روئے زمین پر ایک فرد بھی ایسا نہیں جس کے پاس تجھے جانے کا مشورہ دوں۔

''البتہ نبی آخر الزمان ﷺ کے ظہور کا زمانہ قریب ہے وہ دین ابراہیمی کے ساتھ مبعوث ہونے والے ہیں۔ سرزمین عرب میں ظاہر ہوں گے اور ہجرت کر کے ایک ایسی سرزمین کی طرف جائیں گے جو دو پتھریلے میدانوں میں گھری ہوئی ہے اور ان کے درمیان نخلستان ہے۔ اس نبی کی نمایاں علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کریں گے اور صدقہ بالکل نہیں کھائیں گے ان کے دونوں کاندھوں کے درمیان ''مہر نبوت'' ہے اگر تم اس سرزمین کی طرف سفر کر سکتے ہو تو وہاں چلے جاؤ۔''

راہب کی یہ بات سلمان کے دل میں سما گئی۔ سرزمین عرب تک پہنچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ ادھر کا کوئی قافلہ مل جائے اور اس میں شمولیت اختیار کر لی جائے۔ قدرت نے اس کے اسباب پیدا کر دیئے۔ قبیلہ بنو کلب کا ایک قافلہ ادھر آیا ہوا تھا۔ سلمان نے اپنے تمام مال مویشی دے کر انہیں ساتھ لے جانے پر راضی کر لیا۔

جب یہ قافلہ ''وادی القریٰ'' پہنچا تو بے درد اہل قافلہ نے ظلم ڈھانا شروع کر دیا اور غلام ظاہر کر کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ وہ اپنے شہر لے آیا وہاں سلمان کو کچھ نخلستان دکھائی دیئے۔ سلمان یہ اس خیال سے خوش ہو گئے کہ یہ وہی شہر ہے جس کی انہیں نشاندہی کی گئی ہے۔ اس لئے راستے کی تمام تکالیف بھول گئے مگر جب گردو پیش کا جائزہ لیا تو اندازہ ہوا یہ وہ شہر نہیں ہے جو ان کے دلبر کی ہجرت گاہ بننے کا شرف حاصل کرنے والا ہے۔

اس لئے بحوالہ تقدیر غلامی کی حالت میں اپنے شب و روز گزارنے لگے اور پردۂ غیب سے اب آگے کیا وقوع میں آتا ہے اس کا انتظار کرنے لگے۔

مدینہ طیبہ میں یہود کا ایک قبیلہ بنو قریظہ رہائش پذیر تھا اس کا ایک باشندہ وادی القریٰ آیا۔ اس نے سلمان کو خرید لیا اور اپنے ساتھ مدینہ لے آیا۔ سلمان نے جب یہ جگہ دیکھی تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ راہب کی بتائی ہوئی تمام نشانیاں یہاں موجود تھیں اس لئے انہیں یقین ہو گیا کہ نبی آخر الزمان ﷺ ہجرت کر کے یہیں تشریف لائیں گے۔ اب وہ اس روز سعید کے انتظار میں زندگی گزارنے لگا۔

انہیں اس دوران پتہ چلا مکہ مکرمہ میں ایک نبی ظاہر ہو گئے ہیں اور انہوں نے اعلانِ نبوت فرما دیا ہے اور لوگ اپنی ہمت شوق اور سعادت کے مطابق ان پر ایمان لا رہے ہیں۔

یہ کلیجہ پکڑ کر رہ گئے۔ غلام ہونے کے باعث اپنے نادیدہ محبوب ﷺ تک نہیں جا سکتے تھے۔ آزاد ہوتے تو پر لگا کر سب سے پہلے وہاں پہنچتے مگر غلامی کی بیڑیاں پاؤں کی زنجیر تھیں۔ وفورِ شوق اور حسرتِ دید کے باوجود ایک قدم بھی باہر نکالنے سے قاصر تھے اس لئے اس روزِ سعید کے انتظار میں گھڑیاں گننے لگے' کہ کب رسول اللہ ﷺ اس شہر میں رونق افروز ہوں گے اور اپنے قدموں سے یہاں کی فضاؤں کو انوار بخشیں گے۔

اور پھر اسی طرح بارہ سال بیت گئے۔ ایک روز سلمان درخت سے کھجوریں توڑ رہے تھے اور نیچے ان کا یہودی آقا بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس کا بھائی دوڑتا ہوا آیا اور ہانپتے ہوئے بولا:

کچھ سنا تم نے؟ وہ نبی یہاں آ گئے ہیں جنہوں نے مکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ سارا شہر ان کے استقبال کے لئے چلا گیا ہے۔

سلمان کے کان کھڑے ہو گئے دل حلق میں اٹک گیا۔ اس اچانک خوشخبری پر وہ حیران و ششدر رہ گئے تھے۔ اسی دن کے انتظار میں تو انہوں نے زندگی کی گھڑیاں گن گن کر گزاری تھیں۔ اسی خوش کن خبر کے لئے وہ ہر وقت گوش برآواز رہتے تھے۔ اسی روزِ سعید کے لئے انہوں نے سینہ شق کر دینے والے مصائب برداشت کیے تھے۔ غیروں کے مظالم سہے تھے، صحراؤں اور میدانوں کی خاک چھانی تھی، اہل نظر کی سالہا سال خدمت کی تھی اور والدین اعزاء و اقارب کی جدائی کا داغ سینے پر سجایا تھا۔ صرف اس امید پر کہ ایک روز وہ نورانی چاند طلعت بار ہو گا جس سے من کی کائنات میں اجالا ہو گا۔ وہ حسن مجسم اپنے رخ زیبا سے ضرور نقاب سرکائے گا جس کی دید سے من کی دنیا مہک اٹھے گی اور زندگی کی ساری کوفت بھول جائے گی۔

ان ہی خیالات میں وہ گم ہو گیا اور اُسے کچھ ہوش نہ رہا، بدن پسینے سے شرابور ہو گیا، عالم بے خودی میں اوپر ہی سے چھلانگ لگادی اور آنے والے کو دیوانوں کی طرح جھنجھوڑ ڈالا۔ اور پوچھا' کیا کہا تم نے؟ کیا کہا تم نے؟

وہ بے مہر، بے خبر، اس کیفیت کو کیا سمجھتے! ایک غلام سے ایسی حرکت تو ان کے خیال کے مطابق سنگین ترین گستاخی تھی۔ اسے زندگی کے مسائل میں دلچسپی لینے یا جذبات سے کام لینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا تھا اسی وجہ سے آقا نے تھپڑ کھینچ مارا۔ اور تحکمانہ انداز سے کہا'

جاؤ اپنا کام کرو۔ تمہیں ایسی باتوں سے کیا سروکار!

اب سلمان کو ہوش آیا کہ وہ عالم وارفتگی میں کیا کر بیٹھے تھے۔ وہ کب اور کن کے سامنے اپنا راز افشاء کر دینے لگے تھے۔ وہ فوراً ہی سنبھل گئے' آقا سے معذرت کی اور بظاہر پھر پھل توڑنے لگ گئے مگر دماغ کچھ اور ہی تانا بانا بن رہا تھا۔ بت وہاں موجود تھا مگر روح مدینہ طیبہ کے محلہ بنی عمرو بن عوف کے گھروں اور گلی کوچوں میں بھٹک رہی تھی جہاں ان کے محبوب کا والہانہ استقبال ہو رہا تھا۔ مرد و زن مرحبا کے نعرے لگا رہے تھے اور درود و سلام کے مہکتے گجرے پیش کر رہے تھے۔ پھر کسی شام کو فرصت ملتے ہی سلمان نے کچھ کھجوریں لیں اور اپنے محبوب کے دربار میں پہنچ گئے اور عرض کی: یہ صدقہ کی کچھ کھجوریں ہیں مہربانی فرما کر قبول فرمائیں۔ حکم ہوا'' حاضرین میں بانٹ دو'' سلمان نے دل میں کہا: ایک نشانی پوری ہوئی۔

پھر حضور پُرنور نبی کریم ﷺ شہر میں منتقل ہو گئے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو شرف میزبانی بخشا۔ ایک روز سلمان کھجوریں لے کر پھر حاضر ہو گئے اور عرض کی میری طرف سے یہ ہدیہ قبول فرمائیے۔ حضور انور نبی کریم ﷺ نے وہ کھجوریں حاضرین کو دیں اور خود بھی تناول فرمائیں۔ سلمان نے دل میں کہا: دوسری نشانی بھی پوری ہو گئی۔

پھر ایک روز حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ایک جنازے کے ساتھ بقیع غرقد (جنت البقیع) میں تشریف لے گئے۔ سلمان وہاں پہنچ گئے اب ان کی خواہش تھی کہ تیسری نشانی بھی دیکھ لیں تاکہ مکمل اطمینان ہو جائے۔

عالم خفا و غیوب، اسرار نہاں سے آگاہ و باخبر آقا ﷺ نے بھانپ لیا کہ سلمان مُہر نبوت دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے مبارک کندھوں سے پردہ ہٹا دیا۔ نورانی مُہر آن بان کے ساتھ دونوں کندھوں کے درمیان نمایاں تھی اس کی زیارت کوئی معمولی سعادت نہ تھی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پر وفور جذبات سے رقت طاری ہو گئی۔ وہ رونے لگے اور اسی حالت میں جھک کر اس نشانِ اعظم کو بڑی نیازمندی اور عقیدت و محبت سے بوسہ دیا۔

جب قدرتی مُہر کی زیارت کر چکے تو حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم عالم خفا و غیوب ﷺ نے فرمایا سامنے آ جاؤ!

حضرت سلمان رقت اور سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی کیفیت کے ساتھ سامنے آ کر بیٹھ گئے اور اپنے مصائب

و آلام کی ساری داستان بیان کی۔ یہ عجیب و غریب داستان اور راہ حق میں تکلیفیں برداشت کرنے کی جرأت آموز روئیداد سن کر سب دنگ رہ گئے۔ حضور انور نبی کریم ﷺ نے حکم دیا سب کو یہ کہانی سناؤ تا کہ ان میں جذبہ اور حوصلہ پیدا ہو اور وہ دین کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے اور مخالفانہ کارروائیوں کا مقابلہ کرنے کا عزم بالجزم حاصل کر لیں۔

منزلِ مقصود پا لینے کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی زندگی بڑی سلامت روی، سکون اور عافیت کے ساتھ گزرنے لگی مگر یہودی آقا بڑا بدمزاج اور کھردری طبیعت کا مالک تھا۔ نرمی اور ملائمت اس کی ظلمت زدہ خصلت میں نام کو بھی نہیں تھی، بات بات پر گالیاں دیتا، مظالم ڈھاتا اور طاقت سے بڑھ کر کام لیتا۔

ممکن تھا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ساری تکلیفیں سہہ لیتے مگر جو چیز نا قابل برداشت تھی اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو ذہنی اور قلبی اذیت پہنچاتی وہ یہ تھی کہ غلامی کے باعث وہ اپنی مرضی کے مالک و خود مختار نہیں تھے کہ جب چاہتے حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو سکتے اور جب طبیعت بے چین ہوتی، آرزوئے دید دل میں پیدا ہوتی تو یہ بے روک ٹوک آ کر وصال و زیارت سے طبع ناصبور کو تسکین دے سکتے۔ آقا چھوڑتا ہی نہیں تھا بے چارے کولہو کے بیل کی طرح کام میں جتے رہتے تھے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی بے بسی حسرت بن کر ان کی ذات کے ساتھ چپک گئی اور فرقت کی پژمردگی اور اداسی چہرے پر نقش ہو گئی۔ شفیق اور غمگسار آقا ﷺ نے مجبوری و بے بسی، دردِ جدائی اور غمِ فرقت کی کیفیت ان کے چہرے سے بھانپ لی۔ شوق لقاء، دردِ نہاں، بے تاب دل اور اندرونی پیچ و تاب کی جملہ کیفیات ایک لمحے کی توجہ میں آشکار ہو گئیں۔ اس لئے حضور انور نبی کریم ﷺ نے محبت و شفقت سے فرمایا۔

''سلمان! تم اپنے مالک کو کچھ دے دلا کر چھٹکارا حاصل کیوں نہیں کر لیتے؟ تا کہ رکاوٹ ختم ہو جائے اور تم آزادی سے ہمارے پاس رہ سکو؟''

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے یہودی مالک سے بات کی تو وہ بگڑ گیا۔ اس نے کہا میں تمہیں یوں نہیں چھوڑوں گا۔ آزادی حاصل کرنا چاہتے ہو تو تین سو کھجوروں کے درخت اور چالیس ''اوقیہ'' سونا دو۔

اس کا مطلب تھا ''نہ نو من تیل ہو گا نہ رادھا ناچے گی'' مگر اسے کیا پتہ تھا، جن سے واسطہ پڑا ہے، تمام وسائل از خود ہاتھ باندھ کر ان کے حضور حاضر ہو جاتے ہیں۔ وہ جدھر توجہ فرماتے ہیں راستے کی رکاوٹیں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔

حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا: ''اپنے بھائی کی مدد کرو''

اشارہ کافی تھا، انہوں نے کھجوروں کے پودے لانا شروع کر دیئے۔ کوئی دس کوئی بیس کوئی اس سے کم یا زیادہ لایا اور دیکھتے ہی دیکھتے تین سو پودے اکٹھے ہو گئے۔

فرمایا:

اے سلمان! باغ میں جا کر تین سو گڑھے کھودو، یہ پودے ہم اپنے ہاتھ سے لگائیں گے۔

جب تین سو گڑھے تیار ہو گئے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے صورتحال عرض کی۔ آپ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں تشریف لے گئے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ایک ایک پودا دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے گڑھے میں لگا دیتے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سو ننانویں پودے لگا دیئے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا ایک پودا میں بھی لگا دوں، وہ انہوں نے لگا دیا۔ اعجاز و برکاتِ نبوت کا اظہار یوں ہوا کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے تمام پودے اُگ آئے' ایک بھی نہ مرا مگر جو پودا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے لگایا تھا وہ مرجھا گیا۔ یہودی کی ایک شرط پوری ہو گئی۔

کچھ عرصہ بعد بیت المال میں معدنی سونا آیا وہ مرغی کے انڈے جتنا تھا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو دے کر فرمایا جاؤ یہودی مالک کی دوسری شرط بھی پوری کر دو۔

یہ سونا یہودی کے مطالبہ کے مقابلہ میں بہت کم تھا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ شش و پنج میں پڑ گئے اور نہایت ادب سے عرض کی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو بہت کم ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ آگے اپنا مشاہدہ اور برکاتِ رسالت کا مظاہرہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

''جب میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو بہت تھوڑا ہے اور مجھ پر زیادہ ادائیگی لازم ہے تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی زبان مبارک کے ساتھ لگایا اور فرمایا: اسے لے جاؤ اور مکمل ادائیگی کر دو۔''

زبانِ نبوت کی تاثیر کا اظہار یوں ہوا کہ اسی سے تمام ادائیگی وقوع میں آ گئی اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ایک ظالم وسفاک اور بے رحم کے چنگل سے آزاد ہو کر اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آ بسے۔

(سیرت ابن ہشام 221، الروض الانف 142 ،دلائل النبوۃ، ابونعیم: 213)

شب میلاد اور عجائب قدرتِ الٰہی کا ظہور

قارئین کرام!

شب میلاد مبارک کے غیر معمولی مظاہر قدرت ربّ العالمین، اس سے پہلے اور اس کے بعد کے عجائب قدرتِ الٰہی یا محیر العقول واقعات کا آپ ﷺ کی نسبت سے ظہور پذیر ہونے کے بارے میں، میں (راقم الحروف یا مصنف کتاب ہذاہ) نے اس موضوع کے ابتدائی دو تین صفحوں کے بعد ہی ان کمالات قدرت کے بارے میں ان کے حق میں قرآن حکیم کی روشنی میں، قرآن حکیم کی آیات مبارک کے حوالوں کے ساتھ، نفیس، آسان اور مدلل انداز سے لکھا ہے۔ جس کو صحیح تسلیم کرنے میں کسی بھی مسلمان کو قطعاً انکار نہیں ہو سکتا۔

رہی مستشرقین اور دین سے متنفر رہنے والوں اور دین متین سے بدظن کرنے والوں کی بات تو میرے یہ دلائل و منطق ان کے لئے سدراہ ثابت ہوں گے۔ اور سدراہ (رکاوٹ) بھی ایسی جسے عقلی اور اخلاقی طور پر آسانی سے عبور یا پار نہ کیا جا سکے گا۔ میں یہ کہنے میں یا ایسا سوچنے میں کہاں تک حق بجانب ہوں یا کہاں تک کامیاب رہا ہوں یہ تو قارئین کرام ہی بتا سکیں گے لیکن مجھے لگتا ہے کہ اس بارے میں بگڑے ہوئے خیالات کے حامل مسلمانوں کو تو راہ راست پر لانے کے لئے یہی کچھ کافی ہے۔

مستشرقین اور استشراق

قارئین کرام! میں اس کی سادہ اور قابل فہم تعریف یہ کروں گا۔

تحقیق کی آڑ میں دین اسلام (قرآن، سنت و احادیث) اور امت مسلمہ کا برا چاہنے والے، برا کرنے والے مستشرقین کہلاتے ہیں اور ان کے اس عمل کو استشراق کہتے ہیں۔

اور میں نے اپنی تحریر میں ان مشکل الفاظ کے متبادل ''اسلام اور امت مسلمہ کا برا چاہنے والے'' کے الفاظ یا فقرہ استعمال کیا ہے اور یہی کروں گا۔

درج ذیل میں علماء حضرات کے لئے (یا ان کے لئے جو میری اوپر کی گئی تعریف استشراق و مستشرقین سے مطمئن نہ ہوں) مستند، مشہور و معروف علماء دین کی بیان کردہ تعریف منقول ہیں۔

استشراق کی جوتعریف عام طور پر مشہور ہے وہ یہ ہے۔

''غیر مشرقی لوگوں کا مشرقی زبانوں، تہذیب، فلسفے، ادب اور مذہب کے مطالعے میں مشغول ہونے کا نام استشراق ہے۔ (ڈکتورمحمداحمدیاب''اضواعلی الاستشراق والمستشرقین''(قاہرہ-1989)صفحہ 10)

اس تعریف کی رو سے جو غیر مشرقی عالم، مشرقی علوم کے لئے اپنے آپ کو وقف کرے گا اسے مستشرق کہا جائے گا۔

آکسفورڈ کی جدید ڈکشنری میں مستشرق کی جوتعریف کی گئی ہے وہ یہ ہے۔

''مستشرق وہ ہے جو مشرقی علوم وآداب میں مہارت حاصل کرے۔''

(ڈکتورمحمدابراہیم الفیومی-''الاستشراق رسالۃالاستعار''(قاہرہ-1993)،صفحہ 143)

ڈاکٹر احمد عبدالحمید غراب نے مندرجہ بالا تعریفیں معہ تبصرہ ذکر کرنے کے بعد استشراق کی جوتعریف خود کی ہے وہ یہ ہے۔

''مغربی اہل کتاب، مسیحی مغرب کی اسلامی مشرق پرنسلی اور ثقافتی برتری کے زعم کی بنیاد پر، مسلمانوں پر اہل مغرب کا تسلط قائم کرنے کے لئے مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں گمراہی اور شک میں مبتلا کرنے اور اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنے کی غرض سے، مسلمانوں کے عقیدہ، ثقافت شریعت تاریخ، نظام اور وسائل وامکانات کا جومطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے دعوے کے ساتھ کرتے ہیں اسے استشراق کہا جاتا ہے۔

(''رویہ اسلامیہ للاستشراق''صفحہ 9)

قارئین کرام! میرے خیال میں' ہمارے مسلمان بھائی بھی جو محققین استشراق کی تحقیق کو آگے بڑھاتے ہیں، دانستہ آگے بڑھاتے ہیں اس کے ہمنوا ہو جاتے ہیں' اس کی تشہیر کرتے ہیں یا اپنے طور پر ان ہی کے معیار کی تحقیق پیش کرتے ہیں وہ بھی تو مستشرقین ہی ہیں یا ان کے ہمنوا مدد ومعاون بھائی ہی ہیں۔ میری کی گئی تعریف میں نہ مشرق ومغرب کا ذکر ہے اور نہ کسی خاص مذہب کے ماننے والوں کا' اس لیے یہ تعریف زیادہ صحیح' قابل قبول ومناسب آسانی سے سمجھ آ جانے والی ہے۔

بدقسمتی سے اس دور میں ایسے کمزور ایمان والے مسلمان بھی کم نہیں ہیں (جو کہ ستم بالائے ستم مصنف بھی بن گئے اور مبلغ بھی) جو اپنے آپ کو بہت ذہین وفطین سمجھتے ہیں اور مستشرقین کی طرح خدائی لافانی اور روشن حقیقتوں کو اپنی عقل (ناقص عقل) کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ وہ قادر مطلق، کن کے مالک کی حکمتوں کو اپنی عقل کے معیار پر لانا چاہتے ہیں اور اسی تگ ودو میں وہ صحیح راستہ سے، صحیح سوچ سے اور بھی زیادہ بھٹک جاتے ہیں اور ان کا بھٹک جانا، مستشرقین کے لئے، ہمارے دین میں، باہمی اخوت وبھائی چارہ میں، یکجہتی ودینی لگاؤ دینی وملکی محبت میں، دین وملت کے لئے جہاد میں اور حُب، احترام واطاعت بانیان دین میں دراڑیں ڈالنے کے لئے راہ ہموار کر دیتا ہے۔

علماء سیرت نے اپنی کتب سیرت میں ان محیر العقول واقعات کا تذکرہ کیا ہے جو اس مبارک رات میں وقوع

پذیر ہوئے ان میں سے چند درج ذیل ہیں اور ان میں سے چیدہ چیدہ کو اس کے بعد مناسب تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

1- اس رات کعبہ میں جو بت رکھتے ہوئے تھے وہ سر کے بل سجدہ میں گر گئے کیونکہ آج کی رات بت شکن کی پیدائش کی رات تھی۔

2- حضور کی ولادت کے وقت ایک ایسا نور ظاہر ہوا جس کی روشنی سے حضرت آمنہ کو شام کے محلات دکھائی دینے لگے۔

3- امام ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں ہشام بن عروہ سے یہ روایت نقل کی ہے ان کے والد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک یہودی تجارت کے لئے مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھا جب شب میلاد آئی تو اس نے قریش کی ایک محفل میں آ کر پوچھا' اے گروہ قریش! کیا آج رات تمہارے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا بخدا! ہمیں کوئی علم نہیں اس نے از راہ تعجب کہا اللہ اکبر۔ تم اپنے گھر والوں سے اس کے بارے میں ضرور دریافت کرنا اور میری اس بات کو بھی فراموش نہ کرنا کہ آج کی رات اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے دو کندھوں کے درمیان بالوں کا ایک گچھا اگا ہوا ہو گا۔ (مہر نبوت ہے)

لوگ مجلس برخاست کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ہر ایک نے اپنے گھر جا کر اپنے اہل خانہ سے پوچھا کہ کیا قریش کے کسی گھر میں آج کوئی بچہ پیدا ہوا ہے۔ انہیں بتایا گیا کہ آج عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے جس کا نام انہوں نے محمد رکھا ہے۔ وہ لوگ اس یہودی کے پاس گئے اسے بتایا کہ ان کے قبیلہ میں ایک بچہ پیدا ہوا ہے اس نے کہا میرے ساتھ چلو میں بھی اس بچہ کو دیکھنا چاہتا ہوں چنانچہ اسے لے کر وہ لوگ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے اور کہا کہ ہمیں اپنا بچہ دکھایئے۔ آپ نے اپنے فرزند ارجمند کو ان کے سامنے پیش کیا۔ اس یہودی نے بچے کی پیٹھ سے کپڑا اٹھایا اور بالوں کا اگا ہوا ایک گچھا دیکھا اور دیکھتے ہی وہ غش کھا کر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا، تیرا خانہ خراب، تجھے کیا ہو گیا تھا؟ اس نے بصد حسرت کہا کہ آج بنی اسرائیل کے گھرانہ سے نبوت رخصت ہو گئی۔ اے گروہ قریش! تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ یہ مولود تمہیں بڑی بلندیوں کی طرف لے جائے گا، مشرق و مغرب میں تمہارے نام کی گونج سنائی دے گی۔

4- اس رات کسریٰ کا ایوان لرز گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔

5- ایران کا مرکزی آتش کدہ جس میں ایک ہزار سال سے آگ بھڑک رہی تھی وہ آگ اچانک بجھ گئی۔

اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جن کو عصر حاضر کے بعض سیرت نگاروں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے لیکن عہد جدید کے بالغ نظر عالم امام محمد ابو زہرہ نے اپنی سیرت کی کتاب ''خاتم النبیین'' میں ان واقعات کا ذکر کیا

ہےاوران لوگوں کی پرزورتردید کی ہے جوایسے واقعات کوتسلیم کرنے سے انکارکرتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ روایات کی صحت وعدم صحت کا دارومداراس بات پر ہے کہ سند کے اعتبار سے ان روایات کا کیا مقام ہے'ان کی سند قابل اعتبار ہے یانہیں۔اگرعلماءحدیث ان کی سند کے بارے میں شک کا اظہارکریں تو ایسی روایت کودرخوراعتنانہیں سمجھا جائے گالیکن اگران کی سند معتبر ہوجن راویوں نے ان واقعات کوروایت کیا ہے وہ قابل اعتماد ہوں تو پھروہ روایات قابل قبول ہوں گی۔ان کے بارے میں عدم صحت کافتویٰ صادرکرناان قواعد وضوابط سے بےخبری کی علامت ہوگی جواہل تحقیق نے کسی روایت کےصحیح یاضعیف ہونے کے لئے مقررکئے ہیں۔

شیخ محمد ابوزہرہ لکھتے ہیں کہ علامہ ابن کثیر نے اپنی سیرت میں ان واقعات کا تذکرہ کیا ہے جن میں بعض روایات کوانہوں نے مشکوک قراردیااوربعض کے بارے میں سکوت اختیارکیا۔وہ روایات جن کے بارے میں انہوں نے شک کا اظہارکیا ہےان کوہم تسلیم نہیں کرتے۔لیکن جن روایات کے بارے میں علامہ ابن کثیر جیسے محقق نے کوئی طعن نہیں کیا بلکہ سکوت اختیارکیا ہےان کوہم صحیح تسلیم کرتے ہیں اوران سب کی صداقت کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے۔(خاتم النبیین ازعلامہ شیخ محمد ابوزہرہ جلد1 صفحہ 118)

قارئین کرام! آیئے اب اس مقدس، بابرکت رات، دن، لمحات جس رات حضور پُرنور پیغمبراوّل وآخر واعظم نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی ولادت مبارک ہوئی، جس رات ربّ العالمین نے اپنے نور سے ہماری کائنات کونورعلیٰ نورکیا،اس سہانی رات کے عجائب قدرت،اس سے پہلےاور بعد کے محیرالعقول مظاہرقدرت کے بارے میں مزیدآگے بڑھنے سے پہلے،اللہ تبارک تعالیٰ کی شان کریمی،قادرمطلق،کن کے مالک کی خلاقی،رزاقی، صناعی اورعلم وحکم یعنی کہ اس کی قدرت کاملہ کے بارے میں اسی موضوع کی مناسبت سے ہم ذکرربّ جلیل کریں۔

قرآن حکیم سورہ یٰسین آیت 82 میں ارشادربّ العالمین ہے۔

اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ o

ترجمہ:''اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کا ہوجانا چاہےتواس سے فرمائے ہوجا،وہ فوراًہوجاتی ہے۔''

ہم سب کااورتمام کائناتوں کا خالق،رازق و مالک صرف اورصرف اللہ تبارک تعالیٰ ہے۔اس نے سب کچھ کو بامقصد بامعنی ایک اصول،ضابطہ یاحق کے ساتھ اپنی حکمت وقدرت سے بنایا ہے۔ہم ذی شعورمخلوق انس وجاں کواس کائنات کی تمام اشیاء پرغوروخوض کرنے کا حکم ہے تا کہ ان کی معرفت سے ہمارایہ ایمان کہ سب کچھ کا پیداکرنے والا،رازق و مالک صرف اورصرف وہی ایک ذات پاک ہے جس کواللہ کہتے ہیں اوروہی ہماری تسبیح حمد وثناءوعبادت بندگی کاحقدارہےاورپختہ ہواور بڑھے۔

رب کریم نے انسان کوعقل سے نوازااوررفتہ رفتہ اپنے تجسس وتحقیق کے سبب انسان نے اپنے اردگرد کے

ماحول اور ان اشیاء کا کچھ علم حاصل کرلیا جن سے اس کا شب وروز واسطہ پڑتا تھا۔ہم ذی شعور مخلوق (انس وجاں) اور غیر ذی شعور (باقی تمام مخلوق) میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ غیر شعوری مخلوق اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم، تسبیح وعبادت سے کبھی بھی روگردانی نہیں کرتی اور کیونکہ وہ صاحب عقل واختیار نہیں ہیں اس لئے ان کا حساب نہیں ہے' ان کے لئے جزا وسزا نہیں ہے۔ جبکہ اس سے متضاد ذی شعور مخلوق کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ اپنی عقل سے اعمال کریں، اچھا برا اپنی مرضی، پسند، صوابدید سے کریں۔اپنی عاقبت اپنی عقل سے بنائیں یا بگاڑیں اور پھر یوم حساب میں بدلہ جزا یا سزا بشکل جنت یا جہنم پائیں۔

انس وجاں کو عقل دے کر اللہ تبارک تعالیٰ نے بہت بڑی اور کڑی ذمہ داری دے دی ہے۔اسی لئے خلفائے راشدین، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور صالحین امت کی اکثریت اپنی عبادت اور دعاؤں میں بہت گریہ زاری کرتے تھے اور عذاب الٰہی کے خوف سے، یوم حساب سے ڈر کر، خوف خدا میں، کبھی کبھی ربّ کائنات سے یوں بھی فریاد کرتے تھے کہ کاش ہم تنکا، گھاس پھونس کنکر پتھر ہوتے کہ نہ ہمارے لئے یوم حساب ہوتا اور نہ جزا وسزا ہوتی۔

ہمارا علم کائنات کے بارے میں اپنے اردگرد کی اشیاء وماحول کے بارے میں بہت ہی محدود ہے۔اب کوئی اتنے محدود علم کے باوجود یہ سوچے' سمجھے کہ اسے کائنات کی سب حکمتیں سمجھ آتی ہیں اور جو اسے سمجھ نہیں آتیں تو وہ اس کا مطلب یہ نکالے کہ وہ وقوع پذیر ہی نہیں ہوئیں یا جو واقعات وقوع پذیر ہونے کے لحاظ سے ہماری سمجھ سے بالاتر ہوں ان واقعات سے ہم صرف اس لئے منکر ہو جائیں کہ وہ ہمیں سمجھ نہیں آتے اس لئے ان کا وقوع پذیر ہونا بھی ناممکن ہے، یہ تو بڑی عقل کی پستی اور جہالت ہے۔

ہم یہ کیوں نہیں جانتے کہ ہماری عقل وسمجھ بہت ہی محدود ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی حکمت، عظمت، قدرت، خلاقی صناعی بلکہ ہر کچھ ہی لامحدود ہے۔ ہماری سمجھ کو اس کی قدرت وحکمت سے کیا نسبت۔وہ پیدا کرنے والا ہے اور ہم اس کی مخلوق ہے۔

اس لئے درج ذیل عجائب قدرت یا محیر العقول مظاہر قدرت میں سے اگر کچھ سمجھ میں نہیں آتی یا ہماری عقل میں نہیں آتیں تو ان کے بارے میں یہ خیال کر کے کہ یہ تو ہوا ہی نہیں، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا' اس موضوع کو اس باب کو ختم نہ کر دیں بلکہ اس پر توجہ دیں۔اللہ تبارک تعالیٰ نے غور وخوض کرنے کے لئے قرآن حکیم میں چھ سو بار سے زائد ارشاد فرمایا ہے۔کائنات کی ہر شے قابل غور وخوض ہے اور اس سے یقیناً علم میں اضافہ ہی ہوتا ہے چاہے وہ منفی ہو یا مثبت یعنی کہ چاہے وہ حق میں ہو یا مخالف لیکن علم میں عقل میں اور وسعت نظر میں ضرور اضافہ ہوتا ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ کی سنت

اللہ تبارک تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ اس نے اپنے تمام عظیم، برگزیدہ انبیاء کرام علیہ السلام کو پیدا فرمانے

سے پہلے کسی نہ کسی شکل میں، کسی نہ کسی طریقے سے اپنی مخلوق کو آگاہ کیا ہے، خوشخبری دی ہے، نوید مسرت سنائی ہے یا ان کی آمد پر، آمد کے لئے تیاری کی ہے۔ خوشی کا سامان پیدا کیا ہے اور یہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ان سب کی منفرد اہمیت وخصوصیت، وقت وزمانہ اور بنی نوع انسان کے حالات کے تناسب سے کیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے سے پہلے اس کے لئے جنت بنائی اور فرشتوں کو اپنی تخلیق کے ارادے سے آگاہ فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے اسماعیل کی بشارت دی اور پھر یعقوب کی بشارت دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو تسلی وبشارت دی کہ بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو اور فکر مند نہ ہوں کہ ہم اس کی حفاظت کریں گے اور اسے برگزیدہ کریں گے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس کا ذکر سورۃ طٰہٰ آیات 38 اور 39 اور سورۃ قصص آیت 7 میں فرمایا ہے:

حضرت داؤد علیہ السلام کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی بشارت دی۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی۔

حضرت مریم علیہ السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بہت واضح بشارت دی کہ آپ پریشان نہ ہوں اس کا اس طرح سے پیدا ہونا اللہ تبارک تعالیٰ کی رضا اور حکم سے ہے۔ وہ بہت فرمانبردار فرزند ہوگا۔ چند دن کا ہوگا تو اللہ کے حکم سے کلام کرے گا۔ وہ اللہ کا رسول ہوگا اور اس پر کتاب بھی نازل ہوگی۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے ان تمام انبیاء کرام علیہ السلام جن کے بارے میں ہمیں بالکل علم نہیں ہے اور وہ جن کے بارے میں بہت کم علم ہے ان کی آمد سے پہلے یقینی طور پر متعلقہ بنی نوع انسان کو کسی نہ کسی طرح سے ضرور آگاہ کیا ہوگا۔ ان کی آمد کے لئے ماحول کو تیار کیا ہوگا۔ ان کی آمد پر اس خطہ زمین میں اظہار خوشی کے طور پر شادمانی، خوشحالی اور مسرتیں لایا ہوگا۔ اللہ تبارک تعالیٰ ہی تو سب کچھ کا خالق، مالک وحاکم ہے۔ کن کے مالک نے انبیاء کرام کی شان بتانے کے لئے کیا کیا نہ کیا ہوگا۔

اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے ایسا کرنا کوئی کام نہیں ہے، ایسا کرنا بہت آسان ہے۔ اس نے تو صرف کن کا ارادہ ہی فرمانا ہے کہ سب کچھ اس کے چاہے کے مطابق خود بخود ہوجاتا ہے۔

سورہ حدید آیت 22 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ٥

ترجمہ:۔ ''کوئی مصیبت (کام، واقعہ) نہیں پہنچتی زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں، مگر وہ ایک کتاب میں ہے قبل اس کے کہ ہم اسے پیدا (برپا) کریں۔ بے شک یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔''

حضرت محمد رسول اللہ، پیغمبر اوّل وآخر واعظم ﷺ چونکہ تمام کائناتوں کی تمام مخلوقات کے لئے مبعوث ہوئے

ہیں، سب کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ کی رحمت ہیں، سب کے لئے ہادی وداعی ہیں، اللہ تبارک تعالیٰ کے محبوب خاص اور خاتم النبیین ہیں، جن کے دین متین نے قیامت تک رہنا ہے اس لئے آپ ﷺ کی ولادت مبارک پر کائنات کی ہر شے نے خوشی منائی ہے اور اس کا اپنے ربّ کے حکم واذن سے طرح طرح سے اظہار کیا ہے۔

ذرّہ ذرّہ اللہ کے علم وحکم میں ہے

قارئین کرام! نبی کریم ﷺ کی ولادت مبارک پر (بعثت اور اس کے بعد بھی) اللہ تبارک تعالیٰ نے مکہ کے جانوروں کو قوت گویائی دے دی، زبان دے دی۔ بت سرنگوں ہوگئے، گر گئے، پتھروں نے خوشی کا اظہار کیا، سلام کیا، مرحبا کہا۔ میں اسی موضوع کو قدرے قابل فہم بنا رہا ہوں۔ میرا تو ایمان یہ ہے کہ معزز، معتبر ہستیوں کے مشاہدات خواب وتعبیر جو قابل یقین، مستند ذرائع سے ہم تک پہنچیں ہیں وہ سب برحق ہیں اور اس مبارک شب مکہ میں تو پہاڑوں، پتھروں، نباتات، حیوانات نے ہی نہیں بلکہ پتا پتا نے، ذرہ ذرہ نے اپنے اپنے انداز میں خوشی منائی ہوگی۔ اللہ تبارک تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہوگا۔

لیجئے درج ذیل آیات مبارک کو غور سے پڑھیے۔

سورہ انبیاء آیت 16 میں ارشاد ربّ العالمین ہے۔

ترجمہ: ''اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ عبث (بے مقصد) نہیں بنائے۔''

سورہ یونس آیت 6 میں فرمان حاکم الحاکمین یوں ہے:

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ: ''بے شک رات اور دن کا آنا اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا، ان میں نشانیاں ہیں ڈروالوں کے لئے۔''

سورہ نور آیت 41 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد یوں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝

ترجمہ: ''کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے پر پھیلائے ہوئے۔ سب نے جان رکھی ہے اپنی نماز اور اپنی تسبیح اور اللہ ان کے کاموں کو جانتا ہے۔''

قرآن حکیم کی مندرجہ بالا آیات مبارک کے فرمان کا تعلق کسی خاص واقعہ، وقت، زمانہ یا حالات وحالت سے نہیں ہے۔ یہ تو ازلی ابدی صداقتیں ہیں جو تمام عالموں کو، ہر کائنات میں ہر کچھ کو ازل سے ابد تک کے لئے گھیرے ہوئے ہیں۔ ان آیات مبارک کے یہ الفاظ ''جو کچھ'' ''جو کوئی'' میں کائنات کی چھوٹی بڑی اہم، غیر اہم ہر

شے شامل ہے یعنی کہ یہ آیات مبارک ہر اس چیز پر بھی اسی طرح لاگو ہیں جو ہماری نظر میں کسی اہمیت کی حامل نہیں ہیں، ہمارے لئے قابل ذکر وفکر نہیں ہیں مثلاً ذرات ریت، مٹی، گھاس پھونس، تنکے، خزاں رسیدہ پتے، برگ، آوارہ، کوڑا کرکٹ وغیرہ۔

ان آیات مبارک سے صاف صاف ظاہر ہے کہ کچھ بھی بے مقصد نہیں ہے۔

ہر کچھ میں نشانیاں ہیں ڈروالوں کے لئے ہر کچھ اپنی نماز و تسبیح جانتا ہے (اللہ کا حکم مانتا ہے)

آپ نے دیکھ لیا کہ کائنات میں ذرہ ذرہ ریت، مٹی، تنکے، گھاس پھونس وغیرہ کوئی خالی از حکمت نہیں ہے اور کوئی بھی اللہ تبارک تعالیٰ کے علم وحکم سے باہر نہیں ہے۔

سورہ جن آیت 28 میں قادر مطلق کا فرمان ہے۔

لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝

ترجمہ: ''اور اس نے ہر چیز کی گنتی شمار کر رکھی ہے۔''

عام آدمی کے لئے یہ نا قابل فہم ہے کہ یہ ذرے، تنکے، خس وخاشاک، نباتات، حیوانات بھلا کس طرح اپنے ربّ کی تسبیح کرتے ہوں گے۔ اپنی عبادت، نماز، تعمیل حکم ربّ العالمین، کس طرح کرتے ہوں گے۔ ہم نا سمجھ، ذی شعور مخلوق میں اکثر یہ خیال آجاتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کو یہ ذرات، تنکے، کیڑے مکوڑے، خس وخاشاک کو شمار کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے اور یہ گنتی تو کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ بس یہ دنیا کا نظام تو ابتدا سے اسی طرح چلتا دیکھ رہے ہیں۔

ہماری اس خام خیالی کو دور کرنے کے لئے سورہ یونس آیت 61 میں خالق و مالک کائنات نے یوں ارشاد فرمایا ہے (اور اس سے خام خیالی مکمل دور جانی چاہیے)

سورہ یونس آیت 61 میں ربّ کائنات کا ارشاد ہے:

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

ترجمہ: ''اور تمہارے ربّ سے ذرہ بھر کوئی چیز غائب (چھپی) نہیں ہے، زمین میں نہ آسمانوں میں اور نہ اس سے چھوٹی نہ اس سے بڑی کوئی چیز نہیں جس کا ذکر روشن کتاب میں نہ ہو۔''

اللہ تبارک تعالیٰ کا ہر ارشاد سچ اور حقیقت ہے۔ بس یہ ہماری کم عقلی، نا سمجھی اور بعض دفعہ جہالت و بد نصیبی ہے جس کی وجہ سے ہم کچھ سمجھ نہیں پاتے اور واضح، اٹل صداقتوں اور حقیقتوں کے بارے میں بھی شک وشبہات میں گھرے رہتے ہیں۔

ذرّہ کی حقیقت اور اہمیت

قارئین کرام! آیئے اب ہم اس حقیقت کو جاننے سمجھنے کی کوشش کریں کہ ذرہ ذرہ اللہ تبارک تعالیٰ کے علم میں ہے اور اسی کے حکم وحکمت سے وہ اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہیں یا اللہ تبارک تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اسی کا حکم مانتے ہیں یا اسی کے سمجھائے ہوئے (ودیعت کردہ) انداز وطریقوں سے اپنی نماز ادا کرتے ہیں۔ آئیں پہلے یہ دیکھیں کہ ذرہ کیا ہے؟ اور اسے چھوٹے سے چھوٹے سائز وشکل میں کیسے دیکھا جاسکتا ہے۔

یہ ہوا، ہمارے کمرے کی ہوا اور زمین کے ہر طرف ہوا کا سمندر فضائے بسیط ہماری زندگی کے لئے بے حد اہم ہے اور عام حالات میں ہمیں یہ بالکل صاف معلوم دیتی ہے۔ یہ حقیقت میں اتنی صاف نہیں ہوتی جتنی ہمیں معلوم دیتی ہے۔ میں اسے خوددبین سے دیکھے جانے کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ یہ آلہ یا مشین تو ہر ایک کی پہنچ سے باہر ہے' اسے تو عام حالات میں سائنس کے طلباء ہی دیکھ سکتے ہیں۔ ہاں اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمیں اس کا ایک ایسا متبادل دیا ہوا ہے کہ ہر کوئی اس سے' اس ہوا میں ملے ہوئے اس گردوغبار یعنی ذرات کو دیکھ سکے جو عام حالت میں نظر نہیں آتے اور ہمیں ہوا میں آلودگی کا احساس نہیں ہوتا۔

یہ نظارہ سردیوں میں تو اکثر ہی کیا جاسکتا ہے، کیا جاتا ہے لیکن ہم اس پر توجہ نہیں دیتے کہ اس سے کچھ سیکھ بھی لیں۔ آپ اپنے کمرے میں بیٹھے ہیں، سردیوں کے دن ہیں اور آپ کو سورج کی روشنی اور حرارت' گرمی کا انتظار ہے۔ سورج طلوع ہوتا ہے اور اپنی روشنی بکھیرتا ہے۔ پھر کسی درز، سوراخ، روزن سے کمرے میں سورج کی کرن پڑتی ہے۔ آپ اسے دیکھیں اس میں آپ کو بے شمار باریک باریک ذرات تیرتے نظر آئیں گے۔ کسی ایک حصہ میں یا کسی خاص جگہ پر ہی نہیں بلکہ ہر کرن میں ہر جگہ، ساری کرن میں یکساں بکھرے ہوئے فرش سے کمرے کے اس مقام یا جگہ تک جہاں تک آپ کو کرن نظر آرہی ہے۔ آپ کو تو یہ گردوغبار صرف کرن کی حدود میں ہی نظر آرہا ہے جب کہ حقیقت میں یہ مٹی، ریت، آبی ذرات، جراثیم وغیرہ کا مجموعہ گردوغبار اسی طرح سے سارے کمرے، سارے مکان بلکہ ساری فضا (جس میں ہم سانس لے رہے ہیں) ان سے اسی طرح سے غبار آلود ہے۔ اور یہ ہوا یہ فضا ہمیں عام حالات میں بالکل صاف معلوم ہوتی ہے۔

ویسے تو ہمیں مٹی، ریت، پانی وغیرہ کے بڑے ذرات آنکھ سے نظر آتے ہیں لیکن بہت باریک ذرات کا مشاہدہ مندرجہ بالا قدرتی سہولت سے ہی کیا جاسکتا ہے جس میں آپ بہت ہی باریک ذرات کو کھربوں کی تعداد میں ہوا میں تیرتے ہوئے دیکھ سکے ہیں۔ اس نظارہ سے اور لطف اندوز ہونے کے لئے آپ کمرے میں اپنا تولیہ یا کوئی بھی کپڑا جھاڑ دیں۔ ساری کرن کے ذرات میں کھلبلی مچ جائے گی اور وہ کمرے بھر کے ذرّات دیر تک خاصے متحرک رہیں گے۔ اس معمولی تجربے سے آپ پر یہ تو واضح ہو گیا ہوگا کہ فضا، ہوا (جس کے ذرات بے رنگ ہیں اور ان سے بھی زیادہ باریک ہونے کی وجہ سے ہمیں عام حالات میں نظر نہیں آتے) جس میں آپ سانس لے

رہے ہیں وہ ساری کی ساری اسی طرح غبار آلود ہے۔

کیا کبھی آپ نے یہ سوچا کہ

ہوا کیا ہے؟

ہوا کے بھی ذرات ہوتے ہیں۔ یہ ہوا جس میں ہم زندہ رہنے کے لئے ہر وقت سانس لے رہے ہیں مختلف گیسوں اور گرد وغبار کا ایک مجموعہ ہے جو فضائے بسیط میں یکساں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ مجموعہ ہے نائٹروجن، آکسیجن، کاربن ائی آکسائیڈ اور ہیلیم وغیرہ گیسوں اور گرد وغبار کے ذرات کا۔ ان تمام گیسوں کے اپنے اپنے مخصوص بہت ہی چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں۔ یہ تمام گیسیں ایک مخصوص مقدار میں تمام فضا میں یکساں پھیلی ہوئی ہیں اور ہر جگہ موجود ہیں۔ مختصراً یہ کہ یہ فضا، یہ ہوا بھی مختلف ذرات کا ایک بہت بڑا مجموعہ ہے، جو ہمیں نظر نہیں آتے۔

پانی کیا ہے؟

آبی بخارات بھی پانی کے باریک ذرات ہی ہوتے ہیں۔ جب بہت سارے آبی ذرات و بخارات اکٹھے ہو جائیں تو وہ بادل بن جاتے ہیں۔ یہی جب ٹھنڈے ہو جاتے ہیں تو پہلے چھوٹی بوندیں بنتی ہیں (پھوار والی بوندیں) اور پھر یہ مل کر بڑی بوندیں بناتے ہیں۔ پھر بارش ہو جاتی ہے اور یہی بوندوں کا پانی ندی، نالے، نہر اور دریا بنا دیتے ہیں اور ان آبی بخارات کا سب سے بڑا مجموعہ سمندر ہوتا ہے۔ سیلاب بھی آبی بخارات کا ناقابل کنٹرول مجموعہ ہوتا ہے اور آپ نے سیلاب کی تباہ کاریاں اور جغرافیہ میں اس کے کچھ فوائد بھی پڑھے ہوں گے۔ یہ سب آبی ذرات کا ہی کام ہے۔

جراثیم کیا ہیں؟

یہ بھی ایک مختلف قسم کے ذرات کا ہی نام ہے۔ ان میں بھی بے شمار قسمیں ہیں۔ انسان کے لئے سودمند بھی ہیں اور مضر بھی یعنی بیمار کر دینے والے بھی اور بالکل بے ضرر بھی۔ یہ بھی عام ہوا میں موجود ہوتے ہیں اور غبار کی طرح ہی ہوا میں ملے ہوتے ہیں، تیر رہے ہوتے ہیں۔ جس کمرے میں ٹی بی کا مریض رہتا ہو اور وہ ہوا بند کمرہ ہو یعنی کہ ہوا کا مناسب گزر نہ ہو یا اس میں وینٹی لیشن (Ventelation) نہ ہو تو ٹی بی کے جراثیم بھی اس کمرے کی ہوا میں، مذکورہ بالا غبار کی مانند بکھرے رہتے ہیں اور اس کمرے کے مکینوں میں سانس کے ذریعے پھیپھڑوں میں داخل ہو کر اپنا اثر دکھاتے ہیں۔ ٹی بی کا مریض تو آپ نے دیکھا ہی ہو گا وہ ان ہی مہلک ذرات کا شکار ہے۔

پتھر، مٹی کا ڈھیلا کیا ہے؟

مٹی کا ڈھیلا مٹی کا بہت سارے ذرات کا مجموعہ ہے۔ پتھر بہت سخت مٹی کی ایک قسم ہے یعنی یہ بھی چھوٹے چھوٹے ذرات کا مجموعہ ہے اسی طرح زمین بھی مٹی، پتھر پانی وغیرہ کے ذرات کا مجموعہ ہے۔

روئی کیا ہے؟

اسے تو آپ بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ روٹی آٹے اور پانی کے بہت سارے ذرات کا مجموعہ ہے اور اس مجموعہ کو تو ہم خود تیار کرتے ہیں۔ آٹا اور پانی مناسب مقدار میں ملانے، گوندھنے کے بعد اور پھر توے پر سکنے کے بعد یہ مجموعہ روٹی کی شکل میں تیار ہو جاتا ہے۔ یہ تو ہر گھر میں تیار کی جاتی ہے اس لئے اس حقیقت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

ہم کیا ہیں؟

ہم کیا ہیں؟ اور یہ نباتات حیوانات سب کیا ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہم سب ہی مختلف قسم کے ذرات کا مجموعہ ہیں جو زندگی میں تو اپنی شکل، کارکردگی، اہمیت، وجود قائم رکھتے ہیں لیکن موت کے بعد آہستہ آہستہ سب ہی مٹی کے ذرات میں جلد یا بدیر تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اناج، پھل وغیرہ جو ہم کھاتے ہیں یہ سب ہی مختلف قسم کے ذرات کا مجموعہ ہیں۔

اسے پہلے ہم خود ہی چبا کر باریک کرتے ہیں۔ اس میں سے جو کچھ ہم ہضم کر لیتے ہیں وہ ہضم اسی وقت ہوتا ہے جب وہ باریک ذرات کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور تب ہی وہ خون میں جذب ہو کر جسم کا حصہ بن جاتا ہے اور جسم میں بطور ایندھن یا توانائی استعمال ہونے کے لئے اسے اور بھی باریک گلوکوس کے ذرات میں بدلا جاتا ہے۔

قصہ کوتاہ کہ کائنات میں سب کچھ ہی مختلف ذرات کا مجموعہ ہے جس نے فنا ہو جانے کے بعد مٹی کے ذرات میں بدل جانا ہے اور ہمارے لئے ہر کچھ کی ابتدائی بنیادی یونٹ اس کا مخصوص ذرہ یا ذرات ہی ہیں۔

ہم سب کا بالآخر انجام کیا ہے؟

ہم سب کا یعنی کہ انس و جان، نباتات، حیوانات، جمادات اس زمین و آسمان وغیرہ کا انجام ذرات و غبار ہی بن جانا ہے جس کو قرآن حکیم نے یوں بیان فرمایا ہے:

سورہ حاقہ آیت 14 میں خالق و مالک کائنات کا فرمان یوں ہے۔

وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ؕ

ترجمہ: ”زمین اور پہاڑ اٹھا کر ایک دم چورا کر دیئے جائیں گے۔“

یہاں بھی ذکر روز قیامت کا ہے کہ اس روز زمین اور پہاڑ ایک دم حکم ربی سے چورا چورا کر دیئے جائیں گے یعنی کہ غبار بنا دیئے جائیں گے۔

سورہ معارج آیات 8 اور 9 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ؕ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ؕ

ترجمہ: ”جس دن (قیامت کے دن) آسمان ہوگا مانند پگھلی ہو چاندی کے اور پہاڑ ہو جائیں گے مانند اون کے۔“

سورہ واقعہ آیات 1'5 اور 6 میں اللہ ربّ العزت کا فرمان یوں ہے۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ○ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ○ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ○ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ○ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ○ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا ○

ترجمہ: ''جب ہونے والی (قیامت) ہو جائے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے چورا ہو کر تو ہو جائیں گے جیسے روزن کی دھوپ میں غبار کے باریک ذرّے پھیلے ہوئے۔''

سورہ مزمل آیت 14 میں ارشاد مالک روز جزا، مالک یوم قیامت یوں ہے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ○

ترجمہ: ''جس دن تھرتھرائیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ہو جائیں گے مانند ریت کا ڈھیر'' یعنی کہ نرم چیزوں کا ذکر ہی کیا اس دن تو سخت ترین چیزیں بھی زیرہ ریزہ ہو جائیں گی۔

قارئین کرام! اب اس میں شک نہیں رہ جانا چاہیے کہ روز قیامت ہر کچھ نے غبار میں بدل جانا ہے۔ غبار ہو جانا ہے۔ اس مادی دنیا نے فنا ہو جانا ہے اور اگلے جہان کے لئے روحانی دنیا نے آباد ہونا ہے۔

ذرّہ ذرّہ کا تعمیل حکم کرنا

لیجئے اب اس ذرہ کی ایک اور شکل میں قدرے تفصیل سے حرکات وسکنات، تباہ کاریاں، فوائد ونقصانات کا بغور سرسری جائزہ لیتے ہیں۔

آندھی کیا ہے؟ تیز رفتار ہوا، (ہوا کے ذرات) ریت، مٹی کے ذرات اور خس وخاشاک کا مجموعہ ہی تو ہے۔

طوفان بادوباراں کیا ہے؟ بہت تیز اور شدید آندھی میں پانی کے ذرات بشکل فوار بوند وبارش بھی مل جائیں تو یہی مختلف قسم کے ذرات کا مجموعہ طوفان بادوباراں ہوگا۔

لیجئے اب مزید تفصیل سمجھانے کی خاطر آپ (قاری صاحب) کو اس بیان میں شامل کیے لیتے ہیں۔

آپ طوفان بادوباروں میں چند دوست احباب کے ساتھ گھر سے باہر تھے۔ پہلے زور کی آندھی چلتی رہی جس سے آپ سب کے بدن، کپڑے، مٹی مٹی ہو گئے۔ آنکھوں، کان، منہ اور سر کے بالوں میں مٹی بھر گئی اور نہ جانے اس دوران کتنے ہی مختلف قسم کے ذرات منہ اور ناک کے راستہ سانس کے ساتھ بدن میں داخل ہو گئے۔

یہ آندھی اور طوفان بادوباراں تقریباً ملک بھر میں تھا۔ نہ جانے یہ ذرات ریت، مٹی، کوڑا کرکٹ، گھاس پھونس آندھی میں کہاں کہاں سے شامل ہوئے تھے جو اب آپ کا اور آپ کے دوست احباب کا نصیب بن گئے۔

یہ ریت، مٹی کے ذرات سانس کے ذریعے پھیپھڑوں میں چلے گئے اور یوں اس آندھی نے کھانسی اور دمہ کے مریضوں کی تکلیف میں اضافہ کر دیا۔

اس شدید طوفان سے ایک دوست کے باغ میں پھل کا بہت نقصان ہو گیا اس نے تو تجارت کی خاطر باغ کا

پھل خریدا تھا وہ باغ کا مالک نہ تھا اس کا تو یہی ذریعہ معاش تھا۔ اس کے منافع سے سال بھر اپنے گھر کا خرچہ چلالیتا تھا۔

ایک دوست کی آنکھ میں آندھی سے اڑتی ہوئی ایک خشک ٹہنی کا سرا لگا اور اس نے آنکھ کو زخمی کر دیا جس کے لئے علاج لینا ضروری ہو گیا۔

آندھی سے ایک بزرگ کے حقے کی چلم گر گئی اس سے ایک چنگاری نے اُڑ کر ایک گھر میں آگ لگادی جس سے خاصہ مالی و جانی نقصان ہو گیا۔

آدھے گھنٹے کی تند و تیز آندھی نے سب کو حال سے بے حال کر دیا۔ سب کو پریشان کر دیا اور کاروبار زندگی کو آدھے گھنٹے کے لئے تقریباً مکمل روک دیا۔ اس آندھی نے نہ جانے کہاں کہاں کے ذرات ریت، مٹی، کوڑا، خس وخاشاک لا کر آپ کے گھر اور صحن اور گرد و نواح میں ڈال دیا اور آپ کے گھر اور گرد و نواح کے (آندھی سے پہلے موجود) ذرّات ریت، مٹی، کوڑا کرکٹ کے ساتھ دیوار پر خشک ہونے والے قابل استعمال بچوں کے کپڑے بھی اڑا کر نہ جانے کہاں کہاں ڈال دیئے۔

آندھی کے، طوفان کے سارے نقصانات ہی نہیں ہیں اس کے کچھ فائدے بھی ہیں۔ چند دنوں کے لئے تو اس نے مچھروں کو آپ سے دور کر دیا۔

غریبوں کے گھروں جہاں ہوا کا گزر نہیں ہوتا، وینٹی لیشن کا خاطر خواہ بندوبست نہیں ہوتا وہاں سے آندھی کے زور نے جراثیم آلود ہوا کو نکال باہر کیا۔ خاص طور پر ٹی بی والے گھروں سے اس آندھی نے وقتی طور پر تو کمروں گھروں کو فلش کر دیا اور مضر صحت جراثیم کو ہوا میں بکھیر کر، اڑا کر ان کا اثر زائل کر دیا۔

یہ آندھی بادلوں کو کھینچ لائی اور بارش کا سبب بن گئی۔

الحمدللہ آدھے گھنٹے بعد آندھی کا کچھ زور ٹوٹا اور ان تنگ کر دینے والے ریت، مٹی کے ذرات میں اب آبی ذرات بھی شامل ہو گئے جنھوں نے کچھ دیر بعد ہی موٹی موٹی بوندوں کی شکل اختیار کر لی اور پندرہ بیس منٹ کی اچھی بارش نے آندھی کی پیدا کردہ پریشانیوں و بے چینی کو دور ہی نہیں کر دیا بلکہ سارے ماحول کو خوشگوار اور دلکش بنا دیا۔ کچھ دیر پہلے جو گرد و غبار، ریت، مٹی، کوڑا کرکٹ زمین پہ بکھرا پڑا تھا اسے بارش نے صاف کر دیا بلکہ یوں کہہ لیں کہ سارے ماحول کو ہی قدرت نے دھو دیا۔

اور کچھ دیر پہلے کے پژمردہ ماحول کو ایک دم اس قدر دلکش اور خوشگوار بنا دیا کہ موسم و ماحول کو انجوائے کرنے کے لئے لوگ اپنے گھروں سے باہر نکل آئے۔ اللہ کی اس نعمت سے لطف اندوز ہوئے اور اپنے ربّ کی رحمتوں کے لئے شکر گزار ہوئے۔

آپ نے خوب دیکھ لیا کہ یہ ساری کرشمہ سازیاں اس تیز رفتار ہوا، ہوا کے ذرات اور اس میں شامل ریت،

مٹی وکوڑا کرکٹ کی ہیں جس کو ہم اپنے طور پر عام حالات میں کبھی کوئی اہمیت نہیں دیتے اور ان کے بارے میں یہ غلط خیال رکھتے ہیں کہ ان، اَن گنت ذرات کو کوئی کنٹرول نہیں کرتا۔

اب آپ میرے سوال کا جواب دیں یا مجھے بتائیں کہ جو ذرات، مٹی، ریت آج آپ کے سر کپڑوں، سارے بدن پر آ کر چپک گئے، جم گئے اور جو کچھ ذرات ریت، مٹی منہ اور ناک کے ذریعے، سانس کے ذریعے آپ کے جسم میں اندر چلے گئے وہ مخصوص ذرات مٹی، ریت تو آپ ہی کا حصہ بنے ہیں ناں؟ وہ تو آپ ہی کی تقدیر میں تھے ناں؟

آپ کو تو یہ پتہ نہیں کہ یہ ذرات جو آج آپ کا نصیب بنے ہیں نہ جانے ملک بھر کے کس کس حصہ سے ہوا کے دوش پر اڑ کر آپ تک آئے ہیں۔ ان ذرات نے آج سے پہلے بھی یقینی طور پر ہوا کے دوش پر لمبے لمبے سفر کیے ہوں گے اور نہ جانے اس زمین کے کس کس حصہ سے اڑ کر یہ اس جگہ آ پڑے تھے جہاں سے آج یہ آپ کے لئے ہوا کے دوش پر سوار ہو کر آپ تک پہنچ گئے۔ اسی طرح سے آپ کے دوستوں کے نصیب میں جو مٹی، ریت ذرات تھے وہ ان کے سروں، کپڑوں اور سارے بدن پر آ پڑے اور کچھ مٹی، ریت کے ذرات ناک، منہ، سانس کے ذریعے ان کے جسم میں چلے گئے۔ یعنی کہ ہر ایک کے لئے مخصوص ذرات، ریت، مٹی تھے۔

کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ذرّہ ذرّہ اللہ تبارک تعالیٰ کے علم وحکم میں ہے اور جہاں بھی انہیں پہنچنے کا حکم ملتا ہے وہ بہت تابعداری سے وہاں پہنچ جاتے ہیں اور قرآن حکیم میں سورہ یونس آیت 61 اور سورہ جن آیت 28 اور دیگر آیات مبارک میں، جن کا حوالہ پہلے دیا جاچکا ہے خالق کائنات نے بھی یہی فرمایا ہے کہ ذرہ ذرہ اس کے علم میں ہے اور پتا بھی اس کے اذن حکم کے بغیر نہیں گرتا، اپنی جگہ نہیں بدلتا۔

جب ذرہ ذرہ ہمہ وقت اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم میں سربسجود ہے تو پھر بت کیوں نہ گر گئے ہوں گے، پتھروں کو کیوں نہ گویائی مل گئی ہوگی، قیصر وکسریٰ کے ایوانوں میں کیوں نہ زلزلے آئے ہوں گے۔ نباتاتِ عالم نے کیوں نہ اس عظیم ابدی خوشی میں حصہ لیا ہوگا۔ حیوانات نے گویا ہو کر کیوں نہ اپنے پیدا کرنے والے حاکم الحاکمین کا حکم مانا ہوگا۔ کیا ایسا ہونا اور ایسا کرنا ربّ کائنات، قادر مطلق کی قدرت سے بعید ہیں؟ قطعاً نہیں۔ اس نے تو صرف بھی ارادہ فرمانا ہے کہ ''ہوجا'' اور وہ خود بخود ظہور پذیر ہوجائے گا۔

کیا یہ حقیقتیں آپ کو سمجھ آتی ہیں؟

قارئین کرام! درج ذیل میں اب کچھ صداقتیں، حقیقتیں پیش کی جاتی ہیں اور ان حقیقتوں کو سابقہ امتیں جانتی ہیں اور مانتی ہیں۔ ان کا ذکر خیر توریت اور انجیل میں بھی ہے اور ان سب کا زمانہ نبی کریم ﷺ بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی پہلے کا ہے اور حضور ﷺ کی امت کو تو انہیں سچ ماننے میں ایک لمحہ کا توقف بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ ان تمام حقیقتوں کو قرآن حکیم سے لیا گیا ہے۔ جہاں آیات مبارک کی شکل میں لکھا گیا ہے وہاں حوالہ بھی دے دیا ہے

تا کہ قارئین کو سہولت رہے اور مزید تحقیق کی جا سکے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہ السلام کو جنت سے اس زمین پر لایا گیا۔ ساری دنیا پر صرف دو انسان اور وہ بھی ایک دوسرے سے بہت دور۔ حضرت آدم کا نزول سری لنکا میں ہوا اور حضرت حوا کا ساحل جدہ پر اور ایک مدت بعد دونوں کی ملاقات مکہ کے علاقہ عرفات کے جبل رحمت پر ہوئی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و ہدایت کے مطابق ایک بہت بڑی کشتی خشکی پہ بنائی۔ اس میں اسی (80) کے قریب اہل ایمان اور جانوروں وغیرہ کا ایک ایک جوڑا ساتھ لیا۔ وقت مقرر پر بحکم ربّ العالمین زمین نے اپنے اندر کا پانی باہر نکالا اور شدید بارش بھی لگاتار ہوتی رہی یہاں تک کہ خشکی پر تیار کی گئی کشتی پانی پر تیرنے لگی اور۔

طوفان نوح کی شدت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ وہ بہت بڑا علاقہ (فلسطین، شام، عراق، ایران، ترکی، روس کا سارا جنوبی حصہ) سارے کا سارا زیرآب آ گیا اور پہاڑ بھی ڈوب گئے غرقاب ہو گئے' اور جب وہ طوفان رکا (تھما) تو اس وقت حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ کی چوٹی پر ٹھہر گئی یعنی کہ طوفان نوح کا پانی اس قدر بلند ہو گیا کہ جودی پہاڑ کی چوٹی بھی کچھ زیرآب آ گئی کہ کشتی کا نچلہ حصہ زمین سے لگ گیا یا اس میں دھنس گیا، پھنس گیا اور کشتی وہیں رک گئی۔ مؤرخین و محققین نے لکھا ہے کہ وہ کشتی جودی پہاڑ کی چوٹی پر ہزاروں سال تک ٹکی رہی اور پھر آہستہ آہستہ ٹوٹ پھوٹ (شکست و ریخت) کا شکار ہو گئی۔ یقینی طور پر اس کے کچھ باقیات تو اب تک برف کے نیچے دبے محفوظ ہوں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشیت ایزدی کے تحت حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل (جو ابھی بچہ ہی تھے) کو اپنے سے ہزاروں میل دور ایک بے آب و گیاہ غیر آباد وادی (وادی مکہ) میں چھوڑا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے ایک بہت بڑی تیز بھڑکائی ہوئی آگ میں منجنیق کے ذریعے پھینکوا دیا اور آپ اس آگ سے صحیح سلامت باہر آ گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر ایک عرصہ تک مکمل بنا بنایا کھانا ''من و سلویٰ'' اترتا رہا۔

سورہ اعراف آیت 160 میں جس کا ذکر پاک یوں ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ○

ترجمہ: ''اور ہم نے ان پر ابر کا سائبان کیا اور ان پر من و سلویٰ اتارا، کھاؤ ہماری دی ہوئی پاک

چیزیں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب سفر کے دوران ایسی جگہ پانی مانگا جہاں پانی نہ تھا تو اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو وحی بھیجی کہ

سورہ اعراف آیت 160 میں اس کا ذکر مبارک ان الفاظ میں ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝

ترجمہ: "اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کو جب اس سے اس کی قوم نے پانی مانگا کہ اس پتھر پر اپنا عصا مارو تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر گروہ (قبیلے) نے اپنا گھاٹ پہچان لیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جادوگروں کے تمام سامان جادوگری، رسوں، ڈنڈوں، لاٹھیوں، بلیوں، شہتیروں وغیرہ کو جو کہ بقول راوی، تین سو اونٹوں کا بوجھ تھا اس سب کو یکے بعد دیگرے ہڑپ کر گیا (اژدھا بن کر) اور جب آپ نے اسے اپنے ہاتھ میں پکڑنے کے لئے اس پر ہاتھ ڈالا تو وہ پھر فوراً ہی اپنی اصلی شکل و سائز پر آ گیا۔ اس کا ذکر قرآن حکیم میں یوں ہے۔

سورہ اعراف آیات 116 اور 117

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ ۝ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ۝

ترجمہ: "کہا تم ہی ڈالو جب انہوں نے (جادو) ڈالا لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں ڈرایا اور بڑا جادو لائے۔ اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈال تو وہ ناگاہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا۔"

سورہ یونس آیت 92 میں خالق کائنات قادر مطلق کا ارشاد ہے۔

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝

ترجمہ: "آج ہم تیری لاش کو بچالیں (باقی رکھیں) آگے تا کہ تو پچھلوں کے لئے نشانی ہو۔"

سورہ دخان آیات 22 اور 23 میں عزیز الحکیم نے یوں فرمایا ہے۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ۝ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝

ترجمہ: "ہم نے حکم فرمایا کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے نکل، ضرور تمہارا پیچھا کیا جائے گا اور دریا کو یونہی جگہ جگہ سے کھلا چھوڑ دے، بے شک وہ لشکر ڈبو دیا جائے گا۔"

حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ چرند پرند، پتھر پہاڑ مل کر اللہ تبارک تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے تھے۔ آپ کے

لئے اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم سے لوہا یعنی کہ فولاد بھی موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کے دوش پر سفر کرتے تھے۔ اس وقت کی ایک ماہ کی مسافت وہ ایک دن میں طے کرتے تھے۔ سب چرند پرند اور جن آپ کے تابع تھے۔ آپ چرند پرند اور کیڑوں مکوڑوں کی بھی بات سن لیتے تھے اور انہیں سناتے بھی تھے اور سمجھاتے بھی تھے۔

سورہ حج آیت 45 میں ارشاد جبار و قہار ہے۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ ○

ترجمہ: ''اور کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں کہ وہ ستمگار (ظالم) تھیں تو اب وہ اپنی چھتوں کے بل گری پڑی ہیں اور کتنے کنویں بیکار پڑے ہیں اور کتنے محل ویران ہو گئے۔

یہ بستیاں مدائن صالح اور سدوم وغیرہ ہیں۔ یہودی نصاریٰ اور مسلمان مدائن صالح کو خوب جانتے ہیں کیونکہ یہ تجارتی راستہ پر ہے اور اس کے اطراف میں خاص طور پر شمال اور جنوب کے علاقوں میں یہودی آبادیاں تھیں۔ اللہ کا عذاب جب آیا تو ایک کڑک (آواز) نے پہاڑوں میں، چٹانوں میں تراشیدہ بڑے بڑے گھروں کو مکانوں کو پل میں الٹ کر رکھ دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے مٹی کا پرندہ بنا کر اڑا دیتے تھے۔ کوڑھیوں کو پل بھر میں شفا دے دیتے تھے اور اندھوں کو بینائی بخش دیتے تھے۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا سب صداقتیں، حقیقتیں سب یہودی و نصاریٰ اور مسلمانوں کے لئے یکساں مصدقہ ہیں اور یہود و نصاری سب انہیں مانتے ہیں بلکہ سب ان کو بلا چوں و چرا ں مانتے ہیں حالانکہ ان میں سے کوئی ایک بھی عام انسانوں کے لئے قابل ادراک یا قابل فہم نہیں ہے۔

مثال کے طور پر آپ صرف سورہ دخان آیات 22 اور 23 والے ذکر پاک پر تھوڑا سا غور کریں (ان آیات کا ترجمہ گزشتہ صفحے پر گزر چکا ہے) اس سے آپ کے ایمان میں اضافہ ہوگا اور میری بات کو خوبصورتی سے آسانی سے سمجھ بھی جائیں گے۔ آپ اس پر کچھ دیر کے لئے غور و خوض کریں اور اپنے آپ کو کچھ دیر کے لئے اس دریا یا جھیل کے پار اتر جانے والے کنارے پر تصور کریں اور تصور کی آنکھ سے دیکھیں کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام حسب حکم قادر مطلق، بنی اسرائیل کو لے کر چل پڑے اور صبح کے وقت دریا کے کنارے پہنچ گئے ہیں۔ فرعون اپنے تمام لاؤ لشکر کے ساتھ انہیں پکڑنے کے لئے تیزی سے ان کے پیچھے آ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے دریا پر اپنا عصا مارا اور فوراً بارہ مقامات پر دریا کا پانی اس طرح پھٹ گیا کہ دریا میں مناسب فاصلے پر بارہ راستے بن گئے ہیں جو ہر طرح سے اس قابل ہیں کہ ان سے با آسانی، بے خوف و خطر گزرا جا سکے۔

یعنی کہ دونوں طرف پانی کی صاف ستھری مضبوط دیوار ہے۔ راستہ کشادہ اور صاف ہے۔ کوئی گڑھا، دلدل، کیچڑ یا آبی جانور راستہ میں نہیں ہے۔ آپ کے ساتھ بنی اسرائیل نے (آپ کی قوم نے) یہ راستہ طے کرنے میں کوئی آدھ گھنٹہ لگا دیا کیونکہ آپ کی قوم مظلوم تھی اور تھوڑا بہت سامان زیست، عورتیں اور بچے بھی ساتھ تھے اور وہ زیادہ تر پیدل تھے۔

آپ کی قوم کو فرعون کا لاؤ لشکر اپنے تعاقب میں آتے ہوئے نظر بھی آ رہا ہے یعنی کہ ان دونوں کے درمیان فاصلہ پندرہ بیس منٹ کا ہی ہوگا۔ آپ اپنی قوم کو سالم بحفاظت، بہ خیر و خوبی دریا کے پار لے جا چکے ہیں اور آپ کا پیچھا کرنے والا لشکر دریا عبور کرنے کے لئے کنارے پر جمع ہو گیا ہے اور وہ اب کوئی دم میں (کسی بھی لمحے) دریا پار کرنے کے لئے بنے ہوئے راستوں میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ آپ کی قوم نے آپ سے گزارش کی کہ اپنے اللہ سے دعا کر کے، اپنا عصا دریا پر مار، یہ راستے فرعون کے لشکر کے لئے بند کر دیں۔

اسی لمحے اللہ تبارک تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضرت موسیٰ کو حکم فرمایا کہ ابھی ان راستوں کو بند نہ کرو یعنی کہ ابھی اپنا عصا دریا پر اس نیت سے نہ مارو کہ راستے بند ہو جائیں، راستے نہ رہیں کیونکہ اب ہم نے پیچھا کرنے والی جابر وظالم قوم فرعون کو فرعون سمیت آبی راستوں میں لا کر ڈبونا ہے۔

اور پھر ہوا بھی اسی طرح، جیسے ہی فرعون کا لشکر سارے کا سارا مختلف راستوں میں داخل ہو کر دریا کے بیچ میں پہنچ گیا اور اس کا کوئی آدمی باہر یا کنارے پر نہ رہا تو پانی کی وہ دیواریں جو پچھلے تقریباً ایک گھنٹے سے صاف شفاف سنگ مرمر کی سیسہ پلائی ہوئی دیواریں بنی کھڑی تھیں اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم سے فوراً ڈھے گئیں اور ایک ہو گئیں۔ فرعون اور اس کے ساتھ قوم اسرائیل کا پیچھا کرتے والا لشکر، وہ سب کے سب غرقاب ہو گئے اور نشان بھی باقی نہ رہا۔

ہاں بمصداق قرآن حکیم سورہ یونس آیت 92، پانی نے فرعون کے مردہ جسم کو دریا کے کنارے پر پھینک دیا اور اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و حکمت کے تحت اللہ کے جنود (ہم سب مخلوق اللہ کے جنود ہیں) نے اسے اٹھا لیا اور حنوط کر کے وہ مردہ جسم محفوظ کر دیا کہ آنے والی نسل بنی نوع انسان کے لئے نشان عبرت ہو اور وہ لاش آج کل بھی ملک مصر کے قومی عجائب گھر میں موجود ہے۔

میں نے مندرجہ بالا کو اس لئے بیان کیا ہے کہ میں گزارش کروں کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ صرف ایسے ہی کام کرے جو ہمیں سمجھ آ جائیں یا بالفاظ دیگر یہ کہ جو کچھ ظہور پذیر ہوتا ہے اور وہ ہمارے ادراک سے ماورا ہے یا ہمیں اس کی سمجھ نہیں آتی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ظہور پذیر ہی نہیں ہوا یا ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا' ایسا تو ہوا ہی نہیں۔

مندرجہ بالا میں، میں نے وہی صداقتیں، حقیقتیں بیان کی ہیں جو عام انسانوں کی سمجھ سے بالکل بالا ہیں لیکن الحمدللہ کہ تمام سابقہ امتیں بھی ان کے وقوع پذیر ہونے کی صداقت کو اسی طرح مانتی ہیں جس طرح ان کے سچے

مانے جانے کا حکم وحق ہے۔اور نہ ماننے والوں کے لئے تو اللہ تبارک تعالیٰ نے ایسے کچھ واقعات (مدائن صالح اور سدوم کی بستیاں) کے زمین پر نشان عبرت بھی چھوڑے ہیں تا کہ انہیں دیکھ کر ان کو بھی عقل آ جائے۔

سورہ جن میں خصوصی انتظامات کی تصدیق

لیجئے اب اسی موضوع سے متعلق قرآن حکیم سورہ جن کی چند آیات مبارک کو پڑھیے، غور کیجئے اور اپنے ایمان میں اضافہ کیجئے۔

سورہ جن آیات 8 اور 9 میں اللہ تبارک تعالیٰ، قادر مطلق خالق و مالک کائنات کا ارشاد پاک یوں ہے۔

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝

ترجمہ: ''اور یہ کہ ہم نے آسمان کو چھوا تو پایا (پتہ چلا) کہ وہ سخت پہرے اور آگ کی چنگاریوں سے بھر دیا گیا۔اور یہ کہ پہلے ہم آسمان میں سننے کے لئے کچھ موقعوں پر بیٹھا کرتے تھے، اب جو کوئی سنے وہ اپنی تاک میں آگ کا شعلہ پاتا ہے۔''

اس کی مختصر تفسیر یوں ہے کہ

آپ ﷺ کی ولادت مبارک یا بعثت سے پہلے کی طرح جنات نے اہل آسمان کا کلام سننے کے لئے آسمان دنیا پر جانا چاہا۔اب جو وہ اس ارادے سے گئے تو انہوں نے آسمان دنیا کو فرشتوں کے سخت پہرے میں پایا کہ وہاں تک رسائی ممکن نہ رہی اور جو کوئی وہاں تک (ان موقعوں تک) پہنچنا چاہے تو اس سے پیشتر ہی پہرے دار فرشتے اسے مار بھگاتے ہیں، اس کی طرف آگ کا شعلہ (گولا) پھینک کر اسے بھگا دیتے ہیں تا کہ جنات کو اہل آسمان کی باتیں سننے سے روک جائے (آسمان دنیا کے ان موقعوں تک پہنچنے سے روکا جائے) کیونکہ جنات کا یہ معمول تھا کہ اگر انہوں نے کہیں سے اتفاقاً ایک آسمانی بات سن لی تو وہ اہل زمین کو سناتے وقت اس میں بہت زیادہ جھوٹ ملا دیا کرتے تھے۔اب جنات کو ایسی اہم جگہوں، موقعوں تک پہنچنے ہی نہیں دیا جاتا اور یہ تبدیلی حضور انور ﷺ کی ولادت مبارک یا بعثت مبارک یا ان دونوں خاص واقعات کائنات سے پہلے لائی گئی۔

قارئین کرام! ان آیات مبارک کے فرمان پاک سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس وقت (میلاد مبارک کے وقت، یا بعثت کے وقت یا ان دونوں خاص اور بہت اہم مواقع کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے) اپنے حکم و حکمت سے حضور انور ﷺ اور آپ کے دین متین کی اہمیت، عظمت رفعت و حرمت کے سبب اپنے نظام کائنات میں کچھ مخصوص تبدیلیاں کیں۔

یعنی کہ آپ ﷺ اور آپ کے دین متین کی حفاظت، سربلندی اور خوش آمدید کے لئے زمین و آسمانوں پر خاص اہتمام کیا گیا اور یہ قرآن حکیم کی ان آیات مبارک سے خوب ثابت ہے۔

اب درج ذیل میں دو احادیث مبارک بھی پڑھئے اور ان پر غور کیجئے۔ ان احادیث مبارک کا ذکر خیر میں پہلے جلد اوّل میں تفصیل سے کر چکا ہوں اس لئے یہاں ان کا ذکر بہت مختصر ہوگا۔

حدیث مبارک ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے محبوب محمد (ﷺ) اگر میں نے تجھے پیدا فرمانا نہ ہوتا تو کائنات اور اس میں کسی چیز کو بھی پیدا نہ فرماتا۔

بہ الفاظ دیگر اس کائنات کا سب کچھ صرف اور صرف آپ ﷺ کے سبب اور آپ ﷺ کے احترام و اکرام کے لئے پیدا فرمایا گیا ہے۔ آپ ﷺ ہی اللہ تبارک تعالیٰ کا شاہکار عظیم ہیں، حاصل کائنات ہیں تمام کائنات کے سراج منیر ہیں، نور علیٰ نور کر دینے والے نور ہیں اور اس کائنات کی اعلیٰ ترین خوبصورتی اور سجاوٹ ہیں۔

حدیث پاک ہے کہ آپ ﷺ اوّل الخلق ہیں اور پھر تمام کائنات آپ کے نور سے تخلیق فرمائی گئی یعنی کہ آپ ﷺ اصل الموجودات ہیں۔

پھر اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم، اذن وحکمت سے کون ہے جو اپنے اصل کی تعریف کرنے، اس سے رحمتیں حاصل کرنے، اس کا دیدار حاصل کرنے، اس کے لئے اپنے ماحول کو سجانے، اس کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کا فراخدلانہ استقبال کرنے کے لئے تیار نہ ہو، جب کہ انس و جاں کے علاوہ کسی اور مخلوق میں اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کی مجال نہیں ہے۔

سابقہ انبیاء کرام علیہ السلام کے معجزات یا محیر العقول واقعات عجائب قدرت الٰہی یا قدرت کی کرشمہ سازیوں اور حضور انور ﷺ کے یوم ولادت پر عجائب قدرت الٰہی کے ظہور میں صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات، محیر العقول واقعات اور کرشمہ سازیوں سے انہیں دوران نبوت مدد دی، تقویت دی اور دین کے معاملہ میں کھلی کھلی مدد فرمائی اور یہاں پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کی ولادت مبارک پر ظہور عجائب قدرتِ الٰہی کے ذریعے کائنات کو آپ ﷺ کے بشری وجود مبارک سے زینت، شرف و عزت بخشنے کی خوشی میں اللہ تبارک تعالیٰ نے تمام مخلوق کو یہ بتا دیا کہ آنے والی ہستی میرا عظیم ترین شاہکار ہے۔ کائنات میں سب کے لئے رحمت ہے۔ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ہے۔ میں نے اسی کے نور سے سب کچھ بنایا ہے۔ میری عبادت و عبدیت میں یہ کامل ہے اور میں نے اس کی عبدیت و عبادت کی خوشی میں اس کائنات کو بنایا ہے۔ یہ میری پہچان کامل ہے۔ خاتم النبیین، سید المرسلین ہیں کہ اس ہستی کا سب نے اکرام احترام و اتباع کرنا ہے۔

ان غیر معمولی واقعات یا محیر العقول واقعات کے ذریعے میں ذی شعور مخلوق کو یہ پیغام دے رہا ہوں' اس دنیا کو یہ بتا رہا ہوں کہ آنے والی ہستی کا اکرام و اتباع کرنے والے خوش نصیب ہوں گے۔

مخلوق خدا اور انسانیت کا بھلا نہ چاہنے والے فرعون فطرت حکمرانوں کے ایوانوں میں آنے والا یہ زلزلہ وطوفان اس حقیقت کا اعلان ہے کہ اب ان کے محاسبہ کا وقت آ گیا ہے اور اب نظام عالم کے نئے انقلابی دور کا

آغاز ہونے والا ہے۔ طاغوتی طاقتوں کو یہ بتا دیا گیا ہے کہ اب تم آنے والی ہستی کا مقابلہ نہ کرسکو گے۔ اس انسان کامل نے جو کہ خود میری مکمل پہچان ہوگا' اس نے انس و جان کو بھی میری (وحدہ لاشریک) کی حتی الامکان پہچان کرائی ہے اور اس کے لائے ہوئے دین نے ہر سو پھیل جانا ہے۔ یہی دین آخری دین ہے اور پسندیدہ دین ہے۔ اس دین نے کیونکہ قیامت سے کچھ وقت پہلے تک اس دنیا کے خوش بخت انسانوں، جنوں میں موجود رہنا ہے (کیونکہ قیامت نے تو مشرک، بے دین، جابر، ہوس پرست، خودغرض اور مقافاتِ عمل سے بے خوف معاشرہ برپا ہونا ہے۔)

اب تک آپ یہ جان چکے ہیں کہ

اللہ ہمارا خالق اور ہم اس کی مخلوق ہیں۔ وہ ہر کچھ کرنے پر ہر وقت قادر ہے۔

کائنات کا سب کچھ ہی مختلف ذرات کا مجموعہ ہے۔

روزِ قیامت سب کچھ نے ذرات ہو جانا ہے غبار بن جانا ہے

تمام غیر ذی شعور مخلوق ہمہ وقت اپنے ربّ کے حکم پر عمل پیرا ہے

اللہ تبارک تعالیٰ کی حکمت کے بارے میں ہمارا علم نہ ہونے کے برابر ہے اور نہ ہونے کے برابر (صفر) ہی رہے گا۔

اللہ تبارک تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اپنے انبیا کرام کے بارے میں خوشخبریاں دیتا ہے، ان کو طرح طرح سے امتیاز بخشتا ہے ان کی کھلی کھلی مدد و نصرت فرماتا ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ کی حکمتوں کو عقلی دلیل سے سمجھنا ہمارے بس کی بات نہیں لیکن ان کی صداقت و حقیقت کو سب کو ماننا پڑتا ہے۔

حضور پُرنور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اوّل الخلق، اصل الموجودات حاصل کائنات، شاہکار ربّ العزت ام النور، پیغمبر اول و آخر و اعظم، سید المرسلین، خاتم النبیین اللہ تبارک تعالیٰ کی کامل پہچان، انسان کامل غرضیکہ اللہ تبارک تعالیٰ کے بعد آپ اور صرف آپ ہی سب کچھ ہیں۔

جب آپ یہ سب کچھ جانتے اور مانتے ہیں تو پھر

اس سے پہلے کے بیان کردہ حقائق، پیش گوئیاں، خوشخبریاں وغیرہ اور درج ذیل عجائب قدرت الٰہی کے محیر العقول واقعات، غیر معمولی واقعات، مشاہدات مثلاً جانوروں قابل فہم زبان میں گویا ہونا، پتھروں کا کلام خوشخبری کرنا سلام و مرحبا کہنا، بتوں کا گر جانا، شاہی خانوں میں زلزلے آنا، آپ ﷺ، حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا، حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا، ابو طالب عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے مشاہدات، اہل مکہ اور دیگر اہم شخصیات کے مشاہدات۔ بادشاہوں حکمرانوں، سرداروں قیصر و کسریٰ، ان کے مذہبی پیشواؤں' رہنماؤں اور سرکردہ لوگوں کے خواب اور ان کی تعبیر

وغیرہ ان سب کو مان لینے سے کیا مانع ہے، کیا حرج ہے، کیا دلیل ہے؟

اس رات کی مزید کرشمہ سازیاں

1- اس ایک رات ہی نے باطل نفسانی اور شیطانی قوتوں میں کھلبلی مچادی اور انہیں یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ کچھ ہو گیا ہے اور کچھ ہونے والا ہے۔

2- حضرت عبدالمطلب اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں۔

اس رات صبح کے وقت دنیا بھر کے بت سرنگوں ہو گئے۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 47)

3- خرائطی اور ابن عساکر نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو اور عبیداللہ بن جحش اس رات ایک بت خانے میں گئے انہوں نے دیکھا "خدایان قوم" (یعنی کہ بت) منہ کے بل گرے پڑے ہیں، وہ دنگ رہ گئے۔ اپنے مجبور اور ناتواں خداؤں کو سیدھا کیا مگر وہ پھر سر کے بل گر گئے۔ تیسری بار بھی جب کھڑا کرنے کے بعد وہ گر پڑے تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا اس حادثہ کے پیچھے ضرور کوئی ابدی صداقت اور غیر مرئی طاقت کارفرما ہے۔ یہ اب کچھ یونہی نہیں ہو رہا ضرور کوئی انقلاب آنے والا ہے اتنے میں بت کے اندر سے یہ آواز بلند ہوئی۔

"یہ سب بت اس نومولود کی وجہ سے تباہی و بربادی کے دہانے تک پہنچ گئے ہیں۔ جس نے اپنے نور کے ساتھ مشرق و مغرب تک زمین کی تمام راہوں کو بھر دیا ہے۔" (الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 52)

4- ابن ابی حاتم حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ولادت نبوی ﷺ کی شب شیاطین کے لئے فضائے آسمان کی راہیں مسدود ہو گئیں شہاب ثاقب نے ان پر ٹوٹنا شروع کر دیا وہ اوپر جانے کی کوشش کرتے تو بھسم کر دیئے جاتے۔ اس حیرت انگیز انقلاب نے انہیں پریشان کر دیا۔ انہیں ابلیس ملعون اس نے بتایا ایک بچہ پیدا ہوا ہے جو مستقبل میں ان کے کاروبار شیطانیت کو درہم برہم کر دے گا اور دسیسہ کاریوں کے تار و پود بکھیر دے گا۔ شیاطین نے مشورہ دیا تم ابھی جا کر آنے والے خطرے کا سدباب کر دو تا کہ ہماری راہوں میں روڑے اٹکانے والا کوئی نہ رہے۔

ابلیس نے کہا! میں ابھی جاتا ہوں۔

جب وہ شرارت کی نیت سے حضور پرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی طرف بڑھا تو جبریل امین نے اسے ایک زوردار ٹھوکر لگائی وہ عدن میں جا گرا۔ (السیرۃ النبویہ از زینی دحلان صفحہ 39)

5- اس رات جو دنیادار بادشاہوں کا حشر ہوا وہ بھی اسی انقلاب کے سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ آل ساسان تین ہزار ایک سو چونسٹھ (3164) سال سے فارس میں حکمران تھے۔ ان کی حکومت اتنی مستحکم اور نظام اتنا جابرانہ تھا کہ اس کی شکست و ریخت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس خاندان کے بادشاہ نشہ اقتدار سے سرشار اور بڑے ہی مغرور و متکبر تھے کسی قوم یا معاشرے اور تہذیب کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ شاہی سطح پر کوئی

انقلاب ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔لیکن وہ بھی اس انقلاب کی زد میں آ گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں۔

اس رات دنیادار بادشاہوں کے تخت بھی اوندھے ہو گئے۔(السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان صفحہ 37)

درج ذیل کا ذکر اس سے پہلے بہت تفصیل سے ہو چکا ہے اس لئے اب یہاں مختصراً اور صرف ضروری معلومات یا اہم حقائق کے ساتھ دوبارہ حاضر ہے۔

6- کسریٰ ایران کا وسیع وعریض اور قلعہ نما محل اپنی پائیداری، مضبوطی اور استحکام کے باوجود ایک ہیبت ناک آواز کے ساتھ پھٹ گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔اس میں بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئیں جن کا عام حالات میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔پھر اتنا زبردست زلزلہ آیا کہ مکینوں کے دل دہل گئے۔اسی کے ساتھ آتش کدہ فارس کی آگ جو ایک ہزار سال سے کبھی نہ بجھی تھی اچانک بجھ گئی۔حیرت زدہ ہو کر کسریٰ نے فوراً اپنے ارکان کا سلطنت سے پوچھا۔

ان عجیب وغریب حوادث کا سبب اور منبع کیا ہے؟

اس کا پادری موبذان کھڑا ہو گیا، بولا میں نے آج رات بڑا خوفناک خواب دیکھا ہے جو میرے لئے معمہ بنا ہوا ہے۔میں نے دیکھا ہے کہ "طاقتور اونٹ عربی گھوڑوں کے آگے بھاگ رہے ہیں جیسے جان بچانا چاہتے ہوں اور عربی گھوڑے ہمارے ملک میں ہر طرف پھیل گئے۔"

کسریٰ نے "حیرہ" کے گورنر نعمان بن مندر کو لکھا کہ وہ کوئی عالم بھیجے جو خواب کی تعبیر بتا سکے۔اس عبدالمسیح کو بلا بھیجا اور عبدالمسیح کسریٰ کے حکم سے خواب کی تعبیر و مستقبل کی حالات جاننے کے لئے اپنے ماموں سطیع کے پاس پہنچا۔

جب عبدالمسیح وہاں پہنچا تو سطیع کی زندگی کے آخری لمحات تھے شاید وہ جواب دینے اور آسمانی انقلاب کے راز سے پردا اٹھانے لے لئے زندہ تھا بولا!

عبدالمسیح میرے پاس اس وقت آیا ہے جب میں گور کنارے کھڑا ہوں۔وہ پوچھنا چاہتا ہے کہ کائنات میں یہ کیسا انقلاب آ رہا ہے؟ بادشاہ کا محل زلزلے سے پھٹ گیا ہے اس کے چودہ کنگری گر گئے ہیں۔آتش کدہ فارس میں ہزار سال سے جلنے والی آگ اچانک بجھ گئی ہے اور بڑے جتن کرنے کے باوجود نہیں جل رہی بحیرہ ساوہ خشک ہو گیا ہے بحیرہ طبریہ میں پانی نہیں رہا، وادی ساوہ منقطع ہو گئی ہے۔آخر یہ کیسی تبدیلی ہے کس انقلاب کا پیش خیمہ ہے؟

اے عبدالمسیح! بادشاہ کو جا کر بتا دے۔

جب اللہ کے کلام کی تلاوت کثرت سے ہونے لگے گی اور عصا کے ساتھ چلنے والے صاحب ظاہر ہو جائیں گے، وادی ساوہ بہنے لگے گی۔اور بحیرہ ساوہ کا پانی خشک ہو جائے گا اور آتش کدہ فارس میں آگ بجھ جائے گی تو

سطیح کے لئے شام شام نہ رہے گا محل کے چودہ کنگرے گرے ہیں۔ اتنے ہی بادشاہ اور ملکائیں اس کے ملک پر حکومت کریں گے، پھر بادشاہت اس کے خاندان سے جاتی رہے گی۔ غور سے سنو جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ (البدایۃ النہایۃ امام ابن کثیر جلد 2 صفحہ 269۔ الخصائص الکبریٰ للسیوطی جلد 1 صفحہ 87،88)

جب کسریٰ کو سطیح کا یہ جواب ملا کہ اس کی بادشاہت ختم ہونے والی ہے۔ خاندان کے چودہ افراد کے بعد حکومت نہیں رہے گی تو اس نے قدرے سکھ کا سانس لیا اور بولا چودہ بادشاہوں کو گزرنے کے لئے ایک مدت چاہیے۔ (مگر ہوا یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد تک یہ چودہ بادشاہ گزر گئے اور ان کی حکومت ختم ہو گئی)

ولادت باسعادت

ولادت مبارک کا دن اور وقت

ربیع الاول کا مہینہ تھا سوموار (دوشنبہ) کا دن تھا۔اور صبح صادق کی ضیاء بار سہانی گھڑی تھی۔رات کی بھیانک سیاہی چھٹ رہی تھی اور دن کا اجالا پھیلنے والا تھا۔جس وقت مکہ کے سردار حضرت عبدالمطلب کی جواں سال بیوہ بہو کے حسرت دیاس کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے سادہ سے مکان میں ازلی سعادتوں اور ابدی مسرتوں کا نور چمکا۔

سب متقدمین ومتاخرین کا اتفاق ہے کہ پیغمبراوّل وآخر واعظم حضور پُرنور ﷺ کی ولادت باسعادت پیر (سوموار۔دوشنبہ) کے روز ہوئی۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا جب اپنے بزرگوار سسر حضرت عبدالمطلب کے کاشانہ اقدس میں رونق افروز ہوئیں سرکار دوعالم ﷺ کا نور حضرت عبداللہ کی جبیں سعادت سے منتقل ہوکر آپ کے شکم طاہر میں قرار پذیر ہوا۔لیکن یہاں بھی اس نور پاک کی شان نرالی تھی۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

''مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ حاملہ ہوگئی ہوں۔نہ مجھے کوئی بوجھ محسوس ہوا' جوان حالات میں دوسری عورتوں کو محسوس ہوتا ہے۔مجھے صرف اتنا معلوم ہوا کہ میرے ایام ماہواری بند ہوگئے ہیں۔ایک روز میں خواب اور بیداری کے بین بین تھی کہ کوئی آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے پوچھا۔آمنہ! تجھے علم ہوا ہے کہ تو حاملہ ہے۔میں نے جواب دیا نہیں۔پھر اس نے بتایا تم حاملہ ہو اور تیرے بطن میں اس امت کا سردار اور نبی آخرالزماں تشریف فرما ہوا ہے۔اور جس دن یہ واقعہ پیش آیا وہ سوموار کا دن تھا۔'' (الوفاء ابن جوزی جلد 1 صفحہ 88)

فرماتی ہیں کہ حمل کے ایام بڑے آرام سے گزرے جب وقت پورا ہوگیا تو وہی فرشتہ جس نے مجھے پہلے خوشخبری دی تھی وہ آیا اس نے آکر مجھے کہا۔

''یہ کہو کہ میں اللہ واحد سے اس کے لئے ہر حاسد کے شر سے پناہ مانگتی ہوں۔''

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے۔اور آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔آپ کی ناف پہلے ہی کٹی ہوئی تھی۔

دھب بن زمعہ کی پھوپھی کہتی ہیں کہ جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی تو آپ نے حضرت عبدالمطلب کواطلاح دینے کے لئے آدمی بھیجا۔جب وہ خوشخبری سنانے والا پہنچااس وقت آپ حطیم میں اپنے بیٹوں اوراپنی قوم کے مردوں کے درمیان تشریف فرما تھے آپ کواطلاع دی گئی کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے تو آپ کی خوشی ومسرت کی حدنہ رہی۔آپ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے ولادت کے وقت جوانوار وتجلیات دیکھی تھیں اور جو آوازیں سنی تھیں ان کے بارے میں عرض کی۔

عبدالمطلب حضور پُرنور ﷺ کو لے کر کعبہ شریف میں گئے وہاں کھڑے ہوکر اللہ تبارک تعالیٰ کی بارگاہ میں دعائیں کیں اور جوانعام اس نے فرمایا تھا اس کا شکرادا کیا۔ابن واقد کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت عبدالمطلب کی زبان پر فی البدیہ یہ اشعار جاری ہوگئے۔

1 ''سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے پاک آستینوں والا یہ بچہ عطافرمایا۔''

2 ''یہ اپنے پنگھوڑے میں سارے بچوں کا سردار ہے میں اسے بیت اللہ شریف کی پناہ میں دیتا ہوں۔''

3 ''یہاں تک کہ میں اس کو طاقتور اور توانا دیکھوں میں اس کو ہردشمن اور ہر حاسد آنکھوں کے گھمانے والے کے شر سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورانور نبی کریم ﷺ جب پیدا ہوئے تو آپ مختون تھے اور ناف کٹی ہوئی تھی۔یہ معلوم کرکے آپ کے دادحضرت عبدالمطلب کو بڑا تعجب ہوااور فرمایالیکونن لا بنی شان کہ میرے اس بچے کی بہت بڑی شان ہوگی۔

تاریخ ولادت باسعادت

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ محسن انسانیت پیغمبراوّل وآخرواعظم ہادی انس وجاں رہبرکائنات حضور پُرنور نبی کریم روف ورحیم ﷺ کا یوم میلاد دوشنبہ (پیر،سوموار) کادن تھا۔

اس پر بھی علماءامت کا تقریباً اتفاق ہے کہ ربیع الاول کا بابرکت مہینہ تھا۔البتہ ماہ ربیع الاول کی کون سی تاریخ تھی، جب مہتاب رشد وہدایت نے جلوہ بار ہوکر ظلمت کدہ عالم کو منور فرمایا۔اس بارے میں علماء کرام کے متعدد اقوال ہیں ہم یہاں علماء محققین کی آراء ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جن کے مطالعہ سے وہ بآسانی صحیح نتیجہ اخذ کرسکیں گے۔

1- مشہور سیرت نگار علامہ ابن ہشام (متوفی 213ھ) عالم اسلام کے سب سے پہلے سیرت نگار امام محمد بن اسحاق سے اپنی السیرۃ النبوۃ میں رقمطراز ہیں۔

''رسول کریم ﷺ سوموار بارہ ربیع الاول کوعام الفیل میں پیدا ہوئے۔''

(السیر البوی ابن ہشام جلد 1 صفحہ 171)

2- علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی جو علم سیاست اسلامیہ کے ماہرین میں سے ہیں اور جن کی کتاب ''الاحکام السلطانیہ'' آج بھی علم سیاست کے طلباء کے لئے بہترین ماخذ ہے۔ اپنی کتاب اعلام النبوۃ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''واقعہ اصحاب الفیل کے پچاس روز بعد اور آپ کے والد کے انتقال کے بعد حضور پُرنور ﷺ بروز سوموار (۱۲) ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔'' (اعلام النبوۃ از ابوالحسن الماوردی صفحہ 192)

3- امام ابن جریر طبری جو فقید المثال مفسر بالغ نظر مورخ بھی ہیں وہ اس بارے میں لکھتے ہیں۔

''رسول کریم ﷺ کی ولادت سوموار کے دن ربیع الاول شریف کی بارھویں تاریخ کو عام الفیل میں ہوئی۔''

(تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 125)

4- علامہ ابن خلدون جو علم تاریخ اور فلسفہء تاریخ میں امام تسلیم کئے جاتے ہیں بلکہ فلسفہ تاریخ کے موجد بھی ہیں وہ لکھتے ہیں۔

''رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل کو ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی۔ نوشیرواں کی حکمرانی کا چالیسواں سال تھا۔ (تاریخ ابن خلدون جلد 2 صفحہ 710)

علوم قرآن وسنت اور فن تاریخ کے یہ وہ جلیل القدر علماء ہیں جنہوں نے بارہ ربیع الاول کو یوم میلاد حضور پُرنور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تحریر کیا ہے اور دیگر اقوال کا ذکر تک نہیں کیا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک صحیح اور معتمد علیہ قول یہی ہے۔

5- دور حاضر کے سیرت نگار محمد الصادق ابراہیم عرجون' جو جامعہ ازہر مصر کے کلیۃ اصول الدین کے انچارج رہے ہیں۔ اپنی کتاب ''محمد رسول اللہ'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

''کثیر التعداد ذرائع سے یہ بات صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ بروز دوشنبہ (پیر' سوموار) بارہ (12) ربیع الاوّل عام الفیل' کسریٰ نوشیرواں کے عہد حکومت میں تولد ہوئے۔ اور ان علماء کے نزدیک جو مختلف سمتوں کی (مختلف سنتوں) آپ میں تطبیق کرتے ہیں انہوں نے عیسوی تاریخ میں 20 اگست 570ء بیان کی ہے۔ (محمد رسول اللہ از ابراہیم العرجون جلد 1 صفحہ 102)

6- ان کے علاوہ علامہ محمد رضا جو قاہرہ یونیورسٹی کی لائبریری کے امین تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''محمد'' میں لکھا ہے۔

''حضور پُرنور نبی کریم ﷺ سوموار کے دن فجر کے وقت ربیع الاول کی بارہ (12) تاریخ کو بمطابق بیس اگست 570 عیسوی کو پیدا ہوئے۔ اہل مکہ سرکار دو عالم ﷺ کے مقام ولادت کے زیارت کے لئے اسی تاریخ کو جایا کرتے ہیں۔'' (محمد از محمد رضا جلد 2 صفحہ 19)

اب ہم چند دوسرے حوالے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

7- علامہ ابن جزی' میلاد پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم ﷺ کی تاریخ کے بارے میں اپنی تحقیق یوں قلمبند فرماتے ہیں۔

''حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت بروز سوموار دس ربیع الاول کو عام الفیل میں ہوئی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ربیع الاول کی دوسری تاریخ تھی اور امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارکہ بروز سوموار' پیر' دوشنبہ بارہ (12) ربیع الاوّل عام الفیل کو ہوئی۔'' (الوفا' ابن جوزی صفحہ 90)

8- امام الحافظ ابو الفتح محمد بن عبداللہ بن محمد بن یحیٰ بن سید الناس الشافعی الاندلسی اپنی سیرت کی کتاب ''عیون الاثر'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

''ہمارے آقا اور ہمارے نبی حضور پُرنور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سوموار کے روز' بارہ (12) ربیع الاول شریف کو عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ بعض نے کہا ہے کہ واقعہ فیل کے پچاس روز بعد حضور کی ولادت ہوئی۔'' (عیون الاثر جلد 1 صفحہ 26)

9- علامہ ابن کثیر جو علوم تفسیر۔ حدیث اور تاریخ میں اپنی نظیر آپ تھے وہ ''السیرۃ النبوۃ'' میں اس موضوع پر یوں رقم طراز ہیں۔

''حضور انور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی ولادت باسعادت سوموار کے روز ہوئی۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں غیلان بن جریر کے واسطہ سے ابی قتادہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے عرض کی یا رسول اللہ سوموار کے روز (یوم' دن) کے بارے میں حضور ﷺ کیا فرماتے ہیں۔ حضور پُرنور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے فرمایا یہ وہ دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی۔ یہ وہ دن ہے جس میں مجھ پر وحی نازل ہوئی۔''

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے آپ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت بھی سوموار کے دن' بعثت بھی سوموار کے دن اور دار فانی سے انتقال بھی سوموار کے دن ہوا اور جس روز حضور پُرنور ﷺ نے حجر اسود اٹھا کر دیوار کعبہ میں رکھا تھا وہ بھی سوموار کا دن تھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ جنہوں نے تاریخ ولادت بروز جمعہ سترہ ربیع الاول بتائی ہے وہ بالکل غلط اور بعید از حق ہے۔

''کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ولادت باسعادت ماہ ربیع الاول کی بارہ (12) تاریخ کو بروز سوموار' (پیر دوشنبہ) ہوئی۔''

بعض علماء نے اس ماہ کی دو تاریخ۔ بعض نے آٹھ اور بعض نے دس تاریخ بتائی ہے آٹھ تاریخ کا قول ابن حزم سے منقول ہے اور الحافظ الکبیر محمد بن موسی الخوارزمی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ جلیل القدر علماء کی واضح اکثریت نے ماہ ربیع الاول کی بارہ (12) تاریخ کو متعین کیا ہے۔ ابن اسحاق نے یہی قول لکھا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اپنے

تصنیف میں یہی تاریخ روایت کی ہے۔

''حضرت جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل روز دو شنبہ سوموار، پیر بارہ (12) ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور اسی روز حضورِ پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ اسی روز معراج ہوا اور اسی روز ہجرت کی۔ اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک یہی تاریخ بارہ (12) ربیع الاول مشہور ہے۔'' واللہ اعلم بالصواب۔

(سیرت ابن کثیر جلد 1 صفحہ 199)

10- علماء دیوبند کے مفتی اعظم مولانا محمد شفیع اپنی تصنیف ''سیرت خاتم الانبیاء'' میں رقمطراز ہیں۔ الغرض جس سال اصحاب فیل کا حملہ ہوا اس سال کے ماہ ربیع الاول کی بارھویں (12) تاریخ کے انقلاب کی اصل غرض ''آدمی'' اولادِ آدم کا فخر، کشتی نوح کی حفاظت کا راز، ابراہیم کی دعا، موسیٰ و عیسیٰ کی پیش گوئیوں کا مصداق یعنی ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رونق افزائے عالم ہوتے ہیں۔ (سیرت خاتم الانبیاء صفحہ 18)

11- اہل حدیث کے مشہور عالم نواب سید محمد صدیق حسن خان لکھتے ہیں کہ ولادت شریف مکہ مکرمہ میں وقت طلوع فجر روز دوشنبہ سوموار، پیر شب دوازدہم بارہ (12) ربیع الاول عام الفیل کو ہوئی۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے اور ابن جوزی نے اس سے اتفاق کیا ہے۔ (الشمامۃ العنبریہ مولد خیر البریہ صفحہ 7)

12- مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ فن تقویم میں بھی ید طولیٰ (اعلیٰ مہارت) رکھتے تھے۔ انہوں نے علم تقویم پر ایک کتاب بنام ''تقویم تاریخ'' تصنیف فرمائی ہے۔ ان کے علم تقویم کے مطابق بھی صحیح تاریخ ولادت مبارک بارہ (12) ربیع الاول ہی ہے۔

قارئین کرام

مندرجہ بالا سے یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضور انور پیغمبر اوّل و آخر و اعظم تاجدار کائنات رسول بحر و بر، آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے درج ذیل واقعات بروز سوموار (پیر، دوشنبہ) کو وقوع پذیر ہوئے اور ان میں کم از کم تین نہایت مصدقہ مواقع ایسے بھی ہیں جن میں دن سوموار کے ساتھ ساتھ تاریخ بھی بارہ (12) ربیع الاول ہی ہے۔

1- ولادت باسعادت (سوموار بارہ ربیع الاول)

2- حجر اسود کا اٹھا کر دیوار کعبہ میں رکھنا

3- بعثت کا ہونا (نزول وحی)

4- معراج کا ہونا

5- ہجرت فرمانا

6- یثرب (قباء مدینہ منورہ) میں آمد (بارہ ربیع الاول)

7- دار فانی سے پردہ فرمانا (بارہ ربیع الاول)

اعلان ولادت

ولادت کی رات سرشام ہی سے اجرام کائنات کو الہام ہو گیا تھا کہ وہ سب سرور انبساط، مسرت وخوشی کے ترانے گائیں اور آنے والی ذات کا مسرتوں کے ہجوم میں استقبال کریں۔ ساکنان عرش کی آمد ورفت میں بھی اضافہ ہو گیا وہ نورانی پروں کے ساتھ ہواؤں اور فضاؤں میں صفیں باندھ کر ادب واحترام سے کھڑے ہو گئے۔ حوران بہشت نے کاشانہ آمنہ کو گھیرے میں لے لیا اور ہر سو خدمت اور دیدار نور مجسم کے لئے مستعد ہو گئیں۔ فرشتوں نے مشرق ومغرب میں آمد واستقبال کے پرچم لہرا دیئے۔ ستاروں اور بہاروں نے آگے بڑھ کر قدم چومے۔ اور کائنات کی تمام مخلوقات نے اپنے اپنے طور پر اپنے اپنے انداز میں خوش آمدید کہا اور خوشیاں منائیں۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

میں نے ایک عجیب خواب دیکھا' اس وقت میں حطیم کعبہ میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ میری پشت پر ایک بہت ہی بلند درخت اگا ہے جس نے آسمان کی چوٹی کو چھو لیا ہے اس کی شاخیں مشرق ومغرب میں پھیل گئی ہیں اور اس سے نور چھن چھن کر فضاؤں کو منور کرنے لگا ہے اور پھر اس سے انوار کے ایسے سوتے پھوٹے کہ سورج کی تابانی بھی اس کے آگے ماند پڑ گئی۔ میں نے دیکھا کہ قریش کے لوگ وہاں جمع ہو گئے' کچھ شوق ووارفتگی کے عالم میں آگے بڑھے اور ان شاخوں کے ساتھ لٹک گئے' لیکن کچھ لوگ غصے سے بپھر گئے اور برافروختہ ہو کر آگے بڑھے ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے کلہاڑے تھے اور وہ چاہتے تھے اس نورانی درخت کو کاٹ ڈالیں۔

اتنے میں ایک بہت ہی خوبصورت اور باوقار نوجوان نمودار ہوا اور درخت کے آگے سینہ سپر ہو گیا۔ اس سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی تھیں جی چاہتا تھا کہ انسان اسے دیکھتا ہی رہے۔ اس نے درخت کاٹنے کی کوشش کرنے والوں میں سے کسی کی آنکھیں پھوڑ دیں اور کسی کی کمر توڑ دی اور سب کو بھگا دیا۔ میں گھبرا کر بیدار ہو گیا۔ ایک کاہنہ نے تعبیر بتائی کہ تمہاری نسل سے ایک شخص پیدا ہو گا جس کے جاہ وجلال اور عظمت وکمال کی پوری دنیا میں دھوم مچ جائے گی۔ (السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان: جلد 1 صفحہ 32)

حضرت عبدالمطلب اسی صبح نور کے تڑکے صحن کعبہ میں رونق افروز تھے کہ یک دم انقلاب آ گیا۔ بت درہم برہم ہو گئے' اوندھے منہ ایسے گر پڑے جیسے نظر نہ آنے والے ہاتھوں نے انہیں زمین پر پٹخ دیا ہو اور ساتھ ہی دیوار کعبہ سے ایک دلکش آواز گونجی۔ وہ مختار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہو گئے ہیں' کفار جن کے ہاتھوں شکست کھا جائیں گے۔

(السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 41)

ابھی وہ صورت حال پر غور ہی کر رہے تھے اور اس انقلاب آفریں واقعہ پر محو حیرت ہی تھے کہ اتنے میں حضرت آمنہ کا فرستادہ ان کے پاس پہنچ گیا۔ پیغام تھا کہ قدرت نے آپ کو ''پوتا'' عطا فرمایا ہے۔ حضرت

عبدالمطلب یہ مسرت افزا اور روح پرور خوشخبری سنتے ہی گھر پہنچے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے اس دوران جو عجائبات دیکھے تھے اور انہیں جو ہدایات و بشارات دی گئی تھیں وہ سب حضرت عبدالمطلب کو بتا دیں۔ (طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 103)

عبدالمطلب اس عطائے ربانی پر مجسم شکر بن گئے۔ وہ اظہار شکر کے لئے نومولود کو کعبۃ اللہ میں لے گئے۔ ربّ کے حضور جھکے، تشکر کے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کیا اور پھر نور مجسم، سب سے اونچی شان وعظمت ورفعت والے نومولود مہمان کو گھر لے آئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے۔ حاکم کہتے ہیں کہ آپ کے مختون پیدا ہونے میں احادیث متواتر ہیں۔ بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضور پُرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور کہا کہ میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہوگی۔ یہ روایت طبقات ابن سعد میں بھی مذکور ہے۔ اس کی سند نہایت قوی ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 48۔ روض الانف جلد 1 صفحہ 181)

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

بے شک اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت سے بھی آگاہ فرما دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتا دیا تھا کہ جب فلاں ستارہ اپنی جگہ سے حرکت کرے گا تو مظہر وظہور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا وقت ہوگا۔ یہ آگاہی اور وصیت، علماء بنی اسرائیل نسل در نسل حاصل کرتے آرہے تھے۔ (السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 40)

یہی وجہ ہے کہ جس صبح ولادت باسعادت ہوئی، علماء یہود کی صفوں میں ہلچل مچ گئی اور وہ بے قرار ہو کر گلی کوچوں میں گھومنے اور پوچھنے لگے کہ کیا آج کسی کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے؟ انہوں نے دھوم مچا دی کہ "وہ نجم طلوع ہو گیا ہے جس کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی تھی وہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضرت محمد مصطفیٰ رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہو گئے ہیں۔"

یہودی راہب

ایک یہودی راہب ملک شام سے آکر "مرالظہران" میں آباد ہو گیا تھا۔ وہ علم وفضل کا پیکر اور کتب سماوی کا عالم تھا۔ کہا کرتا تھا۔

اے اہل مکہ! عنقریب تمہارے اندر ایک بچہ پیدا ہوگا۔ عالم عرب اس کی اطاعت کرے گا اور عجم پر اسے غلبہ عطا ہوگا۔ اس کے ظہور کا زمانہ قریب ہے جو اسے پالے گا اور اطاعت کرے گا وہ کامیاب ہوگا اور جو مخالفت کرے گا وہ خائب وخاسر اور نامراد ہوگا۔ (السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 41)

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی اس کی باتوں سے بڑے متاثر تھے جب حضور پُرنور، نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت

باسعات پر غیر معمولی واقعات ظاہر ہوئے تو آپ اسی صبح اس راہب کے پاس تشریف لے گئے وہ اپنے گرجے سے نمودار ہوااور خود ہی بولا۔

جس عظیم بچے کی آمد کے تذکرے میں تم سے کیا کرتا تھا وہ پیدا ہو گیا ہے اور گزشتہ رات اس کی پیدائش کی مصدقہ اطلاع وخبر دینے والا ستارہ بھی طلوع ہو چکا ہے۔(السیرۃ النبویہ جلد 1 صفحہ 41)

اے عبدالمطلب! اپنی زبان بندرکھو۔اسے حاسدوں کے حسد سے بچاؤ۔اس کے بڑے دشمن پیدا ہوں گے اور اتنی مخالفت ہوگی جتنی آج تک کسی کی نہیں ہوئی۔

حضرت عبدالمطلب پریشان ہو گئے' کسی انجانے اندیشے نے انہیں بےقرار کردیا۔بےساختہ دل کی بات زباں پر آ گئی۔اس کی عمر کتنی ہوگی؟ راہب نے جواب دیا' اے عبدالمطلب! پریشانی کی ضرورت نہیں ان کی عمر ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوگی۔

عقیقہ اور تسمیہ

ولادت کے ساتویں روز حضرت عبدالمطلب نے قربانی یعنی آپ کا عقیقہ کیا اور اس تقریب میں تمام قریش کو مدعو کیا۔کھانے سے فارغ ہو کر لوگوں نے حضرت عبدالمطلب سے پوچھا کہ آپ نے بچے کا کیا نام رکھا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم)۔لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ اے ابوالحارث (عبدالمطلب کی کنیت ہے) آپ نے اپنے خاندان اور اپنی قوم کے مروّجہ ناموں کو چھوڑ کر یہ نام کیوں رکھا؟ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں امید کرتا ہوں کہ تمام اہل زمین اور اہل آسمان اس نومولود کی تعریف وتوصیف کریں گے۔

(روض الانف جلد 1 صفحہ 182 ۔روح المعانی جلد 16 صفحہ 187)

جس طرح عبدالمطلب کا اپنے تمام بیٹوں میں سے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کا ایسا نام (عبداللہ) تجویز کرنا جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو'القائے ربانی تھا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھنا بھی بلاشبہ الہام رحمانی تھا۔(سیرت مصطفیٰ جلد 1 صفحہ 63)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

ابونعیم اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میری عمر ولادت نبوی کے وقت سات آٹھ سال کے قریب تھی۔میں کہی سنی بات کو سمجھتا تھا اور اس صبح میں نے ایک یہودی کو سنا وہ ایک ٹیلے پر کھڑا ازور زور سے چیخ رہا تھا اے جماعت یہود؛ بڑی اہم خبر ہے جمع ہو جاؤ! جب ہجوم ہو گیا تو وہ ہانپتے ہوئے بولا۔

ستارہ ''احمد'' طلوع ہو گیا ہے اور وہ نبی آج رات پیدا ہو گئے ہیں۔(جن کی ولادت کا سب کو انتظار تھا)

(المواہب۔الخصائص الکبریٰ للسیوطی از عسقلانی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

امام حاکم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ میں ایک یہودی رہتا تھا۔ ولادت کی رات وہ اپنے مسکن سے باہر آیا تو قریش کے ہاں آ کر رک گیا اور پوچھا۔ کیا آج رات تمہارے ہاں کوئی بچہ متولد (پیدا) ہوا ہے؟ حاضرین نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ وہ بولا۔ میری بات غور سے سنو! آج کی رات اس آخری امت کا نبی (نبی آخرالزماں) پیدا ہو گیا ہے اور اے قبائل قریش! وہ تمہیں میں سے ہے۔

(السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 40)

اس کے کندھے پر مہر نبوت ہے' سابقہ کتب میں اس کی یہی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ فوراً گھروں کی طرف جاؤ اور اس کی تحقیق کرو۔ قریش کے افراد حیرت زدہ رہ گئے۔ تجسس اور شوق کے ملے جلے جذبات لئے گھروں کو بھاگے۔ انہیں جلد ہی پتہ چل گیا کہ حضرت عبدالمطلب کو قدرت نے پوتا عطا کیا ہے جس کی پیدائش پر بڑے خوارق اور معجزات ظاہر ہوئے ہیں۔ وہ اس یہودی عالم کے پاس واپس آئے اور بتایا کہ تمہاری بات درست ہے' عبدالمطلب کے گھر پوتا پیدا ہوا ہے۔ وہ بولا! مجھے ان کے گھر لے چلو' میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ یہودی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور دوشانوں کے درمیان مہر نبوت والی نشانی دکھانے کے لئے کہا۔ جب یہودی نے مہر نبوت کی نشانی دیکھی تو بے ہوش اور بدحواس ہو گیا اور اس کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمات نکل گئے:۔

خدا کی قسم! بنی اسرائیل کے گھر سے نبوت رخصت ہو گئی۔ (السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 41)

اے قریش! تمہیں نئی زندگی مبارک ہو اس نومولود کے ذریعے تم ایسا غلبہ واقتدار حاصل کرو گے کہ مشرق و مغرب میں اس کا شہرہ ہو جائے گا۔

اسے یعقوب بن سفیان نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کا بیان فتح الباری میں امام عسقلانی نے بھی کیا ہے۔

ظاہری وجہ

ان حیرت انگیز اور انتہائی غیر معمولی واقعات کے علاوہ ولادت باسعادت کی پورے عرب میں فوری دھوم اور شہرت کی ایک ظاہری وجہ یہ بھی تھی کہ اس سال اہل عرب اور قریش تاریخ کے سخت ترین قحط' خشک سالی' اور افلاس میں مبتلا تھے۔ حضور پُرنور' رحمۃ للعالمین' نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ساتھ ہی ملک کی تقدیر بدل گئی۔ تمام سختیاں اور تکلیفیں دور ہو گئیں' ویران زمینوں پر بہار آ گئی' ہر طرف سبزہ لہلہانے لگا اور اناج سے کھیت کھلیان بھر گئے۔ اس لئے اس سال کا نام ہی ''خوشحالی و مسرت'' کا سال پڑ گیا کیونکہ اس سے پہلے بنو قریش ہوش اڑا دینے والے قحط اور تنگی کا شکار تھے۔ پھر زمین سرسبز ہو گئی' درخت برگ و بار سے لد گئے اور ہر طرف سے آسودگی اور خوشحالی کی نوید آنے لگی۔ (السیرۃ الحلبیہ از برہان الدین حلبی جلد 1 صفحہ 48)

اس مقدس ومتبرک رات

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے مشاہدات

اس متبرک ومبارک رات، جس رات مالک کائنات نے اس زمین وکائنات کو آپ ﷺ کی ولادت با سعادت سے نورعلیٰ نور کیا، اس رات مخلوق خدا نے ہرسو، ہرطرف مختلف انداز میں نورمجسم کے نور سے لشکارے دیکھے، اپنے ماحول کو معطرومنور ہوتے دیکھا۔

اہل علم، اہل بصیرت اس رات یہ جان گئے کہ مکہ میں عبدالمطلب کے گھرانے میں پیدا ہونے والا نومولود اللہ تبارک تعالیٰ کی خاص پسندیدہ، برگزیدہ اور سب سے اونچی شان والی ہستی ہیں اور یہی نومولود وہ خاتم النبیین نبی آخرالزماں ہیں جس کے بارے میں توریت وانجیل میں پیش گوئیاں، بشارتیں بہت وضاحت کے ساتھ بار بار کی گئی ہیں۔

اس رات کائنات میں ہرسو بہت زیادہ نمایاں، واضح اور معنی خیز قدرت کے غیر معمولی، محیر العقول واقعات کا ظہور ہوا اور ان کے اظہار میں اللہ تبارک تعالیٰ کی سب مخلوق نے اپنے اپنے طریقہ وانداز سے حصہ لیا۔

اس مقدس ومبارک رات ماسوائے چند جابر حکمرانوں کے ایوانوں کے، باقی ساری دنیا میں عید سعید کا سماں تھا، ہرسو ایک انجانی خوشی، اطمینان، سکون وراحت کی معطر معطر پھوار پڑ رہی تھی۔

اہل علم واہل بصیرت نے، دین ابراہیم پر گامزن اللہ وحدہ لاشریک کے ماننے والوں نے، اور حق پرستی، خدا ترسی، خدا خوفی اور دیگر اچھی صفات کے حامل معاشرے کے متقی افراد نے تو اس عجیب ونادر، غیر معمولی چیز، محیر العقول، نورانی، معطر معطر، پرسکون، خوش کن، راحت بخش سماں کو دیکھا بھی، محسوس بھی کیا، مسرور بھی ہوئے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں کا شکر بھی ادا کیا۔

لیجیے اب آپ حضور پُرنور، حضور انور ﷺ کی ولادت باسعادت کے موقع مبارک پر جو مشاہدات حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اور دیگر موجود یا متعلقہ محترم ہستیوں نے کئے ان کا ذکر خیر پڑھیے۔ کیونکہ مشاہدات متبرک میں مرکزی اہمیت ہر طرح سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی ہے اس لئے دیگر بزرگ ہستیوں کے مشاہدات کو بھی ''حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا

کے مشاہدات'' کے تحت ہی بیان کیا جائے گا۔

یہ ایک منفرد نورانی ولادت باسعادت تھی جس میں عجیب واقعات اور انوار و تجلیات کے ساتھ حسین وجمیل بہشتی خواتین کا بھی ظہور ہوا جنہیں ''حورعین'' کہتے ہیں۔ ان کے ہمراہ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت مریم علیہ السلام بھی تشریف لائیں اور جشن ولادت میں شرکت کے ساتھ اپنی موجودگی سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو دلاسا دیا اور باور کرایا کہ وہ ایک بہت ہی عظیم و بے مثال ہستی کی ماں بننے کا شرف حاصل کرنے والی ہیں۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان ہے۔

میں نے کھجور کی طرح لمبی خواتین کو دیکھا جیسے قبیلہ عبد مناف کی عورتیں ہوتی ہیں۔ انہوں نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ میں نے ان سے زیادہ روشن چہرے والی خوبصورت عورتیں نہیں دیکھیں۔ ان میں سے ایک آگے بڑھی، میں نے اس کے ساتھ ٹیک لگادی۔ پھر دوسری آگے بڑھی اس نے پینے کے لئے ایک پاکیزہ مشروب پیش کیا جو دودھ سے زیادہ سفید، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ وہ خاتون بڑے پیار سے بولی پی لو، میں نے پی لیا۔ دوسری بولی اور پیو! میں نے اور پیا۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے استفسار پر ان خوبصورت عورتوں نے مجھے بتایا کہ وہ حضرت آسیہ اور حضرت مریم علیہا السلام ہیں اور ان کے ساتھ جنتی حوریں ہیں۔

(زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 112۔ انوار المحمدیہ از نبہانی صفحہ 33۔ السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان)

اس ساعت سعید میں سارا گھر بقعہ نور بن گیا انوار و تجلیات نے نہ صرف اس مکان کو بلکہ کائنات کو بھی گھیرے میں لے لیا اور ہر چیز چاندنی میں نہا گئی۔ اس موقع پر عناصر کائنات ہی نہیں ساکنان عرش بھی حرکت میں آ گئے۔ ہر شے رقصاں تھی اور ہر طرف دھوم مچی ہوئی تھی کہ اس نور کا ظہور ہونے والا ہے جو ظلمتوں کو اجالے اور تاریکیوں کو روشنیاں عطا کرے گا۔ دلوں کو انوار اور نگاہوں کو بصیرتیں بخشے گا۔ وہ بے مثال بھی ہوگا اور باکمال بھی، نہ اس جیسا کوئی ہوا ہے، نہ ہوگا۔

ام عثمان فاطمہ بنت عبداللہ ثقفیہ رضی اللہ عنہا اس موقع پر حضرت آمنہ کے پاس موجود تھیں انہوں نے عجیب ایمان افروز مشاہدات کئے۔ وہ فرماتی ہیں۔

میں حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت حاضر تھی میں نے دیکھا کہ ہر شے نور میں ڈوب گئی'' گویا کائنات میں نور کا سیلاب آ گیا تھا اجرام سماوی زمین کی طرف جھک رہے تھے جیسے اسے بوسہ دینا چاہتے ہوں۔ یہ انقلاب صرف احساس نہ تھا بلکہ ایک حقیقت کی نمود تھی۔

بیہقی، طبرانی، ابونعیم اور ابن عساکر نے عثمان بن ابی العاص سے روایت کیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں مجھ سے میری اپنی والدہ (فاطمہ بنت عبداللہ ثقفیہ) نے بیان کیا کہ میں حضور انور، نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھی، میں نے اس وقت جس چیز کو بھی دیکھا اسے نور ہی

نور پایا اور میں نے دیکھا کہ ستارے قریب آتے جا رہے ہیں حتیٰ کہ میں سوچنے لگی کہ یہ مجھ پر گر پڑیں گے۔ پس جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے حضور پُرنور ﷺ کو جنم دیا' تو اس سے نور نکلا جس سے گھر اور سب درودیوار منور ہو گئے۔ حتیٰ کہ ہر طرف نور ہی نور دکھائی دینے لگا۔

(الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 78- زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 116 السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 94)

اسی طرح حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا خود اپنا مشاہدہ بیان فرماتی ہیں۔

ولادت کے وقت میں نے محسوس کیا کہ ایک نور مجھ سے خارج ہوا ہے جس کی روشنی میں شام کے محلات بھی نظر آنے لگے بوقت ولادت آپ بالکل پاک صاف تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 102)

دوسری روایت ہے:

میں نے دیکھا' نور کا ایک شعلہ مجھ سے جدا ہوا اس سے پوری زمین روشن ہوگئی۔

(طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 102)

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا ہی کا فرمان ہے:

میں نے تین گڑے ہوئے جھنڈے دیکھے' ایک جھنڈا مشرق میں گڑا ہوا تھا' ایک مغرب میں اور ایک کعبہ معظمہ کی چھت پر لہرا رہا تھا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 109- السیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 39- الانوار المحمدیہ از النبہانی صفحہ 33)

لیجیے اب امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الخصائص الکبریٰ کے باب "ماظھر فی لیلۃ مولدہ ﷺ من المعجزات والخصائص" میں سے ایک جامع بیان پڑھیے جس میں اس موضوع سے متعلق اکثر احادیث اور روایات آ گئی ہیں:-

ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں حاملہ ہوگئی لیکن حمل کے دوران میں نے ابتداء سے ولادت کے آخری لمحات تک کوئی مشقت (تکلیف' بھاری پن وغیرہ) محسوس نہ کی۔ جب آپ ﷺ کا تولد ہوا تو ساتھ ایک نور بھی نکلا جس سے مشرق و مغرب کے درمیان کی ساری فضاء روشن ہوگئی۔ آپ ﷺ زمین پر اس طرح جلوہ گر ہوئے جیسے دونوں ہاتھوں کا سہارا لئے ہوئے ہوں زمین کی مٹی سے مٹھی بھری (ہاتھ مبارک زمین پر رکھے) اور آسمان کی طرف سر مبارک اٹھایا۔

(الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 46)

ابو نعیم نے حضرت عبدالرحمان' بن عوف رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت شفاء بنت عمرو رضی اللہ عنہا نے بتایا: جب اللہ کے رسول ﷺ کا حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تولد ہوا تو وہ سب سے پہلے میرے ہاتھوں پر تشریف لائے اور آواز نکالی' میں نے کسی قائل (کہنے والے) سے سنا' وہ کہہ رہا تھا "آپ پر اللہ رحمت نازل فرمائے' آپ کا ربّ آپ پر رحمت کے پھول برسائے"۔

حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میرے سامنے مشرق ومغرب کے درمیان جو کچھ تھا' سب روشن ہوگیا' یہاں تک کہ میں نے روم کے کچھ محلات بھی دیکھ لئے۔ پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس پہنا کر لٹا دیا۔ اسی دوران اچانک مجھ پر رعب چھا گیا ور اور کپکپی کی کیفیت طاری ہوگئی اور روشنی بھی کم ہوگئی' یہ صورت حال میرے دائیں طرف رونما ہوئی' اس وقت میں نے کسی کی آواز سنی' وہ کہہ رہا تھا' انہیں کہاں لے گئے ہیں؟ دوسرے نے کہا: مغرب کی سمت لے گئے اور پھر تاریکی چھا گئی۔ دوسری بار یہی کیفیت بائیں طرف سے ظاہر ہوئی' میں نے سنا: کوئی کہہ رہا تھا انہیں کہاں لے گئے ہیں؟ کسی نے جواب میں کہا: مشرق کی طرف لے گئے ہیں۔ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں' یہ عجیب وغریب صورتحال میرے ذہن پر نقش ہوگئی' یہاں تک کہ حضور پُرنور' نور مجسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت فرمادیا: چنانچہ میں فوراً ایمان لے آئی اور سب سے پہلے مسلمان ہوگئی۔

(الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 47،46)

ابونعیم نے عمرو بن قتیبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے بتایا: میرے ابا جان ایک معتبر عالم تھے۔ انہوں نے یہ حقیقت بیان فرمائی کہ جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ولادت کا وقت قریب آیا تو اللہ تبارک تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: تمام آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دو اور انہیں وہاں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ اترنے اور ایک دوسرے کو بشارتیں دینے لگے۔ دنیا کے پہاڑ خوشی وفخر سے بلند ہوگئے' سمندروں میں روانی آ گئی اور موجیں اٹھنے لگیں اور اہل زمین میں مبارک سلامت اور بشارت کا سلسلہ چل نکلا۔ ہر فرشتہ وہاں حاضر ہوگیا اور شیطان کو بھی ستر زنجیروں میں جکڑ کر بحر اخضر کے تندوتیز پانیوں میں الٹا لٹکا دیا گیا اور دیگر سرکش شیاطین کو بھی پابند طوق وسلاسل کر دیا گیا۔ اس روز سورج کو نور کی شاندار چادر اوڑھا دی گئی اور ستر ہزار حوریں ہوا میں کھڑی کر دی گئیں جو ولادت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنے لگیں۔

پیغمبر اوّل وآخر واعظم' حضور انور' نبی کریم' رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز میں قدرت خداوندی نے دنیا بھر کی عورتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اس سارے سال لڑکے ہی جنیں۔ چنانچہ حضور پُرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو ساری دنیا نور سے بھر گئی۔ فرشتوں نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی اور ہر آسمان میں زبرجد اور یاقوت کا ایک ایک ستون قائم کر دیا گیا' جن سے ہر شے روشن ہوگئی۔ چنانچہ یہ ستون آسمان میں بہت شہرت رکھتے ہیں' جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب ملاحظہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا یہ وہ ستون ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کی خوشی میں نصب کیا گیا تھا۔

شب ولادت اللہ تبارک تعالیٰ نے حوض کوثر کے کنارے مہکتی کستوری کے ستر ہزار درخت لگائے جن کے پھل اہل جنت کے لئے خوشبودار دھونی کا کام دیں گے۔ اس رات آسمان والے اللہ کے حضور سلامتی کی دعائیں مانگتے رہے' پتھر کے بت اوندھے منہ گر گئے۔ لات اور عزیٰ کے شیطان اپنے تھان سے باہر نکلے' وہ چیخ رہے تھے

کہ قریش کو کچھ پتہ نہیں ہے وہ کس حال کو پہنچ گئے ہیں، صدیق وامین آ گئے ہیں۔

بیت اللہ شریف کے اندر سے کئی روز تک یہ آواز سنائی دیتی رہی اب میرا نور مجھے واپس کر دیا جائے گا، میری زیارت کرنے والے ازسرنو آنے لگیں گے، مجھے جاہلیت کی نجاستوں سے پاک کر دیا جائے گا۔ اے عزیٰ! اب تیری موت کا وقت آ گیا ہے بیت اللہ شریف میں بتوں پر مسلسل تین روز تک اسی طرح لرزہ طاری رہا یہ پہلی علامت تھی، جو سرکار دوعالم، تاجدار کائنات، نور مجسم، حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت قریش کے مشاہدہ میں آئی۔ (الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 47)

ابونعیم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر میں نور نبوی ﷺ کے جلوہ گر ہونے کا پتہ اس طرح چلا کہ اس رات قریش کا ہر جانور گویا ہو گیا، اسے زبان مل گئی وہ بولنے لگے کہ رب کعبہ کی قسم! اللہ کے رسول ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے بطن اطہر میں جلوہ گر ہو گئے ہیں۔ وہ دنیا کے لئے امان اور کائنات کے لئے سراج منیر ہیں۔ قبائل عرب میں جو کاہن عورتیں تھیں، ان کے مسخر جنات اس رات ان کے پاس آنے سے قاصر ہو گئے۔ کاہنوں کا علم چھین لیا گیا۔ دنیا بھر کے بادشاہوں کے تخت الٹ دیئے گئے اور خود گونگے ہو گئے' اس روز بات تک نہ کر سکے۔ بشارات دینے کے لئے مشرق کے جانور مغرب کی طرف دوڑے' اسی طرح سمندر کی مخلوق نے بھی ایک دوسرے کو خوشخبری سنائی۔ زمین وآسمان میں نداء دی گئی کہ خوش ہو جاؤ کہ برکتوں اور رحمتوں والے قاسم' ابوالقاسم نبی مکرم ومحترم ﷺ کی تشریف آوری کا وقت قریب آ گیا ہے۔

(الخصائص الکبری جلد 1 صفحہ 48,47)

آپ ﷺ والدہ ماجدہ کے بطن اطہر میں نو ماہ تک جلوہ گر رہے' اس دوران انہوں نے کسی قسم کی تکلیف' قے' متلی' بے چینی اور جو عوارض عورتوں کو پیش آتے ہیں' ان میں سے کسی چیز کی شکایت نہ کی' والد گرامی پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ فرشتوں نے کہا یا اللہ! تیرا نبی ﷺ یتیم پیدا ہو گا: اللہ پاک نے فرمایا: میں ان کا محافظ ونگہبان اور مددگار ہوں سب نے سرکار کے مولد مبارک کے ساتھ برکت حاصل کی اور اس خوشی میں جنتوں اور آسمانوں کے دروازے کھول دیئے گئے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: جب حمل مبارک کو چھ ماہ گزرے تو خواب میں ایک ہستی تشریف لائی اس نے پاؤں کے ساتھ چھوا اور کہا: اے آمنہ! کائنات کی افضل ترین ہستی تیرے پیٹ میں جلوہ گر ہے۔ جب وہ متولد ہو تو اس کا نام محمد ﷺ رکھنا۔ بعد کا واقعہ بیان فرماتی ہیں جب وہ لمحہ قریب آیا اور وہ کیفیت طاری ہوئی جو ایسے موقعہ پر خواتین پر طاری ہوتی ہے' اس وقت میرے پاس کوئی نہیں تھا۔ اچانک میں نے ایک گونج دار آواز سنی جس نے مجھ پر ہول طاری کر دیا' پھر دیکھا جیسے کسی نے سفید پرندے کے پر جیسی کوئی چیز میرے سینے پر مل دی ہے' اس سے میرا خوف جاتا رہا اور ہر تکلیف زائل ہو گئی۔

اس وقت میں پیاس محسوس کر رہی تھی' اچانک دودھ کی طرح کا سفید مشروب میرے سامنے پیش کیا گیا جو میں نے پی لیا۔ اس سے ہر چیز یوں منور ہوگئی جیسے مجھ سے نور پھوٹ رہا ہو پھر میں نے لمبی لمبی عورتیں دیکھیں جیسے کھجور کے درخت ہوں' انہوں نے مجھے گھیرے میں لے لیا۔ وہ عبد مناف کی بیٹیاں لگ رہی تھیں۔ ان مشاہدات سے میں بے حد متعجب تھی کہ اچانک زمین وآسمان کے درمیان ریشمی لباس دیکھا' کسی نے کہا: اس نومولود مبارک کو لے لو اور لوگوں کی نگاہوں سے چھپا دو!

پھر میں نے کچھ لوگ دیکھے وہ چاندی کی صراحیاں لے کر ہوا میں کھڑے ہوگئے۔ پرندوں کی ایک ڈار دیکھی انہوں نے میرے مکان کو ڈھانپ لیا ان عجیب وغریب پرندوں کی چونچیں زبرجد اور پر یاقوت کے تھے اللہ پاک نے میری نگاہوں سے حجابات اٹھا دیئے۔ میں نے مشرق ومغرب کو دیکھ لیا اور میں نے تین جھنڈے دیکھے ایک مشرق اور دوسرا مغرب اور تیسرا کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ جب تولد کا عمل مکمل ہوگیا تو میں نے بے مثل نومولود کو دیکھا وہ حالت سجدہ میں تھا انگلی اوپر اٹھائی ہوئی تھی جیسے کوئی نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ دعا کر رہا ہو۔

پھر میں نے سفید بادل دیکھا وہ نیچے اترا اور نومولود کو چھپا لیا وہ میری نظروں سے غائب ہوگیا۔ میں نے کسی کی آواز سنی وہ ندا دے رہا تھا محمد ﷺ کو مشرق ومغرب کی سیر کراؤ اور سمندروں میں بھی لے جاؤ تاکہ سب ان کے نام اور ذات وصفات کو پہچان لیں اور جان لیں کہ ان کا نام ماحی بھی ہے یعنی مٹانے والا' یہ اپنے وقت میں شرک کی تمام نشانیوں کو مٹا ڈالیں گے۔ اس کے بعد اچانک وہ میری نگاہوں کے سامنے ظاہر ہوئے' اس وقت سفید صوف کے لباس میں ملبوس تھے' نیچے سبز ریشم بچھا ہوا تھا۔ آبدار موتی سے بنی ہوئی تین چابیاں ان کی مٹھی میں تھیں۔ کوئی کہہ رہا تھا' محمد ﷺ نے فتح ونصرت' نبوت اور ہواؤں کی چابیوں پر قبضہ کرلیا ہے۔

پھر دوسرا بادل نمودار ہوا اس سے گھوڑوں کے ہنہنانے اور پروں کے پھڑ پھڑانے کی آوازیں آرہی تھیں اس بادل نے بھی انہیں ڈھانپ لیا' اور وہ میری نظروں سے غائب ہوگئے' میں نے سنا کوئی کہہ رہا تھا محمد ﷺ کو مشرق ومغرب اور انبیاء کرام کے اماکن (ولادت کے مقام' جگہیں) ولادت پر لے جاؤ اور جن وانس سے درندوں اور پرندوں سے اور ہر قسم کی روحانی مخلوق سے ان کا تعارف کراؤ اور انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی صفوت اور حضرت نوح علیہ السلام کی رقت اور گریہ وزاری اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت اور دوستی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت اور حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن اور حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز اور حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر اور حضرت یحیٰی علیہ السلام کا زُہد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سخاوت عطا فرماؤ اور اخلاق انبیاء کرام سے معمور کردو۔

پھر دوبارہ آپ ﷺ میری نگاہوں کے سامنے ظاہر ہوئے' اس وقت ایک سبز پارچہ ریشم آپ ﷺ کی مٹھی مبارک میں تھا۔ کسی نے کہا: مبارک ہو! حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے پوری دنیا پر قبضہ کرلیا ہے اور ساری مخلوق ان کی

غلامی میں آ گئی ہے۔ پھر میں نے تین اشخاص دیکھے ایک کے ہاتھ میں چاندی کی صراحی تھی دوسرے کے ہاتھ میں سفید ریشم کا ٹکڑا تھا اس نے وہ کھولا اور اس میں سے ایک مہر نکالی اس کی چمک دمک سے دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس صراحی کے پانی سے اسے سات مرتبہ دھویا'' پھر سرکارِ دو عالم نورِ مجسم نومولود ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر لگا دی اور ریشم کے پارچہ میں لپیٹ دیا پھر انہیں اٹھا کر کچھ دیر کے لئے اپنے پروں کے اندر چھپا لیا پھر انہیں میرے سپرد کر دیا۔ (الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 47، 48)

وہ مقدس و مبارک رات

ولادت کی رات' سہانی اور نورانی رات تھی' ساعت تھی' وقت تھا جس مبارک گھڑی کائنات میں صحیح معنوں میں نورانی انقلاب کا آغاز ہوا۔ آپ نے اوپر بیان کئے گئے مشاہدات میں پڑھ لیا ہے کہ نور کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر پوری کائنات میں موجزن تھا۔ پوری کائنات میں ہر سو نور کی خوش کن' مسرور کن' راحت بخش پھوار ہر شے پہ پڑ رہی تھی بلکہ نور کی بارش ہی ہو رہی تھی۔ نور کی اس برسات میں' کائنات کی ہر شے کھل اٹھی' جھوم اٹھی۔ اجرام فلکی بھی سلام و دیدار کے لئے حاضر ہوئے۔ فرشتے قطار در قطار ان گنت تعداد میں نومولود کا دیدار کرنے کے منتظر تھے، وہ جھانک جھانک کر اپنے شوقِ دید کا اظہار کر رہے تھے کہ کب وہ شاہکارِ ربّ العالمین وہ نور کا پیکر جلوہ بار ہو اور فرشتوں کے سردار اسے محبت و شوق سے لے کر سب فرشتوں کو دیدارِ عام کرائیں اور اپنے ربّ کے حکم سے تمام کائنات کو نومولود کی زیارت کا شرف بخشیں۔

حاصلِ کائنات' اصل الموجودات ﷺ کی دید حاصل کئے بغیر بحر و بر میں کائنات کی کسی بھی شے کو سکون نہ تھا اس لئے نور کے اس پیکر کو' شاہکار خلاق العلیم و عظیم کو' ہادیٔ دو جہاں کو رحمت اللعالمین' پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کا مقرب و معجز فرشتوں نے اپنے ربّ کے حکم و ارادے کے تحت ہر سو دیدارِ عام کرایا۔ کائنات کی ہر شے نے اپنے اپنے انداز و طریقے سے اس جشنِ ولادتِ مبارک' جشنِ دیدارِ شاہکارِ ربّ العالمین' جشنِ بہاراں میں' کائنات کی تقدیر پلٹ دینے والے کی آمد کے جشن میں' جی کھول کر حصہ لیا اور سب نے خوشی منائی۔

قارئین کرام! اس مبارک شب مشاہدات میں حضرت آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا مع حوروں کے آنا' فرشتوں کا زمین پر نزول' اجرام فلکی کا تابعداری میں حاضر ہونا اور بغرض احترام و محبت و عقیدت جھکنا' ماحول کا نور سے بھر جانا یعنی کہ کائنات کا نور' علیٰ نور ہو جانا' کائنات کی ہر شے کا اس خوشی میں شامل ہونا۔ پھر مختلف مقدس ہستیوں کے اپنے اپنے مختلف لیکن ایک ہی وقت میں اور ایک ہی طرح کے مشاہدات' مقرب بارگاہ فرشتوں کا حاضر ہونا نظر آنا' ان کا نومولود کو کائنات کے مختلف گوشوں میں بغرض سیر و تعارف و دیدار لے جانا اور اس رات کائنات میں عید سعید کا سماں ہونا' یہ سب کچھ کوئی فسانہ نہیں ہے' تصوراتی منظر کشی نہیں ہے' تخیلاتی تصویر کشی نہیں ہے' بلکہ یہ تو سب کچھ ہی اٹل حقیقتیں ہیں' روشن صداقتیں ہیں۔

ایسی حقیقتیں، صداقتیں جو صرف چند مقتدر و مقدس ہستیوں کے مشاہدات میں ہی رونما نہیں ہوئیں بلکہ اس خاص و مقدس وقت پر متقی انس و جاں نے بھی اس کا مشاہدہ کسی نہ کسی شکل میں کیا۔ لیکن ان مشاہدات کو مشیت ایزدی کے تحت خلق خدا میں بیان وہی کر سکے جن کا بیان کرنا اور اس بیان کو ابد تک کے لئے باقی رکھنا اللہ تبارک تعالیٰ کو مقصود تھا۔ نہ جانے کتنے اللہ کے بندے کسی مصلحت کے تحت اپنے (ذاتی) مشاہدات بتائے بغیر اگلے جہاں چلے گئے۔

معاملہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم تاجدار کائنات رسول بحر و بر ﷺ کی ولادت مبارک کا تھا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے شاہکار کے بشری وجود سے اس کائنات کو سجانا تھا، زینت بخشنی تھی۔ محبوب خدا، خاتم النبیین، انسان کامل، نور ازل، اصل لموجودات شاہکار قدرت اور ہادیٔ دو جہان ﷺ کی آمد کا معاملہ تھا، پھر مندرجہ بالا اہتمام برائے استقبال اور جشن نے تو ہونا ہی تھا۔ بلکہ حقیقت میں تو اس سے کہیں زیادہ اہتمام استقبال اور جشن میلاد مبارک ہوا ہوگا لیکن وہ ہمارے ادراک سے ماورا تھا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے حسبِ استطاعت، مقدور، طاقت و ظرف اپنے بندوں کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے اور انہوں نے وہ کچھ دیکھا جو عام آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔

یہ جو کچھ ہوا ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔ دنیاوی شان و شوکت کے حامل افراد کی آمد پر ماحول میں ایک دم تغیر آ جاتا ہے۔ منجمد زندگی متحرک ہو جاتی ہے، ویران جگہوں کو آرائشی محرابوں، برقی قمقموں اور رنگین پرچموں سے سجا دیا جاتا ہے۔ تاریک ویرانے منور اور سنسان مقامات آباد ہو جاتے ہیں۔ یہ دستور دنیا اور آئین تہذیب ہے اور ایسے پر مسرت مواقع پر یہ زیب بھی دیتا ہے۔

نومولود تو کائنات کے بادشاہ، انسانیت کے محسن، تاجدار ارض و سما، محبوب ربّ العالمین اور نبی آخر الزماں ﷺ تھے۔ اگر ان کی تشریف آوری پر کائنات میں خوشی اور نور کی لہر دوڑ گئی اور اس میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ تو یہ تعجب خیز بات نہیں ہے۔ اہل نظر نے حضور ﷺ ہی کے قرب کی برکت سے اسے ایک دیکھ لیا یا قدرت نے انہیں گواہی کے لئے دکھا دیا تو اس میں کون سا تعجب ہے؟ اور اسے ایک حقیقت کے طور پر مان لینے میں کونسا امر مانع ہے؟ ان واقعات کو حقیقت پر محمول کرنا ہی قرین انصاف اور قرین قیاس ہے اور ایمان و دیانت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

تاویلات استعارات اور تمثیلات و تشبیہات کا سہارا وہاں لیا جاتا ہے جہاں حقیقت ناممکن ہو۔ یہاں تو حقائق اور سیاق و سباق خود بول رہے ہیں کہ کسی تمثیل کی ضرورت نہیں ہے۔ مقام نبوت کی رفعت اور شان محبوب کی انفرادیت اس امر کی متقاضی ہے کہ ان روایات کو توڑنے مروڑنے کی بجائے اصل واقعہ کا بیان ہی صحیح مانا جائے۔

میں نے ان مشاہدات، محیر العقول، عجائب قدرت، واقعات کے صحیح و برحق ہونے کے استدلال میں اسی

موضوع سے متعلق گزشتہ اوراق میں قرآن حکیم کی آیات مبارک کے حوالے سے کتنے ہی واقعات بیان کئے ہیں یہاں انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں جس کو اب بھی یقین نہ آیا ہو وہ ان اوراق کو پھر پڑھ لے انشاء اللہ تسلی ہو جائے گی۔

عقل کی کسوٹی اور کمالات قدرت

ہم ذی شعور مخلوق انس وجاں ان مظاہر قدرت کو یوں ہی مان لیں تو یہی ہماری سعادت اور عقلمندی ہے ورنہ ان کو اپنی ناقص عقل کی کسوٹی پر پرکھیں گے تو اور بھٹک جائیں گے اور کہیں سے راہنمائی نہیں ملے گی۔ ہم دو جہانوں میں کہیں کے نہیں رہیں گے۔

ہماری عقل، نظر، علم واستدلال کا تو یہ حال ہے کہ ہم اللہ تبارک تعالیٰ کی معمولی سے معمولی تخلیق کے بارے میں بھی تقریباً لاعلم ہیں، حالانکہ ان میں کمالات چھپے ہوئے ہیں۔ لیکن ہم ان سے بھی اللہ تبارک تعالیٰ کی شان، قدرت، عظمت وخلاقی کو نہیں دیکھ پاتے کیونکہ ہم انہیں اپنی توجہ کے قابل نہیں سمجھتے حالانکہ اللہ تبارک تعالیٰ کی ہر تخلیق اہم ہے۔

میں آپ کو مثال بھورے رنگ کی چھوٹی سی (ذرہ جتنی) چیونٹی اور مچھر کے پر کی دوں گا اور اس مثال سے میرا مقصد کمالات قدرت کا سمجھانا ہے اور یہ کہ عجائب قدرت ہر کچھ میں موجود ہیں جو کہ با آواز بلند ہمیں یہ بتا رہے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی ہر تخلیق اہم ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی نشانی ہے یعنی کہ اپنے پیدا کرنے والے کی نشاندہی کرتی ہے کہ اللہ موجود ہے اور وہ قادر مطلق ہے سب کائنات کا خالق و مالک ہے خلاق العلیم ہے خلاق العظیم ہے۔

میں اس چھوٹی سی حقیقی معنوں میں ذرہ جتنی چیونٹی کی بات کر رہا ہوں جو اچھی نظر والوں کو بھی بغور دیکھے بغیر نظر نہیں آتی۔ وہ جب حرکت میں ہو تو یوں لگتا ہے کہ کوئی ذرّہ جا رہا ہے۔ اور یہ عموماً اسی وقت نظر آ سکتی ہے جب یہ کچن وغیرہ میں سفید سنگ مرمر یا سفید کاغذ وغیرہ پر چل رہی ہو۔

یہ چیونٹی بھی خالق کائنات کے وضع کردہ نظام کے تحت انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارتی ہے۔ سب کے ساتھ مل کر اپنے لئے رہنے کی محفوظ جگہ بناتی ہے، خوراک ڈھونڈ کر لاتی ہے۔ جو ذمہ داری اسے ملے وہ اسے نبھاتی ہے۔ سوچتی ہے، سنتی ہے، سناتی ہے، حکم دیتی ہے، حکم بجا لاتی ہے۔ کھانا کھاتی ہے اسے ہضم کرتی ہے اس سے توانائی حاصل کرتی ہے فضلہ خارج کرتی ہے۔ انڈے دیتی ہے بچے پالتی ہے انہیں خوراک دیتی ہے اور ان کی حفاظت کرتی ہے۔ اس ذرہ جتنی چیونٹی کی طاقت کا یہ عالم کہ اپنے وزن سے ایک سو بیس گنا زیادہ وزن اٹھا کر دور دور سے اپنے گھر یا بل میں لاتی ہے۔

اس میں ہماری طرح ساری حسیں ہیں اور ان سب کا استعمال بھی خوب ہے۔ ہماری طرح اس میں بھوک

پیاس، سردی گرمی، جنس اور افزائش نسل کی خواہش و جبلت، کھانا پینا آرام کرنا، خطرہ کو بھانپ لینا اور اپنا تحفظ کرنا، غرضیکہ سب کچھ ہی ہے۔ وہ بھی ہماری طرح زندگی اور موت کے درمیان ہر دور سے گزرتی ہے۔

میرے محترم قاری اب آپ اس کا مقابلہ اپنے آپ سے، اپنے مختلف بدنی جسمانی نظاموں سے کیجیے۔

کیا آپ نے کبھی یہ سوچا ہے کہ ہمارے مقابلہ میں اس چیونٹی کا سر کتنا بڑا ہے اور اس میں دماغ کتنا ہوگا؟ اور ذرہ جتنی چیونٹی کا پیٹ سمیت نظام انہضام کتنا بڑا ہوگا؟

کیا اس کے عضلات اور عضو برائے افزائش نسل ہوں گے؟

کیا اس کے عضلات و عظام برائے طاقت وسختی جسم ہوں گے؟

اس کی ٹانگیں اور ہاتھ کیا ہوں گے؟ (ہمیں تو وہ نظر بھی نہیں آتے اور وہ ان کے بل پر اپنے وزن سے ایک سو بیس گنا زیادہ اٹھا کر لے جا سکتی ہے)

اب آپ اس کے مختلف نظام جسمانی کے بارے میں سوچیں۔ نظام تو سارے اس کے بھی اتنے ہی پیچیدہ اور کارآمد ہوں گے جتنے کہ ہمارے۔ لیکن آپ خیال کریں، تصور کریں، سوچیں کہ اس ذرہ جتنی چیونٹی میں سارے نظام کتنے باریک، کتنے چھوٹے اور کتنے نازک ہوں گے؟ جب کہ وہ سب نظام ہمارے جسمانی نظاموں کی طرح ہی فعال ہیں علم تنفس، نظام تنفس، نظام انہضام، نظام دوران خون، نظام برائے افزائش نسل غرضیکہ ہر نظام موجود ہے اور خوب فعال ہے۔ اگر دیانتداری سے موازنہ یا مقابلہ کیا جائے تو اس کے مختلف نظاموں کی نزاکت اور ذرہ جتنی جسامت کے باوجود اس کی کارکردگی چند پہلو میں ہم سے بہت بہتر ہے۔

آپ جتنا اس پر غور کریں گے اتنا ہی آپ کو بنانے والا یاد آئے گا۔ اتنی ہی اس کی شان صناعی وخلاقی نظر آئے گی اور آپ اس خالق مالک ورازق کو پہچان جائیں گے جو ہم سب کا ربّ ہے۔ جو کن فرما دینے سے وہ کچھ فوراً بنا دیتا ہے جو ہماری عقل تو کیا تصور میں بھی نہ آسکے۔ اور مذکورہ بالا محیرالعقول واقعات، غیر معمولی کرشمہ سازیاں اور عجائب قدرت کا ظہور کرنے والا اور ان عجائب قدرت کا مخصوص افراد کو مشاہدہ کروانے والا بھی وہی قادر مطلق، ربّ اللعالمین ہی ہے۔

میں مچھر کی ''پر'' اور اس کی (پروبوسز PROBOSIS) ''سونڈھ'' کے بارے میں اب مندرجہ بالا بھوری چیونٹی کی جتنی تفصیل میں نہیں جاؤں گا کیونکہ مندرجہ بالا خطوط پر تو اب آپ مچھر کے بارے میں خود بھی کافی سوچ بچار کر سکتے ہیں۔ آپ مچھر کے پروں کا مشاہدہ کریں۔ دونوں اطراف اوپر والے پر کے نیچے مچھر کی ہر نسل میں ایک دو پر اور بھی ہوتے ہیں جو کہ بہت ہی باریک اور نازک ہوتے ہیں۔ ان پروں کو ان کے مخصوص عضلات حرکت دیتے ہیں۔ اس میں حیرانگی کی بات یہ ہے کہ وہ عضلات ان پروں کو ایک سیکنڈ میں تیس بار کے قریب حرکت دے دیتے ہیں جن کے ذریعے وہ میلوں کا سفر کر جاتے ہیں، پھر بھی وہ عضلات نہیں تھکتے۔

جب کہ ہماری رانوں ٹانگوں یا بازؤں کے عضلات تین منٹ میں بھی تیس 30 دفعہ بغیر تھکان و تکلیف کے حرکت نہیں کر سکتے۔ یعنی کہ جتنی دیر میں ہمارے عضلات ایک حرکت کرتے ہیں اتنی دیر میں مچھر کے پروں کے عضلات تقریباً ایک سو چالیس 140 بار حرکت کر جاتے ہیں۔ اور مچھر کے یہ نازک پر ہوا کے اس دباؤ (زور) کو برداشت کر جاتے ہیں جو دباؤ یا زور ہمارے گھروں کی چھتیں اکھیڑ دیتا ہے کشتیوں کے بادبان یا کھڑکیوں کے شیڈ پھاڑ دیتا ہے۔

اور اس کی سونڈھ کے کیا کہنے وہ اتنی باریک ہوتی ہے کہ اسے بغور دیکھنا پڑتا ہے وہ اس کے منہ کے درمیان سے نکلتی ہے اور وہ لچکیلی نرم و نازک اور رطوبت (لعاب) آلودہ ہوتی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ انسان کی جلد تو کیا وہ بھینس کی کھال میں بھی نشتر کی طرح پار ہو جاتی ہے (یاد رہے کہ ہمیں نشتر یا ٹیکہ لگانے کے لئے بہت مضبوط سٹیل کی سوئی استعمال ہوتی ہے اور اسے بھی کچھ دباؤ یا طاقت سے جلد میں داخل کیا جاتا ہے) اور خون کی نالی تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کی سونڈھ میں بہت ہی باریک نالی ہوتی ہے جس کے ذریعے مچھر انسانی یا حیوانی جسم سے خون چوس لیتا ہے۔ ہے ناں یہ ہمارے ربّ کی کمال کی صناعی' خلاقی و رزاقی؟

جس اونچی شان والے نے ہمیں یہ نہ سمجھ آنے والی حقیقتیں' صداقتیں ہمارے ارد گرد ساری کائنات میں پھیلا رکھی ہیں اس نے اپنے حکمت سے مندرجہ بالا ''عجائب قدرت الٰہی کا ظہور'' بھی کیا تھا اور اسی نے ان محیر العقول واقعات کا اپنے خاص بندوں کو مشاہدہ بھی کرایا تھا۔

محمد اور احمد

حضور ﷺ کے دو ذاتی نام ہیں

یوں تو حضور پُرنور نبی اکرم ﷺ کے متعدد اسمائے گرامی ہیں۔ بعض محدثین کے مطابق اللہ رب العزت نے سرورکائنات ﷺ کو بھی ننانوے ناموں سے نوازا ہے جبکہ بعض کے بقول آپ ﷺ کے اسماء مبارکہ تین سو ہیں۔ صاحب ''ارشادالساری شرح صحیح البخاری'' لکھتے ہیں کہ حضور انور نبی اکرم ﷺ کے ایک ہزار نام ہیں۔ ان میں سے ہر نام آپ ﷺ کی سیرت و کردار کے کسی نہ کسی انوکھے پہلو پر روشنی ڈالتا ہے۔ لیکن جس طرح اللہ ربّ العزت کے ہزاروں نام ہیں مگر ذاتی نام صرف ایک ''یعنی اللہ'' ہے۔ اسی طرح سرورکائنات ﷺ کے بھی سینکڑوں نام ہونے کے باوجود آپ ﷺ کے ذاتی نام صرف دو ہیں محمد اور احمد۔

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ زمین پر میرا نام ''محمد'' اور آسمان پر ''احمد'' ہے۔ اسم احمد کا ذکر قرآن مجید میں صرف ایک بار آیا ہے اور وہ سورہ صف آیت 6 میں ہے جب کہ اسم محمد قرآن حکیم میں صرف چار بار آیا ہے۔ اور وہ درج ذیل سورہ و آیات میں ایک ایک بار ہی آیا ہے۔

سورہ آل عمران آیت 144 سورہ احزاب آیت 40 ' سورہ محمد آیت 2 اور سورہ فتح آیت 29

اللہ' محمد (ﷺ) اور احمد کا ہر حرف بامعنی ہے

ان اسمائے مبارک کی یہ خوبی ہے' انفرادیت ہے' خاصیت ہے کہ اگر ان کے شروع کے حرف یکے بعد دیگرے ان سے ہٹاتے جائیں تو باقی ماندہ لفظ حتیٰ کہ باقی ماندہ حرف تک بامعنی بلکہ خوبصورت بامعنی رہتا ہے۔ ان تینوں اسمائے پاک کے علاوہ کوئی اور ایسا اسم نہیں ہے جس میں یہ خوبی ہو۔ مثلاً

اگر لفظ ''اللہ'' میں سے پہلا حرف (الف) کم کر دیا جائے تو باقی ''للہ'' رہ جاتا ہے جس کا مطلب ہے ''اللہ کے لئے'' اگر دوسرا حرف (لام) ہٹا دیا جائے تو باقی ''الہ'' رہ جاتا ہے، جس کا مطلب ہے ''معبود'' اور اگر الف اور لام دونوں کو الگ کر دیا جائے تو باقی ''لہ'' رہ جاتا ہے، جس کا مطلب بھی ''اللہ کے لئے'' ہے۔ اگر لام کو بھی ہٹا دیا جائے تو ''ہ'' (ہو) رہ جاتا ہے، جس کا معنی ہے ''وہی'' اور وہ اللہ ہی ہے۔

بالکل اسی طرح لفظ محمد ہے، لفظ ''محمد'' کا ہر حرف بھی بامقصد اور بامعنی ہے۔ اگر شروع کا ''م'' ہٹا دیا جائے

تو ''حمد'' رہ جاتا ہے، جس کا مفہوم تعریف وتوصیف ہے۔ اور اگر صرف ''ح'' کو کم کر دیا جائے تو ''مد'' رہ جاتا ہے، یعنی مدد کرنے والا اور اگر ابتدائی ''میم'' اور ''حا'' دونوں کو حذف کر دیا جائے تو باقی ''مد'' رہ جائے گا۔ جس کا مفہوم ہے دراز اور بلند۔ یہ حضور ﷺ کی عظمت اور رفعت کی جانب اشارہ ہے اور اگر دوسرے، میم کو بھی ہٹا دیا جائے تو صرف ''د'' (دال) رہ جاتا ہے جس کا مفہوم ہے دلالت کرنے والا یعنی اسم محمد، اللہ کے وجود اور وحدانیت پر دال ہے۔

محمد کا لفظ کتنا پیارا اور حسین ہے کہ اس کے سنتے ہی ہر نگاہ فرط ادب سے جھک جاتی ہے ہر سر خم ہو جاتا ہے اور زبان پر درود وسلام عزت واحترام کے الفاظ خود بخود جاری ہو جاتے ہیں لیکن کم لوگ جانتے ہیں کہ اس لفظ کا معنی و مفہوم بھی اس کے ظاہر کی طرح حسین اور دل آویز ہے۔

لفظ محمد ''حمد'' سے مشتق ہے ''حمد'' کے معانی تعریف اور ثنا بیان کرنے کے ہیں۔ خواہ یہ تعریف کسی ظاہری خوبی کی وجہ سے کی جائے یا کسی باطنی وصف کی بناء پر تعریف کا مفہوم ادا کرنے کے لئے ''شکر'' کا لفظ بھی بولا جاتا ہے مگر شکر اور حمد میں فرق ہے شکر سے مراد وہ تعریف ہے جو کسی کے احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے کی جائے اور حمد سے مراد مطلع تعریف وتوصیف ہے جو ممدوح کے عظمت وکبریائی کو مدنظر رکھتے ہوئے کی جائے

لفظ محمد اسم مفعول کا صیغہ ہے اور اس سے مراد ہے۔

(وہ ذات) جس کی کثرت کے ساتھ اور بار بار تعریف کی جائے۔

امام راغب الاصفہانی لفظ محمد کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اور محمد ﷺ اسے کہتے ہیں جس کی قابل تعریف عادات حد سے بڑھ جائیں۔

(المفردات از راغب الاصفہانی صفحہ 131)

مقام ولادت، مکان مقدس

1- مکہ مکرمہ میں حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا مقام ولادت ایک معروف مکان ہے جو حرم کعبہ کے نزدیک سوق اللیل میں واقع ہے۔ اب سوق اللیل سمیت پورا محلہ بنی ہاشم منہدم کر دیا گیا ہے۔ صرف یہی مکان (مولد النبی ﷺ) موجود ہے۔ اب اس جگہ پر ایک پبلک لائبریری ''مکتبہ مکۃ المکرّمہ'' کے نام سے تعمیر شدہ ہے جو ''وزارۃ الحج والاوقاف'' کے زیرانتظام ہے۔ اسے الشیخ عباس قطان المرحوم (امین العاصمۃ المقدستہ) نے جلالتہ الملک شاہ عبدالعزیز مرحوم کی اجازت سے تعمیر کیا تھا۔ تاکہ اس جگہ کی حفاظت ہوتی رہے۔

2- امام حسین بن محمد الدیار بکری لکھتے ہیں کہ یہ مکان وراثت میں حضور انور نبی کریم ﷺ کو ملا تھا پھر آپ ﷺ نے زمانہ ہجرت میں حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ھبہ فرما دیا۔ چنانچہ یہ مکان حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کی ملکیت اور قبضہ و تولیت میں رہا۔ (تاریخ الخمیس جلد 1 صفحہ 198)

3- بعدازاں ان سے حجاج کے بھائی محمد بن یوسف ثقفی نے ایک لاکھ دینار کے ہدیہ سے خرید لیا اور اس جگہ کو اپنے مکان میں شامل کر لیا جسے ''البیضاء'' (سفید عمارت، بیت البیض) کہا جاتا تھا۔ اس لئے اسے عرصہ دراز تک ''دار ابن یوسف'' بھی کہا جاتا رہا۔

4- امام ابن دحیہ کہتے ہیں ہارون الرشید کی والدہ خیزران جب حج کرنے کے لئے مکہ معظمہ آئیں تو انہوں نے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے مولد مبارک کا حصہ دار ابن یوسف سے نکال لیا اور اس پر مسجد تعمیر کر دی۔ چنانچہ اس میں نماز پڑھی جانے لگی۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جب زبیدہ خاتون (ہارون الرشید کی زوجہ محترمہ) مکہ معظمہ آئیں تو انہوں نے ازسرنو مولد النبی ﷺ پر مسجد تعمیر کروائی۔ (الجامع اللطیف صفحہ 201'202- السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 59،60)۔ الروض والانف جلد 1 صفحہ 184۔ فی رحاب البیت الحرام، الشیخ محمد بن علوی المالکی المکی، صفحہ 261 تا 363)

5- امام تقی الدین محمد بن احمد الفاسی مکی رحمۃ اللہ علیہ (قاضی مکہ المتوفی 832ء) امام ازرقی کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ جب خیزران نے مولد النبی ﷺ کو دار البیضاء سے الگ کیا اور اس مقام پر مسجد تعمیر کرا دی تو اس سے قبل

جو لوگ اس مکان میں رہائش پذیر تھے ان کا بیان ہے:-

انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم ہمیں کبھی کوئی پریشانی یا مشکل یا ضرورت نہیں پیش آئی۔لیکن جب ہمیں وہاں سے نکالا گیا تو ہمارے اوپر مشکلات آنے لگیں۔(شفاء الغرام باخبار البلد الحرام جلد 1 صفحہ 269)

6- امام تقی الدین محمد بن احمد فاسی المکی رحمۃ اللہ علیہ نے مولد مبارک کی مکانیت کی تفصیلات یوں بیان کی ہیں کہ، یہ ایک مربع شکل کا گھر ہے جس میں ستون ہے۔اس کی جنوب مغربی سمت میں ایک بڑا زاویہ ہے۔اس مکان کے مشرقی حصے میں ایک دروازہ ہے۔اس گھر میں دس کھڑکیاں ہیں جن میں سے چار مشرقی دیوار میں، تین شمالی دیوار میں اور ایک مغربی دیوار میں ہے جب کہ دو کھڑکیاں کونے میں ہیں جن میں سے ایک شمالی سمت اور دوسری دائیں طرف واقع ہے۔اس گھر میں ایک محراب ہے جس کے قریب ایک گڑھا ہے جس پر لکڑی کا جنگلا لگا ہوا ہے اس گڑھے کی پیمائش ساڑھے تین فٹ ہے اسے ''ذراع حدید'' بھی کہتے ہیں۔

اس گڑھے کے درمیان میں ایک سبز پتھر ہے جو پہلے چاندی میں لپٹا ہوا تھا جیسا کہ ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا، کہ یہ پتھر وہ مخصوص جگہ ہے جہاں حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

زمانہ کے لحاظ سے تو درج ذیل ان چند سطور کو سب سے آخر میں آنا چاہیے تھا کیونکہ مندرجہ بالا میں مولد مقدس کی بناوٹ یا شکل بیان کی گئی ہے اس لئے موقعہ کی مناسبت سے میں سمجھتا ہوں کہ یہاں اس کے ساتھ مکان مقدس کی موجودہ پیمائش بھی لکھ دوں تا کہ شوقین قارئین کرام کو تصوراتی خاکہ بنانے میں آسانی رہے اور وہ لطف اندوز ہوسکیں۔یہ پیمائش جناب پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے مورخہ 18 فروری 94ء بروز جمعۃ المبارک بمطابق 8 رمضان المبارک 1414ھ اپنے مکہ معظمہ کے رفقاء کے ساتھ مولد النبی ﷺ کے اطراف گھوم کر باہر سے کی ہے۔موجودہ مکان مقدس کی بیرونی پیمائش درج ذیل ہے،

فرنٹ مشرقی دیوار 38 فٹ اور 5 انچ

عقب مغربی دیوار 39 فٹ

لمبائی جنوبی دیوار 71 فٹ

لمبائی شمالی دیوار 69 فٹ

7- خلیفہ الناصر العباسی نے 574ھ میں مولد النبی ﷺ کی تعمیر نو کی تھی۔بعد ازاں یمن کے بادشاہ المظفر نے 666ھ میں، پھر اس کے پوتے المجاہد نے 740ھ میں، پھر مصر کے امیر شیخون نے 758ھ میں، پھر مصر کے شاہ الاشرف شعبان کے عہد حکومت میں یلبغا النحاسکی نے 766ھ میں اور مصر ہی کے شاہ الظاہر نے 801ھ میں اس کی تعمیر نو کی، اور اسی مصر کے بادشاہ نے مسجد حرام کی تعمیر نو کی تھی۔

(شفاء الغرام باخبار البلد الحرام امام فاسی المکی جلد 1 صفحہ 270)

8- اسی طرح ترکی کے محقق ابراہیم رفعت پاشا نے مذکورہ بالا بیان کے بعد مزید تفصیلات کا تذکرہ یوں کیا ہے:-

935ھ اور 963ھ میں سلطان سلیمان خان نے مولد نبی ﷺ پر واقع گنبد کی ازسرِ نو تعمیر کی۔ اس نے سونے کے تین قندیل بھی ہدیہ دیئے، جن میں سے ایک مولد النبی ﷺ میں اور دو بیت اللہ شریف میں لٹکائے گئے، جنہیں معلق (لٹکانے) کرنے کی سعادت میرے والد ''نمی'' کو حاصل ہوئی۔ پھر 1009ھ میں سلطان محمد خان ابن سلطان مراد خان نے ازسرنو مولد النبی ﷺ کی تعمیر کا حکم دیا۔ اس کے اوپر ایک بہت بڑا گنبد اور مینار بنایا گیا۔ اس کے لئے رومی شہروں سے سالانہ آمدنی وقف کی گئی۔ یہاں ایک مسجد بنائی گئی جہاں ایک موذن، خادم اور امام کا تقرر کیا گیا، ان میں سے ہر ایک کے لئے اعزازیہ مقرر تھا جو ہر سال ان کی طرف بھیجا جاتا۔ پھر سلطنت، عثمانیہ نے مولد النبی ﷺ میں ایک مدرس بھی متعین کیا جو وہاں درس دیتا تھا۔ (امرۃ الحرامین جلد 1 صفحہ 188, 189)

9- کتاب ''افادۃ الانام باخبار بلاد اللہ الحرام'' کے مصنف شیخ عبداللہ غازی (1365ھ) لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں مولد النبی کے مدرس ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے مزید بیان کیا ہے کہ 1232ھ میں مولد مبارک کی تعمیر نو سلطان محمود خان کے حکم سے محمد علی پاشا نے کروائی پھر اس کی تعمیر بعد ازاں سلطان عبدالمجید خان نے بھی کروائی۔

10- بعد ازاں سعودی حکومت کے قیام کے بعد مقام مبارک 1343ھ میں منہدم کر دیا گیا جسے امین العاصمۃ شیخ عباس بن یوسف القطان نے 1370ھ میں مکتبہ عامہ (پبلک لائبریری) کے طور پر اپنے خرچ سے دوبارہ تعمیر کرایا' اس تعمیر کی تکمیل ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شیخ امین بن عباس القطان نے کی۔

پھر شیخ کامل ماجد الکردی اور ان کے بھائیوں نے اپنی مشہور و معروف لائبریری، ''مکتبہ ماجدیہ'' کو اسی مکتبہ مولد النبی ﷺ میں منتقل کر دیا۔ (التاریخ القویم لمکہ و بیت اللہ کریم از شیخ محمد طاہر الکردی المکی جلد 1 صفحہ 170, 171)

11- امام محمد جار اللہ ابن ظہیرۃ بیان کرتے ہیں:

اس مکان کا مولد النبی ﷺ ہونا سلف سے خلف تک مشہور و متوارث ہے اور اہل مکہ کا اس امر میں کوئی اختلاف نہیں۔ (الجامع اللطیف صفحہ 201, 202)

12- اسی مولد مبارک کا ذکر امام بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الرحلۃ'' (سفرنامے) میں اس طرح کیا ہے۔

اور اسی طرح شہر مکہ کے مقامات مقدسہ میں سے مولد النبی ﷺ اور وہ خاک مطہرہ ہے جسے سب سے پہلے حضور پُر نور ﷺ کے جسد اقدس کو چھونے کا شرف نصیب ہوا۔ اس مقام پر مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ اور وہ مقام خاص جہاں ولادت سعیدہ کی گھڑی میں حضور انور ﷺ تشریف فرما ہوئے تھے، جس گھڑی کو اللہ تبارک تعالیٰ نے پوری امت کے لئے ساعت رحمت بنا دیا ہے' یہ گہری جگہ ہے' جسے مکمل طور پر چاندی کے ساتھ مزین کیا گیا ہے۔

مولد النبی ﷺ کا مقام مبارک زیارت عام کے لئے ماہ ربیع الاول میں اور پیر کے دن کھول دیا جاتا ہے۔

تمام لوگ اس میں داخل ہوتے ہیں اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں' کیونکہ یہ مہینہ حضور پُرنور ﷺ کی ولادت مقدسہ کا مہینہ ہے اور یہ دن آپ ﷺ کے میلاد کا دن ہے۔ اور اس دن خاص طور پر شہر مکہ کے دیگر تمام مقامات مقدسہ بھی کھول دیئے جاتے ہیں' اور یہ دن (یوم میلاد النبی ﷺ) مکہ معظمہ میں ہمیشہ سے نہایت مشہور دن چلا آ رہا ہے۔ (الرحلت ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ صفحہ 90)

13- یہ امر واقعہ ہے کہ اہل مکہ جملہ اماکن (مقامات) مقدسہ کی زیارت اور دیگر عبادات اور اعمال صالحہ کی کثرت کے لئے بھی ہمیشہ سے یوم میلاد النبی ﷺ کو خاص اہمیت دیتے ہیں قدیم زمانوں اور صدیوں سے ان کا یہی معمول چلا آ رہا ہے' اس کی تائید اور تصدیق ابن بطوطہ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے۔

اور کعبہ معظمہ کا دروازہ جو حجر اسود اور رکن عراقی کی سمت میں ہے' یہ بابرکت دروازہ ہر یوم جمعہ کو بعد نماز جمعہ اور یوم میلاد النبی ﷺ کو کھول دیا جاتا ہے۔ (الرحلۃ ابن بطوطہ المہذب جلد 1 صفحہ 105)

اسی طرح ابن بطوطہ نے اذکار (24) میں احوال اہل مکہ کے ضمن میں قاضی مکہ امام نجم الدین محمد الطبری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ "وہ یوم میلاد النبی ﷺ کو بڑی عظیم الشان ضیافت کرتے ہیں جس میں شرفائے مکہ سے فقرائے مکہ تک تمام لوگ کثرت کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ یہ دعوت بڑی دھوم دھام سے ہوتی ہے۔"

واضح رہے کہ ابن بطوطہ نے آج سے سات سو سال قبل کے مشاہدات بیان کئے ہیں۔

14- امام قطب الدین الحنفی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی 988ھ مولد النبی ﷺ (مکان ولادت محمدی ﷺ) کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

حضور انور ﷺ کے مولد مبارک پر دعا کی بہت قبولیت ہوتی ہے۔ یہ مقام نہایت مشہور ہے جس کی آج تک زیارت کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ایک مسجد تعمیر شدہ ہے وہاں نماز پڑھی جاتی ہے اور یہاں پر پیر کی رات (شب میلاد) محفل ہوتی ہے جس میں کثیر تعداد میں لوگ ذکر کرتے ہیں۔ ہر سال 12 ربیع الاول کی رات مولد النبی ﷺ کی زیارت کی جاتی ہے۔ اس رات باقاعدہ مسجد حرام میں عظیم اجتماع منعقد ہوتا ہے۔ تمام علاقوں کے علماء' فقہاء گورنر' مکہ کے چاروں مذاہب کے قاضی اور تمام مشائخ اپنے کثیر احباب کے ساتھ بے شمار جھنڈے لے کر مغرب کی نماز کے بعد مسجد حرام میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ وہ ادائیگی نماز عشاء کے بعد مسجد حرام سے سوق اللیل کی طرف مولد النبی ﷺ کی زیارت کے لئے جاتے ہیں ان کے ہاتھوں میں کثیر تعداد میں شمعیں' فانوس اور مشعلیں ہوتیں ہیں (گویا وہ مشعل بردار جلوس ہوتا ہے) پھر ایک عالم دین وہاں خطاب کرتا ہے۔

(تاریخ القطبی فی تاریخ مکۃ المشرفۃ "کتاب الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام" صفحہ 355, 356)

15- اسی طرح امام محمد جار اللہ ابن ظہیر مخزومی رحمۃ اللہ علیہ مولد النبی ﷺ کے حوالے سے اہل مکہ کا معمول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہر سال مکہ معظمہ میں 12 ربیع الاول کی رات کو اہل مکہ کا یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ قاضی مکہ جو کہ شافعی ہیں مغرب کی نماز کے بعد لوگوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ مولد شریف کی زیارت کے لئے جاتے ہیں ان لوگوں میں تینوں مذاہب فقہ کے آئمہ' اکثر فقہاء اور اہل شہر شامل ہوتے ہیں ان کے ہاتھوں میں فانوس اور بڑی بڑی شمعیں ہوتی ہیں پھر وہاں مولد شریف کے موضوع پر خطبہ ہوتا ہے۔ (الجامع اللطیف صفحہ 201, 202)

16- شیخ محمد رضا مصری نے بھی اہل مکہ کے اس معمول کی تصریح کی ہے وہ کہتے ہیں کہ یوم میلاد کو حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے مولد مبارک کی زیارت کا مذکورہ بالا معمول آج تک چلا آ رہا ہے۔ انہوں نے مکان میلاد کی تاریخ بھی اسی طرح بیان کی ہے جیسے ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ (محمد رسول اللہ از محمد رضا صفحہ 31)

جشن میلادالنبی ﷺ

گزشتہ صفحات میں یہ واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ حضور انور، پیغمبراوّل وآخر واعظم نبی کریم روف ورحیم ﷺ کا جشن میلاد مبارک تو خالق کائنات، ربّ العالمین یعنی کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے خود منایا ہے اور یوں جشن میلاد النبی منانے کی کائنات میں تمام مخلوقات کو ترغیب دی ہے۔ ہم انس وجاں اللہ تبارک کی خاص اور ذی شعور مخلوق بھی اپنے اپنے شعور کے مطابق اس میں شامل ہوئے ہیں۔

آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کی شب جو بھی قدرت الٰہی کی کرشمہ سازیاں، عجائب قدرت الٰہی یا غیر معمولی مشاہدات کا ایک خاص شدت کے ساتھ وقوع پذیر ہونا جشن میلادالنبی ہی تو ہے۔

قارئین کرام کی تسلی اور شوق کی خاطر الٰہوہی، خدائی جشن میلادالنبی کا اس باب میں ایک دفعہ پھر مگر مختصراً ذکر کر دیا جائے گا۔

اللہ تبارک تعالیٰ کی سنت

اللہ تبارک تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء کرام کا یوم ولادت ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ انبیاء کرام باقی تمام نوع انسانی سے ہر طرح سے ممتاز اور برگزیدہ ہوتے ہیں۔ اور تمام ذی شعور مخلوق (انس وجان) سے اللہ تبارک تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے انبیاء کرام کا اتباع کیا جائے ان کا احترام واکرام کیا جائے۔

سورہ نساء کی آیت مبارک 64 میں مالک وخالق کائنات کا ارشاد پاک یوں ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝

ترجمہ: ''اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا، مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے''۔

(سورہ نساء آیت 64)

جو وہ فرمائیں اسے شوق وغور سے سنا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی رحمتوں، نوازشوں، عنایتوں، کرم نوازیوں کا ان کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق شکرادا کیا جائے اور رحمتوں، نعمتوں پر انفرادی

اور اجتماعی خوشی کا اظہار کیا جائے۔

درج ذیل آیات مبارک سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا وجود مسعود عالم انسانیت کے حق میں نعمت عظمیٰ ہوتا ہے۔ رشد و ہدایت کے سرچشمے ان ہی سے پھوٹتے ہیں۔ اس لئے اس کائنات ہست و بود میں ان کی تشریف آوری' مخلوق خدا پر اللہ کے احسانات میں سے ایک احسان عظیم ہے۔ ان کے یوم ولادت پر ان پر درود و سلام بھیجنا ایک طرح کی خوشی منانا' عزت افزائی کرنا' اللہ تبارک تعالیٰ کی سنت ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے یوم ولادت پر اللہ جل مجدہ نے قرآن حکیم میں ان پر سلام بھیجا ہے سورہ مریم آیت 15 میں خالق کائنات کا فرمان ہے۔

''(اللہ کی طرف سے) ان پر سلام ہو جس دن وہ پیدا ہوئے۔''

اور سورہ مریم آیت 33 میں مالک کائنات نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت پر خود ان کی اپنی زبان اقدس سے یہ کلمات کہلوائے گئے۔

''اور اللہ کی طرف سے مجھ پر سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا۔''

گویا انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا دن بارگاہ الواہیت میں خاص رحمت اور سلامتی کے دن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دن برگزیدہ ہستیوں پر درود و سلام کی کثرت کرنا امت کے لئے' بنی نوع انسان کے لئے واجب ہی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ یہ تو سنت ربّ العالمین بھی ہے اور اس کے ہمنوا ہو جانے سے تو یقینی ہمیں فلاح دارین نصیب ہوں گی۔

نعمتوں پر خوشی منانا سنت انبیاء ہے

نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی مختلف صورتیں بیان کرنے سے پہلے میں ایک حدیث مبارک پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے قارئین کرام پر یہ واضح ہو جائے گا کہ نعمتوں پر خوشی منانا انبیاء کرام کی سنت ہے اور ہمارے لئے نعمتوں پر خوشی منانا سنت پیغمبر اوّل و آخر واعظم ﷺ ہے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ محفل میلاد کا انعقاد بے اصل نہیں ہے بلکہ اس کے لئے سنت نبوی میں اصل موجود ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے یہ حدیث تحریر فرمائی جو صحیحین میں موجود ہے۔

''کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے تو یہودیوں کو پایا (یہودیوں کو دیکھا) کہ وہ عاشوراء کے دن روزہ رکھا کرتے۔ حضور پرنور ﷺ نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا یہ وہ دن ہے جس دن فرعون غرق ہوا اور موسیٰ علیہ السلام نے نجات پائی۔ ہم اللہ تبارک تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھتے ہیں۔ رحمت دو عالم پیغمبر اوّل و آخر واعظم ﷺ نے فرمایا! تم سے زیادہ ہم اس بات کے حق دار ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی نجات پر اللہ تبارک تعالیٰ کا شکر ادا

کریں۔"

(چنانچہ حضور نے خود بھی روزہ رکھا اور اپنی امت کو بھی ایک دن کے بجائے دو دن روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنی امت کے لئے مائدہ کی نعمت طلب کی تو یوں عرض کیا:

اے (ہمارے پروردگار) ہم پر آسمان سے خوان نعمت نازل فرما کہ ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے وہ عید (یعنی خوشی کا دن) بن جائے اور یہ خوان تیری طرف سے (تیری قدرت کاملہ کی) نشانی ہو۔ (سورہ مائدہ آیت 114)

قرآن مجید نے اس آیت میں نبی کی زبان سے یہ تصور دیا ہے کہ جس دن اللہ تبارک تعالیٰ کی نعمت اترے اس دن کو بطور عید منانا اس نعمت کے شکرانے کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔

یعنی کہ ہم رحمتوں نعمتوں کے نزول کے دن کو عید منائیں' اس کی تعظیم کریں خوشیاں منائیں۔ اپنے رب کی خوب عبادت کریں اس کے شکر گزار ہوں اور آیت مبارک میں یہ حکم ان سب کے لئے ہے جو اہل ایمان آپ کے ساتھ ہیں اور جو اہل ایمان آپ کے بعد آپ کی امت میں شامل ہیں' یعنی کہ سب مسلمانوں کے لئے ہے۔

عظیم ترین نعمت و رحمت

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فخر کائنات انسان کامل' سید المرسلین' خاتم النبیین' ہادیٔ دو جہاں' رحمۃ للعالمین حضور پُرنور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی تشریف آوری' ولادت باسعادت اللہ تبارک تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین (سب سے بڑی) رحمت ہے۔ اس لئے حضور انور ﷺ کی ولادت مبارکہ کے دن عید منانا' خوشی منانا' ہر سو خوشیاں بکھیرنا بانٹنا' میلاد شریف پڑھ کر شکر رب العالمین بجالانا اور اظہار مسرت' خوشی و سرور کرنا اچھا اور پسندیدہ فعل ہے اور رضائے الٰہی کے مطابق ہے اور اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔

اب آپ سرور کائنات' اصل الموجودات پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم روف و رحیم کے عظیم ترین نعمت و رحمت ہونے کو قرآنی آیات کی روشنی میں دیکھئے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ساری عظمتیں' شانیں' رفعتیں آپ ﷺ ہی کو عطا فرمائیں ہیں اور آپ حضور انور ﷺ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر اس کائنات میں بھیجا گیا ہے۔

سورہ نساء آیت 83 میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○

ترجمہ: - اور (اے مسلمانو!) اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے سوائے چند

ایک کے سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔(سورہ نساء آیت 83)

اس آیت کی تشریح میں اکثر ائمہ تفسیر نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہاں اللہ کے فضل اور رحمت کا اکٹھا ذکر آیا ہے۔اس سے مراد حضور پُر نور ﷺ کی ذات گرامی ہے۔اللہ تبارک تعالیٰ مسلمانوں سے مخاطب ہیں کہ اگر حضور انور ﷺ کی ذات گرامی مبعوث نہ ہوتی تو تم میں سے اکثر گمراہ ہو جاتے اور شیطان کے پیروکار بن کر تباہ و برباد ہو جاتے۔یہ محض اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ہدایت کی راہوں سے بھٹکی ہوئی انسانیت میں اپنا محبوب مبعوث فرمایا اور لوگ شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچ گئے۔اس رسول ﷺ نے آ کر کیا کیا' اس کی تصریح بھی خود قرآن حکیم فرما رہا ہے۔

سورہ جمعہ آیت 2 میں خالق و مالک کا ارشاد کریم ہے:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○

ترجمہ:-وہی (اللہ) ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اوران کو پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔اگرچہ یہ لوگ اس سے قبل صریح گمراہی میں (مبتلا) تھے۔(سورہ جمعہ آیت 2)

جس رسول ﷺ نے آ کر ان کفر وضلالت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو اللہ تبارک تعالیٰ کی آیات سنائیں اور اپنے اعجاز نظر سے ان کے باطن کے میل کچیل کو دور کیا' ان کے من کی دنیا کو صاف ستھرا فرمایا۔اس رسول مکرم و معظم ﷺ نے آ کر انہیں کتاب کی تعلیم دی اور حکمت کا نور عطا فرمایا اور اس کے طفیل خوش نصیب انس و جان قدرت کی معرفت اور ہدایت الٰہی جیسی نعمتوں سے مستفید ہوئے۔ورنہ اس سے پہلے تو بنی نوع انسان کھلی گمراہی کا شکار تھی۔

اس سے اگلی آیت میں اللہ تبارک تعالیٰ نے قیامت تک آنے والی نسل انسانی کو آپ ﷺ کے اس فیض رسالت میں شامل کیا' اور پھر اللہ تبارک تعالیٰ نے حضور ﷺ کے اس طرح مبعوث فرمائے جانے کو اپنا فضل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی کرم نوازی سے مندرجہ ذیل آیت مبارک میں اپنے ''فضل'' کی اور تصریح کر دی ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرما دیا ہے کہ فضل بسبب حبیب خدا ہے اور اللہ ہی بڑے فضل والا ہے۔

سورہ حدید آیت 21 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد پاک ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○

ترجمہ: ''بڑھ کر چلو اپنے ربّ کی بخشش اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی جیسے آسمان وزمین کا پھیلاؤ۔ تیار ہوئی ہے ان کے لئے جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔'' (سورہ حدید آیت 21)

بے شک مومنوں پر اللہ تبارک تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے محبوب خاص، پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم ﷺ کی معرفت کے سبب، ہم گنہگار، ظلمت وگمراہی میں پڑے ہوئے لوگ بھی اس قابل ہو گئے کہ اپنے ربّ کا فضل حاصل کریں یعنی کہ عذاب دوزخ سے بچ جائیں اور جنت میں ابدی راحتوں سے ہمکنار ہوں اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ جس کو اس دنیا میں اتباع رسول کریم ﷺ سے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے یا پھر آپ ﷺ کی شفاعت کریم سے۔ اس کے حاصل کرنے کا کوئی اور طریقہ ذریعہ یا وسیلہ نہیں ہے۔

سورہ جمعہ آیات 3, 4 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

ترجمہ: ''اور (یہ فضل) ان میں سے دوسرے بعد کے لوگوں کے لئے بھی ہے جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے اور وہی زبردست حکمت والا ہے یہ (محض) اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے''۔ (سورہ جمعہ آیات 3 اور 4)

یہاں اللہ تبارک تعالیٰ نے حضور ﷺ کو پہلے آیت 2 میں ''رسول'' کہا ہے بعدازاں اس نعمت رسالت کو ''فضل'' سے تعبیر فرمایا ہے اور آخر میں اسی کو ''فضل عظیم'' قرار دیا ہے۔

اور اللہ تبارک تعالیٰ نے اس فضل عظیم کو سورہ انبیاء آیت 107 میں رحمۃ للعالمین فرمایا ہے یعنی کہ تمام کائناتوں، تمام مخلوقات کے لئے آپ ﷺ رحمت ہی رحمت ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورہ انبیاء آیت 107)

''اور ہم نے (اے محبوب ﷺ) آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے سراسر رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

گویا حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی ذات گرامی ہی اللہ تبارک تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے، سب سے بڑا فضل ہے اور سب سے بڑی رحمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے حضور پرنور ﷺ کی ولادت اور بعثت کو اہل ایمان پر اپنا احسان عظیم قرار دیا ہے۔

سورہ آل عمران آیت 164 میں خالق ومالک کائنات کا فرمان ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

"بیشک اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے (اپنا برگزیدہ) رسول مبعوث فرمادیا ہے۔ جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور (رسول ﷺ کے آنے سے) قبل تو یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے"۔

(آل عمران آیت 164)

نعمتوں پر شکر گزار ہونے کا حکم

اللہ تبارک تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہم اس کی ناشکری نہ کریں۔ سورہ رحمٰن میں اپنی مختلف نعمتوں رحمتوں' کرم نوازیوں' عنایتوں کا ذکر پاک کر کے ہم انس و جاں سے بار بار پوچھا گیا ہے کہ پھر تم اپنے ربّ کی کون کون سے عنایتوں' کرم نوازیوں رحمتوں نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

اللہ تبارک تعالیٰ نے ہر نعمت کا شکر ادا کرنا ضروری قرار دیا ہے اور اپنی نعمتوں کو دل سے یاد رکھ کر ان پر اظہار تشکر کا حکم صادر فرمایا ہے۔ قرآن حکیم کی کئی آیات مبارک اس کی شہادت فراہم کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ آل عمران کی آیت 103 میں یہ فرمایا گیا:

اپنے اوپر (کی گئی) اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے۔ پھر اس نے تمہارے قلوب میں الفت و محبت ڈال دی پس تم اس رحمت الٰہی سے بھائی بھائی بن گئے۔

(سورہ آل عمران آیت 103)

اللہ تبارک تعالیٰ کی یہ نعمت جس نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور باہم خون کے پیاسوں کو ایک دوسرے کا غم خوار بھائی بنا دیا۔ ان کی نفرتوں اور عداوتوں کو محبتوں اور مرتوں سے بدل دیا۔ یہ بھی حضور پُر نور ﷺ کی بعثت کے تصدق میں (کے سبب) نصیب ہوئی۔ اس نعمت کا مبدا و مرجع بھی آپ ﷺ کی ذات گرامی ہے:

آپ ﷺ کا تشریف لانا تھا اور لوگوں کا آپ ﷺ کے حلقہ غلامی میں داخل ہونا تھا کہ سب لوگ خواہ اس سے پہلے دشمن تھے یا انجان باہم شیر و شکر ہو گئے۔

یہ احکام شکر گزاری سابقہ امتوں کے لئے بھی تھے

نعمتوں کو یاد کر کے ان پر شکر بجالانا نہ صرف امت محمدی ﷺ پر واجب ہے بلکہ سابقہ امتوں کو بھی اس کا حکم دیا جاتا رہا۔ جس طرح بنی اسرائیل سے سورۂ بقرہ کی آیت 43 میں فرمایا گیا:

اے بنی اسرائیل میرے وہ احسانات یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور (اس خصوصی نعمت کو بھی کہ) میں نے تم کو عالمین پر فضیلت دی۔ (سورہ بقرہ آیت 47)

اس ایت مبارکہ کے بعد قیامت کی ہولناکیوں سے باخبر کرتے ہوئے اللہ تبارک تعالیٰ پھر اپنے احسانات گنوا گنوا کر انہیں اپنی نعمتوں کے تذکرے کا حکم دے رہا ہے۔

سورہ بقرہ آیت 49 میں ارشادِ حاکم الحاکمین یوں ہے:

وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ○

اور اے آل یعقوب اپنے قومی تاریخ کا وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے رہائی دی۔ جو تمہیں سخت عذاب دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے ربّ کی طرف سے بڑی بلا تھی۔ (سورہ بقرہ آیت 49)

قرآن حکیم نے اس آیت مبارکہ میں قومی آزادی کو ایک نعمت قرار دیا ہے اس لئے بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ وہ فرعون سے حاصل ہونے والی اس آزادی پر اللہ تبارک تعالیٰ کا شکر بجالائے۔

شکر بجالانے کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی نعمت ہر وقت یاد رہے' اسے ہر لمحہ اور ہر گھڑی اس نعمت کا احساس ہو اور کسی لمحے بھی اللہ تبارک تعالیٰ کی اس نعمت کا تصور اس کے دل و دماغ سے محو نہ ہونے پائے۔ تاکہ ہر گھڑی بندے کا دل اللہ کے شکر کی کیفیت سے معمور رہے۔' مگر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سال بھر یاد رکھنے کے باوجود جب گردش ایام کے بعد وہی دن اور وہی وقت پلٹ کر آتا ہے تو وہ خوشی خود بخود غیر شعوری طور پر کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے اگر کسی تہوار کو ایک سال بعد پورے تزک و اہتمام' عقیدت و پر خلوص احترام کے ساتھ منظم طریقے سے منایا جائے یا اس وقت بطور خاص اس نعمت کو یاد کیا جائے تو خوشی و مسرت میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔

زندہ قومیں

زندہ قومیں اپنے رب کی نعمتوں کو کبھی نہیں بھولیتں۔ وہ اپنے ربّ سے ڈرتی ہیں اسی لئے زندہ قومیں کہلاتی ہیں اور زندہ قوموں کی یہ خاصیت ہے کہ وہ اپنے ربّ کے احسان و نعمتوں کو ان کے شایان شان طریقے سے سال کے سال ضرور مناتے ہیں۔

نعمت کے شکرانے کے طور پر باقاعدگی اور اہتمام سے خوشی و مسرت کا اظہار کرنا اس لئے بھی قوموں پر لازم ہو جاتا ہے تاکہ آئندہ کی نسلوں پر بھی اس دن کی اہمیت واضح ہو سکے۔ اگر ہم خدا کے احسانات پر شکر ادا نہیں کرتے اور اپنی تاریخ کے اہم واقعات کو اچھی روایات کے ساتھ آئندہ نسلوں تک منتقل نہیں کر سکتے تو بعید نہیں کہ آنے والی نسلیں اللہ کے ان احسانات سے بھی بے خبر ہو جائیں اور ان کی نظروں سے اس دن حاصل ہونے والی نعمت کی قدر و منزلت بھی محو ہو جائے۔

اس لئے شکر الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ سال بھر تو عام شکر بجالایا جاتا ہے لیکن جب وہ دن آئے جس دن وہ نعمت ملی تھی اس دن شکر کے ساتھ ساتھ اور خوشیاں بھی شامل ہو جائیں اور وہ خود بخود ایک منظم اور بابرکت' پر خیر' جشن ہو جائے تاکہ آئندہ نسلوں پر اس دن کی حقیقت کھل کر واضح ہو جائے۔

درج ذیل سورہ بقرہ کی آیت 57 میں اللہ تبارک تعالیٰ امت موسیٰ کو اپنی خاص نعمتیں اور احسان کی یاد دلا رہا

ہے کہ وہ ہمہ وقت ان کے لئے شکر گزار رہوں۔

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○

ترجمہ: اور (یاد کرو جب تم فرعون کے غرق ہونے کے بعد شام کو روانہ ہوئے اور میدان تھیہ میں سرگرداں پھر رہے تھے) تو ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تمہارے لئے من وسلویٰ اتارا۔''

(سورہ بقرہ آیت 57)

اے بنی اسرائیل! جب تمہیں فرعون مصر کی غلامی سے نجات ملی اور دریائے نیل سے گزار کر تمہیں سینا کی وادیوں میں پہنچایا' تو وہاں سخت دھوپ تھی۔ اللہ نے چاہا کہ جہاں تمہیں اتنی نعمتیں عطا کی ہیں وہاں ایک مہربانی یہ بھی کرے کہ تمہیں سایہ نصیب ہو۔ تو بادلوں کو حکم دیا کہ وہ تم پر سائبان کی صورت میں سایہ زن ہو جائیں۔ سبحان اللہ یہ ایک کتنی بڑی نعمت ہے اور احسان عظیم ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے من وسلویٰ کی نعمت نازل کی۔ اللہ اکبر' ایک اور کتنا عظیم احسان عظیم اور نعمت کبریٰ کہ کھانا بنا بنایا ملے' اس کے حصول کے لئے کوئی محنت و مشقت نہیں اور اللہ کریم کی کرم نوازی کہ یہ فرمایا جارہا ہے کہ اس کو بطور نعمت عمر بھر یاد رکھا جائے اور اس پر اللہ کی بارگاہ میں شکر بجالایا جائے۔

الغرض قرآن نے بیشتر مقامات پر اللہ رب العزت کی خاص خاص نعمتوں کو ان خاص ایام کے حوالے سے یاد رکھنے کا حکم دیا ہے۔

شکر بجالانے کی مختلف صورتیں

اللہ تبارک تعالیٰ کے شکر بجالانے کے احکام وہدایات کی کئی مثالیں بیان کی جاچکی ہیں۔ اب اختصار کے ساتھ نعمتوں پر شکر بجالانے کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہیں جن کی سند بھی قرآن حکیم نے ہی فراہم کی ہے۔

1- اعتراف نعمت

قرآن مجید نے نعمتوں کا شکر بجالانے کی پہلی صورت یہ بیان کی ہے کہ اللہ کی رحمت اور اس کی نعمت کو یاد رکھا جائے' جیسا کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل پر کی گئی نعمتوں کے تذکرے میں ہم نے سورہ بقرہ کی یہ آیت بیان کی ہے:

''اے بنی اسرائیل یاد کرو میری وہ نعمتیں جو میں نے تم پر کیں۔'' (سورہ بقرہ آیت 47) اسی طرح سورہ آل عمران کی یہ آیت بھی ضمناً اوپر آچکی ہے جہاں اللہ نے بنی نوع انسان کو حکم دیا کہ وہ اس کی نعمت کو یاد کریں:

''اپنے اوپر کی گئی اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے پھر اس نے تمہارے قلوب میں الفت ومحبت ڈال دی۔ پس تم اس رحمت الٰہی سے بھائی بھائی بن گئے۔''

(سورہ آل عمران آیت 103)

2- ذکر نعمت

نعمت کا شکر بجا لانے کی دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اللہ تبارک تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا اظہار کرے' خوشی کے ساتھ ان کا تذکرہ کرے اور اس نعمت کا ذکر مخلوق میں عام کرے۔ ذکر نعمت کے طریقوں میں اظہار شکر کے لئے جملہ طاعات وعبادات بھی داخل ہیں۔

سورہ ضحیٰ آیت 11 میں حاکم احالمین نے یوں ارشاد فرمایا ہے۔

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ۝ (سورہ ضحیٰ آیت 11)

ترجمہ: اور آپ کے پروردگار نے جو آپ کو نعمت عطا فرمائی ہے اس کا بیان کرتے رہیں۔

نعمت الٰہی کا چرچا کرنا بھی شکر بجا لانے کی ایک صورت ہے۔

پہلے ذکر نعمت کا حکم دیا گیا جس کا معنی یہ ہے کہ اس نعمت کو اپنے دل میں یاد رکھا جائے اور زبان سے ذکر کیا جائے۔ لیکن وہ ذکر لوگوں کے لئے نہیں صرف اللہ کے لئے تھا اور جب تحدیث (اجتماعی طور پر شکر ادا کرے) نعمت کا حکم ہوا کہ کھلے بندوں اس نعمت کا تذکرہ کرو تو اس کا مفہوم یہ ہے' مخلوق خدا کے سامنے اس کو بیان کرو تا کہ خلق خدا میں اس کا چرچا ہو اور اس کی خوشبو ہر طرف پھیلے۔ اور دوسرے اہل ایمان بھی اس خوشی میں شریک ہوں ''تحدیث'' میں اجتماعیت پیدا ہو جاتی ہے اور پوری قوم اس ذکر میں شریک ہوتی ہے اور یوں اس نعمت کی اہمیت انفرادی سطح کے علاوہ قومی وملی سطح پر بھی اجاگر ہو جاتی ہے۔

3- عید منانا

ذکر نعمت اور تحدیث نعمت کے علاوہ اللہ تبارک تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی عنایات کریمانہ پر شکر کے اظہار کی تیسری صورت یہ ہے کہ اس خوشی کا اظہار جشن اور عید کے طور پر کیا جائے۔

پہلی امتوں میں بھی ادائے شکر کا یہ طریقہ تھا جس کا ذکر گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے کہ یہ حکم الٰہی اور سنت انبیاء ہے' جس دن اللہ کی کوئی خاص نعمت میسر آئے تو سابقہ امتیں اس دن کو بطور عید مناتی تھیں۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یوں ملتجی ہوئے۔

''اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے خوان نعمت نازل فرما تا کہ ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے وہ دن یوم عید بن جائے۔'' (سورہ مائدہ آیت 114)

4- اجتماعی ملی اظہار تشکر

اظہار تشکر کے طور پر خوشی اور جشن منانا نعمت کے شکرانے کی چوتھی صورت ہے بشرطیکہ اس میں کوئی خلاف شرع عنصر شامل نہ ہو۔

سورہ یونس آیت 58 میں ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

''آپ فرمادیں کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث اس پرخوشی مناؤ۔ یہ خوشی منانا' ان چیزوں سے' جو وہ جمع کر رہے ہیں کہیں بہتر ہے۔''

اس آیت مبارک میں حصول فضل ورحمت کی تمام صورتوں پرخوشی اور جشن منانے کا حکم ہے۔

فرح' کسی پیاری اور محبوب چیز کے پانے سے دل کو جولذت حاصل ہوتی ہے اسے فرح کہتے ہیں۔معنی یہ ہیں کہ ایمان والوں کو' زندہ قوموں کو اللہ کے فضل ورحمت پر دلی خوشی ہونی چاہیے اور قرآن وسنت کی حدود میں رہتے ہوئے اس دلی خوشی کا' عید یا جشن عید کی طرح اظہار بھی ہونا چاہیے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی رحمت ونعمت عظیم (میلاد مبارک' میلاد باسعادت) کی خوشی کو قرآن وسنت کی حدود میں رہتے ہوئے جشن عید کی طرح منانا ربّ العالمین کو پسند ہے۔

امت مسلمہ کے لئے غور کا مقام

الحمدللہ! ہم مسلمان ایک زندہ قوم ہیں۔قرآن حکیم نے ہمیں بہترین امت اس بنا پر قرار دیا ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر برائی سے روکتے ہیں اور بھلائی کی تلقین کرتے ہیں' ترغیب دیتے ہیں۔اور ہم مسلمانوں پر اللہ تبارک تعالیٰ کی یہ کرم نوازی رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت خاص اور اس سے نسبت کی وجہ سے ہے ورنہ مجموعی طور پر تو ہم مسلمانوں کی زندگی کے ہر پہلو میں برا حال ہے۔

اور برا حال کیوں نہ ہو ہم نے دین متین میں نفاق کی نئی نئی راہیں نکالی ہیں اور دین ومذہب میں کوتاہ بینی کے سبب انتشار کا شکار ہیں اور پستی کی طرف مائل ہیں۔

امت مسلمہ کی بڑی بدقسمتی ہے کہ جس کا جی چاہتا ہے وہ بلاسوچے سمجھے اپنی کوتاہ بینی کے سبب جشن میلاد النبی جیسی خیر بخش' بابرکت اور اللہ تبارک تعالیٰ کی خوشنودی چاہنے والی' راحت بخش مقدس تقریب کو بھی بدعت قرار دے دیتا ہے جب کہ عید میلاد النبی یا جشن میلاد النبی' اگر وہ بدعت بھی ہے تو قرآن حکیم کی رو سے بھی واضح' درخشاں' روزِروشن کی طرح عیاں ''بدعت حسنہ'' ہے جو کہ اللہ تبارک تعالیٰ جلہ شانہ کی رضا ہے۔(اس حقیقت کو کہ جشن میلاد النبی بدعت نہیں ہے اس باب میں خوب واضح کر دیا جائے گا)

اس کو شاندار' شایانِ شان طریقے سے منانے میں کیا عجب بات ہے؟ کیا انوکھی بات ہے؟ عید میلاد النبی تو خاص طور پر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ میں اور عام طور پر تمام اسلامی ممالک میں روزِ اوّل سے منائی جارہی ہے۔آپ اس کے انعقاد کے بارے میں گزشتہ باب ''مقام ولادت' مکان مقدس'' کے تحت بہت کچھ پڑھ آئے ہیں اور ابھی اسی موضوع کے تحت آگے پڑھیں گے کہ مختلف اسلامی ممالک میں عید میلاد النبی' جشن عید میلاد النبی ہزاروں سال

پہلے سے بڑے جوش وجذبہ عقیدت واحترام کے ساتھ بہت شایانِ شان طریقے سے منایا جاتا رہا ہے اور منایا جا رہا ہے۔

جشن عید میلاد النبی کے انعقاد میں، عید میلاد النبی کو شایانِ شان طریقے سے منانے میں کوئی انوکھی بات نہیں، کوئی عجب بات نہیں۔ ہاں اس سے متعلق اگر کوئی عجب بات ہے تو وہ اس کا شایانِ شان طریقے سے نہ منانا ہے، اس کے نہ منانے کے حق میں فرسودہ، بیہودہ اور غیر منطقی دلائل دینا، بات کرنا ہے۔

قارئین کرام گزشتہ صفحات میں قرآنی آیات کریمہ سے آپ نے یہ جان لیا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے انبیاء کرام کے یوم ولادت پر سلام بھیجتا ہے۔

حضور پُرنور نبی کریم روف ورحیم ﷺ

تحفہ ربّ کریم ہیں

رحمۃ للعالمین ہیں

احسان عظیم ہیں،

فضل عظیم ہیں

نعمت بیکراں ہیں

آپ نے قرآن حکیم کی آیات مبارکہ کے حوالہ سے یہ بھی جان لیا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی نعمتوں، رحمتوں کے لئے تہ دل سے اور شوق سے شکرگزار ہونا اللہ تبارک تعالیٰ کی رضا ہے۔

آیئے اب سورہ مائدہ کی آیت مبارک 14 کے حوالہ سے بات کرتے ہیں۔

یہاں مائدہ کی نعمت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت کو عید منانے کا حکم فرماتے ہیں جبکہ آمد مائدہ کی فخر کائنات اصل الموجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد سے کیا نسبت ہے۔ کہاں آسمانی کھانوں کے دسترخوان کا اترنا اور کہاں مقصود تخلیق کائنات ﷺ کا دنیا میں تشریف لانا۔ جب عمومی نعمتوں کے نزول پر عید منانا انبیاء علیہم السلام کی سنت اور اللہ کے حکم کی پیروی قرار پائی تو اس نعمت عظمٰی کے حصول پر یہ امت عید سعید کیوں نہ منائے جس کے توسط سے کائنات ہست وبود کو یہ ساری نعمتیں عطا ہوئی ہیں۔

پھر ہمارے نبی ﷺ تو رحمۃ للعالمین ہیں، خاتم النبیین ہیں یعنی کہ آپ ﷺ کے دین نے، آپ ﷺ کی رحمت نے، آپ ﷺ کی کرم نوازیوں نے، آپ ﷺ کی کرم نوازشوں نے، آپ ﷺ کی عنایتوں نے تو قیامت تک جاری وساری رہنا ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ انبیاء کرام کے یوم ولادت پر سلام بھیجتا ہے اور حضور پُرنور پیغمبر اول وآخر واعظم نبی کریم روف ورحیم ﷺ کی ذات اقدس پر اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے فرشتے شب وروز درود وسلام

کہتے ہیں، بھیجتے ہیں۔ (سورہ احزاب آیت 56)

قارئین کرام! ذرا غور کیجئے کہ

جب یہ شرف دیگر انبیاء علیہم السلام کے ایام ولادت کو حاصل ہے، تو یوم ولادت مصطفیٰ ﷺ کے شرف و کمال کا کیا عالم ہوگا جس ہستی پر اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے فرشتے ہر وقت درود و سلام بھیجتے ہیں۔ اور خالق و مالک کائنات اہل ایمان کو تاکیداً'' آپ حضور پُرنور ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیتا ہے۔

قصہ کوتاہ! اب آپ خود ہی اندازہ کریں کہ حضور پُرنور ﷺ کے جشن میلاد مبارک کی نوعیت کیا ہونی چاہیے؟

اس بنا پر حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی آمد کی نعمت پر ذکر نعمت بھی ہونا چاہیے اور تحدیث نعمت بھی۔ اس پر فرحت و مسرت بھی ہونی چاہیے اور انعقاد بھی۔ الغرض تشکر نعمت کی جتنی صورتیں بھی مذکور اور ثابت ہیں۔ حضور انور نبی کریم روف ورحیم ﷺ کی ولادت کے لئے سب کا جمع کیا جانا لازمی ہے۔

جب عام دنوں میں یہ احکام فرح وسرور اس طرح تاکیدی و وجوبی نوعیت کے ہیں تو خاص طور پر یوم میلاد میں یہ کس قدر اہمیت و فضیلت کا حامل ہوگا۔ اس لئے امت مسلمہ پر لازم ہے کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے انفرادی و اجتماعی سطح پر اس مبارک دن کی آمد پر اظہار تشکر کر کے محافل میلاد کا انعقاد کرے، صدقات و خیرات کی کثرت کرے تاکہ ولادت مصطفیٰ ﷺ کی صورت میں اللہ تبارک تعالیٰ کے عظیم احسان پر اس کی بارگاہ میں شکر بجا لایا جاسکے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس دن کثرت سے حضور ﷺ پر درود و سلام پڑھنا چاہیے جو کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی خاص سنت ہے۔

جشن میلاد النبی ﷺ کا خدائی اہتمام

اللہ تبارک تعالیٰ نے خود ولادت محمدی ﷺ کے موقع پر بزم کائنات میں جشن کا سماں پیدا فرمایا۔ تاکہ میلاد النبی مصطفیٰ ﷺ کی خوشی اور جشن سنت اللہ قرار پا جائے۔ اس کی تفصیلات اس باب کے شروع میں گزر چکی ہیں، یہاں ہم صرف اشارات سے کام لیتے ہیں۔

1- شب ولادت تمام ملائکہ امر الٰہی سے نیچے اتر کر ایک دوسرے کو مبارک دینے لگے۔

2- شب ولادت قریش مکہ کے سب جانوروں کو بھی میلاد مصطفیٰ ﷺ کی خوشی کے اظہار کے لئے زبان دے دی گئی۔

3- شب میلاد آسمانوں پر زبرجد اور یاقوت کے مینار بنا کر روشن کئے گئے۔ جو شب معراج حضور ﷺ کو دکھائے گئے اور بتایا گیا کہ یہ آپ کی ولادت کی رات سے روشن ہیں۔

4- شب میلاد جنت میں نہر کوثر کے کناروں پر ستر ہزار عطر بیز درخت اگائے گئے اور انہیں پھلوں سے لادا گیا۔

5- مشرق و مغرب تک پوری زمین بقعہ نور بنا دی گئی۔ حتیٰ کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے شام کے محلات تک دیکھ

لئے۔

6- وقت ولادت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو مبارکبادی کا جنتی مشروب پلایا گیا۔
7- ہزارہا فرشتوں کو بھی استقبال پر مامور کر دیا گیا۔
8- مشرق و مغرب اور کعبہ کی چھت پر پرچم لہرا دیئے گئے۔
9- ستر ہزار حوران بہشت کو استقبال کے لئے فضا میں نیچے اتارا گیا اور ان میں سے کئی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر مامور کی گئیں۔
10- آسمان اور جنت کے سب دروازے کھول کر عالم بالا کو خوشبوؤں سے مہکا دیا گیا۔
11- ولادت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ستاروں کو نیچے اتار کر دنیا میں چراغاں کیا گیا۔
12- جنتی پرندے بھی استقبال کے لئے نیچے اتارے گئے۔
13- وقت ولادت پہاڑوں، دریاؤں اور سمندروں نے بھی اپنے اپنے حال و انداز میں خوشیاں منائیں پہاڑوں کی چوٹیاں معمول سے زیادہ بلند ہو گئیں دریاؤں اور سمندروں کی سطح تموج کے ساتھ خاصی اونچی ہو گئی اور سمندری مخلوق نے بھی ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔
14- یوم میلاد سورج کو بھی غیر معمولی نور سے نوازا گیا۔
15- میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں عرب کے درخت پھلوں سے لاد دیئے گئے سوکھے ہوئے کھیت ہرے بھرے ہو گئے اور قحط کو ہریالی و شادابی سے بدل دیا گیا۔
16- ولادت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں اللہ تبارک تعالیٰ نے سال بھر عرب کی عورتوں کو بیٹے عطا فرمائے۔تاکہ اس سال جاہلی عرب کے ظالمانہ دستور کے مطابق کوئی بیٹی ناحق قتل نہ ہو۔

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا میلاد منایا

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الحاوی للفتاویٰ میں اس موضوع سے متعلق ایک مکمل باب ''حسن المقصد فی عمل المولد'' کے نام سے رقم کیا ہے جس میں انہوں نے اس بات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا میلاد منایا، اس لحاظ سے یہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ مدنی دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکرے ذبح کر کے فقراء و مساکین کو کھلائے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ کیا تھا۔اس رائے کو رد کرتے ہوئے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تصریح فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیقہ ان کے دادا حضرت عبدالمطلب کر چکے تھے اور عقیقہ دوسری مرتبہ نہیں ہوتا۔

عقیقہ زندگی میں دوبارہ نہیں کیا جاتا اس لئے اس (صدقے) کو اس حقیقت پر محمول کیا جائے گا کہ حضور پُر نور

نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے یہ اظہارِ شکر کے لئے کیا' اس بات پر کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنایا۔ اور مزید یہ کہ اپنی امت کے لئے اس امر کو مشروع بنانے کے لئے کیا جس طرح کہ حضور پُر نور پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ اپنی ذات پر خود بھی درود پڑھا کرتے تھے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر ہمارے لئے مستحب ہے کہ ہم بھی آپ ﷺ کے میلاد پر اظہارِ مسرت و شکر کریں۔ (الحاوی للفتاویٰ جلد 1 صفحہ 196)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یوم ولادت کی اہمیت کی ترغیب

حضور ﷺ نے خود بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یوم میلاد پر اللہ تبارک تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی' آپ خود ہر پیر کو تشکراً (اظہارِ شکر کے لئے) روزہ رکھا کرتے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس روزہ سے (سوموار والے دن کے روزہ) کے متعلق دریافت کیا تو آپ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اس روز میری ولادت ہوئی' اور اسی دن مجھ پر وحی الٰہی نازل ہوئی۔ (میں اللہ تبارک تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہوں۔) (صحیح مسلم بحوالہ الحاوی للفتاویٰ للسیوطی جلد 1 صفحہ 194)

میلاد مصطفیٰ ﷺ کی خوشی پر اخروی اجر

میرے خیال سے تو جشن میلاد النبی کی اہمیت' افادیت سمجھانے کے لئے اور اسے شایانِ شان طریقے سے منانے کیلئے' ترغیب دینے کے لئے درج ذیل حدیث پاک ہی کافی ہے لیکن پھر یہاں وہی مسئلہ پیش آ جاتا ہے کہ اللہ جس کو سمجھ دے' اللہ سمجھ دے تو۔ اب ایسے ناسمجھ لوگوں کا کیا کیا جائے؟ اس خیال سے اس معاملہ کو' اس موضوع کو اتنی تفصیل سے بیان کیا ہے کہ شاید یہ لوگوں کے دلوں' دماغوں میں گھر کر جائے اور وہ اپنی عاقبت بنالیں۔

حدیث' صحیح بخاری

ابولہب کی ایک لونڈی تھی۔ جس کا نام ثویبہ تھا۔ وقت ولادت ابولہب نے اسے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر بھیجا کہ جاؤ میرے بھائی عبداللہ کے گھر ولادت ہونے والی ہے میری بھاوج آمنہ کی خدمت کرو۔ جب حضور پُر نور ﷺ کی ولادت ہوگئی تو ثویبہ دوڑتی ہوئی ابولہب کے پاس گئی اور کہا کہ آپ کو مبارک ہو اللہ تبارک تعالیٰ نے تمہارے بھائی کے گھر بیٹا عطا کیا ہے۔ اپنے بھتیجے' محمد ﷺ کی پیدائش کی خوشی میں ابولہب نے ہاتھ کی دو انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے' ثویبہ کو آزاد کر دیا۔

صحیح البخاری کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے اہل خانہ میں سے کسی نے اسے بہت برے حال میں دیکھا تو اس سے پوچھا کیسے ہو؟ ابولہب نے کہا میں سخت عذاب میں ہوں' اس سے کبھی چھٹکارہ نہیں ملتا۔ ہاں مجھے (اس عمل کی جزا کے طور پر) کچھ سیراب کیا جاتا ہے کہ میں نے (حضور پُر نور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں) ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب النکاح جلد 2 صفحہ 764)

اسی واقعہ کو عظیم محدث ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے:

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابولہب مرگیا تو میں نے اس کو ایک سال بعد خواب میں بہت برے حال میں دیکھا اور یہ کہتے ہوئے پایا کہ تمہاری جدائی کے بعد آرام نصیب نہیں ہوا بلکہ سخت عذاب میں گرفتار ہوں لیکن ہر سوموار کو میرے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔

(فتح الباری شرح البخاری ابن حجر عسقلانی جلد 9 صفحہ 145)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ خود اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں:

عذاب میں تخفیف کی وجہ یہ تھی کہ سوموار کے دن پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی اور ثویبہ نے ابولہب کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو اس نے اسی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔ (فتح البخاری شرح بخاری ابن حجر عسقلانی جلد 9 صفحہ 145)

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی،

پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

جب ابولہب جیسے کافر کا یہ حال ہے، جس کے بارے میں قرآن میں مذمت نازل ہوئی، کہ اس کو حضور پُر نور پیغمبر اوّل و آخر و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد کی رات خوشی کرنے پر یہ جزا (عذاب سے تخفیف) دی جاتی ہے تو اس موحد مسلمان امتی کی جزا کا کیا حال ہوگا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کی خوشی مناتا ہے۔

(مختصر سیرۃ الرسول صفحہ 13 مکتبہ علمیہ لاہور 1979)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کے تحت رقمطراز ہیں۔

یہ روایت موقعہ میلاد پر خوشی منانے اور مال صدقہ کرنے والوں کے لئے دلیل اور سند ہے۔ ابولہب جس کی مذمت قرآن حکیم میں فرمائی گئی ہے، جب وہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں لونڈی آزاد کر کے عذاب میں تخفیف حاصل کر لیتا ہے، تو کیا مقام ہوگا اس مسلمان کا جس کے دل میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجزن ہو اور ایسے موقع پر خوشی کا اظہار کرے؟ ہاں عوام کی ایجاد کردہ بدعات مثلاً ناچ گانے اور محرمات و منکرات سے اجتناب ضروری ہے کیونکہ ان کے ذریعے ان کی وجہ سے انسان میلاد کی برکت سے محروم ہو جاتا ہے۔

(مدارج النبوۃ جلد 2 صفحہ 19)

امت مسلمہ صدیوں سے اللہ تبارک تعالیٰ کے اس نعمت عظمیٰ پر اپنے شکر و خوشی کے جذبات کا اظہار کرتی رہی ہے۔ ہر سال ہر اسلامی ملک کے ہر چھوٹے بڑے گاؤں اور شہر میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان راتوں اور ان دنوں میں ذکر و فکر کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں جن میں اللہ تبارک تعالیٰ کی شان کبریائی اور اس کے محبوب مکرم شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفعت و دلربائی کے تذکرے کیے جاتے ہیں۔ سامعین کو اس دین متین کے احکامات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ علماء تقریریں کرتے ہیں، ادباء مقالے پڑھتے ہیں، شعراء اپنے منظوم کلام

سے اظہار عقیدت ومحبت کرتے ہیں' صلوٰۃ وسلام کی روح پرور صداؤں سے ساری فضا معطر اور منور ہو جاتی ہے۔ اہل خیر کھانے پکا کر غرباء ومساکین میں تقسیم کرتے ہیں۔ صدقات وخیرات سے ضرورت مندوں کی جھولیاں بھر دیتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ گلشن اسلام میں از سر نو بہار آ گئی ہے۔

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تصنیف ''شرح المواہب'' کی جلد کے صفحہ 139 میں فرمایا ہے کہ اہل اسلام (مسلم امہ) ان تین ابتدائی ادوار (قرون ثلاثہ) جن کو نبی کریم ﷺ نے خیر القرون فرمایا ہے' کے بعد سے ہمیشہ میلاد النبی (کے ماہ کے دن) کے اعزاز میں محافل میلاد' جشن میلاد یا عید میلاد منعقد کرتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ مزید فرماتے ہیں کہ یہ عمل اگر چہ بدعت ہے مگر بدعت حسنہ ہے جیسا کہ امام سیوطی نے بھی فرمایا ہے۔ اس ماہ مبارک کو اعمال صالحہ، صدقہ وخیرات کی کثرت اور دیگر اچھے کاموں کے لئے خاص کر دینا چاہیے اور حافظ ابو خطاب بن دحیہ کا بھی یہی موقف ہے جنہوں نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بنام ''التنویر فی المولد البشیر و النذیر'' تالیف فرمائی جس پر اربل کے بادشاہ مظفر شاہ نے انہیں ایک ہزار دینار بطور انعام پیش کیا۔

(شرح المواہب زرقانی جلد 1 صفحہ 139)

قارئین کرام!

محافل میلاد' جشن میلاد مبارک ماہ ربیع الاول کے دوران اور خاص طور پر بارہ ربیع الاول کو تقریباً تمام مسلم ممالک (ساری امت مسلمہ) میں منعقد کی جاتی ہیں۔ ابتدا میں مصر' شام' شمالی عراق اربل' اندلس جزائر وتلمسان مکہ مدینہ اور عجم کے دیگر بلاد جشن میلاد النبی منانے میں' محافل میلاد منعقد کرنے میں پیش پیش تھے۔ مندرجہ بالا ملکوں' ریاستوں' سلطنتوں' شہروں میں محافل میلاد کا انعقاد بڑے پیمانے پر ہوتا رہا ہے۔

سبط ابن جوزی نے اپنی تصنیف ''مراۃ الزمان'' میں بادشاہ کا اپنی سلطنت اربل میں محافل میلاد منعقد کرانے کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

جزائر کے سلطان ابو حمو موسیٰ بڑے اہتمام سے شب میلاد منایا کرتے تھے۔

سلطان تلمسان (تلمسان جزائر کا ایک شہر ہے) کی ایک تقریب میلاد النبی جشن میلاد النبی کا آنکھوں دیکھا حال حافظ سیدی ابو عبداللہ التنی نے اپنی تصنیف ''راح الارواح'' میں تفصیل سے لکھا ہے۔

درج ذیل آئمہ کرام محدثین' علماء کرام نے بھی اپنے اپنے وقت میں اپنی تصانیف واعظ وتقاریر میں جشن میلاد النبی کے بارے میں بالکل اسی طرح کے خیالات مشاہدات ورائے ہی کا اظہار کیا ہے۔ اختصار کی خاطر ان سب کے خیالات وآرا کا یہاں پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔ ان میں سے چند کے خیالات ورائے پہلے پیش کئے جا چکے ہیں اور چند ایک کے اب درج کر دیئے جائیں گے۔

1- جشن میلاد النبی ﷺ پر امام سیوطی کی مفصل تحقیق

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

امام شمس الدین الجزری رحمۃ اللہ علیہ

امام شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ

امام کمال الدین الادفوی رحمۃ اللہ علیہ

2-جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی مفصل تحقیق

3-جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ملا علی قاری کی مفصل تحقیق

امام شمس الدین السخاوی

4-مشہور محدث امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

5-امام نووی کے شیخ امام ابوشامہ رحمۃ اللہ علیہ

6-امام سخاوی

7-امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (صاحب ارشاد الساری)

8-امام ابن تیمیہ

9-امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

10-امام ابوذرعہ العراقی رحمۃ اللہ علیہ

11- امام نصیر الدین الطباخ رحمۃ اللہ علیہ

12- امام جلال الدین کتانی رحمۃ اللہ علیہ

13- شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

14- امام ظہیر الدین جعفر المصری رحمۃ اللہ علیہ

15- امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمۃ اللہ علیہ

16- حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

17- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

18- حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

19- مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

20- امام قطب الدین الحنفی رحمۃ اللہ علیہ---اہل مکہ کا جشن میلاد

21- امام محمد بن جار اللہ ابن ظہیرۃ رحمۃ اللہ علیہ---اہل مکہ جشن میلاد

22- جشن میلاد النبی ﷺ پر شیخ محمد رضا مصری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

23- مفتی عنایت اللہ کاکوری رحمۃ اللہ علیہ---اہل حرمین کا معمول میلاد

24- مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

25- شیخ محمد بن علوی المالکی کی رائے

جشن میلاد النبی ﷺ پر مفصل تحقیق

امام شمس الدین السخاوی رحمۃ اللہ علیہ

(محفل میلاد النبی ﷺ) قرون ثلاثہ فاضلہ کے بعد صرف نیک مقاصد کے لئے شروع ہوئی اور جہاں تک اس کے انعقاد میں نیت کا تعلق ہے تو وہ اخلاص پر مبنی تھی پھر ہمیشہ سے جملہ اہل اسلام تمام ممالک اور بڑے بڑے شہروں میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے مہینے میں محافل میلاد منعقد کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور اس کے معیار اور عزت وشرف کو عمدہ ضیافتوں اور خوبصورت طعام گاہوں (دستر خوانوں) کے ذریعے برقرار رکھا۔ اور اب بھی ماہ میلاد کی راتوں میں طرح طرح کے صدقات وخیرات دیتے ہیں اور خوشیوں کا اظہار کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرتے ہیں۔ بلکہ جونہی ماہ میلاد النبی ﷺ (ماہ ربیع الاوّل) قریب آتا ہے خصوصی اہتمام شروع کر دیتے ہیں اور نتیجتاً اس ماہ مقدس کی برکات اللہ تبارک تعالیٰ کے بہت بڑے فضل عظیم کی صورت میں ان پر ظاہر ہوتی ہیں یہ بات تجرباتی عمل سے ثابت ہے جیسا کہ امام شمس الدین بن الجزری المقری نے بیان کیا ہے کہ ماہ میلاد کے اس سال مکمل طور پر حفظ وامان اور سلامتی رہتی ہے اور تمنائیں پوری ہونے کی بشارت بہت جلد ملتی ہے۔

(المورد الروی فی مولد النبی ﷺ از ملا علی قاری صفحہ 12, 13)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی حتمی رائے

قرآن مجید کی آیت مبارکہ (لقد جاء کم رسول) میں اس امر (یعنی میلاد مصطفیٰ ﷺ) کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے وقت ولادت کی تعظیم وتکریم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرمایا بنابریں اس روز وہی اعمال بجالانے چاہیں جن میں اللہ تبارک تعالیٰ کے شکر کی ادائیگی کا مفہوم پایا جائے (جیسا کہ اوپر مذکور ہے) جہاں تک سماع اور لہو وغیرہ کا تعلق ہے تو یہ کہنا مناسب ہے کہ جو قوالی (سماع) اصل میں جائز ہے اور اس دن کی خوشی کے اظہار میں مددگار ہے تو اس کو اس سے ملانے میں حرج نہیں اور جو مکروہ وحرام ہے وہ منع ہے اور اسی طرح جس کے جائز وناجائز ہونے میں اختلاف ہو۔ بلکہ ہم تو اس مہینے کی تمام راتوں اور دنوں میں محفل میلاد کے انعقاد کو اچھا سمجھتے ہیں۔

اس بارے میں مصر وشام کے بہت بڑے قاضی ''ابن جماعہ'' کی تائید اس عمل کے بارے میں یوں ملتی ہے

کہ جب وہ مدینہ منورہ میں تھے تو حضور انور نبی کریم روف ورحیم ﷺ کے میلاد کا کھانا تیار کراتے لوگوں کو کھلاتے اور فرماتے اگر مجھے اس سے زیادہ استطاعت ہوتو میں پورا مہینہ ہر روز یونہی مولود شریف کی محفل منعقد کرتا رہوں۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں جب میں خود ایسی ضیافت کا اہتمام نہ کرسکا تو یہ اوراق لکھنے بیٹھ گیا تا کہ یہ ایسی معنوی نوری ضیافت ہو جائے جو صحیفہ کائنات پر رہتی دنیا تک باقی رہے۔ کسی سال مہینے سے مختص نہ ہو اور اس لئے میں نے اس کتاب کا نام ''المورد الروی فی مولد النبی'' رکھا ہے۔ (المورد الروی فی مولد النبی از ملا علی قاری صفحہ 17)

محدث امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

ہمیشہ مکہ مکرمہ مدینہ طیبہ مصر شام یمن غرض شرق سے غرب تک تمام بلاد عرب کے باشندے میلاد النبی ﷺ کی محفلیں منعقد کرتے آئے ہیں۔ جب ربیع الاول کا چاند دیکھتے ہیں تو ان کی خوشی کی انتہاء نہیں رہتی۔ چنانچہ ذکر میلاد پڑھنے اور سننے کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں اور بے پناہ اجر و کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

(المولد النبی صفحہ 58)

امام نووی کے شیخ' امام ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ

شہر ''اربل'' کو اللہ تبارک تعالیٰ حفظ و امان عطا کرے۔ اس بابرکت شہر میں ہر سال میلاد النبی ﷺ کے موقع پر اظہار مسرت، فرحت و سرور کے لئے صدقات و خیرات کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں' نیک کام کئے جاتے ہیں' صاف ستھرے لباس پہنے جاتے ہیں۔ یہ ایک حسین ترین طریقہ ہے جو اگرچہ نو ایجاد ہے مگر اس کے حسین ہونے میں کلام نہیں۔ کیونکہ اس سے جہاں ایک طرف غرباء و مساکین کا بھلا ہوتا ہے وہاں سے حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ محبت کا پہلو بھی نکلتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اظہار شادمانی کرنے والے کے دل میں اپنے نبی ﷺ کی بے حد تعظیم پائی جاتی ہے اور آپ ﷺ کی رفعت' جلالت و عظمت کا تصور موجود ہے۔ گویا وہ اپنے ربّ کا شکر ادا کر رہا ہے کہ اس نے بے پایاں رحمت عطا فرمائی اور وہ محبوب ان کو دے دیا جو تمام جہانوں کے لئے رحمت مجسم ہے۔ (الباعث علی انکار البدع والحوادث صفحہ 13)

امام ابو شامہ

جو امام نووی شارح صحیح مسلم کے استاذ الحدیث ہیں' فرماتے ہیں

''ہمارے زمانے میں جو بہترین نیا کام کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ لوگ ہر سال حضور انور نبی کریم روف ورحیم ﷺ کے میلاد کے دن صدقات اور خیرات کرتے ہیں اور اظہار مسرت کے لئے اپنے گھروں اور چوکوں کو آراستہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں کئی فائدے ہیں فقراء مساکین کے ساتھ احسان' محبت اور مروت کا برتاؤ ہوتا ہے۔ نیز جو شخص یہ کام کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ تبارک تعالیٰ کے محبوب کی محبت اور عظمت کا چراغ ضیاء بار ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کو پیدا فرما کر اور حضور کو رحمۃ

للعالمین کی خلعت فاخرہ پہنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اور یہ اللہ تبارک تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان ہے جس کا شکر ادا کرنے کے لئے اس مسرت و شادمانی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔'' (السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 80)

امام سخاوی (مصنف المقاصد الحسنہ)

دنیا کے کونے کونے اور مختلف ممالک میں بسنے والے تمام اہل اسلام ہمیشہ سے ربیع الاول کے مہینے میں میلاد کی یاد مناتے ہیں۔ اس موقعہ پر وہ تمام نیک کام کرتے آئے ہیں جو خوشی، نیکی اور محبت کا مظہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ صدقات وخیرات کی تمام ممکنہ صورتیں بروئے کار لاتے ہیں۔ میلاد کے چرچے کرتے ہیں، جن کی برکات ان پر بہر طور ظاہر ہوتی ہیں۔ (سبل الہدیٰ جلد 1 صفحہ 439)

اہل مصر اور شام کی محافل میلاد کا انعقاد

محافل میلاد کے اہتمام میں اہل مصر اور اہل شام سب سے آگے ہیں اور سلطان مصر ولادت باسعادت کی رات ہر سال محفل میلاد منعقد کرنے میں بلند مقام رکھتا ہے۔ فرمایا کہ میں (ملاعلی القاری) 785ء میں سلطان ظاہر برقوق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس میلاد کی رات الجبل العلیہ کے قلعہ میں حاضر ہوا۔ وہاں وہ کچھ دیکھا جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا اور بہت زیادہ خوش کیا اور کوئی چیز مجھے بری نہ لگی۔ میں ساتھ ساتھ لکھتا گیا، جو بادشاہ نے اس رات قراء اور موجود واعظین، نعت خواناں (شعراء) اور ان کے علاوہ کئی اور لوگوں، بچوں اور مصروف خدام پر تقریباً دس ہزار مثقال سونا، خلعتیں، انواع واقسام کے کھانے، مشروبات خوشبوئیں، شمعیں اور دیگر چیزیں دیں، جن کے باعث وہ اپنی معاشی حالت درست کر سکتے تھے۔

اس وقت میں نے ایسے پچیس خوش الحان قراء شمار کئے جو اپنی مسحور کن آواز سے سب پر فائق رہے اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو سلطان اور اعیان (عمائدین، اعلیٰ حکام) سلطنت سے بیس کے قریب خلعتیں لئے بغیر سٹیج سے اترا ہو۔ امام سخاوی کہتے ہیں کہ میرا موقف یہ ہے کہ مصر کے سلاطین جو حرمین شریفین کے خدام رہے ہیں ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تبارک تعالیٰ نے اکثر برائیاں اور عیوب ختم کرنے کی توفیق عطا کر رکھی تھی۔ اور انہوں نے رعایا کے بارے میں ایسا ہی سلوک کیا جیسا والد اپنے بیٹے سے کرتا ہے۔ اور انہوں نے قیام عدل کے ذریعے شہرت حاصل کی۔ اللہ تبارک تعالیٰ اس معاملہ میں انہیں اپنی غیبی مدد سے نوازے۔

(المورد الروی فی مولد النبی از ملاعلی قاری صفحہ 13)

کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

اس موضوع کے یہ الفاظ ''کل بدعت ضلالت'' پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' ہادی انس و جاں' رہبر کائنات رسول بحر و بر' فخر اولاد آدم' اصل الموجودات' حاصل کائنات' انسان کامل' تاجدار دو عالم' سرور کائنات' حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے خطبہ مبارک کی آخری لائن کے الفاظ ہیں کہ جس کے معنی ہیں کہ دین متین میں جو نیا کام نکالا جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور اس موضوع کے الفاظ کا مطلب ہے ''ہر بدعت گمراہی ہے''۔

یہ فرمانِ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ہے اور نا سمجھ علماء' نا سمجھ لوگ اس کی آڑ میں کئی سود مند کاموں' باتوں' عملوں کے بارے میں فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو بدعت ہے حالانکہ ہمیں واضح احکام و ہدایات ہیں کہ کسی بھی غلط فہمی' تنازع کی صورت میں اس تنازع کو اسوۂ حسنہ' احادیث اور قرآن حکیم کی روشنی میں دیکھو تاکہ تمہیں صحیح صورت حال معلوم ہو جائے' صحیح راہ تمہیں مل جائے۔

سورہ نساء آیت 59 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

ترجمہ: ''پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اُسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔''

لیکن سطحی علم کے حامل علما' نا سمجھ لوگ صرف ان ہی الفاظ ''کل بدعت ضلالت'' کو دوہراتے رہتے ہیں۔

میرے ''کل بدعت ضلالۃ'' کی رٹ لگانے والے' کا پرچار کرنے والے بھائی۔

بدعت کی تعریف قرآن حکیم میں ہے اس پر اپنا دل جمائیں۔ اور بدعت کی مزید قسمیں بھی ہیں' انہیں غور سے پڑھیں اور یاد رکھیں۔ جس بدعت کا آپ بار بار ذکر کرتے ہیں اس کے ساتھ لفظ ''سیئہ'' (بری' خرابی پیدا کرنے والی) لگالیں تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔ لیکن میلاد منانا بدعت حسنہ ہے۔ کسی بھی بدعت کو آپ بدعت حسنہ یا بدعت سیئہ کہہ کر بیان کریں۔ پھر جو بھی آپ کہیں گے سب اسے مانیں گے اور آپ کا' امت مسلمہ کا' دین اسلام کا

بھلا بھی اسی میں ہے۔

یہ جو فرمایا گیا ہے کہ کل بدعت ضلالۃ وہ دراصل ''سیئہ'' کے بارے میں ہی ہے۔ اور اس میں لفظ ''کل'' سے مراد ''اکثر'' ہے۔ اس بارے میں ثبوت کے طور پر میں ایک حدیث مبارک بھی پیش کروں گا جو دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دے گی۔

اسلام اللہ تبارک کا پسندیدہ دین ہے۔ یہ دین ہر طرح سے (روحانی و مادی) مکمل دین ہے، ضابطہ حیات ہے اور یہ دین رہتی دنیا تک کے لئے ہے یعنی کہ قیامت تک کے لئے۔ برائے مہربانی آپ اسے اپنی کم علمی، نا سمجھی کے سبب محدود نہ کیجئے۔ اس میں روحانی اور مادی ترقی ساتھ ساتھ ہیں۔ ہم نے اس دنیا میں قرآن وسنت کے تابع بھرپور شمولیت کرنی ہے اور مادی ترقی میں بھی اسلام مخالف قوتوں سے پیچھے نہیں رہنا ہے۔ یہ ہمیں اللہ تبارک تعالیٰ کا حکم ہے قرآن حکیم کا حکم ہے اور پیغمبر اوّل و آخر اعظم ﷺ کی تعلیم ہے۔

یہ دین اللہ کا پسندیدہ دین ہے، قیامت تک کے لئے ہے اور یہ اس امت کے لئے ہے اور یہ امت امت وسطہ ہے۔ اس کو زندگی کے ہر پہلو میں میانہ روی کی ہدایت ہے۔ جہاں اس دین میں بالکل دنیا پرست ہو جانا ناپسند ہے وہاں اس میں تارک الدنیا ہونا بھی ناپسند ہے۔ جہاں کنجوسی کو ناپسند کیا گیا ہے وہاں بے جا اسراف سے بھی منع کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور انور رسول کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صالح سیرت، عمدہ طریقہ اور میانہ روی نبوت کے اجزا میں سے ایک خاص جزو ہے۔

(ابوداؤد جلد 4 صفحہ 264، رقم (نمبر) 4776)

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور پُرنور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے فرمایا کہ حسن سیرت (نیک چال چلن)، بردباری اور میانہ روی نبوت کے اجزاء میں سے چوبیسواں (24) حصہ ہے۔

(ترمذی جلد 3 صفحہ 406، رقم 2017)

کچھ لوگ ہر بدعت کو بدعت سیئہ ہی لیتے ہیں اور اسی کا پرچار کرتے ہیں۔ ایسے کم علم، نا سمجھ، سطحی علماء ماضی میں بھی رہے ہیں اور امت مسلمہ کی موجودہ حالت کے بہت حد تک وہ ذمہ دار ہیں۔ ایسے خیالات کے حامل سطحی علماء نے جو نقصان امت مسلمہ کو پہنچایا ہے وہ اسلام دشمن قوتوں نے بھی نہیں پہنچایا۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے جو اس طرح کے خیالات و سمجھ سے بالا تھے انہوں نے مذہب، طب جراحی، علم فلکیات، ایجادات مثلاً دوربین، ریاضی، جیومیٹری اور کئی علمی روحانی، مادی میدانوں میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے جھنڈے گاڑ دیئے وہ موجد بنے وہ اپنے میدان علم میں پایونیر تھے، رہنما تھے۔

لیکن جیسے ہی کم علم، نا سمجھ سطحی علماء نے ''کل بدعت ضلالۃ'' جیسے مسئلے کھڑے کئے امت مسلمہ میں ان میں الجھ

گئی۔ بدعت' کل بدعت ضلالۃ کی آڑ میں امت مسلمہ مادی ترقی میں بہت پیچھے رہ گئی اور اسلام دشمن قوتیں ہر میدان میں بہت آگے نکل گئیں اور وہ مسلمانوں کے لئے' امت مسلمہ کے لئے' دین اسلام کے لئے ایک مستقل کھلا خطرہ اور چیلنج بن گئیں۔ آج مسلمانوں کا جو حال ہے وہ آپ سے چھپا تو نہیں۔ آج اسلام سے محبت کرنے والے' مسلمانوں کے لئے اپنے دل میں درد رکھنے والے' اپنی آستینوں میں منہ چھپا کر روتے ہیں۔ کشمیر' فلسطین' افغانستان' عراق یہ امت مسلمہ کی نا اتفاقی' باہمی انتشار' کمزوری بلکہ مجموعی زبوں حالی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

امت مسلمہ کو اس حالت کو پہنچانے کے کون ذمہ دار ہیں؟ وہی جو اپنی کم علمی' ناسمجھی کے سبب دینی مذہبی مسائل کھڑے کر کے امت مسلمہ کو بانٹ رہے ہیں۔ اس میں انتشار پھیلا رہے ہیں اور جو دین کی آڑ میں امت مسلمہ کی مادی ترقی میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

میں اب اس موضوع پر دوسرے انداز سے آ رہا ہوں اور اس کے دوران میں کل بدعت ضلالۃ کا پرچار کرنے والوں سے' قرآن حکیم کی آیات مبارک سے اپنے حق میں دلیل دینے کے بعد میں ایک دو سوال بھی پوچھوں گا کہ اب اس بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟

ان سوالوں کا جواب دینے سے نہ کترائیں کیونکہ اللہ تبارک تعالیٰ نے تو یہ سوال ہم سے پوچھنے ہیں وہ بھی اکیلے اکیلے سے پوچھنے ہیں اور ان کے بعد تو جزا و سزا ہی ہے اصلاح کا موقع قطعاً نہیں ہے۔ اس لئے یہاں اپنے آپ کو جواب دے لیں اور اصلاح کر لیں یا ضمیر کو مطمئن کر لیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ کے حضور نہ ہم جھوٹ بول سکیں گے اور نہ خاموش رہ سکیں گے۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں ہمارے جسم کے اجزاء مثلاً کان' آنکھ' دل' ٹانگیں' ہاتھ' جلد وغیرہ ہمارے خلاف گواہی دیں گے یعنی کہ سچ بیان کر دیں گے۔

سورہ بنی اسرائیل آیت 36 میں اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ○

ترجمہ: ''اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں' بے شک کان آنکھ اور دل ان سب سے پوچھا جانا ہے (سوال ہونا ہے)''

اس موضوع کو طوالت سے بچانے کے لئے اب میں آپ سے ان علوم (سائنسی' مادی علوم جن کا اصل منبع تو قرآن حکیم ہی ہے) کا ذکر نہیں کروں گا جو روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ مادی ترقی کے لئے بہت ضروری ہیں کیونکہ آپ کو ان سے دلچسپی بھی نہیں ہے۔

آپ کو یہ تو معلوم ہی ہے کہ علوم قرآن وسنت اور فقہ کی تدوین تو خیر القرون میں نہیں کی گئی تھی یہ بھی بعد میں آنے والے علماء وفضلاء کی شبانہ روز جگر کاویوں اور کاوشوں کا ثمر ہیں۔ پھر یہ علوم جن کا وجود ہی مجسمہ بدعت ہے ان

کی تدریس کے لئے جو جامعات اور یونیورسٹیاں آج تک تعمیر کی گئیں یا اب بھی تعمیر کی جارہی ہیں اور ان پر کروڑہا روپیہ خرچ کیا جارہا ہے کیا یہ سب تعلیمات دین کی خلاف ورزی ہے؟ اور غضب الٰہی کو دعوت دینے کا باعث ہے؟ یہ عظیم الشان مسجدیں اور ان کے فلک بوس مینار اور ان کے مزین محراب عہد رسالت میں کہاں تھے' کیا آپ ان سب کو گرادینے کا حکم دیں گے؟

کیا یہ درسگاہیں امت مسلمہ اور انسانیت کا بھلا نہیں کررہی ہیں؟

سورہ طٰہٰ آیت 114 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۝

ترجمہ: ''اور عرض کرو کہ اے میرے ربّ مجھے علم زیادہ دے۔''

علم صرف دینی علم ہی نہیں ہے اور تمام علوم کا منبع قرآن حکیم ہی ہے۔ اب اس آیت مبارک کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟ ان میں سے اکثر علوم' طریقے درس و تدریس تو بعد کی پیداوار ہیں ان کے لئے آپ کے پاس کیا جواب ہے؟

حدیث مبارک ہے کہ ہادیٔ دوجہاں' رحمۃ للعالمین حضور پُرنور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم حاصل کرو چاہے' تمہیں اس کے حصول کے لئے کتنا ہی دور جانا پڑے۔

اُردو زبان میں اس حدیث پاک کا ایک محاورہ بن گیا ہے کہ کرو علم حاصل اگر چین (ملک چین) میں ہو۔

اب اس حدیث مبارک کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟

اگر بدعت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ عمل جو عہد رسالت میں اور عہد خلافت راشدہ میں نہ تھا اور اس کے بعد ظہور پذیر ہوا وہ بدعت ہے اور ہر بدعت' بدعت مذمومہ ہے' بدت سیئہ ہے اور اس پر عمل کرنے والا گمراہ ہے۔ اور دوزخ کا ایندھن ہے تو پھر اس کی زد صرف محفل میلاد پر ہی نہیں پڑے گی بلکہ امت کا کوئی فرد بھی اس کی زد سے بچ نہیں سکے گا۔

یہ علوم جن کی تدریس کے لئے بڑے بڑے مدارس اور جامعات اور یونیورسٹیاں قائم کی گئی اور جن پر کروڑہا روپیہ خرچ کیا جارہا ہے ان علوم میں سے بیشتر وہ علم ہیں جن کا خیر القرون میں یا تو نام و نشان ہی نہ تھا اور اگر تھا تو اس کی موجودہ صورت کا کہیں وجود نہ تھا۔

صرف نحو معانی' بلاغت اصول الفقہ' اصول حدیث' یہ تمام علوم بعد کی پیداوار ہیں کیا جن علماء و فضلاء نے ان علوم کو مدون کیا اور اپنی گران قدر زندگیاں' اپنی قیمتی صلاحیتیں اور اوقات ان کو معراج کمال تک پہنچانے کے لئے اور ان کی نوک پلک سنوارنے کے لئے صرف کئے کیا وہ سب بدعتی تھے؟ اور اس بدعت کے ارتکاب کے باعث وہ

سب ان حضرات کے فتویٰ کے مطابق جہنم کا ایندھن بنے' پھر گزشتہ چودہ صدیوں میں اسلام کے دامن میں کون رہ جاتا ہے جسے جنت کا مستحق قرار دیا جائے؟

آپ نے بھی ان ہی درسگاہوں سے پڑھا ہوگا' علم حاصل کیا ہوگا۔ اب آپ اس کا جواب دیں کہ کیا یہ درسگاہیں علم و دانش امت مسلمہ کو اور انسانیت کو فائیدہ پہنچا رہی ہیں کہ نہیں؟

مذکورہ بالا سورہ طٰہٰ کی آیت 114 اور حدیث پاک حکم برائے حصول علم کو پھر پڑھیں اور مندرجہ بالا کو مدنظر رکھ کر ایمانداری سے بتائیں کہ آپ کے پاس ان کا کیا جواب ہے؟

سورہ نجم آیت 39 میں قادر مطلق کا فرمان ہے۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝

ترجمہ: ''اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔''

یہ آخرت اور اس دنیا دونوں کے لئے یکساں لاگو ہے۔ کیا آپ روحانی اور مادی ترقی کے لئے انفرادی اور اجتماعی کوشش نہیں کریں گے؟

اس آیت مبارک کے فرمان کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟

اس زمانے میں جس کی قید آپ اپنی ناسمجھی کی وجہ سے لگا رہے ہیں جنگیں یا لڑائیاں نیزوں' تلواروں' بھالوں' ڈنڈوں' برچھیوں اور غلیل' گوپیوں' تیر کمان سے لڑی جاتی تھیں۔ فوج کی اکثریت پیدل اور کچھ کے پاس گھوڑے اور اونٹ ہوتے تھے۔ سامان حرب اٹھانے کے لئے گدھے خچر استعمال ہو سکتے تھے۔ لیکن اس دور میں سامان رسد خوراک نوش و طعام اور سامان حرب اتنا زیادہ ہوتا ہی نہ تھا کہ آدمی اسے خود نہ اٹھائے پھرے یا موجود گھوڑوں اونٹوں اور خچروں پر اسے ساتھ نہ لے جا سکے۔

اور آجکل تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہر ملک کی اپنی ایک منظم فوج ہے' نیوی ہے' ائیرفورس ہے اور اسی طرح سے ہر ایک کا بہت بھاری بھاری' بڑا بڑا بیش قیمت سامان حرب اور اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے بڑے بڑے ٹرک' ریل' ہوائی جہاز۔

اب تو لڑائی کے میدان میں ٹینک ہوتے ہیں توپیں ہوتی ہیں' موبائل مشین گنیں راکٹ لانچر وغیرہ ہوتے ہیں۔ آسمان میں ہوائی جہاز' سمندر میں نیوی کے سمندری جہاز' ہوائی جہاز' آب دوزیں اور نہ جانے کیا کیا۔ اور ان سب کی پشت پر میزائل اور راکٹ اور ان کی بھی پشت پر یا آخری مدد میں ایٹم بم وہ بھی ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں۔

میرے ''کل بدعة ضلالة'' کا پرچار کرنے والے بھائی یہ سب کیا ہے؟ موجودہ سامانِ حرب' طرز حرب' خرچہ حرب یہ تو سب آپ کے بقول بدعت ہے اور کل بدعت ضلالتہ کے بقول یہ تو نہیں ہونا چاہیئے' ہے ناں بات

صحیح ؟

میرے محترم ہر بدعت کو بدعت سیہ کہنے والے' کل بدعت ضلالۃ کا پرچار کرنے والے' آج آپ کا ملک' امت مسلمہ' آپ اور میں یوں سامان حرب کی موجودگی سے سکھ کا سانس لے رہے ہیں' دنیا پہ قائم ہیں ورنہ تو افغانستان سے بہت پہلے آپ کا خاتمہ ہونا تھا۔

آج تمام امت مسلمہ کی نگاہیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں۔ کس لئے؟ یہ مادی ترقی یہ سامانِ حرب اللہ تبارک تعالیٰ کی رحمت ہیں اور یہ سامانِ حرب اندازِ حرب قرآن حکیم کے فرمان کے مطابق ہے۔

(سورہ انفال آیت 60 'اس کا ذکر مبارک اگلے صفحے پر ہو رہا ہے)

اب آپ میرے اس سوال کا جواب دیں کہ کیا یہ سامانِ حرب اللہ کی نعمت نہیں ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ کیا ''کل بدعت ضلالۃ'' کی آڑ میں آپ اپنی فوج نیوی ائیر فورس سے یہ سامانِ حرب لے کر نیزے' تلوار اور تیر کمان دے دیں گے؟

ایک بات یاد رکھیں جو میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ یہ دین قیامت تک کے لئے ہے اور اسی طرح قرآن حکیم' اس کی تعلیمات واحکام اور اسوۂ حسنہ سنت نبی کریم ﷺ بھی قیامت تک کے لئے ہیں۔

قرآن حکیم کی تعلیمات' ارشادات احکامات ہر زمانے کے لئے یکساں لاگو ہیں یعنی کہ یہ ہم سے پہلوں کے لئے جس طرح لاگو تھیں ہمارے لئے بھی اسی طرح لاگو ہیں اور ہمارے بعد والوں کے لئے بھی اسی طرح سے لاگو رہیں گی۔

آپ آیات مبارک کا لفظی ترجمہ تو وہی کریں گے لیکن اس سے مراد فی زمانہ اس کی علمی مماثلت سے لیں گے۔ جیسا کہ درج ذیل آیات مبارک میں گھوڑے کا ذکر ہے جو کہ اس وقت کا مکمل سامان حرب' وسیلہ حرب تھا۔ جس پر اپنے ضروری سامان کے ساتھ میدان جنگ جایا جاتا اور لڑائی کے میدان میں اس پر بیٹھ کر زیادہ موثر طریقے سے لڑا جاتا تھا۔ اب گھوڑے اور قوت کی جگہ وہ تمام سامان حرب آ گیا ہے جو موجودہ دور میں جنگ لڑنے' جیتنے اور زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے۔

یہ بھی واضح کر دوں کہ موجودہ سامانِ حرب کی خاطر خواہ تیاری وہی ملک کر سکتے ہیں جو مالی معاشرتی تعلیمی (ٹیکنیکل تعلیمی) اور معاشی لحاظ سے مضبوط ہوں یا مادی لحاظ سے ترقی یافتہ ہوں یا ترقی پذیر ہوں۔

سورہ انفال آیت 60 میں فرمان ربّ العالمین یوں ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اوران کے لئے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو کہ ان سے ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن ہیں۔ اور اِن کے سوا کچھ اوروں کے دلوں میں جنہیں تم نہیں جانتے۔ اللہ انہیں جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے تمہیں پورا دیا جائے گا اور کسی طرح گھاٹے میں نہ رہو گے۔''

میرے کل بدعت ضلالۃ کی رٹ لگانے والے بھائی مندرجہ بالا آیت مبارک کو بار بار پڑھیں اور بتائیں کہ قوت اور گھوڑے کیا ہیں؟ جو تم سے بن پڑے سے کیا مراد ہے؟ اور آپ کے پاس اس آیت مبارک کی موجودگی میں ''کل بدعت ضلالۃ'' کی رٹ لگانے کا کیا جواز ہے؟

سورہ حدید آیت 27

سورہ حدید آیت 27 میں خالق و مالک اور قادر مطلق کا فرمان یوں ہے:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَأْفَةً وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○

ترجمہ: ''پھر ہم نے ان کے پیچھے اِسی راہ پر اپنے اور رسول بھیجے اور ان کے بعد عیسیٰ مریم کو بھیجا اور اسے انجیل عطا فرمائی' اور اس کے پیروکاروں کے دل میں نرمی اور رحمت رکھی۔ اور راہب بننا' تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی' ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نبھایا جیسا اس کے نبھانے کا حق تھا۔ تو ان کے ایمان والوں کو ہم نے ان کا ثواب عطا کیا اور ان میں سے بہتیرے فاسق ہیں۔''

اس آیت مبارک کی تشریح یوں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں نے' آپ پر ایمان لانے والوں نے وقت رفتہ کے ساتھ اللہ تبارک تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے دین میں معاشرت و عبادت کے ایسے طریقے نکالے جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام و انجیل مبارک نے انہیں اختیار کرنے کا نہیں فرمایا تھا یا اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کو ایسا کرنے کا حکم نہ فرمایا تھا۔ یہ خاص معاشرت و عبادت اختیار کرنا' یا راہب بننا انہوں نے اپنی پسند و مرضی سے کیا تھا اور اس کا بنیادی مقصد دل جمی کے ساتھ عبادت کرنا اور تارک الدنیا ہونے سے اپنے رب' رب العالمین کو خوش کرنا تھا۔

راہب بننا یا راہب ہونے کا مطلب ہے کہ آبادی سے دور پہاڑوں' غاروں' جنگل اور تنہا مکانوں وغیرہ میں خلوت نشین ہونا' عبادت گاہ (صومعہ) بنانا' باقی دنیا سے رابطہ نہ رکھنا' دنیاوی جاہ و حشمت کی طلب نہ رکھنا' عبادتوں میں اپنے اوپر جسمانی تکالیف یا مشقت بڑھا لینا۔ شادی نکاح نہ کرنا' نہایت موٹے کپڑے پہننا اور ادنیٰ غذا نہایت کم مقدار میں کھانا' دنیا اور دنیا کی لذتوں' بکھیڑوں سے دور صرف اللہ کی یاد' اللہ کی عبادت میں مگن رہنا۔

یہ مندرجہ طرز معاشرت و عبادت تو انہوں نے خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے دین میں نکالی تھی اختیار کی تھی اور جنہوں نے اس کو نبھایا وہ اللہ تبارک تعالیٰ کے مقرب بھی ہوئے' اس کے برگزیدہ بندے بھی بنے' لیکن رہبانیت

میں کچھ ہی زمانہ بعد خرابیاں در آئیں اور یوں وہ رہبانیت کو نبھا نہ سکے یعنی کہ دنیا پرستی سے پاک ماحول جو انہوں نے بنایا تھا وہ کچھ زمانہ بعد ہی ہوس پرستی' جنس پرستی' دنیا پرستی کا شکار ہو گیا۔

ہوس جاہ وحشمت اور دنیا پرستی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین سے دور کر دیا اور وہ رفتہ رفتہ توحید پرستی نے بھی دم توڑ دیا اور تثلیث ونفاق میں مبتلا ہو گئے۔ اور یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین سے کفر کر کے اپنے بادشاہوں' حکمرانوں کے دین میں داخل ہو گئے۔

اس آیت کریمہ سے ایک تو یہ معلوم ہو گیا کہ بدعت کسے کہتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ بدعت کی بھی کئی قسمیں ہیں۔

اور تیسرے یہ کہ بدعت حسنہ یعنی کہ دین میں وہ نئی بات جو اللہ کی رضا کے لئے کی جائے اور وہ کسی سنت یا شرع کے خلاف نہ ہو' متصادم نہ ہو تو اللہ تبارک تعالیٰ اسے پسند فرماتے ہیں اور اسے اختیار کرنے والوں کو بھی پسند فرماتے ہیں اور اس کے لئے اجر وثواب سے نوازیں گے۔

بدعت کی تعریف

اس آیت کریمہ کے مطابق بدعت کی تعریف یہ ہو گی۔

دین میں وہ عمل جس کے کرنے کا حکم کتاب اللہ میں موجود نہ ہو اور جس عمل کا صاحب کتاب یا رسول کتاب نے بھی کرنے کا فرمایا نہ ہو۔

اس آیت مبارک کی تفسیر میں' کنز الایمان خزائن العرفان فی تفسیر القرآن میں یہ درج ہے کہ

''مسئلہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بدعت یعنی دین میں کسی بات کا نکالنا اگر وہ بات نیک ہو اور اس سے رضائے الٰہی مقصود ہو تو بہتر ہے۔ اس پر ثواب ملتا ہے اور اس کو جاری رکھنا چاہے۔ ایسی بدعت کو بدعت حسنہ کہتے ہیں البتہ دین میں بری بات (جو شرع وسنت کے متصادم ہو' خلاف ہو) کا نکالنا بدعت سیئہ ہے وہ ممنوع وناجائز ہے۔

اور بدعت سیئہ حدیث مبارک میں وہ بتائی گئی ہے جو خلاف سنت ہو' اس کے نکالنے سے کوئی سنت اٹھ جائے۔

اس سے ہزار ہا مسائل کا فیصلہ ہو جاتا ہے جن میں آج کل لوگ اختلاف کرتے ہیں اور اپنی ہوائے نفسانی سے ایسے امور خیر کو بدعت بتا کر' کہہ کر منع کرتے ہیں جن سے دین کی تقویت وتائید ہوتی ہے اور مسلمانوں کو اخروی فوائد پہنچتے ہیں اور وہ طاعات وعبادات میں ذوق وشوق کے ساتھ مشغول رہتے ہیں۔ ایسے امور کو بدعت بتاتا کہنا قرآن مجید کی اس آیت مبارک کے صریح خلاف ہے۔

بدعت کی تشریح

علماء اسلام نے بدعت کی جو وضاحت اور تشریح کی ہے اس کو پیش نظر رکھا جائے تو اس قسم کے توہمات سے

انسان کو واسطہ ہی نہیں پڑتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔

1- اس نئی چیز میں کوئی مصلحت ہو تو وہ واجب ہے۔ جیسے علوم صرف ونحو وغیرہ کی تعلیم و تدریس اور اہل زیغ و باطل کا رد۔ اگر چہ یہ علوم عہد رسالت میں موجود نہ تھے لیکن قرآن وسنت اور دین کو سمجھنے کے لئے اب ان کی تعلیم اور تدریس واجبات دینیہ میں سے ہوئے ان کا حصول سب طالب علموں پر فرض ہے۔

2- وہ چیزیں جن میں لوگوں کی بھلائی، بہتری اور فائدہ ہے وہ مستحب ہیں جیسے سراؤں کی تعمیر۔ تا کہ مسافر وہاں آرام سے رات بسر کر سکیں۔ یا میناروں پر چڑھ کر اذان دینا تا کہ موذن کی آواز دور دور تک پہنچ سکے یا عام مدارس کا قیام تا کہ علم کی روشنی ہر سو پھیلے۔ یہ مستحبات اور مندوبات میں سے ہے۔

3- مباح:- جیسے کھانے پینے میں وسعت اور فراخی۔ اچھا لباس پہننا۔ آٹا چھان کر استعمال کرنا یہ مباحات شرعیہ ہیں۔ اگر چہ عہد رسالت میں ان چھنے آٹے کی روٹی استعمال ہوتی تھی سرکار دوعالم ﷺ خود بھی ان چھنے آٹے کی روتی تناول فرمایا کرتے۔ لیکن اگر کوئی شخص آٹا چھان کر روٹی پکاتا ہے تو یہ اس کے لئے مباح ہے۔ بدعت اور گمراہی نہیں تا کہ اس کو دوزخی ہونے کی یہ حضرات بشارت سنائیں گے۔

4- وہ کام جس میں اسراف ہو وہ مکروہ ہیں۔ جس طرح مساجد اور مصاحف کی غیر ضروری زیب وزینت۔

5- حرام:- ایسا فعل جو کسی سنت کے خلاف ہو اور اس میں کوئی شرعی مصلحت نہ ہو۔

امام ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی نے شرح مسلم اور تہذیب الاسماء واللغات میں لفظ ''بدعت'' پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس کے مطالعہ کے بعد اس کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے شبہات جو اذہان و قلوب کو پریشان کرتے ہیں خود بخود کافور ہو جاتے ہیں۔

تہذیب الاسماء واللغات کی چند سطور ناظرین کے مطالعہ کے لئے یہاں نقل کر رہا ہوں تا کہ اسے غور سے پڑھیں اور اپنی تسلی کر لیں۔

''شریعت میں بدعت اس کو کہتے ہیں کہ ایسی نئی چیز پیدا کرنا جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نہیں تھی۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں:

1- بدعت حسنہ 2- بدعت قبیحہ۔

علامہ ابو محمد عبد العزیز بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ جن کی امامت پر اور جلالت شان پر ساری امت متفق ہے اور تمام علوم میں ان کی مہارت اور براعت کو سب تسلیم کرتے ہیں انہوں نے اپنی تصنیف کتاب القواعد کے آخر میں بیان کیا ہے کہ بدعت کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں۔ واجب۔ حرام۔ مستحب۔ مکروہ اور مباح۔''

امام ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی صحیح مسلم کی اپنی شرح میں، ''کل بدعۃ ضلالۃ'' کی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''کل بدعۃ ضلالۃ'' اگرچہ عام ہے لیکن یہ مخصوص ہے یعنی ہر بدعت ضلالت نہیں بلکہ غالب بدعۃ ضلالت ہوتی ہے۔ لغت میں اس چیز کو بدعت کہتے ہیں کہ جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو۔ اور علماء کرام کہتے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں:

(1) واجب (2) مستحب (3) حرام (4) مکروہ (5) مباح

واجب کی مثال یہ دی ہے جیسے متکلمین کا ملحدوں اور اہل بدعت پر رَد کرنے کے لئے اپنے دلائل کو منظم کرنا مستحب کی مثال یہ ہے مختلف علوم فنون پر کتابیں تصنیف کرنا۔ مدرسے تعمیر کرنا اور سرائیں وغیرہ بنانا۔

مباح کی مثال یہ ہے جیسے طرح طرح کے لذیذ کھانے پکانا وغیرہ اور حرام اور مکروہ ظاہر ہیں۔''

(شرح مسلم الامام النووی صفحہ 258)

امام موصوف نے تہذیب الاسماء واللغات میں بدعہ محرمہ کی مثال یہ دی ہے قدریہ جبریہ مرجیہ اور مجسمہ کے مذاہب باطلہ بدعہ (حرام)' مکروہ کی مثال مساجد کی بلاضرورت ومقصد تزئین وغیرہ۔ (تہذیب الاسماء صفحہ 22)

لیکن محفل میلاد کے انعقاد میں نہ کسی سنت ثابتہ کی خلاف ورزی ہے اور نہ کسی فعل حرام کا ارتکاب ہے۔ بلکہ یہ نعمت خداوندی پر اس کا شکر ہے اور شکر کا ادا کرنا کثیر آیات سے ثابت ہے۔ اسی طرح آیت ''فلیفر حوا'' سے اس فضل ونعمت خداوندی پر اظہار مسرت کرنا حکم الٰہی ہے۔

حدیث مبارک

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اسلام میں کسی اچھے طریقہ کو رائج کرے گا' تو اس کو اپنے رائج کرنے کا بھی ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کا بھی جو اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کریں گے اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کمی نہ ہوگی۔ اور جو اسلام میں کسی برے طریقہ کو رائج کرے گا' تو اس کو اس کے رائج کرنے کا بھی گناہ ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کرنے کا گناہ بھی جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کرتے رہیں گے اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(ابن ماجہ فی الایمان باب من احیاء سنت قد امیت۔ ترمذی جلد 4 صفحہ 309 رقم (نمبر) 2686)

اب آپ مجھے بتایئے کہ

یہ رائج کرنا کیا ہے؟

کیا یہ دین میں نیا طریقہ نکالنا نہیں ہے؟

کیا یہ بدعت نہیں ہے؟

میرے بھائی یہ بدعت ہی ہے۔ اس حدیث مبارک نے بدعت کی دو قسمیں تو خوب واضح کر دی ہیں ایک بدعت حسنہ اور دوسری بدعت سیہ۔ اب اس سے خوب ظاہر ہے کہ یہ ''کل بدعت ضلالۃ'' والی بات تو صحیح نہیں

ہے۔ میری گزارش آپ سے یہ ہے کہ آپ اسے "اکثر من بدعت ضلالتہ" پڑھ لیں اور سمجھ لیں جس کا کہنا بالکل درست ہوگا اور عملاً بھی ایسا ہی ہے۔

اے اللہ کے بندو اے زندہ قوم اے میرے مسلمان محترم بھائیو اس کار پرخیر و پرُنور میں خلوص وشوق سے' قرآن وسنت کی حدود میں رہتے ہوئے' بڑھ چڑھ کر حصہ لو اور خدارا اپنے آپ کو اس سنت الٰہی سے' سنت انبیاء کرام' سے دور نہ کرو کیونکہ جو اس سے دور کیا گیا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے بلکہ وہ تو تمام بنی نوع انسان کا ابد سے کھلا دشمن ہے۔

ولادت پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پرُنور نبی کریم ﷺ ابدی مسرتوں اور سچی خوشیوں کی پیغامبر بن کر آئی تھی۔ جس سے کائنات کی ہر چیز شاداں وفرحاں تھی۔ فرشتے شکر ایزدی بجار ہے تھے' عرش اور فرش میں بہار کا سماں تھا۔ لیکن ایک ذات تھی جو اس ولادت باسعادت پر فریاد کناں تھی' جو مصروف آہ وفغاں تھی' جو چیخ چلا رہی تھی اور اپنی بدبختی اور حرماں نصیبی پر اشک فشاں تھی اور وہ ملعون ابلیس کی ذات تھی۔

علامہ ابوالقاسم سہیلی لکھتے ہیں۔

"ابلیس زندگی میں چار مرتبہ چیخ مار کر رویا۔ پہلی مرتبہ جب اس کو ملعون قرار دیا گیا۔ دوسری مرتبہ جب اسے بلندی سے پستی کی طرف دھکیلا گیا تیسری مرتبہ جب سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی چوتھی مرتبہ جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔" (روض الانف جلد 1 صفحہ 181)

علامہ ابن کثیر نے بھی علامہ سہیلی کی اس عبارت کو السیرۃ النبویہ صفحہ 212 جلد 1 میں جوں کا توں نقل کیا ہے۔ اور ابن سید الناس نے "عیون الاثر" جلد 1 صفحہ 27 میں بھی اس روایت کو بعینہ درج کیا ہے۔

علامہ احمد بن زینی دحلان۔ السیرہ النبویہ میں رقمطراز ہیں۔

"عکرمہ سے مروی ہے کہ جس روز رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی تو ابلیس نے دیکھا کہ آسمان سے تارے گر رہے ہیں۔ اس نے اپنے لشکریوں کو کہا کہ اس رات وہ پیدا ہوا ہے جو ہمارے نظام کو درہم برہم کردے گا۔ اس کے لشکریوں نے اسے کہا کہ تم اس کے نزدیک جاؤ اور اسے چھو کر جنون میں مبتلا کردو۔ جب وہ اس نیت سے حضور پرُنور کے قریب جانے لگا تو حضرت جبرئیل امین نے اسے پاؤں سے ٹھوکر لگائی اور اسے دور عدن میں پھینک دیا۔ (السیرۃ النبوۃ از احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 47, 48)

قارئین کرام!

یہ میرے ذاتی خیالات ہیں ضروری نہیں ہے کہ آپ ان سے اتفاق کریں ہاں جہاں بات قرآن حکیم کی آیات مبارک کے فرمان کے مطابق کی گئی ہے وہ تو آپ کو شاد و ناشاد ماننا ہی پڑے گی۔ بہرحال درج ذیل کو توجہ سے پڑھیے۔ میں اپنے اس موقف کو کہ میلاد النبی ﷺ منانا بدعت نہیں ہے قرآن حکیم کی آیات کریمہ سے ثابت

کرونگا۔

میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے متفق ہوں کہ نبی کریم ﷺ نے مدنی دور میں جو ایک دفعہ بقول بعض لوگوں کے عقیقہ کیا تھا وہ دراصل اپنی میلاد مبارک اور رحمتہ للعالمینی کے لئے اظہار تشکر تھا اور اس لحاظ سے میلاد منانا سنت رسول ہے۔

میں علامہ ملی علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس حقیقت پر اتفاق کرتا ہوں کہ سورہ توبہ آیت 128 کے ان الفاظ لقد جاءکم رسول ''بیشک تمہارے پاس تشریف لائے رسول'' میں میلاد نبی کریم ﷺ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور حضور انور ﷺ کے یوم وماہ ولادت کی تعظیم وتکریم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اب رہا اس سوال کا جواب کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے میلاد النبی کیوں نہیں منایا؟ تو اس کے جواب میں میں یہی کہونگا کہ

1- مشیت ایزدی اسی طرح سے تھی۔

2- آپ ﷺ کے یوم ولادت کا شاید بہت کم کو علم ہو۔لیکن سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ

3- مشیت ایزدی سے آپ ﷺ کا یوم ولادت ہی یوم پردہ فرمانا بھی ہوا۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین چونکہ آپ ﷺ کے زیر سایہ آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے' براہ راست آپ ﷺ سے فیض پایا' آپ ﷺ کو شب وروز دیکھا (دیدار کیا)۔آپ ﷺ کا بے حد عقیدت' احترام محبت وشوق سے پرخلوص اتباع کیا۔میرا یوں کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ تمام کے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ ﷺ کو اپنی روح کا حصہ بنالیا۔اس لئے جب آپ ﷺ نے پردہ فرمایا تو وہ دن ان کی روحوں کو بھی بری طرح تڑپا گیا۔بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساکت و جامد ہو گئے اور وقتی طور پر حواس تک کھو بیٹھے۔اس لئے ان پر' ان کی اولاد پر تابعین تبع تابعین پر یوم ولادت اس طرح آشکار نہ ہوسکا جیسا کہ بصورت دیگر ہوتا۔

قصہ کوتاہ مشیت ایزدی ہی اس طرح تھی اور اللہ علیم الخبیر کے سب سے اونچی شان والے خاتم النبیین ﷺ اس مشیت ایزدی سے بے خبر نہ تھے۔میں عقل والے باب میں بھی یہ گزارش کر چکا ہوں کہ ہم ''عقل'' کے سبب اشرف المخلوقات ہیں اسی کی بناء پر جزاوسزا ہے۔قرآن وسنت ودین میں جہاں مکمل وضاحت نہ کی گئی ہو وہاں ہمیں اپنی عقل سے راہ راست کو ڈھونڈنا ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی خوشنودی کی لئے راہ راست پر ہی چلنا چاہیے۔

سورہ حدید آیت 27 کے حوالہ سے میں بدعت کی تعریف پہلے ہی لکھ چکا ہوں اور میرے نزدیک یہ بدعت کی افضل ترین تعریف ہے۔

بدعت کی اس تعریف کے مطابق بھی عید میلاد النبی منانا بدعت نہیں ہے کیونکہ قرآن حکیم کی رو سے

1- آپ ﷺ رحمت اللعالمین ہیں اللہ کا فضل عظیم ورحمت ہیں۔
2- فضل ورحمت ونعمت کے لئے شکرگزار ہونے کے احکام ہیں۔
3- فضل، رحمت ونعمت پر خوشی منانا دولت جمع کرنے سے بہت بہتر قرار پایا ہے۔
4- لقد جآء کم رسول میں میلاد مبارک کی طرح واضح اشارہ ہے۔

لیجئے اب درج ذیل کو پڑھیے اور میرے ہم خیال ہو جایئے کیونکہ درج ذیل میں ایک حدیث مبارک کے سوا باقی سب قرآن حکیم کی آیات مبارک کے حوالہ جات ہیں۔

حضور انور ﷺ نے خود اپنا میلاد منایا

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الحاوی للفتاویٰ'' میں اس موضوع سے متعلق ایک مکمل باب ''حسن المقصد فی عمل المولد'' کے نام سے رقم کیا ہے جس میں انہوں نے اس بات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خود اپنا میلاد منایا۔ اس لحاظ سے میلاد منانا سنت رسول ہے۔ امام سیوطی ایک روایت کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ مدنی دور میں حضور ﷺ نے بکرے ذبح کر کے فقرا و مساکین کو کھلائے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے اپنا عقیقہ کیا تھا۔ اس خیال و رائے کو رد کرتے ہوئے امام الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ وضاحت فرماتے ہیں کہ حضور کا عقیقہ آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کر چکے تھے اور عقیقہ دوسری مرتبہ نہیں ہوتا۔

انہوں نے اپنی تصنیف ''الحاوی للفتاویٰ'' جلد 1 کے صفحہ 196 اس بارے میں یوں لکھا ہے۔

عقیقہ زندگی میں دوبار نہیں کیا جا سکتا' اس لئے اس (صدقے) کو اس حقیقت پر معمول کیا جائے گا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ اظہار تشکر کے لئے کیا۔ اس بات پر کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ اللعالمین بنایا اور مزید یہ کہ اپنی امت کے لئے اس امر کو مشروع (سنت) بنانے کے لئے کیا' جس طرح حضور انور ﷺ اپنی ذات مبارک پر خود بھی درود پڑھا کرتے تھے۔ اس حقیقت کے پیش نظر ہمارے لئے مستحب ہے کہ ہم بھی آپ ﷺ کے میلاد پر اظہار مسرت و شکر کریں۔ (الحاوی للفتاویٰ از سیوطی جلد 1 صفحہ 196)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی حتمی رائے

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''المورد الروی فی مولد النبی'' میں رقمطراز ہیں کہ قرآن مجید کی آیت مبارک ''لقد جاء کم رسول'' (سورہ توبہ آیت 128) ترجمہ:- ''بے شک تمہارے پاس تشریف لائے رسول'' میں اس امر یعنی میلاد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اور حضور پُر نور ﷺ کے وقت (یوم و ماہ) ولادت کی تعظیم و تکریم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرمایا اس بنا پر اس روز وہی اعمال بجالانے چاہیں جن میں اللہ تبارک تعالیٰ کے شکر کی ادائیگی کا مفہوم پایا جائے۔

ہم تو اس مہینے کی تمام راتوں اور دنوں میں محفل میلاد کے انعقاد کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اس بارے میں مصر و شام کے بہت بڑے قاضی علامہ ''ابن جماعہ'' کی تائید اس عمل کے بارے میں یوں ملتی ہے کہ جب علامہ موصوف مدینہ منورہ میں تھے تو حضور ﷺ کے میلاد کا کھانا تیار کراتے' لوگوں کو کھلاتے اور فرماتے اگر مجھے اس سے زیادہ استطاعت (زیادہ ذرائع) ہوتو میں پورا مہینہ ہر روز یونہی مولود (میلاد) شریف کی محفل منعقد کرتا رہوں۔

میں (ملاعلی قاری) کہتا ہوں جب میں خود کسی ایسی ضیافت کا' لوگوں کے لئے خورونوش کا اہتمام نہ کرسکا تو یہ اوراق لکھنے بیٹھ گیا تا کہ ایسی معنوی' نوری ضیافت ہو جائے جو صحیفہ کائنات پر رہتی دنیا تک باقی رہے۔ کسی سال مہینے سے مختص نہ ہو اور اس لئے میں نے اس کتاب کا نام ''المورد الروی فی مولد النبی'' رکھا ہے۔

(المورد الروی فی مولد النبی از ملا علی قاری صفحہ 17)

درج ذیل میں آیت کریمہ کا ترجمہ اس لئے لکھ دیا ہے تا کہ آپ کو خود بدعت کی تعریف کرنے میں یا میری کی ہوئی تعریفِ بدعت کو سمجھنے میں آسانی رہے اور اس کے لئے آپ کو بار بار ورقے نہ الٹنے پڑیں۔

سورہ حدید آیت 27 میں علیم الخبیر کا ارشاد ہے۔

ترجمہ:۔''ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور اسے انجیل عطا فرمائی اور اس کے پیروکاروں کے دل میں نرمی اور رحمت رکھی اور راہب بننا' تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی' ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نباہ نہ سکے جیسا اس کے نباہنے کا حق تھا تو ان میں کے ایمان والوں کو ہم نے ان کا ثواب عطا کیا۔''

سورہ توبہ آیت 128 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:۔''بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول''

یعنی کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ عربی' قریشی جن کے حسب نسب کو تم خوب جانتے ہو پہچانتے ہو کہ تم میں سب سے عالی نسب ہیں اور تم ان کے صدق و امانت زہد و تقویٰ طہارت و تقدس اور اخلاق حمیدہ کو بھی خوب جانتے ہو جو تم میں سب سے نفیس تر اور اشرف و افضل ہیں۔

اس آیت کریمہ میں حضور انور پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کی تشریف آوری یعنی کہ آپ ﷺ کی میلاد مبارک کا بیان ہے۔ ترمذی کی حدیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے اپنی پیدائش کا بیان قیام کر کے (ادب میں کھڑے ہو کر) فرمایا۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ محفل میلاد مبارک کی اصل قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

(خزائن العرفان فی تفسیر القرآن)

درج ذیل آیات مبارک میں ربّ العالمین نے ہمیں فرمایا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سب کے لئے رحمت ہیں' ہادی ہیں' امت کی پاکی فرماتے ہیں (انہیں گمراہی سے نور میں لاتے ہیں) آپ ﷺ اللہ کا احسان ہیں

کہ آپ ﷺ کی بدولت ہم ہدایت پاتے ہیں۔

سورہ انبیاء آیت 107 میں پروردگار عالم کا ارشاد یوں ہے۔

ترجمہ:۔ ''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لئے۔''

درج ذیل آیات مبارک میں اللہ تبارک تعالیٰ کی فضل ورحمت پر ہمیں خوشی کرنے کا حکم ہے۔ ہم دنیاداروں کو اللہ تبارک تعالیٰ کے فضل ورحمت سے صرف دنیا کو مال ومتاع اکٹھا کرنے کا شوق ہے۔ جب کہ اللہ تبارک اس '' فضل ورحمت'' پر خوشی منانا' اس کا شکرگزار ہونا' خوشی میں صدقہ خیرات کرنا' پسند فرماتے ہیں۔

سورہ یونس آیات 57, 58 میں خالق ومالک کائنات اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد پاک یوں ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ٥ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ٥

ترجمہ:۔ ''اے لوگو تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نصیحت آئی اور دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت اور ایمان والوں کے لئے۔ تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اس کی رحمت سے اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔ یہ (فضل ورحمت) ان (دنیا) کے سب دھن دولت سے بہتر ہے۔''

اس آیت کریمہ میں قرآن کریم کے آنے کو نصیحت اور موعظت (نیکی کی نصیحت کرنا جس سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے) فرمایا ہے اور شفا سے مراد یہ ہے کہ قرآن پاک قلبی امراض جیسے (اخلاق ذمیمہ' عقائد فاسدہ اور جہالت) کو دور کرتا ہے۔ قرآن حکیم ہدایت بھی ہے کہ وہ گمراہی سے بچاتا ہے اور اہل ایمان کے لئے رحمت بھی کیونکہ وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس فضل ورحمت پر خوشیاں مناؤ' خوشی کرو۔ ''فرح'' دلی خوشی کو کہتے ہیں یعنی کسی پیاری اور محبوب چیز کے پانے سے دل کو جو لذت حاصل ہوتی ہے اسے فرح کہتے ہیں۔

قارئین کرام! قرآن اور صاحب قرآن دونوں ایک ہیں۔ دونوں ہی نور ہیں' برہان ہیں' شفا ہیں' ہدایت ہیں رحمت اور اللہ کا فضل عظیم ہیں۔ (اس سے پہلے والے ابواب میں اس کی تفصیل وقرآنی حوالہ جات درج ہیں)

درج ذیل آیات میں یہ وضاحت کردی ہے کہ خاتم النبیین ﷺ تمام امت کے لئے کیوں اور کس طرح سے اللہ تبارک تعالیٰ کا فضل ہیں' رحمت ہیں' احسان ہیں۔ آپ حضور پرنور ﷺ ہمیں گمراہی سے نکال کر نور کے راستے پر حق کے راستے پر' اللہ کے راستے پر لائے ہیں جس کے سبب ہم آخرت میں کامیابی کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔

سورہ جمعہ آیت 2 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ٥

ترجمہ:- ''وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں' انہیں میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کا علم عطا فرماتے ہیں۔''

سورہ آلِ عمران آیت 164 میں خالق ومالک کائنات کا ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

ترجمہ:- ''بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ اور وہ (ضرور' یقینی طور پر) بے شک اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

درج ذیل آیات مبارک میں اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ وضاحت سے فرمادیا ہے کہ اگر تم پر میرا فضل ورحمت نہ ہوتا (خاتم النبیین تمہیں راہ ہدایت نہ دکھلاتے تمہاری رہنمائی نہ کرتے' میرے کلام واحکامات اوامر نہی کو تم تک نہ پہنچاتے' تو اے بنی نوع انسان تم نے گمراہی میں ہی پڑے رہنا تھا اور یوں دوزخ کا ایندھن بن جانا تھا لیکن اب تم بجا طور پر گمراہی سے نکالے جاچکے ہو اور بڑی کامیابی کی امید رکھتے ہو اس لئے اس رحمت وفضل کے لئے اللہ کا شکر ادا کرو۔

سورہ فتح آیت 5 میں رب العالمین کا ارشاد ہے۔

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ:- ''تاکہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں (جنت) میں لے جائے جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہمیشہ ان میں رہیں اور ان کی برائیاں ان سے اتار دے اور یہ اللہ کے ہاں بڑی کامیابی ہے۔''

سورہ نساء آیت 83 میں خالق ومالک کائنات کا فرمان ہے:

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

ترجمہ:- ''اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے' مگر تھوڑے (شیطان سے بچ پاتے)۔''

سورہ ابراہیم کی آیات 28, 29 میں ارشاد مالک وخالق کائنات ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ كُفۡرًا وَّاَحَلُّوۡا قَوۡمَهُمۡ دَارَ الۡبَـوَارِ ۙ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلَوۡنَهَا ؕ وَبِئۡسَ الۡقَرَارُ

ترجمہ:۔''کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت ناشکری سے بدل دی اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر لا اتارا' وہ دوزخ میں جائیں گے۔اور کیا ہی بُری ٹھہرنے کی جگہ''

اس آیت مبارک کی تشریح یوں ہے کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ ''ان لوگوں'' سے مراد کفار مکہ' مشرکین مکہ ہیں۔اور وہ نعمت جس کی شکر گزاری انہوں نے نہ کی وہ اللہ تبارک تعالیٰ کے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کے وجود پاک سے اُس امت کو نوازا اور ان کی زیارت سراپا کرامت الٰہی کی سعادت سے مشرف کیا۔ان پر لازم تھا کہ اس نعمت جلیلہ کا شکر بجالاتے اور ان کا اتباع کر کے مزید کرم کے مستحق بنتے۔لیکن ایسا کرنے کے بجائے انہوں نے ناشکری کی اور سید دو عالم' پیغمبر اول و آخر واعظم حضور پُر نور ﷺ کا انکار کیا اور اپنی قوم کو جو دین میں ان کی موافق تھے' ہم خیال تھے انہیں دوزخ' جہنم میں پہنچایا اور اس حالت یا انجام کو وہ نعمت خداوندی کی ناشکری کے سبب پہنچے۔

درج ذیل آیات مبارک میں اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر تم احسان ماننے والے ہو' میرے شکر گزار ہو جو کہ تمہیں ہونا چاہیے تو میں تمہاری احسان مندی شکر گزاری کے صلہ میں تم پر اور زیادہ نعمتیں' رحمتیں نچھاور کروں گا۔

سورہ نحل آیت 114 میں اللہ تبارک تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَكُلُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ

ترجمہ:۔''اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسے پوجتے ہو'' (اس کی عبادت کرتے ہو' اس کے بندے ہو)

یعنی کہ جو اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں' جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں' جو اپنے رب کے بندے ہیں وہ لازماً اللہ تبارک تعالیٰ کی ہر نعمت پر شکر گزار ہوتے ہیں۔اللہ کا شکر ادا کرنا بھی عبادت ہے اور اس سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

سورہ ابراہیم آیت 7 میں خالق و مالک و رازق و قادر مطلق کا فرمان ہے۔

وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكُمۡ لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ

ترجمہ:۔''اور یاد کرو جب تمہارے رب نے سنا دیا کہ اگر احسان مانو گے (شکر ادا کرو گے) تو میں تمہیں اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو تو میرا عذاب سخت ہے۔''

مندرجہ بالا حدیث مبارک اور آیات پاک سے ثابت ہے کہ

1- آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں‘ اللہ کی رحمت و فضل عظیم ہیں۔

2- آپ ﷺ نے خود اپنا میلاد مبارک منایا ہے۔

3- لقد جاء کم رسول میں میلاد مبارک کی طرف واضح اشارہ ہے۔

4- فضل و رحمت و نعمت پر شکرگزار ہونے کے احکام ہیں بلکہ سورہ رحمٰن میں تو تکرار ہے۔

5- کہ بنی نوع انسان و جن تم ہاری کس کس نعمت کا کفران کرو گے۔

6- یہ بھی حکم ہے کہ اللہ کے فضل و رحمت پر خوشی مناؤ‘ خوشی کا اظہار کرو۔

اور سورہ حدید آیت 27 کے مطابق بدعت کی تعریف یہ ہے۔

دین میں وہ عمل جس کے کرنے کا حکم کتاب میں موجود نہ ہو اور جس عمل کا صاحب کتاب یا رسول اللہ کتاب نے بھی کرنے کا فرمایا نہ ہو۔

میں راقم الحروف (کتاب ہذہ کا مصنف) مندرجہ بالا کی بنا پر کہتا ہوں کہ عید میلاد النبی ﷺ منانا سنت ہے بدعت نہیں۔ اور ملت مسلمہ کو عید میلاد النبی‘ جشن میلاد النبی پوری عقیدت و احترام‘ دلی خلوص و محبت کے جذبات کے ساتھ شایان شان طریقے سے یعنی پورے یقین‘ جوش و جذبہ کے ساتھ تزک و احتشام‘ شان و شوکت سے منانا چاہیے۔

رضاعت

آپ کی رضاعی مائیں اور آیائیں

ابتداء میں آپ حضور پُرنور ﷺ کی حقیقی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا' پھر یہ سعادت ''ثویبہ'' کے حصے میں آئی۔ آپ حضور انور ﷺ کی رضاعی ماؤں اور آیاؤں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1- ثویبہ

''ابولہب'' کی لونڈی تھی' ابولہب حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کا بھائی اور حضور انور ﷺ کا چچا تھا۔ وہ یہ جان کر بہت خوش ہوا کہ اس کے بھائی کے گھر ایک حسین وتندرست بچہ پیدا ہوا ہے۔ ثویبہ مبارک باد دینے کے لئے گئی تو فرط مسرت سے کھل اٹھا اور ثویبہ کو انگلی سے اشارہ کیا کہ جا تو آزاد ہے۔ ابولہب کو جو صلہ اس کار خیر (آپ ﷺ کی ولادت مبارک پر خوش ہونا اور ثویبہ کو آزاد کرنا) کا دوسری دنیا میں مل رہا ہے اس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ ثویبہ کو حضور انور نبی کریم روف ورحیم ﷺ کی پہلی رضاعی ماں ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ نے نو دن تک دودھ پلایا۔ ثویبہ کی اس خدمت ونسبت کے باعث حضور پُرنور نبی کریم ﷺ اس کی بہت دلجوئی اور خبر گیری فرماتے اور جب بھی وہ آتی تو اسے کھانے پینے کی اشیاء کپڑے اور دیگر تحائف سے نوازتے تھے۔ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی اس کا بہت احترام کرتی تھیں اور عطایا دہدایا اسے عطا فرماتی رہتی تھیں۔

2- عاتکہ

قبیلہ بنوسلیم کی تین خواتین نے بھی دودھ پلانے کا اعزاز حاصل کیا اتفاقاً ان تینوں کا نام ''عاتکہ'' تھا اس کی جمع ''عواتک'' آتی ہے۔ اس لئے کبھی کبھار حضور پُرنور نبی کریم روف ورحیم ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

میں بنوسلیم کی عواتک کا بیٹا ہوں۔ (سیرت الحلبیہ جلد 1 صفحہ 88)

3- خولہ بنت مندر

کچھ اور خواتین کو بھی یہ شرف حاصل ہوا جن میں سے ایک حضرت خولہ بنت مندر ہیں' حضرت حلیمہ کا قبیلہ

''بنوسعد'' ہے اس قبیلے کی ایک عورت کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی۔

4- حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنوسعد کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھیں' ان کے والد کا نام ابوذؤیب عبداللہ بن حارث تھا' ان کا تعلق بنوسعد بن بکر بن ہوازن کے قبیلے سے تھا۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ تھے' ان کا تعلق بھی بنوسعد سے تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اپنے نام اور نسب کی طرح حلیم' وقار اور سعادت سے موصوف تھیں۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، صفحہ 7)

بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے والی سب ہی خواتین خوش نصیب تھیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ رضاعت کا شرف جسے حاصل ہوا وہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو سال تک اپنا دودھ پلایا اور مزید پرورش کے لئے آپ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت چاہت اور شوق کے ساتھ دو سال اور' اپنے پاس' اپنے بچوں کے ساتھ رکھا۔ اس محترم ہستی کا ذکر خیر آگے تفصیل سے آرہا ہے۔

آیائیں

1- اُمِ ایمن

دودھ پلانے کی سعادت سے شرف اندوز ہونے والی ان خوش بخت خواتین کے علاوہ جن عزت مآب خواتین کو ''آیا'' بننے اور دیکھ بھال کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ان میں سرفہرست حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جو میراث چھوڑی اس میں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ وفا شعار اور سعادت کی پیکر ایک لونڈی تھیں جنہیں بعد میں حضور انور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا۔ بہت خدمت گزار' لاڈ پیار کرنے والی سچی عاشق اور صدق و صفا کا مجسمہ تھیں۔ حضور پُرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کا بہت خیال رکھتے تھے اور ان کی شفقت و محبت کو دیکھتے ہوئے اکثر فرمایا کرتے تھے۔

میری امی جان کے بعد تم میری امی ہو (سیرت الحلبیہ جلد 1 صفحہ 105)

بعض اہل علم نے اس ارشاد گرامی کو دیکھتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ بھی رضاعی ماؤں میں شامل ہیں مگر یہ بات ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

مشہور یہی ہی کہ آپ رضاعی ماں نہیں' بلکہ آیا اور خدمت گزار ہیں۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 1 صفحہ 460)

2- شیما

دوسری آیا ''شیما'' ہیں۔ یہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں' یہی وہ بچی ہیں جو اپنی ماں کے ساتھ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و نگہداشت کے فرائض انجام دیا کرتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

قریشی بھائی کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھیں۔(طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 110)

حضرت شیما رضی اللہ عنہا حضورانور نبی کریم روف ورحیم ﷺ کو گود میں اٹھا کر ہر وقت آپ کو کھلاتی اور گھومتی رہتی تھی۔(کھلانے کی غرض سے گود میں لئے گھومتی پھرتی رہتی تھیں۔)

خصائص صغریٰ کے حوالے سے سیرت حلبیہ میں یہ روایت ہے کہ

جس خاتون نے بھی حضور پُرنور ﷺ کو دودھ پلایا وہ بعد میں اسلام لے آئی۔(سیرت الحلبیہ جلد 1 صفحہ 87)

الغرض جن خوش بخت عورتوں کو پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضورانور نبی کریم روف ورحیم کی رضاعت کا شرف نصیب ہوا' جن سعادت مند عورتوں کو بچپن میں حضور ﷺ کی آیا بن کر خدمت کا اعزاز میسر آیا اور جن خوش بخت مردوں کو حضور پُرنور ﷺ کا ہم رضاعت ہونے کا موقع ملا یہ سب لوگ دولت ایمان اور نعمت اسلام سے بہرہ یاب ہو گئے۔

جب حضور پُرنور نبی کریم روف ورحیم ﷺ کی ذات اقدس سے براہ راست یہ نسبت ان تمام لوگوں کے ابدی خیروبرکت کا باعث بن گئی تو جو لوگ حضورانور ﷺ کے والدین ماجدین کی طرف (معاذ اللہ) کفروشرک کی نسبت کرتے ہیں ان کی بات عقل سلیم کے کہاں تک قریب ہو سکتی ہے؟ یہ بات سراسر خلاف فطرت ہے بھلا وہ مقدس والدہ جس کے بطن مبارک کو نور محمدی ﷺ کا مسکن بنایا گیا اور وہ مبارک والد جس کی صلب اطہر کو نور محمدی ﷺ کی سواری بنایا گیا وہ کس طرح کفروشرک سے آلودہ ہو سکتے تھے۔اس خیال باطل سے توبہ کر لینی چاہیے۔

قریش واُمرا مکہ کی روایات

قدیم عرب کی کچھ روایات تھیں جن کی وہ سختی سے پابندی اور پاسداری کرتے اور کسی حال میں ان سے منہ موڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ان میں سے ایک روایت یہ تھی کہ وہ نوازائیدہ بچوں کو اپنے گھروں میں پالنا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ رضاعت و پرورش کے لئے دور دیہاتوں کی کھلی فضاؤں میں بھیج دیتے تھے اور بچے صحراؤں اور جنگلوں کے کھلے' بے تکلف' فطری اور صحت مند ماحول میں پرورش پاتے۔جس سے ان کی صحت پر خوشگوار اثر پڑتا اور وہ تندرست وتوانا بنتے۔ان میں جفاکشی' استقلال اور حوصلہ مندی کی صفات پیدا ہوتیں اور مشکلات کے سامنے سینہ سپر ہونے اور ان سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ وولولہ جنم لیتا اور وہ عموماً سخت جان ہوتے ہیں۔

عرب کو اپنی زباندانی اور فصاحت و بلاغت پر بہت ناز تھا اسی لئے وہ فصیح عربی زبان کے متکلم ہونے کے حوالے سے پوری دنیا کو "عجم" قرار دیتے تھے' یعنی وہ لوگ اپنی زبانیں اور لہجے رکھنے کے باوجود گونگے ہیں کیونکہ ان میں عربی زبان جیسا رس نہیں' فصاحت و بلاغت اور وسعت وسلامت (دعائیہ کلمات) بھی مفقود ہے جبکہ

ہماری عربی زبان ان صفات وخزائن اور خصائص سے مالا مال ہے۔

چنانچہ بچوں کو شہری ماحول سے دور ''بادیات و باغات'' اور دیہاتوں میں بھیجنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ دیہاتوں کی زبان فطری' خالص اور بے تکلف ہوتی' ان میں ''اہل شہر'' کی بناوٹ نہیں ہوتی۔ وہ اپنے خیالات کا اظہار مصنوعی بناوٹی اور تصنع سے بھرے لہجے میں نہیں کرتے' بلکہ سادہ وسلیس اور بے تکلف انداز میں کرتے ہیں۔ اس لئے ابتدا میں ایک خاص عرصے تک بچے کا مصنوعی ماحول سے دور رہنا ضروری ہے تاکہ وہ خالص عربی سیکھے اور اس کی لسانی خالصیت (زبان کا خالص پن) اس کے رگ وریشے میں رچ بس جائے اور وہ فصیح وشستہ زبان بولنے لگے۔

اس قدیم روایت اور دستور عرب کا پتہ پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے ایک ارشاد گرامی سے بھی ملتا ہے۔

آپ حضور پُرنور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کرتے تھے میری عربی تم سب سے بہتر ہے۔ میں قریشی ہوں اور میں نے قبیلہ بنوسعد میں پرورش پائی ہے۔ (سیرت حلبیہ جلد 1 صفحہ 89)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کا ان الفاظ میں ایک دفعہ اعتراف کیا کہ حضور ﷺ! میں نے آپ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا۔ (سیرت حلبیہ جلد 1 صفحہ 89)

آپ نے فرمایا: میرا مقابلہ زبان دانی میں کون کرسکتا ہے۔ میں قریشی ہوں اور بنوسعد میں پروان چڑھا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو یہ نصیحت کیا کرتے تھے۔ تمعد دوا دتمعز زوا واخشوشنو۔ یعنی کہ ''اے مسلمانوں معد کا تن وتوش پیدا کرو' (تندرست مضبوط اور توانا بنو) مشقت طلبی کو اپنا شعار بناؤ اور اپنے جسم اور اعصاب کو سخت بناؤ۔''

اس زمانہ میں مختلف قبائل کی خواتین ربیع وخریف کے دنوں میں مکہ کے گردونواح سے شہر مکہ آیا کرتی تھیں تاکہ متمول لوگوں سے بچوں کو لے جائیں ان کو دودھ پلائیں ان کی پرورش کریں اور جب مدت رضاعت ختم ہوتو ان کے والدین انہیں گراں قدر عطیات اور انعامات دے کر شادکام کریں وہ اس وقت بھی مقررہ اجرت پر دودھ پلانا باعث عار سمجھتی تھیں ان کے ہاں یہ مقولہ تھا۔

''الحرة لا تاکل من ثدیھا'' یعنی کہ آزاد عورت اپنے پستانوں کے ذریعہ رزق نہیں کماتی لیکن بطور انعام اور عطیہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کی دودھ پلانے والی کو کچھ دیتا تو اسے وہ بخوشی قبول کرلیتیں۔

چنانچہ جفاکش' سخت جان' تندرست وتوانا بننے اور زبان دانی کا شرف وامتیاز حاصل کرنے کیلئے وہ نومولود بچوں کو دیہات میں ضرور بھیجتے تھے اور نہ بھیجنے کو معاشرتی اعتبار سے سخت معیوب تصور کرتے تھے۔

اس رسم عام کے باعث دیہات کی خواتین بھی شہروں سے بچے لے کر جا کر اپنے خاص انداز میں پالتی تھیں' یہ ان کا کاروبار تھا اور وہ اس سے بقدر ضرورت کما لیتی تھیں' اس مقصد کے لئے شہروں کی طرف آنا ان کا معمول تھا۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی آمد اور واپسی

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا پورا نام حلیمہ بنت ابی ذؤیب ہے۔ آپ کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزیٰ اور قبیلہ ''بنو سعد بکر بن ھوازن'' ہے۔ قبیلہ بنو سعد عرب کا نامور وہ قبیلہ تھا جس کی شجاعت و بسالت کی ہر طرف دھوم تھی۔ اسے تیر اندازوں کا مسکن اور شاہین صفت نیزہ بازوں کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ بڑے بڑے جیالے ان کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتے تھے' ان کے سرفروش نوجوان جب سر پر کفن باندھ کر میدان میں آ جاتے تو دشمنوں کے چھکے چھڑا دیتے تھے۔

شجاعت و بہادری اور عزم و استقلال کے ساتھ ساتھ یہ لوگ شرافت و نجابت اور قابل قدر انسانی اوصاف کے حوالے سے بھی اچھی شہرت رکھنے کی بنا پر احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس دور کے قبائلی نظام کی خرابیوں سے کافی حد تک محفوظ تھے اور شہری تہذیب سے دور' پہاڑی اور صحرائی بود و باش کی وجہ سے اپنا ایک خاص مزاج رکھتے تھے' مجموعی طور پر سعادت ان پر غالب تھی۔

خوش خصائل اور حلیم الطبع حلیمہ اسی قبیلے کی بیٹی تھی اور اپنے اخلاص و ایثار اور صالح کردار و عمل کی بدولت محبت و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ مسکین طبع' صابر و شاکر' متحمل مزاج اور بردبار خاتون تھی۔ جو غریبی میں بھی امیری کی شان رکھتی اور اپنے وقار منصب پر آنچ نہیں آنے دیتی تھی۔ غربت اور افلاس نے اسے اور اس کے مختصر خانوادے کو بری طرح اپنے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا مگر وہ بڑی پامردی اور استقلال کے ساتھ اس کا مقابلہ کر رہی تھی۔

وہاں بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط کے آثار پیدا ہو گئے۔ کھیتیاں اجڑ گئیں' درخت سوکھ گئے اور اناج غائب ہو گیا۔ انسانوں اور جانوروں کے لئے کچھ نہ بچا۔

حلیمہ سعدیہ اس صورت حال سے اپنی غربت کے باعث زیادہ متاثر ہوئی' اس کے مویشی چارا نہ ملنے کی وجہ سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے۔ دودھ دینے والی ایک ہی اونٹنی تھی' اس کا دودھ بھی خشک ہو گیا اور کنبے کے افراد فاقہ کرنے پر مجبور ہو گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خود بھی کمزور ہو گئی اور اس کی چھاتیوں میں اپنے بچے کو پلانے کے لئے بھی دودھ نہ رہا۔

موسم بہار آ گیا دستور کے مطابق اس قبیلے کی دس عورتیں مکہ جانے کے لئے تیار ہو گئیں تا کہ وہاں سے امراء کے بچے لا کر پالیں اور پھر انعام حاصل کریں' حلیمہ ان میں سب سے زیادہ غریب تھی۔ افلاس اور قحط کے باعث اس نے بھی فیصلہ کر لیا کہ وہ مکہ جائے گی اور وہاں سے ایک بچہ لائے گی' ممکن ہے قدرت دستگیری کرے اور بھوک و افلاس کی قید سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی سبیل نکل آئے۔ لہٰذا وہ اچھے روزگار کی تلاش میں اداس اور غمگین دل

لئے ان کے ساتھ چل پڑی۔

اس لئے بھی اداس اور دل گرفتہ تھی کہ قبیلے کی عورتوں کی تیز رفتار سواریوں کا ساتھ دینا اس کی ناتواں اونٹنی اور گدھی کے بس کا روگ نہ تھا وہ ہزار کوشش کے باوجود بھی ان کے ساتھ نہ چل سکتی تھی۔ توقع کے عین مطابق وہ بہت پیچھے رہ گئی، وہ جان گئی کہ تمام عورتیں پہلے پہنچ کر دولت مندوں کے بچوں پر قبضہ کرلیں گی اور اس کے حصے میں کوئی ایسا بچہ نہیں آئے گا جو امیر گھرانے کا چشم و چراغ ہو اور اس کی غربت کا ازالہ کرسکے۔

اس کا شوہر حارث بھی صورت حال دیکھ کر مایوس ہوگیا' اندرونی کرب اور مایوسی کے عالم میں اپنے شیر خوار بچے کو بے بسی سے دیکھنے لگے جو ان کی گود میں نڈھال پڑا تھا اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ خود کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں اور دیکھیں پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے اور ان کے غم کا مداوا کیسے ہوتا ہے؟ مکہ مکرمہ پہنچتے ہی ''قبیلہ بنو سعد'' کی عورتیں گلی کوچوں میں پھیل گئیں اور امراء کے بچے گود لے لئے' وہ اس دوران حضرت عبدالمطلب کے گھر بھی آئیں مگر جب پتہ چلا کہ بچہ یتیم ہے تو انہوں نے کوئی گرمجوشی نہ دکھائی۔

حلیمہ رضی اللہ عنہا کا نومولود ﷺ کا لینا

ابن ہشام جلد 1 صفحہ 185 پر حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا نومولود ﷺ کا لینا درج ذیل مختصر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا یہ کہتی ہیں کہ میں گئی اور بلاتردد اس مولود کو لے کر اپنے پڑاؤ میں آ گئی۔ حضور کو گود لینا تھا کہ پستان جو بالکل خشک تھے وہ دودھ سے بھر گئے اور اتنا دودھ ہوا (اتر آیا) کہ آپ ﷺ بھی سیر ہو گئے اور آپ کا رضائی بھائی بھی سیر ہوگیا۔ جب اونٹنی کا دودھ دوہنے کے لئے اٹھے تو دیکھا کہ تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں۔ میں نے اور میرے شوہر نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا اور رات نہایت آرام سے گزاری۔ اس سے پہلے ہم بھوک کی وجہ سے رات کو سو نہیں سکتے تھے۔ صبح ہوئی تو شوہر نے کہا۔ اے حلیمہ خدا کی قسم تو نے بہت ہی مبارک اور خوش نصیب بچہ لیا ہے۔ حلیمہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں یقین سے کہتی ہوں کہ میں بھی اللہ سے یہی امید رکھتی ہوں۔ (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 185)

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا خود سارا حال بیان کرتی ہیں اب آپ ان کی زبانی سنئے' وہ فرماتی ہیں۔

یہ سال قحط اور خشک سالی کا تھا ہمارے پاس کچھ باقی نہ رہا تھا جس پر گزر اوقات کرسکیں۔ میں ایک سبزی مائل رنگ والی گدھی پر سوار ہو کر اپنے قافلہ کے ساتھ نکلی ہمارے ساتھ ایک بوڑھی اونٹنی بھی تھی جس کی کھیری میں دودھ کا ایک قطرہ تک نہ تھا۔ میرا بچہ بھوک کی وجہ سے ساری ساری رات روتا رہتا اور ہمیں ایک پل کے لئے بھی سونا نصیب نہ ہوتا۔ نہ میری چھاتیوں میں اتنا دودھ تھا جس سے وہ سیر ہوسکے اور نہ ہماری اونٹنی کی کھیری میں دودھ تھا جو ہم اس کو پلا سکتے۔ ہم اس امید پر جی رہے تھے کہ اللہ تبارک تعالیٰ احسان فرمائے گا' بارش برسے گی اور خوشحالی کا

زمانہ پھر لوٹ آئے گا۔ میں اس گدھی پر سوار ہو کر اس قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئی مارے بھوک اور کمزوری کے وہ قدم بھی نہیں اٹھا سکتی تھی اس کی وجہ سے سارا قافلہ مصیبت میں تھا۔ نہ ہمیں چھوڑ کر وہ آگے جاسکتے تھے اور نہ یہ لاغر گدھی چلنے کا نام لیتی تھی بڑی مشکل سے ہم مکہ پہنچے۔ اور سب نے بچے تلاش کرنے کے لئے گھر گھر چکر لگانے شروع کیے۔

بنی سعد کی عورتیں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے نونہال کے پاس بھی گئیں لیکن جب انہیں پتہ چلتا کہ یہ یتیم ہے تو وہ واپس لوٹ آتیں' یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس کا باپ تو ہے نہیں جو ہماری خدمات پر ہمیں انعام واکرام سے مالا مال کر دے' بیوہ ماں اور بوڑھا دادا ہماری کیا خدمت کرے گا۔

چند دنوں میں ہر عورت کو بچہ مل گیا ایک میں تھی جس کی گود خالی تھی میری غربت' تنگ دستی اور خستہ حالی کو دیکھ کر کوئی خاندان مجھے اپنا بچہ دینے کے لئے آمادہ نہ ہوا آخر میں نے اپنے خاوند کو کہا بخدا میں خالی واپس گھر نہیں جاؤں گی میں اس یتیم بچے کو ہی لے لوں۔ میرے خاوند نے کہا کہ جاؤ اور اس یتیم بچے کو لے آؤ۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں گئی اور وہ بچہ لے آئی اور مجھے بھی کوئی اور بچہ مل جاتا تو شائد میں بھی ایک یتیم بچہ کو نہ اٹھالاتی میرے لئے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا سعی بسیار کے باوجود مجھے کسی دوسری عورت نے اپنا بچہ دیا ہی نہیں۔ (مجھے کوئی اور بچہ ملا ہی نہیں۔)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب میں مکہ پہنچی تو مجھے حضرت عبدالمطلب ملے انہوں پوچھا تم کون ہو؟ میں نے کہا میں بنی سعد کی ایک خاتون ہوں انہوں نے نام پوچھا تو میں نے بتایا حلیمہ' یہ سن کر حضرت عبدالمطلب فرط مسرت سے مسکرانے لگے اور فرمایا۔

ترجمہ:- واہ وا۔ سعد اور حلم' کیا کہنا یہ دو خوبیاں ہیں جن میں زمانہ بھر کی بھلائی اور ابدی عزت ہے۔

پھر فرمایا میرے ہاں ایک یتیم بچہ ہے کسی نے اس کے یتیم ہونے کی وجہ سے اسے قبول نہیں کیا' تو اس یتیم بچہ کو گود میں لینے کے لئے تیار ہے۔

کیا تو اس کو دودھ پلانے کے لئے تیار ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کی برکت سے تیرا دامن خیر و برکت سے بھر جائے۔ میں نے اپنے خاوند سے مشورہ کرنے کے لئے اجازت طلب کی۔ میرے پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تبارک تعالیٰ نے میرے خاوند کے دل کو اس گنج بیش بہا کے لئے فرحت و سرور سے بھر دیا۔ اس نے کہا حلیمہ! دیر نہ کرو فوراً جاؤ اور اس بچے کو لے آؤ' میں واپس آئی تو حضرت عبدالمطلب کو اپنا منتظر پایا میں نے کہا وہ بچہ مجھے دے دیجئے' میں اس کو دودھ پلانے کے لئے تیار ہوں۔

وہ مجھے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر لے گئے سیدہ نے مجھے خوش آمدید کہا اور مجھے اس کمرہ میں لے گئے جہاں یہ نور نظر لیٹا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دودھ کی طرح سفید صوف کے کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے۔ نیچے سبز رنگ کی ریشمی

چادر بچھی تھی آپ اس پر آرام کر رہے تھے۔ کستوری کی مہک اٹھ رہی تھی آپ کے معصوم حسن و جمال کو دیکھ کر میں تو فریفتہ ہوگئی مجھ میں یہ جرات نہ تھی کہ آپ کو جگاؤں۔ میں نے اپنا ہاتھ سینہ مبارک پر رکھا تو وہ جانِ جہاں مسکرانے لگے اور اپنی سرمگیں آنکھیں کھولیں۔ میں نے محسوس کیا کہ ان آنکھوں سے انوار نکل رہے ہیں اور آسمان کو چھو رہے ہیں۔ میں نے بے اختیار دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور آپ کو اٹھا کر اپنے سینہ سے لگا لیا اور اپنے خاوند کے پاس لے آئی۔ (السیرۃ النبویہ از احمد بن دحلان جلد 1 صفحہ 55, 56)

حلیمہ بیان کرتی ہیں کہ جب میں اس دولت سرمدی کو اٹھائے ہوئے واپس اپنے خیمہ میں پہنچی تو میں نے دودھ پلانے کے لئے اپنی دائیں چھاتی پیش کی حضور نے اس سے پیا' جتنا چاہا۔ پھر میں نے بائیں چھاتی پیش کی آپ نے پینے سے انکار کر دیا یعنی آپ نے اسے منہ مبارک نہ لگایا۔ رب کی شان اور عظمت رسول پیغمبر اوّل و آخر واعظم ﷺ ملاحظہ ہو کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب کو الہام کیا کہ تیرا ایک اور بھائی بھی ہے اس لئے آپ عدل کریں اور دوسری طرف سے دودھ نہ پئیں۔ جس ہستی نے آگے چل کر سارے جہاں کو عدل و انصاف کا درس دینا تھا اس کا پروردگار یہ کیسے برداشت کر سکتا کہ اس کا اپنا دامن کسی بے انصافی سے ملوث ہو۔ حضور پُرنور ﷺ کے دودھ پینے سے پہلے حلیمہ کی چھاتیوں میں برائے نام دودھ تھا لیکن حضور انور ﷺ کے دودھ پینے کی برکت سے وہ چھاتیاں دودھ سے بھر گئیں۔ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی نے بھی خوب سیر ہو کر دودھ پیا اور رات کو وہ بھی خوب جی بھر کر سویا۔

اس کو سلانے کے بعد میرا خاوند اس بوڑھی اور لاغر اونٹنی کی طرف گیا وہ دیکھ کر اس کی حیرت و خوشی کی حد نہ رہی کہ اس کی اونٹنی کی کھیری دودھ سے بھری ہوئی ہے اس نے اسے دوہا خود بھی جی بھر کر پیا اور میں نے بھی سیر ہو کر دودھ نوش جان کیا۔ ہم سب رات کو خوب سوئے وہ رات ہم نے بڑے آرام و راحت سے بسر کی۔ رات بھر میٹھی نیند کے مزے لوٹنے کے بعد جب ہم بیدار ہوئے تو میرے خاوند نے کہا۔

بخدا! اے حلیمہ ہمیں خیر و برکت والا بچہ نصیب ہوا۔ میں نے کہا میں بھی یہی امید رکھتی ہوں۔ (یعنی کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔)

جب سب عورتوں کو رضاعت کے لئے بچے مل گئے تو ہمارا کارواں اپنے مسکن کی طرف روانہ ہوا۔ ساری خواتین اپنے نئے بچوں کے ساتھ اپنی اپنی اونٹنیوں پر سوار ہوئیں۔ میرے پاس وہی گدھی تھی جو کمزوری کے باعث چل نہیں سکتی تھی جس نے سارا قافلہ کو آتے ہوئے پریشان کر دیا تھا۔ میں اب جو اپنے نئے فرزند ارجمند کے ساتھ اس پر سوار ہوئی تو اس کمزور گدھی کی حالت ہی بدل گئی تھی۔ وہ یوں تیزی سے قدم اٹھاتی تھی کہ قافلہ کی ساری سواریاں پیچھے رہ گئیں وہ گویا چل نہیں رہی تھی بلکہ اڑ رہی تھی۔ قافلے والیاں چیخ اٹھیں۔ کہنے لگیں اے ابی ذوَیب کی بیٹی! خدا تیرا بھلا کرے ہم پر رحم کر اور اپنی گدھی کو آہستہ آہستہ چلا۔ بھلا یہ تو بتا یہ وہی پہلی والی گدھی ہے جو قدم

اٹھانے سے معذور تھی' اب اسے کہاں سے پر لگ گئے کہ اڑتی چلی جا رہی ہے۔ میں انہیں کہتی بخدا یہ وہی گدھی ہے۔ خدا تمہارا بھلا کرے تم دیکھتی نہیں اس پر کون سوار ہے۔

آخر ہم اپنی قیام گاہوں پر پہنچ گئے اللہ کی ساری زمین میں یہ علاقہ سب سے زیادہ قحط زدہ تھا۔ گھاس کا ایک تنکا بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ لیکن میری بکریاں شام کو جب واپس آتیں تو ان کے پیٹ بھرے ہوئے اور ان کی کھیریاں دودھ سے لبریز ہوتیں۔ ہم دودھ دوہتے اور خوب سیر ہو کر پیتے دوسرے لوگوں کے ریوڑ بھوکے واپس آتے ان کی کھیریوں میں سے دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکتا۔ وہ لوگ اپنے چرواہوں کو ڈانٹتے اور کہتے تم ہماری بھیڑ بکریاں وہاں کیوں نہیں چراتے جہاں ابوذویب کی بیٹی کی بکریاں چرتی ہیں۔ دن بدن ان انعامات اور برکات میں اضافہ ہوتا جاتا اور ہم خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے' یہاں تک کہ دو سال کا عرصہ ختم ہو گیا' اور میں نے حضور ﷺ کا دودھ چھڑا دیا۔ اس عرصہ میں آپ کی نشوونما کی کیفیت نرالی تھی دو سال میں آپ قوی اور توانا اور مقابلتاً بڑے بچوں کی طرح ہو گئے۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز میں حضور پُرنور ﷺ کو گود میں لئے بیٹھی تھی بکریوں کا ایک ریوڑ میرے قریب سے گزرا۔ ان میں سے ایک بکری آگے آئی اور حضور ﷺ کو سجدہ کیا' اور سر مبارک کو بوسہ دیا پھر بھاگ کر دوسری بکریوں میں مل گئی۔ (السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 57)

سیرت النبویہ میں ہی جلد 1 صفحہ 49 پر اسے اس اضافے کے ساتھ یوں بیان کیا گیا ہے۔

اتنے میں ایک بکری ریوڑ سے الگ ہوئی اور یتیم محمد ﷺ کے قدموں میں آ کر سجدہ ریز ہو گئی اور یوں ہی مجسمہ عقیدت بن کر کھڑی رہی۔ میاں بیوں یہ منظر دیکھ کر خود بھی عقیدت و محبت میں ڈھل گئے۔

(السیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 49)

بکری کو یوں سجدہ ادب و احترام و عظمت میں سجدہ ریز دیکھ کر حضرت حلیمہ کے شوہر حارث تاثر کی گہرائیوں میں ڈوب کر بولا:

بخدا اے حلیمہ! تو نے بڑی ہی برکت والی روح حاصل کر لی ہے۔ (محمد رسول اللہ صفحہ 30)

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم مکہ کے سفر سے واپس پہنچے تو ہر گھر سے کستوری کی مہک آنے لگی وہاں کے سب لوگ حضور پُرنور ﷺ کی محبت میں دیوانے ہو گئے۔ جب حضور انور ﷺ کی برکتوں کا مشاہدہ کرتے تو سو جان سے فدا ہونے لگتے۔ جب کسی کو کوئی بدنی تکلیف ہوتی وہ آتا حضور پُرنور ﷺ کی بابرکت ہتھیلی کو پکڑ کر تکلیف والی جگہ پر رکھتا' باذن اللہ تبارک تعالیٰ فوراً شفایاب ہو جاتا۔ اگر ان کا کوئی اونٹ یا بکری بیمار ہو جاتی تو اس پر حضور پُرنور ﷺ کا دست مبارک پھیرتے وہ تندرست ہو جاتی۔ آپ کہتی ہیں کہ راحت و خوشحالی کے یہ دو سال گویا پل بھر میں بیت گئے۔ حضور پُرنور ﷺ کی روز افزوں برکات کے سائے میں جو مزے ہم لوٹ رہے

تھے اس کے باعث ہماری یہ خواہش تھی کہ حضور انور ﷺ کچھ عرصہ اور ہمارے ہاں اقامت گزیں رہیں۔

مدعت رضاعت پوری ہونے کے بعد ہم حضور انور ﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس لے آئے۔ لیکن ہمارا دل جدائی برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ میں نے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے گزارش کی، بہتر ہے کہ آپ اپنے فرزند گرامی کو مزید کچھ عرصہ کے لئے ہمارے پاس رہنے دیں' وہاں کی آب وہوا کا ان کی صحت پر خوشگوار اثر ہوگا۔ مکہ کی وبا زدہ فضا اور آلودہ ماحول سے ان کا دور رہنا ہی بہتر ہے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے اس بات پر اتنا اصرار کیا کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو ہاں کرنا پڑی۔ چنانچہ آپ پھر اس بخت بیدار کو اپنے آغوش میں لئے شاداں وفرحان اپنے قبلہ میں واپس آ گئیں۔

حضور کی واپسی سے گھر گھر خوشی کے چراغ روشن ہو گئے۔ آپ کی رضاعی بہن حضرت شیما رضی اللہ عنہا کی مسرت کی تو کوئی حد نہ تھی' کبھی کھلاتی' کبھی پلاتی کبھی گیت (لوری) گا گا کر دل بہلاتی' کبھی محبت بھری لوریاں دیتی۔ وہ معصوم بچی جن پاکیزہ کلمات سے حضور پُر نور ﷺ کو لوریاں دیتی مورخین نے اپنی کتب میں انہیں ثبت کر دیا ہے۔ تا کہ آنے والی نسلیں بھی پیار والفت کے لطیف جذبات سے لطف اندوز ہو سکیں وہ کہتیں۔ (لوری کے چند اشعار کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔)

1- ''اے میرے رب! میرے بھائی محمد کو ہمارے لئے سلامت رکھ یہاں تک کہ میں آپ کو جوان گھبرو دیکھوں۔''

2- ''یہاں تک کہ میں آپ کو اپنی قوم کا سردار دیکھوں جس کی سب اطاعت کر رہے ہوں۔

3- اے میرے رب! اسکے دشمنوں اور حاسدوں کو ذلیل ورسوا کر۔''

اور انہیں وہ عزت عطا فرما جو تا ابد باقی رہے۔ (السیرۃ النبویہ از احمد زینی دحلان جلد 1 صفحہ 63)

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ حضور ﷺ کی واپسی کے دو تین ماہ بعد ایک روز حضور پُر نور ﷺ ہمارے مکانوں کے عقب میں اپنے رضائی بھائی کے ساتھ بکریاں چرا رہے تھے کہ دو پہر کے وقت اچانک آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا۔ وہ بہت گھبرایا ہوا تھا اس نے بتایا دو مرد جنہوں نے سفید لباس پہنا ہوا تھا میرے قریشی بھائی کے پاس آئے' پکڑ کر اسے زمین پر لٹا دیا اس کے شکم کو چاک کر دیا۔

اس اطلاع پر میں اور آپ کا رضاعی باپ دوڑتے ہوئے آپ کی طرف لپکے۔ ہم نے دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں اور چہرہ مبارک کی رنگت زردی مائل ہے۔ آپ کے باپ نے آپ کو گلے لگا لیا اور پوچھا میرے بیٹے کیا ہوا؟ آپ ﷺ نے بتایا میرے قریب دو آدمی آئے جنہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور مجھے پکڑ کر زمین پر لٹا دیا۔ پھر میرے شکم کو چیر دیا۔ اس میں سے کوئی چیز نکالی اور اسے باہر پھینک دیا پھر میرے پیٹ کو سی کر پہلے کی طرح کر دیا۔

ہم دونوں آپ ﷺ کو اپنے ہمراہ لے کر واپس گھر آئے۔ آپ کے رضاعی باپ نے مجھے کہا اے حلیمہ! مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو آسیب کا اثر ہوگیا ہے ہمیں چاہیے کہ بچے کو اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دیں اس سے پہلے کہ آسیب کے اثرات ظاہر ہوں۔ چنانچہ ہم آپ کو لے کر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ گئے۔

ہمیں دیکھ کر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا گھبرا گئیں پوچھا خیر تو ہے۔کل (کچھ عرصہ پہلے) تو بڑے چاؤ سے لے گئی تھیں اور آج (اتنے کم عرصہ بعد) واپس بھی لے کر آ گئی ہو۔ہم نے کہا بخدا کچھ بھی نہیں ہوا' ہم نے سوچا کہ جو ہمارا فرض تھا وہ ہم نے بڑی خوش اسلوبی سے ادا کر دیا۔اب بہتر ہے کہ ہم اس نونہال کو اس کے اہل خانہ کے حوالہ کر دیں اور اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے سچ سچ بتاؤ کیا حادثہ رونما ہوا ہے کہ تم نے اپنا ارادہ بدل لیا۔آپ نے اصرار کیا تو حلیمہ بتانے پر مجبور ہو گئیں اور شق صدر کا واقعہ سنایا آپ نے فرمایا اے حلیمہ! کیا تمہیں یہ خوف ہے کہ میرے نور نظر کو شیطان کوئی اذیت پہنچائے گا۔ بخدا ہر گز نہیں۔شیطان اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔تم دیکھو گی کہ میرے اس بچے کی نرالی شان ہوگی اور میرا یہ بچہ آفتاب بن کر چمکے گا۔حلیمہ! کیا میں اپنے بیٹے کے بارے میں تمہیں کچھ بتاؤں۔حلیمہ نے عرض کیا ضرور بتایئے فرمانے لگیں۔

جب مجھے حمل قرار پایا تو عام عورتوں کی طرح نہ مجھے اس کا کوئی بوجھ محسوس ہوا نہ کوئی اور تکلیف محسوس ہوئی۔ حمل کے دنوں میں میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے اندر سے نور خارج ہوا جس کی روشنی میں مجھے شام کے محلات نظر آئے۔ولادت کے وقت انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکے ہوئے تھے۔اور سر آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا۔اب اسے میرے پاس ہی رہنے دو' میں خود اس کی خبر گیری کروں گی۔

رضاعت کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

''یہ حدیث مختلف طریقوں سے مروی ہے اور یہ ان احادیث میں سے ہے جو سیرت نگاروں اور مغازی کے مصنفین کی نزدیک مشہور اور معروف ہیں۔'' (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد 1 صفحہ 228)

قارئین کرام!

میرے نقطۂ نظر سے اس باب میں چند ایک ایسی باتیں' ایسے نکتے ہیں جو توجہ طلب اور وضاحت طلب ہیں۔ میں ان کی اس لئے وضاحت کروں گا کہ سیرت النبی ﷺ سے ممکنہ مغالطے اور ابہام کو دور کر دیا جائے۔ شکوک و شبہات کے لئے گنجائش نہ چھوڑی جائے اور قارئین کرام سیرت النبی کے اس حصہ کو زیادہ خوبصورتی کے ساتھ سمجھ سکیں۔یہ میرے ذاتی خیالات یا مغالطوں اور ابہام کو دور کرنے کا انداز فکر ہے۔اللہ کرے کہ یہ آپ کو پسند آئے اور سیرت النبی کو خوبصورتی کے ساتھ سمجھنے' بیان کرنے میں مدومعاون ثابت ہو۔اور اگر اس کا لکھنا کسی کی طبیعت پر گراں ہو تو میں اس سے معافی کا طالب ہوں اور رہنمائی کا بھی۔

وہ وضاحت طلب نکات درج ذیل ہیں:

(1) رضاعت کے لئے یتیم ہونے کے سبب آپ ﷺ کو لینے سے ہچکچانا' سب سے آخر میں لینا

(2) ایک جملہ ''کل تو اسے بڑے اصرار و شوق سے لے گئی تھی اور آج واپس لے آئی ہو۔''

(3) لمبے عرصہ کے لئے' سال دو سال کے لئے آپ ﷺ کو لے جانا اور عرصہ دراز بعد ملانے لانا۔

(4) جب آپ ﷺ حضرت حلیمہ کے پاس تھے' یہ شق صدر کس عمر میں ہوا۔

اب باری باری مندرجہ بالا نکات کی وضاحت پیش خدمت ہے۔

(1) وضاحت طلب پہلا نکتہ: رضاعت کے لئے یتیم ہونے کے سب آپ ﷺ کو لینے سے ہچکچانا' سب سے آخر میں لینا۔

اس نکتہ کے بارے میں یہ گزارش کرنی ہے کہ ایسا ہونے میں مشیت ایزدی' حکمت الٰہی تو ہوسکتی ہے لیکن آپ ﷺ کا یتیم ہونا اس کا سبب نہیں ہوسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے دادا محترم حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی ولادت مبارک سے کوئی تیس (30) پینتیس (35) سال پہلے سے مکہ کے واحد مانے ہوئے سردار' سربراہ یا حاکم تھے اور کعبۃ اللہ' حرم شریف اور دیگر عبادات و انتظامات کے واحد کرتا دھرتا آپ ہی تھے۔ آپ کعبہ اللہ اور حرم شریف کے متولی تھے جو ہر لحاظ سے بہت بڑا اعزاز تھا۔

یوں تو مکہ کے اردگرد اور سارے عرب میں ہی سرداریاں تھیں اور ان کے سردار تھے جو عموماً اپنے اپنے قبیلہ کے سردار ہوتے تھے لیکن مکہ کا سردار ہونا ایک علیحدہ بات تھی بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ مکہ کا سردار ہی سارے عرب کا سب سے بڑا سردار ہوتا تھا تو یہ مبالغہ نہیں ہوگا۔

مختلف قبائل کے سرداروں کی زیادہ اہمیت' حاکمیت' وقعت و عزت صرف اپنے اپنے قبیلہ میں تھی اور اسی طرح ان کے باہمی تعلقات یا تعلقات عامہ بھی بہت محدود تھے جب کہ سردار مکہ کی اہمیت' حاکمیت' وقعت' عزت و احترام سارے عرب میں تھا اور اسی نسبت سے اُس کے تعلقات' ذرائع' اخراجات' خدمت حجاج' خدمت خلق' جان پہچان اور واقفیت وغیرہ دوسرے سرداروں سے کہیں زیادہ تھی۔ اور سردار مکہ سے زیادہ سخی' رحم دل' نوازشات کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے۔ ان کے تو دسترخواں سال بھر خلق خدا کے لئے کھلے رہتے تھے۔

اس لئے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ رضاعت کے لئے یتیم ہونے کے سبب آپ ﷺ کو لینے سے ہچکچانا' سب سے آخر میں لینا مشیت ایزدی' حکمت ربّ العالمین تو ہوسکتی ہے لیکن آپ ﷺ کا یتیم ہونا یا کم داد و دہش' ہدایہ و عنایات کے ملنے کا خدشہ قطعاً نہیں ہوسکتے۔

(2) وضاحت طلب دوسرا نکتہ: ایک جملہ ''کل تو اسے بڑے اصرار و شوق سے لے گئی تھی اور آج واپس لے آئی ہو۔''

اس جملہ سے بھی غلط فہمی کا امکان ہے۔ عام قاری اس کے لفظی معنی بھی لے سکتا ہے یعنی کہ حضرت حلیمہ ﷞ آپ ﷺ کو بڑے اصرار و شوق و چاہت سے اپنے ساتھ رکھنے کے لئے لے کر گئیں لیکن دوسرے ہی دن آپ ﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ اور دادا محترم کے حوالے کرنے چلی آئیں۔

دراصل یہ جملہ محاورتاً کہا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے حلیمہ! ابھی چند ماہ پہلے تو آپ اسے بہت اصرار، چاہت و شوق کے ساتھ ہم سے لے کر گئی تھیں اور اتنی جلدی آج واپس بھی لے کر آ گئی ہو، معاملہ کیا ہے؟

قارئین کرام! یہ بھی یاد رہے کہ یہ جملہ شروع کی ملاقاتوں میں نہیں فرمایا گیا تھا۔ یہ تو اس وقت فرمایا گیا جب حضرت حلیمہ ﷝ آپ ﷺ کو تقریباً چار سال اپنے پاس، اپنے ساتھ رکھنے کے بعد واقعہ شق صدر کے سبب آپ ﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ اور دادا محترم، سردار مکہ حضرت عبدالمطلب ﷛ کے حوالے کرنے آئیں۔

(3) وضاحت طلب تیسرا نکتہ: لمبے عرصہ کے لئے، سال دو سال کے لئے آپ ﷺ کو لے جانا اور عرصہ دراز بعد ملانے لانا۔

قبیلہ بنو سعد کا مکہ سے تیس (30) پینتیس (35) کلو میٹر دور ہونا، اتنے کم فاصلہ سے سال دو سال میں ایک بار والدہ محترمہ یا عزیز و اقارب سے بچے کو ملانے لے جانا اور وہ بھی ایسے شہر یا آبادی میں جہاں خانہ کعبہ ہو، ناقابل فہم و یقین سا لگتا ہے۔ یعنی کہ اس کا یقین نہیں آتا۔ بلکہ یوں لگتا ہے کہ یہ برائے ملاقات لانا سال میں دو سے تین بار تک تو ہو جاتا ہوگا۔ کیونکہ مکہ والوں کے لئے ایک سال میں دو دفعہ تو تجارتی قافلے ذریعہ معاش کما کر لاتے تھے اور پھر مکہ بذاتِ خود بیت اللہ کا شہر یا آبادی ہے۔ نزدیک والے لوگ تو گاہے گاہے آتے ہی رہتے ہوں گے۔

بسلسلہ رضاعت و ملاقات تاریخ میں اتنی کم معلومات ہیں کہ تشنہ لبی سی رہتی ہے بلکہ یہ غلط فہمی سی رہتی ہے کہ شاید شق صدر اسی پہلی ملاقات کے بعد ہی ہو گیا تھا جب آپ حضور پُر نور ﷺ کی عمر دو سال ہو گئی تھی، دودھ چھڑا دیا تھا اور حضرت حلیمہ ﷝ اپنے شوق و خواہش سے آپ ﷺ کو اپنے ساتھ واپس لے گئیں۔

اس ضمن میں بغور پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سارے عرصہ میں حضرت حلیمہ کی مکہ آمد و رفت یہ تھی۔

1- حضرت حلیمہ قافلہ کے ساتھ آئیں اور آپ ﷺ کو رضاعت کے لئے لے گئیں۔

2- دو سال بعد جب دودھ چھڑایا تو آپ ﷺ کو واپس کرنے مکہ آئیں لیکن پھر شوق و چاہت سے آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لے گئیں۔

3- مزید دو سال گزرنے کے بعد شق صدر کا واقعہ پیش آیا تو حضرت حلیمہ مکہ آئیں اور آپ ﷺ کو والدہ ماجدہ کے سپرد کر گئیں۔

آپ حقیقت پسندی سے دیکھیں تو یہ آمد و رفت بہت کم لگتی ہے۔ سال میں ایک بار سے بھی کم آمد و رفت

نا قابل یقین لگتی ہے۔نعوذ باللہ میں اس میں تاریخ دانوں کو مورد الزام نہیں ٹھہرا رہا' مشیت ایزدی ہی اس طرح سے تھی۔ یہ بچپن کی معلومات تو آپ حضور پُر نور ﷺ کی سب سے اونچی اور نرالی شان وعظمت کا ایک بین ثبوت ہیں۔آپ ﷺ کی عظمت وشان کے صدقے تو لوگوں کو پچاس ساٹھ سال پرانے بچپن کے واقعات بھی جوں کے توں یاد رہے۔ورنہ دوسروں کے بارے میں تو کیا' اکثر لوگ اپنے ہی بارے میں چیدہ چیدہ واقعات کو بھی پندرہ بیس سالوں میں بھول جاتے ہیں۔پچاس ساٹھ سال پرانے اس لئے کہ یقینی طور پر بچپن کے ان حالات و واقعات کا تذکرہ آپ ﷺ کی بعثت بلکہ اس کے بھی سالوں بعد اس وقت ہوا ہوگا (لوگوں نے کیا ہوگا) جب عرب میں ہر سو پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور اس کے لائے ہوئے دین کا چرچا ہونے لگا۔

اس زمانے میں آمد ورفت کے راستے نہ تو اتنے اچھے تھے اور نہ ہی اتنے چھوٹے تھے اس لئے طائف مکہ کا درمیانی فاصلہ کوئی اسی (80) نوے (90) کلومیٹر تو بن جاتا ہوگا اور بنو سعد کا علاقہ یا مسکن مکہ سے کوئی تیس (30) پینتیس (35) کلومیٹر طائف کی جانب تھا۔

اس موضوع پر آگے بڑھنے سے پہلے ایک اور وضاحت کر دوں کہ عرب کے دوسرے شہروں کا تو پتہ نہیں ہے لیکن رضاعت کے دستور ورواج کے متعلق یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ مکہ کے امراء اور قریش اس پر شوق کے ساتھ عمل پیرا تھے تا کہ بچے بدوآنہ ماحول میں پل کر سخت جان ہوں اور وہ فصاحت' بلاغت اور عرب کی دیگر خالص خصوصیات کلی طور پر حاصل کریں۔اس لئے نواح مکہ کے قبائل کی بدوی عورتیں سال میں دو دفعہ ربیع وخریف میں بچوں کی تلاش میں شہر مکہ میں آیا کرتی تھیں۔(سیرت رسول عربی از علامہ نور بخش توکلی صفحہ 35)

جب بدو عورتیں رضاعت کے لئے بچے حاصل کرنے مکہ آتی تھیں تو وہ آٹھ دس کا گروپ ہوتا تھا جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ قافلہ کی شکل میں سفر کرتے تھے اور مکہ کے قریب پہنچ کر ایک دو دن کے لئے خیمہ زن ہو جاتے تھے۔وہ دوسرے دن صبح کے وقت مکہ کی آبادی میں داخل ہوتے اور گھوم پھر کر عورتیں بچے حاصل کرتیں۔اپنے اپنے کام نبٹانے کے بعد یہ لوگ اپنے کیمپ (پڑاؤ کی جگہ) آجاتے اور پھر وہاں سے اپنی مستقل رہائش یا قبیلے کے لئے روانہ ہو جاتے۔

یعنی کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے آپ حضور انور ﷺ کو جب اپنے ساتھ لے آئیں تو پھر اپنے خیمے میں پہنچنے کے بعد دودھ پلایا ہوگا۔یعنی کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اور اہل خانہ کے یہ حیران کن' خوش کن دل آویز مشاہدات میں سے کئی ایک تو قبیلہ میں اپنی رہائش تک پہنچنے سے پہلے ہی رونما ہو چکے تھے۔

میرے خیال میں آپ ﷺ کو ملانے کے لئے سال میں ایک دو بار ضرور لایا جاتا ہوگا میرے ایسا سوچنے کی کئی وجوہات ہیں جو درج ذیل بیان ہیں۔

1- آپ ﷺ کا خاندان مکہ میں خوشحال وسردار خاندان تھا۔

2- خاندان باعزت اور طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی مہمان نواز' مہربان غریب پرور اور سب احترام کرنے والا تھا۔
3- آپ ﷺ یقینی وفطری طور پر اپنی والدہ ماجدہ اور دادا محترم کے دل کا قرار تھے۔
4- باپ کا سایہ سر پر نہ ہونے کے سبب بھی آپ ﷺ خاندان میں سب کی توجہ کا مرکز تھے' پیارے تھے۔ چچا تایاؤں بلکہ سب عزیزوں کی آنکھ کا تارا تھے۔
5- فطری تقاضے' مجبوریاں بھی انسان کی ساتھ ساتھ ہیں۔ والدہ ماجدہ اور دادا حضور کو اپنے لاڈلے کو سال میں ایک دو بار دیکھے بغیر کیسے سکون وقرار رہتا ہوگا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے بھی سال میں ایک دو بار مکہ آ کر ملاقات کے حق میں کئی پہلو نکلتے ہیں' کئی وجوہات ہیں۔

1- بچے اور بچے کے لئے ماں کے جذبات کو ان سے زیادہ کون جانتا ہوگا۔
2- وہ بذات خود بہت حلیم الطبع دوسروں کا خیال رکھنے والی ملنسار خاتون تھیں۔
3- اب اسے مکہ آنا رہنا آسان ہو گیا تھا۔ کیونکہ مکہ میں خیمہ زن ہونا اور رہنا اس کے لئے اب مسئلہ نہ تھا۔
4- اب کھانے پینے کی بھی پہلے جیسی تنگی نہ تھی بلکہ خوشحالی تھی اس لئے سفر کرنا مشکل نہ تھا۔
5- گھر کے تمام افراد دو سواریوں پر سوار ہو کر حسب خواہش وضرورت مکہ آ جاتے ہوں گے۔
6- حضرت سعدیہ بھی خدائے واحد کی پرستار تھیں اس لئے خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے بھی کبھی آنا ہو جاتا ہوگا۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ آپ حضور پُر نور ﷺ کو ملانے کے لئے سال میں کم از کم ایک دو بار تو ضرور آنا جانا رہا ہوگا۔ مجھے یہ یقین ہے کہ میرے اس مفروضے سے اور اس سے حاصل ہونے نتیجہ سے ایسے قارئین کرام جو آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے زیادہ سے زیادہ لمحات' شب وروز جاننا چاہتے ہیں ان کی بہت ساری الجھنیں دور ہو گئی ہوں گی۔ الحمد للہ اگر ایسا ہے تو میں نے بھی اپنا مقصد پالیا۔ میرا مقصد بھی باب رضاعت سے شکوک وشبہات یا ذہنی الجھنیں ہی دور کرنا تھا۔

(4) <u>وضاحت طلب چوتھا نکتہ:</u> جب آپ ﷺ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے' یہ شق صدر کس عمر میں ہوا؟

قارئین کرام یہ حقیقت واضح ہے کہ آپ ﷺ کا جب دودھ چھڑایا تو آپ دو سال کے ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ خوب تندرست وتوانا تھے۔ حضرت حلیمہ اپنی مرضی شوق وخواہش سے آپ ﷺ کو پھر اپنے ساتھ لے گئیں۔

اور یہ بھی خوب واضح ہے کہ پہلے شق صدر کے وقت آپ ﷺ کی عمر چار سال کی ہو چکی تھی اور پانچویں سال کے چند مہینے (دو تین مہینے) حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے گھر گزار چکے تھے کہ شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔

اوراس سے یہ بھی معلوم دیتا ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار سال کے ہو گئے تھے تو ملانے لے گئیں تھیں اور پھر اپنی خواہش وشوق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔ اوراس کے چند ماہ بعد ہی شق صدر کا واقعہ پیش آ گیا کہ بالآخر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر آئیں۔

نومولود ﷺ کی شان وعظمت میں ظہورعجائبِ قدرتِ ربّ العالمین

زمیں وآسمان اوران کے درمیان تمام مخلوق اللہ کی پاکی بولتی اوراس کی عبادت کرتی ہے وہی عزت وحکمت والا ہے۔(سورہ حشر آیت 1) آپ ﷺ کاحکم ماننا ہی اللہ کاحکم ماننا ہے(سورہ نساء آیت 80) آپ ﷺ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے(سورہ فتح آیت 10) اورآپ ﷺ کا پھینکنا' اللہ کا پھینکنا ہے(سورہ انفال آیت 17) یعنی کہ آپ حضور پُرنور ﷺ کا ہرعمل اللہ کا پسندیدہ عمل ہے۔آپ ﷺ ہی نے ربّ العالمین کی مکمل اورحتمی پہچان کرائی ہے یابالفاظ دیگر آپ ﷺ ہی اللہ تبارک کی مکمل پہچان ہیں۔

آپ ﷺ ہی کے لئے' کے سبب یہ کائنات بنی اورآپ ﷺ ہی کے سبب اس کی رعنائیاں' رنگینیاں دلکشی' خوبصورتی' دلفریبیاں قائم ہیں۔آپ ﷺ کی سب سے اونچی شان وعظمتوں کااعتراف وبیان مقصود ومطلوب ربِ للعالمین ہیں اورآپ ﷺ کی بھی پل پل نئی شان ہے۔اب درج ذیل میں آپ نومولود ﷺ کی سب سے اونچی شان وعظمت کوواضح کرنے کے لئے عجائبِ قدرتِ ربّ العالمین پڑھیئے' اس سے لطف وسروراٹھائیں اور ایمان تازہ کریں۔

جوواقعہ عادۃً محال ہواوراسباب وعلل کے نظام میں عقل اس کی ظاہری توجیہہ سے عاجز وقاصرہوجائے وہ اگرکسی نبی سے صادرہوتواسے معجزہ کہتے ہیں۔اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کواس نبی کی نبوت اورصداقت کا یقین آجائے اوروہ جان لیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اسے خاص طورپرایسی امتیازی شان اورنمایاں برتری بخشی ہے جودلیل نبوت ہے۔

خالق ومالک کائنات اللہ تبارک تعالیٰ نے ہرنبی اوررسول کوکوئی نہ کوئی خصوصیت بخشی اوراسے اس دور کے لوگوں پرفوقیت عطاکی۔مگرجب نبی آخرالزماں ﷺ کی باری آئی توآپ کی پیدائش سے پہلے ہی آپ کی امتیازی شانوں کے اظہار کاسلسلہ شروع کردیاحتیٰ کہ ولادت کے بعدپورابچپن ہی معجزہ نماکردیا۔

بچپن کادوربے شعوری کادورہوتا ہے۔بچے کوکچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کیاکررہا ہے۔مگرحضورپُرنورنبی کریم روف ورحیم ﷺ کا بچپن ایساپاکیزہ اورنرالا ہے کہ بے شعوری کے عیب سے بھی پاک ہے۔کوئی عمل اس میں ایسا

دکھائی نہیں دیتا جو محض معمولی بچپن کا نمائندہ ہو۔آپ کی ہر ادا بڑی منضبط اور ایک خاص سانچے میں ڈھلی ہوئی نظر آتی ہے جو دوسرے کو حیرت میں ڈالتی اور سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ یہ کیسے وجود میں آ گئی اور اس عالم شیر خوارگی میں کیسے سرزد ہوئی؟ اس حوالے سے حضور ﷺ کا بچپن اوّل سے آخر تک معجزہ ہے جس نے پورے عالم عرب کو حیرت میں ڈال دیا۔

عبدالمطلب کو تسلی

آیئے اب ہم نومولود ﷺ کی سب سے اونچی شان و عظمت پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔خوابوں اور بشارتوں کے ذریعے قدم قدم پر حضرت عبدالمطلب کی رہنمائی کا سلسلہ جاری تھا' یہاں بھی ان کی رہنمائی ہوئی اور ان کے کانوں سے یہ اشعار ٹکرائے جیسے ''ہاتف غیبی'' انہیں تسلی دے رہا ہو کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں یہ عورتیں اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی گود میں ''نعمت عظمیٰ'' ڈال دی جائے۔اس شرف و اعزاز کے لائق ایک اور ہی خاتون ہے جس کا نام حلیمہ ہے وہ بنوسعد سے تعلق رکھتی ہے اس کا انتظار کرو۔وہ الفاظ جو آپ کی سماعت میں آئے یہ تھے۔

یہ اشعار کی شکل میں تھے جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

1- بے شک آمنہ کے لال' امین و کریم محمد برگزیدہ خلائق ہیں' اور تمام اچھوں سے اچھے ہیں۔

2- حلیمہ کے سوا کوئی ان کی ''آیا'' نہیں ہے' وہ ایک امین و دیانت دار بہترین خاتون ہے جو ابرار کی نگہداشت کرنا جانتی ہے۔

3- وہ ہر فحش عیب' غلط کاری سے محفوظ پاکدامن اور کردار کی مضبوط عورت ہے۔

4- ہمارے اس محبوب کو اس کے سوا کسی کے سپرد نہ کرو۔یہ اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے تمہارے نام خاص حکم ہے۔(السیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 47)

ان ربانی انتظامات سے آگاہ ہو کر حضرت عبدالمطلب مطمئن ہو گئے اور ان عورتوں کے رویئے سے اس کے دل پر غم کا جو غبار چھا گیا تھا وہ دھل گیا اور انہیں پتہ چل گیا کہ یہ عورتیں ہمارے بچے کو نہیں چھوڑ رہیں بلکہ قدرت کی طرف سے ان کو رد کیا جا رہا ہے۔

ان خواتین کی مسرت اور خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا وہ امراء کے بچے گود لے کر بے حد مسرور تھیں اور یہ تصور کر رہی تھیں کہ ان کا سفر رائیگاں نہیں گیا انہیں مرضی کے مطابق اعلیٰ گھرانوں کے بچے مل گئے ہیں جن کی پرورش سے اچھی اجرت کی توقع ہے۔جب حلیمہ وہاں پہنچی تو وہ تمام بچے حاصل کر چکی تھیں' انہوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ ؓ سے کہا: تم نے بہت دیر کر دی اب صرف ایک یتیم بچہ رہ گیا ہے عبدالمطلب کا پوتا ہے اگر چاہو تو وہ لا سکتی ہو۔

حلیمہ نے اپنے شوہر حارث سے مشورہ کیا' اس نے کہا۔خالی ہاتھ جانے سے بہتر ہے کہ وہ بچہ لے آؤ۔ہو

سکتا ہے اس کی خدمت و برکت سے ہماری حالت بدل جائے اور ہماری غربت پر قدرت کو رحم آ جائے۔ حلیمہ ''محلہ بنو ہاشم'' میں پہنچی' حضرت عبدالمطلب گھر کے دروازے پر کھڑے تھے جیسے اس کے انتظار میں ہوں۔

''تمہارا نام کیا ہے اور کس قبیلے سے ہو؟'' حضرت عبدالمطلب نے پوچھا'

میرا نام حلیمہ ہے اور قبیلہ بنوسعد سے میرا تعلق ہے' حلیمہ نے جواب دیا۔ یہ نام سن کر حضرت عبدالمطلب مسکرائے جس کی انہیں بشارت دی گئی تھی وہ خود ہی آ گئی۔ آپ نے خوش دلی سے اس کا استقبال کیا اور حلیمہ سے فرمایا۔

دونوں نام مبارک ہیں' حلم اور سعادت پر دلالت کرتے ہیں۔

کیا تم ایک یتیم بچے کی پرورش کرنا پسند کرو گی؟ قدرت کا شاہکار' بے مثال بچہ ہے' اندر جاؤ' برکتوں اور سعادتوں کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لو جو تمہاری منتظر ہیں۔

حلیمہ دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوئی' سب سے پہلے خوشبو کے جھونکوں نے اس کا استقبال کیا وہ دلاویز خوشبو سے مسحور و بے خود ہو گئی' دل کو سنبھالا آگے بڑھی تو دیکھا کہ سبز ریشمی بستر پر' سفید شفاف روئی کا لباس پہنے ''کونین کا شہزادہ'' سویا ہوا ہے اور اس سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی ہیں۔ ام ایمن اسے نومولود کے پاس لے گئی کیونکہ وہ ہی اس خدمت پر مامور تھیں۔

حلیمہ حیران و دم بخود رہ گئی' عقیدت نے پاؤں پکڑ لئے' محبت نور بن کر دیدہ و دل میں اتر گئی' ہوش نہ رہا کہ کیا کرے اتنا حسن و جمال اور رعب و جلال آج تک اس نے کسی بچے میں نہیں دیکھا تھا۔ آخر ہمت کی' تھوڑا سا آگے بڑھی' محبت نے جوش مارا' اس خیال سے کہ جاگ نہ جائیں آہستہ سے سینے پر ہاتھ رکھا۔ وہ جو سو رہے تھے مسکرا پڑے' سرمگیں آنکھیں کھول دیں' حلیمہ نے بچشم خود دیکھا کہ ان حسین آنکھوں سے نور کا ایک شعلہ نکلا اور پرواز کرتا ہوا آسمان میں جذب ہو گیا۔

اب مزید صبر کی تاب نہ رہی' چاہتوں کے سمندر اس کے اندر سما گئے اور اس نے بے اختیار آگے بڑھ کر ''کائنات کے حسن'' کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا' پیشانی کو بوسہ دیا اور سینے سے لگا لیا۔ اسے یوں لگا جیسے اندر باہر انقلاب آ گیا ہے وہ جو قحط زدہ' بھوکی اور غریب عورت تھی اور دودھ اس کی چھاتیوں سے خشک ہو چکا تھا' اس نے محسوس کیا گویا سینے میں تلاطم بپا ہو گیا ہے اور دودھ چھاتیوں میں جوش مارنے لگا ہے۔ اس نے فوراً محبت و مسرت کے عالم میں دودھ پلانا شروع کر دیا اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی' اس کے جسم سے دودھ کے سوتے پھوٹ پڑے۔

وہ نہال ہو گئی اور قدرت کی اس بیش بہا عطا پر سراپا تشکر بن گئی۔ اس کی آنکھوں سے مسرت کے آنسو جاری ہو گئے' مالک نے اسے کتنی بڑی دولت سے نواز دیا تھا۔

حلیمہ سعدیہ کو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں لے جایا گیا۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ حلیمہ بیٹھ جاؤ' کیا ہمارے اس یتیم بچے کو پالنا پسند کرو گی؟ حلیمہ نے جواب دیا! جی ہاں' جی میری سردار۔

حضرت آمنہ نے فرمایا' لیکن میرے پاس اس کی اجرت کے لئے زیادہ مال و دولت نہیں ہے۔ بس اللہ تبارک تعالیٰ ہی تجھے تیری خدمت کا اجر عطا فرمائے گا۔

حلیمہ نے جواب دیا! میری سردار' آسمان والا بڑا کریم ہے' اس کی عطاؤں اور برکتوں میں کوئی کمی نہیں۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے پھر فرمایا! مجھے خدشہ ہے کہ میں تمہارا حق واجب ادا کرسکوں گی یا نہیں۔

اس پر حلیمہ نے عرض کیا! آپ مطمئن رہیں' خدا کی قسم! میں کسی اجرت کے خیال سے اس بچے کو نہیں لے جا رہی۔ معلوم نہیں کیوں میرے اندر اس بچے کے لئے محبت کا طوفان امڈ آیا ہے۔ ایک داخلی شعور ہے جو مجھے یہ ذمہ داری نبھانے کو کہہ رہا ہے' آپ میری طرف سے بے فکر ہو جائیں۔

حضرت آمنہ مطمئن ہوگئیں اور پوچھنے لگیں۔ اب بتاؤ تم کون ہو اور کس قبیلے سے ہو؟

حلیمہ نے جواب دیا! میں حلیمہ بنت ذؤیب ہوں۔ میرا قبیلہ' بنو سعد بن بکر بن ھوازن ہے اور میرے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزیٰ ہے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا! ''میں آمنہ بنت وھب ہوں' میرے شوہر کا نام عبداللہ بن عبدالمطلب ہے اور وہ قریش کے سردار ہیں۔ تمہیں اس عظیم بچے کی دایہ مرضعہ (دودھ پلانے والی) بننے پر مبارک ہو۔''

(قصص الانبیاء فی القرآن الکریم المختار من مجمع البیان الحدیث جزء 9 خاتم النبیین محمد ﷺ 'سمیح عاطف الزین صفحہ 9, 10 مطبوعہ بیروت)

حلیمہ نے اجازت لی اور شاہ کونین کے روپ میں کونین کے خزانوں کو سینے سے چمٹائے اپنے شوہر حارث کے پاس آ گئی۔ مسرت سے اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔

حارث! ہماری قسمت جاگ اٹھی' اتنی بڑی دولت نصیب ہوئی ہے' جو آج تک کسی کو نصیب نہ ہوئی ہوگی چلو! واپسی کا انتظام کرو!

حجر اسود کا نومولود ﷺ کے لبوں کو چومنا

حضرہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فیصلہ کیا کہ اس پیکر جمال اور منبع برکات کو اپنے گاؤں لے جانے سے پہلے بیت اللہ میں لے جاؤں۔ سو وہ حضور پُر نور ﷺ کو اٹھا کر سیدھی صحن کعبہ میں گئی۔ حلیمہ نے چاہا کہ حضور انور ﷺ کو حجر اسود کا بوسہ بھی دلوا دوں۔ وہ اس خیال سے آپ ﷺ کو حجر اسود کے قریب لے گئی۔ حلیمہ فرماتی ہیں کہ اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب میں نے دیکھا کہ حجر اسود خود کعبہ کی دیوار سے باہر نکل آیا اور اس نے آگے بڑھ کر حضور ﷺ کے لب مبارک چوم لئے۔

حلیمہ فرط مسرت و عالم حیرت میں گم ہوگئی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔

یہ بھی روایت ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا جب آپ کو لے کر بتوں کی طرف گئیں تو ھبل اور دوسرے بت آپ کی تعظیم میں اپنی اپنی جگہ سرنگوں ہو گئے۔ پھر (حضرت حلیمہ سعدیہ) حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو حجر اسود کی طرف لے کر آئیں تا کہ آپ اسے بوسہ دیں پس حجر اسود اپنی جگہ سے نکل کر آپ کے چہرہ اقدس کے ساتھ لگ گیا۔

(گویا اس نے خود بڑھ کر حضور ﷺ کے چہرہ انور کا بوسہ لے لیا)۔ (تفسیر مظہری جلد 6 صفحہ 528)

حلیمہ سعدیہ کی پُروقار واپسی

واپسی پر بنو سعد کی باقی خواتین نے حلیمہ کے انتظار کی زحمت گوارا نہ کی وہ اپنے اپنے بچے لے کر روانہ ہو گئیں۔ انہوں نے سوچا کہ اس کی اونٹنی اور گدھی اتنی کمزور اور سست رفتار ہے کہ اسے ساتھ لے کر چلنا بڑا دشوار ہو گا۔

حلیمہ کے شوہر حارث نے اونٹنی پر کجاوہ کسا اور دراز گوش (گدھی) کو تیار کیا اپنے بچوں سمیت دونوں سوار ہوئے اور منزل کی جانب چل پڑے۔ حلیمہ فرماتی ہیں جوں ہی میں نے اس پیکر حسن حضرت محمد ﷺ کو اپنی اونٹنی پر سوار کیا اونٹنی نے اسی وقت کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے شکرانے کے طور پر تین سجدے کئے' پھر سر آسمان کی طرف اٹھایا اور چل پڑی۔

انہوں نے تھوڑا سا فاصلہ طے کیا تھا کہ انہیں ایسا لگا جیسے کہ زمین اونٹنی کے لئے سمٹتی جا رہی ہے اور وہ فراٹے بھرتی ہوئی صحرا کو بڑی سبک رفتاری سے طے کر رہی ہے۔ انہیں اپنی اونٹنی بھی مقابلتاً صحت مند اور توانا معلوم دی اور وہ خرامہ خرامہ اڑی جا رہی تھی۔ وہ سب اس خوشگوار تبدیلی پر حیرت و مسرت سے اچھل پڑے اور بڑی محبت و عقیدت سے اپنی گود میں لیٹے ہوئے ''محمد ﷺ'' کی طرف دیکھا' آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اور لب یوں گویا ہوئے کہ یہ سب اس ''وجود مسعود'' کی برکت ہے۔

اسی کی عظمت نے ہمیں یہ نعمتیں عطا کی ہیں ورنہ ہماری اونٹنی تو بہت مریل کمزور ہڈیوں کا ڈھانچہ اور بمشکل اپنے آپ کو کھینچے پھرتی تھی۔ ابھی کل ہی کی تو بات ہے کہ ہم قافلہ میں سب سے پیچھے رہ گئے تھے اور آج چلے بھی ان کے بعد ہیں پھر بھی قافلہ کو جلدی جا لیا ہے۔ یہ ساری تازگی' پھرتیاں اور برق رفتاری اس نومولود و پیکر حسن کی برکت نے عطا کی ہیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد اونٹنی نے قافلہ کو ''وادی سرر'' میں جا لیا اور بادِ صبا کے جھونکے کی طرح فراٹے بھرتی ہوئی ان کی قریب سے گزر گئی' وہ جو پہلے سے روانہ تھیں' اس صبا خرام' سبک رفتار کو دیکھتی ہی رہ گئیں ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ پیچھے سے بولیں۔ حلیمہ! کیا تو نے سواری بدل لی ہے؟ بہت تیز رفتار ہے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا

نے جواب دیا کہ نہیں' سواری تو وہی ہے البتہ سوار بدلا ہے۔

''اگر یہ وہی اونٹنی ہے تو بڑی عجیب بات ہے یہ تو ایسے ہے گویا تو نے اس میں بجلیاں بھر دی ہیں'' خواتین نے حیرت کا اظہار کیا۔

''یہ سب کچھ اس بچے کی برکات کا ظہور ہے جسے تم ''یتیم'' سمجھ کر چھوڑ آئی تھیں اور میں نے اسے مقدس سمجھ کر قبول کر لیا' میں اپنی خوش قسمتی پہ نازاں ہوں'' حلیمہ نے فخر و مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ جواب دیا۔

دولت کونین کو پھر لے آئیں

انوار و برکات کے جلو میں دو سال پلک جھپکنے میں گزر گئے' نعمتوں کی بارش ہوتی رہی' سعادتیں قدم چومتی رہیں اور آسائشیں دست بستہ حاضر رہیں۔ حضرت حلیمہ کو دو سال ایسے لگے جیسے حاصل زندگی یہی دو سال ہوں وہ جی بھر کر ان سے متمتع ہوئی۔ لیکن وفا شعار خاتون تھی جب دیکھا کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے راج دلارے کو دو سال ہو گئے ہیں تو اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی ضروری سمجھا کہ امانت ان کے گھر والوں تک پہنچا دی جائے۔ چنانچہ تیاریاں شروع کیں اور آخر ایک روز حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے کاشانہ عالیہ پر پہنچ گئی۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے جب حسن وصحت کے پیکر اپنے نور نظر اور لخت جگر کو سامنے دیکھا تو باغ باغ ہو گئیں ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی یہ دو سال ان کے لئے دو صدیوں کے برابر تھے مگر انہوں نے بڑے صبر سے گزارے تھے۔ مرضعہ حلیمہ کے لئے یہ لمحات بڑے صبر آزما تھے' وہ اس دولت کو ابھی اپنے آپ سے جدا کرنا نہیں چاہتی تھی' لجاہت اور چاہت کی ساتھ بولی۔

سیدہ! آپ کی امانت ہے' میرا حق تو نہیں کہ زباں کھولوں مگر میں دیکھ رہی ہوں کہ اس وقت مکہ میں وباء پھیلی ہوئی ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی تکلیف کی صورت پیدا ہو جائے اگر آپ مناسب سمجھیں تو مزید کچھ عرصہ کے لئے نور نظر کو میرے پاس رہنے کی اجازت دے دیں۔ جب وباء کا زور ختم ہوگا اور فضا سازگار ہوئی تو میں آپ کی امانت لوٹا جاؤں گی۔

اپنے راج دلارے کی صحت و تندرستی کے پیش نظر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو بھی یہ مشورہ صائب معلوم ہوا۔ انہوں نے رضامندی ظاہر کر دی۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی مراد بر آئی اور وہ دولت کونین کو دوبارہ لے کر شاداں و فرحاں اپنے مسکن کی طرف لوٹ گئی۔ اس کے بچوں نے جب ''قریشی بھائی'' (وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لقب سے پکارتے تھے) کو دوبارہ اپنے درمیاں پایا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا گھرانہ پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ وہ خود' ان کا شوہر حارث' دو بیٹیاں انیسہ اور شیما اور ایک بیٹا عبداللہ۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورے گھرانے کے حالات بدلتے چلے گئے۔

ہر سو رحمتیں، برکتیں

یہ برکات صرف حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تک ہی محدود نہ رہیں' بلکہ اس کے گھر سے اٹھنے والی خوشبو نے پوری وادی کو کشت زعفران بنا دیا۔ سارا علاقہ دلاویز خوشبو سے مہک اٹھا' پھر حضور پُر نور حسن دلربا صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ جس نے ایک مرتبہ دیکھا وہ انہیں کا ہو کر رہ گیا۔ قدرتی طور پر سب کے دل میں محبت کے ساتھ عقیدت بھی پیدا ہو گئی' جو بیمار یا کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا وہ حضرت حلیمہ کے گھر آ جاتا اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک اپنے جسم پر پھیرتا قدرت اسے شفا عطا کر دیتی۔ اس طرح وہ اسی وقت سے مرجع خلائق اور شفائے جہاں بن گئے۔

امام احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ حضرت حلیمہ سعیدہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ سے فرمایا۔
اور لوگوں کے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیار اور برکت کا اعتقاد ڈال دیا گیا۔ یہاں تک کہ جب کسی کو کوئی بدنی تکلیف پہنچتی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک پکڑ کر اس جگہ پھیرتا' اللہ تبارک تعالیٰ اسے فوراً ہی شفا عطا فرما دیتے۔

(السیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 49)

بڑھنے پھولنے اور نشو و نما پانے کی رفتار بھی حیرت انگیز اور عام بچوں سے مختلف تھی' دوسرے مہینے ہی ہاتھوں اور قدموں کے بل چلنے لگے تیسرے ماہ کھڑے ہو گئے' چوتھے ماہ دیوار پکڑ کر چلنا شروع کر دیا اور پانچویں مہینے کسی سہارے کے بغیر چلنے لگے۔ آٹھویں مہینے فصیح کلام فرمانے لگے' جو کلام سب سے پہلے زبان مبارک سے ادا فرمایا وہ یہ تھا۔

اللّٰہ اکبر ' کبیرا و الحمد للّٰہ کثیرا وسبحان اللّٰہ بکرۃً و اصیلا ۔ (اللہ بڑا ہے' برتر اور تمام تعریفیں سراہا' ہر دم پاکی ہے اسے)

بعد میں اکثر حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا ان کی زبان مبارک سے یہ سنا کرتی تھیں۔

لا اللّٰہ الا اللّٰہ قد وسا قد وسا ناحت العیون و لا رحمٰن لا تاخذہ سنۃ و لا نوم ۔

ترجمہ:۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' ہمیشہ سے سب کچھ دیکھنے سننے والا' رحمٰن جسے نہ اونگھ آئے نہ نیند۔ (السیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 49)

اور جب بھی کسی چیز کو پکڑتے تو بسم اللہ پڑھتے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قدرت خود اپنی نگرانی اور حفاظت میں ان کی تربیت فرما رہی تھی اور وہ عالم طفولیت میں بھی اکیلے نہیں تھے بلکہ عنایات ربانی قدم قدم پہ ان کے شامل حال اور مربی و دستگیر تھیں۔

کایا پلٹ گئی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک سے پہلے اس سال پورا عرب خشک سالی کی لپیٹ میں تھا' ہر طرف ویرانی اور

بربادی چھائی ہوئی تھی‘ لوگ سخت مایوسی اور بے چینی کی حالت میں تھے‘ ان کے دل خوشی اور ہونٹ مسکراہٹ کو ترس گئے تھے۔ کوئی چارہ گر مسیحا اور درد کا درماں کرنے والا نہیں تھا جو ان کی خوشیاں واپس لا دے اور غم والم سے بوجھل دلوں کو سکون کی دولت عطا کر دے۔ ظہور قدسی‘ ولادت مبارک کے ساتھ ہی ان کی قسمت یوں بدل گئی جیسے موسم خزاں میں گلوں کی تازگی‘ پھولوں کی رعنائی اور گلاب کی خوشبو لوٹ آئی ہو‘ ہر شے پر بہار آ گئی۔ قحط کا نام و نشان تک نہ رہا جو لوگ اس سال کو ”غم والم کا سال“ قرار دے چکے تھے انہوں نے ہی اس کا نام ”فرحت و مسرت کا سال“ رکھ دیا اور تاریخ عرب میں بہترین سال قرار دیا گیا‘ ہر طرف جل تھل ہو گئی اور اتنی بارش ہوئی کہ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگا۔

یہ انقلاب حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ذات بابرکات کی وجہ سے آیا‘ اس کا اظہار حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی گود میں بھی ہوا وہ ایک قحط زدہ‘ غریب اور نادار عورت تھی جس کی چھاتیوں میں اپنے سگے بیٹے عبداللہ کو سیراب کرنے کے لئے بھی دودھ نہیں تھا۔ مگر جونہی اس نے سرکار دو عالم ﷺ کو گود میں لیا تو دودھ کے چشمے ابل پڑے اور اس کا اپنا بیٹا بھی چین کی نیند سونے لگا۔

لاغر‘ مریل اور سوکھی اونٹنی پر بھی جوبن آ گیا جو چلنے اور قافلے کی اونٹنیوں کا ساتھ دینے سے عاجز تھی وہ اچانک توانا اور تیز رفتار ہو گئی اور تمام اونٹنیوں سے آگے نکل گئی۔ اس کی کھیری (کے پستان) بھی دودھ سے لبریز ہو گئے اور وہ پورے گھرانے کی ضرورت پوری کرنے لگی حالانکہ اس سے پہلے چند قطرے (بہت کم) دودھ دیتی تھی اور سب گھر والے بھوکے رہتے تھے۔

حلیمہ کے اڑوس پڑوس کو بھی احساس ہو گیا کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا جو بچہ لائی ہے وہ بڑی برکتوں والا ہے جو اس پارس کو چھو جائے وہ بھی سونا بن جاتا ہے۔ قدرت نے ان کے ذہن میں ڈال دیا کہ ان کا مبارک ہاتھ شفا بخش ہے‘ چنانچہ قبائل میں جب بھی کوئی بیمار ہو جاتا وہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آ کر آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ کر اپنے جسم پر پھیرتا اسے شفا مل جاتی۔ اسی طرح بنو سعد اور حلیمہ کی جو کھیتیاں سوکھ گئی تھیں دوبارہ ہری بھری ہو گئیں ان برکات و فیوضات کا ظہور آپ کے ایام طفولیت میں ہی ہونے لگ گیا تھا۔

علامات نبوت اور یہود

اس کم عمری میں بھی آپ ﷺ کی اٹھان ایسی تھی کہ تورات و انجیل میں لکھی ہوئی نشانیاں اور تمام صفات پوری طرح نمایاں تھیں اور ان سے باخبر شخص فوراً پہچان لیتا تھا کہ آپ ہی انسانیت کے ہادی نبی آخر الزماں اور آخری آسمانی کتاب کے امین ہیں۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا چونکہ آپ کو ایک بے مثل شخصیت کے طور پر پہچان چکی تھی اس لئے ایک دفعہ اس کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ دوسروں پر بھی آپ کی عظمت آشکارا کرے تا کہ سب کو پتہ چل جائے کہ حلیمہ کے پاس جو

بچہ ہے وہ حاصل کائنات اور سربراہ کونین ہے۔ اس وقت وہ سوق عکاظ میں آئی ہوئی تھی۔ یہ عربوں کا بین القبائلی میلہ تھا' جس میں لوگ دور دور سے شرکت کے لئے آتے تھے۔

دستور کے مطابق ہر طبقہ اور صلاحیت کے لوگ یہاں آ کر اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے' ایسے موقع پر کاہنوں کی بھی بھرمار ہوتی تھی ایک کاہن اپنے فن میں بہت ہی طاق تھا لوگ اپنے بچے اس کے پاس لے جاتے اور وہ ان کے بارے میں پیشن گوئیاں کرتا۔

حلیمہ بھی حضور ﷺ کو وہاں لے گئے جونہی کاہن کی نظر آپ ﷺ کے رخ زیبا پر پڑی اس پر سکتہ طاری ہو گیا' کانپنے لگا۔ آنکھوں میں تیرتے ہوئے سرخ ڈورے دیکھے تو اس کا تجسس اور بڑھ گیا۔ کپڑا اٹھا کر "مہر نبوت" کو کندھوں کے درمیان دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ پھر زور سے چلا کر کہنے لگا۔

اے بنو ہذیل! اے قریش! اس بچے کو قتل کر دو یہ تمہارے دین اور دستور کا دشمن ہے' یہ تمہارے خداؤں کی خدائی پر کاری ضرب لگائے گا' ان کی طاقت کو چیلنج کرے گا اور بتوں کو توڑ دے گا اپنی روایات کی حفاظت کرو اور اسے ابھی مار ڈالو۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اس غیر متوقع صورت حال سے سراسیمہ ہو گئی۔ کاہن کی غوغا آرائی اور بدحواسی دیکھ کر اس نے عافیت اسی میں دیکھی کہ وہاں سے فوراً چلی جائے' وہ کاہن اپنی دھن میں بولے جا رہا تھا جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو انہیں کہا کہ اس بچے کو قتل کر دو۔

انہوں نے پوچھا کون سا بچہ؟ وہاں کوئی بھی نہیں تھا' حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا وہاں سے دور جا چکی تھی۔

(سیرت حلبیہ جلد 1 صفحہ 96)

اسی طرح پھر ایک دفعہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا یہود سے آمنا سامنا ہو گیا وہ آپ کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ بولے یہ وہی ہے' اسے قتل کر دو تا کہ تمہارا کوئی مدمقابل نہ رہے۔ پھر حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھنے لگے: کیا یہ یتیم ہے؟ حلیمہ خطرہ بھانپ چکی تھی' اس نے بڑی ہوشمندی اور حاضر دماغی سے کام لیا اور بولی یتیم نہیں ہے میں اس کی ماں ہوں اور حارث کی طرف اشارہ کر کے جواب دیا یہ اس کا باپ ہے۔ وہ بولے اگر یتیم ہوتا تو ہم نے اسے مار ڈالنا تھا' نبی آخر الزماں کی تمام نشانیاں اس میں موجود ہیں۔ ان واقعات کے بعد حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا محتاط ہو گئی اور ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے لگی۔ (طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 113)

شانِ ربّ العالمین

قادر مطلق' ربّ کریم کی بخشش و عطا کی کوئی حد نہیں وہ اپنے بندے کو اپنی شان کریمی سے خوب نوازتا ہے۔ ذرے کو مہر و ماہ اور قطرے کو گوہر نایاب بنا دیتا ہے۔ کوئی آگ لینے آئے تو شان کلیمی بخش دیتا ہے' کسی کو دست شفا اور کسی کو ید بیضا سے سرفراز فرماتا ہے۔ غرض و نوازتا ہے اور عزت بخشتا ہے۔ جب محبوب کی باری آئی تو اعزاز و

اکرام کے جو انداز یہاں اختیار فرمائے ان کی شان ہی کچھ اور تھی۔ ان کا اظہار ایام رضاعت ہی سے ہونے لگا تھا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

سورج کی طرح ایک نور ہر روز آپ پر نازل ہوتا تھا پھر کچھ دیر کے بعد چھٹ جاتا تھا۔

(السیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 49)

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا ایک اور مشاہدہ ہے۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے بادل کو دیکھا وہ آپ پر سایہ کرتا تھا: جب آپ کھڑے ہوتے تو وہ ٹھہر جاتا اور جب آپ چلتے تو وہ بھی چلنے لگ جاتا۔ (طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 112)

یہی چاند کی کیفیت تھی' وہ انگلیوں کے اشارے پہ چلنے کے لئے بے قرار رہتا تھا۔ جانور بھی شخصیت اقدس کو پہچانتے تھے' یوں باادب حاضر ہوتے گویا باشعور ہوں۔

1- حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں جسے امام بیہقی ابن عساکر اور خطیب بغدادی نے روایت کیا ہے۔

میں نے عرض کی یارسول اللہ! آپ کی نبوت پر دلالت کرنے والی ایک خاص نشانی نے مجھے آپ کے دین میں داخل ہونے کی ترغیب دی۔ میں نے دیکھا کہ آپ ایام طفولیت میں گہوارے کے اندر' چاند کے ساتھ باتیں کیا کرتے تھے اور انگلی مبارک کے ساتھ جس طرف اشارہ فرمایا کرتے تھے چاند اسی طرف جھک جاتا تھا۔

(الخصائص الکبریٰ دسیوطی جلد 1 صفحہ 53)

2- چاند کے علاوہ فرشتے بھی خدمت میں پیش پیش رہتے تھے' اور گہوارے کو حرکت دینے پر مامور تھے' جب کوئی بھی نہ ہوتا تو بھی جھولا رقصاں رہتا تھا۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھولا ملائکہ کے ہلانے سے ہمیشہ ہلتا رہتا تھا۔

(الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 53 کدانی۔ المواہب وزرقانی)

3- ایام طفولیت ہی سے کڑکتی دھوپ میں بادل آپ پر سایہ کرتے تھے اور تپش سے بچاتے تھے۔ امام ابونعیم' ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کا بہت خیال رکھتی تھی اور زیادہ دور نہیں جانے دیتی تھی۔ ایک روز قدرے غافل ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ دوپہر کے وقت ریوڑ کی طرف نکل گئے۔ حلیمہ بے قرار ہوگئی اور فوراً تلاش میں نکلی۔ جب بہن کے ساتھ دیکھا تو ان کی جان میں جان آئی' بیٹی کو ناراض ہوئی کہ اتنی سخت دھوپ میں انہیں لے کر کیوں آئی ہو؟ شیماء نے جواب دیا امی جان! میرے بھائی کو دھوپ نے کچھ نہیں کہا بادل ان پر مسلسل سایہ فگن رہا۔ جب یہ ٹھہرتے تو وہ بھی ٹھہر جاتا تھا اور جب یہ چلتے تو وہ بھی چل پڑتا تھا یہاں تک کہ ہم یہاں پہنچ گئے۔ حلیمہ یہ سن کر خوش گوار حیرت کے عالم میں چیخ پڑی' کیا یہ سچ ہے؟ میری بیٹی! شیماء نے جواب دیا

ہاں، امی جان یہ بالکل سچ ہے۔ (الخصائص الکبریٰ امام سیوطی جلد 1 صفحہ 58)

4- اسی طرح حضور پُر نور نبی کریم روف رحیم ﷺ کبھی کبھی اپنے جھولے میں ولادت کے فوراً بعد ایسا کلام بھی فرماتے تھے جو سمجھا جاسکتا تھا۔ مثلاً ابن عائذ کے نزدیک آپ ﷺ نے ولادت کے بعد سب سے پہلا کلام یہ فرمایا:

اللّٰہُ اکبر، کبیر ولحمد اللہ، سبحان اللہ

اللہ بزرگ و برتر، تعریف، سراہا اور ہمیشہ پاک و منزہ اللہ۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آپ ﷺ نے ولادت کے فوراً بعد اپنا سر انور اٹھا کر لسان فصیح کے ساتھ پہلا کلام یہ فرمایا۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں میں اللہ کا رسول ہوں۔ (کذافی المواہب والزرقانی)

مذکورہ بالا تمام واقعات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضور پُر نور ﷺ کا بچپن بھی جامع اور کامل سیرت کا نمونہ تھا۔ بچپن تھا مگر بچپنہ نہ تھا۔ اس زمانے میں بھی شرم و حیاء کے پیکر تھے۔ ہر حال میں صدق و صداقت پر کاربند رہتے آپ کا بچپن جملہ غیر اخلاقی عادات و معمولات سے منزہ تھا۔

ابن سعد، زہری سے روایت کرتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ قبیلہ ھوازن کا ایک وفد حضور انور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اس میں آپ کا رضاعی چچا ابو ثروان بھی شامل تھا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے آپ کو ایام رضاعت میں دیکھا ہے میں نے آج تک کوئی دودھ پیتا بچہ آپ سے بہتر نہیں دیکھا۔ پھر میں نے آپ کو جوانی میں دیکھا ہے، میں نے آج تک کسی کی جوانی آپ سے بہتر نہیں دیکھی۔ بے شک تمام تمام خوبیوں اور نیکیوں نے آپ کی ذات میں کامل نشو و نما پائی ہے۔ (الخصائص الکبریٰ امام سیوطی جلد 1 صفحہ 59)

ہمہ پہلو برکت ہی برکت

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ شمائل مجدیہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جس روز سے ہم نے آپ ﷺ کو لیا کبھی ہمیں چراغ کی ضرورت نہ رہی۔ آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس کی روشنی تو چراغ سے زیادہ نورانی تھی۔ اگر ہمیں کسی جگہ چراغ کی ضرورت پڑتی تو ہم آپ ﷺ کو وہاں لے جاتے۔ آپ ﷺ کی برکت سے تمام مقامات روشن ہو جاتے۔

یہ مروی ہے کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو دودھ پلانے لگیں تو آپ کے پستانوں سے اتنا دودھ بہنے لگا جو دس بلکہ اس سے بھی زیادہ بچوں کے لئے کافی ہوتا۔ جب حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو لے کر

کسی خشک وادی سے گزرتیں تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا خود سنتی اور دیکھتیں تھیں کہ پتھر اور درخت آپ کو سلام کرتے اور درختوں کی شاخیں آپ ﷺ کی طرف جھک جاتیں۔ حضور انور نبی کریم رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کا رضاعی بھائی دونوں ساتھ ساتھ بکریاں چرایا کرتے۔ رضاعی بھائی کا بیان ہے کہ حضور انور ﷺ جب کسی وادی میں جا کر کھڑے ہوتے تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی اور بکریوں کو پانی پلانے کے لئے ہم کنویں پر آتے تو کنویں کا پانی ابل کر (آپ کی خاطر) کنویں کے منہ تک آ جاتا۔ جب آپ ﷺ دھوپ میں کھڑے ہوتے تو بدلی آ کر سایہ کر لیتی اور جنگلی جانور آپ ﷺ کے پاس آ کر آپ ﷺ کو چومتے۔

(تفسیر مظہری جلد 6 صفحہ 528)

شق صدر

اس واقعہ شق صدر کوامام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا ہے۔
"صحیح مسلم میں ہے کہ ثابت نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ کہ حضور انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے۔ آپ کو پکڑ لیا' زمین پر لٹا دیا' پھر سینہ چاک کیا اور دل کو باہر نکالا۔ اور دل میں ایک سیاہ لوتھڑا تھا اس کو باہر نکالا اور کہا یہ شیطان کا حصہ ہے۔ پھر دل مبارک کو ایک سونے کے طشت میں رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا' پھر اسے سی دیا اور اس کو اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ وہ لڑکے جو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھیل رہے تھے وہ دوڑتے ہوئے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور آ کر بتایا کہ محمد حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا گیا۔ وہ سارے بھاگتے ہوئے وہاں پہنچے' دیکھا تو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں اور چہرے کا رنگ زردی مائل ہے۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد 1 صفحہ 231)
حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمر مبارک کے چوتھے پانچویں سال میں تھے اور اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے ساتھ جنگل میں بکریوں کے ریوڑ کی رکھوالی فرما رہے تھے کہ اچانک نور کے دو پیکر نمودار ہوئے' قریب آئے اور ایک ہموار جگہ پر آپ کو بڑے آرام سے لٹا دیا۔ ایک نے انگلی کا اشارہ کیا تو سینہ مبارک چاک ہو گیا انہوں نے قلب اطہر کو نکالا' اسے چیرا' ایک خون کی پھٹکی نکالی اور کہا۔
اے اللہ کے محبوب' یہ شیطان کا حصہ ہے جو آپ سے الگ کر دیا گیا ہے۔
پھر اس کی جگہ علم وعرفان اور حکمت و بصیرت کے نورانی موتی بھر دیئے۔ پھر قلب انور کو بند کیا اور سینہ مبارک کے اندر رکھ کر اسے بھی بند کر دیا۔
اللہ تبارک تعالیٰ کی حکمتیں وہی جانے۔ ان کو سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہاں یہ معلوم دیتا ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ورفاقت کا فیض تھا اور اللہ تبارک تعالیٰ کو بھی یہی منظور تھا کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی عبداللہ کو یہ سب کچھ نظر آ جائے تا کہ اس واقعے کی صداقت پر بحث مباحثہ میں' شک و بے یقینی کی گنجائش نہ رہے۔ اس نے جب یہ منظر دیکھا تو کم عمری کے باعث کچھ سمجھ نہ سکا وہ فوراً گاؤں کی طرف بھاگا اور جا

کر حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ سفید لباس میں ملبوس دو نورانی آدمیوں نے ''قریشی بھائی'' کا پیٹ چاک کر دیا ہے۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا بے قرار ہو گئی جب وہاں پہنچی تو اس وقت حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے تھے۔ صحیح سلامت دیکھ کر حلیمہ کی جان میں جان آئی اور سارا واقعہ سن کر بہت حیران ہوئی جس کا پیٹ چاک کر دیا جائے وہ زندہ کیسے رہ سکتا ہے؟ وہ اس کی کوئی توجیہہ نہ کر سکی۔ اس میں اپنے شوہر کے ساتھ مل کر یہ فیصلہ کر لیا کہ حضرت آمنہ کی امانت اب فوراً لوٹا دینی چاہیے۔

لیجئے اب اس واقعہ کو حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنیے۔ اس حدیث پاک کو امام بخاری اور امام مسلم کے علاوہ کئی اور محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔

ایک مرتبہ پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دید مبارک سے مسرور ہو رہے تھے کہ ایک شخص نے سب کا ترجمان بن کر عرض کیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں اپنی ذات اقدس کے بارے میں کچھ بتایئے؟

پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں' ابتدا سے شق صدر تک کا ذکر اس طرح بیان فرمایا۔

میں اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور اپنے بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ جب میری ذات بصورت امانت میری والدہ کے سپرد ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ ان سے ایک نور خارج ہوا جس کی روشنی میں انہوں نے محلات شام دیکھ لئے۔

میری پرورش قبیلہ بنو سعد بن بکر میں ہوئی ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے میں اپنے بھائی کے ساتھ گھروں کے پچھواڑے بکریاں چرا رہا تھا کہ اتنے میں دو آدمی آئے انہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ان کے پاس ایک طشت زریں تھا جس میں برف پڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے مجھے پکڑ کر پیٹ چاک کیا' دل نکال کر چیرا اور اس میں سے سودائے قلب کو نکال کر پرے پھینکا۔ پھر دل اور پیٹ کو اسی برف کے ساتھ دھویا اور سی کر پہلے جیسا کر دیا۔

پھر ایک نے کہا انہیں دس امتیوں کے ساتھ تولو۔ جب انہوں نے تولا تو میرا پلڑا بھاری نکلا۔ اس نے کہا' اب سو امتیوں کے ساتھ تولو۔ جب تولا تو پھر میرا پلڑا بھاری نکلا۔ اس نے کہا' اب ہزار امتیوں کے ساتھ تولو۔ جب تولا تو اس دفعہ بھی میرا پلڑا ہی بھاری نکلا۔ پہلے نے کہا رہنے دو' اگر تم انہیں پوری امت کے ساتھ بھی تولو گے تو پھر بھی ان کا پلڑا ہی بھاری نکلے گا۔ (ابن ہشام جلد 1 صفحہ 166)

اسے ابن اسحاق نے خالد بن معدان کے طریق سے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے یہی واقعہ حضرت عتبہ بن عبد السلمی رضی اللہ عنہ (صحابی) سے بھی مروی ہے۔ اور اسے حاکم نے المستدرک میں بھی روایت کیا ہے۔ اسے دارمی

نے بھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام مسلم نے اپنی صحیح (کتاب الایمان) میں ''معراج'' کے بیان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ''شق صدر'' کی حد تک اس واقعہ کو روایت کیا ہے۔اس روایت کے مطابق ان دو فرشتوں میں سے ایک حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ نشان بھی پیغمبر اوّل و آخر واعظم حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر دیکھا ہے۔

عظمت و رفعت

واقعہ شق صدر میں نہ جانے رب العالمین کی کتنی حکمتیں چھپی ہیں۔لیکن ایک حقیقت جو اس سے واضح ہے وہ یہ ہے کہ شق صدر ہر پہلو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پایاں رفعت وعظمت کا مظہر ہے۔

انسانی جسم میں دل ایک ایسا حساس عضو ہے جسے ذرا سی ٹھوکر لگے یا صدمہ پہنچے یا اس کے طبعی عمل میں رکاوٹ آ جائے تو انسانی حیات خطرے میں پڑ جاتی ہے اور زندگی کا چراغ گل ہو جاتا ہے۔یہاں حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتوں کا سارا عمل اوّل سے آخر تک بچشم خود ملاحظہ فرمایا۔انہیں قلب اطہر کو چیرتے' پھٹکی نکالتے اور انوار حکمت بھرتے دیکھا مگر ایک لحظہ کے لئے بھی بے خبر اور بے ہوش نہ ہوئے' حیات مقدسہ کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہوا۔

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ ایک مافوق الطبعی عمل تھا جس کی کیفیات کو ہم اپنے محدود علم وفن کے ذریعے نہیں سمجھ سکتے اور نہ ہی عالم مادی پر اسے قیاس کر سکتے ہیں۔یہ ان خصائص میں سے ہے جو صرف اور صرف پیغمبر اوّل و آخر واعظم حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو عطا کیے گئے ہیں۔اس واقعہ سے یہ ثابت کرنا بھی مقصود تھا کہ جسمانی بلوغ کے بعد بھی شیطان کسی بھی انداز سے کسی بھی طرف سے اس مقدس ہستی کے قریب نہیں جا سکتا۔

ہر انسان کے دل میں ایک خاص مقام پر شیطانی وسوسے (وساوس) قبول کرنے کے لئے ایک چھوٹا سا حصہ دل ہوتا ہے جسے ''سودائے قلب'' کہتے ہیں۔جس طرح انسان کی آنکھیں دیکھتی ہیں کان سنتے ہیں' ناک سونگھتی اور زبان ذائقہ محسوس کرتی ہے چکھتی ہے اور جسم کے باقی اعضاء اپنا اپنا فعل سرانجام دیتے ہیں اور الگ الگ صلاحیت اور قوت کے حامل ہوتے ہیں اسی طرح سودائے قلب بھی ایک خاص صلاحیت کا حامل ہوتا ہے۔یہ شیطان کی وسوسہ اندازی کو قبول کرتا ہے۔اگر کوئی شخص بدعمل اور فاسق وفاجر ہو تو یہ شیطان کے اثرات کو تیزی سے قبول کرتا ہے۔لیکن اگر کوئی شخص تقویٰ شعار اور نیک ہو تو یہ شیطانی اثرات کو اسی تناسب سے رد کر دیتا ہے۔

انسانی جسم میں کچھ اجزا اور اعضاء ایسے ہیں کہ تکمیل خلقت کے لئے ان کا پیدا کیا جانا ضروری ہے۔مگر بعد میں طہارت' نظافت وصحت کے نقطۂ نظر سے ان کو جسم سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔جیسے ناخن اور غیر ضروری بال' جب بڑھ جائیں تو کاٹ دیئے جاتے ہیں۔اور جیسے گلے کے غدود Tonsal یہ بچپن کے بعد بے کار ہو جاتے ہیں۔اسی طرح سودائے قلب بھی جسم انسانی کا ایک حصہ ہے اگر ابتداء ہی سے پیدا نہ کیا جاتا تو خلقت مکمل نہ ہوتی

اس لئے آپ ﷺ تمام اجزائے انسانی سمیت پیدا کئے گئے پھر خصوصی عنایت کے ذریعہ اس کو علیحدہ کر دیا گیا تا کہ نوع انسانی کو بتایا جاسکے کہ حضور پُر نور ﷺ عالم بشریت کے وہ فرد کامل ہیں جن کی اتباع تم آنکھیں بند کر سکتے ہو کیونکہ شیطان کے لئے ان کے قریب آنے کی کوئی راہ ہی نہیں'۔

یہ ہستی عمر کے ہر دور میں ہر پہلو سے اس کی اثر انگیزی سے محفوظ ہے۔ کیونکہ ان کے جسم میں وہ مادہ ہی نہیں رہنے دیا گیا' جو اس کا وسوسہ قبول کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ واضح کر دیا گیا کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی ذات اقدس ''یوسوس فی صدور الناس'' کے شیطانی عمل سے کلیتاً محفوظ ہے۔ گویا شیطانی وساوس سے پاک ہونے کی بناء پر ان کی آئندہ زندگی میں بھٹکنے کا کوئی امکان نہیں رہا' یہ ہمیشہ راہ ہدایت پر ہی رہیں گے۔ (شرح الشفاء ملا علی قاری جلد 1 صفحہ 374)

شق صدر کی حکمت سمجھنے کے لئے ایک زاویہ نگاہ یہ بھی ہے کہ ہر پھل اور میوے میں گٹھلی ہوتی ہے پھل کی پیدائش' رنگت اور معیار اسی پر منحصر ہوتا ہے جب پھل تیار ہو جاتا ہے تو گٹھلی نکال کر پھینک دیتے ہیں۔

سودائے قلب بھی بدن انسانی کا ایک جزو ہے' حصول تکمیل کے بعد اسے الگ کر کے اس کی جگہ حکمت و عرفان کے خزانے بھر دیئے گئے۔ یہ عمل اس لئے کیا گیا کہ ذی شعور مخلوق کو بتایا جاسکے کہ یہ عظیم شان کے حامل ہیں' ان کا ہمسر کا کوئی نہیں' اور ان کی اسی عظمت کو آشکارا کرنے کے لئے خصوصی طریقے اختیار کئے گئے ہیں تا کہ ان کی انفرادیت اور شان امتیاز کسی پر مخفی نہ رہے' بلکہ سب ہر روز روشن کے طرح آشکارا ہو۔ (نسیم الریاض' خفاجی 239)

آٹھ دس سال کی عمر تک بچہ کھیل کود کی طرف بہت زیادہ مائل ہوتا ہے۔ اس کے مشاغل میں کوئی مقصدیت کارفرما نہیں ہوتی' وہ صرف دل بہلانے کے لئے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے' عام بچوں کی سرگرمیاں بھی عامیانہ ہوتی ہیں۔ مگر جو عظیم مقاصد کے لئے پیدا کئے گئے ہوں انہیں بے مقصد نہیں چھوڑا جاتا' بلکہ مخصوص ماحول میں رکھا جاتا ہے' خاص انداز سے ان کی تربیت کی جاتی ہے' تا کہ وہ آئندہ ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل ہو سکیں۔

یہاں بچپن میں شق صدر کے اس نورانی عمل کے ذریعے خصوصی صلاحیتیں اس لئے ودیعت کی گئیں کہ بچپن کے عمومی تقاضوں کی طرف طبیعت مبارک راغب نہ ہو اور بچپن ہی میں مقصدیت' سنجیدگی اور وقار کی شان پیدا ہو جائے۔ آپ کی اٹھان ایسی ہو کہ بڑی عمر والے بھی دیکھتے رہ جائیں اور زندگی کے ہر دور کے لئے رہنمائی حاصل کریں۔

حضور ﷺ کی بنو سعد سے واپسی

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے رخت سفر باندھا اور مکہ مکرمہ پہنچ گئیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے محبوب بیٹے کو سامنے دیکھ کر بے حد مسرور ہوئیں اور حیران بھی کہ حلیمہ تو انہیں بڑے اصرار کے ساتھ لے گئی تھی' پھر جلدی واپس کیوں لے آئی؟

نے جواب دیا سیدہ! میں ایک ناتواں عورت ہوں' زیادہ عرصہ آپ کی امانت کی حفاظت نہیں کر سکتی اس

لئے کسی ناخوش گوار واقعہ سے پہلے ہی آپ کے پاس لے آئی ہوں۔

وہ ناخوش گوار واقعہ کیا ہوسکتا ہے؟ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے کچھ دیر تذبذب کے بعد سب کچھ بلا کم و کاست بیان کر دیا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں اور فرمایا حلیمہ!

میری بیٹے کی قدر و عظمت کا تو ادراک نہیں کر سکتی' قدرت ان کی نگہبان ہے اس لئے کوئی ناپسندیدہ قوت ان کے قریب بھی نہیں آئے گی۔ دل سے ہر قسم کا خوف و خطر نکال دو اور خوش و خرم واپس جاؤ۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے پیغمبر اوّل و آخر واعظم حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی امی جان کے پاس چھوڑا اور خود واپس چلی گئیں۔

(سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 165)

جب حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس مکہ مکرمہ لا کر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کیا تو آپ کی عمر مبارک چار سال ہو چکی تھی۔ اس وقت آپ پانچویں سال میں داخل ہو چکے تھے۔ اس لئے بعض علماء نے عمر مبارک چار سال اور بعض نے پانچ سال لکھی ہے کہ اس دوران پہلا شق صدر ہوا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ واقعہ شق صدر کے بعد ہم دیکھتے تھے کہ

ہر روز دو سفید شخص (نوری فرشتے) آپ کی خدمت میں اترتے اور آپ کے کپڑوں کے اندر غائب ہو جاتے تھے۔ بستی کے لوگ ہمیں کہتے حلیمہ! اب انہیں ان کے دادا کے سپرد کر دو اور اپنی یہ امانت (بخیر و خوبی) واپس کر دو۔ پس میں نے (مکہ جانے کا) ارادہ کیا تو اسی وقت غیبی آواز سنی۔ کوئی بصورت ندا' وادی مکہ کو مبارک دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے اے سرزمین مکہ! آج تجھے مبارک ہو آج تجھ پُر نور برسنے والا ہے۔

(الخصائص الکبری جلد 1 صفحہ 55, 56)

چنانچہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ معظمہ میں آ گئیں اور حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کیا اور ساتھ سارے واقعات بھی سنا دیئے۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہے کاش میں اس کا زمانہ بعثت پا سکوں۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے حضور پُر نور نبی کریم روف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحت مند' حسین و جمیل اور نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھا تو سینے سے چمٹا لیا' آنکھوں سے مسرت کے آنسوں چھلک پڑے اور چار سالہ جدائی کی کوفت بھول گئیں۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو تحائف و ہدایا سے لاد دیا اور انعام و اکرام کی بارش کر دی۔ اس نے ایک وفا شعار آیا اور مہرباں ماں ہونے کا حق ادا کر دیا تھا اور اپنی بساط کے مطابق خوب خدمت و نگہداشت کی تھی۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اس کی اس فرض شناسی اور احساس ذمہ داری سے بہت خوش ہوئیں اور دعائیہ کلمات کے ساتھ رخصت کیا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا

حضرت عبداللہ کا نکاح

قارئین کرام درج ذیل پہلے ایک صفحہ کا بیان اس سے پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ یہاں تھوڑے سے اضافے کے ساتھ اس کا دوبارہ تذکرہ اس لئے کر دیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے متعلق قاری کو سارا مواد ایک جگہ مل جائے۔

نذر وفدیہ سے فارغ ہو کر عبدالمطلب کو اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کی شادی کا خیال آیا۔ قبیلہ بنی زہرہ شرافت نسبی میں نہایت ممتاز تھا۔ اس قبیلہ میں وہب بن عبد مناف کی لڑکی جس کا نام آمنہ تھا' قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھی۔ کیونکہ والد وفات پا چکے تھے اس لئے اس وقت وہ اپنے چچا وہیب بن عبد مناف کے پاس تھی چنانچہ عبدالمطلب وہیب کے پاس گئے اور حضرت آمنہ سے حضرت عبداللہ کے نکاح کا پیغام دیا جس کو انہوں نے منظور کر لیا۔

اور عبدالمطلب نے خود اپنے نکاح کا پیغام حضرت آمنہ کے چچا وہیب کی لڑکی ہالہ کے لئے دیا' جو رشتہ میں حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی خالہ ہیں۔ یہ دونوں نکاح ایک ہی مجلس میں پڑھے گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ان ہی (ہالہ) کے بطن سے ہیں جو رشتہ کے اعتبار سے حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے چچا بھی ہیں اور خالہ زاد بھائی بھی' اور حضرت صفیہ بھی انہی سے ہیں۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق حضرت عبداللہ تین دن سسرال میں رہ کر گھر چلے آئے۔

(سیرت ابن کثیر جلد 1 صفحہ 117 تا 180 - زرقانی للمواہب جلد 1 صفحہ 103 - روض الانف جلد 1 صفحہ 179)

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا شرافت' عزت ووجاہت اور عفت وعصمت میں بے مثال تھیں' اور اپنی قوم میں اس وقت سیدۃ النساء یعنی تمام عورتوں کی سردار تھیں اور طبری کے بقول وہ اپنے زمانے میں قریش کی سب سے زیادہ فضیلت مآب اور محترم خاتون تھیں۔ (سیرت ابن کثیر جلد 1 صفحہ 177 - اردو دائرہ معارف اسلامیہ صفحہ 11 جلد بنام محمد رسول اللہ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ شادی کے بعد کچھ عرصہ مکہ میں رہے۔ پھر بغرض تجارت شام گئے۔ جب لوٹے

تو ان کا گزر یثرب سے ہوا۔ چند روز کے لئے اپنے والد حضرت عبدالمطلب کے ننہال میں قیام کیا۔ اسی اثناء میں وہ بیمار ہو گئے۔ آپ کے دوسرے ساتھیوں نے چند روز انتظار کیا لیکن جب آپ کی طبیعت نہ سنبھلی تو وہ لوگ مکہ روانہ ہو گئے لیکن آپ رک گئے' کہ صحت درست ہو تو سفر اختیار کریں۔ لیکن مشیت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا' آپ کی طبیعت بگڑتی چلی گئی یہاں تک کہ آپ نے یثرب میں ہی داعی اجل کو لبیک کہی۔

یہ جانکاہ خبر مکہ پہنچی ہوگی تو حضرت عبدالمطلب کے خاندان پر بجلی بن کر گری ہوگی۔ حضرت عبدالمطلب کو اپنے جواں سال لخت جگر اور آپ کے بھائی بہنوں کو اپنے بلند اقبال اور نیک خصال بھائی کی وفات نے جس طرح تڑپایا ہوگا اس کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے معصوم دل پر اس جانکاہ صدمہ سے جو چوٹ لگی ہوگی اس کے درد کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ ابھی تو انہوں نے اپنے سرتاج کو جی بھر کر دیکھا بھی نہ تھا۔

کتنی آرزوئیں زندہ درگور ہو گئی ہوں گی کتنی امنگیں' ادھوری رہ گئی ہوں۔ ایک کامیاب اور ہر نوع کی سعادتوں سے مالا مال زندگی بسر کرنے کے سارے حسین خواب چور چور ہو گئے ہوں گے۔ سیدہ کے قلب حزیں نے کتنا چاہا ہوگا کہ اڑ کر یثرب جائیں اور جس جگہ پر ان کا قرار جاں استراحت فرما ہے حاضری دیں۔ لیکن وہ امانت جس کا آپ کو امین بنا گیا تھا اس کی حفاظت کے احساس نے اپنے محبوب کے مرقد کی زیارت سے باز رکھا۔ پھر حضور کی پرورش کا فرض اس شوق فراواں کی تکمیل میں حائل رہا۔

جب اس لخت جگر اور نور نظر کی عمر چھ سال ہو گئی اور اس عمر میں آپ نو' دس سال کی عمر کے بچوں سے بھی زیادہ توانا اور تندرست معلوم ہونے لگے اور غمزدہ ماں کو یقین ہو گیا کہ ان کے گلشن آرزو کا یہ گل رنگین اب یثرب کے طویل اور کٹھن سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کے قابل ہو گیا ہے تو انہوں نے اپنے سسر حضرت عبدالمطلب سے اپنی اس دیرینہ آرزو کا ذکر کیا اور اجازت چاہی کہ آپ یثرب جا کر اپنے دولہا کی قبر کی زیارت کریں جو انہیں اپنی ایک سہانی جھلک دکھا کر شب ہجر کی تاریکیوں کے حوالے کر کے ہمیشہ کے لئے ان سے بچھڑ گیا ہے۔ حضرت عبدالمطلب اپنی بہو کی اس درخواست کو مسترد نہ کر سکے۔ اور یثرب جانے کی اجازت دے دی۔

سفر یثرب

سیدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے فرزند ارجمند کو لے کر یثرب روانہ ہوئیں۔ ان کے ساتھ ان کی کنیز ام ایمن بھی تھی۔ اس خوش بخت خاتون کا نام برکت تھا اور اس کا تعلق حبشہ سے تھا۔ یہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو اپنے والد سے ورثہ میں ملی تھی۔ یہ مختصر سا قافلہ حضور انور ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب

کے ننہال بنوعدی بن نجار کے ہاں جا اترا اور ایک ماہ تک دارالنابغہ میں قیام کیا۔ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے اپنی والدہ کے ہمراہ اپنے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کی اور جو رشتہ دار یہاں آباد تھے سب کو دیکھا۔

یہاں بنوعدی بن النجار کا ایک تالاب تھا۔ حضور انور ﷺ نے بہت جلد اس میں تیرنا سیکھ لیا اور پیراک بن گئے۔ عسکری تربیت کا یہ بھی ایک حصہ تھا جو یہاں مکمل ہوا۔ جب عرصہ دراز کے بعد حضور اکرم ﷺ یہاں تشریف لائے تو یہاں کے در و دیوار کے ساتھ بچپن کی جو یادیں وابستہ تھیں آپ ان کا اکثر تذکرہ فرماتے تھے۔

پس آپ وہ حالات و واقعات بیان فرمایا کرتے تھے جو یہاں درپیش آئے تھے۔ جب دارالنابغہ کو دیکھا تو فرمایا' امی جان یہاں آ کر قیام پذیر ہوئی تھیں اور بنوعدی کے تالاب کو دیکھا تو فرمایا' اس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا۔ (الخصائص الکبری جلد 1 صفحہ 79- طبقاب ابن سعد اور دیگر)

یہاں تقریباً ایک ماہ قیام رہا کچھ اور ٹھہرنے کا ارادہ تھا مگر یکے بعد دیگرے ایسے واقعات پیش آئے جنہوں نے جلد واپسی پر مجبور کر دیا۔

واپسی اور وفات

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں' جسے امام ابونعیم نے دلائل میں روایت کیا ہے۔

پس میں نے ایک یہودی کو دیکھا جو بار بار آتا جاتا اور مجھے دیکھتا تھا بالآخر اس نے سوال کیا۔ اے بچے! تیرا نام کیا ہے؟ میں نے جواب دیا' احمد اس نے میری پشت کو دیکھا۔ میں نے سنا وہ کہہ رہا تھا' یہ بچہ اس امت کا نبی ہے۔ پھر وہ یہودی میرے ماموؤں کے پاس آیا اور انہیں یہی بات بتائی۔ ماموؤں نے میری امی جان سے بات کی تو انہیں میری وجہ سے فکر لاحق ہوئی اور انہوں نے مدینہ سے واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔

(الخصائص الکبری جلد 1 صفحہ 79)

اسی طرح حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مدینہ میں قیام کے دوران ایک روز دو یہودی دوپہر کے وقت میرے پاس آئے۔ ایک نے کہا' ذرا احمد کو باہر لاؤ! میں حضور پُر نور ﷺ کو لے کر باہر آئی' تو انہوں نے حضور انور ﷺ کو بہت غور سے دیکھنا شروع کر دیا اور نشانیاں تلاش کرتے رہے۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا یہ بچہ اس امت کا نبی ہے اور یہ شہر یثرب اس کا دارالہجرت ہوگا۔ (الخصائص الکبری جلد 1 صفحہ 79)

یہود کے فتنہ و شر کے پیش نظر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا حضور انور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کو لے کر مکہ

روانہ ہوگئیں۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام آتا ہے جسے ابواء کہتے ہیں یہاں پہنچ کر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوگئیں اور بیماری بڑھتی گئی۔ آخر اس عالم مسافرت میں بیس سال کی عمر میں اس جہان فانی سے رخصت فرما گئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک ابواء میں ایک چھوٹی سی پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے۔

مکہ و مدینہ کے طریق قدیم (کی پرانی سڑک) پر ایک مقام ''مستورہ'' آتا ہے وہاں سے صحراء میں 24 کلو میٹر کے فاصلہ پر ''وادی ابواء'' ہے اور قبر مبارک ابواء کی آبادی سے باہر ہے۔

قارئین کرام امت مسلمہ کی اجتماعی بدقسمتی کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک کو اس وقت سے آج تک کسی زمانے میں بھی شایان شان شکل نہ دی گئی۔ نہ نام' نہ نشان' نہ چار دیواری' نہ روشنی' نہ پانی' نہ زائرین کے لئے رکنے رہنے بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ وضو نماز' اور نہ قرآن حکیم کی تلاوت کے لئے کوئی کسی طرح کا قرب وجوار میں انتظام۔

اور اس پر مزید بدقسمتی کہ گذشتہ عشرہ میں تو سعودی حکومت نے یہ مذموم حرکت کی کہ رہے سہے نشان کو بھی بالکل مٹا دیا جائے۔ اے اللہ! تو اپنے عذاب سے امت مسلمہ کو بچا۔ یہ تو اتنی بے حس و بے بس ہو چکی ہے کہ اسے اپنے اسلاف کی عظمتوں اور تیری رحمتوں کا بھی احساس نہیں رہا۔ اللہ تو اپنے ان نیک دل بندوں کے طفیل جنہوں نے وقتاً فوقتاً وہاں حاضر ہو کر اس نشان مبارک کو قائم رکھا' سنوارا' قائم رکھنے سنوارنے کی سعی کی ہے' اس امت پر رحم فرما۔ آمین

امام ابونعیم نے بیان دلائل النبوۃ میں بیان کیا ہے کہ ام سماعہ بنت ابی رحم اپنی والدہ سے روایت کرتی ہیں کہ وہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت ان کے پاس تھیں وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم شان معصومیت کے ساتھ اپنی والدہ کی وفات کے وقت ان کے تشریف فرما تھے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے آخری وقت بڑی حسرت کے ساتھ پیغمبر اوّل و آخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم روف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرا اقدس پر پیار بھری نگاہ ڈالی' یہ اشعار کہے اور روح پاک قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اشعار کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

اے بیٹے! اللہ تجھے برکت دے۔ اے اس عظیم باپ کے فرزند جس نے بادشاہ حقیقی اور منعم کائنات کی عنایت و مہربانی سے زبردست موت کے آہنی چنگل سے نجات حاصل کی۔ چنانچہ جس روز قرعہ اندازی ہوئی تو ان کے بدلے سو چرنے والے اونٹ قربان کئے گئے۔ میرے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب میں نے دیکھے ہیں اگر وہ سچے ہیں تو میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں تو جلیل وکریم رب تعالیٰ کی طرف سے نبی بن کر مخلوق کی طرف مبعوث ہونے والا ہے۔ تو حق وصداقات اور اپنے دادا حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے دین اور اسلام کی روشنی کے ساتھ حرم اور غیر حرم کے تمام علاقوں کی طرف مبعوث ہوگا۔ پوری قوم بتوں کی پرستش اور ان کی محبت میں گرفتار ہے۔ لیکن اللہ تبارک تعالیٰ نے تجھے ان خرافات سے روک دیا' کہ آپ ان بت پرستوں سے دوستی نہ کریں۔

(خصائص الکبریٰ۔ امام سیوطی جلد 1 صفحہ 79 شرح المواہب اللدینہ زرقانی جلد 1 صفحہ 164)

ان اشعار کے بعد آپ کے آخری کلمات یہ تھے۔

ہر زندہ کو موت آئے گی۔ ہر نیا پرانا ہوگا اور ہر بڑا چھوٹا فنا ہوگا۔ اب میں تو مر رہی ہوں لیکن میرا ذکر دنیا میں باقی رہے گا۔ کیونکہ میں ایک ایسے بچے کو جنم دے چلی ہوں جو سراپا طہارت و پاکیزگی ہے۔ (الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 79)

علامہ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں ان اشعار کو نقل کرنے کے بعد علامہ سیوطی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ اشعار اس بات پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا موحدہ تھیں۔ انہوں نے دین ابراہیمی کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ آپ کا فرزند اسلام کے ساتھ اللہ کی طرف سے مبعوث ہوگا اور بتوں کی دوستی سے اپنے فرزند کو منع فرمایا۔ کیا یہی توحید نہیں ہے؟ کیا عقائد کے علاوہ توحید کسی دوسری چیز کا نام ہے؟

ام سماعہ رضی اللہ عنہا مزید روایت کرتی ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر ہم نے جنات کو روتے دیکھا اور نوحہ خوانی کرتے سنا۔ جو اشعار جنات نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر کہے ان میں چند ایک اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

ہم آنسو بہاتے ہیں پاکیزہ اور قابل صد عزت و احترام حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی ناگہانی موت پر۔ وہ پاک دل اور معزز خاتون جو عزت و عصمت کے انتہائی بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔ آپ کی شان یہ ہے کہ آپ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ مطہرہ اور آپ کی اعلیٰ نسب' شریف النفس' توحید پرست شریک حیات ہیں۔ آپ کا اس سے بھی بڑا مرتبہ و مقام یہ ہے کہ آپ رحمۃ للعالمین اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ ہیں۔ وہ نبی آخر الزماں پیغمبر اوّل و آخر و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم جن کا منبر شریف مدینہ میں ہوگا اور جو پردہ فرما جانے کے بعد مدینہ میں ہی آرام فرما ہوں گے۔

(الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 80)

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کی وفات کے وقت اپنی عمر مبارک کے چھ سال مکمل فرما کر ساتویں سال میں داخل ہو چکے تھے۔ اور اچھی صحت قد کاٹھ کے سبب نو دس سال کے لگتے تھے۔

آج حضور پُرنور نبی کریم روف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ''یتیم الابوین'' (ماں اور باپ دونوں کی طرف سے) یتیم ہو گئے۔ آپ نے والد گرامی کی تو شفقت بھی نہ دیکھی تھی صرف قبر ہی دیکھی تھی اور اس سفر میں والدہ ماجدہ بھی قبر میں آرام فرما گئیں۔ کم سنی' بے آب و گیاہ صحرا اور سفر تنہائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی تین ساتھی رہ گئے۔ اب وہ حبشی خادمہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا اکیلی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھی۔ جو آپ کی انگلی پکڑ کر کبھی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر لاتی

اور کبھی آپ کے حسین چمکتے ہوئے رخساروں سے آنسو پونچھتی۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی عمر وفات کے وقت بیس برس تھی

حدیث شریف میں ہے کہ (غلبہ اسلام کے بعد) پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک ہزار مسلح مجاہدین کے ہمراہ ابواء کے مقام پر اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لائے آپ پر وہاں رقت طاری ہوگئی اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی فرطِ تاثر سے رو پڑے۔

﴿﴾﴿﴾﴿﴾

نورِ اُمّ النور
نورِ رحمۃً للعالمین

ایک نظر میں

- دو جہانوں میں سب سے اونچی شان والے ﷺ کی نرالی رفعتیں، شانیں اور عظمتیں
- دل مبارک پر نزول قرآن اور شان نزول
- آپ ﷺ نے کبھی بھی، کسی کے لئے بھی بددعا نہیں کی
- آپ ﷺ ہر کچھ میں، جہت سے اللہ کے نزدیک ترین ہیں

انسان

- انسان اشرف المخلوقات کیوں ہوا؟
- عقل' اللہ کی ایک عظیم تخلیق' اسکی بناپر ذمہ داریاں' اس کی بنا پر جزاء وسزا
- انسان کا سب سے خطرناک دشمن اس کے اندر موجود ہے
- نور وظلمت' نور کیا ہے؟ کائنات کے راز

عالم کون ہے؟ عقلمند کون ہے؟

- ''میں'' میں آنے والے' اپنے آپ کو بہت عقلمند سمجھنے والے یقینی طور پر غلط فہمی کا شکار ہیں
- ''متقی'' اتنا اچھا ترجمہ نہیں ہے جتنا کہ ''اللہ سے ڈرنے والے''۔

اسلام کی تشریح

- اسلام میں پاپائیت نہیں
- چند انتہائی مشکل آیات کی مفصل سادہ تفسیر
- دین اسلام اور امت مسلمہ کے بدخواہ' مستشرقین کی چالیں' ان کا رد اور سدّ باب
- پیچیدہ روایات کا صحیح اور آسان بیان' تحقیق ودلائل ایسے مضبوط جنہیں آپ جھٹلا نہ سکیں گے بلکہ خوشی سے انہیں قبول کریں گے اور حق کے ہمنوا ہو جائیں گے

اسلام کی تاریخ

- غزوات کا پر تحقیق اور مفصل ایسا بیان جو آپ کو اپنے اندر جذب کر لے گا
- خاص طور پر غزوہ بدر اور غزوہ احد میں ایسی نادر تحقیق جو اسلام کے بدخواہوں کی زبان وقلم کو مستقل لگام دے دے گی۔

اور اسی طرح کئی اور موضوعات کی

آسان' مدلل' مسرورکن' راحت بخش اور شگفتہ وضاحت

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر نزد مسلم ماڈل ہائی سکول ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-7246006